الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

اخبار الاخیار

مصنف:- شیخ عبد الحق محدث دہلوی

مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی

اخبار الاخیار اردو

مُصنّف

ابوالمجد شیخ عبدالحق محدّث دہلوی

مُترجمین

مولانا سبحان محمود صاحب استاد الحدیث دارالعلوم

مولانا محمد فاضل صاحب دارالعلوم

اس کتاب میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مشہور و معروف تصنیف اخبار الاخیار ہند و پاک کے تقریباً تین سو اولیائے کرام و صوفیائے عظام کا مشہور و مستند تذکرہ ہے جس میں علماء و مشائخ کی پاکیزہ زندگیوں کی دل آویز داستانیں پوری تحقیق سے لکھی گئی ہیں۔ یہ کتاب ایک قابل قدر تاریخی و علمی شاہکار ہونے کے علاوہ حکمت و نصائح اور پاکیزہ تعلیمات کا بیش بہا ذخیرہ ہے

ناشر

مدینہ پبلشنگ کمپنی - بندر روڈ کراچی

عرضِ حال

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی ذات گرامی اپنی بزرگی اور تبحر علمی کی وجہ سے ہمیشہ عقیدت اور احترام کی نظروں سے دیکھی جاتی رہے گی، آپ نے جس موضوع پر بھی قلم اُٹھایا اسکا حق ادا کر دیا۔ زیرِ نظر کتاب "اخبار الاخیار" ان کی مشہور ترین کتابوں میں سے ہے۔ محدث دہلوی نے اسمیں تقریباً تین سو اولیائے عظام و صوفیائے کرام کے حالاتِ زندگی یکجا فرما دیئے ہیں۔ اس سے پہلے بھی یہ کتاب چھپتی رہی ہے لیکن ان میں ستم ظریفی یہ ہوئی ہے کہ مترجمین نے اپنی مرضی سے اختصار اور تلخیص سے کام لیا ہے لیکن ہم نے اصلی کتاب کا مکمل ترجمہ کرایا ہے چنانچہ بازار کے مروجہ ایڈیشنوں کے مقابلے میں اسمیں سو صفحات زیادہ ہیں اس کے علاوہ ہماری کتاب آفسٹ میں چھاپی گئی ہے اور دنیا کی بھی معیاری اور جدید ترین طریقہ طباعت ہے۔

زیرِ نظر کتاب اور ہمارا پروگرام اس کتاب میں اُن بڑے لوگوں کے حالات اور واقعات بیان ہوئے ہیں جو اس دنیا میں بھی بڑے تھے اور اُس دنیا میں بھی بڑے رہیں گے اور یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے جیتے جی انسان کی اخلاقی اور روحانی زندگیوں کی تعلیم و تربیت میں بیمثل کردار ادا کیا ہے اور اب ان کے حالاتِ زندگی اور انکی تعلیمات فیض جاریہ ثابت ہو رہے ہیں۔

اللہ والوں کی باتیں اللہ والے ہی خوب سمجھ سکتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ ان صلحائے عظام کی بعض باتیں اپنے صحیح معنی و مطالب کیساتھ سمجھ میں نہ آئیں کیونکہ ہمارے دلوں میں تاریکیاں ہی تاریکیاں ہیں ہمارے دماغوں میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے، پھر جب تک انمیں شمع ہدایت نہ روشن کیجائے ان کا اصلی حال کیسے جانا جا سکتا ہے، اور بزرگان دین کا تذکرہ ہمارے دل و دماغ کی تاریکیاں دُور کرنے کے لئے بہت ضروری ہے۔ ہمارا اس پر یقین ہے کہ اس دَورِ مادی و الحاد میں سائنسی ترقیوں سے زیادہ ذہن اور روح میں انقلاب برپا کرنے کی ضرورت ہے اگر ذہن اور روح کو اخلاقیات سے نہ سنوارا گیا تو ہمارے ذہنوں پر حیوانیت ظلم اور معصیت کا قبضہ ہو جائیگا، اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اسکے حبیب پاک کے فیض روحانی پر تکیہ کرتے ہوئے ہم نے جس قسم کا اشاعتی پروگرام بنایا ہے اسکا مقصد ہی ذہن و روح میں اخلاقی انقلاب برپا کرنا ہے، ہم نے کام تو شروع کر دیا ہے اور نتائج اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی طرف رجوع ہونے والوں کو کبھی بھی مایوس نہیں کرتا۔ حکیم محمد تقی دھلوی

فہرست

مختصر حالات

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش ۹۵۸ھ ——— وفات ۱۰۵۲ھ

شیخ کے خاندانی حالات

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد بخارا کے رہنے والے تھے، ان کے اجداد میں سب سے پہلے آغا محمد ترک تیرھویں صدی عیسوی یعنی سلطان علاؤالدین خلجی کے دورِ حکومت میں سنہ ۱۲۹۶ء ہندوستان تشریف لائے سلطان نے ان کی بڑی قدر و منزلت کی اور اُن کو اپنے امراء کی جماعت کیساتھ گجرات کی مہم پر روانہ کر دیا۔ آغا محمد گجرات کی فتح کے بعد وہیں مقیم ہو گئے، آغا محمد ترک کے ایک سو ایک ۱۰۱ بیٹے تھے لیکن ایک حادثہ میں سو لڑکے انتقال کر گئے، صرف ایک لڑکا معز الدین باقی بچا جس سے اس خاندان کا سلسلہ چلا اس صدمہ سے نڈھال ہو کر آغا محمد ترک پھر دہلی تشریف لائے اور شیخ صلاح الدین سہروردی کی خانقاہ میں معتکف ہو گئے۔

آپ نے ۱۷- ربیع الآخر سنہ ۷۳۹ھ کو انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے، ملک معز الدین سے ہی اس خاندان کا سلسلہ چلا، انکے بعد انکے بیٹے ملک موسیٰ نے بڑی عزت و شہرت حاصل کی، انکے کئی بیٹے تھے ان میں شیخ فیروز نے خاندان کو زیادہ عزت بخشی، یہ تمام علوم و فنون میں یکتائے روزگار تھے، شیخ فیروز سنہ ۸۶۰ھ میں بہرائچ کے کسی معرکہ میں شہید ہوئے جبکہ انکی بیوی حاملہ تھیں، کچھ عرصہ بعد اُن سے شیخ سعداللہ حضرت شیخ کے دادا پیدا ہوئے، جو اپنے زمانے کے کامل شیخ ہوئے۔ ۲۲- ربیع الاول سنہ ۹۲۸ھ کو ان کا انتقال ہوا اور انھوں نے اپنے پیچھے دو لڑکے چھوڑے شیخ رزق اللہ اور شیخ سیف الدین، آپکے انتقال کے وقت شیخ سیف الدین کی عمر ۸ سال کی تھی اور پھر یہی آٹھ سالہ بچہ دہلی کا نہایت باعزت انسان کہلایا اور پھر اسکے گھر میں علم کا وہ آفتاب طلوع ہوا جسکے حالات ہم یہاں لکھنا چاہتے ہیں

حضرت شیخ محدث کی ولادت و تعلیم و تربیت

حضرت شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ

اسلام شاہ سوری کے عہد ۹۵۸ھ میں دہلی پیدا ہوئے، آپ کی تعلیم و تربیت آپکے والد بزرگوار نے بڑی شفقت اور دلسوزی سے کی۔ ابتدائی تعلیم قرآن پاک کی آپ نے خود ہی دی جس کی برکت یہ ہوئی کہ صرف تین ماہ میں حضرت شیخ نے پورا کلام پاک ختم کرلیا اس کے بعد ایک ماہ میں آپنے لکھنا سیکھ لیا، اس قدر کم عرصہ میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا حضرت شیخ کی غیر معمولی فراست و ذہانت کی دلیل ہے۔

اس کے بعد والد کی زیر سرپرستی آپنے فارسی عربی کی تعلیم شروع کی اور جب علم کیطرف بھی توجہ کی بہت جلد اسکو حاصل کرلیا، بارہ تیرہ سال کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھ لی اور پندرہ سولہ سال میں مختصر و مطول، غرض اٹھارہ برس کی عمر میں آپ تمام علوم عقلیہ و نقلیہ حاصل فرما چکے تھے اس دوران میں آپنے علماء ماوراءالنہر سے بھی اکتساب علم کیا۔

عبادت و ریاضت کی ابتداء

شیخؒ نے علوم ظاہر کے ساتھ ساتھ علوم باطن کا بھی پورا خیال رکھا، شیخ سیف الدین نے انکے قلب میں ایک ایسی روح پھونک دی تھی جو آخر عمر تک ان کے قلب و جگر کو گرماتی رہی، عبادت و ریاضت کے ساتھ اپنے وقت کے علماء و مشائخ کی صحبت میں رہنے لگے، عام لوگوں کی صحبت اور میل جول سے ہمیشہ متنفر رہے، یہ شہنشاہ اکبر کا زمانہ تھا جبکہ شرع کی بیحرمتی اور بدعات اپنے عروج پر تھیں اکبر بادشاہ اور اس کے امراء نے بہت کوشش کی کہ وہ بھی ہمارے ساتھ لگ جائیں لیکن جس کی قسمت میں تجدید علوم اسلامی لکھی ہوئی تھی وہ اس ماحول میں کیسے ٹھہر سکتا تھا، بالآخر اس دور کے مذہبی حالات سے گھبرا کر شیخ حجاز تشریف لے گئے۔

شیخ محدثؒ کا سفر حجاز

حضرت شیخ اڑتیس سال کی عمر میں ۹۹۶ھ میں حجاز کی طرف روانہ ہوئے اور رمضان سے کافی عرصہ پہلے آپ مکہ معظمہ پہنچ گئے، چنانچہ رمضان ۹۹۶ھ تک انھوں نے وہاں کے محدثین سے صحیح بخاری و مسلم کا درس لے لیا تھا اور پھر شیخ عبدالوہاب متقی کیخدمت میں حاضر ہوئے وہاں انھوں نے علم کی تکمیل کرائی اور علم طریقت و سلوک سے آشنا کیا، شیخؒ کی خوش قسمتی تھی کہ آپ کو ایسا رہبر کامل مل گیا، غرض شیخ عبدالوہاب متقی سے پورا پورا اکتساب علم کیا اور اُن سے حد درجہ

متاثر ہوئے، انہی کے ساتھ رمضان گزارا اور فریضہ حج بھی ساتھ ہی ادا کیا، بعد ازاں آپ اپنے شیخ کے حکم سے انکے زیر نگرانی حرم کے ایک حجرہ میں عبادت و ریاضت کرتے رہے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے شیخ کو عشق تھا جب دیار محبوب میں پہنچتے تو برہنہ پا ہو جاتے، چار بار زیارت رسول اکرمؐ سے مشرف ہوئے اور حجاز میں تین سال قیام فرمایا،

حجاز سے ہندوستان کو واپسی

علم وعمل کی تمام وادیوں سے گزارنے کے بعد شیخ عبدالوہاب متقیؒ نے شیخ عبدالحق کو ہندوستان واپس جانیکا حکم فرمایا لیکن حضرت شیخ ہندوستان کے حالات سے ایسے دل برداشتہ تھے کہ طبیعت واپس ہونے کو نہیں چاہتی تھی لیکن شیخ کے حکم سے مجبور ہو گئے اور یہ ارادہ کیا کہ بغداد کے راستہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مزار کی زیارت کرکے ہندوستان واپس ہوں لیکن شیخ نے اس کی بھی بعض وجوہات کی بنا پر اجازت نہیں دی، آخر شوال ۹۹۹ھ میں آنکھوں میں آنسو اور دل میں حسرت لئے اس مقدس سرزمین سے رخصت ہوئے ۵

جیف درچشم زدن صحبت یار آخر شد　　روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

شیخ محدثؒ ۱۰۰۰ھ میں ہندوستان تشریف لائے یہاں آکر دیکھا تو اکبر کے مذہبی افکار دین الٰہی کی شکل اختیار کر چکے تھے، اسلامی شعار کی تضحیک کیجارہی تھی ایسے روح فرسا حالات میں شیخ عبدالحقؒ نے ایک دارالعلوم کی بنیاد ڈالی اور قرآن و حدیث کے درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور یہ سلسلہ زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا۔

شیخ محدث کے روحانی پیشوا

شیخ نے ابتدا میں اپنے والد ماجد مولانا سیف الدین سے روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی، حضرت سید موسیٰ گیلانیؒ جو سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ ہیں ان سے شیخ محدثؒ کو بہت عقیدت تھی چنانچہ ۶۔ شوال ۹۸۵ھ میں سید موسیٰ سے وابستہ ہوئے اور انھوں نے اپنی خلافت سے نوازا۔ شیخ عبدالوہاب متقی سے مکہ معظمہ میں تعلیم حاصل کی جن سے شیخ کی ملاقات کا ذکر اوپر گزر چکا، حضرت خواجہ باقی باللہ مشہور ترین بزرگ ہیں جن کی پوری زندگی احیاء سنت و اماتت بدعت میں گزری، شیخ محدثؒ نے آپکے دست حق پرست پر بھی بیعت کی۔

شیخ محدثؒ کا وصال

۲۱- ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو یہ آفتاب علم جس نے چورانوے سال تک فضائے ہند کو منور رکھا غروب ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون آپ کی وصیت کیمطابق حوض شمسی کے کنارے سپرد خاک کیا گیا اور شیخ نور الحقؒ نے نماز جنازہ پڑھائی، آپ کی تاریخ ولادت شیخ اولیاء اور تاریخ رحلت "فخر عالم است" ہے۔

حضرت شیخ محدثؒ کی تصانیف

شیخ محدثؒ کی چورانوے سال کی عمر ہوئی اس عمر کا بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں بسر ہوا ہر علم و فن پر آپ نے کتابیں لکھی ہیں جن کی تعداد ساٹھ ہے اور اگر مکاتیب و رسائل کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ تعداد ۱۱۶ تک پہنچتی ہے ان میں سے مشہور مطبوعہ کتابیں درج ذیل ہیں

نمبر	نام کتاب	موضوع	زبان	کیفیت
۱	اخبار الاخیار فی احوال الابرار	سیر و تذکرہ	فارسی	مطبوعہ۔ اردو ترجمہ مولانا محمد فاضل صاحب
۲	آداب الصالحین	اخلاق	"	مطبوعہ۔ اردو ترجمہ نواب قطب الدین دہلوی
۳	آداب اللباس	"	"	مطبوعہ۔ اردو ترجمہ
۴	اشعۃ اللمعات فی شرح مشکوٰۃ	حدیث	فارسی	مطبوعہ۔
۵	ترجمہ زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار	سیر	"	مطبوعہ۔
۶	تکمیل الایمان و تقویۃ الایقان	عقائد	"	مطبوعہ۔ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۷	توصیل المرید الی المراد بہ بیان	تصوف	"	مطبوعہ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۸	جذب القلوب الی دیار المحبوب	تاریخ	فارسی	مطبوعہ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۹	شرح سفر السعادت		"	مطبوعہ
۱۰	شرح فتوح الغیب	تصوف	"	مطبوعہ
۱۱	فہرس التوالیف	ذاتی	فارسی عربی	مطبوعہ
۱۲	کتاب المکاتیب والرسائل	مکاتیب	فارسی	مطبوعہ۔ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۱۳	ما ثبت بالسنۃ فی ایام السنۃ	حدیث	عربی	مطبوعہ

۱۴	مدارج النبوۃ	سیر	فارسی	مطبوعہ۔ (اُردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۱۵	مرج البحرین	تصوف	"	مطبوعہ (اُردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۱۶	نکات الحق والحقیقت	"	"	مطبوعہ۔

حضرت شیخ محدثؒ اور اُن کے معاصرین

حضرت مجدد الف ثانی رح — فیضی

حضرت شاہ ابوالمعالی رح — مُلّا عبدالقادر بدایونیؒ

شیخ عبداللہ نیازی رح — مرزا نظام الدین احمد بخشی

نواب مرتضیٰ خاں شیخ فرید — میر سید طیب بلگرامی رح

عبدالرحیم خان خاناں — محمد غوثی شطاری رح

شیخ محدث کی اولاد

شیخ محدث کے تین فرزند ہوئے، سب سے بڑے فرزند شیخ نور الحق مشرقی ہیں جو اپنے والد محترم کی طرح صاحب علم وفضل ہوئے خود حضرت شیخ محدثؒ آپ سے بیحد خوش تھے اور اپنا وجود ثانی کہتے تھے، شیخ نور الحقؒ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں جنمیں تیسیر القاری کے نام سے چھ جلدوں میں بخاری شریف کی شرح بھی شامل ہے آپ نے اپنے والد کی حیات میں ہی شاہجہاں کے عہد میں اکبر آباد کی قضا کا عہدہ قبول کر لیا تھا اور جب شیخ محدث کا انتقال ہوا تو شیخ نور الحق نے اپنے باپ کی مسند ارشاد کو سنبھال لیا۔ شیخ عبدالحق کے دوسرے فرزند شیخ علی محمد جید عالم اور بزرگ تھے، آپ نے بھی متعدد کتابیں تصنیف فرمائی تھیں، تیسرے فرزند شیخ محمد ہاشم ہیں۔ یہ علم حدیث میں خاص مناسبت رکھتے تھے۔ محمد ہاشم کے لڑکے محمد عاصم سے حضرت شیخ محدث کو بہت محبت تھی۔

مقدمہ اخبار الاخیار

از حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُس خدائے بزرگ و برتر و واہب العطیات کا شکر ہے جس کی عطائیں غیر محدود اور جسکی نعمتوں کا شکر ادا کرنا دائرہ امکان سے خارج ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں میں سب سے مقدم

نعمتِ وجود ہے اس کے بعد دوسری نعمتوں کا نمبر ہے، چونکہ نعمتِ وجود دائمی ہے اس لئے دائمی طور پر ہر لمحہ اس نعمت کا شکر ادا کرنا ضروری ہے لہذا اس نعمتِ وجود کا شکر ادا کر کے دوسری نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔

قطعہ

عقل در اندیشہ فرو شد مگر — شکرِ خداوند تعالےٰ کند

دید کہ ہرگز نتواند کہ آں — لائق آں درگہِ والا کند

تا ابدالدہر ز شرمندگی — سر نتوانست کہ بالا کند

اللہ تعالیٰ کی ان لامحدود نعمتوں سے جنکا ہر لمحہ انسان پر بے چون و چرا فیضان ہو رہا ہے

نعمتِ نفس یعنی سانس کی نعمت ہے جس کی آمد و شد میں اتنی لاکھوں نعمتیں موجود ہیں جنکے شمار و احاطہ کی عقل میں طاقت نہیں، اندر داخل ہونیوالے سانس سے سیکڑوں کام نکلتے ہیں، یہ سانس ایسا آبِ حیات ہے جو رگوں پٹھوں وغیرہ کی نالیوں میں داخل ہو کر اعضاء و اطراف کے برگ و بار کو سرسبز رکھتا ہے، حلق کی نالی میں سانس داخل ہو کر اس کے مَیل کچیل اور کثافت و خشکی کو دُور کر کے لطیف و نرم بناتا ہے پھر اسکا جوہر پھیپھڑے کے ذریعہ گلزار دل میں داخل ہو کر بدن کے تمام رگوں پٹھوں اور مسامات میں پہنچتا ہے اور حرارتِ غریزی کو معتدل بناتا ہے گویا ہر لمحہ

نیا لباسِ زندگی اور ہر لحظہ تازہ شربتِ زلیست بہم پہنچاتا ہے، باہر نکلنے والا سانس اُنہی منزلوں اور راہوں سے جن سے وہ داخل ہوا تھا باہر آتا ہے اور اندر کے تمام فضلات اور کثافتیں باہر نکال پھینکتا ہے اور طبیعت میں فرحت و نشاط پیدا کر کے حبس و تنیق دم کی تکلیف سے نجات دیتا ہے۔

سانس کا حساب لگانے والوں سے پوچھو کہ صبح سے شام تک کتنی مرتبہ اسکی آمد و شد ہوا کرتی ہے اور اس کے ضمن میں کیسی کیسی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں لہٰذا ان نعمتوں میں سے کسی ایک کا حق ادا کرنا کس طرح ممکن ہے فسبحان من جلت قدرتہ وَدقت حکمتہ

مثنوی

ہر نفسِ نو کہ وصول آورد ۔۔۔ مائدۂ تازہ نزول آورد

جو نیا سانس حاصل ہو رہا ہے گویا ایک تازہ دستر خوان نازل ہو رہا ہے

روح ازو تازہ غذائے برد ۔۔۔ دل نفسِ باد ہوائے خورد

اس سے روح کو تازہ غذا ملتی ہے اور دل تازہ تازہ ہوا کھاتا ہے

ہر نفست زندگی آید پدید ۔۔۔ بل ھم فی اللبس من خلق جدید

ہر سانس سے زندگی ظاہر ہو رہی ہے لیکن لوگ اس حیاتِ جدید سے اشتباہ میں مبتلا ہیں

ہر نفسے تازہ حیاتِ دگر ۔۔۔ واسطۂ صبر و ثباتِ دگر

ہر تازہ سانس نئی حیات اور نئے صبر و استقلال کا وسیلہ ہے

ہر یک ازاں مروحۂ جنبان شش ۔۔۔ روح مزاج دل ازو کرد خوش

ہر سانس تمام پہلوؤں کیلئے پنکھا ہے کہ اس سے مزاج قلب باغ باغ ہو جاتا ہے

حنجرۂ جاں مترنم ازو! ۔۔۔ پنجرۂ دل متنسم ازو!

روح کی آواز اسی کے باعث نغمہ ریز اور دل کا پنجرہ اسی کے سبب آباد ہے

بر سرِ مو در بدن آدمی ۔۔۔ یافت ازو تازگی و خرمی

بدن انسانی کا رُواں رواں اسی سے تازگی و خرمی حاصل کرتا ہے!

آدمی بے ہنر و بے زباں　　　حمد خدا را چہ تواند بیاں
یہ بے زبان و عاجز انسان اللہ تعالےٰ کی تعریف بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا
اس کی نعمتوں میں سے ایک

نعمتِ رزق ہے جو شب و روز بلا ناغہ تم کو حاصل ہو رہی ہے۔ ذرا دیکھو اور اس کے اسباب و آلات پر غور و فکر کرو کہ وہ ایک دانۂ گندم پیدا کرنے میں کتنے اسباب ایجاد فرماتا ہے، اس کی صورت کی ایجاد، کھیتی باڑی کے اسباب اور اسکی قوتوں کی فساد سے حفاظت فرماتا ہے اور عجیب ترتیب و تکمیل کے ساتھ، پھر اس کے پیسنے، گوندھنے پکانے، کھانے، چبانے اور ہضم و جذب میں ایسی عجیب و غریب نعمتیں اور حکمتیں ظاہر فرماتا ہے جن کو وہ حکیم مطلق ہی جانتا ہے پھر اسکو غذائے صالح بناتا ہے فسبحان من تمت حکمتہ وعمت نعمتہٗ

قطعہ

سبحان قدیرے کہ بہ یک ذرۂ شکرش　　　خاصانِ درش کردہ رہ عقل و خرد گم!
از خرمنِ او دانۂ گندم زدہ آدم　　　پروردہ ہمہ خلق باآں دانۂ گندم
گم درشکم دانہ دل انجم و افلاک!　　　چوں دانہ چندیست فتادہ بتہِ خم

اس کے علاوہ دوسری نعمتیں مثلاً کھانا، پینا، لباس، مجلس و مکان، آمد و رفت کے مقامات، بستیاں اور تمام ارضی و سماوی، علوی و سفلی، روحانی و جسمانی اور ظاہری و باطنی نعمتوں کو دیکھو اور علیم و قدیر کی تخلیق و تقدیر اور تربیت و تدبیر پر غور و فکر کرو تو سکوت و حیرت اور عاجزی و بندگی کے علاوہ کچھ بھی نظر نہ آئے گا۔

آسمان و کواکب کی عجیب و غریب طریقہ پر تخلیق و رفتار ثوابت و سیارات کے تمام احوال و صفات، عناصر و ارکان کی عجیب و غریب ترتیب، وسیع و عریض زمین کا بچھونا، مضبوط و مستحکم پہاڑ و ں کی ایجاد، چشموں کا پھوٹنا، نہروں کا بہنا مختلف الانواع جمادات و نباتات و حیوانات کی تکوین، ان اجسام کی تخلیق میں عجیب و غریب حکمتوں کو ملحوظ رکھنا اور تمام کے ظاہر و باطن میں ان بڑی بڑی نعمتوں کا عطیہ جنکا مجمل ذکر بھی نہ کسی کے بس کی بات ہے اور نہ ان کا ذکر بڑی بڑی کتابوں میں سما سکتا ہے، اے انسان! یہ سب تیرے لئے ہیں تاکہ تو اس کی یاد سے غافل نہ ہو، او

اسکی جستجو میں مشغول رہے فسبحان من لا احصر لالائہ ولا احصاء لنعمائہ۔ یعنی پاک ہے وہ ذات جس کی نعمتیں بے حساب اور احسانات بے شمار ہیں۔

قطعہ

احصار وحصر نعمتِ حق قدرتِ تو نیست — فکر اندراں خیال چہ باید ترا گماشت

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حساب شمار تمہارے بس سے باہر ہے، اس فکر میں تمہیں نہیں پڑنا چاہیئے،

کارِ تو ایں بود کہ بدانی کہ ایں ہمہ — بہرِ تو آفرید و ترا بہرِ خود نگاشت

تمہارا تو صرف یہ کام ہے کہ اتنا سمجھ لو کہ یہ سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا ہے اور تمہیں اپنے لئے،

ایں منبسط بساط زمیں بہرِ تو نہاد — وایں سائبانِ سبز فلک بہرِ تو فراشت

اس زمین کا فرش تمہارے لئے اسنے بچھایا ہے اور آسمان کا یہ سبز سائبان تمہارے لئے پھیلایا ہے

چندیں نعم بہ بزم ظہور آشکار کرد — چندیں دگر بعالمِ دیگر نگاہ داشت

بہت سی نعمتیں تو اسی دنیا میں ظاہر فرمادیں اور بہت سی دوسری نعمتیں آخرت کیلئے محفوظ فرمالیں

غافل مشو ز ذکرِ خداوند روز و شب — آں دم کہ آشِ شام خوری یا غذائے چاشت

کسی وقت بھی اللہ کے ذکر سے دن رات میں غافل نہو، چاہے وہ شام کے کھانیکا وقت ہو یا دوپہر کے

مذکورہ بالا نعمتوں میں تو انسان وحیوان سب مشترک ہیں، لیکن وہ مخصوص نعمتیں جو صرف انسان کو عطا کی گئی ہیں جیسے فہم و فراست، نطق و فکر، علم و زیرکی، شوق و محبت ذوق و معرفت، قربِ و ولایت، نبوت و رسالت اور تکریم و تعظیم ان کا شکر ادا کرنا مشکل ہے اور ان مخصوص نعمتوں کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ رتبۂ بلند عطا فرمایا ہے کہ تمام مخلوقات ارضی کے سر اس کے پاؤں ہیں اور مخلوقات سماوی سے اسکا سر اونچا ہے

قطعہ

پاکی کہ خاک را سراز برفلک رسید — بلکہ فلک زیرِ تو آں خاک نور یافت

پاک ہے وہ ذات جس نے خاک سے بنائے ہوئے سر کو فلک پر پہنچا دیا بلکہ فلک نے اس خاک کے سایہ سے نور حاصل کیا

بنمود ہر چہ بود بگنج ازل نہاں! — آں دم کہ نور آدم خاکی ظہور یافت

جب آدم خاکی کا نور جلوہ گر ہوا تو جو کچھ خزانہ ازل میں تھا اسے ظاہر فرمادیا

بیروں در فرشتہ بکارے مُوَکل است ــــ ایں آدم اختصاص بزمِ حضور یافت

باہر فرشتہ ہر خدمت کیلئے متعین و کربستہ ہے، حضرت آدم کو یہ خصوصیت آنحضورؐ کے طفیل ملی ہے

از بوئے او ریاض بہشت بریں شگفت ــــ وز روئے او سفیدی رخسار حور یافت

آپکی خوشبو سے بہشت کا باغ شگفتہ و معطر ہوگیا اور آپکے چہرۂ انور سے حور کے رخسار کو ملاحت ملی

نورِ صفا اگرچہ ز روئے صفا ظہور ــــ چوں از درخت شعشہ نار طور یافت

نورِ صفا اگرچہ صفا کی جانب سے ظاہر ہوا جس طرح درخت شعشہ سے طور کو آگ حاصل ہوئی

داند کہ نور کیست ز رخسار او عیاں ــــ آں کس کہ روشنائی نور شعور یافت

لیکن جس کو نور شعور کی ملی ہے وہ جانتا ہے کہ اس کے چہرہ سے کس کا نور ظاہر ہو رہا ہے

نور محمدی ست کہ اول ز ذات بحت ــــ در عقل و نفس آمدہ زیں جا عبور یافت

یہ نور محمدی ہے جو ذات محض سے پہلے عقل و نفس میں اسی راستہ سے گزر کر ظاہر ہوا ہے

حرفِ نخست ابجد ایجاد ذات اوست ــــ کاں حرف کاتب ازل اصل سطور یافت

ابجد کا پہلا حرف آپ کی ذات کی ایجاد ہے، اس حرف نے کاتب ازل سے اصل سطور کا مقام پایا ہے

فرقانؔ وصف اوست کہ توریت کرد طے ــــ انجیل در نوشتہ زبر بر زبور یافت

فرقان آپ کا ایسا وصف جسے توریت نے طے کر دیا اور انجیل و زبور میں بھی یہی لکھا ہوا ملا۔

عقل از کمال اوست چو از آفتاب چشم ــــ نزدیک خیرہ رہ نتواند ز دور یافت

عقل آپکے کمالات میں ایسی ہے جیسے سورج کے سامنے آنکھ کہ نزدیک ہو کر خیرہ ہو جاتی ہے اور دُور سے استفادہ کر سکتی ہے۔

جس طرح خالق موجودات کا شکر ادا کرنا انسان کی طاقت و امکان سے باہر ہے اسی طرح سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا تشریح و زیادتی سے بالاتر، جو کچھ حدِّ احدیت کے سوا متعین ہے، ذات محمدی اس کا بیان اور جو صفات مبہم ذات احدیت میں ہیں، ذات محمدی ان کے لئے باعث ظہور ہے، غرضیکہ جتنے بھی علوی یا سفلی انوار ہیں سب آپ کے پرتو نور سے ظہور پذیر ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ذات حق کی صفات کا ادراک و عرفان اسوقت تک نہیں ہو سکتا جب تک آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی

کنہِ ذات سے واقفیت نہ ہو۔

قطعہ

حق را بچشم اگرچہ ندیدند لیکنش — از دیدنِ جمال محمد شناختند

اگرچہ حق تعالیٰ کو کسی نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن اسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جمال سے پہچانا ہے۔

اورا بچشم دید و نشناختند ازاں — کز صورتش غشاوہ معنیش بساختند

اسے کسی نے اپنی آنکھ سے نہیں پہچانا، کیونکہ اس کی صورت سے اسکے مضمون کا لفافہ بنایا ہے

آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم ذات خداوندی کے لئے ما عبدناك (اے اللہ ہم نے تیرا حق عبادت ادا نہیں کیا) فرماتے ہیں اور تمام انسان آپکے حق میں ما عرفناك (ہم نے آپ کو نہیں پہچانا) کہتے ہیں۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم دربار خداوندی میں عرض کرتے ہیں لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك (ہم تیری تعریف نہیں کرسکتے، تو ایسا ہی ہے جیسے تو نے اپنی تعریف کی ہے) اور دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ اے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہم آپ پر درود نہیں بھیج سکتے جیسا کہ اللہ نے آپ پر درود بھیجا ہے۔

قطعہ

خیر الوری امام رُسل مظہرِ اتم — او از خدا و ہرچہ از و منتشی از و!

آپ بہترین مخلوق امام الانبیاء اور مظہر کامل ہیں، آپ خدا سے ہیں اور دوسری چیزیں آپ سے ہیں

او جان جملہ عالم و حق جان جاں شمار — حق را بغیر واسطۂ ذات او مجو!

آپ کو تمام کائنات کی روح اور حق تعالیٰ کو جانِ روح سمجھو، حق تعالےٰ کو آپ کی ذات گرامی کے واسطہ کے بغیر طلب مت کرو۔

حق در ازل برابر آئینہ وجود — آئینۂ حقیقتش آورد رو برو!

روزِ ازل میں حق تعالےٰ آپکے آئینۂ وجود کے مقابل ہوکر آپ کے آئینۂ حقیقت کو سامنے لایا

آئینہ را مقابل آئینہ چوں نہند — اینجا لطیفہ است اگر بشنوی بگو

اگر آئینہ کو آئینہ کے سامنے رکھدیں تو یہاں ایک لطیفہ ہے اگر تم سننا چاہو!

از اول آنچہ در دوم افتد بود بعکس　　گر دد درست باز ازیں چو فتد درد

پہلے آئینہ سے دوسرے میں جو عکس پڑتا ہے اسوقت درست اور سیدھا ہوتا ہے جب اسمیں پڑے

نقش وجود راست نشنیدے بایں طریق　　بشناس ایں دقیقہ مزن دم بگفتگو

اس طریقہ سے وجود کے نقش راست کو نہیں سنا گیا، اس نکتہ کو پہچانو اور زیادہ گفتگو مت کرو

حضور صلے اللہ علیہ وسلم ابتدا میں تخلیق کائنات کا سبب اور آخر میں بنی آدم کی ہدایت کا وسیلہ ہیں، باطن میں تربیت کنندۂ ارواح اور ظاہر میں تکمیل کنندۂ اجسام ہیں، ارکان مذاہب کو منہدم کرنے والے، ادیان سابقہ کو منسوخ کرنے والے، انگشتری وجود کا نگینہ، اور نگینہ معرفت وشہود کا نقش ہیں، پابند تصور اخلاق کا مقصود، سالکین اہل زمین کا مطلوب، مکارمِ اخلاق کے تکمیل کرنے والے، کاملوں کو درجۂ کمال تک پہنچانے والے، وجود وعدم کی منزلوں کو دیکھنے والے، دربار حدوث و قدم کا سنگم، امکان و وجوب کے جامع، طالب ومطلوب میں واسطہ، مملکتِ خداوندی کے خدیو اور حکومت الٰہی کے بادشاہ ہیں، حقیقت خلوت کے مظہر، صورتِ رحمانیت کے جلوہ، عالم لاہوت کے راز سربستہ، خزانۂ جبروت سے واقف، ارواح ملکوتیہ کو تروتازگی بخشنے والے اور اجسام ناسوت کو رونق دینے والے ہیں۔ ولایت کے رہنما، دائرہ نبوت کی انتہا، مظہر کامل، رحمت عالم، عقل اول، ترجمان اولیں، نوروں کے نور، سراپا راہنما، تمام رسولوں کے سردار، اللہ کے سب سے زیادہ محبوب، سب سے زیادہ برگزیدہ سرکار دو جہاں صلے اللہ علیہ وسلم۔

قطعہ

شاہِ رُسل شفیعِ اُمم خواجۂ دو کون　　نورِ ہدی حبیبِ خدا سیدِ انام

رسولوں کے بادشاہ، امتوں کے شفاعتی، دونوں جہان کے سردار، نور ہدایت، اللہ کے محبوب اور مخلوق کے سردار

مقصود ذات اوست دگر ہا ہمہ طفیل　　منظور نور اوست دگر جملگی ظلام

آپکی ذات اقدس مقصود اصلی باقی سب طفیلی ہیں، آپ کا نور ہی اصل ہے اور باقی سب تاریکی ہے

ہر مرتبہ کہ بود در امکان او بروست　　ہر نعمتے کہ داشت خدا شد برو تمام

جو مرتبہ بلند بھی ممکن ہو آپ اس پر فائز ہیں اور اللہ تعالےٰ کی جتنی بھی نعمتیں ہیں وہ آپ پر تمام ہیں

برداشت از طبیعتِ امکاں قدم کہ آں　　اسریٰ بعبدہ است من المسجد الحرام

آپ نے عالم امکان سے اوپر قدم اٹھایا جیسا کہ وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس محبوب بندہ کو مسجد حرام سے راتوں رات

تا عرصۂ وجوب کہ اقصائے عالم ست　　کانجا نہ جا ست نے جہت نے نشان نے نام

درگاہِ وجوب تک جو منتہائے عالم ہے لے گیا، کہ وہاں نہ مکان ہے نہ جہت نہ نشان اور نہ نام

سرّے ست بس شگرف درپیچ کہ پیچ ہا　　از آشنائے عالم جاں پرس ایں مقام

عجیب و غریب پیچیدہ راز ہے، روح کون و مکان کے واقف سے اس مقام کو دریافت کرو

اشعار

رسولٌ کریمٌ نبیٌ نبیہٌ　　رفیعٌ شفیعٌ عزیزٌ وجیہٌ

رسول ہیں، کریم ہیں، نبی ہیں، عاقل کامل ہیں، بلند مرتبہ، شفاعت کرنیوالے، باعزت و وجاہت،

بشیرٌ نذیرٌ سراجٌ منیرٌ　　رحیمٌ فخیمٌ عظیمٌ خطیرٌ

بشارت دینے والے، ڈرانیوالے، چراغ روشن، رحم کرنے والے، بلند مرتبہ صاحب عظمت اور عظیم المرتبت ہیں

رضیٌ وصیٌ تقیٌ نقیٌ　　سخیٌ بھیٌ علیٌ ملیٌ

پسندیدہ، نصیحت کرنیوالے، پاک صاف، سخاوت کرنیوالے، صاحب جمال، بلند و بالا اور بڑے غنی ہیں

عطوفٌ رؤفٌ کریمٌ رحیمٌ　　علیمٌ رحیمٌ سلیمٌ کلیمٌ

مہربان، شفیق، کریم، صاحب رحم، صاحبِ علم و رحمت، بے عیب اور اللہ سے گفتگو کرنے والے

خسف القمر بجمالہ　　عجز البشر بکمالہ　　نطق الحجر بجلالہ

آپ کے جمال سے چاند بے نور ہوگیا　　انسان آپکے کمال کے سامنے عاجز ہے　　آپ کی عظمت سے پتھر بھی بول پڑے

صلوا علیہ وسلموا

آپ پر درود و سلام بھیجو

ملأ الخلاء بخیرہٖ　　خرق السماء لسیرہٖ　　ماساغ ذالک لغیرہٖ

آپنے اپنی خیر و برکت سے کائنات کو بھردیا　　تشریف لیجاکر آسمان کے دروازے کھولدیئے　　آپکے سوا کسی کو یہ شرف نہیں ملا

صلّوا علیہ وسلّموا

آپ پر درود و سلام بھیجو

شرق المکان بنورہٖ	سرّ الزمان بسورہٖ	نسخ الملل بظہورہٖ
آپکے نور سے ہر جگہ روشن ہو گئی	زمانہ آپ کی آمد سے خوش ہو گیا	تمام مذاہب آپکے ظہور سے منسوخ ہو گئے

صلّوا علیہ وسلّموا

آپ پر درود و سلام بھیجو

کشف الشبہ ببیانہٖ	رفع العلےٰ بمکانہٖ	اکرم برفعۃ شانہٖ
آپنے تمام شبہات اپنے بیان سے حل کردیئے	بلندیوں کو آپکی وجہ سے رفعت ملی	آپکی رفعت شان سے اسکو عظمت ملی

صلّوا علیہ وسلّموا

آپ پر درود و سلام بھیجو

فلتھدوا الشریعۃ	ثم اقتدوا الطریقۃ	فتحققوا لحقیقۃ
سو آپکی شریعت سے ہدایت حاصل کرو	پھر آپکی طریقت کی پیروی کرو	پھر آپ کی حقیقت پر جم جاؤ

صلّوا علیہ وسلّموا

آپ پر درود و سلام بھیجو

اللھم صل علےٰ محمد و علیٰ آل محمد و اصحابہ

اسی طرح حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی آل کامل کے کمالات، صحابہ کرام کی تمام صفات اور ائمۂ عظام کے احسانات کا حساب و شمار طاقت بشری کے امکان میں نہیں ہے درحقیقت یہ تمام حضرات دریائے نبوت کی نہریں اور آسمانِ رسالت کے چاند ہیں، جس فیض کو فروغ ملا یا جو نور دین میں ظاہر ہوا وہ انہی بزرگوں کے طفیل ہوا ان میں ہر نہر کا پانی جدا اور ہر چاند کی روشنی الگ ہے ان میں سے ہر بزرگ کتاب فضیلت کا ایک مستقل باب اور مستقل فصل ہے، کوئی صدق و راستی میں مشہور ہے، کوئی عدل و انصاف میں معروف، کوئی لباسِ حیا سے مزین اور کوئی علوم بے پایاں کا ماہر، غرضیکہ خاتم نبوت کے خلفاء کا اختتام خاتم ولایت کی مہر سے ہوا۔

قطعہ

اصحاب پیمبر ہمہ مستغرق نور اندا   در شعشعۂ ذات چہ از دور چہ نزدیک

آنحضورؐ کے تمام صحابۂ کرام نور میں غرق ہیں، اگرچہ ذات کے اعتبار سے دُور ہوں یا نزدیک ہوں

اے در رہِ ظلمات خلافت شدہ حیراں   بے نور ہدایت مرد اندر شب تاریک

اے راہِ خلافت کی پیچیدگیوں میں پریشان ہونیوالے، اندھیری رات میں نور ہدایت کے بغیر نہ چل

خوش راہ غریبی ست عجب مشکل و آساں   چوں جسر صراط ست بسے روشن و باریک

راہ غریبی بہت خوب ہے لیکن عجیب ہے، کتنی مشکل کتنی آسان، جیسے پلصراط کہ بے انتہا روشن اور بے انتہا باریک۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ جن پر شجر ولایت کی انتہا ہو گئی، اس شجر سے درخت طوبی کی طرح بہت سی شاخیں نکل کر تمام عالم کو اپنے نور سے چمکا رہی ہے اور تمام دنیا حضرت علی رضؓ کے نور جمال ولایت سے روشن ہو رہی ہے خصوصاً رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد امجاد، اور عالی نژاد نواسوں نے ان کمالات سے وراثتِ حقیقی اور نسبت ذاتی کے سبب پوری طرح فیض حاصل کیا اور اپنی ذاتی عصمت کیوجہ سے باطنی حکومت کا جھنڈا بلند کرتے ہوئے ظاہری حکومت کو دوسروں کے سپرد کر دیا۔

رباعی

نوابِ نبیؐ بملک نبی ایشانند   حکام ولایت یقین ایشانند

مملکتِ دین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب یہی حضرات ہیں، حکومت ایمان کے حکام وہی حضرات ہیں

از کشتیٔ نوح و بحرِ موسیٰ گوئی   مقصود و مراد حق ہمیں ایشانند

حضرت نوح کی کشتی ہو یا حضرت موسیٰ کا سمندر، سب میں اللہ کا مقصود و مراد یہی حضرات ہیں

نور ولایت خاندان نبوت سے کبھی جدا نہیں ہوتا اور نہ آسمان ولایت ان قطبوں کے بغیر کسی اور چیز پر قائم رہ سکتا ہے۔

قطعہ

ظاہر از اہلِ بیت نور نبی   ہمچو در ماہ نور خورشید است

اہلِ بیت میں آنحضورؐ کا نور جلوہ ہے جس طرح چاند میں آفتاب کا نور ہوتا ہے

از ازل تا ابد بود ظاھر زانکہ ایں نور نور جاوید است

ازل سے ابد تک اس کا ظہور ہے کیونکہ یہ نور نورِ جاودانی ہے

خاندان نبوت میں سے اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا قطب الاقطاب، بنی آدم کا غوث اور جن و انس کا مرجع بنادیا حتیٰ کہ شیخ محی الدینؒ مجدد دین ہو گئے، اگرچہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا جمال تمام اولاد میں درخشاں ہے لیکن حضرت شیخ میں اور ہی قسم کا جمال و کمال ہے اور حضرت شیخ کا جمال دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال اور ان کا کمال درحقیقت رسالت پناہ کا کمال ہے۔

اللّٰھم صلّ علےٰ محمدٍ وعلےٰ اٰلِ محمدٍ

اشعار

عالم ظہور نورِ کمال محمد است آدمؑ مثال حسنِ جمال محمد است

تمام عالم نور کمال محمدی کا مظہر ہے، آدمؑ حسن و جمال محمدی کا نمونہ ہیں

از آفتاب روز قیامت چہ غم بود آں را کہ در پناہ ظلال محمد است

اس شخص کو جو سایۂ محمدی کی پناہ میں ہو قیامت کے روز آفتاب کا کیا غم ہوگا

اے غرقۂ گناہ ز طوفان غم مترس کشتیِ نوح عصمت آلِ محمد است

اے غریقِ گناہ طوفان غم سے نہ ڈر کیونکہ عصمت آلِ محمد تیرے لئے کشتیِ نوح ثابت ہوگی

حمد و ثنا کے بعد فقیر حقیر، خدائے قوی و قادر کا عاجز بندہ عبدالحق بن سیف الدین ترک بخاری دہلوی عرض رساں ہے کہ اہل عقل و بصیرت اور باشعور حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ حالات کی بہترین اثر اندازی بلکہ افضل ترین عبادت، اہل کمال حضرات کی رفاقت اور مقربان دربار الٰہی کی مجالست ہے کیونکہ انکی استقامت کو دیکھ کر سالک کیلئے راہ عبادت کی بڑی بڑی تکالیف آسان ہو جاتی ہیں بلکہ وہ شکوک و شبہات جو بُعد و حجاب کا سبب ہیں محض انکی زیارت سے زائل ہو جاتے ہیں، اگر بفرضِ محال کسی آدمی میں اتنی صلاحیت و استعداد ہی نہ ہو کہ وہ کسی بزرگ کی صحبت سے استفادہ کر سکے لیکن اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ اہل ولایت و کمال جو وجود کی لذت اور کمال خصوصیت رکھتے ہیں اپنے پاس آنے جانیوالے نااہلوں کو بھی نعمت خداوندی سے نوازتے رہتے ہیں کیونکہ ایسا افادہ بھی ولایت کی ایک قسم ہے۔

اشعار

اے کہ از کشمکش قال مقال نیستست حالت ارباب کمال

اے قال و مقال کی کشمکش میں مبتلا، تجھے اہل کمال کی حالت کی خبر ہی نہیں ہے

ہیچ نا یافتہ در خود اثرے نہ شنیدہ زکساں جز خبرے

اپنے اندر کچھ بھی اثر حاصل نہیں کیا اوروں سے باتوں کے علاوہ کچھ نہیں سنا

قابل کار نہٗ معذوری یا خود از کوشش آں بس دُوری

کام کے قابل ہے معذور نہیں ہے، یا اپنی طرف سے کوشش محض دُوری دبُعد ہے

باش کیں راہ گزارے دگراست ہر کسے قابل کارے دگراست

اس طرح رہو کہ یہ دوسری رہ گزر ہے، ہر آدمی ایک کام کے لائق و مناسب ہوتا ہے

لیکن اندر پئے انکار مرو! از جہاں منکرِ ایں کار مرو!

لیکن ڈھٹائی اور انکار کے راستہ پر نہ چلو اور دنیا سے اس کام کے منکر رہ کر نہ جاؤ،

بنگر ایں حالت درویشاں را کوشش و سوزش عشق ایشاں را

درویشوں کی اس حالت کو غور سے دیکھو اور ان کے عشق کی سوزش و کوشش کو بھی دیکھو

کہ دریں رہ چہ طلبہا دارند در طلبہا چہ تعبہا دارند

کہ وہ اس راستہ کی کتنی طلب رکھتے ہیں اور اس طلب میں کتنی تکالیف برداشت کرتے ہیں

زیں طلب گر خدا نیافتہ اند ایں ہمہ بہر چہ بشتافتہ اند

اگر انھیں اس طلب میں خدا نہیں ملا ہے تو یہ سب کچھ کس مقصد سے وہ کر گزرے ہیں

در طلب ایں ہمہ جانبازی چیست مال و اسباب فدا سازی چیست

راہِ طلب میں یہ جانبازی پھر کیونکر ہے اور مال و اسباب کی یہ قربانیاں کیسی ہیں

کشف اگر نیست قیاس تو کجاست عقل کو درک حواس تو کجاست

اگر تمہیں کشف نہیں ہوتا تو قیاس و تخمین کہاں ہیں اور تمہاری عقل کا ادراک و حواس کہاں ہے

بارے اونیست تر وجدانے معتقد باش و بیار ایمانے

اور اگر ذوق و وجدان سے تم محروم ہو تو معتقد ہوکر ایمان لے آؤ

لیکن جب انسان اہلِ کمال کی صحبت اور عارفوں کے دیدارِ جمال سے بے بہرہ ہو جائے تو اسوقت ان بزرگوں کے حالات سے باخبر رہنا بھی باعثِ ہمت افزائی اور تاریکیوں کو ختم کرنیوالا ہے، انکے حالات سے واقف ہونے سے بھی وہی اثر ہوتا ہے جو انکی صحبت سے کیونکہ درحقیقت یہ بھی انکے صحبت میں رہنے کے مترادف ہے اسلئے کہ جمال کدورت انسانی اور صورت عنصری کے حجاب سے زیادہ صاف ستھرا ہے، اگر حسن عقیدت ہو تو ہر چیز مشاہدہ بنجاتی ہے، اسی وجہ سے ہر زمانے میں بزرگوں کے اخلاق وعادات کو ضبط تحریر میں لا کر محفوظ کرلیا جاتا ہے ان کو ہر محفل ومجلس میں پڑھا جاتا ہے جس سے انکا جمال اور زیادہ مزین ہو جاتا ہے، علاوہ بریں اس سے طمانیت اور عبرت ونصیحت کے علاوہ اور بھی بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں جن میں سب سے پہلا یہ ہے کہ اولیائے کرام کا وجود ایک ہمہ گیر رحمت اور عام نعمت ہے اور بموجب حکم خداوندی واما بنعمۃ ربک فحدث (اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرو) ان بزرگوں کے حالات کو بیان کرنا ضروری ہے جو دراصل اس عظیم نعمت کا شکر ہے اور ان بزرگوں سے عقیدت رکھنا اور محبت کرنا ضروری ہے۔

رباعی

ہر کس کہ کمال اولیا را نہ شناخت — ایں نعمت خاص بے بہا را نہ شناخت

جس نے اولیائے کرام کے کمالات کو نہیں پہچانا اُسنے اس مفت کی خاص قسم نعمت کی قدر وقیمت نہ جانی

پس شکر نہ گفت وحب ایشاں نگزید — میداں بیقین کہ او خدا را نہ شناخت

اس نے نہ تو شکر ادا کیا اور نہ ان کی محبت کو اپنایا، یقین رکھو کہ اس نے خدا کو بھی نہیں پہچانا

دوسرے یہ کہ اللہ تعالےٰ کے ان برگزیدہ بندوں کا تذکرہ باعثِ رحمت قربت ہے اسلئے کہ عاشق کو اپنے محبوب کا تذکرہ اچھا لگتا ہے اور محبوب بھی عاشق کا ذکر پسند کرتا ہے غرضیکہ ان بزرگوں کا تذکرہ ایک ایسی عبادت ہے جسے ہر آدمی محنت ومشقت کے بغیر ہر حال میں ادا کر سکتا ہے اور اللہ تعالےٰ کا قرب اس طرح اسے نصیب ہو سکتا ہے۔ ویسے بھی ماضی وحال کے واقعات اور قصے کہانیاں سننا لوگوں کی عادت میں داخل ہو گیا ہے، پس بزرگوں کے حالات کا سننا جو باعث سعادت دارین بھی ہے زیادہ اچھا ہے تاکہ طبیعت کی یہ خواہش بھی پوری ہو جائے اور عبادت بھی ہو جائے، دوسرے یہ کہ ذاکر و مذکور میں ایک ایسی

نسبت و محبت کی ضرورت ہے جو باعث ذکر ہو، اور بزرگوں کے حالات و واقعات سننے سے قلب میں بہت جلد ایسی ہی ایک امتیازی نسبت حاصل ہوتی ہے اور یہ فطری بات ہے کہ بزرگوں کے حالات سنکر ہر شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ انکو یہ سعادت ابدی صرف اسلئے حاصل ہوئی کہ وہ حسن عمل کے پیکر تھے، جس سے خود اسکے دل میں لامحالہ حسن عمل کیطرف قدم بڑھانے کا ایک لازوال جذبہ پیدا ہو جائیگا، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ یہ پاکیزہ ارواح ہمارے اس طرح یاد کرنے سے خوش ہوں اور اسکے عوض میں وہ ہمیں بھی عالم آخرت میں یاد کریں اور مدد کیلئے اپنے دروازہ کو طالب کے لئے کھولدیں، علاوہ ازیں یہ بات بھی ہے کہ جب انسان بزرگوں کو خیر سے یاد کریگا تو اس سے بھی دوسرے لوگوں کا یہ معاملہ ہوگا کیونکہ کما تدین تدان یعنی جیسا تم اوروں کے ساتھ معاملہ کروگے تمہارے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوگا دبّ ھب لی حکماً والحقنی بالصّالحین ہ واجعل لی لسان صدق فی الآخرین (اے پروردگار مجھے علم و حکمت عطا فرما اور مجھے زمرۂ صالحین میں رکھ، اور مجھے آنیوالوں میں صدق بیانی عطا فرما)

قطعہ

چو من بخیر کنم یاد رفتگاں دائم
اُمید آنکہ مرا ہم بخیر یاد کنند!

جب میں گزرے ہوئے لوگوں کو خیر کے ساتھ یاد کرونگا تو اُمید ہے کہ دوسرے بھی مجھے خیر کیساتھ یاد کرینگے

چو شاد می کنم ارواح دیگراں شاید
کساں رسند مرا نیز روح شاد کنند

جب میں دوسرے کی روح کو خوش کرونگا تو ہو سکتا ہے کہ لوگ میری روح کو بھی خوش کریں

ان اسباب و حقائق کے پیش نظر مجھ جیسے کتاب نادانی کے قاعدہ خواں کو یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ان بزرگوں کے مناقب و فضائل میں لب کشائی کروں اور حضرات مشائخ قدس اللہ اسرارہم سے تعاون کی درخواست کرتے ہوئے انھیں پیر دستگیر و فریاد رس بنی آدم کے دربار میں وسیلہ بناؤں اسلئے کہ میری کوشش کی ابتدا و انتہا آپ پر ہے اور دنیا و آخرت میں آپ کی عنایات و توجہات میرا وسیلہ ہیں، اگرچہ مجھ جیسا گنہگار و بدکردار یہ حوصلہ نہیں کر سکتا، کہ ان اللہ والوں کا نام نامی اپنی زبان پر لاؤں اور خود کو انکی تعریف بیان کرنیوالوں میں شریک کرلوں

رباعی

ہیہات من از کجا و ایں کار کجا　　　　در خورِ من ضعیف ایں بار کجا

بھلا میں کہاں اور یہ پاکیزہ کام کہاں، اور مجھ جیسے ضعیف میں یہ بوجھ اُٹھانے کی طاقت کہاں

اوصافِ بزرگاں زشمار افزوں ست　　　　در طاقتِ تقریرِ من زار کجا

بزرگوں کے اوصاف تو بے حساب ہیں، مجھ بیچارہ کی تقریر میں یہ طاقت کہاں

چونکہ علاقۂ عرب و ایران کے اولیاء کے حالات تو اربابِ معارف کی کتب و رسائل میں مدون ہیں اسلئے دل میں یہ خیال آیا کہ حضرت پیرِ دستگیر شیخ العالم غوث الاعظم، فرد احباب، قطب الاقطاب غوث الثقلین شیخ محی الدین ابو محمد عبدالقادر الحسنی الجیلانی رح کے تذکرہ کے بعد ہندوستان کے مشائخ کے حالات سپردِ قلم کئے جائیں کیونکہ ہمارا ملک محبانِ خدا اور اولیاء اللہ کا خاص مرکز رہا ہے اور اگرچہ بعض مشائخ کے حالات بقیدِ تحریر آچکے ہیں لیکن اکثر علماء، صلحا اور اتقیا جو فتحِ اسلام کے ابتدائی دَور سے اس ملک میں پیدا ہوئے اور اپنے زمانہ کے مشہور بزرگوں میں ہیں انکے تفصیلی حالات میں کوئی مخصوص کتاب نہیں ہے بلکہ بعض ملفوظات میں یا خاص و عام کی زبان سے انکا کچھ تذکرہ مل جاتا ہے نیز وہ مشائخ متاخرین جو ماضی قریب میں گزرے ہیں انکے حالات و مناقب بھی ضبطِ تحریر میں نہ آسکے بلکہ انکے ہمعصروں کی زبان پر ہیں، اسلئے اس کتاب میں جو حقائق و اسرار کا ایک خزانہ ہے حضرت معین الدین چشتی رح کے ابتدائی دَور سے ۹۹۸ھ تک (جو اس کتاب کی تصنیف کا زمانہ ہے) تمام اولیائے کرام اور اربابِ یقین کے وہ احوال جو مشائخ چشتیہ کی کتب و رسائل میں مذکور اور معتبر راویوں سے منقول ہیں نہایت تحقیق و تفتیش کے بعد جمع کر رہا ہوں نیز ان صلحاء و علماء کے حالات بھی سپردِ قلم کئے گئے ہیں جو اپنی امتیازی شان کیساتھ مشہور تھے، طبقۂ اسکندریہ کے ان اولیاء و صلحا کے حالات و صلاحِ حال، تقوی، دیانت و امانت میں ضرب المثل تھے اور اطرافِ عالم کے وہ علما جو ہندوستان میں مقیم ہوگئے تھے اگرچہ بعض ایسے بھی ہیں جن کی ولایت و کرامت مشہور نہیں ہے لیکن اہلِ مجلس ان کا ذکر کرتے ہیں، یہ بھی کسی نہ کسی طرح ممتاز تھے اور اس مناسبت سے اسکا نام اخبار الاخیار فی اسرار الابرار رکھا گیا۔ ہر ایک کی تعریف کسی مبالغہ آرائی کے بغیر انکے حالات کیساتھ لکھی گئی ہے اور ان بزرگوں کی تصنیفات و تالیفات اور مکتوبات و رسائل میں سے جو مسائلِ طریقت، مکاشفات

حقیقت یا وعظ و نصیحت نظر سے گزرا وہ بھی قدرے سپرد قلم کر دیا ہے۔

بعض مقامات پر فوائد و منافع کے پیش نظر مضمون طویل کر دیا گیا ہے کیونکہ اسکے بغیر بات ادھوری رہ جاتی تھی، اور بعض جگہ اختصار سے اسلئے کام لیا گیا کہ اسی سے مقصود پورا ہو جاتا تھا۔

غرضنکہ اس کتاب کی تصنیف کا مقصود سالکان راہ طریقت اور طلبگاران راہ حقیقت کو فائدہ پہنچانا ہے، اسلئے اسمیں ایسی مضمون نگاری سے جس سے پڑھنے والوں کی تضیع اوقات ہو یا اپنی قابلیت جتانا ہو، کام نہیں لیا گیا ہے، اور اگر لوگوں کے وقت کو بچانے کے لئے اختصاً سے کام لیا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

اگر ناظرین کو اس کتاب میں کوئی غلطی یا بھول چوک نظر آئے تو اس کی اصلاح فرمادیں کہ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین (اللہ تعالےٰ نیکوں کاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتے) اللہ تعالےٰ کاتب الحروف کے اوقات کو انتشار و فتور سے محفوظ رکھے۔

یہ مسکین ان بزرگوں کے فرق مراتب کا لحاظ وقت و زمانہ کے اعتبار سے رکھنے کی پوری کوشش کریگا اور مصلحت کے پیش نظر اس کے خلاف بھی ہو سکتا ہے، لہٰذا ان اولیائے کرام کے طبقات متعین کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

طبقۂ اول حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح جو ہمارے ملک کے مشائخ عظام کے سربراہ اور سلسلۂ چشتیہ کی پہلی شخصیت ہیں اور آپکے ہم عصر مریدین و مشائخ کے حالات میں ہے۔

طبقۂ دوم حضرت شیخ فرید الحق والدین اور آپکے ہمعصر مشائخ و مریدین کے احوال میں ہے۔

طبقۂ سوم حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ اور آپکے ہمعصروں کے حالات میں ہے اس کے بعد اسی ترتیب کے ساتھ اپنے زمانہ تک کے بزرگوں کے حالات ذکر کئے گئے ہیں، پھر مجذوبوں اور نیک بیبیوں کے حالات کو بلا لحاظ ترتیب لکھا گیا ہے اور خاتمۂ کتاب میں اپنے اسلاف کے اجمالی اور والد ماجد کے تفصیلی حالات بیان کئے گئے ہیں اور کتاب کو ایک "مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات" اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک نعت پر ختم کر دیا گیا ہے غرضنکہ یہ کتاب فقراء کے دل خوش کرنے کی اور سالکوں کے مقصد برآری کی صلاحیت

رکھتی ہے، مجھے اُمید ہے کہ یہ کتاب بارگاہِ خداوندی میں مقبول اور میرے حصول مقصود میں ممد و معاون ثابت ہوگی۔

اشعار

دارم اُمید از خدائے جہاں　　که دہد از قبول خویش نشان

مجھے خداوند عالم سے اُمید ہے کہ وہ اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول کرنے کی کوئی نشانی عطا فرمائیگا

کند ایں را بلطف خویش قبول　　بقبولِ خودش کند موصول

اپنے لطف وکرم سے اسے قبول فرمائے گا، اور اپنی قبولیت سے اس کو نوازے گا

سوئے اہلِ دلش رواں سازد　　جائے او درمیان جاں سازد

اہلِ دل کی طرف اس کو لے جائیگا اور روح کے درمیان اس کی جگہ بنائے گا

اے خدا زار و دلفگارم من　　بیکس و بے نوائے زارم من

اے خدا! میں پریشان حال، غمگین، بیکس، بے سہارا اور خستہ حال ہوں

بفقیرے چو من حزیرے نیست　　جز توام ہیچ دستگیرے نیست

عالمِ فقیری میں مجھ جیسا کوئی مسکین و بیچارہ نہیں، تیرے سوا میرا کوئی دستگیر نہیں

مفلس و کمتریں گدائے توام　　آرزومند یک عطائے توام

تیرے دربار کا ایک مفلس و کمترین گدا ہوں، اور تیری عطا کا خواہشمند ہوں

نظرِ رحمتے بمن فرما　　بر دلم لطف خویشتن فرما

مجھ پر ایک نگاہ کرم اور میرے دل پر اپنی خصوصی رحمت نازل فرما

نیست جز لطف تو کسے مارا　　انت نعم الوکیل والمولیٰ

تیرے کرم کے علاوہ ہمارا کوئی سہارا نہیں تو ہی ہمارا بہترین کارساز اور آقا ہے

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین الطیبین الطاہرین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قطب الاقطاب، فرد الاحباب، غوث اعظم، شیخ شیوخ العالم
غوث الثقلین، امام الطائفتین، شیخ الطالبین، شیخ الاسلام محی الدین
ابو محمد عبد القادر الحسنی الحسینی الجیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

۴۷۰/۴۷۱ ——— ۵۶۱ھ

آپ اہلِ بیت ہیں کامل ولی اور سادات حسینیہ میں بڑی بزرگی کے مالک ہیں، نسبی اعتبار سے آپ عبد اللہ محض بن حسن مثنیٰؓ بن حسن بن علی رضؓ کی اولاد میں سے ہیں، قصبہ "جیل" کی طرف جسے جیلان یا گیلان بھی کہتے ہیں آپکی نسبت ہے، آپکی ولادت ۴۷۰ھ اور ایک روایت کیمطابق ۴۷۱ھ میں ہوئی، آپ کی عمر مبارک کے ابتدائی تینتیس ۳۳ سال درس و تدریس اور فتوی دینے میں اور چالیس ۴۰ سال مخلوقِ خدا کی رشد و ہدایت اور نصیحت میں صرف ہوئے، اور نوّے ۹۰ سال کی عمر پاکر ۵۶۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

۴۸۸ھ میں جبکہ آپ کی عمر مبارک اٹھارہ سال کی تھی آپ بغداد میں تشریف لائے، اور اس وقت کے شیوخ، ائمہ، بزرگانِ دین اور محدثین کی خدمت کا قصد فرمایا، اول قرآن کریم کو روایت و درایت اور تجوید و قرارت کے اسرار و رموز کے ساتھ حاصل کیا اور زمانہ کے بڑے محدثین اور اہلِ فضل و کمال و مستند علمائے کرام سے سماعِ حدیث فرماکر علوم کی تحصیل و تکمیل فرمائی حتی کہ تمام اصولی، فروعی، مذہبی اور اختلافی علوم میں علمائے بغداد سے ہی نہیں بلکہ تمام ممالک اسلامیہ کے علماء سے سبقت لے گئے اور آپ کو تمام علماء پر فوقیت حاصل ہوگئی اور سب نے آپ کو اپنا مرجع بنالیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخلوق کے سامنے ظاہر فرمایا، آپ کی مقبولیتِ تامہ عوام و خواص کے قلوب میں ڈالدی اور آپکو قطبیتِ کبریٰ اور ولایتِ عظیمہ کا مرتبہ عطا فرمایا، حتی کہ چار دانگ عالم کے تمام فقہاء، علماء، طلباء اور فقراء کی توجہ آپکے آستانہ کیجانب ہوگئی، حکمت و دانائی کے چشمے آپکی زبان سے جاری ہوگئے، اور عالمِ ملکوت سے عالمِ دنیا تک آپکے کمال و جلال کا شہرہ ہوگیا،

اور اللہ تعالیٰ نے آپکے ذریعہ علامات قدرت و امارت، دلائل خصوصیت اور براہین کرامت آفتاب نصف النہار سے زیادہ واضح اور ظاہر فرمائے، اور بخشش کے خزانوں کی کنجیاں اور تصرفاتِ وجود کی لگامیں آپکے قبضۂ اقتدار و دستِ اختیار کے سپرد فرمائیں، تمام مخلوق کے دلوں کو آپکی عظمت و ہیبت کے سامنے سرنگوں کر دیا اور اس وقت کے تمام اولیا کو آپکے سایۂ قدم اور دائرہ حکم میں دیدیا، کیونکہ آپ منجانب اللہ اسی پر مامور تھے، جیسا آپ خود فرماتے ہیں کہ "میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے" اور تمام اولیائے وقت حاضر و غائب، قریب و بعید اور ظاہر و باطن سب کے سب آپکے مطیع و فرمانبردار اس وجہ سے ہوگئے کہ انھیں راندۂ درگاہ ہونیکا خوف اور زیادتیٔ مراتب کا شوق اس پر مجبور کرتا تھا، چنانچہ آپ کی ذاتِ گرامی قطبِ وقت، سلطان الوجود، امام الصدیقین، حجۃ العارفین، روحِ معرفت، قلبِ حقیقت، خلیفۃ اللہ فی الارض، وارثِ کتاب، نائبِ رسول، سلطان الطریق اور متصرف فی الوجود تھی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن جمیع الاولیاء۔

حلیۂ مبارک آپ نحیف البدن، میانہ قد، کشادہ سینہ، لمبی چوڑی داڑھی، گندمی رنگ، پیوستہ ابرو، بلند آواز، پاکیزہ سیرت، بلند مرتبہ اور علمِ کامل کے حامل تھے، صاحبِ شہرت و سیرت اور خاموش طبع تھے، آپ کے کلام کی تیزی اور بلند آوازی سُننے والے کے دل میں رعب و ہیبت زیادہ کرتی تھی، یہ آپ کی کرامت تھی کہ مجلس میں قریب و بعید بیٹھنے والے بے کم و کاست بغیر کسی تفاوت کے آپکی آواز بآسانی یکساں طور پر سُن لیتے تھے، جب آپ کلام کرتے تو ہر شخص پر خاموشی چھا جاتی، جب آپ کوئی حکم دیتے تو اس کی تعمیل میں سرعت و مبادرت کے سوا اور کوئی صورت نہ ہوتی، جب بڑے سے بڑے سخت دل پر نظرِ جمال پڑ جاتی تو وہ خشوع و خضوع اور عاجزی و انکساری کا مرقع بن جاتا، اور جب آپ جامع مسجد میں تشریف لاتے تو تمام مخلوق دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر درگاہ قاضی الحاجات میں دُعا کرتی،

حکایت ایک دن آپ کو جامع مسجد میں چھینک آئی لوگوں نے چاروں طرف سے یرحمک اللہ اور یرحم ربک کی آوازیں بلند کیں، خلیفۂ وقت مستنجد باللہ نے جو محراب مسجد میں بیٹھا تھا پریشان ہوکر دریافت کیا کہ یہ شور کیسا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ شیخ عبد القادر کو چھینک آئی تھی جس پر لوگوں نے انھیں دعا دی ہے۔

کمالِ علمی

علم تفسیر

منقول ہے کہ ایک دن آپ کی مجلس میں کسی قاری نے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھی آپ نے اس کی ایک تفسیر بیان کی، پھر دوسری پھر تیسری حتیٰ کہ حاضرین کے علم کے مطابق اسکی گیارہ تفسیریں بیان کیں، پھر دوسری تفاسیر کو شروع فرمایا حتیٰ کہ چالیس تفسیریں بیان فرمائیں اور ہر تفسیر کی سند متصل اور دلیل اور ہر دلیل کی ایسی تفصیل بیان فرمائی کہ اہل مجلس غرق حیرت و تعجب ہو گئے، اس کے بعد فرمایا کہ اب ہم قال کو چھوڑ کر حال میں آتے ہیں پھر آپ نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا، اس کلمۂ توحید کا زبان سے نکلنا تھا کہ حاضرین کے دل میں شورش و اضطراب موجزن ہوا اور کپڑے پھاڑ کر جنگل کا رُخ کیا،

حکایت

مشہور ہے کہ حضرت غوثِ اعظم تمام علمائے عراق کے مرجع بلکہ تمام دنیا کے طالبانِ علم کے مرکز تھے، اطراف عالم سے آپکے پاس فتاویٰ آتے تھے جن کا غور وفکر اور مطالعۂ کتب کے بغیر فوراً آپ صحیح جواب لکھتے، بڑے سے بڑے متبحر عالم کو آپکے خلاف ذرا سا بھی لکھنے یا کہنے کی مجال نہ ہوتی

عجیب فتویٰ

ایک مرتبہ عجم سے آپ کے پاس فتویٰ آیا جس میں تحریر تھا "سادات علماء اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے یہ قسم کھائی کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت نہ کرے کہ افراد انسانی میں سے کوئی بھی کسی بھی جگہ اس عبادت میں اسکا شریک ہو تو اسکی عورت پر تین طلاقیں، اب بتائیے کہ یہ شخص کونسی ایسی عبادت کرے جس سے اسکی قسم نہ ٹوٹے" اسکا جواب لکھنے سے عراق و عجم کے تمام علماء عاجز ہو گئے تو آپکے سامنے یہ فتویٰ پیش ہوا، آپ نے فوراً غور وفکر کے بغیر فرمایا کہ اسکے لئے خانہ کعبہ کو طواف کرنے والوں سے خالی کرالیا جائے، پھر یہ شخص تنہا طواف کے سات چکر کرے تو اسکی قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ خانۂ کعبہ کا طواف ایسی عبادت ہے کہ اسوقت انسانوں میں سے کوئی بھی اسکا شریک نہ ہوگا

ریاضت ومجاہدہ

طریق سلوک

آپ کا طریق شدت ولزوم کے اعتبار سے بے نظیر ہے، مشائخ عصر میں سے کسی میں شدتِ ریاضت میں آپ کی برابری کرنے کی ہمت نہیں

تھی، تفویض کامل، حول و قوت سے برارت، قلب و روح و نفس کی موافقت کے ساتھ مجاری تقدیر کے ماتحت بے بسی، اتحاد ظاہر و باطن، علیحدگی صفات نفس، شکوک و نزاع و تشویش کے بغیر فراغت قلب و خلوسر، اتحاد قول و فعل، لزوم اخلاص، ہر حال میں انقیاد و پیروی کتاب و سُنت، ثبوت مع اللہ، خالص توحید، مقام عبودیت مع ملاحظۂ کمال ربوبیت، اور احکام شریعت کی اسرار حقیقت کے مشاہدہ کے ساتھ پیروی کامل آپ کا طریق تھا،

حکایت ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ پچیس سال تک دنیا سے قطع تعلق کر کے میں عراق کے صحراؤں اور ویرانوں میں اس طرح گشت کرتا رہا کہ نہ میں کسی کو پہچانتا تھا اور نہ مجھے کوئی، رجال الغیب اور جنات کی میرے پاس آمد و رفت رہتی تھی اور میں انھیں راہِ حق کی تعلیم دیا کرتا تھا،

شب بیداری اور تلاوتِ قرآن

چالیس سال تک میں نے فجر کی نماز عشا کے وضو سے ادا کی ہے، اور پندرہ سال تک یہ حال رہا کہ نماز عشا کے بعد قرآن مجید اس طرح شروع کرتا کہ ایک پاؤں پر کھڑا ہو جاتا اور ایک ہاتھ سے دیوار کی میخ پکڑ لیتا، تمام شب اسی حالت میں رہتا حتیٰ کہ صبح کے وقت قرآن کریم ختم کر دیتا، تین دن سے چالیس دن تک بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ نہ کھانے پینے کو کچھ ملا نہ سونے کی نوبت آئی۔

گیارہ سال تک "برج بغداد" میں عبادتِ الٰہی کے اندر مصروف رہا حتیٰ کہ اس برج میں میری اس طویل اقامت کے باعث لوگ اُسے "برج عجمی" کہنے لگے، اور اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ جب تک غیب سے کھانا نہ ملے نہ کھاؤں گا، مدت دراز تک یہی کیفیت رہی، لیکن میں نے اپنا عہد نہ توڑا اور اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا اسکی خلاف ورزی نہ کی،

خضر سے ملاقات

فرمایا کہ ایک مرتبہ سفر میں ایک شخص نے میرے پاس آکر کہا کہ اس شرط پر مجھے اپنی رفاقت میں لے لیجئے کہ صبر بھی کروں گا اور حکم کے خلاف کچھ نہ کروں گا، ایک دفعہ اس نے مجھے ایک جگہ بٹھایا اور یہ وعدہ لیکر کہ جب تک میں نہ آؤں آپ یہاں سے نہ جائیں چلا گیا، میں ایک سال اس کے انتظار میں بیٹھا رہا لیکن وہ شخص نہ آیا، ایک سال بعد آکر مجھے اسی جگہ بیٹھا دیکھا اور پھر یہی وعدہ کر کے چلا گیا، تین مرتبہ اسی طرح ہوا۔ آخری مرتبہ

وہ اپنے ساتھ دودھ اور روٹی لایا اور کہا کہ میں خضر ہوں اور مجھے حکم ہے کہ آپکے ساتھ بیٹھ کر یہ کھانا کھاؤں، چنانچہ ہم نے کھانا کھایا، فارغ ہونے کے بعد حضرت خضر نے فرمایا کہ اب اٹھئے سیر و سیاحت ختم کیجئے اور بغداد میں جاکر بیٹھ جائیے، لوگوں نے پوچھا کہ ان تین سالوں میں کھانے پینے کی کیا شکل رہی؟ فرمایا ہر چیز سے پیدا ہو کر زمین پر پڑا ہوا مل جاتا تھا،

حکایت

(آپکے صاحبزادے) شیخ ضیاء الدین ابو نصر موسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد محترم حضرت غوث اعظمؒ سے خود سنا ہے فرماتے تھے ایک سفر کے دوران میں ایسے بیابان میں پہنچا جہاں پانی کا نام ونشان تک نہ تھا، چند روز میں نے وہاں قیام کیا لیکن پانی ہاتھ نہ آیا، جب پیاس کا غلبہ ہوا تو حق تعالیٰ شانہٗ نے ابر کا ایک ٹکڑا بھیجا، جس نے میرے اوپر سایہ کرلیا اور اس میں سے کچھ قطرات ٹپکے جنھیں پی کر تسکین ہوئی، اس کے بعد اچانک ایک روشنی ظاہر ہوئی جس نے پورے آسمان کا احاطہ کرلیا، پھر اس میں سے ایک عجیب و غریب شکل نمودار ہوئی اور آواز آئی کہ اے عبد القادر میں تیرا پروردگار ہوں جو دوسروں پر میں نے حرام کیا وہ تیرے اوپر حلال کرتا ہوں لہٰذا جو دل چاہے کر اور جو چاہے لے، میں نے کہا، اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، اے ملعون دور ہو، کیا بک رہا ہے، اچانک وہ روشنی تاریکی سے بدل گئی اور وہ صورت دھواں بنکر کہنے لگی کہ اے عبد القادر تم احکامِ خداوندی (یعنی شریعت) کے جاننے والے احوال منازلت سے واقف ہونیکی وجہ سے مجھ سے بچ گئے، میں نے ایسے ہی ہتھکنڈوں اور ترکیبوں سے ستر اہل طریقت کو ایسا گمراہ کردیا ہے کہ کہیں کا نہ چھوڑا، بھلا یہ کونسا علم وہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپکو عنایت فرمایا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ سب فضل اللہ کا ہی ہے اور وہی ابتدا و انتہا میں ہدایت فرماتا ہے،

شیطانی جال ختم ہو

وعظ و نصیحت

حضرت شیخ خود فرماتے ہیں کہ شروع شروع میں مجھے سوتے جاگتے کرنے اور نہ کرنے والے کام بتائے جاتے تھے اور مجھ پر کلام کرنیکا غلبہ اتنی شدت سے ہوتا کہ میں بے اختیار ہو جاتا اور خاموشی کا یارا باقی نہ رہتا، صرف دو تین آدمی حاضر مجلس ہو کر میری بات سنتے، اس

کے بعد میرے پاس لوگوں کا اتنا ہجوم واجتماع ہوجاتا کہ مجلس میں جگہ باقی نہ رہتی، چنانچہ میں شہر کی عیدگاہ میں چلاگیا اور وعظ کہنے لگا، وہاں بھی جگہ تنگ ہوگئی تو منبر شہر سے باہر لیگئے، اور بے شمار مخلوق سوار و پیادہ آتی اور مجلس کے باہر اردگرد کھڑی ہوکر وعظ سنتی، حتی کہ سُننے والوں کی تعداد ستر ہزار کے قریب پہنچ گئی،

حکایت منقول ہے کہ آپ کی مجلسِ وعظ میں چار سو اشخاص قلم دوات لیکر بیٹھتے اور جو کچھ سنتے اس کو لکھتے رہتے، آپؒ نے فرمایا کہ شروع زمانے میں مَیں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ مجھے وعظ کہنے کا حکم فرما رہے ہیں اور میرے منہ میں انھوں نے اپنا لعابِ دہن ڈالا، بس میرے لئے ابواب سخن کھل گئے،

شرکائے وعظ مشائخ سے منقول ہے کہ حضرت شیخ جیلانی رح جب وعظ کے لئے منبر پر بیٹھ کر الحمد للہ کہتے تو روئے زمین کا ہر غائب وحاضر ولی خاموش ہوجاتا اسی وجہ سے آپ یہ کلمہ مکرر کہتے اور اس کے درمیان کچھ سکوت فرماتے، بس اولیاء اور ملائکہ کا آپ کی مجلس میں ہجوم ہوجاتا، جتنے لوگ آپکی مجلس میں نظر آتے اُن سے کہیں زیادہ ایسے حاضرین ہوتے جو نظر نہیں آتے تھے،

آپ کے ایک ہمعصر شیخ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے جنات کی حاضری کیلئے وظیفہ پڑھا لیکن کوئی جن حاضر نہ ہوا بلکہ زمانہ معتاد سے دیر کی، مجھے بڑی حیرانی ہوئی کہ اس تاخیر کا سبب کیا ہے، پھر ان میں سے چند جن حاضر ہوئے، میں نے تاخیر کا سبب دریافت کیا، کہنے لگے کہ حضرت شیخ عبدالقادر رح وعظ فرما رہے تھے ہم سب وہاں حاضر تھے، اس کے بعد اگر آپ ہمیں بلائیں تو ایسے وقت نہ بلایا کریں جب حضرت شیخ وعظ فرما رہے ہوں، کیونکہ لامحالہ ہمیں تاخیر ہوگی، میں نے کہا، تم بھی ان کی مجلس وعظ میں حاضر ہوتے ہو، کہنے لگے آدمیوں کے اجتماع سے زیادہ وہاں ہمارا اجتماع ہوتا ہے ہم میں کے اکثر قبائل اُن کے ہاتھ پر اسلام لائے اور اللہ کی طرف متوجہ ہوگئے،

روایت ہے کہ آپ کی مجلسِ وعظ یہود ونصاریٰ وغیرہ جو آپکے ہاتھ پر اسلام لائے تھے اور ڈاکو، قزاق، اہلِ بدعت اور مذہب واعتقاد کے وہ کچے لوگ بھی

اپنی بداعمالیوں سے آپ کے سامنے توبہ کر چکے تھے ایسے لوگوں سے خالی نہ رہتی تھی، پانسو سے زیادہ یہود و نصاریٰ اور لاکھوں سے زیادہ دوسرے لوگ آپکے ہاتھ پر توبہ کر چکے اور اپنی بدعملیوں سے باز آئے تھے، تو مخلوق کے دوسرے لوگوں کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے۔

روایت ہے کہ جب آپ منبر پر تشریف لاتے تو مختلف علوم کا بیان فرماتے، تمام حاضرین آپ کی ہیبت و عظمت کے سامنے بالکل بُت بن جاتے، کبھی اثنائے وعظ میں فرماتے کہ "قال ختم ہوا اور اب ہم حال کیطرف مائل ہوئے" یہ کہتے ہی لوگوں میں اضطراب وجد اور حال کی کیفیت طاری ہو جاتی، کوئی گریہ و فریاد کرتا، کوئی کپڑے پھاڑ پھوڑ جنگل کی راہ لیتا اور کوئی بیہوش ہو کر اپنی جان دیدیتا، بسا اوقات آپکی مجلس سے شوق، ہیبت، تصرف عظمت اور جلال کے باعث کئی کئی جنازے نکلتے، آپ کی مجلسِ وعظ میں جن خوارق، کرامات، تجلیات اور عجائب و غرائب کا ظہور بیان کیا جاتا ہے وہ بے شمار ہے، ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ۔

مشہور ہے کہ آپ کی مجلسِ وعظ میں تمام اولیا و انبیا جو زندہ تھے وہ اپنے جسموں کے ساتھ اور جو زندہ نہیں تھے وہ اپنی روحوں کے ساتھ موجود ہوتے تھے، اسی طرح آپ کی تربیت و تائید کے لئے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بھی تجلی فرماتے تھے، علی ہذا اکثر اوقات حضرت خضر علیہ السلام بھی آپ کی مجلس میں آتے تھے اور حضرت خضر علیہ السلام کی جس ولی سے بھی ملاقات ہوتی تو وہ اُسے آپ کی مجلس میں حاضر باشی کی نصیحت فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو اپنی کامیابی چاہتا ہے اُسے اس مجلس میں ہمیشہ رہنا چاہیئے،

روایت ہے کہ ایک روز وعظ فرما رہے تھے اچانک چند قدم ہوا پر اُڑ کر فرمایا کہ اے اسرائیلی ذرا توقف کرو اور ایک محمدی کا وعظ سنو، جب آپ اپنی سابقہ جگہ واپس آئے تو لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا معاملہ تھا، فرمایا کہ ابو العباس خضر ہماری مجلسِ وعظ سے تیزی سے جا رہے تھے تو میں ان کے پاس گیا اور کہا کہ تیزی سے نہ جایئے، کچھ ہمارا وعظ بھی سن جایئے،

روایت ہے کہ جب حضرت شیخ منبر پر تشریف لاتے تو فرماتے، اے صاحبزادے

قال سے حال

ہمارے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد حاضری میں دیر نہ کیا کر، ولایت یہاں حاصل ہوتی ہے، اعلیٰ درجات یہاں ملتے ہیں، اے طلبگار، تو بسم اللہ ہمارے پاس آ، اے طالب عفو بسم اللہ تو بھی آ، اے اخلاص کے چاہنے والے بسم اللہ ہفتہ میں ایک بار آ، اگر ممکن نہ ہو تو مہینہ میں ایک مرتبہ، اگر یہ بھی مشکل ہو تو سال میں ایک دفعہ اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو عمر میں ایک مرتبہ آ، اور ہزارہا نعمتیں لے جا، اے عالم ہزار مہینہ کی مسافت طے کر کے میرے پاس آ اور میری ایک بات سُن جا، اور جب تو یہاں آئے تو اپنے عمل، زہد، تقویٰ اور ورع کو نظر انداز کر تاکہ تو اپنے نصیب کے مطابق مجھ سے اپنا حصّہ حاصل کر سکے، میری مجلس میں مقرب فرشتے، مخصوص اولیا اور رجال الغیب اس لئے آتے ہیں کہ مجھ سے بارگاہِ اقدس کے آداب تواضع سیکھیں، اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی اور ولی پیدا فرمائے ہیں وہ سب اگر زندہ ہیں تو اپنے جسموں کے ساتھ اور اگر زندہ نہیں ہیں تو اپنی روحوں کے ساتھ ضرور میری مجلس میں آتے ہیں،

آپ فرماتے تھے کہ میرا وعظ ان رجال غیب کے لئے ہوتا ہے جو کوہ قاف کے ماورار سے آتے ہیں کہ ان کے قدم دوشِ ہوا پر ہوتے ہیں لیکن خداوند عالم کے لئے ان کے دلوں میں آتشِ شوق و سوزشِ اشتیاق شعلہ زن ہوتی ہے، راوی کا بیان ہے کہ آپ نے جس وقت مجلس میں یہ بات فرمائی اس وقت آپ کے صاحبزادے سید عبدالرزاق منبر کے پاس آپ کے پاؤں کے قریب بیٹھے، انھوں نے سر اوپر اُٹھایا، تھوڑی دیر ان حیران رہ کر بیہوش ہو گئے، اور اُن کے لباس و دستار میں آگ لگ گئی، حضرت شیخؒ منبر سے اترے اور آگ بجھائی اور فرمایا کہ اے عبدالرزاق تم بھی اُن میں سے ہو، مجلس ختم ہونے کے بعد آپ نے شیخ عبدالرزاق سے اس حالت کی کیفیت دریافت فرمائی، انھوں نے جواب دیا کہ میں نے آسمان کی طرف سر اُٹھا کر دیکھا تو مجھے رجال الغیب ساکت و مدہوش کھڑے ہوئے اس طرح نظر آئے کہ تمام آسمان ان سے بھرا ہوا ہے اور ان کے کپڑوں میں آگ لگی ہوئی ہے، ان میں سے بعض شور و غوغا کر رہے ہے، بعض وجد و حال میں مست ہیں اور بعض اپنی جگہ اور بعض زمین پر گرے پڑے ہیں،

روایت | ہے کہ آپ کے ایک ہم عصر شیخ جن کا نام صدقہ ؒ تھا آپ کی خانقاہ میں آئے،

دوسرے مشائخ بھی آپ کے باہر تشریف لانے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک حضرت شیخ رح تشریف لائے اور سیدھے منبر پر چلے گئے، نہ تو آپ نے کچھ فرمایا اور نہ قاری سے کسی آیت کی تلاوت کو فرمایا لیکن لوگوں میں عجیب بے انتہا مستی و شورش پیدا ہو گئی، شیخ صدقہ نے اپنے دل میں کہا کہ تعجب ہے نہ شیخ نے کچھ فرمایا نہ قاری نے کچھ پڑھا پھر یہ وجد و حال کہاں سے پیدا ہو گیا اور یہ حالت کیسے ہو گئی، حضرت شیخ رح نے شیخ صدقہ کی جانب دیکھ کر فرمایا کہ شیخ صاحب! میرا ایک مرید اسی وقت بیت المقدس سے بیک قدم یہاں پہنچا ہے اور میرے ہاتھ پر توبہ کی ہے، تمام اہل مجلس اسی کی ضیافت میں لگے ہوئے ہیں، شیخ صدقہ رح نے پھر اپنے دل میں کہا کہ جو شخص بیت المقدس بیک قدم یہاں پہنچ سکتا ہے وہ کس چیز سے توبہ کریگا، اور اُسے پیر و مرشد کی کیا ضرورت؟ حضرت شیخ رح نے پھر اُن کو دیکھ کر فرمایا کہ شیخ صاحب! ہوا میں اُڑنے والے بھی اس لئے توبہ کرتے ہیں کہ باز آجائیں، اور وہ مجھ سے محبتِ الٰہی کا طریق سیکھنے کے محتاج ہیں،

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں شمشیر برہنہ اور چڑھی ہوئی کمان ہوں، میرا تیر نشانہ پر لگنے والا، میرا نیزہ بے خطا اور میرا گھوڑا بے زین ہے، میں عشقِ خداوندی کی آگ، حال و احوال کا سلب کرنے والا، دریائے بیکراں، رہنمائے وقت اور غیروں سے باتیں کرنیوالا ہوں،

ایک دفعہ آپ نے کیفیت حال میں فرمایا کہ میں ہوں محفوظ اور میں ہوں ملحوظ، اے روزہ دارو، اے شب بیدارو، اے پہاڑوں پر بیٹھنے والو، خدا کرے تمہارے پہاڑ بیٹھ جائیں اور اے خانقاہ نشینو، خدا کرے تمہاری خانقاہیں زمین دوز ہو جائیں، حکم خدا کے سامنے آؤ، میرا حکم خدا کی طرف سے ہے، اے رہروانِ منزل، اے ابدال، اے اقطاب و اوتاد اے پہلوانو، اور اے جوانو! آؤ اور دریائے بیکران سے فیض حاصل کرلو، عزت پروردگار کی قسم تمام نیک بخت اور بد بخت میرے سامنے پیش کئے گئے اور میری نظر لوح محفوظ میں جمی ہوئی ہے، میں دریائے علم و مشاہدۂ الٰہی کا غوطہ خور ہوں، میں تم سب پر اللہ کی حجت رسول کا نائب اور اس کا دنیا میں وارث ہوں، پھر فرمایا کہ انسانوں کے بھی پیر ہیں، جنات اور فرشتوں کے بھی لیکن میں تمام پیروں کا پیر ہوں،

روایت ہے کہ حضرت شیخ جیلانیؒ اپنے مرض الموت میں فرماتے تھے کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی نسبت نہیں، میرے اور مخلوق کے درمیان زمین و آسمان کا سا فرق ہے مجھے کسی پر اور کسی کو مجھ پر قیاس نہ کرنا، فرماتے تھے کہ میری تخلیق تمام امور سے بالا ہے اور میں لوگوں کی عقل سے ماوراء ہوں، اے زمین کے مشرق و مغرب کے اور اے آسمان کے رہنے والو! حق تعالےٰ فرماتا ہے وَاَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ (میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) میں اُن میں سے ہوں جنھیں خدا جانتا ہے تم نہیں جانتے، مجھ سے دن اور رات میں ستر بار کہا جاتا ہے اَنَا اَخْتَرْتُکَ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ (یعنی میں نے تجھے پسند کرلیا، اور تاکہ تو پرورش پائے میری آنکھوں کے سامنے) مجھ سے کہا جاتا ہے کہ اے عبد القادر میرے اس حق کی جو تجھ پر ہے تجھے قسم ہے ذرا بات تو کر تاکہ سنی جائے، مجھ سے کہا جاتا ہے کہ اے عبد القادر تجھے میرے اس حق کی قسم جو تیرے اوپر ہے کھا اور پی اور بات کر، میں نے تجھے قسم توڑنے سے مامون بنا دیا، خدا کی قسم جب تک مجھے حکم نہ ہو نہ کچھ کرتا ہوں نہ کچھ کہتا ہوں،

آپ نے فرمایا کہ جب میں تم سے کوئی بات کہوں تو تم پر اس کی تصدیق ضروری ہے کیونکہ میری بات ایسی یقینی ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں، گویا جب مجھے حکم ہوتا ہے تو میں کہہ دیتا ہوں، جب مجھے دیا جاتا ہے تو بخشش کر دیتا ہوں اور جب مجھے امر ہوتا ہے تو کرلیتا ہوں، ذمہ داری تو اس پر ہے جس نے مجھے حکم کیا ہے (کیونکہ قاعدہ ہے) الدیۃ علی العاقلۃ (یعنی خون بہا رشتہ داروں پر ہے) میری تکذیب تمہارے لئے زہر قاتل ہے، دین کے لئے اور دنیا و آخرت کی تباہی کا سبب ہے میں تلوار باز اور قاتل ہوں اور اللہ تمہیں ڈراتا ہے، اگر شریعت نے میرے منہ میں لگام نہ ڈالی ہوتی تو میں تمہیں بتا دیتا کہ تم نے گھر میں کیا کھایا ہے اور کیا رکھا ہے، میں تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہوں کیونکہ تم میری نظر میں شیشہ کی طرح ہو،

روایت ہے کہ حضرت شیخؒ آخری ایام میں بہت ہی نفیس لباس زیب تن فرماتے تھے، ایک روز آپ کا ایک خادم ابو الفضل بزاز کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے وہ کپڑا چاہیئے جو ایک اشرفی گز ہو، نہ کم نہ زیادہ، اس نے پوچھا کہ کس کے لئے خرید رہے ہو خادم نے جواب دیا کہ اپنے آقا شیخ عبد القادر جیلانی کے لئے، بزاز کے دل میں خیال گزرا کہ

حضرت شیخ نے تو بادشاہ کے لئے بھی کپڑا نہ چھوڑا، ابھی اس کے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ غیب سے ایک کیل اس کے پاؤں میں چبھ گئی اور ایسی کہ مرنے کے قریب ہو گیا، لوگوں نے اس کے نکالنے کی بہت کوشش کی لیکن کچھ نہ ہو سکا، آخر اس بزاز کو اٹھا کر حضرت شیخ کی خدمت میں لائے، آپ نے فرمایا کہ اے ابو الفضل تم نے اپنے دل میں ہم پر کیوں اعتراض کیا تھا، پروردگار کی قسم میں نے یہ کپڑا اس وقت تک پہننے کا ارادہ نہیں کیا جب تک مجھ سے یہ نہیں کہا گیا کہ تجھے اس حق کی قسم جو میرا تیرے اوپر ہے یہ کپڑا پہن جو ایک اشرفی فی گز ہو، اے ابو الفضل یہ کپڑا میت کا کفن ہے اور میت کا کفن اچھا ہوتا ہے، یہ ہزار موت کے بعد ملا ہے اس کے بعد آپ نے اپنا دستِ مبارک تکلیف کے مقام پر رکھا تو جو کچھ تکلیف تھی سب ایسی رفع ہو گئی گویا کچھ تھا ہی نہیں، پھر فرمایا کہ اس نے جو ہم پر اعتراض کیا وہ کیل کی شکل اختیار کر گیا، اور اسے جتنی تکلیف پہنچی تھی پہنچ گئی، رحمہ اللہ تعالیٰ

کرامات

حضرت شیخ کی وہ کرامتیں جو ہر وقت ظاہر ہوتی رہتی تھیں ان کا احاطہ و شمار قوت تقریر و تحریر سے باہر ہے، اور یقین جانو کہ اسمیں بناوٹ اور مبالغہ آرائی نہیں کیونکہ آپ کی ذات اقدس بچپن اور جوانی سے ہی مظہر کرامات ہے، اور نوے سال تک جو آپ کی عمر ہے آپ سے ہمیشہ مسلسل کرامتوں کا ظہور ہوتا رہا ہے۔

روایت ہے کہ آپ پیدائش کے بعد رمضان میں دن کے وقت اپنی والدہ کا دودھ نہیں پیتے تھے، حتیٰ کہ سب میں مشہور ہو گیا کہ سادات کے فلاں گھرانے میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جو رمضان میں دن کے وقت دودھ نہیں پیتا۔

روایت ہے کہ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ آپ ولی اللہ ہیں، فرمایا کہ دس سال کی عمر تھی جب میں مدرسہ جاتا تو راستہ میں فرشتوں کو اپنے اردگرد چلتے ہوئے دیکھتا اور جب مکتب میں پہنچ جاتا تو فرشتوں کو یہ بات بچوں سے کہتے ہوئے سنتا کہ اے بچو! اللہ کے ولی کے لئے جگہ کشادہ کرو،

ایک روز مجھے ایسا شخص دکھائی دیا جو پہلے کبھی نظر نہ آیا تھا، اس نے ایک فرشتہ سے پوچھا کہ یہ بچہ کون ہے جس کی تم اتنی تعظیم کر رہے ہو، فرشتہ نے جواب دیا کہ یہ اللہ کا ایک ولی ہے جس کا بہت بڑا مرتبہ ہوگا، اس راہ میں یہ وہ شخص ہے کہ جسے بے حساب عطا یا، بے حجاب تمکین واقتدار اور بغیر حجت تقرب ملیگا، چالیس سال کے بعد میں نے پہچانا کہ وہ شخص اپنے وقت کے ابدال میں تھا،

آپؒ نے فرمایا کہ میں چھوٹا سا تھا، ایک روز عرفہ کے دن شہر سے باہر آیا اور کھیتی باڑی کے ایک بیل کی دُم پکڑ کر بھاگنے لگا، بیل نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور کہا، اے عبدالقادر تجھے اس کام کے لئے پیدا نہیں کیا ہے نہ اسکا حکم دیا ہے، ترساں دلرزاں میں اپنے گھر واپس آیا، اور مکان کی چھت پر پہنچ گیا تو وہاں سے لوگوں کو میدان عرفات میں کھڑے ہوئے دیکھا بس میں اپنی والدہ کی خدمت میں آکر کہنے لگا کہ مجھے تحصیل علم کی اور زیارتِ اولیاء کے لئے بغداد جانے کی اجازت دیجئے،

آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی میں نے چھوٹے بچوں کے ساتھ کھیلنے کا ارادہ کیا تو یہ آواز آتی کہ اے بابرکت ہستی ہمارے پاس آؤ، یہ آواز سُن کر خوف کی وجہ سے دوڑتا ہوا اپنی والدہ کی گود میں آکر چھپ جاتا، اور اب بھی اپنی خلوت میں یہ آواز سُنتا ہوں،

روایت ہے کہ شیخ علی بن ہیتیؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنے زمانہ میں شیخ عبدالقادرؒ سے زیادہ کرامت والا کوئی نہیں دیکھا جس وقت جس کا دل چاہتا آپکی کرامت کا مشاہدہ کر لیتا اور کرامات کبھی آپ سے ظاہر ہوتیں کبھی آپکے بارے میں اور کبھی آپکی وجہ سے

روایت ہے کہ شیخ ابو مسعود احمد بن ابو بکر خزیمی اور شیخ ابو عمرو عثمان صریفنی نے فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ کی کرامتیں اس ہار کی طرح ہیں جسمیں جواہر تہ بر تہ ہیں کہ ایک کے بعد دوسرا ہے، ہم میں سے جو بکثرت روزانہ آپ کی کرامتوں کو شمار کرنا چاہے تو کر سکتا ہے،

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بادشاہِ طریقت اور موجودات میں تصرف کرنے والے تھے اور منجانب اللہ آپکو تصرف کرامتوں کا ہمیشہ اختیار حاصل رہا،

امام عبداللہ یافعیؒ کا بیان ہے کہ آپ کی کرامتیں حد تواتر تک پہنچ گئی ہیں اور بالاتفاق سب کو اس کا علم ہے۔ دنیا کے کسی شیخ میں ایسی کرامتیں نہیں پائی گئیں،

غرض کہ آپ سے لا تعداد کرامتیں ظاہر ہوئیں، مخلوقات کے ظاہر و باطن میں تصرف کرنا، انسان اور جنات پر آپ کی حکمرانی، لوگوں کے راز اور پوشیدہ امور سے واقفیت، عالم ملکوت کے بواطن کی خبر، عالم جبروت کے حقائق کا کشف، عالم لاہوت کے سربستہ اسرار کا علم، مواہب غیبیہ کی عطا، باذنِ الٰہی حوادثِ زمانہ کا تصرف و انقلاب، مارنے اور جلانے کے ساتھ متصف ہونا، اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرنا، مریضوں کی صحت، بیماروں کی شفا، طے زمان و مکان، زمین و آسمان پر اجرائے حکم، پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، لوگوں کے تخیل کا بدلنا، اشیاء کی طبیعت کا تبدیل کر دینا، غیب کی اشیاء کا منگانا، ماضی و مستقبل کی باتوں کا بتلانا، اور اسی طرح کی دوسری کرامات مسلسل اور ہمیشہ عام و خاص کے درمیان آپکے قصد و ارادہ سے بلکہ اظہارِ حقانیت کے طریقہ پر ظاہر ہوئیں، اور مذکورہ کرامتوں میں سے ہر ایک سے متعلق اتنی روایات و حکایات ہیں کہ زبان و قلم ان کے احاطہ سے قاصر ہیں، مشائخ نے اس پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں، لیکن امام عبداللہ یافعیؒ کی کتابیں ان سے پُر ہیں،

وہ مشائخ و اقطابِ وقت بلکہ بعض مشائخ متقدمین جنھوں نے کشف و الہام کے ذریعہ آپ کے وجود مبارک کی خبر دی وہ بھی آپکی تعظیم و تکریم، بلندیٔ مرتبہ عظمت شان کے معترف ہونے کے ساتھ آپکی اطاعت و فرمانبرداری اور آپکے قول "میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے" کی سچائی کا یقین کرنے اور آپ کو منجانب اللہ مامور سمجھنے میں اتنا آگے تھے جس سے زیادہ کا تصور ممکن نہیں میں نے تھوڑا بہت اس میں سے اپنی کتاب زبدۃ الآثار جو بہجۃ الاسرار کا انتخاب ہے میں تحریر کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی امید ہے،

اخلاق

آپ کے اخلاق و عادات اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کا نمونہ اور اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ کا مصداق تھے، آپ اتنے عالی مرتبت، جلیل القدر وسیع العلم ہونے اور شان و شوکت کے باوجود

ضعیفوں میں بیٹھتے۔ فقیروں کے ساتھ تواضع سے پیش آتے، بڑوں کی عزت، چھوٹوں پر شفقت فرماتے، سلام کرنے میں پہل کرتے اور طالب علموں اور مہمانوں کے ساتھ کافی دیر بیٹھتے، بلکہ ان کی لغزشوں اور گستاخیوں سے درگزر فرماتے، اگر آپکے سامنے کوئی جھوٹی قسم بھی کھاتا تو آپ اس کا یقین فرما لیتے اور اپنے علم و کشف کو ظاہر نہ فرماتے، اپنے مہمان اور ہمنشین سے دوسروں کی بہ نسبت انتہائی خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے، آپ کبھی نافرمانوں، سرکشوں، ظالموں اور مالداروں کے لئے کھڑے نہ ہوتے نہ کبھی کسی وزیر و حاکم کے دروازے پر جاتے، القصہ شائخ وقت میں سے کوئی بھی حسنِ خلق، وسعتِ قلب، کرم نفس، مہربانی اور عہد کی نگہداشت میں آپ کی برابری نہیں کرسکتا تھا،

روایت ہے کہ ایک روز آپ خلوت میں بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے آپ کے لباس و دستار پر چھت سے مٹی گری، تین مرتبہ تو آپ نے مٹی کو جھاڑ دیا، چوتھی مرتبہ آپ نے نظر اُٹھا کر اوپر دیکھا تو ایک چوہا چھت کاٹ رہا ہے، محض نظر پڑنے سے ہی چوہے کا سر ایک طرف اور دھڑ دوسری طرف گرا، آپ لکھنا چھوڑ کر رونے لگے، راوی کہتا ہے کہ میں نے رونے کا سبب دریافت کیا، فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کسی مسلمان سے میرے دل کو تکلیف پہنچے اور اس کی بھی یہی حالت ہو جو اس چوہے کی ہوئی،

ایک روز آپ مدرسہ میں وضو کر رہے تھے اچانک ایک چڑیا نے ہوا میں اُڑتے ہوئے آپ کے لباس پر بیٹ کر دی، آپ کے نظر اُٹھاتے ہی وہ چڑیا زمین پر گری، وضو سے فارغ ہو کر لباس سے بیٹ کو دھویا اور جسم سے اُتار کر فرمایا کہ اسے لیجا کر فروخت کر دو اور اس کی قیمت فقیروں کو خیرات کر دو کہ اسکا یہی بدلہ ہے،

روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ اپنی شہرت کے زمانہ میں حج کے ارادہ سے نکلے، جب بغداد کے قریب ایک موضع میں جس کا نام حلّہ تھا پہنچے تو حکم دیا کہ یہاں کوئی ایسا گھر تلاش کرو جو سب سے زیادہ ٹوٹا پھوٹا اور اجڑا ہوا سا ہو، ہم اسمیں قیام کریں گے، اگرچہ وہاں کے امیروں اور رئیسوں نے بڑے اچھے اچھے مکانات آپ کے سامنے قیام کرنے کے لئے پیش کئے لیکن آپ نے انکار فرما دیا، تلاش بسیار کے بعد ایسا ایک مکان مل گیا

جس میں بڑھیا، بڈھا اور ایک بچی تھی، آپ نے بڑے میاں سے اجازت لیکر رات اس مکان میں گزاری، اور وہ تمام نذرانے اور ہدایا جو نقد، جنس اور حیوانات کی صورت میں آپ کو پیش کیے گئے آپ نے یہ کہہ کر کہ میں اپنے حق سے دستبردار ہوتا ہوں وہ تمام کے تمام بڑے میاں کو دیدیئے، حاضرین نے بھی آپ کی موافقت میں تمام مال واسباب ان بڑے میاں کو دیدیا اللہ تعالےٰ نے اس بوڑھے کو آپ کے مبارک قدموں کی برکت سے ایسی دولت عطا فرمائی کہ اُن اطراف میں کسی کو نہ ملی،

روایت ہے کہ آپ کی خدمت میں ایک تاجر نے آکر عرض کیا کہ میرے پاس ایسا مال ہے جو زکوٰۃ کا نہیں اور میں اسے فقراء و مساکین پر خرچ کرنا چاہتا ہوں لیکن مستحق و غیر مستحق کو نہیں پہچانتا، آنجناب جس کو مستحق سمجھیں دیدیں، آپ نے جواب دیا کہ مستحق و غیر مستحق میں سے جس کو چاہو دیدو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں بھی وہ چیزیں دے جس کے تم مستحق ہو اور جس کے مستحق نہیں ہو،

روایت ہے کہ آپ نے ایک روز ایک فقیر کو شکستہ خاطر ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا دیکھا دریافت فرمایا کہ کس خیال میں ہو اور کیا حال ہے، عرض کیا کہ میں دریا کے کنارے گیا تھا، ملاح کو دینے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں تھا کہ کشتی میں بیٹھ کر پار اُتر جاتا، ابھی اس فقیر کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ ایک شخص نے تیس اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی آپ کی نذر کی، آپ نے وہ تھیلی فقیر کو دے کر فرمایا کہ اسے لیجا کر ملاح کو دیدو۔

بعض مشائخ وقت نے آپ کے اوصاف میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر رحمہ بڑے بارونق ہنس مکھ، خندہ رو، بڑے شرمیلے، وسیع الاخلاق، نرم طبیعت کریم الاخلاق پاکیزہ اوصاف اور مہربان و شفیق تھے جلیس کی عزت کرتے اور مغموم کو دیکھ کر امداد فرماتے ہم نے آپ جیسا فصیح و بلیغ کسی کو نہیں دیکھا،

بعض مشائخ نے اس طرح وصف بیان فرمایا ہے کہ حضرت شیخ محی الدین رحمہ اللہ تعالیٰ بکثرت رونے والے، اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے، آپ کی ہر دعا فوراً قبول ہوتی، نیک اخلاق، پاکیزہ اوصاف، بدگوئی سے بہت دور بھاگنے والے اور حق کے

سب سے زیادہ قریب تھے، احکامِ الٰہی کی نافرمانی میں بڑے سخت گیر تھے لیکن اپنے اور غیر اللہ کے لئے کبھی غصّہ نہ فرماتے، کسی سائل کو اگرچہ وہ آپ کے بدن کے کپڑے ہی لے جائے واپس نہ فرماتے، توفیق خداوندی آپ کی رہنما اور تائید ایزدی آپ کی معاون تھی، علم نے آپ کو مہذب بنایا، قرب نے آپ کو مؤدب بنایا، خطاب الٰہی آپ کا مشیر اور ملاحظۂ خداوندی آپ کا سفیر تھا، انسیت آپ کی ساتھی اور خندہ روئی آپ کی صفت تھی، سچائی آپ کا وظیفہ، فتوحات آپ کا سرمایہ، بردباری آپ کا فن، یادِ الٰہی آپکا وزیر، غور و فکر آپ کا مونس، مکاشفہ آپ کی غذا اور مشاہدہ آپ کی شفا تھے، آدابِ شریعت آپ کا ظاہر اور اوصافِ حقیقت آپ کا باطن تھا، رضی اللہ عنہ وعن جمیع الصالحین وعن محبیہم اجمعین،

اصحابِ ارادت وانتساب

حضرت شیخ جیلانی رح کے مریدین و منسلکین کی فضیلت بھی بے انتہا ہے اور کیوں نہ ہو کہ آقا کی فضیلت سے خادم میں بھی فضیلت آتی ہے، چنانچہ ایک شیخ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، عرض کیا، یا رسول اللہ، دُعا فرمائیے کہ مجھے قرآن کریم اور آپ کی سنت پر موت آئے، آپ نے ارشاد فرمایا، ایسا ہی ہوگا، اور کیوں نہ ہو جبکہ تمہارے شیخ شیخ عبدالقادر ہیں، وہ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم سے تین مرتبہ یہی درخواست کی، اور آپؐ نے یہی ارشاد فرمایا، یہ واقعہ طویل اور عجیب ہے اختصاراً اتنا ہی ذکر کیا گیا ہے،

روایت ہے کہ مشائخ کی ایک جماعت نے فرمایا، کہ حضرت شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ نے قیامت تک اپنے مریدوں کے سلسلہ میں اس بات کی ذمہ داری لی ہے کہ ہر ایک کی موت توبہ پر آئے گی،

روایت ہے کہ آپؒ سے ایک مرتبہ مشائخ نے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص اپنے آپکو آپ کی طرف منسوب کرے لیکن بیعت نہ کرے اور نہ آپکے ہاتھ سے خرقہ پہنے تو وہ آپ کے مریدین میں شمار اور ان جیسے فضائل حاصل کرنے والا ہوگا یا نہیں؟ ارشاد فرمایا، جو شخص خود کو میری طرف منسوب کرے اور مجھ سے عقیدت رکھے تو حق تعالےٰ اُسے

قبول فرمالے گا اور اس پر رحمت فرمائیگا اور اگرچہ اس کا طریق مکروہ ہو اُسے توبہ کی توفیق بخشیگا ایسا شخص میرے مریدوں میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے وعدہ فرمالیا ہے کہ میرے مریدوں، سلسلہ والوں، میرے طریق کا اتباع کرنے والوں اور میرے عقیدت مندوں کو جنّت میں داخل فرمائیگا،

نیز آپ نے فرمایا کہ ہم میں کا ایک انڈا ہزار میں ارزاں اور چوزہ کی قیمت تو لگائی نہیں جا سکتی نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک لکھا ہوا دفتر دیا جس میں قیامت تک آنیوالے میرے احباب اور مریدوں کے نام درج تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سب کو میں نے تیری وجہ سے بخشدیا،

آپؒ نے فرمایا کہ میں نے داروغۂ جہنم سے جن کا نام مالک ہے دریافت کیا میرے مریدوں میں سے تمہارے پاس کوئی ہے، جواب دیا، عزت پروردگار کی قسم کوئی بھی نہیں، دیکھو میرا دستِ حمایت میرے مریدوں پر ایسا ہے جیسے آسمان زمین کے اوپر، اگر میرا مرید اچھا نہیں تو کیا ہوا، میں تو اچھا ہوں، جلالِ پروردگار کی قسم جب تک میرے تمام مرید بہشت میں نہیں چلے جائیں گے میں بارگاہِ خداوندی میں نہیں جاؤں گا، اور اگر مشرق میں میرے ایک مرید کا پردۂ عفت گر رہا ہو اور میں مغرب میں ہوں تو یقیناً میں اس کی پردہ پوشی کروں گا،

روایت شیخ عدی بن مسافر نے فرمایا کہ دوسرے مشائخ کے مرید اگر مجھ سے خرقہ طلب کرتے ہیں تو بلا تامل دیدیتا ہوں، لیکن حضرت شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ کے مریدوں کو دینے کی ہمت نہیں ہوتی، کیونکہ آپ کے مرید دریائے رحمت میں غرق ہیں اور قاعدہ ہے کہ کوئی شخص دریا کو چھوڑ کر سقاوہ اور سبیل کی طرف نہیں آتا،

روایت حضرت شیخ رحؒ نے فرمایا کہ حسین بن منصور حلاج کے زمانہ میں کوئی اُن کی دستگیری کرنے والا اور جس لغزش میں وہ مبتلا ہوئے اس سے کوئی بچانے والا نہیں تھا، اگر میں اُن کے زمانے میں ہوتا تو اُن کی دستگیری کرتا اور نوبت یہاں تک نہ پہنچتی، قیامت تک میں اپنے مریدوں کی دستگیری کرتا رہوں گا اگرچہ وہ سواری سے گرے، اور فرمایا کہ ہر طویلہ میں میرا ایک ناقابل مقابلہ سانڈ اور ایک ناقابل مسابقت گھوڑا رہتا ہے، اور فرمایا کہ ہر لشکر پر میرا ایسا تسلط ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں کرتا اور ہر منصب میں ایسا خلیفہ ہے

جسے ہٹایا نہیں جا سکتا،

فرمایا کہ جب بھی اللہ سے کوئی چیز مانگو تو میرے وسیلہ سے مانگو تاکہ مراد پوری ہو، اور فرمایا جو کسی مصیبت میں میرے وسیلہ سے امداد چاہے تو اس کی مصیبت دُور ہو، اور جو کسی سختی میں میرا نام لیکر پکارے اُسے کشادگی حاصل ہو، اور جو میرے وسیلہ سے اللہ کے سامنے اپنی مرادیں پیش کرے تو پوری ہوں،

آپ نے فرمایا کہ جو شخص دو رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد گیارہ دفعہ سُورۂ اخلاص پڑھے اور سلام کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور میرا نام لیکر اللہ سے دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کی حاجت برآری کرے (ایک روایت میں ہے کہ گیارہ قدم عراق کیجانب چلکر میرا نام لیکر دعا مانگے، لیکن یہ روایت ثابت نہیں ہے)

کلامِ ذی شان

آپ کا کلام اللہ تعالیٰ کے علم لامتناہی میں سے ایک دریا ہے جس کی عبارات و اشارات کا کما حقہ احاطہ نا ممکن ہے، یہاں آپ کے بعض مکتوبات فارسی جن میں قرآن کریم کی آیات بھی ہیں اور حکمت و موعظت سے بھرپور بھی ہیں نقل کئے جاتے ہیں، چونکہ آپ عجمی تھے اس واسطے فارسی میں بھی کلام فرماتے تھے، اگر چہ مجالس وعظ وغیرہ میں اکثر عربی زبان بولتے تھے اسی لئے آپ کو ذوالبیانین، ذوالسانین اور امام الفریقین بھی کہتے ہیں،

مکتوب | برادر عزیز! جب آسمانِ شہود پر ابر فیض کے پھٹ جانے سے یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ (یعنی جس کو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے نور کیطرف ہدایت فرماتا ہے) چمکنے لگے اور عنایت یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ (یعنی جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص فرمالیتا ہے) کے رُخ سے وصول کی ہوائیں چلنے لگیں، اور گلشنِ قلب میں انس کے پھول کھلنے لگیں اور گلستان روح میں ذوق و شوق کی بلبلیں یَآ اَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ (یعنی ہائے یوسف) کے نغمات سے ہزار داستان کی طرح ترنم ریز ہوں اور اشتیاق کی آگ عالم سرائر میں مشتعل ہو اور طیور فکر فضائے عظمت میں انتہائی پرواز کے باعث بے بال و پر ہو جائیں، اور بڑے بڑے اہل عقل وادیِ معرفت میں پیہم گم ہوتے رہیں،

اور عقل وخرد کے ستون ہیبت وجلال کے صدمہ سے لرز جائیں، اور عزائم کی کشتیاں وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ (یعنی انھوں نے اللہ کی وہ قدر نہ کی جو اس کا حق ہے) کے سمندروں میں وَھِیَ تَجْرِیْ بِھِمْ فِیْ مَوْجٍ کَالْجِبَالِ (یعنی اور وہ کشتی انھیں موجوں میں پہاڑ کی طرح لیکر تیر رہی تھی) کی ہواؤں کے ساتھ حیرت کی موجوں میں بیٹھنے لگے تو یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ (یعنی وہ انھیں چاہتا ہے اور وہ اُسے چاہتے ہیں) کے دریائے عشق کی موجیں متلاطم ہوتی ہیں، ہر ایک بزبانِ حال یہ پکارنے لگتا ہے رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبَارَکًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ (یعنی اے پروردگار ہمیں اُتار نا مبارک اُتارنا اور تو بہترین اُتارنیوالا ہے) اور اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی (یعنی جن کے لئے ہماری جانب سے اچھائی پہلے مقدر ہوچکی ہے) عنایت حاصل ہوتی ہے، اور انھیں فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ (یعنی اچھے ٹھکانے ہیں) کے ساحل جودی پر اُتارنا اور ستان بادۂ الست کی مجلس میں پہنچاتا ہے اور لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ (یعنی نیکی کرنے والوں کے لئے نیک بدلہ اور اس سے زیادہ ہے) کے دسترخوان نعمت کو سامنے بچھاتا ہے، اور خمخانہ قرب بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ (یعنی پاکیزہ فرشتوں کے ہاتھوں سے) اور وَسَقَاھُمْ رَبُّھُمْ شَرَابًا طَھُوْرًا (یعنی ان کا پروردگار انھیں شراب طہور پلائیگا) کے جام وصول کا دَور چلاتا ہے اور وَاِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّمُلْکًا کَبِیْرًا (یعنی اور جب تم دیکھو گے تو دیکھو گے وہاں نعمتیں اور ملک عظیم) کی حکومت ابدی اور دولت دائمی کا مشاہدہ ہوگا،

مکتوب عزیز من! قلب سلیم پیدا کرتا کہ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ (یعنی اے آنکھوں والوں عبرت حاصل کرو) کے رموز معلوم ہوسکیں، اور کامل آخرت کو حاصل کرتا کہ سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِھِمْ (یعنی ہم انھیں اپنی نشانیاں دنیا میں اور ان کے نفوس میں دکھائیں گے) کے دقائق کا ادراک کرسکے، اور یقین صادق پیدا کرتا کہ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ (یعنی ہر چیز اللہ کی حمد وتسبیح کرتی ہے لیکن تم اُن کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے) کے شواہد معرفت کو دل کی آنکھوں سے دیکھے اور وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (یعنی جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں دریافت کریں تو میں قریب ہوں، ہر دعا مانگنے والے کی دعا کو جب وہ پکارے قبول کرتا ہوں) کے اسباب وصول سامنے آئیں اور اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ (یعنی کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تم کو بس

یونہی بیکار و بے مقصد پیدا کر دیا ہے اور تم ہمارے پاس واپس نہ آؤ گے) کے تازیانہ کے باعث وَیُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ (یعنی انھیں غافل کر دیا آرزوؤں نے سو عنقریب انھیں پتہ چل جائیگا) کی خواب غفلت سے بیدار ہو اور وَمَا لَكُمْ مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ (یعنی اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی دوست ہے نہ مددگار) کے مضبوط حلقہ کو ہاتھ سے پکڑو، اور فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ (یعنی اللہ کی طرف دوڑو) کی کشتی میں سوار ہو، اور وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (یعنی میں نے جن اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے) کے دریائے معرفت میں مردانہ وار غوطہ زنی کرو، پھر اگر گوہر مطلوب ہاتھ آگیا تو فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا (یعنی زبردست کامیابی حاصل کی) اور اگر اسی طلب میں جان جاتی رہی تو فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (یس تحقیق اسکا اجر اللہ کے یہاں واقع ہوگیا)

مکتوب اے عزیز! جب اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ (یعنی اللہ جسے چاہتا ہے اپنا منتخب بنا لیتا ہے) کے جذبات کی فوجیں ولایت دل پر حملہ کرتی ہیں اور نفس امارہ کی خواہشات کو وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ (یعنی اللہ کی راہ میں مکمل طور پر جہاد کرو) کی ریاضت کے لگام سے مطیع و مسخر بنا دے اور فرعونوں اور جابروں کو مجلس تقوی میں مجاہدہ کی زنجیروں میں کشاں کشاں لے آئے تو آرزوؤں کو وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ (یعنی اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو) کے طوق میں جکڑ کر باہر کر دے اور وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (یعنی جو ذرہ برابر نیکی کریگا تو اُسے دیکھ لیگا) کے تازیانہ سے افعال ارادی و اختیاری کو سزا دے، اور رسوم و عادات کی تعمیروں اور تلبیس و طاعات کے ستوں کو درمیان سے بالکل نکال دے اور زبان حال سے إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً (یعنی بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے تباہ و برباد کر دیتے اور اس کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں) کی صداقت کا اعلان کرے، اور جب صفائے دل کی پسندیدہ زمین شہوات کی کدورتوں سے گزر جائے اور وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ (یعنی جو اسلام کے علاوہ دوسرا دین چاہے وہ اس سے قبول نہ کیا جائیگا) سے صاف و شفاف ہو جائے، اور گلستان روح مَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ (یعنی جسے اللہ ہدایت دے تو وہی ہدایت یافتہ ہے) کی نسیم الطاف سے سراسر معطر ہو جائے اور اوراق سرائر پر أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ (یعنی اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان

نقش فرما دیا) کے نقوشِ لطائف تحریر ہوں تو شہودِ یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ یعنی جس روز یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی) صفت حال ہو جائے اور شوق کے پہاڑ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا کی طرح ہوا میں اڑ جائیں اور بزبانِ حال کہے وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (یعنی تم پہاڑوں کو جما ہوا سمجھ رہے ہو حالانکہ وہ تو بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں) عشق کا اسرافیل صور پھونک رہا ہے اور فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ (یعنی تمام زمین آسمان والے مدہوش ہو جائیں گے) کی بجلی کی تاثیر ظاہر ہو رہی ہے، اور اقبال لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ (یعنی انھیں عظیم گھبراہٹ کا کوئی غم نہ ہوگا) کا نقیب آکر ان کو قرار و رسوخ دے رہا ہے اور فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (یعنی قدرت والے بادشاہ کے پاس اچھے ٹھکانے ہیں) کے علیین کی طرف بلا رہا ہے اور رضوان جنت بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ (یعنی آج تمہارے لئے بشارت ہے) صدا لگا کر جنت نعیم کے دروازے کھول کر کہتا ہے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ (یعنی تم پر سلام، تم مبارک ہو، سو جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ) اور وہ لوگ کہتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ (یعنی اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے اپنے وعدہ کو سچا کر دیا اور ہمیں جنت عطا فرمائی کہ اسمیں جہاں چاہیں رہیں، سو عمل کرنیوالوں کا یہ اچھا بدلہ ہے)

مکتوب عزیز من! وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِهٖ (یعنی خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے نہ پڑ کہ راہِ حق سے بھٹک جاؤ گے) جیسی خواہشات سے اعراض کر اور وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا (یعنی ان کی اطاعت نہ کیجئے جن کے دل ہمارے ذکر سے غافل ہیں) کے مطابق مواقع غفلت سے باز آ، اور فاسق و فاجر کی صحبت اختیار نہ کر کہ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (یعنی جن کے دل اللہ کی یاد سے سخت ہیں ان کی ہلاکت ہے) اور اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ (یعنی اپنے پروردگار کی بات مانو اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جو ٹل نہیں سکتا) کے منادی کی اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (یعنی کیا ابھی ایمان والوں کے لئے اس کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر اللہ کے لئے جھک جائیں) کی ندا گوش ہوش سے سنیں اور اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ

اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی (یعنی کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے بیکار چھوڑ دیا جائیگا) کی تنبیہ کی وجہ سے تمام رات خواب غرور سے بیدار رہ کر وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ (یعنی تمہیں دھوکہ نہیں نہ ڈالدے اللہ سے دھوکہ بازی) اور اہل حضور کے مراتب کہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰہِ (یعنی وہ ایسے لوگ ہیں جنھیں اللہ کے ذکر سے نہ تجارت غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت) معلوم کرتا رہ، اور کعبۂ مقصود حاصل کرنے کے لئے سر کے پاؤں بنا کر دشت سر میں یکسو ہو جاؤ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا (یعنی اس کی طرف یکسو ہو جا) اس کے بعد قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْهُمْ (یعنی آپ کہدیجئے کہ صرف اللہ، پھر باقی کو چھوڑ دیجئے) کی تجرید کر کے وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ (یعنی میں اپنے کام اللہ کو سونپتا ہوں) کی تفویض کی سواری پر سوار ہو کر اہل صدق کہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (یعنی سچوں کے ساتھ رہو) کے قافلہ کے ساتھ مسافر ہو جا، اور آرائش دنیا کے مساکن کو کہ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا (یعنی جو کچھ زمین پر ہے اسے ہم نے زمین کی زینت بنا دیا) عبور کرتے ہوئے مہالک فتنہ کے کہ اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ (یعنی تمہارے مال و اولاد فتنہ ہیں) راستوں میں سلامتی کے ساتھ ہدایت کی شاہراہوں کہ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْکِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا (یعنی یہ نصیحت ہے سو جو چاہے اپنے رب کا راستہ اختیار کرے) سامنے رکھ اور زبان اضطرار سے کہ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ (یعنی کیا کوئی ہے جو مضطر و مجبور کی دعا کو قبول کرے) تضرع و زاری کے ساتھ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (یعنی ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت فرما) کے دسترخوان پر عنایت قدیم اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (یعنی اللہ کے دوستوں کو نہ خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے) کے مبشر کے ہمراہ تحیت سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ (یعنی سلام ہو یہ بات پروردگار رحیم کی جانب سے ہے) کی بشارت کیساتھ آگے بڑھتا رہ، اور نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ (یعنی اللہ کی مدد اور قریبی فتح حاصل ہوگی) کی سواری پر سوار ہو کر فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضْلٍ (یعنی وہ اللہ کی نعمت اور فضل و کرم کو لیکر واپس آئے) کی بارگاہ خلد کا داعی ہو، ہر طرف سے عزت و وصال کی ہوائیں چلنے اور ساقیان غیب کے ہاتھوں سے شراب محبت کے جام چلنے کا مشاہدہ ہو، اور اِنَّ هٰذَا کَانَ لَکُمْ جَزَآءً وَّکَانَ سَعْیُکُمْ مَّشْکُوْرًا (یعنی یہ ہے تمہاری جزا اور تمہاری کوشش

یار آور ہوئی) کی صدائیں بلند ہوں، اور اس مقام انس میں وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا
(یعنی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام فرمایا) کی فسانہ گوئی شروع ہو، اور فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ (یعنی
جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی) کا دیباچہ طولانی ہو اور چشم بصیرت کا نور وَخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا
(یعنی موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے) کی سکرات حالات کی خبر دے اور وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا
نَاظِرَةٌ (یعنی بہت سے چہرے اُس روز تر و تازہ اپنے رب کو دیکھ رہے ہونگے) کا مشاہدہ کرے اور اپنے عجز
کا اعتراف کرتے ہوئے زبان حال سے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (یعنی نگاہیں
اسے نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے) کہہ کر بینا ہو جائے،

اب ہم مشائخ ہند کا تذکرہ شروع کرتے ہیں، و باللہ التوفیق فی المبدأ والمعاد

طبقۂ اوّل

حضرت خواجہ معین الدین حسن الحسینی سنجری قدس سرہٗ

۵۲۷ ———————— ۵۶۳۳

آپ برصغیر ہند و پاک میں بڑے بڑے مشائخ کے سر حلقہ اور سلسلہ چشتیہ کے بانی ہیں، بیس
سال تک سفر و حضر میں خواجہ عثمان ہارونی رح کی خدمت میں رہے، اور آپ کے سونے کے لباس کی
نگرانی فرماتے تھے، خواجہ عثمان نے اس کے بعد نعمتِ خلافت سے آپ کو نوازا،

آپ پتھورا رائے کے دورِ حکومت میں اجمیر (ہندوستان) تشریف لائے اور عبادتِ الٰہی میں
مشغول ہو گئے، پتھورا رائے اس زمانہ میں اجمیر میں ہی مقیم تھا، ایک روز اس نے آپ کے ایک مسلمان
عقیدت مند کو کسی وجہ سے ستایا، وہ بیچارا آپ کے پاس فریاد لیکر پہنچا، آپ نے اس کی سفارش
میں پتھورا رائے کے پاس ایک پیغامبر بھیجا، لیکن اس نے آپ کی سفارش قبول نہ کی اور کہنے لگا کہ یہ
شخص یہاں آکر بیٹھ گیا ہے اور غیب کی باتیں کرتا ہے، جب خواجہ اجمیری رح کو یہ بات معلوم ہوئی، تو
ارشاد فرمایا کہ ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے حوالہ کر دیا، اسی زمانہ میں سلطان معز الدین سام عرف
شہاب الدین غوری کی فوج غزنی سے پہنچی، پتھورا لشکر اسلام سے مقابلہ کے لئے آیا اور سلطان معز الدین

کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا، اسی تاریخ سے اس ملک میں اسلام پھیلا اور کفر کی جڑیں کٹ گئیں، مشہور ہے کہ خواجہ اجمیریؒ کی وفات کے بعد آپ کی پیشانی پر یہ نقش ظاہر ہوا کہ حبیب اللہ مات فی حب اللہ (یعنی اللہ کا حبیب اللہ کی محبت میں دنیا سے گیا)

روایت بعض کے نزدیک حضرت خواجہ کی وفات ۶ رجب ۶۳۳ھ اور بعض کے نزدیک ماہ ذی الحجہ میں ہوئی لیکن پہلا قول صحیح ہے، اور اجمیر میں جہاں آپ کی اقامت تھی وہیں مزار ہوا، آپ کا مزار مبارک ابتداءً اینٹوں سے بنایا گیا، پھر اس کو علی حالہ باقی رکھ کر پتھر کا ایک صندوق اسکے اوپر بنایا، اسی وجہ سے آپ کے مزار میں بلندی پیدا ہوگئی، سب سے پہلے آپ کے مزار کی عمارت خواجہ حسین ناگوری نے بنوائی، اس کے بعد دروازہ اور خانقاہ مندر کے کسی بادشاہ نے تعمیر کرائے،

کلام

آپ کے کلام و ملفوظات دلیل العارفین میں حضرت خواجہ بختیار کاکی اوشی نے جمع کردیئے ہیں اس میں تحریر ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

عاشق کا دل محبت کی آگ میں جلتا رہتا ہے، لہذا جو کچھ بھی اس دل میں آئیگا جل جائے گا اور نابود ہو جائے گا، کیونکہ آتش محبت سے زیادہ تیزی کسی آگ میں نہیں، — فرمایا — بہتی ندیوں کا شور سنو، کس طرح شور کرتی ہیں، لیکن جب سمندر میں پہنچتی ہیں بالکل خاموش ہو جاتی ہیں،

— فرمایا — میں نے خواجہ عثمان ہارونیؒ کی زبان سے خود سنا ہے فرماتے تھے کہ اللہ تعالےٰ کے ایسے اولیا بھی ہیں کہ اگر اس دنیا میں ایک لمحہ بھی اس سے حجاب میں آجائیں تو نیست و نابود ہو جائیں

— فرمایا — میں نے خواجہ عثمان ہارونیؒ کی زبان سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ جس شخص میں تین باتیں ہوں تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اُسے دوست رکھتا ہے، اول سمندروں جیسی سخاوت، دوم، آفتاب جیسی شفقت، سوم، زمین جیسی تواضع،

— فرمایا — نیک لوگوں کی صحبت نیکی کرنے سے بہتر اور بُرے لوگوں کی صحبت بدی کرنے سے بدتر ہے — فرمایا — مرید اپنی توبہ میں اس وقت راسخ اور قائم سمجھا جائے گا جب کہ اسکی بائیں طرف والے فرشتہ نے بیس سال تک اس کا ایک بھی گناہ نہ لکھا ہو،

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ بات اکابر متقدمین سے بھی منقول ہے، اور بعض متاخرین صوفیاء نے اس بات کی حقیقت اس طرح بیان فرمائی ہے کہ مرید کے لئے ہر وقت توبہ واستغفار کرنا ضروری ہے، اور توبہ واستغفار کے ہوتے ہوئے گناہ نہیں لکھا جاتا، یہ مطلب نہیں کہ گناہ اس سے بالکل سرزد ہی نہ ہو، اسی وجہ سے مشائخ کرام اپنے مریدوں کو سوتے وقت استغفار کی تاکید کرتے ہیں تاکہ دن بھر کے وہ گناہ جو ابھی تک رحمتِ الٰہی کی وجہ سے نہیں لکھے گئے ہیں، کتابت وظہور میں نہ آئیں،

—— فرمایا —— میں نے خواجہ عثمان ہارونی رح کی زبانی سُنا، فرماتے تھے کہ انسان مستحق فقر اسوقت ہوتا ہے جب کہ اس عالم فانی میں اسکا کچھ بھی باقی نہ رہے، محبت کی علامت یہ ہے کہ فرمانبردار رہتے ہوئے اس بات سے ڈرتے رہو کہ محبوب تمھیں دوستی سے جدا نہ کر دے،

—— فرمایا —— عارفوں کا بڑا بلند مقام ہے، جب وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو تمام دنیا ومافیہا کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان دیکھتے ہیں،

—— فرمایا —— عارف وہ ہے کہ جو کچھ چاہے وہ فوراً اس کے سامنے آجائے، اور جو کچھ بات کرے تو فوراً اس کی جانب سے اس کا جواب سُن لے،

—— فرمایا —— محبت میں عارف کا کم سے کم مرتبہ یہ ہے کہ صفاتِ حق اس کے اندر پیدا ہو جائیں، اور محبت میں عارف کا درجۂ کامل یہ ہے کہ اگر کوئی اس کے مقابلہ پر دعویٰ کر کے آئے تو وہ اپنی قوتِ کرامت سے اُسے گرفتار کر لے،

—— فرمایا —— ہم برسوں یہ کام کرتے رہے لیکن آخر میں ہیبت کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آیا، فرمایا، کہ تمہارا کوئی گناہ اتنا نقصان نہیں پہنچائے گا جتنا کسی مسلمان کی بے عزتی کرنے سے پہنچے گا،

—— فرمایا —— پاسِ انفاس اہلِ معرفت کی عبادت ہے، اور معرفت خداوندی کی علامت یہ ہے کہ مخلوق سے بھاگے اور معرفت میں خاموش رہے،

—— فرمایا —— عارف کو معرفت حاصل نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ معارف کو یاد نہ کرے، اور عارف وہ ہے جو اپنے دل سے غیر اللہ کو نکال باہر کرے تاکہ وہ بھی اسی طرح اکیلا ہو جائے جیسے اسکا محبوب یکتا ہے،

—— فرمایا —— بدبختی کی علامت یہ ہے کہ گناہ کرتا رہے پھر بھی مقبولِ بارگاہ ہونیکا امیدوار ہو، اور عارف کی علامت یہ ہے کہ خاموش اور غمگین رہیگا، فرمایا —— جس نے بھی نعمت پائی وہ سخاوت

کی وجہ سے پائی،

—— فرمایا —— درویش وہ ہے کہ جس کے پاس جو بھی حاجت لیکر آئے تو اُسے خالی ہاتھ اور معدوم واپس نہ کرے، اور عارف راہِ محبت میں ایسا شخص ہے جو دو عالم سے دل ہٹالے،

—— فرمایا —— اس دنیا میں درویشوں کا درویشوں کے ساتھ بیٹھنا عزیز ترین چیز ہے، اور درویشوں کا درویشوں سے جُدا ہونا بدترین چیز ہے، کیونکہ یہ جُدائی علت سے خالی نہیں،

—— فرمایا —— درحقیقت متوکل وہ ہے جس کو مخلوق سے تکلیف واذیت حاصل ہو لیکن نہ وہ کسی سے شکایت کرے نہ کسی سے ذکر کرے، اور سب سے بڑا عارف وہ ہے جو سب سے زیادہ حیران ہو،

—— فرمایا —— عارف کی علامت یہ ہے کہ موت کو پسند کرے، عیش وراحت کو چھوڑ دے اور یادِ الٰہی سے اُنس حاصل کرے،

—— فرمایا —— جب اللہ تعالیٰ اپنے محبین کو اپنے انوار سے زندہ فرمائیں، تو یہی ولایت ہے،

—— فرمایا —— اہلِ محبت وہ ہیں جو استاد کے بغیر دوست کی باتیں سنیں، فرمایا —— عارف وہ ہے جو صبح اُٹھے تو رات کی یاد اُسے نہ آئے، فرمایا —— سب سے بہتر وقت وہ ہے جب دل وسوسوں سے پاک ہو،

—— فرمایا —— علم ایک بے پناہ سمندر ہے اور معرفت اُس کی ایک نالی، سو کہاں خدا، کہاں بندہ، علم اللہ کے لئے ہے اور معرفت بندہ کے لئے،

—— فرمایا —— اہلِ معرفت ایسے آفتاب ہیں جو تمام عالم پر درخشاں ہیں، اور تمام عالم اُن کے نور سے روشن ہے،

—— فرمایا —— لوگ منزل گاہِ قرب کے نزدیک صرف اس وقت جا سکتے ہیں جب نماز میں مکمل فرمانبرداری کریں، کیونکہ مومن کی معراج یہی نماز ہے،

مشہور ہے کہ "اجمیر" کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک ہندو راجہ کا نام جس کی حکومت حدِ غزنین تک تھی "آجا" تھا، نیز "آجا" ہندی میں آفتاب کو بھی کہتے ہیں، اور "میر" ہندی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں، ہندوؤں کی تاریخ میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں پہاڑوں پر تعمیر ہونیوالی دیوار میں سب سے پہلے یہی دیوار تعمیر ہوئی، جو اجمیر کے پہاڑ کے اوپر ہے اسی طرح سرزمین ہند

میں جو سب سے پہلا حوض بنایا گیا وہ "پھکر" کا حوض ہے جو اجمیر سے آٹھ میل ہے اور ہندو اس کی پوجا کرتے ہیں اور ہر سال چھ روز کے لئے "تحویل عقرب" کے وقت وہاں جمع ہو کر غسل کرتے ہیں، اپنی عمر عزیز اور اولاد کو ایک باطل مذھب کی بدولت برباد کرتے ہیں، ان میں سے جو قیامت کے قائل ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ قیامت بھی اسی حوض سے شروع ہوگی، اور "آجا" نام جو اس ملک میں ہندو تھے پہلے سے رکھتے تھے، پتھورا سب سے آخری راجہ ہے جس سے مسلمانوں نے ملک ہند حاصل کیا، "ناگور" کا اکثر حصہ پتھورا کا آباد کردہ ہے جس کا قصہ یہ ہے کہ پتھورا نے اپنے ایک افسر سے جو جانوروں کے گھاس دانہ کی نگرانی کرتا تھا، کہا، کہ گھوڑوں کے طویلہ کے لئے کوئی مناسب اور اچھا مقام تلاش کرو، وہاں شہر بھی آباد کردوں گا، وہ افسر بہت گھوما پھرا، جب وہ اس جگہ پہنچا جہاں اب شہر ناگور ہے تو اس نے ایک دُنبی کو دیکھا کہ اس کے بچہ پیدا ہوا ہے اور ایک بھیڑیا اس بچہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو دُنبی نے اپنے بچہ کو پیچھے کر کے اس بھیڑیئے پر حملہ کی تیاری شروع کی، اس نے یہ کیفیت دیکھ کر کہا کہ یہ مردانہ جگہ ہے اور اس جنگل کا آب و گیاہ گھوڑوں کے لئے مفید ہے، چنانچہ وہاں ایک شہر آباد کر کے اسکا نام "نوانگر" یعنی نیا شہر رکھا، سلطان شہاب الدین غوری رح جب یہاں پہنچے اور پتھورا مارا گیا تو انکی ترک فوجوں کے زمانہ میں یہ لفظ "ناگور" بن گیا، واللہ اعلم بالصواب۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اُوشی قدس سرہٗ

۵۰۵ ـــــــ ۶۳۳ھ

آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح کے جلیل القدر خلفاء، اکابر اولیاء اور عظیم القدر صوفیا میں سے تھے اور بڑے مقبول بزرگ تھے، ترک دنیا اور فقر و فاقہ میں ممتاز تھے اور یاد الٰہی میں بڑے مستغرق اور محو تھے، اگر کوئی آپ سے ملنے کے لئے آتا تو تھوڑی دیر کے بعد افاقہ ہوتا اور آپ اپنے آپے میں آتے، اس کے بعد آنیوالے کی طرف متوجہ ہوتے، اپنی یا آنے والے کی بات کہہ سنکر فرماتے کہ اب مجھے معذور رکھو، اور پھر یاد الٰہی میں مشغول ہو جاتے اگر آپ کی کوئی اولاد فوت ہو جاتی تو اُسوقت خبر نہ ہوتی تھوڑی دیر کے بعد آپ کو خبر ہوتی، **روایت:** منقول ہے کہ آپ کے پڑوس میں ایک بنیا رہتا تھا، شروع شروع میں آپ

اس سے قرض لیتے تھے اور اس سے فرما دیتے کہ جب تمہارا قرض تیس درہم تک ہو جائے تو اس سے زیادہ نہ دینا، جب آپ کو فتوحات حاصل ہوتیں تو آپ قرض ادا فرما دیتے، اس کے بعد آپ نے پختہ ارادہ فرمالیا کہ کبھی قرض نہ لوں گا، اس کے بعد اللہ کے فضل و کرم سے ایک روٹی مصلے کے نیچے سے نکل آتی اسی پر تمام گھر والے گزارا کر لیتے، اس بنیے نے خیال کیا کہ شاید حضرت شیخ مجھ سے ناراض ہو گئے جو قرض نہیں لیتے، اس نے اپنی بیوی کو جستجوئے حال کے لئے حضرت خواجہ کے گھر بھیجا، حضرت شیخ کی اہلیہ محترمہ نے صحیح صحیح حالت اسکی بیوی کو بتادی، اس کے بعد سے وہ روٹی ملنا بند ہو گئی (چونکہ آپ کو منجانب اللہ مصلے کے نیچے سے روٹیاں ملا کرتی تھیں جس پر آپ کے گھرانے کی گزر اوقات تھی اس لئے آپ کو کاکی کہتے ہیں کہ کاک افغانی زبان میں روٹی کو کہا جاتا ہے، اور چونکہ آپ بلاد ماوراء الہند کے قصبۂ اوش کے رہنے والے تھے اس لئے آپ کو اوشی کہا جاتا ہے)

شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ شیخ معین الدین اجمیری رح نے شیخ قطب الدینؒ کو پانسو درہم تک قرض لینے کی اجازت دیدی تھی، لیکن جب آپ درجۂ کمال پر پہنچے تو اس سے بھی دست برداری فرمالی،

روایت منقول ہے کہ خواجہ قطب الدین رح اپنے ابتدائی دور میں نیند کے غلبہ کے بعد تھوڑا سو لیتے تھے لیکن آخری زمانہ میں یہ بھی بیداری سے تبدیل ہو گیا،

شیخ محمد نور بخش رح نے اپنی کتاب "سلسلۃ الذہب" میں آپ کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ "بختیار اوشی رح بڑے ولی، سالک، مجاہدہ و ریاضت میں ممتاز اور خلوت و عزلت کو پسند کرنے والے، اپنے چلوں میں کم خواب، کم خور، کم گو اور ہمیشہ یادِ الٰہی میں رہنے والے اور باطنی حالات و مکاشفات میں بڑے بلند پایہ تھے،

روایت منقول ہے کہ آپ ہر رات تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کے بعد سویا کرتے تھے، انھیں ایام میں آپ کا نکاح ہوا، اور تین روز تک درود شریف نہ پڑھ سکے، ایک شخص نے جس کا نام رئیس تھا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ فرما رہے تھے کہ بختیار کاکیؒ کو ہمارے سلام کے بعد کہنا کہ تم ہر رات جو تحفہ ہمیں

بھیجا کرتے تھے، تین رات سے وہ ہمیں نہیں پہنچا۔

روایت منقول ہے کہ شیخ علی سکزیؒ کی کے مکان پر صحبتِ احباب گرم تھی، خواجہ بختیارؒ بھی وہاں موجود تھے، اور شیخ علی ایک بزرگ حضرت خواجہ معین الدین حسنؒ کے رشتہ دار اور خواجہ قطب الدین کے ہمسایہ تھے ان کا مزار بھی خواجہ صاحب کے مزار کے قریب ہے، اس محفلِ سماع میں قوال نے شیخ احمد جامؒ کا یہ شعر پڑھا ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را! ❊ ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

(خنجرِ تسلیم ورضا کے شہیدوں کو ہر گھڑی غیب سے ایک نئی زندگی عطا ہوتی ہے)

خواجہ صاحب پر اس شعر سے ایک وجد طاری ہوا اور چار شبانہ روز اسی شعر سے عالمِ تحیّر میں مبتلا رہ کر پانچویں رات رحلت فرما گئے، میر حسن دہلوی نے اسی زمین کی غزل میں اس قصّہ کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

جاں بریں یک بیت دادہ است آں بزرگ ❊ آرے ایں گوہر ز کانے دیگر است

(اسی ایک شعر پر اس بزرگ نے جان دیدی، یقیناً یہ موتی کسی دوسری کان کا ہے)

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ❊ ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

(خنجرِ تسلیم ورضا کے شہیدوں کو ہر گھڑی غیب سے ایک نئی زندگی عطا ہوتی ہے)

یہ واقعہ ربیع الاول کی چودھویں رات ۶۳۳ھ کا ہے اور اسی سال ۱۴ شعبان کو سلطان شمس الدین التمشؒ کی وفات ہوئی،

خواجہ قطب الدینؒ نے اپنی کتاب "دلیل العارفین" میں لکھا ہے کہ جمعرات کے دن اجمیر کی جامع مسجد میں مجھے اپنے شیخ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا، مجلس میں درویش، مرید اور عزیزان اہلِ صفہ حاضر تھے، ملک الموت کے بارے میں بات چیت ہو رہی تھی تو آپ نے فرمایا "موت کے بغیر دنیا کی ذرہ برابر قیمت نہیں" دریافت کیا یہ کیسے؟ فرمایا "اس لئے کہ موت ایک پُل ہے جیسے عبور کر کے حبیب حبیب سے ملتا ہے" پھر فرمایا کہ دوستی دل سے ہوا کرتی ہے نہ کہ زبان سے، اور جو چیزیں تمہیں معلوم ہیں ان سے خاموشی اختیار کرو تو عرش کے گرد طواف کرنے لگو،

فرمایا، کہ عارف کی مثال چمکنے والے آفتاب کی طرح ہے جس کے نور سے پوری دنیا روشن ہے، پھر فرمایا، کہ اے درویش! ہمیں یہاں لایا گیا ہے، ہماری قبر بھی یہیں ہوگی اور چند روز کے اندر ہم سفر آخرت کریں گے، اس کے بعد شیخ علی سنجریؒ سے فرمایا کہ ایک تحریر لکھو کہ قطب الدینؒ دہلی روانہ ہو جائے، ہم نے خلافتِ سجادہ قطب الدینؒ کو دیدی اور ان کا مقام دہلی ہوگا، جب حکمنامہ مکمل ہو گیا تو اس فقیر (خواجہ بختیارؒ) کو عنایت فرمایا، اس فقیر نے سرِ تسلیم جھکا دیا، پھر فرمایا، ذرا قریب آجاؤ، میں قریب ہوا تو دستار و کلاہ میرے سر پر رکھ کر خواجہ عثمان ہارونیؒ کا عصا عطا فرمایا، اور خرقہ پہنا کر قرآن کریم، جانماز اور نعلین عطا فرمائے اور فرمایا کہ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ امانت مشائخ چشت کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے تم بھی اسے جاری رکھنا تاکہ قیامت کے دن مشائخ کے سامنے شرمندگی اٹھانا نہ پڑے، اس فقیر نے سر جھکا دیا، پھر دو رکعت نماز ادا کی، اس کے بعد حضرت مرشدؒ نے میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا، اب جاؤ، سپردِ خدا، اللہ تعالیٰ تمہیں منزل پر پہنچائے،

پھر فرمایا کہ چار چیزیں نفس کا جوہر ہیں، اول درویشی میں تونگری کرنا، دوم بھوک میں سیر نظر آنا، سوم غم میں مسرور معلوم ہونا، چہارم دشمن سے بھی درستی کا معاملہ کرنا، پھر فرمایا جہاں بھی جاؤ کسی کا دل نہ دکھانا، اور جہاں بھی جاؤ مُردوں کی طرح رہنا،

میں دہلی میں آکر مقیم ہو گیا اور تمام حکام و عوام مجھ فقیر کی جانب رجوع ہونے لگے، چالیس روز نہیں گزرے تھے کہ ایک قاصد یہ پیغام لایا کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ آپ کے روانہ ہونے کے بیس روز کے بعد واصل بحق ہو گئے۔ رحمہما اللہ تعالیٰ

شیخ الاسلام بہاء الدین ابو محمد زکریا ملتانی قریشی اسدی رحمۃ اللہ علیہ

۵۶۰ ــــــــــــــــــــ ۶۶۱ھ

آپ شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردیؒ کے خلیفہ تھے، آپ کا شمار ہندوستان کے اکابر اولیاء میں ہوتا ہے، ظاہری کمالات، بلند مراتب اور اعلیٰ برکات و فیوض سے آراستہ تھے، "نزہتہ الارواح" کتاب کے مصنف میر حسینی ساداتؒ اور "لمعات" کے مصنف

شیخ فریدالدین عراقی رح آپ کی خدمت میں رہے اور آپ کی تربیت سے فیض پایا،

روایت منقول ہے کہ آپ جس وقت صاحبِ کمال و برکات ہو کر ملتان تشریف لائے تو اکابرِ ملتان میں کچھ حسد ظاہر ہوا اور بطور کنایہ آپ کی خدمت میں دودھ سے لبالب بھرا ہوا ایک پیالہ بھیجا، مطلب یہ تھا کہ اس شہر میں کسی کی گنجائش نہیں ہے، شیخ رح نے اس اشارہ کا مطلب سمجھ کر دودھ کے پیالہ پر ایک پھول رکھ کر واپس فرما دیا، مقصود یہ تھا کہ ہمارا مقام اس شہر میں اس طرح رہے گا جس طرح دودھ پر یہ پھول رکھا ہوا ہے، اکابرِ ملتان اس حُسنِ ادا پر حیران رہ گئے اور آپ کی کرامات کے معترف و مطیع ہو گئے،

شیخ زکریا رح ایسے مستغنی اور شاکر تھے کہ اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ (یعنی ہمنے انھیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرمائی اور وہ آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہیں) وہ آپ پر پوری طرح صادق آتا ہے،

آپ کے ہمعصر ایک شیخ نے آپ سے فقر و غنا کے بارے میں گفتگو کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا اپنے تمام اسباب کے ساتھ بھی کوئی قیمت نہیں رکھتی قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ، (یعنی آپ فرما دیجئے کہ دنیا کی بہار چند روزہ ہے) اور ظاہر ہے کہ اس تمام دنیا میں سے ہمارے پاس کتنا ہے (یا ظاہر ہے کہ یہ تمام دنیا ہماری نظر میں کیا قیمت رکھ سکتی ہے)

فرمایا کہ سانپ کا ساتھ رکھنا اس شخص کو ضرر پہنچاتا ہے جو اس کے کاٹے کا منتر نہ جانتا ہو،

فرمایا کہ غنا ہمارے رخسارۂ حال کا تِل ہے،

اصحابِ سیرت کا بیان ہے کہ آپ کے اور شیخ فریدالدین شکر گنج رح کے درمیان بڑی گہری محبت تھی اور سالوں اسی طرح رہے، یہ بھی ایک قول ہے کہ یہ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی تھے،

ایک مرتبہ آپ کی جانب سے شیخ فریدالدین رح کو ایسا پیغام بھیجا گیا، جو شیخ فریدالدین رح کی مجلس کے خلاف تھا شیخ زکریا رح نے اس کی معذرت میں ایک رقعہ لکھا، اس میں یہ بات بھی لکھی کہ ہمارے اور آپ کے درمیان عشق بازی ہے "بازی" نہیں ہے،

روایت حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رح سے منقول ہے کہ بابا شکر گنج رح بڑے روزہ دار تھے،

حتیٰ کہ بخار اور فصد کھلوانے کی حالت میں بھی روزہ ترک نہ فرماتے، اور شیخ زکریا رح روزہ تو زیادہ نہ رکھتے تھے البتہ بڑے عبادت گزار اور شریعت کی بڑی اطاعت کرنے والے تھے، اور حضرت نظام الدین رح یہ آیت کریمہ پڑھتے یَا اَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (یعنی اے جماعت انبیائے کرام! حلال و پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو) اور فرماتے کہ شیخ زکریا رح کے حق میں یہ آیت صحیح طور پر صادق ہے،

شیخ محمد نور بخش رح نے اپنی کتاب "سلسلۃ الذھب" میں آپکا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے،

"بہاؤالدین زکریا ملتانی قدس اللہ سرہٗ ہندوستان کے رئیس الاولیا تھے، آپ علوم ظاہری کے زبردست عالم اور صاحب احوال و مقامات اور صاحب مکاشفات و مشاہدات تھے، آپ ایسے مرشد کامل تھے جن سے اکثر اولیا کے سلسلے نکلتے ہیں، آپ کا کفر سے ایمان، معصیت سے اطاعت اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف ہدایت کرنے میں بڑا مقام ہے"

"مجمع الاخیار" میں شیخ بہاؤالدین کی نصیحتوں کے باب میں تحریر ہے:-

"ہر بندہ پر لازم ہے کہ صدق و اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اور یہ کیفیت اس وقت حاصل ہوگی جب عبادت و ذکر میں غیر اللہ کی نفی اور دوسروں کا مٹا دینا ہو، اور یہ حالت ہے احوال کی درستی اور اقوال و افعال میں محاسبہ نفس پر موقوف ہے، لہٰذا بغیر ضرورت کے نہ کوئی بات ہو نہ کام، اور ہر قول و فعل سے پہلے اللہ تعالیٰ کیطرف التجا و تضرع اور اسی سے استعانت ہو، تاکہ اللہ تعالےٰ اسے نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے"

ایک مرتبہ آپؒ نے اپنے ایک مرید کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ

"ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہو، کیونکہ ذکر سے طالب اپنے مطلوب تک پہنچتا ہے اور محبت ایسی آگ ہے جو ہر قسم کے میل کچیل کو جلا ڈالتی ہے، اور جب محبت مستحکم ہو جاتی ہے تو ذکر مشاہدہٗ مذکور کے ساتھ ہوتا ہے، اور یہی وہ ذکر کثیر ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے فلاح و کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے، ارشاد ہے وَاذْکُرُوا اللّٰہَ

کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (یعنی بکثرت اللہ کا ذکر کرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ،)

آپ نے اپنے ایک مرید کو ایک خط میں تحریر کیا کہ

"میں نے سنا ہے کہ شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردی رحؒ اپنے شیخ ابو النجیب عبدالقاہر رحؒ کے ساتھ حرم کعبہ میں تھے، شیخ ابو النجیبؒ عالم اسرار میں پہنچ گئے، حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے لیکن شیخ نے اُن کی طرف التفات نہ فرمایا، حضرت خضر علیہ السلام تھوڑی دیر کھڑے رہ کر واپس چلے گئے، جب شیخ ابو النجیبؒ کو افاقہ ہوا تو اُن سے شیخ سہروردی رحؒ نے ہمت کر کے دریافت کیا کہ حضرت! یہ کیا ہو گیا تھا کہ ایک نبی آپ کی ملاقات کو آئے لیکن آپ نے اُن کی طرف بالکل التفات نہ فرمایا، شیخ ابو النجیبؒ نے ان کی طرف دیکھا اور چہرہ سُرخ ہو گیا، پھر فرمایا، افسوس، تمہیں کیا پتہ، اگر حضرت خضر علیہ السلام آکر واپس چلے گئے تو پھر آجائیں گے، لیکن ہمارا یہ وقت حق کے ساتھ مشغول تھا، اگر یہ چلا جاتا تو پھر ہاتھ نہ آتا اور اس کی ندامت قیامت تک باقی رہتی، ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت خضر علیہ السلام تشریف لے آئے، شیخ رحؒ نے کھڑے ہو کر استقبال کیا، اور خاطر تواضع کی"

لہذا مرید کو اپنے اوقات کی نگرانی و حفاظت کرنا چاہیئے، غیر اللہ کو دل سے دُور کر دینا مخلوق سے میل جول اپنے اوپر حرام کر لینا اور ذکرِ حق سے انسیت حاصل کرنا چاہیئے، اور اگر اس کو ذکر سے انس حاصل نہ ہوگا تو حق تعالیٰ کی محبت کی خوشبو بھی نہ پاسکے گا،

ایک دوسرے خط میں ایک مرید کو تحریر فرمایا کہ

"کم کھانے سے جسم تندرست رہتا ہے، گناہوں کے ترک کر دینے سے روح کو سلامتی ملتی ہے اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے سے دین سلامت رہتا ہے"

شیخ بہاؤ الدین رحؒ نے ۷ صفر ۶۶۱ھ کو وفات پائی۔ (رحمۃ اللہ علیہ)

سلطان نورالدین مبارک غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

۵۵۵ ــــــــــــــــــ ۶۳۲ھ

آپ شیخ شہاب الدین رحؒ کے خلیفہ، روحانی مقتدا اور دہلی کے شیخ الاسلام تھے، سلطان شمس الدین کے زمانہ میں آپ کو "میر دہلی" کہا جاتا تھا،

فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ ایک روز شیخ نظام الدین ابوالمؤید رحؒ کی بزرگی میں گفتگو ہوئی کہ ایک دفعہ بارش نہ ہوئی، آپ کو لوگوں نے پکڑ لیا کہ دعائے باراں کیجئے، آپ منبر پر تشریف لائے اور بارش کے لئے دعا کی، پھر آسمان کی طرف کر کے کہا کہ اے اللہ اگر تو نے بارش نہ برسائی تو میں اس سے پہلے کسی بھی آبادی میں نہ جاؤں گا، یہ کہہ کر منبر سے نیچے اُتر آئے، حق تعالیٰ نے بارش نازل فرمادی، اس کے بعد سید قطب الدین رحؒ کی آپ سے ملاقات ہوئی، سید صاحب نے آپ سے کہا کہ آپ کے بارے میں ہماری عقیدت بہت پختہ ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کو نیاز کامل حاصل ہے، لیکن آپ نے یہ کیوں فرمایا کہ "اگر تو نے بارش نہ برسائی تو میں اس سے پہلے کسی بھی آبادی میں نہ جاؤں گا"؟ حضرت شیخ نظام رحؒ نے جواب دیا کہ چونکہ مجھے یقین ہوگیا تھا کہ بارش برسے گی، اس لئے میں نے کہہ دیا، سید صاحبؒ نے دریافت کیا کہ آپ کو یہ یقین کیسے حاصل ہوگیا، فرمایا کہ ایک دفعہ دشت نشینی کے سلسلہ میں میرا اور سید نورالدین مبارک رحؒ کا نزاع سلطان شمس الدین برازی کی خدمت میں پیش ہوا، میں نے کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے سید نورالدین کبیدہ خاطر ہوگئے، اسی وقت مجھ سے دعائے بارش کے لئے فرمایا، میں نے کہا آپ تو مجھ سے رنجیدہ خاطر ہیں، اگر آپ مجھ سے راضی ہو جائیں تو دعا کروں گا ورنہ نہیں کروں گا، ان کے خلوت خانہ سے آواز آئی کہ میں تم سے راضی ہوں، جاکر دعا کرو،

شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ مشہور یہ ہے کہ سید نورالدین رحؒ نے ایک بڑے بزرگ شیخ محمد اجل شیرازی رحؒ سے فیض نعمت حاصل کیا ہے، فرمایا کہ شیخ شیرازی کے مریدوں میں ایک سوداگر تھا، ایک روز اس نے شیخ رحؒ سے آکر عرض کیا کہ میرے گھر میں ایک لڑکا تولد ہوا ہے جو آپ کا غلام زادہ ہے، اسے فیضِ نعمت پہنچائیے، شیخ رحؒ نے فرمایا کہ اچھی

بات ہے، کل صبح جب میں نماز فجر سے فارغ ہوجاؤں تو اپنے بچہ کو میری داہنی جانب سے لاکر سامنے پیش کرنا،

اسی دن سید نورالدین مبارک رح کی پیدائش ہوئی، آپ کے والد بھی اس مجلس میں موجود تھے، اور یہ بات انھوں نے سُن لی تھی، انھوں نے اپنے دل میں کہا کہ میں بھی اپنے نو مولود بچہ کو شیخ رح کی خدمت میں لاؤں گا،

دوسرے روز جب نماز فجر کا وقت ہوا تو اُس تاجر کو دیر ہوگئی، سید مبارک غزنوی کے والد علی الصبح اُٹھے مؤذن نے تکبیر کہی اور شیخ رح نے نماز پوری کی، سید مبارک کے والد نے شیخ رح کی داہنی جانب سے آکر اپنے بچہ کو شیخ کے سامنے کر دیا، شیخ نے اُن پر نظر کرم فرمائی، یہ تمام نعمتیں اسی نظر فیض کا اثر ہیں، اس کے بعد وہ تاجر آیا تو شیخ رح نے فرمایا کہ یہ نعمت تو سید زادہ کی قسمت میں تھی،

فرمایا کہ غزنی میں ایک مرتبہ بارش نہ ہوئی، لوگ شیخ محمد اجل رح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بارش کیلئے دعا کیجئے، شیخ رح یہ سنکر گھر سے باہر آئے ایک مخلوق آپکے پیچھے تھی، شیخ رح کے سامنے ایک باغ آیا، آپ باغ میں تشریف لیگئے، باغبان ایک درخت کے نیچے پڑا سو رہا تھا، آپنے اسے بیدار کیا اور فرمایا کہ درخت خشک ہو رہے ہیں، اُٹھ اور درختوں کو پانی دے، باغبان نے جواب دیا کہ باغ بھی میرا اور درخت بھی میرے، جب ضرورت ہوگی پانی دیدونگا، شیخ رح نے اس سے فرمایا کہ پھر اس مخلوق کو ہمارے پیچھے آنیسے منع کیوں نہیں کرتا، ہم اللہ کے بندے ہیں اور یہ زمین خدا کی ہے، جب حق تعالیٰ چاہیں گے بارش ہوجائے گی، آپ یہ بات فرماکر واپس ہوئے، تھوڑی دیر بعد بے انتہا بارش ہوئی، سید مبارک غزنوی کا مقبرہ دہلی میں حوض شمسی کے مشرقی جانب ہے آپ نے ۶۳۲ھ میں وفات پائی، (رحمۃ اللہ علیہ)

شیخ حمید الدین صوفی قدس سرہ

۵۷۰ ——————— ۶۷۳ھ

آپ کو سعید ناگوری سوالی بھی کہتے ہیں، سلطان التارکین آپ کا لقب اور ابو احمد کنیت

تھی، حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رح کے جلیل القدر خلفا میں سے تھے، ترک دنیا اور خلوت نشینی میں بڑا اونچا مقام تھا، اللہ کے خاص بندوں میں سے تھے، آپ کی بلند ہمتی دنیا و آخرت سے بھی بلند و بالا تھی اور شخوص ثلثہ کے علاوہ کسی طرف بھی آپ کی نظر التفات نہیں پڑتی تھی، تصوف میں شان بلند اور قواعد طریقت کے بیان میں اونچا مقام رکھتے تھے، آپ سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں جو عشرۂ مبشرہ میں شمار ہوتے ہیں، آپ ہندوستان کے متقدمین مشائخ میں ہیں اور آپ نے بڑی لمبی عمر پائی ہے، خود فرماتے ہیں کہ فتح دہلی کے بعد مسلمان گھرانوں میں سب سے پہلے میری ولادت ہوئی ہے، حضرت خواجہ معین الدین رح کے زمانہ سے شیخ نظام الدین اولیا رح کے ابتدائی زمانہ تک آپ حیات رہے ممکن ہے کہ آپ کی ملاقات نظام الدین اولیا، سے بھی ہوئی ہو، واللہ اعلم، حضرت نظام الدین اولیا رح نے آپ کے ملفوظات آپ کی تصانیف سے منتخب کر کے اپنے دست مبارک سے لکھے تھے اور مصنف سیر الاولیا نے ان کو سلطان المشائخ سے نقل کیا ہے،

روایت ایک روز خواجہ معین الدین چشتی رح بڑے مسرور تھے، فرمانے لگے جس کو جو مانگنا ہو مانگ لے کیونکہ در اجابت کھلا ہوا ہے، کسی نے دنیا طلب کی، کسی نے آخرت، حضرت خواجہ رح نے اسوقت خواجہ قطب الدین کیطرف رُخ کر کے یہی ارشاد فرمایا، انھوں نے عرض کیا بندہ کو کوئی اختیار نہیں جو کچھ ارشاد ہو آپ کو اختیار ہے، حضرت خواجہ نے اس کے بعد فرمایا کہ حمید الدین صوفی جو تارکِ دنیا اور مستغنی آخرت ہے، سلطان التارکین ہے اسی وقت سے آپ کا لقب سلطان التارکین ہوگیا،

روایت شہر ناگور میں سوال نامی ایک موضع ہے وہاں شیخ حمید الدین رح کے پاس روز طناب مزروعہ زمین تھی، جس میں آپ اپنے ہاتھ سے ہل چلاتے اور تخم ریزی فرماتے، اور اس سے اپنے اہل و عیال کی روزی کا سامان فراہم کرتے تھے، آپ کی وفات ۲۹ ربیع الاول ۶۷۳ھ میں ہوئی، شہر ناگور میں آپ کا مزار ہے،

شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا رح سے فقر و غنا کے باب میں آپ کی بہت خط و کتابت رہی ہے، ان میں سے ایک خط کا مضمون یہ ہے کہ

"نصوص احادیث اور مشائخ کا اس پر اجماع ہے کہ دنیا اور متاع دنیا وصول الی اللہ میں آڑے آتا ہے، جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے بعض مشائخ کے پاس دنیا کا کافی ساز و سامان ہے اور اس کے باوجود ان سے خوارق و کرامات کا ظہور بھی ہوتا ہے تو اس مسکین کو اس سلسلہ میں بڑی حیرت ہوتی ہے، اگر جناب عالی از راہ کرم اس اشکال کو حل فرما دیں تو عین عنایت ہوگی۔"

ایک دوسرے مکتوب میں آپ نے تحریر فرمایا کہ

"اس احقر نے ایک عریضہ شیخ بہاؤ الدین رح کی خدمت میں ارسال کیا تھا، اور احقر کو جو اشکالات تھے ان کے جواب کی استدعا کی تھی، جناب والا نے نہ معلوم کیوں اس کا جواب نہیں لکھا، اور اگر لکھا ہے تو تشفی بخش نہیں ہے، آخر اس حقیر نے بارگاہ خداوندی میں تضرع و زاری سے درخواست کی کہ اس بندے کی مشکل آسان فرما دے اور اس مقصود کی کوئی نشانی ظاہر فرما دے، رب العزت نے بندہ کی دعا قبول کر لی، اور یہ ظاہر ہوا کہ ارباب شریعت جو ثواب آخرت کے طلبگار ہیں، حصول ثواب کے لئے خیرات و صدقات اور صلات و قربات تو کرتے رہتے ہیں لیکن وہ ان حقائق: تقویٰ اور دقائق نفس سے جو ارباب طریقت کو معلوم ہیں محروم ہیں، اسی طرح ارباب طریقت اسرار قرب اور تجلی ذات سے، جو طالبانِ مولیٰ کا مقصود ہے اور ان کے سامنے ذاتِ حق کے ماسوا ہر چیز اگرچہ کشف و مشاہدہ ہو موجب حجاب ذات ہوتا ہے، محروم و معذور ہیں، لہٰذا جو شخص ذاتِ حق کے ماسوا کسی بھی چیز کے ساتھ درماندہ ہے درحقیقت محجوب و محروم ہے اگرچہ اسکو اپنے محجوب ہونے کا علم نہ ہو۔"

آپ نے ایک مکتوب میں شیخ فریدالدین شکر گنج کو تحریر فرمایا کہ

"مشہور ہے کہ اگر ذکر الٰہی میں مشغول لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان سے اللہ کا کتنا قرب فوت ہو گیا ہے تو ہنسیں گے کم اور روئیں گے زیادہ، اور اگر قرب الٰہی میں مشغول لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان سے کچھ فوت ہوا ہے

تو وہ خون روئیں گے، اور اگر انسِ الٰہی میں مشغول لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ذاتِ حق سے کیا فوت ہوا ہے تو اُن کے کلیجے پھٹ جائیں۔"

آپ کی تصانیف و مکتوبات اور اشعار بکثرت موجود ہیں، آپ کی سب سے مشہور تصنیف اُصولِ الطریقۃ ہے، اسی میں ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

راہِ سلوک کے جوانمرد جن کا مقصود بارگاہ ربّ العزّت ہے، تین قسم کے ہیں، چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے، اَلَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ (یعنی وہ لوگ جنھیں ہم نے اپنے بندوں میں چن لیا ہے ان میں بعض تو اپنے اوپر (گناہ کر کے) ظلم کرنیوالے ہیں، اور بعض درمیانہ ہیں اور بعض وہ ہیں جو نیکیوں میں سبقت لیجانے والے ہیں) یعنی ظالم کو معذور، مقتصد کو مشکور اور سابق کو فانی کا لقب دیا جاتا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ

معذور وہ ہیں کہ ذات باری اور اُس کے رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاتے ہیں اور حق تعالیٰ کی وحدت و توحید کا اقرار و اعتراف کرنے کے بعد آپ کے دربار میں (بارادۂ عبادت) حاضری نہیں دیتے، اور اگر کبھی آتے ہیں تو ان کے آنے کی کیفیت یہ ہوتی ہے، کہ ان کے آنے میں کاہلی و دیر کو بہت بڑا دخل ہوتا ہے، اور اللہ کے فرمان سادعوا (جلدی آؤ) سے یکسر غافل رہتے ہیں، اور

مشکور وہ ہیں جو ایمان کی قید میں مقید اور اپنے قول و اقرار پر لیل و نہار عامل ہیں (یعنی خداوند کریم کے تمام احکام بدل و جان تسلیم کرتے اور ان میں عمل کرتے ہیں) اور

فانیان وہ ہیں جو خطاب اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں اور کسی وقت بھی اس کو اپنے دلوں سے زائل نہیں کرتے اور پھر اس کے جواب قَالُوْا بَلٰی پر عمل پیرا رہتے ہیں، یہ وہ طائفہ ہے جو اس جہان کے معرضِ وجود میں آنے سے پہلے خطابِ ازلی اور جواب لم یزلی کو قبول کر چکا ہے، اور ابتداہی میں رموزِ الٰہیہ کی طلب کے لئے میدانِ عمل میں کمر بستہ ہو کر کود چکا ہے، ان میں سے اکثر لوگ ایسے بھی تھے جو اس جہان سے اس طرح گزر گئے کہ ان کا کسی کو علم بھی نہ ہو سکا، اور ان میں کے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کا نبی اکرم (صلے اللہ علیہ وسلم)

نے تعارف کرایا ورنہ کسی کو ان کا نام ونشان تک معلوم نہ ہونے پاتا۔ ان لوگوں میں سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جن کا ہمارے سردار محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے حلقہ بگوشوں میں داخل ہوکر اپنے درد کا علاج کیا، اور ایک امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے جو بچپن ہی میں اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہوگئے، اور انھیں لوگوں میں سے ایک حضرت اویس قرنی رضہ تھے، اگر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ان کے تعارف کے سلسلہ میں کچھ ارشاد نہ فرماتے تو ان کا نام کسی رسالہ میں نہ ہوتا اور نہ ہی ان کی زندگی کے کوائف کسی کتاب میں درج ہوتے یہ کیسے خوش بخت تھے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں باعزت تھے (یہ نبی علیہ السلام کی اتباع اور محبت ہی کا ثمرہ تھا) کہ آپ نے دنیا سے نہ کچھ رکھا اور نہ کچھ لے گئے، آزاد تشریف لائے اور فرما گئے، اور اسی زمرہ کے ایک فرد حضرت سلمان فارسیؓ تھے کہ اسلام کی دعوت واعلان سے پہلے ہی طلب ہدایت ورشد کے لئے کوشاں تھے جنہوں نے عہدِ الستؑ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے حق وصداقت کو تلاش کیا، جب میں اس مقام پر پہنچا تو دل نے کہا کہ فانی لوگوں کی قدرے مزید تفصیل درکار ہے، سو اس کے متعلق یہ گذارش ہے کہ فانی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی تمام اوصاف میں سے اس وصف پر غور وخوض کیا کہ خدا کی ذات کو فنا نہیں تو یہ لوگ اس فنا کے طلبگار ہونے میں لگ گئے جو معدوم وغیر موجود ہے، اس طرح معدوم کی طلب میں قدم رکھا اور سرگردان بن گئے، اور انہوں نے تختۂ یاس ونا امیدی کو پڑھا جس کو پڑھنا نہ چاہیئے تھا اور راہِ فنا میں الف کی مثل اس طرح منفرد وجدا ہوگئے کہ اپنے وجود وراء فنا، دونوں سے بے نیاز ہوکر عین فنا، میں داخل ہوگئے۔ اور اسی عین فنا، کو ابد وبقا کہتے ہیں اسی لئے بزرگانِ ملت اور فقرا امت کہتے ہیں کہ "ملک مارا زوال نیست"، کیونکہ فنا، ایک سلبی اور منفی امر ہے جس میں ایجاب واثبات نہیں اور قاعدہ ہے کہ نفی ایجاب کی ہوتی ہے سلب چونکہ خود منفی ہے اس لئے اس کی منفی نہیں ہوا کرتی (اور اگر نفی کی نفی کی جائے، تو اس سے بھی ایجاب وبقا، ہی نکلتا ہے، کیونکہ مشہور قاعدہ ہے کہ نفی سے نفی فائدہ اثبات کا دیتی ہے از مترجم) یہ ایک سربستہ نکتہ ہے جو مشکل سے سمجھ میں آتا ہے۔

اس کا یقین رکھیۓ کہ آزاد سینے بھیدوں کی قبریں ہیں (یعنی جیسے قبریں چیز کو

دفن کر دیا جاتا ہے اور اس سے پھر نکلنے کی امید نہیں رہتی اسی طرح احرار کے سینے بھید ڈھکی قبریں ہیں۔ از مترجم) اور جو خزانے معمور و بھرے ہوئے ہوتے ہیں ان کو ہمیشہ پوشیدہ اور چھپا کے رکھا جاتا ہے اور جو خزانہ خراب ہوتا ہے اس کی دولت برباد ہو جاتی ہے،

نیز شیخ فرماتے ہیں کہ پیٹ میں جو حمل ہوتا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ بصورت بچہ پیدا ہوتا ہے یا ساقط ہو جاتا ہے، اور اگر ساقط ہو جاتا ہے تو قدرت میں محفوظ رہتا ہے، اور اگر پیدا ہوتا ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو زندہ پیدا ہوگا یا مُردہ، اگر وہ مُردہ پیدا ہوا ہے تو آیا اس کے اندر اوصافِ انسانی نمودار ہو چکے تھے اور اس کے بعد مرگِ طبعی سے فوت ہوا ہے یا اس سے پہلے بصورت اول وہ کامل تھا یا ناقص، اگر ناقص طور پر مُردہ پیدا ہوا ہے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے بوجہ اس کی کمی اور نقصان کے، اور اگر کامل مردہ پیدا ہُوا تو وہ موت اجتہادِ باطنی کے طور پر مُردہ ہوگا یا موت اجتہادِ ظاہری کے طور پر بصورت اول وہ جنت کے اعلیٰ مقامات پر جائیگا اور بصورتِ دیگر اپنی بلندی کے میدار و مرکز تک کسی مقام پر ٹھہرے بغیر پہنچ جائیگا، بعض بزرگ کہتے ہیں کہ بعض محققین کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو طلب کرنا چاہیئے، اور بعض اربابِ تحقیق کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سبحانہٗ کو طلب نہیں کرنا چاہیئے، جاننا چاہیئے کہ ان دونوں اقوال میں سے کسی قول کو خراب و فرسودہ تصور نہ کیا جائے بلکہ یہ دونوں قول درست اور سچے ہیں اگرچہ سطحی طور پر دیکھنے سے ایک دوسرے کی ضد معلوم ہوتے ہیں مگر ایسا ہرگز نہیں، البتہ جب ایک ہی زمانہ میں ان کا ایک سبب ہو تو اُس وقت واقعۃً ایک دوسرے کے مخالف ہوں گے (دونوں اقوال کی تشریح) "اللہ کو طلب کیا جائے" کا مطلب یہ ہوا کہ اگر طلب نہ کرو تو تعطل لازم آتا ہے، اور اگر طلب کرو تو تشبیہ لازم آئیگا حالانکہ اللہ کی ذات پاک ان دونوں معنوں سے منزہ و مبرّا ہے اور آپ کے حق میں یہ دونوں معنیٰ لائق و مناسب نہیں، اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اربابِ تحقیق کہتے ہیں کہ خدا کو طلب کیا جائے یا نہ کیا جائے، اگر طلب کرتے ہیں تو تشبیہ لازم آتی ہے اور اگر نہیں کرتے تو تعطل باری تعالیٰ لازم آتا ہے جو ہر دونوں نامناسب۔ اور شرعاً جائز نہیں تو پھر کرنا کیا چاہیئے سو اس کا جواب یہ ہے کہ تشبیہ دینے اور معطل کرنیوالوں کی طرح طلب۔ اور ترکِ طلب نہ کرو یعنی ترکِ طلب بھی ہو، اللہ تعالےٰ

کسی خاص و متعین جہت وسمت میں نہیں ہیں کہ تم اس کی طلب کو اس جانب حرکت کرو، اور نہ وہ کسی خاص جگہ میں رہتے ہیں کہ تم اس جگہ کو لازم پکڑ دو، وہ آنے والے بھی نہیں کہ اسکو آہ وبکار گریۂ وزاری کرکے اپنے پاس بُلایا جائے، وہ دُور بھی نہیں کہ اس کے قریب پہنچنے کی کوشش کی جائے، وہ کھویا ہوا بھی نہیں کہ اس کو تلاش کیا جائے، وہ کوئی زمانہ نہیں کہ اس زمانہ کا انتظار کیا جائے، وہ کوئی مکان نہیں کہ اس مکان کا طواف کیا جائے اور اسی جگہ ڈیرا لگایا جائے، یہ تمام صورتیں طلب کی نفی کی ہیں اور حالانکہ وہ موجود ہے، اس کے ثبوت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ تم اپنی ذات اور تمامتر اوصاف کی نفی کرو، بشریت کے تمام اوصاف ترک کرو، اور ملوکیت کے صفات سے کنارہ کشی کرکے تمام اشیاء سے علیحدگی اور بیگانگی اختیار کرو تاکہ جس طرح اللہ تعالیٰ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ہے اسی طرح تمہاری طلب وجستجو بھی بے مثل و بے نظیر ہو جائے یہ صورت طلب کے اثبات کی ہے جس کا دل چاہے کرے اور آزمائے،

جو شخص آئینہ میں اپنی شکل وصورت کو دیکھنا چاہتا ہے وہ اولاً آئینہ کو صاف کرتا ہے، اگر اسے صاف نہیں کرتا تو اسے اپنی صورت کو دیکھنا محال وناممکن ہوتا ہے، اسی طرح طلبِ حق کے سلسلہ میں جو شخص اپنے قلب کے چہرے کو بشری اوصاف سے صاف نہیں کرتا وہ ایک امرِ محال ومشکل کی تلاش کرتا ہے، اور جو شخص اپنے دل کی تختی کو نقوشِ بشریہ سے پاک وصاف نہیں کرتا (اور کہتا ہے کہ میں وصل کا طلبگار ہوں تو) وہ بیہودہ بکواس کرتا ہے، طلب کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس ذات کا اثبات کیا جائے، بلکہ طلب کے یہ معنی ہیں کہ خود کو فنا اور محو کردو، طلب اُسے نہیں کہتے کہ اس کے لئے دوڑتے چلے جاؤ، بلکہ اسکے معنی یہ ہیں کہ اپنی ہستی اور ذات سے ہاتھ دھولو (پھر کہتا ہوں) کہ طلب یہ نہیں ہے کہ حق سبحانہٗ کو ڈھونڈلو، بلکہ طلب تو یہ ہے کہ اپنی ذات سے "انا" ختم کردو، خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب آپ اپنے آئینہ کو صاف کرلیں گے تو اسمیں لازماً وجود کا عکس پڑیگا۔

(رباعی) رہ رو باید کہ در رہِ راست رود | دانگہ دراں راہ چوزہ راست بود
کج رو کہ بگو بمت ہمیں راست شود | کج آں باشد کہ بر پے خواست رود

(طلبگار کو سیدھا راستہ چلنا چاہیئے اور اس راہ میں غلیلہ کی مانند سیدھا رہے، ٹیڑھا راستہ چلنے والا

اپنے راستہ کو سیدھا کہتا ہے، اچھی طرح سُن لو ٹیڑھے راستہ پر چلنے والا وہ ہے جو خواہشاتِ نفسانی کی اتباع کرتا ہے) نیز شیخ موصوف نے فرمایا ہے کہ طریق سلوک کے منجملہ مدارج و درجات میں پہلا درجہ علم ہے کیونکہ علم کے بغیر عمل کے مقررہ طریقوں سے بھٹک جائیگا ہر وقت شدید خطرہ ہے۔ دوسرا درجہ سلوک کا عمل کرنا اور اس کو لازم پکڑنا ہے کیونکہ عمل کے بغیر نیت کا وجود کالعدم و بیکار ہے۔ تیسرے اللہ کی درگاہ و دربار تک بذریعہ عمل رسائی حاصل کرنے کے لئے نیت شرط ہے۔ پھر مطلق نیت سے یہ کام نہیں چلے گا بلکہ اس کے لئے نیت صحیح ہونی چاہیئے، کیونکہ بلا درستگیٔ نیت اعمال صالحہ کی بجائے اعمال باطلہ صادر ہوتے ہیں۔

چوتھا مرتبہ و درجہ صدق و سچائی ہے کیونکہ صدق کے بغیر عشق تک رسائی امر محال ہے پانچویں مرتبہ عشق ہے۔ اس راستہ پر چلنے والے کو عاشق ہونا چاہیئے اس لئے کہ بغیر عشق کے سالک خداوند کریم کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔ چھٹا مرتبہ توجہ ہے، یہ اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر طریق سلوک ملتا ہی نہیں۔ ساتواں مرتبہ سلوک ہے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر خدا تعالیٰ کی حضوری کا دروازہ نہیں کھلتا۔ آٹھواں مرتبہ حضوری ہے اسلئے کہ حضوری کے بغیر انسان مقصود تک نہیں پہنچ سکتا، اور سلوک کا اول مرتبہ یہ ہے کہ دو عالم سے بے خبر ہو کر خدا سے لو لگائی جائے اس لئے کہ ارشاد باری ہے کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ (کہ تمام چیزیں بجز اللہ کی ذات کے ہلاک ہونیوالی ہیں) جب تمام چیزیں ہلاک ہونیوالی ہیں تو پھر کیوں نہ اس سے صرفِ نظر کر کے قائم و دائم سے جمیع تعلقات کو وابستہ کر لیا جائے، آج اسے بھی پڑھ لے۔

رُباعی

کارے است ورائے علم رو آنرا باش	در بند گہر مباش رو کاں را باش
دل ہست مقام گاہ بگذار د بیا	جاں منزل آخر است رو جاں را باش

(علم سے بالاتر و بلند تر ایک کام ہے اس کے بن جاؤ، موتیوں کے فکر میں نہ ہو جاؤ بلکہ ان کی کان میں چلے جاؤ، دل کو مقام و مستقر بنا کر آمد و رفت کرتے رہو اور آخرت کے حقائق و معارف کو پہچان کر اسی کے ہو جاؤ یعنی اس کی فکر کرو) آپ کے سامنے ایک باریک و طویل راستہ ہے اور تمہیں جو عمر دی گئی ہے وہ تاریک ہونے کے علاوہ بہت قلیل اور تھوڑی ہے، اور اسی تھوڑی سی عمر

میں تمہیں اس طویل راستے پر چلنے کا حکم کیا گیا ہے، دنیا کی شب اگرچہ تاریک (سیاہ تر) ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اَلدُّنْيَا كُلُّهَا ظُلْمَةٌ (کہ دنیا تاریکیوں سے لبریز اور مجسمۂ ظلمت ہے) لیکن اس ظلمت کدہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تیرے لئے ایک درخشندہ مہتاب کو منور کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ابتداءً مخلوقات کو تاریکی میں پیدا کیا لیکن پھر اپنے نور کا اُن پر چھڑکاؤ کیا اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض واشرقت الارض بنورِھا (زمینوں اور آسمانوں میں اللہ ہی کا نور جلوہ گر ہے اور اسی کے نور سے تمام زمینیں منور و روشن ہیں) اٹھو اور جلدی کرو اور اس درخشندہ و تابندہ مہتاب کو غنیمت سمجھو! اس تھوڑی سی عمر میں خود کو گزشتہ جان کر مُردہ تصور کر لو، اور اگر اپنے کو مُردہ تصور نہ کر سکیں تو کم از کم اپنے کو مرنے والا ضروری تسلیم کر لیں اور ہمیشہ اس شعر کو پڑھ کر اس کے مفہوم کو دل کی گہرائیوں میں جگہ دیں۔ بیت

جانی است ہر آئینہ بخواہد رفتن　　　اندر غم عشق تو رود اولے تر

(جان تو ایک روز لازماً چلی ہی جائے گی اس لئے تم غم عشق میں چلو اور اسے اپنا مشغلہ بنالو) لیکن بے خبر آدمی اپنے بستر غفلت پر پڑا ہوا خوش کن خواب میں مسرور ہے اور یہ نہیں جانتا کہ محبت کا دعویٰ کس نے کیا ہے؟ اور جو شخص محبت کا دعویٰ کرتا ہے وہ اپنے محبوب کے پاس بیدار رہتا ہے اور اس خوف سے سوتا نہیں کہ کہیں اسکا نام جھوٹے قسم کے مدعیوں کے دفتر میں نہ لکھ دیا جائے، اور واقعہ اور حکم بھی یہی ہے کہ وہ شخص بڑا ہی کاذب ہے جو ہماری محبت کا بھی دم بھرتا ہے، اور جب رات آتی ہے تو سو یا رہتا ہے،

سوال۔ جب کوئی مرجاتا ہے اور اس کی جان اُس کے جسم عنصری سے پرواز کر جاتی ہے تو پھر اپنی اصل کیطرف لوٹتی ہے یا نہیں **الجواب** جان اپنے اصل کیطرف اسوقت تک لوٹتی ہے جب تک کہ اسکا نام زندگی میں حیاتِ طبیعی ہو اسوقت یہ اپنے مرجع کو پہچانتی اور اسکے جمیع حجابات کو جانتی ہے اس کے عوائق و علائق سے واقف رہتی ہے، پھر اس دنیا کا عشق اس میں ظاہر ہو کر اس کے شوق کا معین و مددگار ہوتا ہے جس کیوجہ سے جمیع حجابات اُٹھ جاتے ہیں اور عوائق و علائق سب ختم و منقطع ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ جان (ان تمام حالات سے گزرتی ہوئی) تمام موجودات سے بلند تر ہو کر اپنے موجد و خالقِ حقیقی کے سامنے پیش ہوتی ہے پھر پروردگا

اس کو اس کے اعمال کے موافق و مناسب جو مقام ہوتا ہے اس میں بھیجدیتے ہیں اور موت طبعی سے پہلے ہی موت حقیقی کو فوت کر دیا جاتا ہے مگر جس شخص کو مندرجہ بالا عمل کرنے کی ہمیشہ توفیق ہوئی اور اسی پر اس کو موت آگئی تو وہ اپنے اصل کیطرف لوٹتا ہے اور وہاں لذتوں کی مسرتوں سے محظوظ و ہمکنار رہتا ہے۔ **سوال** دنیا کیا ہے **جواب** اللہ تعالیٰ اور حق باری تعالیٰ سبحانہٗ کے ماسوا جو کچھ ہے وہ دنیا ہے۔ آج کی دنیا تمہارے قریب ہے اور جو کچھ اسکے قریب ہے وہ دنیا ہے، آج کی دنیا تمہارے نفس کے قریب اور نزدیک ہے اور کل (آخرت) کی دنیا کل ہوگی، جس کو اس شعر میں بیان کیا گیا ہے۔ **بیت**

امروز، پری ودے وفردا ہر چار یکے بود تو فردا

(آج۔ کل۔ پرسوں اور گذشتہ کل، یہ چاروں ایک ہو جائیں گے اور تو تنہا ہوگا) کل کے بارے میں جس پر ہمارا ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی کَمَا خَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ (ہم تمہیں تنہا تنہا بلائیں گے جس طرح تم کو پہلی مرتبہ ایک ایک کرکے پیدا کیا) جب وہاں تنہا ہوجانا ہے تو اسی دنیا میں تنہا کیوں نہیں ہوجاتے تاکہ وہاں کی خوش نصیبی حاصل کرسکو، صورت حال یہ ہے کہ دنیا نفس کا مستقر و گھر ہے جس میں آلاتِ جنگ کھلے اور اسبابِ حرب تیار ہیں اور یہ گھر قوت کے ساز و سامان سے لیس اور دوستوں کی مدد سے تیار ہے اب رہا تمہاری روح کا معاملہ جو اس دنیا میں اپنے کو احباب سے جدا ہوئے مرکز سے دور بہت بعید ہے وہ کیسے کچھ کرسکتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ سبحانہ کی مدد ساتھ نہ ہو کوئی کام پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ **سوال**۔ اللہ کی مدد کب اور کس طرح مل سکتی ہے **جواب**۔ جس کے لئے وہ مقرر کردی گئی ہے اور اس کا تقرر و تعین انھیں لوگوں کے لئے ہوتا ہے جو صمیم قلب سے اس کے متمنی اور خواہشمند ہوتے ہیں۔ **سوال**۔ اللہ تعالیٰ جس کی صفت جوادِ مطلق ہے اسکا فیض دائم الوجود اور ہمیشہ ہے (پھر کسی پر فیض ہو اور کسی پر نہ ہو یہ تفاوت کیوں ہے) **جواب**۔ یہ تفاوت جو آپ دیکھ رہے ہیں یہ تفاوت حقیقۃً اللہ کیجانب سے نہیں ہے کیونکہ اللہ کی طرف سے فیض کا فیضان بلا تفریق ہوتا ہے البتہ فیض قبول کرنے والوں اور اس کے قبول کرنے میں تفاوت و فرق ہے (یعنی ہر ایک اپنی استعداد و قوت کے مطابق

اس فیض سے مستفیض ہوتا ہے اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں قبولِ فیضان کی طاقت۔ و استعداد ہی مفقود ہوتی ہے اسلئے محروم رہ جاتے ہیں

سوال۔ آپ نے جو یہ فرمایا کہ خدا کے فیض میں کوئی تفاوت نہیں بلکہ اسکا فیضان بلا امتیاز و بلا تفریق تقسیم ہوتا ہے، البتہ موردِ فیضان کے متفاوت ہونے سے فیضان فیض میں سطحی طور پر تفاوت معلوم ہوتا ہے تو اسکا ہم کیسے اندازہ کر سکتے ہیں کہ فلاں اسکے قابل ولائق ہے اور فلاں نہیں، **جواب**۔ اس میں فرق اس طرح کیا جا سکتا ہے جس طرح مٹی اور پتھر میں فرق ہے، ایک کا مادہ صاف ہے اور دوسرے کا مکدر وخراب، جس میں مادہ صاف ہوتا ہی وہ بغیر کسی واسطہ کے قبولیت کی استعداد رکھتا ہے جیسے انبیاء، اولیاء، حکماء و علما مکاملین کا ہو یا قبولیت کے لئے واسطہ مجاہدہ وریاضت درکار ہے اور جس میں مادہ مکدر وخراب ہوتا ہی وہ کسی بھی صورت میں قبولیت کی استعداد نہیں رکھتا اگرچہ بعض لوگ تقلیداً قبول کر لیتے ہیں مگر حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے **سوال**۔ جن لوگوں میں مادہ مکدر ہوتا ہے وہ اپنے اختیار وارادۂ قلبی سے کام کرتے ہیں یا نہیں **جواب**۔ اسکا جواب یہ ہے کہ بلا ارادہ واختیار تو کوئی کام نہیں ہوتا، یہانتک کہ بلا اختیار وارادہ تو درخت کے پتے تک نہیں گرتے اور زمین سے گھاس تک نہیں نکلتی۔ **سوال**۔ اللہ تعالیٰ نے جو بعض کو مادۂ صاف وستھرا عنایت کیا اور بعض کو مادہ مکدر وخراب سے پیدا کیا اسمیں اللہ سبحانہٗ کی کیا حکمت ہے۔ **جواب**۔ اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں فاعلِ مطلق اور مختارِ مطلق ہے، اور یہ بھی مسلمہ بات ہے کہ اسکا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں اور اس کے کاموں میں مخلوق کو علم اور علت میں بحث کرنے کی مجال وطاقت نہیں جیسے ارشاد ہے لا یسئل عما یفعل و هم یسئلون (اللہ سے اس کے کاموں میں سوال نہیں کیا جا سکتا البتہ بندے اپنے کاموں میں سوال کئے جاتے ہیں) اس نے روزِ ازل میں ایک کو قرب وکرامت کے لائق سمجھا چنانچہ اس کو اسی سے نوازا۔ اسمیں کسی قسم کا جور وظلم نہیں، تم ایسی چیزوں سے دستبردار ہو کر تمام معاملات اسی کے سپرد کر دو،

رباعی

دنیا نہ خوش است رو بہ عقبیٰ خوش باش — آخر کہ ترا گفت بدنیا خوش باش

در ہمت عالیست بر آید روزے — بگذر تو ہر دو ز مولیٰ خوش باش

(اگر دنیا سے دل نہیں لگتا تو آخرت کے کام کرکے خوش رہو، آخر تجھ سے کس نے کہا ہے کہ دنیا سے دل لگا اور اس سے شاداں رہ، اگر تجھ میں کسی دن ہمت عالیہ موجزن ہو تو دو عالم سے دُور ہو کر خدا ہی سے دل لگا لے) ایک جابر و شاطر دنیاوی مُرادیں حاصل کر کے خوش رہتا ہے، اور ایک عادل و درمیانی راہ چلنے والا عقبیٰ کی مرادیں حاصل کر کے سرور و مسرت حاصل کرتا ہے، اور ایک مشتاق رضائے الٰہی ہے جو اللہ کے وصل کو حاصل کر کے مسرور و شاداں ہے۔

سوال ۔ مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ ہم کو جس سے واسطہ و تعلق ہے وہ دو چیزیں ہیں ایک دین، اور دوسری دنیا، دنیا کی حقیقت اور اس کے مالہٗ و ماعلیہ سے آپ نے نقاب کر کے اسکی تفصیل سے آگاہ کیا، اب فرمائیے کہ دین کیا اور اس کی حقیقت کیا ہے؟

جواب ۔ دنیا میں تین قسم کے آدمی ہیں۔ ظالم[1] ۔ مقتصد[2] اور اوسط قسم کے لوگ، سابقون[3] ظالم لوگوں کا دین بھاگنا اور چپک جانا ہے، جس کی تفصیل یوں ہے کہ وہ لوگ گناہوں سے بھاگتے اور نیکیوں سے چپک کر ان کو اختیار کرتے ہیں (بتعبیر دِگر کہ ان لوگوں کا دین گناہوں کو ترک کرنا اور نیکی کو اختیار کر کے اسمیں مشغول و مصروف ہو جانا ہے۔ بندہ محمد فاضل ۱۲) اور اوسط درجہ کے لوگوں کا دین بھی دو چیزیں ہیں۔ بریدن[1] و آرمیدن[2]، یعنی دنیا سے قطع تعلقات کر کے علیحدہ اور جُدا رہنا، اور دوسری چیز آرام طلب کرنا، یعنی دنیا میں نیک کام کرنا تاکہ عقبیٰ و آخرت میں آرام و راحت کی زندگی بسر کریں، اسی طرح سابقون کا دین بھی دو چیزیں ہیں، تبرّی[1] و تولّی[2]۔ یعنی غیر اللہ اور ماسوی اللہ سے کٹ جانا اور اللہ کو دوست بنالینا، جیسے ارشاد باری ہے، قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ (کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے پھر ان کو اپنی بیہودگی کے مشغلوں میں چھوڑ دیجئے) **سوال** ۔ اس تقریر و تفصیل سے معلوم ہوا کہ دین کی کئی قسمیں ہیں (حالانکہ دین ایک ہی ہے) **جواب** ۔ دین کے کئی اقسام نہیں، دین کی تو ایک ہی قسم ہے اور دین ایک ہی ہے، ماسبق تقریر سے جو دین کے اقسام اور اس میں تفاوت نظر آرہا ہے، وہ تفاوت دراصل دین میں نہیں بلکہ وہ لوگوں کا تفاوت اور لوگوں کے

اقسام ہیں، بہرکیف دین ایک ہی ہے، بظاہر ان تینوں قسموں کا سبب جانب اور سمت کی نشاندہی کرنا ہے، لیکن حقیقت شناس جانتے ہیں کہ اینما تولوا فثم وجہ اللہ (کہ تم جدھر رُخ کرو اُدھر اللہ کو پاؤ گے) **سوال**۔ ہم شریعت اور طریقت کو کس طرح ایک سمجھیں، **جواب** جس طرح تم اپنی جان اور جسم کو ایک سمجھتے ہو اسی طرح طریقت کو شریعت کی جان سمجھو۔ **سوال**۔ (جیساکہ اہلِ تصوف کہتے ہیں) کہ اللہ ہی اللہ ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں (جس کو اردو کے ایک شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے ؎

سبھی حق ہی حق ہے نہ میں ہوں نہ تو ہے　　اَنَا۔ اَنْتَ کی لغو یہ سب گفتگو ہے

تو امر و نہی کس کے لئے ہیں **جواب**۔ (اللہ کے اثبات سے مراد یہ ہے کہ وہ خالق اور متصرف ہے اور غیر اللہ کی نفی سے مراد یہ ہے کہ یہ چیزیں ان کے قبضۂ قدرت میں نہیں۔ فاضل ۱۲) جیساکہ ارشاد خداوندی ہے الا لہ الحکم والامر (کہ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے تخلیق وامر) اس نے امر تو احکام کی تکمیل کے لئے فرمایا ہے اور نہی اپنی مخلوق کو گناہوں سے روکنے کیلئے، میں یہ نہیں کہتا کہ مخلوق کا وجود ہی نہیں، بلکہ میں تو یوں کہتا ہوں کہ یہ تمام مخلوق اسی کے پیدا کرنے سے معرضِ وجود میں آئی ہے اپنی تخلیق میں چونکہ اس کو کوئی دخل ہی نہیں، اس لئے یہ کالمعدوم ہے اور جو ہے وہ اللہ کی ذات ہے۔ (یہ مفہوم و مراد ہے اہلِ تصوف کی مسئلہ وحدۃ الوجود سے۔ فاضل ۱۲) **سوال**۔ (مذکورہ بالا تقریر سے) ہم نے جان لیا کہ دین کیا ہے اور یہ بھی پہچان لیا کہ دنیا کیا ہے اب فرمائیے کہ بہشت دوزخ کیا چیز ہے **جواب**۔ جنت و دوزخ کی حقیقت سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ تمہارے اعمال ہیں۔ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ (جو شخص ذرہ برابر نیکی کریگا وہ اس کو دیکھ لیگا (اسی طرح) جو شخص ذرہ برابر بُرائی کریگا وہ بھی اسے دیکھ لیگا) تیرے دنیاوی اعمال کو قیامت کے روز ایک شکل و صورت دی جائیگی، اگر آپ نے اس دنیا میں نیکی کی تھی تو قیامت کے روز اس نیکی کی شکل و صورت کو ملائم و موافق کردار کے ساتھ پیش کیا جائے گا (اس کا نام جنت ہے، اور اگر عمل خراب ہوئے تو ان کی صورت قیامت کے روز خراب و بھیانک پیش کیجائے گی جس کا نام دوزخ ہے۔ فاضل ۱۲)

سوال۔ راہ کیا ہے اور منزل کسے کہتے ہیں **جواب**۔ آپ نے ایک ایسا سوال کیا ہے جو اسرار سے لبریز ہے اور تمام اہلِ سلوک کو درکار ہے اس کا جواب سوائے اس ذات کی مدد کے جس کے بارمیں ارشاد ہے امن یجیب المضطر اذا دعاہ (کہ کون ہے جو مصیبت زدہ کی دعا کو سُن لے) نہیں دیا جاسکتا، یہ ایک ایسا موتی ہے جس کو پرونے میں دنیا کے تمام عقلاء و حکمار عاجز و بے بس ہیں، اس موتی کو باتوں اور لفظوں میں پرویا نہیں جاسکتا، اس کے کہنے کیلئے زبانِ حال چاہیئے اور سننے کے لئے حال کے کان درکار ہیں (یعنی اس کی تفصیل اہل اللہ ہی بیان کرسکتے ہیں اور اہل اللہ ہی اس تفصیل کو سمجھ سکتے ہیں، زبانِ قال اور گوشِ قال سے اسکی گفت و شنید بعید از قیاس ہے۔ فاضل ۱۲) اور اگر یہ میسر نہ ہو تو کم از کم اتنا تو ضرور چاہیئے کہ اس بات کو دل کی گہرائیوں سے کہا جائے اور دل ہی سے سُنا جائے، اور ظاہر ہے کہ میں اور توان دونوں قسموں میں سے نہیں ہیں، جب ہماری حالت یہ ہے تو ہمارے لئے اس سے بہتر اور کچھ نہ ہوگا کہ ہم کہنے اور سننے سے انکار ہی کردیں (اور کہدیں کہ اسکا جواب ہمارے بس میں نہیں کیونکہ ہم اس کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے) **سوال**۔ اگر تمام کے کہنے کی طاقت نہیں تو کم از کم تھوڑا سا ہی بیان کردیں اور ہم سُن لیں تاکہ دل کا اضطراب ختم ہوجائے اور دل کی مایوسی اُمید سے بدل جائے۔ **جواب**۔ ہم اللہ کی مدد و اجازت سے ضرور بیان کردیں گے مگر آپ کونسی منزل دریافت کرنا چاہتے ہیں، آیا منزل اہل شریعت یا راہ اہلِ طریقت؟ **سوال**۔ میں دونوں کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں **جواب**۔ اہلِ شریعت کا سرمایۂ حیات اور منزلِ مقصود یہ ہے کہ نفس و مال کو ختم کرکے نعیمِ دائمی یعنی جنت میں داخل ہونا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ان اللہ اشترٰی من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ۔ الآیۃ (کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی جان و مال کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے) اور منزل اہلِ طریقت یہ ہے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے وتبتل الیہ تبتیلا۔ الآیۃ (کہ اس کی جناب میں پارہ پارہ ہوجانا) یعنی اپنے دل و جان کو خدا کے حوالہ وسپرد کردینا اور وحدت کی بلند ترین چوٹی پر چڑھ جانا جیسا کہ ارشاد ہے والی ربک المنتھی۔ الآیۃ (منتہی و مرکز پروردگار ہی ہے) اے درویش یہ باتیں میں تجھے اس لئے عرض کررہا ہوں کہ تو مسافر ہے اور دوسرے

مقیم ہیں شریعت کے مسافر کے لئے اقامت کی نیت درست نہیں، اس لئے کہ مسافر شریعت کی توجہ مال و ملک کی طرف نہیں ہوا کرتی اور مسافر طریقت کی توجہ محض ذات باری کیطرف ہوتی ہے۔ **سوال**۔ خدا تعالیٰ کہاں ہیں تاکہ اسی کی طرف دل کا رُخ کیا جائے **جواب** وہ کونسا مقام ہے جہاں وہ نہ ہوں این ما تولوا فثم وجہ اللہ (تم جدھر رُخ کرو گے وہیں اس کو پاؤ گے) جواں مرد وہ ہے جو دنیا اور آخرت کے حصہ سے دستبرداری کر کے حظوظِ نفسانیہ کو بھی ترک کر دے، جہاں رہے اللہ ہی کے ساتھ رہے اور جہاں جائے اللہ کی جانب رُخ کئے رہے، جو کچھ کہے خدا ہی سے کہے (یعنی اپنی تمامتر مشکلات کو خدا ہی سے کہے اس لئے کہ وہی مشکلات کو حل کرنیوالا ہے۔ فاضل ۱۲) جو کچھ چاہے اسی سے چاہے بلکہ خود اُسی کی ذات ہی کو چاہے، کسی کو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ خدا کی ذات اس سے دُور ہے بلکہ انسان خود بوجہ ارتکابِ معاصی اس کی ذات سے دُور ہو جاتا ہے اور جب انسان اپنے بدن و وجود کی ظاہری آرائش سے صرفِ نظر کر کے اس کے اندرونی و باطنی کارخانہ میں ہمہ تن متوجہ ہو کر خالقِ کائنات کی کرشمہ سازیوں پر نظر کرتا ہے تو (اس پر حقائق و اسرار باری کا) دروازہ کھولدیا جاتا ہے اور یہ وہ دروازہ ہے جو کسی پر نہیں کھولا جاتا محض انسان ہی پر اس کو کھول کر اسے اسکی منزلِ مقصود دکھائی جاتی ہے **سوال** جس نے اللہ کو دیکھا ہو وہ مجھے دکھا دے **جواب** اللہ تعالیٰ کو بادیدہ (آنکھ والا) دیکھ سکتا ہے، نہیں نہیں اللہ تعالیٰ بادیدہ بھی نہیں بلکہ بے دیدہ دیکھ سکتا ہے۔

رُباعی

تا دیدہ بود دیدہ کجا آید دوست　　خواہی کہ شود دیدہ بروں آئی زپوست
از دیدہ و دیدنی چو تو بگذشتی　　دانی کہ کسے نیست بہ بینی ہمہ اوست

(اے دوست نادیدہ کا دیدہ ہونا کیسے ہو سکتا، اور اگر آپ اس ذات کو دیکھنے کے بہت ہی مشتاق و متمنی ہیں تو اپنی کھال نکال کر پھینک دو، جب اس آنکھ اور مادی دیدنی سے دور ہو جاؤ گے تو اس وقت تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ کوئی ایسا نہیں جسے تو دیکھے بس ہر طرف اللہ ہی اللہ کی ذات رہ جائے)

سوال۔ یہ معنی بہت مشکل ہیں جو سمجھ میں نہیں آتے۔ **جواب** (بعض مفہوم و معانی ایسے ہوتے ہیں جن کا سمجھنا) وہم کے ختم کرنے پر موقوف ہوتا ہے اس لئے کہ وحدتِ باریتعالے

مطلق ہے اور وحدتِ نقش و صورت سے منزّہ و مقدس ہے اور وہم نقش پذیر اور صورت انگیز ہے (تو گویا کہ وہم اشکال شتی و نقوش متفرقہ کے ایجاد کرنیکا کارخانہ ہے جو کئی صورتوں اور شکلوں کو پیدا کرتا رہتا ہے) اور وحدت و کثرت باہم دگر ضد ہیں (اس لئے ان کا اجتماع غیر ممکن ہے) کیونکہ دو متضاد چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہوا کرتیں، اسی کے بارہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

مَنْ عَبَدَ مَا يَدْخُلُ فِي الْوَهْمِ فَهُوَ كَافِرٌ حَتّٰى يَعْبُدَ مَا لَمْ يَدْخُلْ فِي الْوَهْمِ	جس نے قوتِ وہم میں داخل ہونیوالی چیز کی عبادت کی وہ کافر ہے تاوقتیکہ اس کی عبادت نہ کرے جو قوت وہم میں داخل نہیں ہو سکتی،

یہ وہ مقام ہے جس کی حقیقت و کنہہ کے بیان کرنے کی کسی میں طاقت و مجال نہیں بجز اس شخص کے جسے اللہ منتخب کر لے، راستہ اسقدر نازک و باریک اور رات اسقدر سیاہ و تاریک ہے اس کے باوجود لوگ سوئے ہوئے ہیں اور اسی کو کافی سمجھتے ہیں کہ ہم ابو حنیفہؒ کے مسلک کے پیروکار ہیں، افعال و کردار کو کام میں لاؤ اور اس سے آگے نہ بڑھو اور اقبال مندی کو سامنے رکھو تاکہ کل قیامت کے دن تمہارے اعمال کا اچھا بدلہ مل سکے، اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کا (اس معاملے میں) کیا مسلک ہے، يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ (جس روز سب کی قلعی کھل جائیگی پھر اس کو نہ تو خود مدافعت کی قوت ہوگی اور نہ اسکا کوئی حمایتی ہوگا) **سوال** جب اللہ تعالیٰ خود پردہ پوش ہیں تو پھر وہ قیامت کے روز انسانوں کی کیسے پردہ دری کرینگے **جواب** نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من القی جلباب الحیاء فلا غیبۃ لہ (جو حیاء کی چادر اتار دے تو اسکی غیبت گناہ نہیں) اس حدیث میں تمہارے سوال کا مکمل جواب ہے، اگر اس سے سمجھ گئے تو فبہا، ورنہ خوب ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ کل قیامت کے دن اس دنیا کیخلاف کارروائی کیجائے گی، اس دنیا کا ظاہر. باطن اور باطن ظاہر کر دیا جائیگا، اوپر کی چیز کو نیچے اور نچلی چیز کو اوپر کر دیا جائے گا، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یوم یحشر الظالم یوم القیامۃ علی صورۃ الذر (قیامت کے دن ظالموں کو چیونٹیوں کی شکل میں اٹھایا جائیگا) اس لئے اپنے باطن کو خالص توبہ کے ساتھ مزین کرو تاکہ قیامت کے روز ذلت و خجالت کا منہ نہ دیکھنا پڑے کیونکہ دنیا کی

ذلت و رسوائی سے آخرت کی خجالت و ندامت سخت اور بدتر ہے، **سوال** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الموت کفارۃ (یعنی موت گناہوں کا کفارہ ہے) جب موت کے ذریعہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے تو آخرت کی ندامت و فضیحت کے کیا معنی؟ **جواب** بعض گناہ ایسے ہیں جن کا محض موت ہی کفارہ نجاتی ہے اور بعض گناہوں کا کفارہ قبر کا عذاب ہے، اور بعض گناہ وہ ہیں جن کا کفارہ دوزخ میں جانے اور آتش دوزخ میں سوختہ ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں، اس آخری کفارہ سے کوئی فائدہ نہیں، ہر مرد مسلم کے لئے یہ بات لابدی ہے کہ وہ دنیا سے جاتے وقت اپنے ساتھ ایک ایسا نور (ایمان) لیجائے جس سے آتشِ دوزخ ٹھنڈی ہو جائے اس لئے ہر مسلمان کو ضروری ہے کہ وہ دنیا میں اچھے کام کرے تاکہ اچھے کاموں کے ذریعہ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کیا جاسکے، **سوال** دنیا کی بھوک وافلاس میں ہم کچھ اس طرح مبتلا ہو گئے ہیں (اور پیٹ کی خاطر ایسے کام کر رہے ہیں جسکی دیتے) دوزخ ہمارے مقدر میں ہو چکی ہے ؎

من سوختہ ام باتشِ بریانی   مرسوختہ را دوبارہ بریاں نکنند

میں بریانی (ایک قسم کا کھانا ہے) میں جلا ہوا ہوں اور (یہ قاعدہ ہے) کہ جلے ہوئے کو لوگ دوبارہ نہیں جلایا کرتے، مطلب یہ ہے کہ جب دنیا ہی میں افلاس وغیرہ کی آگ میں مجھے جلا دیا گیا ہے تو دوبارہ دوزخ میں مجھے کیونکر جلایا جائیگا اس لئے کہ لوگ جلی ہوئی چیز کو دوبارہ جلانا عبث سمجھتے ہیں **جواب** عمدہ غذائیں مثلاً بریانی وزردہ وغیرہ کی آگ وآتش میں جلنے کی خدا کے ہاں کوئی قدر و منزلت نہیں (لہٰذا اس میں جلا ہوا خدا کے ہاں جلا ہوا متصور نہ ہوگا) البتہ عشق بازی میں جلنا عند اللہ جلنا تصور کیا جاتا ہے اور اس کے جلے ہوئے پر آتش دوزخ حرام ہے اور یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ دنیا کی آگ میں جلے ہوئے لوگوں کی مثال تو اس جلی ہوئی چیز کی سی ہے جس کو آگ جلدی سے پکڑ لیتی ہے اور آتش عشق میں جلے ہوئے وہ لوگ ہیں جن کو محض دیکھ لینے سے دوزخ کی آگ ٹھنڈی پڑ جاتی ہے، **سوال**۔ دوزخ کی آگ کو دو دینوں سے کیا تعلق دوزخ تو مغرور و متکبر اور فرعون صفت لوگوں کے لئے ہے جیسے کہ خود ارشادِ خداوندی ہے، النار مثوی المتکبرین (کہ دوزخ مغرور لوگوں کی جگہ ہے)

جواب - درویشوں سے دوزخ کی آگ کا کوئی علاقہ دوستی و دشمنی نہیں، آگ کی کیا مجال ہے کہ درویشوں کو کسی قسم کی گزند و تکلیف پہنچائے، درویش جب دنیاوی عیش و راحت ہی نہیں رکھتا تو دوزخ کی آگ اس کے پاس کیسے اور کس طرح آئے گی، فقر کس کے پاس اور فقیری کہاں ہے، فقر تو چہرہ کی سیاہی ہے (دنیاداروں کے نزدیک) فقیر کو دنیا کی سیاہ روٹی سے گریز کرنا چاہیئے تاکہ فقر اسکے سینہ کی سرائے میں جلوہ فگن ہو، علاوہ ازیں درویش کو باطنی صفات کا حامل ہونا چاہیئے تاکہ فقر کا حسن و جمال اسکی رونمائی کر سکے، اور فقر و افلاس کے بارے میں ارشاد ہے، کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا **سوال** درویش جس حال و صفت میں ہو کیا وہ درویش ہی ہے؟ **جواب** - ہرگز نہیں، ہر فقیر کو درویش، اور ہر کمزور کو حقیر و ذلیل نہ سمجھنا چاہیئے کیونکہ افعالِ ذمیمہ اور صفاتِ شنیعہ دراصل عدم امکان کے پردے میں مضمر پوشیدہ ہیں جیساکہ مولانا نصیر الدینؒ نے عدم قوت و قدرت کا شکر مولانا شمس الدین سنجریؒ سے اس طرح فرمایا الحمد للہ علی عدم الامکان (کہ عدم امکان پر تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں) اور فارسی زبان میں یوں کہا،

مبادا کہ آدمی را ناخن انگشت دراز شود کہ اگر ناخن خود را دراز بیند خواہد کہ شکم برادرِ مسلمان پارہ کند	کوئی آدمی اپنے ناخن بڑے بڑے نہ رکھے، اگر وہ اپنے ناخن بڑے بڑے دیکھے گا تو ان سے اپنے کسی مسلمان

بھائی کا پیٹ پھاڑ ڈالیگا -

اب بتاؤ کہ فقر کی کس میں طاقت ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ کسی مصیبت پر برسہا برس تک صبر کرلینا بہ نسبت فقر پر صبر کرنے کے بہتر ہے، امکان فقر و اظہار فقر کیلئے پیغمبرانہ قوت و طاقت درکار ہے اور فقر اختیار کرنے میں بڑا عیب یہ ہے کہ اس سے فخر پیدا ہوتا ہے - **سوال** - کیا فخر ہر حال میں (شرعاً) مذموم و برا ہے؟ **جواب** - فقر تو ایک معدوم چیز ہے جو چیز ثابت و موجود ہو اس پر فخر کرنا مذموم و مقبوح ہوتا ہے اور معدوم چیز پر فخر کرنا قابلِ صد تحسین و ستائش ہے، اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں اور خوبیوں کو حاصل کرلینے کے باوجود کسی چیز پر فخر نہیں فرمایا (کیونکہ وہ تمام چیزیں از قبیلۂ ثبوت و وجود سے تھیں) لیکن جب فقر و فاقہ کے بیان کی نوبت آئی تو آپ نے ببانگِ دہل اعلان فرمایا کہ الفقر فخری (یعنی مجھے اپنے فقر و فاقہ کی حالت پر فخر ہے) اس لئے کہ یہ از قبیلۂ معدومات ہے،

قاضی حمید الدین ناگوریؒ

۵۱۵ ــــــــــــــــــــــ ۶۲۵ھ

آپ کو محمد بن عطار بھی کہتے ہیں، آپ کا ہندوستان کے متقدمین مشائخ کرام میں شمار ہے۔ علوم ظاہری و باطنی میں مکمل دسترس رکھتے تھے، اگرچہ خواجہ قطب الدین رح کے ساتھی تھے لیکن آپکی نسبت خواجہ قطب الدین کی نسبت سے علیحدہ خاندان سہروردیہ سے تھی اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفۂ مجاز تھے۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین سہروردی نے اپنے بعض مکتوبات میں اس بات کو لکھا ہے کہ ہندوستان میں میرے خلفاء میں سے قاضی حمید الدین ناگوری رح بھی میرے ایک خلیفہ ہیں۔ واللہ اعلم۔ آپ کی طبیعت پر وجد و سماع غالب تھا، خصوصاً سماع کے آپ بڑے شائق تھے (سماع سے غزل و نعت اور قصائد وغیرہ کا سماع مراد ہے نہ کہ طبلہ و سازنگی۔ مترجم ۱۲) آپ کے زمانہ کے دیگر مشائخ کرام میں سے کسی کو آپ جیسا سماع کا شوق نہ تھا، علمائے وقت نے آپکے خلاف ایک دستاویز تیار کر کے بادشاہِ وقت کو پیش کی، آپ کے بعد شیخ نظام الدین اولیار نے بھی سماع میں بڑے ذوق و شوق کا اظہار کیا تو علمائے وقت نے ان کے خلاف بھی تغلق بادشاہ کو ایک دستاویز پیش کرتے ہوئے اس محضر نامہ کا ذکر بھی کیا جو قاضی حمید الدین کیخلاف پیش کیا تھا۔ قاضی حمید الدین کی تصانیف بھی متعدد ہیں جن میں قاضی صاحب عشق کی مستی میں سرشار ہو کر کلام کرتے ہیں، ان تصانیف میں سے "طوالع شموس" آپ کی مشہور تصنیف ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے اسمار پر بحث کرتے ہوئے بڑی عجیب و بہترین باتیں لکھی ہیں جو دل مومن پر اثر کرتی ہیں۔ آپ علومِ شریعت و طریقت کے حقائق پر مکمل دسترس رکھتے تھے، آپ کی طبیعت میں ظرافت اور خوش طبعی کا ذوق بھی تھا جس کی وجہ سے گاہے گاہے اپنے مصاحبین سے خوش طبعی کیا کرتے تھے، بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک دن قاضی حمید الدین، شیخ برہان الدین اور اپنے زمانہ کے مشہور تر قاضی کبیر کے ہمراہ گھوڑوں پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے، آپ کا گھوڑا دوسرے دو ساتھیوں کی نسبت کو دک اور کوتاہ قد تھا، چنانچہ قاضی کبیر نے قاضی حمید الدین

ناگوری سے کہا کہ آپ کا گھوڑا بہت چھوٹا ہے، آپ نے بطور ظرافت و خوش طبعی کے فرمایا کہ کبیر سے بڑا ہے (اشارہ تھا قاضی کبیر کیطرف کہ اگرچہ دوسرے گھوڑوں سے چھوٹا ہے لیکن آپ سے تو بڑا ہے، خاشل ۱۲) قاضی صاحب کی شیخ فریدالدین شکر گنج سے بڑی محبت والفت تھی،

حکایت فوائد الفوائد (مصنفہ میر حسن دہلوی) میں شیخ فریدالدین کے سماع کے ذوق کی ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک دفعہ آپ نے سماع کی خواہش کی تاکہ کوئی غزل و نعت وغیرہ سنیں، لیکن اتفاقاً اسوقت کوئی نعت خواں اور غزل گو نہ تھا تو آپ نے بدرالدین اسحاق رح سے فرمایا کہ قاضی حمیدالدین ناگوری نے جو میری طرف خط بھیجا ہے وہ لے آؤ، چنانچہ بدرالدین (اس جگہ سے اُٹھ کر ایک حجرے میں گئے) اور وہ بیگ اُٹھا کر شیخ کے پاس لے آئے جس میں بہت سے خطوط موجود تھے اور شیخ کے سامنے رکھ کر اسمیں ہاتھ ڈالا، تو سب سے اولاً ان کے ہاتھ میں قاضی حمیدالدین رح کا خط آیا، چنانچہ بدرالدین نے وہ خط شیخ فریدالدین کی خدمت عالیہ میں پیش کر دیا شیخ موصوف نے بدرالدین سے فرمایا کہ اُسے کھڑے ہو کر پڑھو، چنانچہ بدرالدین نے کھڑے ہو کر وہ خط پڑھنا شروع کیا، اسمیں یہ لکھا تھا کہ فقیر حقیر، کمزور و ناتواں محمد عطا، جو درویشوں کا خادم و غلام ہے اور ان کے قدموں کی خاک کو اپنے سر اور آنکھوں پر برائے برکت ملتا ہے۔ بدرالدین نے ابھی خط کا اتنا ہی مضمون پڑھا تھا کہ شیخ فریدالدین پر حال وجد کی کیفیت طاری ہو گئی، پھر خط کی یہ رباعی بھی پڑھی گئی،

رُباعی

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد   آں روح کجا کہ در جلال تو رسد
گیرم کہ تو پردہ برگرفتی ز جمال   آں دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

(میں وہ عقل کہاں سے لاؤں جو تیرے کمال کی گہرائیوں تک پہنچ سکے اور وہ روح کہاں سے لاؤں جو تیرے جلال کی کنہہ اور حقیقت کو پا سکے، میں خوب سمجھتا ہوں کہ تو نے اپنے جمال سے پردہ اُٹھا لیا ہے لیکن وہ آنکھیں کہاں سے لاؤں جو تیرے جمال کو دیکھ سکیں) قاضی صاحب کا مزار ایک اونچے چبوترے پر خواجہ قطب الدین کے مزار کے پاؤں کی سمت ہے، بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ نے اپنے مزار کا چبوترہ جو خواجہ قطب الدین کے پاؤں کی سمت ہے خواجہ صاحب کے علو مرتبت کی بنا پر خواجہ صاحب کے مزار سے نیچا رکھنا چاہا لیکن آپ کی وفات کے بعد آپ کی اولاد نے

اس بات کو پسند نہ کیا اور آپکے مزار کا چبوترہ خواجہ صاحب کے مزار سے اونچا بنوا دیا، آپ کی وفات ۶۲۵ھ میں ہوئی،

حکایت شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس شہر میں قاضی حمید الدین ناگوری نے سماع (غزل گوئی) کا سکہ بٹھادیا ہے اور جب قاضی منہاج الدین جورجانی اس شہر کے حاکم وقت کیجانب سے قاضی مقرر ہوئے تو سماع کو ان کے وجود سے بڑی تقویت پہنچی کیونکہ وہ خود سماع (غزل سننے) کے رسیا تھے اور حمید الدین ناگوری سے ان کا مخالف گروہ (جن کو مسئلہ سماع سے قاضی حمید الدین سے اختلاف تھا) سخت برہم اور دشمنی رکھتا تھا، چنانچہ ان لوگوں نے قاضی حمید الدین سے بہت کچھ کہا سنا، مگر قاضی صاحب اپنے مسلک سماع میں ثابت قدم اور برابر مصر رہے جب پر شہر کے قاضی نے یہ فیصلہ کیا کہ بجیریوں نے قاضی حمید الدین سے منازعہ کیا ہے (یعنی حمید الدین حق بجانب ہے) اس کا اثر یہ ہوا کہ مولانا اشرف الدین بجیری شیخ ناگوری سے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہو گئے اور یہ اثر آخر دم تک رہا، چنانچہ مولانا اشرف الدین علیل ہو جاتے ہیں اور آپ کی عیادت اور بیمار پُرسی کے لئے شیخ ناگوری رح اُن کے گھر پر تشریف لیجاکر حاضر ہونیکی اجازت حاصل کرتے ہیں تو مولانا اشرف الدین بجیری رح نے فرمایا کہ یہ وہی شخص ہے جو خدا کی ذات کو معشوق کہتا ہے یہ اس لئے تھا کہ عشق کی اللہ کیطرف نسبت کرنے کو علماء ممنوع کہتے ہیں اس لئے کہ عشق کی کیفیت میں بعض ایسی چیزیں ہوتی ہیں جن سے خدا تعالیٰ کی ذات منزہ و بری ہے، وہ چیزیں یہ ہیں جن کو کسی شاعر نے اس شعر میں جمع کر دیا ہے ؎

عشق میں کچھ یاس کچھ اُمیدداری چاہیئے ✧ کچھ تحمل چاہیئے کچھ بیقراری چاہیئے

چنانچہ مولانا بجیری رح نے ملنے سے انکار کر دیا، اسوقت مولانا بجیری کے پاس مشہور شاعر امیر حسن بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے فرمایا کہ قاضی صاحب کی معشوق سے مراد محبوب ہے غرضیکہ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ یہ قصہ بڑا طویل ہے،

حکایت شیخ نظام الاولیاء سے منقول ہے، آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ قاضی حمید الدین ہمارے ہاں مجلسِ سماع میں تشریف لائے باوجودیکہ غزلخواں باکمال لوگ تھے

لیکن سامعین میں سے کسی پر وجد و حال کی کیفیت طاری نہ ہوئی تو صاحب سماع نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سامعین کے مابین اگر کسی کے درمیان دشمنی اور ناخوشگی ہے تو باہر جا کر باہمی مفاہمت و صلح و صفائی کر لیں تمام لوگوں نے یوں کیا اور پھر واپس آ کر سماع میں مشغول ہوئے لیکن پھر وجد طاری نہ ہوا تو صاحب سماع نے پھر کہا کہ اگر ہم میں کوئی اجنبی آدمی موجود ہے تو وہ اس محفل سے نکل جائے، یہ بھی کیا گیا لیکن اس کے بعد بھی سماع میں کوئی کیف و سرور نہ آیا، آخر کار سب لوگ محفل سماع ختم کر کے توبہ و استغفار میں مشغول ہو گئے، اسی دوران میں ایک صاحب کمال درویش وہاں تشریف لائے انھوں نے ایک شعر پڑھا جس کے سنتے ہی سب پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی، اسی مجلس میں ایک صاحب پر تو اتنا اثر ہوا کہ اُسی وقت اس نے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی، قاضی حمید الدین کی مایۂ ناز تصنیف "لوائح شموس" حقیقت میں ایسی کتاب ہے کہ جس کے اندر حقیقت کے اسرار کے مضامین موج در موج اور معانی طریقت فوج در فوج لکھے گئے ہیں اس کتاب میں سے اختصار و انتخاب مشکل ترین امر ہے، اس کے تمام تر مضامین اپنی متانت و حرارت، مشاکلات و مشابہت میں ایک انوکھے اسلوب سے رکھے گئے ہیں، کتاب کے اوائل میں اسم "ھو" کی بڑی تفصیل و بسط کے ساتھ شرح کی گئی ہے اور اس اسم کے اتنے معانی بیان کئے گئے ہیں جن کو کاتب احاطۂ قلم میں لانے سے قاصر ہے، ان میں سے مشتِ نمونہ از خروارے چند معانی تحریر کرتا ہوں،

مؤلف قدس سرہٗ فرماتے ہیں، کہ "ھو" حرفِ اشارہ ہے اور اشارہ مشار الیہ کو مشاہدہ کرنے کے بعد کیا جاتا ہے یا اس کے بارے میں کوئی خبر موصول ہو، اس تقریر کے بعد بنتیجۃً یوں کہا جائیگا کہ جب "ھو"، اسم اشارہ کو اللہ کی ذات کے لئے استعمال کرتے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام ایسا ہے جسے انسان دیکھ رہا ہے، جیسے عرفِ عام میں عموماً کہا جاتا ہے کہ اُسنے کیا اور اچھا کیا، جیسے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ وعلیٰ نبینا نے دو عالم سے اعراض فرماتے ہوئے جمیع ظواہر سے بایں الفاظ برأت کی کہ انی بریٔ مما تشرکون (جن کو تم خدا کا شریک سمجھتے ہو میں اُن سے بری ہوں) اور قلب و جگر کی تمام تر کیفیات کو خدا تعالیٰ کیطرف متوجہ کیا جس کو بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض (میں اپنا رخ اس ذات کی طرف

کر چکا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے) ابراہیم علیہ السلام نے دو عالم سے علیحدگی د جدائی کے بعد پوری مودت و دوستی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیجانب رُخ کیا، جب لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کس کیجانب متوجہ ہو رہے ہیں تو آپ نے صاف صاف یوں فرمادیا کہ الی ربّی الّذی ھو یطعمنی ویسقین (اپنے اس پروردگار کیطرف جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے) اس "ھو" اسم اشارہ میں اگرچہ متعدد متفرق مواضع و مقامات ہیں لیکن حروف اضافات سب کے سب اسکی دلیل بین ہیں کہ یہ تمامتر مشار الیہ کے لئے آتے ہیں اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہ ایزدی کی شمع نورانی کے حال اور سلوک کی دونوں حالتوں میں جامۂ خلعت پہن کر خلیل اللہ موسوم ہو گئے، اور صاف طور پر یوں فرمادیا کہ انی ذاھبٌ الی ربی (میں اپنے رب کیطرف جاتا ہوں) علاوہ ازیں مصنف علام نے لکھا ہے کہ کائنات کے تمام ذرات عالم سلوک میں اللہ تعالیٰ ہی کیجانب ہمہ تن متوجہ رہتے ہیں، کیونکہ ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ میں کمال حاصل کروں اور کمال خدا کی ذات کے سوا کسی کو حاصل نہیں، اسی لئے اس نے ہر ایک چیز کو عدم سے پیدا فرمایا اور تمام کو اپنے نور کیجانب متوجہ کیا،

لوگوں نے کسی دانا و حکیم سے پوچھا کہ دنیا کے تمام ذرات کس ذات کیجانب متوجہ ہیں تو حکیم نے جواب دیا، اس ذات کیطرف جو تمام چیزوں کو عدم سے وجود میں لاتی ہے،

رُباعی

گر روئے دلم بسوئے او خواہد شد — حال دل خستہ ام نکو خواہد شد
قصہ چہ کنم رشتۂ اُمید دلم — یا او چو یکے شود دو تو خواہد شد

(اگر میرا دل اس کی طرف متوجہ ہو جائے تو اس کی خراب حالت درست ہو جائے، میں قصہ کیا بیان کروں، حقیقت یہ ہے کہ امید کا رشتہ میرے دل میں ہے اور جب اس سے ملکر ایک ہو جائیگا تو اسوقت تو وہ ہو جائیگا اور تیرا اپنا وجود نہ رہے گا)

شعر

لی حبیبٌ خیالہ نصب عینی — واسمہ فی ضمائری مکنون
ان تذکرتہ فکلی قلوب — وان تاملتہ فکلی عیون

(میرا ایک دوست ہے جس کے تصور میں گم رہنا میری زندگی کی نصب العین ہے اور اسکا اسم گرامی

میرے دل کی گہرائیوں میں محفوظ ہے (جب) اس کی یاد آتی ہے تو دل بے قرار ہو جاتا ہے اور اسکے بارے غور و فکر کرتا ہوں تو آنکھیں اس کے دیکھنے کے لئے بے چین ہو جاتی ہیں)

اے بھائی! سلوک کے راستہ پر چلنے کے لئے جمعیت خاطر بہر حال محال ہے (یا اللہ سے ملنا محال ہے۔ فاضل) جس کی دلیل انی ذاھبٌ الی ربی سیھدین ہے، اگر سالک محض سلوک کے راستہ پر چل کر ہی خدا تک پہنچ جائے اور اس کو خدا کی امداد دخیل نہ ہو تو سیھدین کیوں فرماتے اور وجد و حال کی کیفیت میں خدا تعالیٰ تک رسائی محال نہیں بلکہ محال کہنا گمراہی ہے جن لوگوں نے انا الحق وانا سبحانی کہا اسکا سر یہی ہے کہ ان پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی تھی (اور خدا تعالیٰ نے انھیں یہ کہا کہ انا الحق، تو وہ وجد میں آکر اس کلام کو خدا کی طرف منسوب کرنے کے بغیر کہنے لگے اور سننے والوں نے سمجھا کہ یہ اپنے بارے کہہ رہے ہیں حالانکہ وہ خدا کے کلام ہی کو دہراتے ہیں۔ فاضل ۱۲)

بخدا "انا" کہنے کے مقام پر "ھو" کہنا گمراہی ہے اور جس جگہ "ھو" کہنا ہو وہاں "انا" کہنا ناجائز وغیر مشروع ہے،

نیز مؤلف ذی وقار لکھتے ہیں کہ انا خیر" کی جگہ پر اگر کوئی ہو خیر" کہے تو احمق وابلہ ہے، اور جب "ھو" کے بجائے انا کہا، تو اس طرح خطا کار ہوا کہ تمام حاصل کردہ سرمایہ جاتا رہا، حسین اگر "انا" کے بجائے ہو کہے تو وہ خطا کاری میں سر کے بل گر کر سرمایۂ توحید سے عریاں ہوگیا، اور اگر "انا" کہے تو وہ جیت گیا اور ہزاروں درجہ بلند و برتر ہو گیا اور پھر اسکے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ تو جس کو مار یگا میں اسکی دیت ہوں (یعنی اس کے تمام افعال حکم خداوندی کے تابع ہو جاتے ہیں اور ہر کام کو شریعت کے مطابق کرتا ہے۔ فاضل ۱۱)

بخدا، بوقت اشارہ تین چیزوں کا خیال ازبس اور ضروری ہوا کرتا ہے۔ اشارہ مشارالیہ۔ مشیر (اشارہ کرنے والا) ان تینوں چیزوں کا وجود اس لئے ضروری قرار دیا گیا ہے تاکہ اشارہ درست ہو جائے اور اس صورت کے اندر تینوں کا وجود تسلیم کرنا ہوگا جو وحدت کے منافی اور عیسائیوں کے مسئلہ تثلیث کے مطابق ہے، ان ثلاثہ کو تسلیم کرنے سے نتیجۃً توحید سے دوری اور بعد ہوتا ہے، اسی لئے (بعض اہل تصوف کے

نزدیک) اس کی طرف اشارہ کرنا شرک ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کو مستحق عبادت سمجھنا جھوٹ وافترا ہے، اس کی حقیقت کو اس رباعی میں بیان کیا گیا ہے،

رُباعی

آنرا کہ بسوئے تو اشارت باشد — از معنی عزتت عبارت باشد

با مایۂ بسیار ز سودِ توحید — بیچارہ ہمیشہ در خسارت باشد

(جو شخص تیری طرف اشارہ کرے اور اس کے اس اشارے سے تیری برتری ہی مراد ہو، تو وہ توحید کے سرمایہ سے سودمند ہونے کے باوجود خسارہ میں رہا)

اے بھائی! اشارہ چند چیزوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اشارہ تقریبا تین قسم پر ہے، اولاً اشارہ حسی جو محسوسات کے ساتھ، ثانیاً اشارہ وہمی جو موہومات کیساتھ ثالثاً اشارہ عقلی جو معقولات کیساتھ کیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور توحید کو ان تینوں قسموں سے کوئی علاقہ و تعلق نہیں کہ اس کی طرف اشارہ کیا جائے، اس صورت میں اس کی طرف اشارہ کرنے سے شرک کے علاوہ اور کیا ہوگا، پھر اشارہ کی دو قسمیں ہیں، یا تو اشارہ غائب کو کیا جاتا ہے یا حاضر کو، اب بتاؤ کہ تم اللہ کو کیا سمجھ کر اشارہ کرتے ہو، اگر اُسے غائب سمجھ کر کرتے ہو تو یہ عقلاً اور نقلاً ناجائز اور غیر مسموع ہے اور اگر حاضر سمجھ کر کرتے ہو، تو حاضر نظر آتا ہے اور اللہ کی صفت یہ ہے لاتدرکہ الابصار یعنی اس کو دیکھا نہیں جا سکتا، بلکہ اُسنے ہم کو دیکھنے کی طاقت اور قوت عطا فرمائی ہے وہی ہم کو دکھاتا اور سمجھاتا ہے لہٰذا اس کیطرف اشارہ کرنا قلبی غفلت سے تعبیر کیا جائیگا، جس دل پر لا الٰہ الا اللہ کی تجلی کی عظمتیں موجزن ہوتی ہیں وہ یادداشت کی قیود سے بالاتر ہو جاتا ہے اور جب دل سے اللہ تعالیٰ کی یاد نہ کیجائے تو لازماً زبان سے بھی اس کی یاد اور ذکر سے انسان غافل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے انسان ذلت و ہلاکت حوض میں آجاتا ہے، کیونکہ جو اس کے ذکر سے دُور ہو جاتا ہے وہ اس کی ذات سے بھی دُور ہو جاتا ہے اس لئے کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جائے ع

کسے سرّش نمی داند زبان درکش زباں درکش

(اس کے اسرار و بھیدوں کو کوئی نہیں جانتا اس لئے زبان کو بند رکھا جائے)

اے بھائی! توخاموش رہ اور اپنی ذات کو بھول جا، اس فراموشی کی یاد میں عجیب کیف و لذت ہے، ارشاد باری ہے واذکر ربک اذا نسیت (تو اپنی ذات کو بھول جا اور خدا کی یاد میں مشغول ہوجا) ایک دن شبلی نے خود کو فراموش کر کے خاموشی اختیار کی اور لب پر لب کو رکھ لیا، اور اسی حالت میں ان پر ایک نماز کا وقت گزر گیا اور ہوش میں آئے تو اس کیفیت کا درد پُر لطف تھا اور یوں کہہ رہے تھے ؎

نسیتُ الیوم من عشقی صلاتی فلا ادری غدائی من عشائی

فذکرکَ سیدی دکلی وشربی ووجھک ان رأیت شفاءدائی

(عشق کی مستی کی وجہ سے آج میں ایک نماز کو بھول گیا، چنانچہ اسی وجہ سے مجھے صبح اور شام کا ہوش نہ رہا اے میرے آقا و مولیٰ آپ کا ذکر میرے کھانے پینے کے قائم مقام ہے اور آپکے چہرۂ اقدس کا دیدار تمام امراض کے لئے مکمل شفا ہے)

خوب سمجھ لو! کہ اسم "ھو" ایک حرف ہے اسمیں جو واؤ نظر آتی ہے وہ پیش کو کھینچ کر پڑھنے سے پیدا ہوئی ہے، اس لئے بھی یہ اسم مکرم وحدتِ مسمّٰی کی دلیل ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے اسم میں ایسی مشابہت نہیں ہے۔

بخدا۔ یکتا شہنشاہ کا اسم اعظم بھی یکتا و یگانہ ہی ہونا چاہیئے تاکہ اس کے بعید و بے شمار معانی کا ادراک ہو سکے، حرف (ہ) جب الف سے ملتا ہے تو محبوب کی ندا کی طرف مضاف ہوتا ہے یعنی (ھا) یہ وہ آواز ہے جس کے ذریعہ محبوب اپنے محب کو آواز دیتا ہے، جیسا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یاایھا الذین اٰمنوا (اے ایمان والو!) حرف (ہ) کے بعد جب کوئی حرف علت آتا ہے تو وہ محبوب کی ندا کیطرف مضاف ہوتا ہے جیسے "ھو" جس کے ذریعہ محبوب اپنے محب کو آواز دیتا ہے اور خدا کی ندا اپنے محبین کو وہ ندا ہے جو مصیبت زدہ عاشقوں کو اپنی طرف بُلانے کے لئے ہوا کرتی ہے تاکہ وہ اللہ کے احکام کے امتثال کیطرف ہمہ تن متوجہ ہوکر دوڑیں جس کے لئے عموماً اسم (ھا) آتا ہے۔

عاشق لوگ اپنے قلب میں خدا کو یاد کرتے ہیں تاکہ اس کے وصل کی خوشبو سے بہرہ ور ہوں تو ان کے دل سے اسم "ھو" نکلتا ہے، اور جب عالم عشق میں ذوق و شوق کی جانبین سے زیادتی

ہوتی ہے تو ہائے اور ھو کی صدائیں بلند ہوتی ہیں جو از خود عظیم و بلند ترین مقام ہے۔

رُباعی

آنجا کہ ز عشق یار بوئے باشد ۔ لابُد باشد کہ گفتگوئے باشد

وآنجا کہ ز شوق جستجوئے باشد بی شبہ زہر دو ہائے ہوئے باشد

(جس میں یار کے عشق کی بُو ہوگی تو اس سے گفتگو بھی ضرور ہوگی، اور جہاں شوق کی جستجو ہوگی تو وہاں دونوں طرف سے ہائے و ہو کی صدا بھی ہوگی) جیسے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

اُلفت میں جب مزا ہے کہ دونوں ہوں بیقرار دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

اے عزیز خوب یاد رکھو! کہ اسم "ھو" موجودہ ازلی اور ہست لم یزلی کیجانب اشارہ ہے۔ جو مستجمع جمیع صفات کمالیہ ہے اور ہمہ قسم کے نقائص و زوال سے پاک ہے وہ خدا اس طرح موجود ہے جس کے ازلی ہونیکی ابتدا نہیں اور ایسی ذات ہے جس کے ہمیشہ رہنے کی انتہا نہیں، اور یہی وہ پہلا اسم ہے جو اپنے تمام غیبی اسرار کے ساتھ معرضِ وجود میں آیا جیسا کہ سورہ اخلاص میں هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ سے ظاہر ہے۔

"ھُوَ" وہ اسم اشارہ ہے جس کے انوار کی تجلیات سے خدا تعالیٰ کے خاص خاص اسرار ظاہر ہوتے ہیں، اور جب یہ اسم اشارہ تھا تو مشارٌ الیہ کو بیان کی وضاحت کے لئے اسم اللہ کو اس کے ساتھ لگا دیا "ھو اللہ" ہوگیا۔ ارواح خاصہ پہ اللہ تعالیٰ کے انوار کا پرتو اور عکس پڑتا ہے، اور جب انسانی عقل کی نورانیت پر خداوندی انوار غالب آتے ہیں تو بیان کی وضاحت کے لئے ھو کے بعد اسم اَحَدٌ کو بڑھا دیا جاتا ہے تاکہ اہلِ تحقیق کے دلوں پر وحدانیت کی تجلیاں رونما ہوتی رہیں، اور جب لوگوں کی انانیت (میں) اور تعلّی کو انوار وحدانیت نے جلا کر راکھ کر دیا تو اس کی وضاحت کے لئے اسم صَمَدٌ کا اضافہ کر دیا، خلاصہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ پر انوار صمدیت کی تجلیات وارد ہوتی رہتی ہیں، اور جب صَمَدٌ سے لوگوں کی انانیت اور ان کے تمام رسوم کا قلع قمع ہوتا تھا تو اس کی مزید وضاحت کے لئے لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد (اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ اس کا باپ، اور نہ اسکا کوئی ہمسر و ہم پلہ ہے) کی حفاظت کا خود اُسنے اضافہ کر دیا، اور جب کہ صفاتِ مذکورہ بالا کی تجلیات اور انوار نے تمام مخلوق کو دائرہ عبودیت

اور ان صفات نے تمام تر مخلوق کو بطیب خاطر دربارِ الٰہی میں پہنچادیا تو سب کی منتہائے نظر ابتدار پر پڑی، تو انھوں نے "ھا" کا دائرہ دیکھا جو تمام کو اپنے احاطہ میں لیئے ہوئے ہے، اگرچہ تحریر و عبارت کے اعتبار سے اللہ کے دوسرے اسمار بھی اسی کی طرح اسم ہی ہیں، لیکن بظاہر اسی ھا کے اسم کو دیکھ کر مخلوق نے کہا کہ یہ اسم اعظم ہے جو تمام اسمار کی اصل ہے اور جس طرح بوجہ ابتدا کے سورتِ فاتحہ کو ام الکتاب کہتے ہیں اسی طرح اس اسم کو ام الاسمار کہتے ہیں۔

آخری بار پھر ہم گوشگزار کرتے ہیں کہ اسم "ہ" پروردگار کے پُرجلال خطاب کا دیباچہ ہے، اور سورۂ فاتحہ اس کے تمام تر اوصاف و کمال سے لبریز ہے، اسم ھو کو یاد کرنے والا اگر صاحبِ بصیرت ہو تو اُسے تمام اسرار کی خبر ہو جاتی ہے، غلبہ ہویت کے اعتبار سے اگرچہ وہ بظاہر حیران و پریشان نظر آتا ہے لیکن سرزمینِ عشق میں اتنا سرگرداں ہوتا ہے کہ اُسے خود اپنا علم بھی نہیں ہوتا، بلکہ حاضر و غائب کی تمام قیود سے بالاتر ہو کر اُسے اشارہ کرتا ہے اور اس کے اسرار کی نظر ہمیشہ اس کی طرف لگی رہتی ہے،

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ ایک صاحبِ طریقت بڑے بزرگ کا ارشاد ہے کہ عشقِ خداوندی میں ایک سرمست کو دیکھ کر میں اس کے پاس پہنچا تو اُسے دیکھا کہ وہ بحرِ شہود میں غرق اور بحرِ شہود میں غوطے لگا رہا ہے، میں نے اس سے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ جواب دیا ھو میں نے پھر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ جواب دیا ھو، پھر میں نے پوچھا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں، جواب ملا ھو، میں نے پھر عرض کیا اب آپ کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں، جواب میں فرمایا ھو، ہر چیز کا جواب ھو سنتے سنتے آخر کار میں پریشان ہو گیا اور مجیب کی مراد کو نہ سمجھ سکا، تو پھر میں نے عرض کیا کہ ھو سے آپ کی مراد کیا ہے، کیا ھو سے مراد خدا تعالیٰ ہے جس کا ملک ہے اور ہمیشہ رہے گا، یہ سنتے ہی اس بزرگ نے ایک چیخ ماری، اور مُردوں کی طرح اس طرح گر پڑا کہ پھر نعرہ نہ لگا سکا اور اُن کی جان دیدار شہنشاہ کے استقبال کے لیئے روانہ ہو گئی (یعنی فوت ہو گئے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خداوند تعالیٰ کے نوری سمندر میں تیرتے (یعنی ذکر اللہ کرتے) تو عالمِ خودی سے دُور ہو کر محبوب کے انوار میں مستور ہو جاتے اور جب آپ کو اس سمندر سے بڑی موجیں باہر لے آتیں اور آپ عالمِ شہود میں آتے تو اپنے پر غیریت کے اسباب کو دیکھ

دیکھ کر یوں دُعا فرمایا کرتے تھے،

اللّٰھمّ اجعل فی قلبی نوراً وفی بصری نوراً	اے اللہ! میرے دل میں نور کر دے اور میری آنکھوں
وفی سمعی نوراً وفی فوقی نوراً وفی تحتی	کو نورانی فرما دے۔ اور میرے کانوں کو نور دیدے
نوراً وفی امامی نوراً وفی خلفی نوراً واجعلنی	میرے اوپر، نیچے، سامنے، پیچھے نور ہی نور فرما دے
نوراً فی نورٍ	اور مجھے تمام کو نور بنا دے،

مصرعہ۔ سرتاپا ایم فدائے سرتاپایت (میں سرتاپا تیرے سرتاپا پر قربان ہوں) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور جبریل امین کے دروازے پر آئے بغیر یہ مقصود حاصل نہیں ہو سکتا

اے اللہ! اپنا رحمانیت کا دروازہ کھولدے، اور ما رأنی (کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا) پر نظر فرمائیے تاکہ تیرے دیدار کے جلالی انوار کے پرتو میں جلنے سے پہلے ہم تیرے دیدار کی تسبیح سے مشرف ہوسکیں اور قبل اس کے کہ حالتِ بیخودی میں تیرے حضور پیش ہوں، تیرے صفحۂ جمال کی چمک دمک سے مجسمۂ نور بن جائیں،

اس مفہوم پر غور وادراک کے لئے ذوقِ سلیم کی ضرورت ہے تاکہ اللہ کا جمال نصیب ہو سکے، اے دوست! جس طرح اسم "ھو" کا مسمّٰی تمام کیفیات سے منزہ اور ابتدا وانتہا کے وصف سے بالاتر ہے اسی طرح اسم "ھو" بھی تمام مخارج از قسم ابتدا وانتہا سے بالاتر ومقدس ہے، کوئی ابتدا اس تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی اور کسی انتہا کی وہاں تک دسترس نہیں، اللہ کی سب سے بڑی صفت یہی ہے کہ اس کی اولیت سے تمامتر ابتدائیں عاجز اور اس کی انتہا سے ہمہ قسم کی نہایت وانتہا قاصر ہے،

اور دائرہ (ہ) ھو جب بل جاتا ہے تو بلا ہدایت ونہایت پروردگار کی ھویت کی جلالت کا پتہ دیتا ہے اور اسوقت تک خبردار کرتا رہیگا جب تک کہ اس دائرہ ہ کی ابتدا اور انتہا ظاہر نہ ہو جائے، اور جب اس (ہ) کے دائرہ کو بغور دیکھو گے تو اس کے ہر جزو میں دوسرے دائرے بنانے کی صلاحیت موجود پاؤگے، اور اسی جزو میں انتہا بھی موجود ہے اس لئے (ہ) کا پورا دائرہ اپنی صلاحیت کے لحاظ سے اولیت کا حقدار اور نہایت وانتہا کا مستحق ہے، اس نسبت کے اعتبار سے اول بھی ہے اور آخر بھی، اور حقیقتِ اجتماع کے پیشِ نظر غیر اللہ اور ما سوی اللہ میں اولیت اور انتہا کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا، اسی نہج وطریق پر بھی اسم ھو اصل اور عین مسمّٰی، مگر یہ راز کی بات ہے جو اکثر لوگ

کے سمجھنے کی نہیں،

رُباعی

آں حلقہ کہ اول است و آخر   و آں نقطہ کہ باطن است و ظاہر

خواہی کہ بہ بینی اے نکو روئے   در حلقہ ہا نظر کن در آخر

(وہ حلقہ جو اول اور آخر ہے اور وہ نقطہ جو ظاہر و باطن میں وجود رکھتا ہے، اے نیک بخت اگر آپ اسے دیکھنا چاہتے ہیں تو (ہ) کے دائرہ و حلقہ کو دیکھ لو) حمد و ثنا اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، ہم اول سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ آخر تک ہمارے ساتھ ہے، پروردگار عالم واجب الوجود ہے جس کے انوار و تجلیات کی روشنی عالم شہود میں ظاہر ہے (ہا) کا دائرہ اپنی صفت صلاحیت میں ہی (ھو) ہے جو اول و آخر میں موجود ہے، اس تقریر سے اسم "ھو" کی عظمت و جلالت ظاہر ہوتی ہے،

میں عالم بیخودی میں مضمون کی طوالت کی سیلِ رواں میں بہہ کر اصل مضمون سے ہٹ چکا ہوں اس لئے اب پھر اصل مضمون کیطرف عود کرتا ہوں، اے عزیز! دل کے کانوں سے سن اور اس بات کو یاد رکھ کہ "ھو" اگرچہ حلق سے نکلتا ہے مگر حلق کو چھوتا نہیں، جب اس اسم کو حلق سے کوئی علاقہ نہیں، حالانکہ حلق ہی سے صادر ہو رہا ہے اسی طرح اس کے پڑھنے والے کو بھی ضروری ہے کہ وہ اس جہان میں رہتے ہوئے اس سے کوئی تعلق نہ رکھے تاکہ وہ اس علیحدگی کی بدولت دیدار ربّ لا یزال سے مستفیض ہو سکے، نیز یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ عربی زبان میں کوئی اسم دو حرفوں سے کم کا نہیں ہوتا، اسی لئے ہمارے اس جہان میں فرد مطلق کا وجود نہیں ملتا، اور جب اہل بصیرت نے حدیث کے معنی اسم "ھو" میں دیکھے تو اپنے دل کو اس کی جانب متوجہ کرنے کے بعد تو فوراً کہنے لگے کہ اس اسم کے معنی وہی فرد مطلق کے ہیں جس کا وجود ہمارے اندر نہیں پایا جاتا، **بیت**

حرفی کہ مرادِ ما از و او باشد   بردار نظر ز حرف تا او باشد

(یعنی جن حروف سے ہمارا مطلوب، محبوب ہی ہو تو پھر ان حرفوں سے نظر کو اٹھا لیا جائے تاکہ براہ راست محبوب کو دیکھا جاسکے) اس مناسبت سے معلوم ہوا کہ اسم اور مسمّٰی ہر دونوں بلا شک و شبہ ایک ہی ہیں، اے عزیز! حرف (ھ) ہماری جان سے نکل کر عالم اعلیٰ کیجانب چلا جاتا ہے اور پھر اسرار مخفیہ کے ساتھ اس دنیا کی جانب واپس آتا ہے، اس کا کسی جگہ حلول اور کسی مکان پر علاوہ لب اور زبان کے نزول نہیں ہوتا، اور لب و زبان جو دل کے وکیل ہیں وہ اس کلمہ کو نہیں کہتے جب

تک کہ دل اس کے اسرار معلوم نہیں کرلیتا، عارفین انوار صمدیت کو اس بات کا معلوم کرلینا ازبس ضروری ہے کہ یہ اسم تمام قسم کے تغیر تبدل سے منزہ ہے، اسی طرح اسکا مسمیٰ بھی کسی مکان کی آرائش اور کسی زبان کی زیبائش سے منزہ اور بالا تر ہے، یہ بہت بڑا راز ہے،

اے عزیز! "ھو" اسم اشارہ ہے جس کا رُخ ہمیشہ مشارٌ الیہ کیجانب رہتا ہے، اور اسم اشارہ کا رُخ مشارٌ الیہ کے اوصاف اور محاسن کی جانب نہیں ہوا کرتا اور یہ بات اس بات کے ہم معنی ہے جس کو عارفین اور سالکین بایں طور تعبیر کرتے ہیں کہ عشق اس کی ذات سے ہوتا ہے اسکی صفات سے نہیں، خاصکر وہ ذات جس کا کمال اس کی ذات سے زائد ہو (اور وہ اللہ ہی کی ذات ہے) اور یہ دقیق اور غامض مفہوم اہلِ تحقیق حضرات کی اس بات کے لئے ہے کہ اسکی ذات کا وجود صفات سے مقدم ہے اور ذات کا صفات پر مقدم ہونا اس طرح کا ہے جس سے ذات اور صفات میں غیریت اور دوئی ثابت نہیں ہوتی، بلکہ یہ تقدم دراصل وحدت کو ثابت کرتا ہے تاکہ اسرار توحید کے ذریعے اضافوں کا اسقاط ظاہر ہو جائے،

اے عزیز! اسم "ھو" وہ اسم ذات ہے جو "مطلق" معلوم اور کسی سے مشتق نہیں، کیونکہ مشتق وہ اسم ہے جو غیر کے اشتراک سے خالی نہو اور جب چیز میں غیر کی شرکت اور اشتراک آجاتا ہے تو اسمیں وحدت کی بنیادیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں، تمام عشاق کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسم اعظم (ھ) کسی سے مشتق نہیں ہے (بدلیل مذکور - فاضل ۱۲) اور وحدت کی بنا پر مطلق بھی نہیں، اس نسبت سے بھی اسم اعظم ھو ہی ہوا۔ جیسے ہوا اور خوشبو ذٰلِكَ دَفۡنٌ لطیفٌ، برادرِ من! فردِ مطلق وہ ہوتا ہے جس کی کسی چیز کے واسطہ سے صفت بیان نہ کیجا سکے اور یہ تمام دنیا کا تسلیم شدہ قاعدہ ہے کہ ہر چیز اپنی صفت ہی کی وجہ سے دوسری چیزوں سے ممتاز و مختلف ہوا کرتی ہے اور اسی وجہ سے موصوف اور صفت میں یہ فرق بیان کیا جاتا ہے کہ موصوف اپنی صفت سے مستغنی ہوتا ہے اور صفت اپنے موصوف کی محتاج ہوتی ہے، خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کسی چیز کی عین ذات سے اس کے حالات بیان نہیں کئے جاسکتے۔ اسی چیز کو سمجھاتے وقت دوسری چیز سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس صورت میں تعداد اور کثرت لازم آتی ہے، اور تعدد و کثرت وحدت کے خلاف ہے۔

اے عزیز! جب ہماری بیان کردہ تقریر کو ذہن نشین کر لیا جائے گا تو یہ بات خود بخود واضح ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے کیف سے روشناس کرانے کے لئے تمام اسمائے مشتقہ اور تمام معلومات عاجز اور قاصر ہیں، اور صرف اسم اعظم "ھو" فرد مطلق کی وحدانیت کی حقیقت کی نقاب کشائی کر رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے برحق صمد بے نیاز ہونے کا یہی اسم (ھو) ہی مظہر ہے لا الٰہ الا اللہ، اے برادر! تمام اسمائے مشتقہ صفات پر دلالت کرتے ہیں اور صفات کو صرف اضافت کے ذریعہ سے پہچانا جاتا ہے مگر قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ تمام اضافتوں کو توحید ختم کر دیتی ہے،

بیت

نکو گوئے نکو گفت است در ذات — کہ التوحید اسقاط الاضافات

(کسی اچھے کہنے والے نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا خوب کہا ہے کہ توحید ہی ایک وہ چیز ہے جو تمام اضافتوں کو ختم کر دیتی ہے) پر لطف بات یہ ہے کہ جو اسم کسی سے مشتق ہوتا ہے تو مشتق اور مشتق منہ دونوں پر طلب کے زمانے میں طلبگار کی نظریں پڑی رہتی ہیں اور عقل کا حق یہ ہے کہ جب اس کی کسی پر نظر پڑے جب تک اس کی حقیقت کا ادراک نہ کرے دوسری طرف اپنا رخ ہرگز ہرگز نہ کرے۔ اور اس دوسری چیز کو ذریعہ نجات نہ بنائے ورنہ غیر میں مشغول ہو جانے سے اصلی چیز پر پردہ پڑ جانے کا خطرہ ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ اسم "ھو" کسی سے مشتق نہیں تاکہ طلبگار کو دور بینی سکھائے، اور خود اپنے وہم و گمان پر یقین کرنے لگے، بلکہ اسم "ھو" اشتقاق سے منزہ ہے جو طلبگار کی آتش عشق کو بھڑکاتا اور ماسوی اللہ سے جدا کر کے مقصود حقیقی تک پہنچاتا ہے لا الٰہ الا اللہ کا پروردگار نے امر فرمایا ہے اور قل ھو اللہ احدٌ (اس میں اللہ کے تین نام ہیں اسی طرح) طریق عشق پر چلنے والوں کے بھی تین درجے اور مقام ہیں (۱) ظالم (۲) مقتصد (۳) سابق اور اسی طرح نفس بھی تین قسم پر ہے (۱) امارہ (۲) لوامہ (۳) مطمئنہ اور اسم "ھو" ان لوگوں کے نصیب میں ہے جو سابقٌ بالخیرات کے مصداق ہیں اور نفس مطمئنہ کے اہل اور انوار احدیت کے پرتو میں آکر خاکستر ہو چکے ہیں اور ماسوی اللہ کو دیکھنے سے انھوں نے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں تمام دنیا سے بے خبر ہو کر عالم استغراق میں مست ہیں اور انوار الٰہی کی لطافتوں اور مہربانیوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں، ان میں کا ہر ایک فرد اپنے دوسرے سے بے خبر و بے تعلق ہے، وہ عزیزوں اور تمام انسانوں دنیا و مافیہا کو معدوم اور

ختم ہونیوالی جانتے ہیں، کیونکہ اس جہان کی تمام چیزیں حادث ہیں جو بہت جلد ختم و ہلاک ہونیوالی ہیں،

اے بھائی! "ھو" کا ہمیشہ ورد رکھنا منتہی اور سابق بالخیرات لوگوں کا کام ہے جو ہزار جان سے خدا تعالیٰ کے عاشق ہیں کیونکہ اسم "ھو" اسم اللہ کا منتہی و خلاصہ ہے، اس حقیقت سے وہی لوگ آشنا و واقف ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عشق میں مستغرق ہیں،

اے عزیز! جس کو عالم ہیبت میں محبوب نے اجازت بخشدی وہ انانیت و تکبر سے کنارہ کش ہو کر مشاہدۂ جلال کے غلبوں سے اپنی ذات کو پگھلاتا اور مقام فنا تک پہنچ جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے انوار کے سایہ تلے آجاتا ہے پھر مقامات و کرامات، بیہوشی و ہوش نفی و اثبات، بقاو فنا، امید و خوف، بسط و قبض، نفل و فرض، محبت و ہیبت خوف اور سرور کی نسبت اس کی طرف نہیں کیجا سکتی۔ جب محبوب بے نشان ہے تو تم بھی بے نشان ہو جاؤ اور پھول کی خوشبو کی طرح پھول میں پوشیدہ اور ظاہر نظر آؤ،

حکایت میرے ایک دوست نے جو طریقت اور حقیقت کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف تھے، انھوں نے مجھے اپنا چشم دید واقعہ سنایا کہ میں ایک دن ایک تبکدہ میں گیا وہاں میری ایک جوگی سے ملاقات ہوئی وہ بڑی نرمی اور مہربانی سے مجھ سے ملے جو میری سرکار کے احوال بھی جانتے تھے، وہ مجھے ایک مقام پر لے گئے جہاں میں نے ایک آدمی دیکھا جو عاجزی و انکساری کرنے والوں کی طرح کھڑا ہے اور مشہود کو دیکھنے کے لئے آمادہ ہے میں اسکی ہیئت دیکھ کر خوف زدہ ہوا اور اپنے ساتھی جوگی سے پوچھا کہ یہ ماجرا کیا ہے، اس نے کہا کہ یہ شخص بارہ برس سے اسی طرح مشاہدۂ جلال کے انتظار میں کھڑا ہے اور اپنی دعاؤں کی قبولیت کا انتظار کر رہا ہے، اس جوگی نے کہا کہ کبھی کبھی صبح سویرے اس کے اسم "ھو" کہنے کی آواز مجھے سنائی دیتی ہے، جب یہ اسم "ھو" کہتا ہے تو اسکے منہ سے ایک نور کا شعلہ نکلتا اور آفتاب کی مانند اونچا ہو جاتا ہے،

اے عزیز! ہر قدم پہ ہر وقت یہ حیران و پریشان رہتا ہے، جب محبوب بے نشان کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتا ہے تو محبوب کی ذات اور ہویت اس کی انانیت اور خودی کو مضمحل کر دیتی ہوگی اور وہ اپنی تسبیحات کیوجہ سے اس انانیت کو ختم کر دیتا ہوگا، اور یہ طالب حق اگر مقام

استغراق سے طلبِ ہلاکت کے مقام تک پہنچ جائے تو محبوب میں گم ہو کر بے نشان اور فنا ہو جائے اس کے بعد تمامتر بھید اور اسرار اس پر کھل جائیں، جس طرح بحرِ عشق کی موجوں کا ایک قطرہ موجوں پر اشارے نہیں کر سکتا اسی طرح اندر کے اسرار کو الفاظ کے لباس میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ منظر مشاہدۂ جلال اگر مقام استہلاک سے مقام فنا میں گر پڑے تو دو عالم کی سلطنت لازماً اس کے قبضہ میں ہوگی۔ **بیت**

بندہ جائے رسد کہ محو شود　　　بعد ازاں کار جز خدائی نیست

(بندہ اس مقام پر پہنچکر محو ہو جاتا ہے، جہاں تمام کام ختم ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی ذات کے علاوہ اور کچھ باقی نہیں رہتا) عزیز کے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اس مقام میں طلبگار دل سے جو سنا جائے وہ "انا" ہی ہوگا اور ہم اولاً بتا چکے ہیں کہ جو کوئی از خود اس کی طرف اشارہ کر کے "ھو" کہے اس سے وہ خود ہی کی طرف اشارہ کرتا اور کہتا ہے **ع**

آں عزیزے کہ راز مطلق گفت　　　راست جنید کو انا الحق گفت

(جو انا الحق کہنے کے لائق ہے اسی کے لئے راز مطلق کو بیان کرنا بھی مناسب ہے) بعض شیوخ کا بیان ہے کہ من عرف کے معنی یہ ہیں کہ اسم ذات "ھو" کے علاوہ تمام اسموں کو بھول جانا ہے، مطلب یہ کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے معنی فردیت سے آگاہ ہونا چاہتا ہے تو وہ عالم وحدت پر ایک نظر ڈالے، اور کثرت واضافت سے پرہیز کرے، اور یگانگت کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے اور جب ایک کو ایک دیکھ لے تو وحدت کے شامیانہ پر اس طرح حاضری دے کہ لاشعوری کا حامل ہو جائے، پھر فردِ وحدت میں غوطہ زن ہو جائے، اس وقت طالب کو خدا کے نام کے علاوہ کسی دوسرے نام کی یاد داشت کی کیسے سکت وطاقت رہ سکتی ہے!

اے برادر! اس کو جو کوئی پہچانتا ہے، ہمیشہ بےچون وچرا پہچانتا ہے اور بیچون کیطرف اشارہ کرنا محال ہے، اور بیچوں سے مراد گمراہی ہے اور یہ ایک بڑا راز ہے لا الٰہ الا اللہ اور قاعدہ یہ ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے اس کا تذکرہ بھی کثرت سے ہوتا ہے، لیکن ابتدائے عشق میں جب اس کے گلی کوچہ کا ذکر ہو تو ذرا صبر کرو، اور اگر عالم وفاضل بن کر اس تک رسائی کرنا چاہو گے، تو قاعدہ یہ ہے کہ جس کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے وہ ہمیشہ دُور نہیں

رہتا، اس لئے اپنا جمال ضرور دکھائے گا، اور بیچارہ عاشق اپنے دردِ دل کے ساتھ ہمیشہ یہی کہتا رہتا ہے ؎

گر عاقلے حدیث تو کم کنمے! | راہِ سر گفتگوئے محکم کنمے
پس سوختۂ چند فراہم کنمے | بر گفتۂ بگریے و ماتم کنمے

(اگر میں کچھ عقل رکھتا تو آپ کا تذکرہ کم کرتا، کاش اسرارِ خداوندی کی میں نے پختہ گفتگو کی ہوتی کچھ دل جلے لوگوں کو جمع کر لیتا، کاش میں نے اپنے کہے پر گریہ وزاری اور ماتم کیا ہوتا)

واہ! اللہ کی ذات پر نظر ڈالنے سے ہر ایک یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جس طرح تو نے اپنی تعریف فرمائی ہے میں اتنی تیری تعریف کرنے پر قدرت نہیں رکھتا، یہ بھی ایک راز ہے، خدا کی قسم، اگر ابتدائً یہ معنی جبہ کا اظہار کشف کی انتہا میں بھی آدمی کو تھکا کر مردہ کر دیتا ہے اسکا اگر ظہور ہونے لگے تو روزانہ ایک سو بار استغفار پڑھنا چاہیئے، اور میں خود بھی سو مرتبہ یہی عمل کرتا ہوں، ننانوے بار تو ننانوے ناموں کے لئے اور ایک بار استغفار کے لئے،

اے بھائی! جو مقامِ تعریف میں چلنے کی طاقت نہیں رکھتا اس کو مقامِ توحید پر ہی اکتفار کر کے رک جانا چاہیئے تاکہ وہ یہ کہہ سکے کہ اے اللہ میں تیری تعریفیں پوری طرح بیان نہیں کر سکتا لا الٰہ الا اللہ **شعر** احبّ مناجات الحبیب باوجہٖ - ولکن لسان العاشقین کلیل

(میں حبیب کی مختلف طریقوں پر تعریف کرنا محبوب رکھتا ہوں، ــــ لیکن عاشقوں کی زبان بند ہے

شیخ جلال الدین تبریزی قدس سرہٗ

۵۳۲ ــــــــــــــ ۶۲۳ھ

آپ کا شمار بڑے کامل شیوخ میں سے تھا، چشتی خاندان کے مشائخ کی کتابوں میں آپ کے حالات ومناقب لکھے ہیں جو دیکھے جا سکتے ہیں،

فوائد الفوائد میں سلطان المشائخ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی رح شیخ ابو سعید تبریزی کے مریدوں میں سے تھے، آپ اپنے شیخ ابو سعید کی وفات کے بعد شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں گئے اور ان کی اتنی خدمت کی کہ کسی دوسرے مرید اور ارادتمند کو یہ بات نصیب نہ

ہوئی تھی، لوگ کہتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ ہر سال حج کے لئے تشریف لیجایا کرتے تھے، چونکہ بوڑھے اور کمزور ہوگئے تھے اور اشیاء خوردنی جو آپ کے ساتھ ہوتی تھیں بوجہ باسی ہوجانیکے آپکے مزاج کے موافق نہ ہوتی تھیں، اس لئے شیخ جلال تبریزی نے یہ ترکیب کی کہ ایک چولھا اور برتن اپنے ساتھ رکھتے تھے اور چولھے میں اتنی آگ جلاتے تھے جس سے اس کی گرمی کا اثر سر پر نہ ہوتا تھا اور ان کے مرشد جب کھانا طلب کرتے تو ان کے سامنے گرم گرم کھانا لاتے، خواجہ قطب الدین اور شیخ بہاؤ الدین سے آپ کے دوستانہ مراسم تھے جن کا تذکرہ چشتیہ خاندان کے مشائخ کی کتابوں میں بکثرت موجود ہے، شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دوست خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے دہلی کے زمانہ میں دہلی آئے تھے، شیخ نجم الدین صغری جو دہلی کے شیخ الاسلام تھے جن کی قبر برہان الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے پاس ہے، یہ شیخ الاسلام معلوم نہیں آپ کے کیوں مخالف ہوگئے اور آپ پر ایک بہت بُرے کام کی تہمت لگائی اور ایسی سازش کی جس کی وجہ سے آپکو وطن ترک کرکے بنگال جانا پڑا، بنگال میں قیام کے زمانے میں آپ ایکدن دریا کے کنارے بیٹھے تھے کہ اچانک اُٹھ کر تازہ وضو کرنے لگے، اور حاضرین سے فرمایا کہ آؤ شیخ الاسلام دہلوی کی نماز جنازہ پڑھ لیں جن کا حال ہی میں انتقال ہوگیا ہے، دہلی اور بنگال میں اتنی طویل مسافت کے باوجود شیخ جلال الدین تبریزی نے اپنی زبان میں شیخ الاسلام کی وفات کی اطلاع دی، اور شیخ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی، پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہوکر فرمانے لگے، شیخ الاسلام نے ہم کو دہلی سے نکالا اور ہمارے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی نے ان کو دنیا سے نکالدیا، (یعنی ان کے لئے مرجانے کی خدا سے دعا کی چنانچہ وہ مقبول ہوئی اور شیخ الاسلام فوت ہوگئے۔ فاضل) نیز فوائد الفوائد میں بحوالہ سلطان المشائخ لکھا ہے کہ شیخ جلال الدین نے دہلی میں بہت کم عرصہ قیام کیا اور پھر وہاں سے چلے گئے، وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں جب دہلی آیا تھا تو خالص سونا تھا (یعنی خدا سے قوی رابطہ قائم تھا۔ فاضل ۱۲) اور اب چاندی ہوں معلوم نہیں آئندہ چلکر کیا بنجاؤں، اسی موقع پر یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ بدایوں کے قیام کے زمانے میں ایک روز اپنے مکان کی چوکھٹ پر بیٹھے تھے اور سامنے ایک دہی بیچنے والا دہی کا مٹکہ اپنے سر پر رکھے ہوئے گزرا جو فی الواقع چور اور ڈاکو تھا اور اسکی جماعت

کے دوسرے افراد بدایوں کے گرد و نواح میں رہا کرتے تھے، اس نے ایک نظر شیخ جلال الدین تبریزی کے چہرے کو دیکھا اور ایک ہی بار دیکھنے سے اسکا باطن تبدیل ہوگیا اور جب شیخ نے اسکو غور سے دیکھا تو وہ چور کہنے لگا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں ایسے لوگ بھی ہیں، (جن کو ایک نظر دیکھ کر انسان کی اندرونی کیفیات تبدیل ہو جاتی ہیں۔ فاضل ۱۲) اور آپکے دست اقدس پر فوراً مسلمان ہوگیا، آپ نے اس کا پہلا نام بدل کر اسلامی نام "علی" رکھدیا، وہ مسلمان ہونے کے بعد اپنے گھر گیا اور گھر سے ایک لاکھ جتیل (ایک قسم کا سکہ ہے) لایا اور شیخ کی خدمت میں پیش کیا، شیخ نے اسکا نذرانۂ محبت قبول فرمایا اور حکم دیا کہ اس نقدی کو اپنے پاس رکھو اور میں جسے کہوں دیتے جاؤ، غرضیکہ آپ نے یہ نقدی تقسیم کرنا شروع فرما دی، کسی کو سَو، کسی کو پچاس، کسی کو کم کسی کو زیادہ اور پانچ جتیل سے کم کسی کو نہ دیتے تھے، تھوڑی ہی دیر میں تمام رقم ختم ہوگئی اور قاسم کے پاس صرف ایک جتیل باقی بچا، اس علی کا بیان ہے کہ میرے دل میں آیا کہ میرے پاس تو صرف ایک جتیل باقی بچا ہے اور شیخ پانچ سے کم کا کسی کو دینے کا حکم نہیں دیتے، اگر اب کے آپ کسی کو دینے کا حکم دینگے تو کیا کروں گا (وہ کہتا ہے کہ) میں ابھی (یہی) سوچ رہا تھا کہ ایک فقیر نے آکر سوال کیا اور شیخ نے مجھے حکم دیا کہ اسے ایک جتیل دیدو، اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردی رح جب حج سے واپس تشریف لائے تو اہلِ بغداد کا آپ کے پاس ہجوم اکٹھا ہوگیا اور ہر ایک نے اپنی اپنی ہمت و طاقت کے موافق زر، نقد و اجناس وغیرہ بہت کچھ آپ کی خدمت میں پیش کیا، اسی اثنا میں ایک بوڑھی عورت حاضر ہوئی اور اُسنے شیخ کیخدمت میں ایک درہم پیش کیا جس کو اس بڑھیا نے شیخ کے سامنے اپنی پرانی چادر کی گرہ سے کھول کر نکالا تھا، شیخ نے بڑھیا کا پیش کردہ درہم تمام تحفوں کے اوپر نمایاں طور پر رکھدیا، پھر تمام حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے آپ میں سے ہر ایک اپنی اپنی پسند کے موافق ان تحفوں کے ڈھیر میں سے جو چاہے اُٹھالے چنانچہ سب آدمیوں نے اپنی اپنی پسند کے موافق زر و نقد، روپوں کی تھیلیاں اور دوسری قسم کا اسباب اُٹھالیا، اس موقع پر شیخ جلال الدین تبریزیؒ بھی موجود تھے آپ کیجانب شیخ سہروردی رح نے اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ آپ بھی کسی چیز کو پسند کرکے لے لیں،

چنانچہ شیخ تبریزیؒ نے وہ درہم اٹھالیا جو بڑھیا نے شیخ کی خدمت میں پیش کیا، شیخ سہروردیؒ نے یہ دیکھ کر شیخ جلال الدین سے فرمایا کہ تم نے تو سب کچھ لے لیا،

لوگوں کا بیان ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ اور شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے باہم متعدد سفر کئے ہیں، ایک مرتبہ یہ دونوں بزرگ ایک شہر پہنچے تو اس شہر میں شیخ فریدالدین عطارؒ بھی موجود تھے، شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کا یہ اصول تھا کہ جب کسی نئی جگہ میں تشریف لیجاتے تو وہاں پہنچنے کے بعد عبادت میں مشغول ہوجایا کرتے تھے اور شیخ جلال الدین تبریزی شہر کی سیر وسیاحت کو نکل جاتے، شیخ تبریزی، شیخ فریدالدین عطار کو ایک جگہ بیٹھا دیکھکر ان کے انوارِ کمالات کو دیکھ کر ششدر وحیران رہ گئے، پھر اپنی قیامگاہ پر واپس آکر شیخ بہاؤالدین سے کہا کہ آج میں نے ایک شاہباز دیکھا ہے جس نے مجھے از خود رفتہ وحیران کردیا ہے جس کے جواب میں شیخ بہاؤالدین نے پوچھا کیا اسوقت تم نے اپنے شیخ ومرشد کے جمال باکمال کو سامنے رکھا تھا؟ تو جلال الدین تبریزیؒ نے کہا کہ اس بزرگ کو دیکھ کر میں سب کچھ بھول گیا، اُس دن کے بعد شیخ جلال الدین تبریزی اور شیخ بہاؤالدین ایک دوسرے سے الگ ہوگئے،

اسی کتاب فوائد الفوائد میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کو ایک خط میں یہ لکھا تھا، جو عورتیں بکثرت رکھتا ہے وہ کبھی اپنی مراد تک نہیں پہنچتا اور جسکا دل صنعت گری میں لگا رہے وہ دنیا کا غلام ہے، حضرت سید محمد گیسو دراز نے اپنے ملفوظات "جوامع الکلم" میں لکھا ہے کہ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر بچپن کے زمانے میں خدا کی یاد کثرت سے کیا کرتے تھے، آپ کے اسی استغراق کی وجہ سے لوگ آپ کو دیوانہ قاضی بچہ کہا کرتے تھے، ایک دفعہ شیخ جلال الدین ملتان تشریف لے گئے اور وہاں لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کوئی درویش ہے؟ لوگوں نے کہا کہ دیوانہ سا ایک بچہ تو ہے جو جامع مسجد میں پڑا رہتا ہے، شیخ تبریزی اس لڑکے کو دیکھنے کے لئے جامع مسجد تشریف لائے اور اپنے پاس سے ایک انار اس بچہ کو دے دیا، یہ لڑکا چونکہ اس دن روزے سے تھا اس لئے اس نے انار کے دانے نکال کر لوگوں میں تقسیم کردیئے اور ان دانوں میں سے ایک دانہ زمین پر گر گیا تھا اس کو اُٹھا کر شام کو اسی سے روزہ افطار فرمالیا، اسی روز سے اس لڑکے کے روحانی مراتب میں ترقی ہوتی گئی، اس

نے خود کہا ہے کہ اگر میں پورا انار کھالیتا تو مجھے متعدد فائدے نصیب ہوتے وہ لڑکا جب جوان ہوا تو شیخ الاسلام قطب الدین بختیار کاکی رح کا مرید ہوگیا تو یہ واقعہ اپنے شیخ کو سنایا، شیخ الاسلام نے فرمایا، بابا فرید جو کچھ تھا صرف اسی ایک دانہ ہی میں تھا جو تمہارے لئے رہ گیا تھا، سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ جس زمانہ میں شیخ جلال الدین تبریزی رح اور فرید الدین مسعود شکر گنج میں مکالمہ ہوا اس وقت شیخ گنج شکر کے تمام کپڑے پرانے اور پھٹے ہوئے تھے، جب ہوا تیز چلتی تو شیخ گنج شکر اپنی عبا (قمیص) کے دامن سے اپنے پھٹے ہوئے پاجامہ کو ڈھانک لیتے، شیخ تبریزیؒ نے وجہ دریافت کی، تو بابا فرید نے جواب دیا کہ یہ فقیر جب بخارا میں تعلیم حاصل کر رہا تھا تو وہاں سات سال تک کوئی کپڑا نہیں پہنا، البتہ ایک تولیہ تھا جس سے اپنے جسم کو چھپائے رکھتا تھا، دل کو ایک مرکز پر لاؤ اور دیکھو مستقبل میں کیا ہوگا، سلطان المشائخ فرمایا کرتے تھے کہ بابا فرید گنج شکر سے شیخ جلال الدین کی دلی مرادیں پوری ہوئیں، شیخ تبریزی رح کا مزار بنگال میں مرجع خاص و عام ہے،

شیخ نظام الدین ابو المؤید قدس سرہٗ

۶۷۲ ـــــــــــــــ ۷۲۵ھ

آپ سلطان شمس الدین کے زمانہ کے مشہور بزرگوں میں سے تھے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کے ہم زمانہ تھے، شیخ نظام اولیاءؒ نے بھی آپ کو دیکھا ہے، میر حسن اپنی (مشہور) کتاب فوائد الفوائد میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ شیخ نظام الدین اولیاء سے پوچھا کہ آپ کبھی ابو المؤید کی مجلسِ وعظ میں تشریف لے گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں! مگر اس وقت میں کم عمر لڑکا تھا اس لئے آپ کے وعظ میں مضامین کے مطالب کو اچھی طرح اخذ نہ کر سکتا تھا، ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں ان کی مجلسِ وعظ میں گیا، دیکھا کہ وہ جوتا پہنے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہیں، پھر انھوں نے اپنا جوتا اُتار کر اپنے ہاتھ میں لیا اور مسجد میں تشریف لاکر دو رکعت نفل ادا کیئے، میں نے اُن کی طرح کسی کو (اس سے پہلے اس طرح) اطمینان اور سکون سے نماز پڑھتے نہیں دیکھا تھا، انھوں نے پورے سکون اور اطمینان کیساتھ دو رکعت

نماز پڑھی، بعدہٗ منبر پر تشریف لائے، قبل اس کے کہ آپ اپنے بیان کا آغاز فرماتے، مشہور قاری قاسم نے خوش الحانی سے قرأت کی، بعدہٗ آپ نے اپنے کلام کا آغاز کیا اور فرمایا کہ میں نے اپنے بابا کی تحریر دیکھی ہے، آپ ابھی کچھ اور کہنے نہ پائے تھے کہ اسی بات کا حاضرین کے دل پر اثر ہوا اور وہ تمام گریہ وزاری کرنے لگے تب آپ نے یہ دو مصرعے پڑھے

بر عشق تو دیر تو نظر خواہم کرد   جان در غم تو زیر و زبر خواہم کرد

(میں آپ کے عشق اور آپ کو ایک بار دیکھوں گا، پھر آپ کے غم میں اپنی عمر برباد کردونگا) آپ نے ابھی یہی کہا تھا کہ تمام حاضرین نعرے لگانے لگے (پھر سے رونے لگے) آپ نے اُنھیں دو مصرعوں کو تکرار سے دو تین بار پڑھنے کے بعد فرمایا، اے مسلمانو! اس رباعی کے دو مصرعے بھول گیا ہوں، اب کیا کروں، یہ جملے آپ نے کچھ اس طرح عاجزی اور انکساری سے فرمائے کہ سامعین پر پھر ایک خاص اثر ہوا، اس کے بعد مقررہ قاری نے وہ دو مصرعے یاد دلائے

پُر درد دلے بخاک در خواہم شد   پُر عشق سرے زگور بر خواہم کرد

(میں درد سے لبریز دل کے ساتھ خاک میں مل جاؤں گا اور عشق کا سودا لئے دقیامت کے دن) قبر سے نکلوں گا) آخر کار آپ یہ پوری مکمل رباعی پڑھ کر منبر سے اُتر آئے، آپ کے دادا کا لقب شمس العارفین تھا، اور شیخ جمال کوئی جن کا مزار کول میں ہے آپ کی اولاد میں سے ہیں جن کی وفات ــــــــ میں ہوئی،

شیخ برہان الدین محمود رح

۱۲۰۹ ــــــــــــــــ ۱۲۸۸ء

آپ کے والدِ ماجد کا اسم گرامی ابوالخیر اسعد بلخیؒ تھا، آپ شیخ غیاث الدین بلبن کے زمانے کے بہت بڑے عالم تھے، علم و فہم میں کامل اور وجد و سماع کے رسیا تھے، علوم شریعت و طریقت کے جامع اور شعر و شاعری سے بڑا لگاؤ رکھتے تھے، فقیری اور درویشی سے متعلق آپ کے اشعار میں سے ایک یہ شعر ہے ؎

گر کرمت عام شد رفت زبرہان عذاب   در بعمل حکم شد دہ کہ چہا دید نیست

(اگر آپ کا کرم عام ہو گیا تو برہان کو عذاب سے نجات مل گئی، اگر کوئی اور حکم دیتا ہے تو دیکھ دیکھا لیا۔)

شیخ برہان الدین محمود وہ بزرگ عالم تھے جنہوں نے "مشارقِ حدیث" اس کے مؤلف ہی سے پڑھی تھی،

حکایت شیخ برہان الدین محمود فرمایا کرتے تھے کہ جب میری عمر تقریباً چھ، سات برس کی تھی تو ایک مرتبہ میں اپنے والدِ محترم کے ساتھ کہیں جا رہا تھا اتفاقاً راستہ میں صاحبِ ہدایہ" علامہ برہان الدین مرغینانی کی آمد کی آواز سنائی دی تو والد صاحب مجھے چھوڑ کر قریب کی ایک گلی میں چلے گئے، ابھی میں وہیں کھڑا تھا کہ علامہ برہان الدین مرغینانی کی سواری آگئی، میں نے آگے بڑھکر آپ کو بڑے ادب سے سلام کیا، آپ نے مجھے ذرا غور سے دیکھنے کے بعد فرمایا "اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات کے کہنے کا حکم دیا ہے کہ یہ لڑکا آئندہ اپنے زمانے کا بڑا عالم و فاضل ہوگا" یہ سُن کر میں تھوڑی دور تک آپ کے ساتھ چلتا رہا، پھر آپ نے فرمایا کہ خدا مجھ سے کہلوا رہے ہیں کہ یہ بچہ آئندہ اتنا بڑا ہوگا کہ شاہانِ وقت اس کے دروازے پر (فیض حاصل کرنے کے لئے) آیا کریں گے،

حکایت شیخ برہان الدین محمود اکثر و بیشتر یہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ میرے کسی کبیرہ گناہ کی دریافت و تفتیش نہیں کریں گے، البتہ مجھ سے ایک گناہ کبیرہ ہوا جس کے بارے میں ضرور سوال فرمائیں گے، لوگوں نے پوچھا، آپ کا وہ کبیرا گناہ کونسا ہے؟ جواب میں فرمایا میرا کبیرہ گناہ ہے ستار سننا، اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے ستار بہت سُنا ہے، اگر اب بھی قابو پاؤں تو ضرور سُنوں، آپ کا مزار حوضِ شمسی کی مشرقی سمت ہے جسے لوگ "تختۂ نور" کہتے ہیں اور متبرک سمجھ کر زیارت کرنے آیا کرتے ہیں، نیز یہاں کے باشندے اپنے بچوں کو آپ کے مزار کی مٹی چٹاتے ہیں تاکہ حصولِ علم میں مزید خیر و برکت ہو، اسی وجہ سے آپ کی قبر نیچے کی طرف سے ٹوٹ جاتی ہے، جسے پھر از سرِ نو تعمیر کیا جاتا ہے،

شیخ احمد نہروانی رح

۵۷۹ ——— ۶۶۱ھ

آپ قاضی حمید الدین محمد بن عطا، ناگوری کے خاص مرید اور کامل بزرگ تھے اور باعتبار پیشہ کے جولاہے تھے، شیخ الاسلام بہاؤالدین ذکریا فرمایا کرتے تھے، اگر کوئی شیخ احمد نہروانی

کے مشغول بحق ہونیکا اندازہ لگائیے تو دس صوفیوں کے اشغال بالذکر سے کم نہ پائیگا، سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء نے فرمایا جس مجلسِ سماع میں بختیار کاکیؒ کو خاص واقعہ پیش آیا اس اس مجلس میں شیخ احمد نہروانی بھی موجود تھے،

شیخ نصیر الدین محمود چراغ آپ کے بارے میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ شیخ احمد نہروانی کو کبھی کبھی کرگھے پر کام کرتے وقت حالتِ وجد طاری ہو جاتی تھی اور اس وجہ سے آپ کپڑا بننا چھوڑ دیتے تھے، لیکن کرگھا چلتا رہتا اور کپڑا خود بخود تیار ہوتا رہتا، ایک دفعہ قاضی حمید الدین ناگوری (جن کے حالات پہلے گزر چکے) آپ کے ہاں بغرض ملاقات تشریف لائے اور جاتے وقت فرمانے لگے شیخ احمد کب تک اس کام میں لگے رہو گے؟ یہ فرما کر قاضی صاحب تو تشریف لے گئے اور شیخ احمد نہروانی ان میخوں کو کسنے کے لئے اُٹھے جو ڈھیلی پڑ گئی تھیں، ابھی ایک میخ کسنا ہی چاہتے تھے کہ آپ کا ہاتھ ٹوٹ گیا جس پر شیخ احمد نہروانی نے ہندی زبان میں فرمایا کہ پیر قاضی حمید الدین نے میرا ہاتھ توڑ دیا،

اس واقعہ کے بعد آپ نے جولاہوں کا پیشہ ترک فرما دیا اور مکمل طور پر یادِ الٰہی میں مصروف و مشغول ہو گئے، آپ کا مزار بدایوں میں ہے۔

شیخ محمد ترک نارنولی رحمۃ اللہ

۵۶۷ ــــــــــــ ۶۴۲ھ

آپ کا اصل وطن ترکستان تھا وہاں سے آکر نارنول میں سکونت پذیر ہوئے، لوگوں کا بیان ہے کہ آپ خواجہ عثمانی ہارونی کے مرید تھے، ملفوظات مشائخین میں ذکر دیکھنے میں نہیں آیا، نارنول کے رہنے والے لوگ آپ کو پیر ترک اور ترک سلطان کہا کرتے تھے، آپ کا مزار عام و خاص لوگوں کا مرجع ہے، نارنول میں ایک حوض کے کنارے آپ کا مزار تھا، وہ حوض ٹوٹ پھوٹ گیا اور اب اس جگہ شہری آبادی ہے،

جب آپ نارنول پہنچے ہیں تو اس وقت مجرد، متوکل اور عورتوں کی مجلس سے دور رہتے تھے، آپ کے کوئی بال بچہ بھی نہ تھا، آپ بیعت نہیں کیا کرتے تھے اسی لئے آپ کا کوئی

شخص مرید نہیں ،

حکایت اسلام کے ابتدائی دور میں نارنول میں کافروں کی بڑی قوت تھی ، مسلمان بہت تھوڑی مقدار میں تھے اور ہندو موقع کی تاک میں رہتے ، عید کے روز جب تمام مسلمان عید کی نماز پڑھ رہے تھے ہندوں نے یکدم اور اچانک حملہ کر دیا اور مسلمانوں پر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑے ، اس حملے میں اکثر و بیشتر مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا ، اور شیخ محمد ترک بھی اسی دن شہید ہوئے ، اکثر شہداء کو تھذپال کے حوض کے ایک کنارے سپردِ خاک کیا گیا اور شیخ کو ان کی جائے سکونت میں دفن کیا گیا ، اس گنجِ شہداء میں دو شہید اور بھی مدفون ہیں ، ایک کا مزار بلندی پر ہے جنکو بلند شہید کہتے ہیں اور دوسرے کا مزار نیچے ہے جنھیں نشیب شہید کہتے ہیں ، دونوں شہید قرآن کریم کے حافظ تھے ، بعض بزرگوں نے ان دونوں شہیدوں کی قبروں سے قرآن کریم کی تلاوت کی آواز سنی ہے ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں قرآن کریم کا دَور کر رہے ہیں ایک پڑھ رہا ہے اور دوسرا سُن رہا ہے اور دونوں کے دونوں قرآن کو دُہرا رہے ہیں۔

حکایت ایک مرتبہ شیخ محمود چراغ دہلوی کو کسی بادشاہ نے جبراً ٹھٹھہ کی طرف جانے کا حکم دیا ، چنانچہ آپ نارنول سے ٹھٹھہ کیجانب روانہ ہوگئے ، نارنول سے تقریباً دو میل دُور گئے تھے کہ محافظانِ حکومت کی حراست سے نکل کر شیخ محمد ترک کے مقبرے کی جانب متوجہ ہوئے ، مقبرے میں ان کی قبر کے سامنے ہی ایک پتھر لگا ہوا ہے ، پہلے کچھ دیر اس پتھر کیجانب متوجہ رہے پھر آپ نے شیخ محمد ترک کی قبر کیجانب رُخ فرمایا ، جب زیارت سے فارغ ہوگئے تو لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ اس میں کیا راز تھا کہ ابتداءً آپ نصب شدہ پتھر کیجانب اور پھر قبر کی طرف متوجہ ہوئے ، آپ نے جواب دیا کہ وہ خادم بڑا ہی خوش نصیب ہے ، جسے آقا اور مخدوم اس کے گھر خود نوازنے کے لئے تشریف لائے اور اسے سرفراز کرے ، میں نے اس پتھر کے اوپر سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانیت جلوہ نما دیکھی ، اور جب کشفِ معانی رہا میں نے اس پتھر کیجانب رُخ کئے رکھا پھر جب کشفِ معانی میری نظروں سے اوجھل اور دُور ہوگیا تو میں شیخ محمد ترک کی تربت کی طرف متوجہ ہوا ، اس کے بعد چراغ دہلوی سرنگوں ہو کر مراقبہ میں مصروف و منہمک ہوگئے ذرا دیر بعد مراقبہ سے

سر اٹھا کر فرمایا جس کو کوئی مشکل درپیش ہو وہ اس روضہ کی جانب متوجہ ہو (اور خدا سے دعا کرے۔ فاضل ۱۲) تو امید ہے کہ اس کی مشکل آسان ہو جائے گی، ان نگران سپاہیوں میں سے ایک گستاخ سپاہی نے کہا اب آپ خود مشکل میں مبتلا ہیں (اپنی مشکل تو آسان ہو نہیں رہی اور دوسروں کی مشکل کشائی کی رہنمائی کر رہے ہیں) آپ نے فرمایا، ہاں میرے کہنے کا بھی مطلب یہی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے میری مشکل آسان فرما دیں گے (چنانچہ آپ مزار سے روانہ ہو گئے) ابھی آپ نارنول سے پانچ ہی میل آگے بڑھے ہونگے کہ بادشاہ وقت کی مرگ کی اطلاع ملی اور شیخ چراغ دہلوی پھر واپس تشریف لے گئے، وہ پتھر (جس کا اوپر ذکر ہے) اب تک شیخ محمد ترک کے مزار کے سامنے موجود ہے اور لوگ اس کی زیارت کرنے آتے رہتے ہیں،

شیخ ترک بیابانیؒ

۱۸ھ ———— ۷۷۱ھ

آپ شاہ ترکمان کے لقب سے مشہور تھے، لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مریدوں میں سے تھے، آپ کے کچھ بھی حالات معلوم نہ ہو سکے جو دائرۂ تحریر میں لائے جاتے، آپ کی قبر دہلی میں قلعہ کے پاس فیروز آباد کی جانب ہے،

شیخ شاہی موئے تابؒ

۵۰۲ ———— ۶۵۸ھ

آپ بدایوں کے رہنے والے تھے، قاضی حمید الدین ناگوری آپ کو "شاہ روشن ضمیر" کہا کرتے تھے، آپ کو قاضی صاحب موصوف نے خرقہ پہنا کر "شیخ محمود موئینہ دوز کی طرف کہلا بھیجا، کہ آج میں نے یہ کام کیا ہے کہ ایک بادشاہ کو گودڑی پہنا دی ہے، امید ہے کہ یہ بات آپ کو پسند آئے گی، چنانچہ شیخ محمود موئینہ دوز نے قاضی صاحب کو جواب میں کہا کہ آپ جو کچھ کریں قابلِ پسندیدگی ہے،

حکایت ایک دن شیخ شاہی موئے تاب کے کچھ دوست دھوپ میں اتنی دیر تک کھڑے رہے کہ ان کے بدن سے خون پسینہ بہنے لگا، اپنے دوستوں کی یہ حالت دیکھ کر شیخ نے اُسی وقت ایک خون نکالنے والے کو بُلوایا، لوگوں نے عرض کیا کہ آپ اس سے کیا کام لینا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میرے دوستوں کا جتنا پسینہ نکلا ہے میں اتنا خون اپنے بدن سے نکلوا دوں گا،

خیر المجالس میں یہ تمام واقعہ اس تفصیل سے لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ کے چند دوست آپ کو (کسی کام سے) کہیں باہر لے گئے وہاں ان لوگوں نے کھیر پکائی جب کھیر پک گئی، تو کھانے کے لئے دستر خوان بچھایا گیا شیخ نے کھانے کی طرف دیکھ فرمایا، اس کھانے سے خیانت کی بُو آرہی ہے میں اسے ہرگز نہیں کھاؤں گا، تمام دوستوں نے حیران ہو کر عرض کی، ہم میں سے کسی نے بھی خیانت نہیں کی ہے، لیکن وہ دو ساتھی جو کھیر پکانے پر مقرر کئے گئے تھے، آگے بڑھے اور کہنے لگے کہ جب دودھ کو اُبال آرہا تھا اور جھاگ بہہ رہے تھے اس وقت ہمارے پاس دوسرا کوئی ایسا برتن نہ تھا جس میں کچھ دودھ نکال لیتے تاکہ وہ گرنے نہ پائے ہم نے مجبور ہو کر کچھ دودھ نکال کر پی لیا کہ گرنے سے تو یہی بہتر ہے، اس پر شیخ نے فرمایا کہ دوستوں کے سامنے کھانا رکھنے سے پہلے جو کوئی اس سے کھا لیتا ہے وہ خیانت کرتا ہے،
ان دونوں نے بہت عذر پیش کیا مگر آپ نے اُنکی عذر خواہی قبول نہ کی اور ان دونوں کو شرمندہ ہونا پڑا، چونکہ گرمی کا زمانہ تھا اس لئے کھڑے کھڑے ان کو اتنا پسینہ آیا کہ بدن سے ٹپکنے لگا، یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ جاؤ اس مرتبہ تو معاف کیا آئندہ ایسا فعل نہ کرنا اس کے بعد خون نکالنے والے کو بُلوایا اور فرمایا کہ میرے دوستوں کا جتنا پسینہ بہا ہے اتنا خون میرے بدن سے نکال کر زمین پر بہا دو، شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ آپ کو اپنے دوستوں سے محبت اتنی تھی کہ اپنے بدن سے خون بہا دینے کا حکم دیتے تھے اور شریعت کے آداب کا اتنا خیال کہ ان کی عذر خواہی قبول نہیں فرماتے،

حکایت ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اتفاق سے شیخ نظام الدین اولیاء بیمار ہو گئے تو آپ نے شیخ شاہی موئے تاب کو بلا بھیجا اور فرمایا ہمت کیجئے کہ میری بیماری صحت سے

بدل جائے، شیخ شاہی موئے تاب نے عذر خواہی کے ساتھ کہا، آپ بزرگ اور مجھ سے یہ خواہش کرتے ہیں، میں تو ایک بازاری آدمی ہوں میں کیا کر سکتا ہوں، شیخ نظام الدین نے ان کا عذر قبول نہ کیا اور فرمایا کہ آپ میرے لیئے دعا کریں اور ہمت باندھیں تاکہ میری بیماری صحت سے بدل جائے، تو شیخ موئے تاب نے کہا اگر آپ مصر ہیں تو دو آدمی میرے پاس بُلوا لیجئے چنانچہ دو آدمی بُلوا لیئے گئے جن میں سے ایک کا نام شرف تھا جو نیک اور بہت صالح آدمی تھا اور دوسرا درزی تھا، شیخ موئے تاب نے ان دونوں سے کہا کہ شیخ نظام الدین اولیاء نے مجھے اس کام کا حکم دیا ہے جو کام میں کہوں اسمیں تم میری مدد کرو، شیخ کا جسم سر سے لے کر سینہ کے نیچے تک میرے سپرد ہے باقی ایک ایک ٹانگ تم میں سے ہر ایک کے حوالہ ہے، چنانچہ تینوں آدمی ازالۂ مرض کے لیئے مصروف کار ہو گئے اور شیخ نظام الدین اولیاء صحتیاب ہو گئے،

شیخ بدرالدین موئے تاب رح

۴۹۹ ــــــــــــــــــــ ۵۵۰ھ

آپ شیخ شاہی موئے تاب کے بھائی تھے، شاہی موئے تاب کی وصیت کے مطابق آپ خواجہ قطب الدین کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے تو خواجہ صاحب نے فرمایا آیئے شیخ بدرالدین آپ تو خود ولی ہیں، آپ کا مزار بدایوں میں نماز گاہ شمسی کے عقب میں واقع ہے، آپ پر اللہ کی رحمتیں ہوں،

شیخ محمود موئینہ دوز رح

۵۸۸ ــــــــــــــــــــ ۶۵۵ھ

آپ قاضی حمید الدین ناگوری رح کے مرید اور خواجہ قطب الدین رح کے عقیدت مندوں اور دوستوں میں سے تھے، خواجہ صاحب کی اکثر و بیشتر مجالس میں آپ شریک رہتے تھے، خواجہ رح کے ملفوظات میں آپ کا کثرت سے ذکر کیا گیا ہے، آپ کا مزار بھی خواجہ صاحب کے مقبرے کے نزدیک اس دروازے کے باہر ہے جو حوض شمسی کیجانب ہے، حاجتمند لوگ آپکے

مزار پر آکرایک پتھر اٹھاکرایک جانب رکھدیتے ہیں، اور جب مراد پوری ہوجاتی ہے تو اس پتھر کے وزن کے برابر شکر بانٹتے ہیں۔

مولانا مجدالدین حاجیؒ

۵۷۲ ــــــــــــــــ ۶۲۳ھ

بزرگوں کے وہ تمام ملفوظات جو ہمارے مطالعہ سے گزرے مولانا مجدالدین حاجیؒ کا ان میں سے کسی ایک میں بھی ذکر نہیں، البتہ بعض بزرگوں سے زبانی سُنا ہے کہ مولانا مجدالدین حاجیؒ بھی ایک بزرگ تھے اور سلسلہ سہروردیہ میں شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے، آپ نے بارہ حج فرمائے تھے اور دہلی میں رہتے تھے، اسی زمانہ میں سلطان شمس الدین التمش نے آپ کو دہلی کا وزیرانتظامات مقرر کردیا، چونکہ آپ نے اس عہدہ کو بطیب خاطر اور برضاورغبت قبول نہیں فرمایا تھا اس لئے دو سال تک وزارت متعلقہ کے جملہ کام احسن طریق اور بہترین نظم ونسق سے انجام دینے کے بعد سلطان کی خدمت میں عرض کیا کہ اب تو فقیر کو اس کام سے معذور تصور کرتے ہوئے معاف فرمائیں چنانچہ سلطان نے آپکی بات کو تسلیم کرتے ہوئے آپ کو عہدۂ وزارت سے سبکدوش کردیا، بقرعید کے تین دن جو عام طور پر کھانا کھلانے کے ہیں اس علاقہ کے رہنے والے شہر سے نکل کر حاجی رح کے مزار پر جمع ہوتے ہیں اور اس اجتماع کو مولانا مجدالدین کا ختم کہتے ہیں۔

شاہ خضرؒ

۵۴۹ ــــــــــــــــ ۵۹۹ھ

آپ قلندر قسم کے بزرگ تھے، روم کے رہنے والے تھے۔ آپ سے بیشمار کرامتیں ظاہر ہوا کرتی تھیں، ابتداءً آپ کسی کو اپنا مرید نہ فرمایا کرتے تھے، آپ خواجہ بختیار اوشی رح کی زندگی ہی میں دہلی تشریف لائے تھے، چنانچہ آپ نے خواجہ صاحبؒ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ خواجہ صاحبؒ نے اپنی کلاہ اور خرقہ شاہ خضر کی قیامگاہ پر بھجواکر رخصت کیا، اسکے بعد شاہ خضر کو جونپور جانے کا اتفاق ہوا، جب آپ موضع سرہر پور پہنچے تو وہاں شاہ قطبؒ آپ کے مرید

ہوگئے، آپ نے شاہ قطب کو خلافت دینے کے بعد پھر اپنے اصلی وطن روم کا رُخ کیا، اس وقت بھی ہندوستان میں آپ کا سلسلہ قائم ہے جس کو سلسلۂ قنطوریہ چشتیہ کہتے ہیں۔

شیخ بدرالدین غزنویؒ

۵۷۶ھ ——————— ۶۵۷ھ

آپ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے اور سماع کے بڑے رسیا اور شوقین تھے آپ کے زمانے کے مشائخ آپ کی بزرگی کا اعتراف کیا کرتے تھے، آپ کا وعظ و پند بھی کیا کرتے تھے جس میں بہت عمدہ باتیں بہترین اسلوب سے بیان کیا کرتے تھے، آپ کی وعظ کی مجلسوں میں علاوہ دوسرے لوگوں کے شیخ فرید الدین گنج شکر کثرت سے شریک رہتے تھے، آپ ابتداءً غزنیں سے لاہور تشریف لائے اور یہاں سے دہلی منتقل ہوکر وہیں سکونت پذیر ہوکر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید ہوگئے۔

سیر الاولیاء میں بحوالہ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء منقول ہے کہ شیخ بدرالدین غزنویؒ کی حضرت خواجہ خضر سے جان پہچان تھی ایک مرتبہ شیخ غزنوی کے والد ماجد نے غزنویؒ سے فرمایا کہ خضر سے ہماری ملاقات بھی کرادو تو بہتر ہوگا۔

شیخ غزنوی ایک مرتبہ مسجد میں وعظ فرما رہے تھے ایک آدمی مجمع سے دُور ایک بلند جگہ پر بیٹھا ہوا تھا شیخ غزنوی نے اپنے والد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ شاہ خضر وہ بیٹھے ہوئے ہیں، شیخ غزنوی کے والد نے کہا کہ وعظ کے بعد ان سے ملاقات کروں گا چنانچہ جب وعظ ختم ہوا تو شاہِ خضر بھی اپنی جگہ سے روپوش ہوگئے، سلطان المشائخ کا بیان ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ بدرالدین غزنوی کی زبانی سنا ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اکثر و بیشتر یہ دوبیت پڑھا کرتے تھے،

رُباعی

سودائے تو اندر دلِ دیوانۂ ماست ہر جا کہ حدیث تست افسانۂ ماست
بیگانہ کہ از توگفت آں خویش من ست خویشی کہ نہ از توگفت بیگانۂ ماست

(ہمارے دیوانہ دل میں تمہارا عشق ہے، جہاں تمہارا ذکر ہے وہاں ہمارا افسانہ بھی ہے جو میرا

رشتہ دار نہیں وہ تمہارا ذکر کرنے کی وجہ سے میرا رشتہ دار ہے اور جو میرا رشتہ دار ہے اگر وہ تمہارا ذکر نہیں کرتا تو وہ بیگانہ اور دشمن ہے) نیز سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ بدرالدین غزنوی بوڑھے ہونے کی وجہ سے بیحد کمزور ہو گئے تھے لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ بوڑھے ہو گئے (مگر تعجب ہے) کہ رقص کس طرح کرتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ بوڑھا رقص نہیں کرتا بلکہ عشق رقص کرتا ہے جہاں عشق ہوتا ہے وہاں رقص بھی ہوتا ہے، اس سوال وجواب کی وجہ سلطان المشائخ یہ لکھتے ہیں کہ شیخ بدرالدین بوڑھے ہو جانے کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے مگر جب محفل غزنوی کا انعقاد ہوتا تو وہاں آپ بعض اشعار سُن کر قابو سے باہر ہو کر رقص کرنے لگتے تھے، آپ کا مزار خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے پائیں میں ہے۔

خواجہ لسبت رح

۴۰۰ ——— ۴۹۵ھ

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار سے شمالی جانب ذرا اونچائی پر ایک قبر ہے جسے خواجہ لسبتؒ کی قبر کہتے ہیں، لوگوں میں مشہور ہے کہ دہلی فتح ہونے سے پہلے آپ یہاں دفن کئے گئے تھے، یہ اس وقت کی بات ہے جب خواجہ بختیار کاکیؒ کا مقبرہ تعمیر نہ ہوا تھا، بہرحال خواجہ لسبتؒ کے حالات (بڑی جستجو اور تتبع سے) ہمیں معلوم نہ ہو سکے واللہ اعلم بالصواب

مولٰنا ناصح الدینؒ

۶۱۹ ——— ۷۱۲ھ

آپ قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے صاحبزادے اور سجادہ نشین تھے، سیر الاولیا، میں بحوالہ شیخ المشائخ منقول ہے کہ ایک شخص جسے لوگ عزیز بشیر کہا کرتے تھے خرقہ درویشی حاصل کرنے کی غرض سے بدایوں سے دہلی آیا، یہاں آتے ہی اس نے اسی نیت سے حوض سلطان پر لوگوں کو جمع کیا، اس اجتماع میں بہت سے درویش بھی موجود تھے، عزیز بشیر جو طالب خرقہ کے لئے دہلی آیا تھا حوض سلطان کی طرف دیکھ کر کہا کہ یہ حوض معمولی ہے اور بدایوں کا

حوض (المعروف باسم) حوض ساغر اس سے بہت اچھا ہے۔ اس اجتماع میں ایک شخص محمد کبیر نامی بھی موجود تھے جب انھوں نے یہ بات سُنی تو مولانا ناصح الدین سے عرض کیاکہ اسے خرقہ درویشی نہ دیناکیونکہ یہ شخص بڑا جھوٹا اور کذاب ہے۔

شیخ فخر الدینؒ

۶۰۹ ——— ۶۵۳ھ

آپ حضرت معین الدین چشتی کے لختِ جگر اور فرزندِ ارجمند تھے، کھیتی باڑی آپ کا محبوب مشغلہ تھا، اجمیر کے قریب آپ نے ایک گاؤں ماندل آباد کیا، ملفوظات مشائخین چشت میں ہے کہ حضرت معین الدین چشتیؒ کے لڑکے نے ایک گاؤں آباد کیا مگر اسوقت کا حاکم ان کو پریشان کرتا رہتا تھا جس کے دفعیہ کے لئے وہ دہلی آگئے، اس عبارت سے شیخ فخر الدینؒ ہی مراد ہیں۔ آپ اپنے والدِ بزرگوار کی وفات کے بعد بیس سال تک زندہ رہے، اجمیر سے بتیس ۳۲ میل کے فاصلے پر آپ نے قصبہ سروار میں وفات پائی۔ اسی قصبہ کے ایک حوض کے پاس آپکا مزار ہے

طبقۂ دوم

حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر اور اُنکے معاصرین، مُریدوں اور خلفاء کے حالات میں

خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ

۶۰۹ ——— ۶۶۸ھ

آپ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے خلیفہ اور خواجہ اجمیری سے فیض یافتہ تھے، آپکا شمار اکابر اولیاء کرام میں سے ہے۔ ریاضت، مجاہدہ، فقر اور ترکِ دنیا آپ کے محبوب ترین مشغلے تھے آپ کشف وکرامت کی علامت اور ذوق ومحبت کی درخشندہ نشانی تھے ہمیشہ سرِ خفی میں کوشاں رہتے، خود کو لوگوں کی نظروں سے چھپائے رکھتے اور ایک شہر سے دوسرے شہر کی جانب کوچ فرماتے رہتے۔ آخر کار اجودھن (موجودہ پاکپتن) تشریف لائے، یہاں کے

باشندے تندخو، ظاہر پرست اور خاصکر فقیروں اور درویشوں کے دشمن تھے، آپ نے اس جگہ پہنچ کر فرمایا کہ یہ مقام میرے رہنے کے مناسب ہے چنانچہ وہیں رہنے لگے، آپ کا یہاں پر کوئی پُرسانِ حال نہ تھا قصبہ کے باہر کریر کے درخت تھے ان میں سے ایک گھنے درخت کے نیچے بیٹھ کر یادِ الٰہی میں مشغول ہوگئے، یہاں کی مسجد میں اکثر و بیشتر نماز پڑھتے اور عبادت کرتے، یہیں آپ کے فرزند پیدا ہوگئے اور یہیں آپ نے فاقے کئے اور یہیں مجاہدے اور ریاضت کی صعوبتوں کو برداشت کرتے رہے چونکہ زبردست روحانیت کے مالک تھے اس لئے پوشیدہ نہ رہ سکے،

حکایت ایک دفعہ آپ کا زیب تن لباس پارہ پارہ اور بوسیدہ ہوگیا ایک شخص آپ کی خدمت میں ایک کرتہ لایا آپ نے وہ کرتہ زیب تن فرمایا اور پھر فوراً ہی اتار کر شیخ نجیب الدین المتوکل کو دیدیا اور فرمایا کہ جو لطف اور سرور مجھے اس پرانے کرتے میں ہے وہ نئے کرتے میں نہیں آتا۔

حکایت حضرت گنج شکرؒ کا معمول تھا کہ وہ اکثر و بیشتر شربت سے روزہ افطار فرمایا کرتے تھے، اسی عادت کے موافق جب افطار کا وقت ہوتا تو آپ کے سامنے ایک شربت کا گلاس جس میں منقّٰی کے دانے ہوتے پیش کیا جاتا جس میں سے آدھا بلکہ دو تہائی تو حاضرینِ مجلس میں تقسیم فرما دیتے اور باقی خود نوش فرماتے اور بعض دفعہ اس میں سے بھی کچھ کسی طلبگار کو دیا کرتے تھے پھر دو روغنی روٹیاں آپ کے سامنے پیش کی جاتی تھیں جن میں سے ایک ٹکڑا نوش فرما کر باقی حاضرینِ مجلس میں تقسیم کر دیتے اس کے بعد دسترخوان پر مختلف الاقسام کے کھانے چُنے جاتے جو تمام لوگ کھاتے اور آپ دوسرے دن افطار تک کچھ تناول نہ فرماتے سوتے وقت اسی کمبل کو جس پر دن کو بیٹھا کرتے تھے بچھونا بنا لیتے اور یہ کمبل اتنا چھوٹا تھا کہ اس کے بچھونے پر لیٹتے وقت آپ کے پاؤں اس سے باہر ہی رہتے تھے

حکایت حضرت نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے کہ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ اکثر و بیشتر زنبیل میں کی روٹی کھایا کرتے تھے اور افطار کے وقت زنبیل میں سے ایک دو ٹکڑے لازماً آپ کے سامنے لائے جاتے تھے، شیخ فرید الدین محمود کا بیان ہے کہ میں نے

ایک بڑی مدت تک شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی زنبیل گردانی کی ہے اور نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں حاضری دیتے وقت کئی مرتبہ کہا ہے کہ ہم جس رات شیخ گنج شکرؒ کے ہاں دلیہ یا کریر کے پھول پیٹ بھر کر کھا لیتے اُس دن ہماری عید ہو جاتی اور جو ہم سے بچتا وہ ہمارا ایک دوست چن لیتا جسے دوسرے سب لوگ کھا لیتے تھے البتہ جب دلیہ یا کریر کے پھول وغیرہ نہ ہوتے تو ہم زنبیل گردانی کرتے، نیز شیخ فریدالدین محمودؒ کا بیان ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت نظام الدین اولیاؒ کے ہاں بھی کئی سال تک زنبیل گردانی کی ہے اور ان تمام حضرات نے یہی معمولی سی غذا کھا کر اتنے اعلیٰ اور بلند ترین مقامات حاصل کئے ہیں۔

حکایت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کا نوکر ایک دن ایک پیسے کا نمک ادھار لیکر آیا جب اُس نے کھانا پکا کر شیخ کے پاس بھیجا تو آپ کو باطنی نور کے ذریعہ معلوم ہوا تو نوکر سے فرمایا کہ اس کھانے سے خیانت کی بُو آ رہی ہے میرے لئے یہ کھانا جائز نہیں (چنانچہ وہ کھانا واپس کر دیا اور کھایا نہیں۔

حکایت ایک دفعہ آپ کی بیوی نے آپ سے آکر عرض کیا کہ ایک لڑکا بہت سخت بیمار ہے (مطلب یہ تھا کہ اس کے علاج کی فکر کریں۔ فاضل ۱۲) اور بھوک کی شدت سے مر رہا ہے شیخ گنج شکرؒ نے سر اُٹھا کر جواب دیا کہ مسعود کیا کرے اگر موت آ جائے اور بھوک سے مر جائے اور دنیا سے سفر کر جائے تو اس کے پاؤں میں رسی باندھ کر باہر پھینک دو (یہ بیوی کے ذہن کا علاج تھا کہ اسے ہر جانب سے مایوس کر کے خدا کیجانب متوجہ کرنا تھا۔ فاضل ۱۲)

حکایت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ نے جب مجاہدہ کرنا چاہا تو اس سلسلے میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے عرض کیا آپ نے فرمایا طے کا روزہ رکھو (طے کا روزہ وہ ہوتا ہے جس میں افطار صرف پانی سے کرتے ہیں اور یہ کم از کم تین دن کا ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک سال، اس طرح روزہ رکھنا صوفیائے کرام کے ہاں ایک عام رسم ہے اور اکابر علمائے اسلام میں بھی بعض حضرات رمضان میں افطار صرف چائے وغیرہ سے کرنے کے بعد اور کچھ نہیں کھایا کرتے تھے رحمہم اللہ۔ فاضل ۱۲) چنانچہ شیخ گنج شکرؒ نے طے کے روزے رکھنے شروع کر دئے اور تین روز تک کچھ نہ کھایا، تیسرے روز افطار کے وقت ایک آدمی نے آپ

کے سامنے چند روٹیاں لاکر رکھیں، آپ سمجھے کہ غیب سے آئی ہیں اور انھیں روٹیوں سے افطار کیا لیکن پیٹ نے انھیں قبول نہیں کیا اور کھایا پیا تمام باہر آگیا) آپ نے یہ واقعہ اپنے پیر و مرشد سے کہا تو انھوں نے فرمایا کہ اے مسعود! تم نے تین روز روزہ رکھنے کے بعد ایک شرابی کا کھانا کھایا لیکن اللہ کی عنایت نے تمہاری دستگیری فرمائی کہ تمہارے معدے میں اس غذا کو رہنے نہ دیا، اب جاؤ اور پھر تین دن طے کا روزہ رکھو اور غیب سے جو کچھ ملے اس کو کھا کر گزر کرو چنانچہ شیخ گنج شکر نے پھر تین دن طے کا روزہ رکھا اور شام کو کوئی کھانا میسر نہ ہوا، یہاں تک کہ رات کا ایک پہر گزر گیا اور کمزوری بڑھ گئی بھوک کی حرارت سے بدن جلنے لگا، اس عالم بیتابی میں آپ نے ہاتھ بڑھا کر زمین سے کچھ سنگریزے اٹھا کر منہ میں ڈالے تو وہ شکر ہو گئے آپ کو فوراً خیال آیا کہ ہو سکتا ہے یہ بھی شیطانی کرشمہ ہو اس لئے ان سنگریزوں کو تھوک دیا، اور پھر یاد الٰہی میں مصروف ہو گئے جب آدھی رات ہو گئی تو کمزوری پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی آپ نے پھر زمین سے کچھ سنگریزے اٹھا کر منہ میں ڈال لئے وہ پھر شکر بن گئے آپ نے انھیں بھی تھوک دیا، آپ نے تین مرتبہ اس طرح کیا اور ہر مرتبہ یہی کرامت ظاہر ہوتی رہی تو یقین ہوا کہ یہ نعمت خداوندی ہے اس لئے انھیں کھایا، پھر دوسرے روز خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کی خدمت میں حاضری دی پیر و مرشد نے فرمایا کہ اچھا کیا جو سنگریزوں سے افطار کیا وہ غیب سے آئے تھے اب جاؤ شکر کی طرح ہمیشہ شیریں رہو گے اُس دن سے شیخ فریدالدین مسعود کو لوگ گنج شکر کہتے ہیں اور سیر الاولیاء میں بھی یہی واقعہ لکھا ہے، آپ کے گنج شکر ہونے کی وجہ تسمیہ کا ایک واقعہ یہ بھی مشہور ہے کہ کچھ سوداگر شکر لیکر جا رہے تھے شیخ فریدؒ نے ان سے کچھ شکر مانگی، انھوں نے کہا شیخ آپ کو مغالطہ ہوا ہمارے اونٹوں پر شکر نہیں بلکہ نمک ہے۔ شیخ نے فرمایا نمک ہی ہوگا۔ سوداگروں نے اپنی منزلِ مقصود پر پہنچنے کے بعد جب مال کھولا تو وہ واقعی نمک ہی تھا (وہ سمجھے کہ شیخ کی بد دعا سے ایسا ہوا) اس لئے دوڑے دوڑے شیخ کے پاس آئے اور عرض کرنے لگے کہ واقعتہً ہم سے غلطی ہوئی آپ اسے معاف فرمائیں اور دعا کریں کہ وہ شکر ہو جائے آپ نے فرمایا کہ شکر ہو جائے گا (چنانچہ وہ نمک پھر سے شکر ہو گیا)

خانخاناں نواب محمد بیرم خاں بڑے صاحب جاہ و جلال اور مراتبِ علیا پر فائز ہونے کے

باوجود نفیروں اور درویشوں سے اچھا سلوک کیا کرتے تھے، اوامرِ خداوندی کی تعظیم کے پیشِ نظر مخلوقِ خدا پر مہربانی اور شفقت کے کامل مجسمہ اور پیکر تھے، وہ دنیا کی زندگی نیک بختی سے گزار گئے اور دنیا سے شہادت کی موت گئے کے مصداق تھے وہ (اس واقعہ شکر و نمک کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

کانِ نمک جہان شکر شیخ بحر و بر　　آن کز شکر نمک کند و ز نمک شکر

(نمک کی کان، شکر کا خزینہ، بحر و بر کا شیخ وہ ہے جس نے شکر کو نمک اور نمک کو شکر بنا دیا)

رُباعی

کانِ نمک و گنج شکر شیخ فرید　　کز گنج شکر کان نمک کرد پدید

در کانِ نمک کرد نظر گشت شکر　　شیریں تر ازیں کرامتے کس نشنید

(نمک اور شکر کا خزانہ شیخ فرید ہیں جنھوں نے شکر کے خزانے کو نمک کی کان سے تبدیل کر دیا اور نمک کی کان کو ایک ہی نظر میں شکر بنا دیا اس سے زیادہ بہتر کرامتیں کسی اور کی سننے میں نہیں آئیں، غرضیکہ شکر کو نمک اور نمک کو شکر بنانے کے بعد آپ نے مقام "اُچہ" میں حاج کی جامع مسجد میں معکوس کھینچا، چالیس دن تک اس طرح عبادت کی کہ روزانہ رات کے وقت اس درخت کے سہارے جو کنویں کے کنارے پر ہے اپنے کو کنویں میں لٹکا دیتے اور صبح کو باہر نکل آتے (اس طرح کی شریعت میں کوئی عبادت نہیں البتہ بعض بزرگانِ ملت اپنے نفس کو اس طرح سزا دیکر اس کا علاج کرتے ہیں۔ فاضل ۱۲)

حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ ایک مشہور عقل مند اور فلسفی جس کا نام ضیاء الدین تھا اور جو منارہ کے نیچے پڑھایا کرتا تھا ان کی زبانی میں نے خود سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں خواجہ فریدالدین شکر گنج کے پاس گیا میں ظاہری شریعت کے علوم کے علاوہ کچھ نہ جانتا تھا، میرے دل میں خیال آیا کہ اگر شیخ نے ظاہری علوم کے علاوہ کچھ اور پوچھا تو میں کیا جواب دونگا، میں ابھی اسی خیال میں تھا کہ شیخ نے مجھ سے پوچھا تنقیح مناط کیا ہے؟ (تنقیح مناط کے معنی ہیں بیخودی کے اسباب جس کو اہل تصوف کی اصطلاح میں وجد و حال کہتے ہیں) چونکہ تنقیح مناط علم خلاف کا ایک خاص مسئلہ ہے، شیخ کے اس مسئلہ پوچھنے سے مجھے بڑی

مسرت ہوئی اور میں نے اس مسئلہ کو بڑی وضاحت سے بیان کیا اور اس کے نفی و اثبات کے ہر پہلو کو اُجاگر کیا۔ بابا فرید الدین گنج شکر نے اپنی زندگی کے اُنسٹھ برس پورے کر کے ۵ محرم الحرام ۶۶۵ھ میں وفات پائی۔

حکایت پانچویں یوم کی شب کو شیخ پر مرض کی شدت طاری ہوئی با جماعت عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد بیہوش ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش میں آئے تو حاضرین سے پوچھا کہ کیا میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے لوگوں نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا، ایک مرتبہ اور پڑھ لوں پھر کون جانے کیا ہوگا، چنانچہ آپ نے دوسری مرتبہ پھر عشاء کی نماز پڑھی، اور اس کے بعد پھر بیہوش ہو گئے اور جب ہوش آیا تو پوچھا، کیا میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ آپ اس سے پہلے دو بار پڑھ چکے ہیں، آپ نے فرمایا ایک مرتبہ اور پڑھ لوں پھر معلوم نہیں کیا ہو، غرضیکہ آپ نے تیسری بار بھی عشاء کی نماز پڑھی اور نماز پڑھنے کے بعد "یا حیّ یا قیّوم" کہتے ہوئے جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔

حضرت شیخ گنج شکر کے بعض ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ملے ہیں جن میں لکھا ہوا ہے کہ چار چیزوں کے بارے میں سات سو مشائخ سے سوال کیا گیا تو سب نے ایک ہی جواب دیا،

(۱) گناہوں کو چھوڑ دینے والا ہی سب سے زیادہ عقل مند ہے۔

(۲) دانا اور حکیم آدمی وہ ہے جو کسی چیز پر غرور نہیں کرتا۔

(۳) قناعت کرنے والا ہی سب سے زیادہ مالدار اور غنی ہے

(۴) تارکِ قناعت ہی سب سے زیادہ محتاج اور غریب ہے

نیز لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس آدمی سے شرم آتی ہے جو بندہ اللہ کے دربار میں دستِ سوال دراز کرے اور وہ اُسے خالی واپس کر دے۔ فرماتے ہیں، ہونے کا غم نہیں اور نہ ہونے کا افسوس نہیں، نامرادی[لہ] اور مایوسی کا دن دراصل مردانِ خدا کی معراج ہے، لوگوں کی سرد کلامی

لہ اسلئے کہ وصل سے پہلے وصل کی تمنا اور طلب تھی جس میں سرور و کیف تھا جب معراج اور وصال ہو گیا تو تمنا اور طلب وصال کی پُر لطف کیفیت بھی ختم ہو گئی اسلئے اسکو نامرادی سے تعبیر کر دیا گیا۔ محمد فاضل ۱۲

کی وجہ سے اپنی سرگرمی نہیں چھوڑنی چاہیئے۔ شیخ جلال الدین رومی فرمایا کرتے تھے کہ باتوں کا دل پر اثر ہوتا ہے اس لیئے اولاً ہر بات کے اول و آخر کو خوب جانچو اور پرکھو، اگر وہ کام اور بات اللہ کے لئے ہے تو بات کرو ورنہ خاموش رہو، فقیر جب کوئی نیا کپڑا پہنے تو وہ یہ سمجھے کہ کس نے کفن پہن لیا ہے، تم جیسے (اندر میں) ہو ویسے (باہر میں) نظر آؤ، ورنہ تمہاری اصل اور حقیقت خود بخود ظاہر ہو جائیگی، اچھے اور پاکیزہ جذبات و نظریات ثقلین کی عبادت سے بہتر ہیں سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص لوگوں کی عیب جوئی سے کنارہ کش اور علیحدہ رہا وہ نیک بخت اور خوش قسمت ہے اور صوفی کسی چیز کو مکدر اور خراب نہیں کرتا بلکہ وہ ہر چیز کو مانجھ کر صاف اور منقّٰی کرتا ہے، تم اگر بزرگ ہو بڑا بننے کی خواہش رکھتے ہو تو حاکموں کی طرف توجہ نہ کرو بلکہ ان سے علیحدگی اختیار کرو اور یہ رباعی بھی انھیں کی ہے،

رُباعی

دوشینہ شبم دل حزینم بگرفت　　واندیشۂ یارِ نازنینم بگرفت
گفتم بہ سرو دیدہ روم بر درِ تو　　اشکم بدوید آستینم بگرفت

(کل رات میرا دل بیقرار ہو کر نازنین محبوب کے تصور میں گم ہو گیا اور میں نے دل ہی میں کہا کہ میں خوشی خوشی آپ کے درِ دولت پر حاضری دونگا لیکن آنسوؤں نے دوڑ کر میری آستین پکڑ لی)

حکایت ایک محفل میں بابا فرید الدین گنج شکرؒ بھی موجود تھے اور لوگ سماع کے جواز اور عدم جواز کے متعلق علمائے کرام کے اختلاف کا ذکر کر رہے تھے ان لوگوں کی تمام تر گفتگو سننے کے بعد آپنے فرمایا، سبحان اللہ ایک جل کر راکھ ہو چکا ہے اور دوسرے ابھی تک اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں، ایک مجلس میں آپ نے فرمایا کہ تدبیر اور زیادہ غور و فکر کرنے سے آفت آتی ہے اور تسلیم کر لینے میں سلامتی ہے، علمائے کرام عام لوگوں میں زیادہ باعزت ہیں اور درویش اور فقیر لوگ باعزت لوگوں میں، زیادہ معزز اور سردار و شریف ہیں، عالموں اور فاضلوں میں شریف کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان کے ستاروں میں چودھویں رات کا چاند، ذلیل ترین وہ انسان ہے جو اپنے کو کھانے، پینے اور پہننے میں مشغول رکھتا ہے،

حکایت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کو کسی نے ایک دفعہ ایک معروضہ پیش کیا کہ سلطان

غیاث الدین بلبن کو میرے لئے ایک سفارش نامہ تحریر فرما دیجئے، چنانچہ شیخ نے لکھا کہ میں اس شخص کا معاملہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے آپ تک پہنچاتا ہوں، اگر آپ اسے کچھ عطا کردیں تو حقیقتہً یہ عطا کرنے والا اللہ ہی ہے، آپ مشکور ہوں گے اور اگر آپ عطا نہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہی مانع اور روکنے والا ہے اس طرح آپ معذور تصور کئے جائیں گے (یہ اشارہ تھا اس حدیث کی طرف اللّٰھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد)

شیخ نظام الحق والدین محمد بدایونی قدس سرہٗ

یعنی

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

۶۳۱ ـــــــ ۷۲۵ھ

آپ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے خلفاء میں سے تھے، آپ کا نام محمد بن احمد بن علی بخاری اور آپ کا لقب سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء تھا، خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں محبوب اور مقرب تھے آپ کی برکات کے اثرات سے ہندوستان لبریز ہے، آپ کے دادا علی بخاری اور نانا خواجہ عرب دونوں اکٹھے بخارا سے لاہور تشریف لائے، یہاں ایک عرصہ طویل رہنے کے بعد بدایوں چلے گئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کی، آپ بہت تھوڑی سی عمر کے تھے کہ آپ کے والدِ ماجد خدا کو پیارے ہوگئے جن کا مدفن بدایوں ہی میں ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاء جب کچھ بڑے ہوئے تو آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کو ایک مدرسہ میں برائے حصولِ تعلیم داخل کردیا جہاں آپ نے قرآن کریم اور اس کے علاوہ دوسری کتابیں پڑھنی شروع کیں، آپ کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگی اُس وقت آپ لغت علم ادب پڑھتے تھے، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ملتان سے ایک غزلخواں بنام

لہ یہ اس لئے کہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے نزدیک ماسوی سے امداد لینا جائز نہیں تھا اس لئے اصل استعانت کی نسبت خدا کی طرف کی تاکہ واہمۂ شر سے بھی محفوظ و مصئون رہیں۔ محمد فاضل ۱۲

ابو بکر آپ کے استاد کے پاس آیا اُس نے کہا کہ میں نے شیخ بہاؤالدین زکریا کے سامنے مجلسِ سماع میں یہ شعر پڑھا تھا ؎ لقد لسعت حیۃ الھویٰ کبدی (محبت کے سانپ نے میرے دل کو ڈس لیا ہے) اور کہنے لگا کہ مجھے اس شعر کا دوسرا مصرعہ یاد نہیں رہا شیخ نظام الدین اولیاء نے فوراً دوسرا مصرعہ پڑھ کر سنایا، لا طبیب لھا ولا راقی (اس کے لئے نہ کوئی طبیب ہے جو علاج و معالجہ کر کے اُسے دُور کر دے اور نہ کوئی منتری ہے جو جھاڑ پھونک کر کے اس کے اثرات کو دل سے دُور کر دے) اس کے بعد اس غزلخواں نے شیخ بہاؤالدین زکریا کی تعریفوں کے پُل باندھ دیئے اور کہنے لگا کہ اُن کے ہاں ذکر و شغل کی یہ حالت ہے کہ آپ کے ہاں کے چکی پیسنے والے مرد اور عورتیں بھی ذکر میں مشغول رہتے ہیں اور اسی قسم کی بہت سی باتیں بیان کرتا رہا لیکن اُن میں سے کسی بات نے بھی نظام الدین اولیاء کے دل پر اثر نہ کیا پھر اس غزلخواں نے کہا کہ میں وہاں سے اجودھن (موجودہ پاکپتن) پہنچا، وہاں میں نے طریقت کا ایک بادشاہ دیکھا جو ایسا اچھا اور ایسا بہترین ہے (یعنی بابا گنج شکر کے مختلف قسم کے فضائل بیان کئے) غزلخواں کی یہ باتیں سنتے ہی خواجہ نظام الدین اولیاء کے دل میں شاہِ اجودھن کی محبت و ارادت نے جگہ کر لی اور ان کی طبیعت پر ایک کیف و خود رفتگی سی طاری ہو گئی اور اسی وقت سے خواجہ نظام الدین اولیاء کے دل میں شیخ فرید کی محبت پیوست ہو گئی اور اُن کے دیدار کی پیاس روز بروز بڑھتی رہی، چنانچہ اُٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے شیخ فرید کی ملاقات کا تصور اُن کے ذہن میں رہنے لگا، پھر بدایوں سے آپ بغرض حصولِ تعلیم دہلی تشریف لائے اور صدرِ ولایت شمس الملک کے تلامذہ اور شاگردوں کے زمرہ میں داخل ہو کر مقاماتِ حریری پڑھی، اسی طرح علمِ حدیث بھی آپ ہی سے حاصل کیا۔

(آپ چونکہ علمِ منطق میں بڑے ماہر تھے اس لئے) دوسرے طالب علم آپ کو نظام الدین منطقی کہا کرتے تھے، یہاں سے فراغتِ تعلیم کے بعد شیخ فریدالدین کے شوقِ ارادت میں آپ پاک پٹن تشریف لے گئے اس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی، پاک پٹن پہنچ کر آپ نے شیخ فریدؒ سے قرآن کریم کے چھ پارے تجوید کے ساتھ پڑھے، عوارف کے چھ باب کا درس لیا، تمہید ابوشکور سلمی اور بعض دیگر کتب بھی شیخ فریدالدین سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔

نظام الدین اولیاءؒ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ فرید الدین سے جب مجھے شرفِ پابوسی حاصل ہوا اُس وقت اول ملاقات میں شیخ نے یہ شعر پڑھا تھا ؎

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ　　　سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

(تیری فرقت اور جُدائی کی آگ نے کئی دلوں کو کباب کردیا اور تیرے شوق کی آگ نے کئی جانیں خراب کردیں) اس کے بعد میں نے چاہا کہ آپکی خدمت میں حاضری کے شوق کو ظاہر کردوں لیکن آپ کا خوف مجھ پر اس طرح غالب آیا کہ صرف اتنا ہی کہہ سکا کہ ملاقات کا شوق بے انتہا غالب تھا، پھر مجھ پر خوف کے آثار دیکھ کر فرمایا ہر نئے آنیوالے کو دہشت ہوتی ہے، اسی دن میں نے آپ سے بیعت کی اور پھر پوچھا کہ اب کیا ارشاد ہے؟ کیا پڑھنے کا سلسلہ ختم کرکے اورادِ و وظائف میں مشغول ہو جاؤں؟ فرمایا ہم کسی کو حصولِ تعلیم سے منع نہیں کرتے وہ بھی کرو اور یہ بھی کرو، پھر دیکھو کون غالب آتا ہے، نیز فقیر اور درویش کے لئے کچھ علم بھی ضروری ہے، اس کے بعد شیخ نظام الدین اولیاء نعمت خلافت حاصل کرکے دہلی واپس آگئے، پیرو مرشد شیخ فرید الدین گنج شکر کے پاس آپ دہلی سے پاکپٹن تمام عمر میں تین مرتبہ گئے، شیخ فرید الدین کے انتقال کے وقت خواجہ نظام الدین اولیاء اتفاقاً اسی طرح موجود نہ تھے جس طرح کہ شیخ فرید الدین گنج شکر اپنے مرشد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے وصال کے وقت اُن کے پاس موجود نہ تھے اور اسی طرح خواجہ قطب الدین اپنے شیخ حضرت معین الدین چشتیؒ کے انتقال کے وقت ان کے پاس موجود نہ تھے اس واقعہ کے بعد باشارۂ غیبی خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی چھوڑ کر اس کے قریب بستی غیاث پور میں قیام پذیر ہوگئے جہاں آپ کی خانقاہ بھی ہے۔

نظام الدین اولیاءؒ نے ایکبار فرمایا کہ جب معز الدین کیقباد نے وہاں ایک نیا شہر آباد کرنا چاہا تو اس وقت لوگ بڑی کثرت سے میرے پاس آنے لگے، یہاں تک بادشاہ، رئیس امیر سبھی لوگ میری طرف رجوع کرنے لگے تو میرے دل میں خیال آیا کہ اب یہاں سے بھی چلا جانا چاہیئے میں اسی خیال میں تھا کہ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد میرے پاس ایک نازک اندام خوبصورت آدمی آیا اور اس نے یہ شعر پڑھا ؎

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی　　　کانگشت نمائے عالمے خواہی شد

(یعنی جب آپ ماہتاب بنے تھے اسوقت یہ کیوں نہ سمجھا کہ تم دنیا کے انگشت نما ہوں گے) پھر اس جوان نے کہا کہ طریقہ یہ ہے کہ اول تو مشہور ہی نہ ہونا چاہیئے، اور اگر شہرت عام ہو جائے تو پھر اس طرح رہنا چاہیئے کہ کل کو محشر کے میدان میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے، پھر فرمایا کہ یہ قوت اور حوصلہ کی بات نہیں کہ مخلوقِ خدا سے پوشیدہ ہو کر خدا کی یاد کی جائے، بلکہ قوت اور حوصلہ تو یہ ہے کہ مخلوقِ خدا میں رہ کر خدا کی یاد کیجائے، جب اس سیم تن نے اپنی تمام باتیں کہہ لیں تو میں اس کے لئے کچھ کھانا لایا لیکن اُس نے کچھ نہ کھایا، اسوقت میں نے اپنے دل سے عہد لیا کہ اب یہاں سے کسی اور جگہ نہ جاؤں گا، پھر اس نے تھوڑا سا پانی پیا اور چلا گیا، اس روز کے بعد آج تک پھر میں نے اس کو کبھی نہیں دیکھا، غرضیکہ نظام الدین اولیاءؒ نے جب وہاں رہنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو خدا تعالیٰ نے اُنھیں کافی مقبولیت دی، عام و خاص سب لوگ آپ کیطرف رجوع کرنے لگے، اس کے بعد دست غیب اور فتوحات کے دروازے آپ پر کھُل گئے اور ایک جہاں اللہ تعالےٰ کے احسان و انعام کی مدد سے آپ کے ذریعہ سے فائدہ حاصل کرنے لگا، آپ کا اپنا حال یہ تھا کہ تمام اوقات ریاضت اور مجاہدہ میں گزارتے، ہمیشہ روزہ رکھتے اور افطار کے وقت تھوڑا سا پانی پی لیتے، بوقتِ سحری عام طور پر کچھ نہ کھاتے، خادم جب کہتے کہ آپ نے افطار کے وقت بھی تھوڑا سا چکھا تھا اگر سحری میں بھی نہ کھائیں گے تو کیا حال ہوگا، ضعف اور کمزوری میں روز بروز اضافہ ہوتا جائے گا، خادموں کی یہ باتیں سننے کے بعد رو کر فرماتے، بہت سے مسکین اور درویش مسجدوں اور بازاروں میں بھوکے پڑے فاقے کر رہے ہیں، اب بتاؤ ان کی حالت دیکھ کر یہ کھانا میرے حلق سے نیچے کیسے اُتریگا، تب خادم مجبوراً آپکے سامنے سے سحری کا کھانا اٹھا لیتے تھے۔

منقول ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں اپنے شیخ کے ساتھ کشتی میں سوار تھا، شیخ نے مجھے بُلایا اور فرمایا کہ میرے سامنے آؤ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے، سنو، جب دہلی پہنچو، مجاہدہ کرتے رہنا بیکار رہنے میں کوئی فائدہ نہیں، روزہ رکھنا آدھی منزل ہے، اور بقیہ اعمال مثلاً نماز۔ حج، یہ دوسری آدھی منزل ہیں، پھر ایک مرتبہ شیخ فرید نے فرمایا کہ میں نے اللہ سے دُعا کی ہے کہ آپ اللہ سے جو مانگیں گے وہ مل جائیگا، ایک مرتبہ یہ

بھی فرمایا کہ اے نظام الدین ہم نے تمہارے لئے اللہ سے دنیاوی قوت بھی مانگ لی ہے ۔ خلیفہ بناتے وقت شیخ فرید الدین رح نے فرمایا کہ سلوک کے راستہ پر مستعد رہنے کے لئے مجاہدہ کرتے رہنا، ایک مرتبہ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ اپنے کمرے میں ننگے سر بیٹھے ہوئے تھے چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر تھا اور یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

رُباعی

خواہم کہ ہمیشہ در رضائے تو زیم　　خاکی شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصودِ من خستہ زکونین توئی　　از بہرِ تو میرم و برائے تو زیم

(میری تمنا یہ ہے کہ ہمیشہ تیری رضا میں رہوں اور خاک ہو کر تیرے پاؤں میں زندگی گزاروں دونوں جہانوں میں مجھ خستہ حال کا مطلوب آپ ہی ہیں، میرا مرنا بھی تیرے لئے اور جینا بھی تیرے لئے ہے) شیخ فریدؒ ان اشعار کو پڑھنے کے بعد خدا کے حضور سجدہ ریز ہوئے، جب متعدد بار شیخ نے اسی طرح کیا تو میں آپ کے حجرے میں داخل ہوا اور شیخ کے قدموں میں اپنا سر رکھا آپ نے فرمایا کیا چاہتے ہو، میں نے کچھ دینی اور مذہبی امور طلب کئے، سو آپ نے وہ اُمور مجھے عطا فرما دیئے، اس کے بعد مجھے افسوس ہوا کہ میں نے محفلِ سماع میں مرنے کی خواہش کیوں نہ کی

منقول ہے کہ شیخ فرید الدین ہمیشہ اپنے کمرے میں اکیلے رہا کرتے تھے، کمرے کا دروازہ اندر سے بند فرما کر تمام شب راز و نیاز میں مشغول رہتے صبح کو آپ کے درخشندہ چہرے کو جو کوئی دیکھتا تو یہی کہتا کہ شب بیداری کی وجہ سے آپ کی آنکھیں سرخ ہیں، لوگوں کا بیان ہے کہ میر خسرو دہلویؒ نے اپنے پیر و مرشد خواجہ نظام الدین اولیاءؒ محبوب الٰہی کی تعریف میں یہ شعر کہا ہے ؎

تو شبانہ می نمائی بہر کہ بودے امشب　　کہ ہنوز چشم مستت اثرے خمار دارد

(آپ ہمیشہ رات کو بیدار کرتے ہیں مگر آج رات کوئی خاص بات ہوئی ہے جس کی وجہ سے اب تک آپکی آنکھوں میں خمار کے اثرات موجود ہیں)

منقول ہے کہ ایک مرتبہ محبوب سبحانی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ ایک واقعہ میں مجھے ایک خط دیا گیا جس میں لکھا تھا کہ جب تک اور جتنا ممکن ہو لوگوں کے دلوں کو

آرام پہنچاؤ کیونکہ مسلمان کا دل حقیقت میں خدا کے ظہور کا مقام ہے، قیمت کے بازار میں کوئی سامان اتنا مقبول نہ ہوگا جتنا دلوں کو آرام پہنچانا مقبول ہے۔

منقول ہے کہ ایک روز خواجہ نظام الدین اولیاؒ دوپہر کو آرام فرما رہے تھے، اسی دوران ایک درویش آیا جس کو آپ کے ایک خادم نے واپس کر دیا، محبوبِ سبحانیؒ نے اسی قیلولہ کی حالت میں اپنے شیخ فرید الدین گنج شکر کو خواب میں دیکھا جو فرما رہے تھے کہ اگر آپ کے گھر میں کوئی چیز نہیں ہے تو کم از کم آنے والے کے ساتھ حسنِ سلوک کی تو رعایت کیا کریں، یہ کہاں کا قاعدہ ہے کہ ایک خستہ دل، مجبور اور معذور کو یونہی لوٹا دیا جائے چنانچہ محبوبِ سبحانیؒ نے بیدار ہو کر اس واقعہ کی تحقیق کی اور جس خادم نے آنیوالے درویش کو لوٹا دیا تھا اس پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میرے مرشد شیخ فرید الدینؒ اس واقعہ سے مجھ پر بہت ناراض ہوئے ہیں اور مجھ پر خفگی کا اظہار فرمایا ہے، اس کے بعد محبوبِ سبحانیؒ نے یہ دستور بنا لیا تھا کہ قیلولہ کے بعد جب بیدار ہوتے تو پوچھتے کہ کوئی آیا تھا یا نہیں؟

منقول ہے کہ کچھ لوگوں نے محبوبِ سبحانیؒ سے ملاقات کرنے کا ارادہ کیا اور آتے وقت انہوں نے شیخ کو بطور تحفہ پیش کرنے کے لئے کچھ چیزیں خریدلیں، ان لوگوں میں ایک طالب علم بھی تھا اس نے کہا ان تمام تحفوں کو ایک ساتھ ہی پیش کر دیں گے تاکہ خادم کو گھر لیجانے میں آسانی رہے، اس طالبِ علم نے یہ حرکت کی کہ تھوڑی سی مٹی اٹھا کر ایک کاغذ میں باندھ دی، سب نے محبوبِ سبحانیؒ کی خدمت میں حاضری دی اور ہر ایک نے شیخ کی خدمتمیں اپنا اپنا تحفہ پیش کیا اور اس طالبِ علم نے وہ مٹی کی پڑیا پیش کی، شیخ کے خادم نے وہ تمام تحائف اٹھانے شروع کر دیئے اور جب وہ پڑیا اٹھانے لگا تو شیخ نے فرمایا اس کو یہیں رہنے دو اس کے اندر ہماری آنکھوں میں ڈالنے کا سرمہ ہے جب طالب علم نے یہ بات سنی تو اس نے اپنی حرکت سے توبہ کی، پھر شیخ نے اس طالبِ علم سے فرمایا کہ تمہیں کھانے وغیرہ کی جب ضرورت ہو تو میرے پاس آجایا کرو۔

منقول ہے کہ ایک آدمی اپنے گاؤں سے محبوبِ سبحانیؒ کی ملاقات کے ارادہ سے اپنے گھر سے روانہ ہوا، اثنائے سفر میں جب وہ قصبہ بوندی پہنچا تو وہاں ایک بزرگ

رہتے تھے اور لوگ اُن بزرگ کو شیخ مومن کہتے تھے، یہ آدمی اُن بزرگ سے بھی ملنے چلاگیا، (جب یہ اُن کے پاس پہنچا) تو انہوں نے فرمایا، کہاں جانیکا ارادہ ہے؟ اُس نے کہا شیخ نظام الدینؒ کے پاس جانیکا، شیخ مومن نے فرمایا کہ محبوبِ سبحانی کو میرا سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ جمعہ کی ہر شب کو میں آپ سے خانہ کعبہ میں ملاکرتا ہوں، اس آدمی نے محبوبِ سبحانی کی خدمت میں حاضری دی اور کہا کہ قصبہ بوندی کے درویش نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ باتیں کہی ہیں، اس پر محبوبِ سبحانی ذرا بیچین ہوئے اور فرمایا کہ وہ بہت بلند مرتبہ درویش ہے مگر اپنی بات پر برقرار نہیں رہتا۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ سلطان علاؤالدین خلجی نے بطور امتحان امور مملکت کے انتظام کے لئے محبوب سُبحانی رح کی خدمت میں چند فصلیں لکھ بھیجیں جنہیں ایک فصل کا مضمون یہ تھا،

"حضرت شیخ کونین کے مخدوم ہیں لوگوں کی دینی اور دنیاوی اکثر حاجتیں آپ کے دربار سے پوری ہوتی ہیں اور اللہ نے دنیا کی مملکت کی باگ ڈور ہمارے ہاتھ میں دی ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ مملکت کے مصالح آپکے سپرد کردئے جائیں تاکہ جس امر میں مملکت کی بھلائی اور ہماری بہتری ہو آپ اس سے ہم لوگوں کو آگاہ فرمادیا کریں، اسی کے متعلق چند متعلقہ مرتب فصلیں جناب والا کی خدمت میں پیش ہیں، جس امر میں بھلائی اور خیر ہو اسکے نیچے تحریر فرمادیں تاکہ ہم اس پر عمل کراسکیں۔"

سلطان علاؤالدین خلجی نے یہ فرمان اپنے محبوب فرزند خضر خاں کے ذریعہ جو خواجہ نظام الدینؒ کا مرید بھی تھا ارسالِ خدمت، خضر خاں نے جب یہ فرمان سربمہر شیخ محبوب سبحانی رح کے دستِ اقدس میں دیا تو آپ نے اُسے کھولے بغیر حاضرین مجلس سے فرمایا آؤ فاتحہ پڑھیں اس کے بعد فرمایا شاہی معاملات اور امور سے فقیروں کا کیا واسطہ، میں ایک فقیر، شہر کے ایک کونے میں پڑا ہوا بادشاہ اور دیگر مسلمانوں کے لئے دعا کررہا ہوں، اگر مجھے اس شہر میں رہنے کی وجہ سے پھر کچھ کہا گیا تو اس شہر کو چھوڑ کر کسی اور جگہ چلا جاؤں گا کیونکہ خدا کی زمین بہت وسیع ہے، سلطان علاؤالدین خلجی کو جب یہ خبر پہنچی تو بہت خوش ہوا اور اس

کے بعد آپ کا عقیدت مند ہو گیا اور کہلا بھیجا کہ اگر جناب والا اجازت دیں تو حاضر ہوں، جس کے جواب میں محبوبِ سُبحانی رح نے کہلا بھیجا کہ آنے کی چنداں ضرورت نہیں میں آپ کی غیوبت میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں کیونکہ عدم موجودگی میں جو دعا کی جاتی ہے وہ پُر تاثیر ہوتی ہے، سلطان نے اس کے بعد پھر ملنے کے لئے منت و سماجت کی تو آپ نے کہلا بھیجا کہ فقیر کے گھر کے دو دروازے ہیں اگر بادشاہ سلامت ایک دروازے سے آئیں گے تو میں دوسرے دروازے سے نکل کر باہر چلا جاؤں گا۔

منقول ہے کہ محبوبِ سبحانی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سماع کے جتنے اوصاف سُنے ہیں، ان تمام اوصاف سے زائد اخلاقِ حمیدہ کے اعتبار سے شیخ کبیر کو محمول کرتا ہوں، ایک دن میں نے اپنے شیخ کی زندگی میں بھری مجلس میں ایک کہنے والے سے یہ شعر سنا تھا ؎

مخرام بدیں صفت مبادا — کز چشم بدت رسد گزندے

(دنیا کی زندگی میں اس طرح نہ رہو کہ کہیں خدا نخواستہ تمہیں نظر بد لگ کر تکلیف پہنچے) آج مجھے شیخ کے اخلاق حمیدہ اور بزرگی اور مہربانی یاد آتی ہیں جس کے وہ مجسمہ اور پیکر تھے اتنا کچھ فرمانے کے بعد محبوب سُبحانی کی آنکھوں میں آنسو آگئے پھر فرمایا کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد میرے شیخ نے جان جانِ آفریں کے حوالے کی۔

منقول ہے کہ ایک آدمی نے حضرت محبوبِ سُبحانی کی مجلس میں کہا کہ فلاں جگہ پر آپ کے دوست جمع ہیں اور مختلف قسم کے باجے بجا رہے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تو ان کو گانے باجے اور محرمات سے دُور رہنے کا حکم دیا تھا انھوں نے اچھا نہیں کیا اور پھر اُن کے اس طرز عمل کی بڑی شدّ و مد سے تردید کی کہ ان لوگوں نے غلو سے کام لیا ہے، شریعت میں نوالی وغیرہ اور مزامیر کی کوئی اجازت نہیں، اس کے بعد فرمایا کہ شیخ اوحدالدین کرمانی ایک مرتبہ شیخ شہاب الدین کے پاس آئے، چنانچہ شیخ شہاب الدین نے اپنی جانماز اکٹھی کر کے اپنے زانو کے نیچے رکھ لی اس سے مطلب آنیوالے کی تعظیم کرنا ہوتی ہے جب رات ہوئی تو شیخ اوحدالدین نے سماع سننے کی خواہش ظاہر کی، شیخ شہاب الدین نے محفل سماع کے لئے ایک جگہ منتخب کی اور اُسے خوب صاف وستھرا کرایا اور اس کے بعد غزلخواں کو بلوایا اور

خود گھر کے ایک کونے میں جا کر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

مؤلف کتاب کہتے ہیں کہ یہ حکایت اس تحریر کے خلاف ہے جو نفحات الانس میں ہے جس میں لکھا ہے کہ مولانا شہاب الدین کے پاس اگر کوئی شیخ اوحد الدین کا ذکر کرتا تو مولانا فرمایا کرتے کہ ہمارے سامنے اس بدعتی کا ذکر نہ کیا کرو، ساتھ ہی شیخ رکن الدین علاؤ الدین کا بیان ہے کہ یہ قصہ صحیح ہے اور مختلف اوقات پر محمول ہے باقی اللہ ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں،

منقول ہے کہ ایک شخص نے ایک مرتبہ ایک خط لکھا جس میں تحریر کیا کہ مجھ سے خطا ہوئی اور ایک نا معقول کام کا مرتکب ہوا ہوں اور یہ رقعہ محبوبِ سبحانی کو دیدیا، خط پڑھنے میں محبوبِ سبحانی کو قدرے دیر ہو گئی، آپ نے خط کو پڑھا نہیں اور فرمایا کہ مولانا یہ خط آپ کا ہے؟ مولانا معذرت خواہی کے ساتھ آگے بڑھے اور کہا جی ہاں یہ خط بندۂ طبعی کا ہے آپ نے مسکرا کر فرمایا خوب طبیعت خوب۔

منقول ہے کہ محبوبِ سبحانیؒ نے موت سے چالیس دن پہلے کھانا ترک فرما دیا تھا اور آخری وقت جب اس دنیا سے جا رہے تھے تو پوچھنے لگے کہ نماز کا وقت ہو گیا اور کیا میں نے نماز پڑھ لی ہے؟ اس پر لوگ جواب دیتے کہ جی ہاں آپ نماز ادا فرما چکے ہیں تو ارشاد فرماتے کہ میں دوبارہ پھر پڑھتا ہوں، غرضیکہ ہر نماز کو تکرار سے پڑھتے اور فرماتے کہ ہم جا رہے ہیں ہم جا رہے ہیں، ہم جا رہے ہیں، پھر خادم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اگر گھر میں کسی قسم کا کوئی سامان رہا تو کل قیامت کے روز اس کے متعلق جواب دینا پڑیگا (مطلب یہ تھا کہ تمام اثاثہ خدا کی راہ میں تقسیم کر دیا جائے۔ فاضل ۱۲) چنانچہ خادم نے سب کچھ لوگوں میں تقسیم کر دیا، البتہ وہ غلہ رہنے دیا جو درویشوں کے کھانے کے لئے تھا (آپ نے خادم سے) پھر فرمایا کہ مُردہ مال کیوں رکھ چھوڑا ہے اس کو بھی نکال پھینکو اور گھر میں جھاڑو دیدو، تب خادم نے غلہ خانے کے دروازے کھولدئے اور لینے والے لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہو گیا اور تمام غلہ لے گئے، اس کے بعد دوسرے خادموں نے عرض کیا کہ آپکے بعد ہم غریبوں کا کیا حال ہوگا، آپ نے فرمایا (کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں) ہمارے روضہ سے تمہیں اتنا مل جایا کرے گا جو تمہاری ضروریات کے لئے کافی ہوگا۔ ان خادموں نے پھر عرض کیا کہ ہم

ہیں سے آمدنی کو کون تقسیم کیا کریگا؟ آپ نے فرمایا، تقسیم کرنیکا حقدار وہ ہے جو اپنے حصہ سے دستبردار ہو جایا کریگا، بعد طلوع آفتاب بروز چہار شنبہ، ۱۸ ربیع الاول ۶۲۵ھ میں آپ نے وفات پائی، حضرت محبوب سبحانی کا ارشاد ہے کہ چلنے والا کمال کیطرف متوجہ رہتا ہے، یعنی سالک جب تک سلوک کے مراحل طے کرتا رہتا ہے تو کمال کا اُمیدوار رہتا ہے۔

اُمیدوار کی تین قسمیں ہیں۔ سالک[1]، واقف[2]، راجع[3]، سالک وہ ہے جو راہِ سلوک میں مسلسل چلتا رہے۔ واقف وہ ہے جس کو راہِ سلوک میں کوئی وقفہ پیش آئے، اس مقام پر لوگوں نے عرض کیا کہ کیا سالک کو بھی اس راہ میں وقفہ پیش آجاتا ہے؟ فرمایا ہاں! اس وقت جب سالک کو عبادت کرنے میں کوئی کمی اور لغزش ہو جائے جس سے عبادت کا ذوق و لطف ختم ہو جائے تو اسوقت سالک کے لئے بھی وقفہ پیدا ہو جاتا ہے، اس حالت میں اگر سالک فوراً کوئی تدبیر کر کے خدا کے حضور توبہ کرلے تو اپنی اصلی حالت پر رہ سکتا ہے اور اگر خدانخواستہ وہ اپنی موجودہ حالت پر ہی رہے تو پھر اس بات کا سخت خطرہ ہے کہ کہیں راجع نہ بنجائے اس کے بعد سالک سے جو سلوک کے راستہ پر چلتے ہوئے لغزشیں ہو جاتی ہیں اُن کو بیان کیا کہ وہ کل سات ہیں۔ اعراض[1]، حجاب[2]، تفاصل[3]، سلب[4] مزید، سلب[5] قدیم، تسلی[6]، عداوت[7]

پھر فرمایا کہ عاشق و معشوق دو دوست ہیں جو باہم دیگر ایک دوسرے کی محبت میں رہتے ہیں جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

اُلفت کا جب مزا ہے کہ دونوں ہوں بیقرار ۔۔۔ دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

اسی حالت میں اگر عاشق سے کوئی ایسی چیز سرزد ہو جائے جو معشوق کو ناپسند ہو تو معشوق اپنے اس عاشق سے اعراض کرتا ہے، یعنی اپنی توجہ اس کی طرف نہیں کرتا، اسلئے عاشق کے لئے ضروری ہے کہ وہ فوراً ہی توبہ کر کے عذر خواہی کرے، جس کے نتیجہ میں اس پر معشوق لازماً خوش ہو جائے گا، اور عاشق اگر اپنی غلطی پر مصر رہے اور معذرت نہ کرے تو یہ اعراض اسوقت حجاب بن جاتا ہے، یعنی معشوق اپنے اور عاشق کے مابین پردہ ڈال لیتا ہے، اس صورت میں عاشق پر ضروری ہے کہ گریہ وزاری، آہ و بکا کے ساتھ توبہ کرے، اگر اس مرحلہ میں ذرا سی کوتاہی سے کام لیا گیا تو یہ حجاب، تفاصل یعنی جدائی سے تبدیل ہو جائیگا، یعنی یوں ہوتا ہے

کہ معشوق اپنے عاشق سے جُدا ہو جاتا ہے، اگر اس حالت پر بھی کوئی عذر خواہی نہ کرے تو پھر تفاصل، سلبِ مزید سے تبدیل ہو جاتا ہے، یعنی عاشق سے درود، وظیفہ، عبادت وغیرہ کا ذوق اور لطف ختم کر دیا جاتا ہے، اب بھی اگر عاشق اپنی ہرٹ دھری پر ڈٹا رہے اور کوئی عذر وغیرہ نہ کرے تو سلبِ مزید، سلب قدیم کی صورت اختیار کر لیتی ہے، یعنی عبادت وطاعت کی راحت وثواب جو پہلے سے حاصل تھا وہ چھین لیا جاتا ہے، اس حالت میں بھی اگر توبہ واستغفار میں کوتاہی سے کام لیا گیا تو سلبِ قدیم، تسلی میں متشکل ہو جاتا ہے یعنی معشوق دل سے اپنے اس عاشق کی جُدائی کا متمنی اور خواہش مند ہو جاتا ہے اس وقت بھی اگر توبہ واستغفار میں غفلت سے کام لیا گیا تو تسلی، عداوت سے متبدل ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو غلطیوں اور لغزشوں سے محفوظ رکھے، ایک مرتبہ فرمایا کہ سماع نہ مطلقاً جائز ہے نہ مطلقاً ناجائز وحرام ہے، لوگوں نے دریافت کیا، حضرت سماع کا کیا حکم ہے؟ فرمایا جیسے سُننے والے ہوں (پھر ذرا تفصیل سے فرمایا) کہ سماع تو ایک خوش اور بہترین آواز کے سُننے کا نام ہے اس لئے اسے ناجائز نہیں کہا جا سکتا البتہ وہ سماع جس میں مزامیر اور باجے وغیرہ ہوں وہ سب کے نزدیک مطلقاً حرام وناجائز ہے،

ایک مرتبہ فرمایا کہ بعض مرید ایسے ہوتے ہیں جو اپنے پیرومرشد پر اکتفا نہیں کرتے اور دوسرے پیر کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس سے خرقہ حاصل کر لیتے ہیں، میرے نزدیک یہ حرکت کوئی قابلِ قبول نہیں، دراصل بیعت تو وہی ہے جو پہلی مرتبہ کسی کے ہاتھ پر کیجائے، اگرچہ وہ پیرومرشد ایک عام ہی کیوں نہ ہو،

خواجہ نظام الدین اولیاء سے کسی نے ایک مرتبہ شیخ منصور حلاج کے متعلق دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا کہ مردہ دراصل خیر نساج کا مرید تھا جن کی ارادت وعقیدت سے منہ موڑ کر شیخ جنید بغدادی سے بیعت کرنا چاہی تو شیخ جنیدؒ نے فرمایا کہ تم دراصل خیر نساج کے مرید ہو، میں تمہیں دوبارہ بیعت نہیں کرتا، چنانچہ شیخ جنیدؒ جو اپنے وقت کے مقتدا اور کامل تھے انھوں نے حلاج کو واپس کر دیا، چونکہ شیخ منصور حلاج کو آپ نے واپس لوٹا دیا تھا اس لئے دوسرے تمام مشائخ نے بھی ان سے بیعت نہ لی۔

مؤلف کتاب (شیخ عبدالحق دہلویؒ) فرماتے ہیں کہ منصور حلاج کے متعلق مختلف حکایتیں مشہور ہیں، حقیقتِ حال تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے لیکن محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح سے منقول ہے، آپ نے فرمایا کہ منصور حلاج دراصل ولی اور خدا تعالےٰ کا مقرب بندہ تھا، مگر وہ پھسل گیا، اُس زمانہ میں کوئی ایسا نہ تھا جو اس کی دستگیری کرتا اگر وہ میرے زمانے میں ہوتا تو میں اسکا ہاتھ تھام لیتا (یعنی اس کی رہنمائی کرتا)

قطعہ

گرچہ ایزد دہد ہدایتِ دیں　　بندہ را اجتہاد باید کرد
نامۂ کاں بحشر خواہی خواند　　ہم ازینجا سواد باید کرد

(دین کی ہدایت اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی فرماتے ہیں مگر انسان کو بھی آخر کوشش کرنا چاہیئے، لوگ حشر میں اپنے نامہائے اعمال پڑھیں گے، اس لئے اُس دنیا میں سواد اعظم حاصل کر لینا ضروری ہے)

محبوبِ سُبحانی نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر کوئی مرید اپنے شیخ سے عرض کرے کہ میں آپ کا مرید ہوں اور پیر صاحب فرمائیں کہ تو میرا مرید نہیں ہے تو اس حالت میں اس کو مرید ہی تصور کیا جائیگا، لیکن اگر کوئی شیخ اپنے کسی مرید سے کہے تو میرا مرید ہے اور مرید کہے کہ میں آپ کا مرید نہیں تو ایسے شخص کو مرید نہیں سمجھا جائے گا، اس لئے کہ ارادت دراصل مرید کا فعل ہے جو شیخ کا کام نہیں،

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ سچے لوگوں کی صبح، صبح کے وقت ہوتی ہے اور عاشقوں کی صبح شام سے شروع ہوتی ہے جو عشاء سے فجر کی نماز تک شب بیدار رہ کر زندہ د تابندہ رہتے ہیں انھیں لوگوں کو مشائخ کہا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ پیر و مرشد کی صحبت سے جو خرقہ حاصل کیا جائے وہ کسی دوسرے کو نہ دیا جائے اُسے دھونا ناجائز نہیں مگر بہتر یہی ہے کہ اُسے دھویا نہ جائے،

ایک مرتبہ فرمایا کہ انوارِ الٰہی سے فیض یافتہ پیر اگر وصیت کرے کہ قبر میں اس کے برابر فلاں عمدہ چیز رکھدی جائے تو اس چیز کو اس کے پہلو میں رکھنا جائز ہے یا یہ وصیت کرے کہ فلاں صالح فرزند کو یہ چیز دیدی جائے تو لازمی طور پر وہ چیز موصیٰ لہٗ کو دیدی جائے

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ محبوبِ سبحانی خواجہ نظام الدین رہ کو جب قبر میں اُتارا گیا تو وہ خرقہ جو آپ کو شیخ فرید الدین گنج شکرؒ نے عنایت فرمایا تھا وہ آپ کے جسم پر اُوڑھا دیا گیا اور شیخ کی جائے نماز آپ کے سر مبارک کے نیچے رکھدی گئی۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ کل قیامت کے دن کچھ لوگوں کو چوروں کی جماعت کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا یہ لوگ کہیں گے کہ (اے بار تیعالےٰ) ہم نے تو (دنیا میں) کوئی چوری نہیں کی تھی (پھر ہمیں چوروں کے ساتھ کیوں کھڑا کیا گیا ہے) تو آواز آئے گی کہ تم نے جوانمردی کا لباس تو پہنا مگر عمل کوئی نہ کیا، آخر کار یہ لوگ بھی نیک لوگوں کی شفاعت سے نجات پائیں گے۔

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ اس ضعیف نے جتنے خرقے پہنائے ہیں ان میں سے چار کو خرقۂ ارادت پہنایا ہے اور باقی دیگر لوگوں کو محض برکتہً خرقہ دیا ہے، ایک دفعہ فرمایا کہ تصوف کی کتب میں لکھا ہے کہ سلوک کے سوؔ درجے ہیں جنمیں سے سترھواں درجہ کشف وکرامت ہے، اگر سالک اسی میں رہ جائے تو باقی تراسیؔ درجوں کا حصول کب کریگا اس لئے فقیر درویش کو اپنی نظر کشف وکرامت تک محدود نہیں رکھنا چاہیے،

ایک مرتبہ فرمایا کہ جب میرے مخدوم نے مجھے خلافت سے نوازا تو ارشاد فرمایا کہ اللہ نے تمہیں علم، عقل اور عشق کی دولت سے سرفراز فرمایا ہے جسمیں یہ تینوں چیزیں موجود ہوں وہ خلافتِ شیخ اور مشائخ کا مستحق ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انھیں تین چیزوں سے کام بحسن و خوبی پایۂ تکمیل تک پہنچتا ہے، حضرت محبوب سبحانی اور تمام مشائخ اور بزرگوں پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

شیخ نجیب الدین متوکل قدس سرہٗ

۵۵۹ھ ———— ۶۷۱ھ

آپ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے بھائی اور خلیفۂ مجاز تھے، معاملات میں سخت (یعنی شریعت کے پابند) اور نہایت متوکل تھے، ستر برس کی مدت تک شہر میں رہے، اگرچہ غلہ

وغیرہ کی کوئی مستقل آمدنی نہ تھی اور آپ کے بیوی بچے بھی تھے مگر اس کے باوجود اتنے خوش وخرم رہتے تھے کہ آپ کو یہ بھی خبر نہ ہوا کرتی کہ آج کونسا دن، مہینہ اور کتنی رقم ہمارے گھر میں موجود ہے۔ ایک مرتبہ عید کے روز آپ کے گھر پر چند درویش جمع ہو گئے، اتفاق سے اُس دن آپ کے گھر میں کچھ بھی نہ تھا، آپ اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے، آپ نے اپنے دل میں کہا کہ کیا آج عید کا دن یونہی گزر جائیگا اور میرے بچوں کے منہ میں کیا کوئی غذا نہ پہنچے گی، اور کیا یہ مہمان بھی یونہی لوٹ جائیں گے، اتنے میں دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی مکان کی چھت پر آیا اور یہ شعر پڑھ رہا تھا ؎

با دل گفتم دِلا خضر را بینی ! دل گفت اگر مرا نماید بینم

(میں نے اپنے دل سے کہا کہ کیا آپ خضر علیہ السلام کو دیکھتے ہیں؟ تو دل نے مجھے جواب دیا کہ اگر وہ مجھے دکھائی دیں تو دیکھوں) پھر اس بوڑھے نے کھانا بھرا ہوا خوان پیش کیا اور کہا کہ عرش پر ملاء اعلیٰ کے فرشتے آپ کے توکل کی تعریف کر رہے ہیں اور آپ پھر بھی اس دنیا کو دل میں لئے ہوئے ہیں اور اس کی طرف میلان کر رہے ہیں، آپ نے جواب دیا کہ خدا شاہد ہے کہ میں اپنے لئے اس کی طرف مائل نہیں ہوا بلکہ دوستوں کی ضروریات نے مجھے اس کی طرف مائل ہونے پر مجبور کر دیا اور غالباً کھانا لانے والے حضرت خضر علیہ السلام تھے،

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا بیان ہے کہ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر کی ارادت سے پہلے ایک روز میں خواجہ نجیب الدین متوکل کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا میں نے اس مجلس میں کھڑے ہو کر اہل مجلس اور شیخ نجیب الدین متوکل سے درخواست کی کہ آپ لوگ ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھ کر میرے لئے دعا کریں کہ میں کہیں کا قاضی مقرر ہو جاؤں اس پر شیخ مسکرائے اور فرمایا قاضی نہ بنو کچھ اور بنو،

منقول ہے کہ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی خدمت میں ایک دن شیخ نجیب الدین متوکلؒ حاضر ہوئے اور کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ مناجات میں یا رب کہتے ہیں جس کا جواب آپ خدا کی طرف سے یہ سنتے ہیں، لبیک عبدی (کہ اے میرے بندے میں حاضر ہوں) آپ کی یہ بات سننے کے بعد شیخ فریدالدین نے فرمایا کہ الارجاف مقدمۃ الکون (کہ افواہیں واقعات

کی پیش خیمہ ہوتی ہیں) اس کے بعد شیخ متوکلؒ نے یہ بھی کہا کہ حضرت خضرؑ آپکے پاس تشریف لایا کرتے ہیں، اور لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ابدال بھی آپ کی خدمت میں آتے ہیں، یہ سننے کے بعد آپ نے فرمایا کہ آپ بھی تو ابدال ہیں، ایک دن ایک فقیر نے شیخ متوکل کے پاس آکر عرض کیا کہ شیخ نجیب الدین متوکل آپ ہیں، آپ نے جواب دیا، ہاں میں ہی نجیب الدین متوکل ہوں، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مقبرہ کے راستہ میں سلطان محمد عادل بادشاہ کی مشہور عمارت جسے منڈل کے سامنے شیخ نجیب الدین متوکلؒ کی قبر ہے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور آپ کا مکان بھی اسی جگہ پر تھا۔

سیّد جلال الدین بخاری قدس سرہٗ

۵۹۷ــــــــــــــــــ
ــــــــــــــــــ۶۵۲ھ

یہ وہ بزرگ ہیں جنھیں "سید جلال الدین سُرخ" بھی کہا جاتا ہے آپ شیخ الاسلام حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کے مریدوں میں سے تھے، سید جلال الدین بخاری کے دادا سید جلال جو "مخدوم جہانیاں" کے لقب سے معروف تھے بخارا سے بھکر تشریف لائے اور اسی شہر میں سکونت اختیار فرمائی اور سید بدر الدین بکریؒ سے جو بھکر کے معزز اور ممتاز رئیس تھے تعلقات قائم کئے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سید جلال الدین بخاریؒ کو خواب میں اس بات کی بشارت دی کہ سید بدر الدین کی لڑکی سے شادی کریں، اسی طرح سید بدر الدین بکریؒ کو بھی حضور علیہ السلام نے اس خوش نصیبی کی بشارت خواب میں دی، چنانچہ سید بدر الدین بکریؒ نے اپنی عزیز بیٹی کا نکاح سید جلال الدین بخاریؒ سے کر دیا، اس کے حاسدوں اور کینہ وروں کی ریشہ دوانیوں اور رشتہ داروں کی خلفشاریوں سے تنگ آکر سید جلال الدین بخاری بھکر سے اوچ تشریف لے گئے جہاں آپ کی اولاد پیدا ہوئی اور متعدد افراد آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور حق تعالٰے نے آپ پر خیر و برکت کے دروازے کھول دئے۔ آپ کا مزار بھی اوچ ہی میں ہے۔

شاہ کردیز قدس سرہ العزیز

۵۸۷ھ ——— ۶۶۷ھ

آپ کردیزی سید تھے۔ کردیز سے ملتان تشریف لائے اور یہیں پر مستقل سکونت اختیار فرمائی۔ آپ کا مقبرہ بھی ملتان ہی میں ہے جو زیارت گاہ خاص و عام ہے۔
منقول ہے کہ شاہ کردیز وفات کے بعد بھی اپنی قبر سے ہاتھ مبارک باہر نکالکر لوگوں کو مرید کر لیا کرتے تھے اور ابھی تک وہ سوراخ باقی ہے جس سے آپ ہاتھ باہر نکال کر لوگوں کو مُرید کیا کرتے تھے آپ ملتان کے مشہور مشائخ کرام میں سے ہیں اور حضرت مخدوم شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی رح کے ہمعصر تھے۔

شیخ صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ

۵۹۹ ——— ۶۸۴ھ

آپ شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریاؒ کے فرزند ارجمند تھے، والد بزرگوار کے انتقال کے بعد مسند ارشاد و اصلاح پر جلوہ نما ہوئے، اکثر و بیشتر اولیائے کرام ہی آپ کے ارادتمند اور مرید تھے، مشہور بزرگ میر حسینی سادات بھی آپ ہی کے مرید تھے "کنز الرموز" میں آپ کے والد بزرگوار اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی تعریف و منقبت میں لکھی اور آپ کے متعلق یوں رطب اللسان ہیں۔

مثنوی

آں بلند آوازہ و عالم پناہ — سرورِ دین افتخار صدر گاہ!
صدر دین و دولت آں مقبولِ حق — نہ فلک از خوانِ جودش در طبق
آبِ حیواں قطرۂ بحر دلش — چوں خضر علمِ لدنی حاصلش
معتبر چوں قولِ او افعال او — ہم بیانِ او گواہ حال او
مقتدائے دیں قبول خاص و عام — دولتش گفتہ توئی خیر الانام
ملک معنی جملہ در فرمانِ او — ہم بکسب و ہم بمیراث آن او

(وہ شہرۂ آفاق دنیا والوں کی پناہ گاہ، دین کے سردار اور صدر نشینی کے لئے باعثِ افتخار، صدر الدین مقبولِ خدا ہیں جن کے جود وسخا کے لئے تو آسمان صرف ایک دستر خوان کی حقیقت کے ضامن ہیں، آبِ حیات ان کے دل کے سمندر کا ایک قطرہ ہے اور خضر کی مانند ان کو بھی علمِ لدنی حاصل ہوا ہے، آپ کے افعال مانند باتوں کے معتبر ہیں، اور آپ کا بیان آپ کے حال کی گواہی دیتا ہے، آپ مذہب کے پیشوا اور عام وخاص میں مقبول ہیں، خوش نصیبوں نے آپ کو دو جہان کی سعادت سے تعبیر کیا ہے، تمام باطنی مملکت آپ کا (بفرمانِ الٰہی) حکم مانتی ہے اور آپ تمام کسبی اور موروثی شان وشوکت کے حامل ہیں) اور شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

بیت

من کہ رو از نیک وبد برتافتم　　　این سعادت از قبولش یافتم

(میں نے اچھے اور برے سے منہ پھیر کر یہ سعادت ان کو قبول کر کے پائی ہے) کنوز الفوائد جو شیخ صدرالدین کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے آپ کے مرید شیخ خواجہ ضیاء الدینؒ نے یکجا اکٹھا کیا ہے حقیقت میں یہ وہ نصیحتیں ہیں جو شیخ صدرالدین نے اپنے مریدوں کے نام تحریر فرمائی تھیں۔

ایک جگہ لکھا ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حِصْنِیْ فَمَنْ دَخَلَہٗ اَمِنَ مِنْ عَذَابِیْ (کہ لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو اس میں داخل ہو جائیگا وہ میرے عذاب سے مامون ہو جائے گا) دو چیزیں ہیں، ایک حصن، اور ایک حصار، حصار کے معنی چار دیواری کے ہیں، قطع نظر اس سے کہ اس کی نگرانی وحفاظت کیجائے یا نہیں، اور حصن اس چار دیواری کو کہتے ہیں جسے بنانے کے بعد اس کی نگرانی اور حفاظت کا بھی اہتمام کیا گیا ہو۔

حصن کی تین حالتیں ہیں۔ ظاہر، باطن، حقیقت، قلعہ کا ظاہر یہ ہے کہ بندہ اللہ کے سوا کسی اور سے امید وخوف نہ رکھے، پوری دنیا بھی اگر دوست یا دشمن ہو جائے تب بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کسی قسم کا نقصان یا فائدہ اور اچھائی یا برائی نہیں پہنچا سکتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ

اگر منجانب اللہ کسی کو کوئی تکلیف پہنچے تو سوائے خدا کے کوئی دور کرنے والا نہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ کسی پر اپنا فضل وکرم کرے تو اسکے فضل وکرم کو کوئی روکنے والا نہیں

قلعہ کا باطن یہ ہے کہ مرنے سے قبل اس بات کا جزم و یقین محکم کرے کہ اس ختم ہونے والی سرائے اور دنیا میں جو کچھ پیش آنیوالا ہے وہ سب عارضی اور وقتی ہے۔ کیونکہ اس دنیا میں کسی چیز کو ثبات و قیام اور بقاء و دوام حاصل ہی نہیں اور اس دنیا کو ختم کرنے کے لئے تقدیر کا قلم چل چکا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ اس دنیا کی ہر شئے فنا ہونے والی ہے، چونکہ خود دنیا کو ثبات و قیام نہیں، اسلئے دنیا کے ہونے اور نہ ہونے کی پرواہ کئے بغیر پوشیدہ طریقہ سے اس دنیا میں ٹھہرا رہے، اور قلعہ کی حقیقت یہ ہے کہ جنت کی خواہش اور دوزخ کا خوف دل سے نکال دے اور یاد الٰہی سے دل کو پُر سکون و مطمئن کرے اور فی مقعد صدق عند ملیك مقتدر (الآیۃ) (مقتدر بادشاہ کے پاس صداقت کے مقام پر بیٹھنے والوں) کا مصداق بنے، جب اس مقام کے لائق ہو جائیگا تو جنت خود بخود اس کی طلبگار بن کر اس کے پیچھے پیچھے آئے گی اور دوزخ اس سے دُور بھاگ جائیگی ایک نصیحت اپنے کسی مرید کو یہ فرمائی کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی پہلی شرط یہ ہے کہ جن احکام پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایمان لائے اُنہی احکام پر (من وعن) ایمان لاکر اس پر ثابت قدمی سے قائم رہا جائے اور یہ ثابت قدمی اُس وقت ہوتی ہے جب انسان بغیر شک وشبہ کے دل سے اعتقاد رکھے اور پوری رضامندی، رغبت و محبت کیساتھ زبان سے اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں وحدۂ لاشریک ہے، اور تمام اوصافِ کمالیہ کے ساتھ ہمیشہ سے موصوف ہے، تمام اسماء وصفات کے ساتھ قدیم ہے عقل و دانش کے ادراک سے بلند و بالاتر ہے۔ اجسام، عوارض، حدوث کی علامتوں سے مقدس و پاک ہے، تمام جہانوں کو اسی نے پیدا فرمایا ہے، اس کی ذات وصفات کے متعلق کیوں اور کس طرح (وغیرہ الفاظ شک وشبہ استعمال کرنا) درست نہیں، وہ کسی کے مشابہ نہیں اور کسی چیز کو اس سے کسی طرح کی بھی مشابہت نہیں دی جا سکتی۔ تمام تر پیغمبر اس کے رسول اور بھیجے ہوئے ہیں اور سرکار دو عالم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں سے افضل و اعلیٰ ہیں، سرتاج الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ فرمایا وہ سب برحق و درست ہے اور اس میں باہم دیگر کوئی فرق و اختلاف نہیں، خواہ آپ کی باتیں (بظاہر عقل میں آئیں یا نہ آئیں اور

آپ کی باتیں (بادیٔ النظر) عقل میں نہ آئیں تب بھی اُن کو ماننا اور تسلیم کرنا چاہیئے۔ تاکہ اعتقاد درست رہ سکے کیونکہ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم کو خوب پہچانا اور جانا لیکن اس کی کیفیت اور حقیقت معلوم کرنے میں نہیں رہے۔ قرآن کریم اور حدیث شریف کے مطابق اللہ کے کسی حکم میں تاویل کرنے کی ضرورت پیش آئے تو وہ تاویل جائز ہے، ایمان کے صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ نیکی کرنے سے دل خوش ہو، اور اگر کوئی برائی سرزد ہوجائے تو کم ازکم اسے دل میں ضرور بُرا تصور کرے، ایمان پر استقامت اور ثابت قدمی کی علامت ونشانی یہ ہے کہ علم وایمان کے اعتبار سے ہی نہیں بلکہ ذوق وحال کی بنا پر غیروں کی بجائے صرف خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو محبوب رکھے۔

ایک اور نصیحت میں لکھا ہے کہ کوئی سانس خدا کے ذکر کے بغیر منہ سے نہ نکلے کیونکہ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جو شخص ذکر الٰہی کے بغیر سانس لیتا ہے وہ اپنے کو ہلاک وبرباد کرتا ہے ذکر اللہ کے وقت وساوسِ شیطانیہ اور خواہشاتِ نفسانیہ سے مکمل گریز کرنے کی کوشش کیجائے، جب اس (مذکورہ) طریقے کے مطابق ذکر اللہ کیا جائے تو ذکر کی نورانیت کی وجہ سے وساوس اور دل میں آنیوالے تمام تخیلات خود بخود جل کر خاکستر ہوجائیں گے اور پھر ذکر اللہ کی نورانیت سے دل بہت جلد منور ہوجائے گا اور اس میں ذکر کی حقیقت مستقر ہوجائے گی، اور اسوقت ذکر کے ساتھ جس کا ذکر کیا جارہا ہے (یعنی اللہ) اس کے جمال کا مشاہدہ زیر نظر رہے گا اور نورِ یقین سے دل منور وتاباں ہوجائے گا۔ طلبگاروں کا مطلوب اور سالکوں کا مقصود صرف یہی ہے، مصرعہ

ایں کار دولت است کنوں تاکرا رسد

(یہ کام دراصل خوش بختوں کا ہے، اب دیکھو کس کے حصہ میں آئے) نیز آپ کے وصیت نامہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یا ایھا الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا۔ کہ اے ایمان والو! ذکرِ الٰہی کثرت سے کیا کرو۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں تو اسکو نیک بختوں میں لکھ کر زبان سے ذکر کرنے کی توفیق کے ساتھ ساتھ دل کی موافقت کی قوت بھی عطا فرمادیتے ہیں، پھر لسانی ذکر میں ترقی عطا فرما کر قلبی ذکر تک پہنچادیتے ہیں تاکہ اگر زبان خاموش ہوجائے

تو دل جاری رہے اسی کو ذکر کثیر کہتے ہیں۔ اس ذکر تک انسان اس وقت رسائی حاصل کرتا ہے جب ہر قسم کے نفاق (فسق وفجور) سے بَری ہو جائے جسکا لطیف اشارہ نبی علیہ السلام کے اس فرمان میں ملتا ہے کہ اکثر منافقی امتی قراءھا (میری امت کے منافق اکثر قرار ہونگے) منافقوں کی اس منافقت سے وہ نفاق مراد ہے جو غیر اللہ کے ساتھ میل جول اور باطنی تعلق کیوجہ سے ہو، اور جب کسی انسان کو ان غیر محمودہ چیزوں سے علیحدگی کی توفیق ہوتی ہے (غیر محمودہ وہ چیزیں ہیں جو حلال نہیں، قابلِ تعریف نہیں) پھر یہ انسان بُرے خیالات اور ناپسندیدہ اخلاق سے علیحدہ ہو کر اپنے باطنی کمالات کے ذریعہ ممتاز ہوتا ہے تو وہ وقت قریب آجاتا ہے جبکہ اس کے باطن میں ذکر اللہ کا نور تابانی و درخشانی کرتا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جبکہ اس بندے سے شیطانی وساوس اور نفسانی خواہشات دُور ہو جاتی ہیں اور اس کے باطن میں ذکر اللہ کے نور کے اتنے جوہر نمایاں ہوتے ہیں کہ ذاکر کو ذکر کے ذریعہ خدا تعالےٰ کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے اور یہی وہ بلند مرتبہ اور نعمت عظمیٰ ہے جس کے حصول کے لئے صاحبِ ہمت اور اہلِ بصیرت لوگ اپنی گردنوں کو جھکاتے اور خم کرتے ہیں۔

شیخ رکنُ الدین ابُوالفتح رح

۶۳۵ ــــــــــــ ۶۹۰ھ

آپ شیخ صدر الدین بن شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانی رح کے فرزند اور اپنے دادا شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا رح کے براہِ راست سجادہ نشین اور جانشین تھے۔ فتاوٰی صوفیہ جو آپ کے ایک مرید کی تصنیف ہے اس میں آپ کا کثرت سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ مجمع الاخیار میں آپ کے ملفوظات اور خطوط درج ہیں جو آپ نے اپنے مریدوں کے نام لکھے تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں عزیز! خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے ایک صورت اور دوسری صفت، اور قابلِ تعریف صرف صفت ہے، صورت کی کوئی قیمت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے اعمال اور دلوں کو دیکھتا ہے، صفت کا ظہور حقیقی طور پر صرف آخرت ہی میں ہوگا، وہاں ہر صفت ایک ظاہری صورتیں نظر آئے گی

کیونکہ آخرت ہی وہ انعام ہے جہاں ہر چیز کی حقیقت ظاہر لباس میں ملبوس کردی جائیگی اور یہ صورتیں متلاشی نظر آئیں گی اور جس کی جو صورت ہوگی اسی صورت میں اس کو اٹھایا جائے گا، جیساکہ بلعم باعور کو اتنی عبادت اور زہد کے باوجود کتے کی شکل و صورت میں اٹھایا جائیگا یعنی اس کی صورت کتے جیسی بنا دی جائے گی، اسی طرح قیامت کے دن ظالم و سرکش اپنے کو بھیڑیے کی شکل و صورت میں دیکھے گا، متکبر و مغرور کی صورت چیتے کی مانند اور لالچی و کنجوس کی شکل خنزیر جیسی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (آج کا دن وہ دن ہے کہ ہم نے تمہاری آنکھوں سے پردہ ہٹالیا) آپ جب تک اپنے قلوب سے اوصافِ رذیلہ کو دور نہ کریں گے اُس وقت تک جانوروں اور درندوں میں شمار کئے جائیں گے جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اولئك كالانعام بل هم اضل سبيلا (یہ جانوروں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں) قلوب کی صفائی اور پاکی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اللہ کے دربار میں استعانت اور التجا کی جاتی ہے اور میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں کرتا کیونکہ نفس ہمیشہ سرکشی پر اکساتا ہے مگر جن لوگوں پر اللہ نے اپنا فضل و کرم کیا وہ نفس کی سرکشی سے علیحدہ اور کنارہ کش رہتے ہیں اور میرا پروردگار بڑا ہی غفور و رحیم ہے یعنی جب تک خدا تعالیٰ کا فضل و کرم دستگیری کرکے شاملِ حال نہ ہو اس وقت تک تزکیہ نفس اور قلوب کی صفائی ناممکن ہے۔ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کسی وقت بھی پاکیزہ صفت نہ بن سکتا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی نشانی یہ ہے کہ انسان اپنے ذاتی عیوب پر نظر رکھے اور انھیں بُرا تصور کرے اور انوارِ الٰہی کی عظمت کے پَرتو سے اسکا باطن اس طرح درخشاں ہوجائے کہ تمام دنیا اور دنیا کی شان و شوکت اس نیک مرد کی نظروں میں کوئی وقعت نہ رکھے اور دنیا داروں کی کوئی منزلت و قدر اس کے دل میں سنگریزے کی مقدار تک بھی نہ رہے، جب کسی مومن کی یہ حالت ہوجاتی ہے تو دنیا دار جن شہوانی اور حیوانی صفات میں مبتلا اور گرفتار ہیں وہ ان تمام چیزوں سے نفرت کرنے لگتا ہے اور پھر اس نیک مرد کی خواہش یہی رہتی ہے کہ یہ دنیا دار بھی فرشتہ صفت بن جائیں، چنانچہ ظلم، غضب غرور، بخل اور طمع و لالچ کے بجائے اس کے اندر عفو و بردباری، تواضع و سخاوت اور

ایثار کی خوبیاں پیدا ہوجاتی ہیں، ذکر کردہ اوصاف آخرت کے طلبگاروں کے ہیں، رہے طالبانِ حق، سو اُن کے اوصاف بہت بلند و بالاتر ہیں جن کا احاطہ مشکل ہے) تخلقوا باخلاق اللہ (اخلاقِ الٰہی کو اپنے اخلاق بناؤ) یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے جہاں تک ہر ایک کی رسائی نہیں ہوتی

شعر

عہد بستم مرا کہ نگیرم بغیر تو دوست　　شرط بستم مرا کہ نخواہم بغیر تو ہیچ

(میں نے اپنی ذات سے یہ عہد کرلیا ہے کہ تیرے بغیر اور کسی کو دوست نہیں بناؤں گا اور اپنے نفس سے یہ شرط کرلی ہے کہ تیرے بغیر اور کسی کو چاہونگا نہیں) مجمع البحار میں ہے کہ شیخ رکن الدین ابوالفتح نے ایک خط میں اپنے ایک مرید کو لکھا کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے از خود نہ کسی سے نیکی کی اور نہ ہی بدی، امیر المؤمنین حضرت علیؓ سے یہ بات سنکر تمام حاضرینِ مجلس تعجب سے انگشت بدنداں ہوگئے اور پوچھنے لگے کہ اے امیر المؤمنین! ممکن ہے کہ آپ نے کسی کے ساتھ بُرائی نہ کی ہو لیکن اچھائی اور نیکی کے بارمیں آپ کیا فرمارہے ہیں؟ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے من عمل صالحاً فلنفسہٖ و من اساء فعلیہا (جس نے نیک عمل کیا تو اس کی جزا اسی کو ملے گی، اسی طرح اگر کسی نے بُرا کام کیا تو اس کا عذاب بھی اسی کو دیا جائے گا) نیکی اور بدی جو کچھ بھی مجھ سے سرزد ہوئی اس کا بدلہ مجھے ہی دیا جائے گا، دوسروں کا اس سے کوئی تعلق نہ ہوگا، باقی اللہ ہی زیادہ جانتے ہیں۔ اسی بنیاد پر بزرگوں نے کہا ہے ؎ سلاح دین کس صلاح او بس است (کہ کسی کا بہترین ہتھیار اس کی اپنی اصلاح ہے)

شعر

چو میدانی ہر آنچہ کاری دردی　　آخر بہمہ حال نکو کار بہ

(جب تجھے یہ معلوم ہے کہ جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے، تو پھر ہر حال میں نیکی ہی کا بیج بونا بہتر ہے) عقلمند کے لئے تو یہی نصیحت دنیا اور آخرت کے تمام کاموں کی سعادت کے لئے کافی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نیکی اور بھلائی کی توفیق دیتے ہیں، شیخ نے اعمال پر متابعت کے لئے ایک نصیحت یہ بھی فرمائی کہ اپنے تمام اعضاء کو تمام تر ممنوعات اور مکروہات شرعیہ سے قولاً و فعلاً باز رکھا جائے اور فضول آدمی کی نشست برخاست سے علیحدگی اختیار کی جائے اور وہ چیز جو اللہ سے تعلق

توڑدے اس کی کوئی قیمت نہیں ، اور باطل پرست لوگوں کی صحبت سے کنارہ کشی اختیار کی جائے اور یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ جو شخص حق کا طلبگار نہیں وہ جھوٹا اور باطل پرست ہے ، اور نیز مجمع الاخیار میں ہے کہ ایک دن سلطان غیاث الدین تغلق بادشاہ نے مولنا ظہیر الدین لنگ سے دریافت کیا کہ آپ نے شیخ رکن الدین ابو الفتح کی کبھی کوئی کرامت بھی دیکھی ؟ تو مولنا نے جواب دیا کہ جمعہ کے روز لوگوں کا بڑی کثرت سے آپ سے فیض حاصل کرنا یہ آپ کی کرامت ہے ، میں نے اپنے دل میں کہا کہ شیخ کے پاس تسخیر کا عمل ہے اور مجھے اگرچہ لوگ عقلمند اور عالم کہتے ہیں مگر میرے پاس کوئی نہیں آتا ، خیر کل کو میں شیخ کے پاس جا کر اُن سے یہ مسئلہ پوچھوں گا کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو جو سنت قرار دیا گیا ہے اس میں کیا راز ہے ؟ چنانچہ رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ شیخ صاحب سے میری ملاقات ہوئی اور شیخ نے مجھے حلوا کھلایا ہے ، جس کی حلاوت بیدار ہونے کے بعد تمام دن محسوس کرتا رہا ، میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر کرامت یہی ہے تو شیطان بھی اسی طرح کے کرشمے دکھا کر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے (یعنی اس بات کا کرامت سے کوئی تعلق نہیں اس طرح تو شیطان بھی کر سکتا ہے) چنانچہ میں نے اپنے دل میں اس بات کا تہیّہ کر لیا کہ کل سویرے جا کر یہ مسئلہ ضرور پوچھوں گا ، غرضیکہ دوسرے دن صبح سویرے میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے دیکھتے ہی آپ نے فرمایا کہ (بڑا اچھا ہوا آپ تشریف لے آئے) میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا اور پھر خود ہی اس طرح تقریر شروع فرمائی ، کہ ناپاکی دو قسمیں ہیں ، ایک ناپاکئ دل اور دوسری ناپاکی بدن اور جسم کی ، عورت سے مجامعت کے بعد بدن ناپاک ہوجاتا ہے اور بُرے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے سے دل ، جسم کی پلیدی اور ناپاکی پانی سے ختم ہوتی ہے اور دل کی ناپاکی آنسوؤں سے دھلتی ہے ، پھر اس کے بعد فرمایا کہ پانی کے اندر تین اوصاف ہونگے تب وہ طاہر اور مطہر ہوگا ، اور تین اوصاف رنگ ، مزہ اور بُو ہیں ، شریعت نے وضو میں کُلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اسی لئے مقدم رکھا تاکہ کُلی کرنے سے پانی کا مزہ اور ناک میں پانی ڈالنے سے اس کی بُو معلوم ہوجائے ، مولنا فرماتے ہیں کہ جب شیخ نے یہ تقریر فرمائی تو میرے جسم

سے پسینہ بہنے لگا، اس کے بعد شیخ نے فرمایا کہ شیطان جس طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت اختیار نہیں کر سکتا اسی طرح حقیقی شیخ کی شکل بھی اختیار نہیں کر سکتا، اس لئے کہ حقیقی شیخ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری پیروی کرتا ہے، اس کے بعد شیخ نے مولنا ظہیر الدین سے خطاب کر کے فرمایا کہ مولنا! آپ ظاہری علوم سے مالا مال ہیں لیکن علوم حال سے ابھی تک نا آشنا ہیں۔

سلطان قطب الدین بن علاؤالدین خلجی بادشاہ کے دَورِ سلطنت میں شیخ رکن الدین ابو الفتح دہلی تشریف لائے اور شیخ نظام الدین اولیار جو اس وقت مسند ارشاد و تربیت پر فائز اور اس وقت کے مشہور بزرگ تھے، شیخ ابو الفتح کی آمد کی خبر سُن کر آپ کے استقبال کے لئے اپنے خاص مقام سے حوض علائی تک تشریف لائے۔ سلطان قطب الدین بادشاہ نے شیخ رکن الدین کا بڑا اکرام و اعزاز کیا اور دَورانِ گفتگو پوچھا کہ اس شہر میں آپ کا کن لوگوں نے استقبال کیا تو شیخ ابو الفتح نے فرمایا دہلی والوں میں سے اس بزرگ ہستی نے (یعنی خواجہ نظام الدین اولیار) جو شہر والوں میں سب سے زیادہ بہتر ہیں،

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ سلطان قطب الدین کے دل میں شیخ نظام الدین اولیار کا مرتبہ اور عزت کم ہو گئی تھی، بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ شیخ رکن الدین ابو الفتح کے دربار میں عزت کرنے کی وجہ یہی تھی کہ خواجہ نظام الدین اولیار کی شان بان ختم ہو جائے، غرضیکہ شیخ رکن الدین ابو الفتح نے اپنے اس جواب سے ان تمام موہومہ تخیلات کی بیخ کنی کر دی جن کی غیر متوقع امید کی گئی تھی، سیر الاولیار میں لکھا ہے کہ استقبال کرنے کے بعد دونوں بزرگوں یعنی شیخ رکن الدین ابو الفتح اور خواجہ نظام الدین اولیار رح کی جامع مسجد میں ملاقات ہوئی جس کی تفصیل یوں منقول ہے کہ حضرت محبوب سبحانی اپنی نماز کی مقررہ جگہ سے اُٹھ کر شیخ رکن الدین کے پاس تشریف لے گئے، پھر تھوڑی دیر کے بعد شیخ رکن الدین اپنی جگہ سے اُٹھ کر خواجہ نظام الدین کی جگہ پر دوبارہ دیدار کی غرض سے تشریف لے گئے اور دونوں کی اسی جامع مسجد میں خوب صحبت و ملاقات رہی۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ محبوب سبحانی رح اپنے مقبرے کی عمارت تعمیر کروا رہے تھے

کہ اچانک شیخ رکن الدین کی آمد آمد کا شور بلند ہوا، آپ نے اسی وقت کھانا تیار کرنے کا حکم دیا اور اپنے دوست احباب کو جمع کرلیا، اتنے میں شیخ رکن الدین پالکی میں سوار ہو کر آپ کے ہاں تشریف لے آئے، (بوقتِ ملاقات بھی) غالباً وہ مرض اور خاص عذر کی بنا پر پالکی ہی میں بیٹھے رہے، خواجہ نظام الدین اولیاء اور آپکے دیگر تمام ساتھی بھی پالکی کے اردگرد بیٹھ گئے، باتیں ہو رہی تھیں اور مجلس خوب گرم تھی کہ اتنے میں شیخ رکن الدین ابوالفتح کے چھوٹے بھائی شیخ عماد الدین اسماعیلؒ نے کہا کہ آج بزرگوں کا اجتماع ہے، بہترین موقع ہے لہذا اس کو غنیمت تصوّر کرتے ہوئے آپ حضرات سے کچھ استفادہ کرنا چاہتا ہوں سو گزارش یہ ہے کہ عرصۂ دراز سے میرے دل کے اندر ایک شبہ ہے اور وہ یہ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے میں راز کیا تھا؟ شیخ رکن الدینؒ نے فرمایا کہ اس میں غالباً یہ حکمت ہوگی کہ نبی علیہ السلام کے وہ کمالات و درجات جو ابھی تک مقدر اور پوشیدہ تھے ان کا عملی طور پر اصحابِ صفہ پر فیضان ظاہر کرنا مقصود ہوگا، اس کے بعد خواجہ نظام الدینؒ نے اپنے حلقہ بگوش لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ فقیر کے خیال میں ہجرت کا راز یہ ہے کہ مدینہ کے وہ فقراء جو مکہ میں آکر نبی علیہ السلام کی زیارت نہیں کر سکتے تھے ان کو اس نعمتِ عظمیٰ سے مشرف کرنا مقصود تھا (ہجرت کے راز کو انھیں دو وجوہ پر منحصر نہ سمجھا جائے بلکہ علماءِ کرام نے اس کے متعدد اسرار لکھے ہیں۔ فاضل ۱۲) غرضیکہ ہر دو بزرگوں کے بیان کا مقصد ایک دوسرے کی خاطر داری تواضع تھی، شیخ رکن الدین کا مطلب یہ تھا کہ ہماری آمد کا مقصد طلب کمال اور حصول فائدہ ہے اور محبوبِ سبحانی کا مطلب تکمیل اور فائدہ رسانی تھی، یہ واقعہ سیر الاولیاء میں بھی لکھا ہے۔

مؤلف کتاب کہتا ہے کہ نبی علیہ السلام کا کمال جو اصحابِ صفہ پر موقوف تھا وہ ارشاد و تکمیل ہی تھا جو موجبِ ثواب اور باعث عالی درجات تھا ان کا اپنا ذاتی کوئی کمال نہ تھا، غرضیکہ مطلب دونوں بزرگوں کی باتوں کا ایک ہی ہے۔ واللہ اعلم، اس کے بعد کھانا لایا گیا، کھانے سے فراغت کے بعد محبوب سبحانی نے چند عمدہ قسم کے کپڑوں کے ساتھ سو اشرفیاں ایک ایسے باریک کپڑے میں جس میں سے اشرفیوں کا رنگ باہر سے چمکتا ہوا نظر آرہا تھا

باندھ کر شیخ رکن الدین کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیں، شیخ رکن الدین نے اس تحفہ کو دیکھ کر فرمایا اُسْتُرْ ذَھَبَکَ کہ اپنے سونے کو ڈھانپ لو، محبوب سبحانی نے جواب میں فرمایا وذھابک من ھبك (کہ سونا میرا مذھب ہے) یعنی مال وزر باعث ستر مذھب ہے اور گوڈری درویش کا حال ہے تاکہ دو (ان دونوں کے ذریعہ) عوام سے پوشیدہ رہ سکے۔ (اس کے بعد بھی) شیخ رکن الدین نے تحفہ قبول کرنے سے پس و پیش کیا تو محبوب سبحانی نے ان کے بھائی عماد الدین اسماعیل کے حوالہ کر دیا،

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ اتفاق سے محبوب الٰہی بیمار پڑ گئے تو عیادت کے لئے شیخ رکن الدین آپکے مکان پر تشریف لائے اور فرمایا کہ ہر شخص حج کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش اور سعی کرتا ہے اور یہ عشرہ ذی الحجہ ہے میں سعی کر کے شیخ المشائخ کی زیارت کی سعادت سے بہرہ ور ہوا، شیخ نظام الدین اولیاء کی وفات کے بعد آپ کی نماز جنازہ بھی شیخ رکن الدین نے پڑھائی بعدہٗ فرمایا کہ تین سال تک ہم کو دہلی میں رکھنے کا راز یہی تھا کہ یہ سعادت حاصل کرنی تھی اس کے تھوڑے عرصہ بعد شیخ رکن الدین ابوالفتح اپنے اصلی وطن (ملتان) واپس ہو گئے۔

خیر المجالس میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کا یہ بیان لکھا ہے کہ شیخ الاسلام شیخ رکن الدین ابوالفتح جب ملتان سے دہلی تشریف لائے تو آپکے پاس قلندروں، بھکاریوں کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا، قلندروں نے کہا کہ ہمیں شربت پلایئے، آپ نے انھیں کچھ دے کر روانہ کیا، پھر بھکاریوں نے مطالبہ کیا کہ ہم کو بھی دلواؤ، آپ نے ان کو بھی کچھ دے کر روانہ کیا، ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ قوم کے سردار کے پاس تین چیزوں کا ہونا لازمی ہے۔ اولاً مال و دولت تاکہ لوگ جو کچھ اس سے مانگیں وہ اُن کو دے دیا کرے، اس زمانے کے قلندر شربت مانگتے ہیں، اگر درویش کے پاس نقدی اور مال نہ ہو تو وہ اُن کو شربت کہاں سے پلائے گا، ان مانگنے والوں کی حالت یہ ہے کہ یہ باہر نکلتے ہی بدگوئی شروع کر دیتے ہیں اور اپنے اس جرم مانگنے کے سبب قیامت کے روز عذاب میں گرفتار ہوں گے، دوسری چیز یہ کہ درویش صاحب علم ہونا چاہیئے تاکہ علماء کی صحبت

میں ان سے علمی گفتگو کر سکے، تیسری چیز جو درویش کے لئے لازمی ہے وہ "حال" ہے تاکہ دوسرے درویشوں کو بھی حال میں لا سکے۔

شیخ صلاح الدین درویشؒ

۶۴۸ ـــــــ ۷۴۹ھ

آپ شیخ صدرالدینؒ کے مرید اور خلیفہ تھے، بڑے بزرگ اور عالی مرتبت تھے، شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی کے معاصر اور ہمسایہ تھے، سلطان محمد تغلق بادشاہ کی طرف سے مشائخ کو جو تکالیف پہنچائی جاتی تھیں، میر سید شیخ نصیرالدین نے تو ان سب کو اپنے شیخ کی وصیت کے مطابق برداشت کیا، لیکن شیخ صلاح الدین درویش بادشاہ سے ہمیشہ ترش کلامی سے پیش آتے تھے شیخ صلاح الدین نے ملتان سے رحلت فرما کر دہلی کو اپنا وطن بنالیا تھا اور دہلی ہی میں انتقال فرمایا، نصیرالدین محمود چراغ دہلویؒ کے مزار کے قریب ہی آپ کی قبر ہے، ۲۲ صفر المظفر کو آپ کا عرس ہوتا ہے، آپ کی مناجات ہے جس کو لوگ مناجات صلاح کہتے ہیں، اسمیں آپ کہتے ہیں کہ اے اللہ مجھے اس گھڑی اور وقت کی قسم جبکہ تو نے صلاح الدین درویش کو سفید ہاتھی کہا، اے اللہ! مجھے قسم اس وقت اور گھڑی کی جب تو نے صلاح درویش کو امروہہ میں ایک بوہڑ کے درخت کے نیچے فرمایا کہ اللہ یقرئک السلام (کہ اللہ تجھ کو سلام کہتے ہیں) اور اسی قسم کی مختلف باتیں اس مناجات میں ہیں۔

منقول ہے کہ ایک نوجوان گھوڑے پر سوار کہیں جا رہا تھا، گھوڑا خوبصورت اور بہت تیز رفتار تھا، اچانک اس نوجوان نے گھوڑے کو زور سے کوڑا مارا جس کے زخم کا نشان گھوڑے کے سر پر نقش ہو گیا، شیخ صلاح الدین یہ دیکھ کر اس نوجوان پر غضبناک اور ناراض ہوئے اور اسے بہت سخت سست کہا (آپ کے غضبناک ہونے اور نوجوان کو ڈانٹنے کا یہ اثر ہوا) کہ وہ گھوڑے سے گر پڑا، لوگوں نے دیکھا کہ کوڑے کے زخم کا اثر شیخ صلاح الدین درویش کے جسم پر منقوش ہے۔

مولانا بدرالدین اسحاقؒ

۶۰۱ —————— ۶۷۰ھ

آپ علی بن اسحاق دہلویؒ کے فرزند تھے اور شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے خادم اور خلیفہ اور داماد تھے، اپنے زمانے کے بہت بڑے شیخ تھے۔ زہد و تقویٰ فقر اور عشق میں اپنی مثال خود تھے، بچپن کے زمانے میں آپ نے دہلی میں علوم حاصل کئے، طلباء میں آپکی خوش مزاجی اور حاضر دماغی مشہور تھی، تحصیل علم کے بعد جو چیز شرفاء اور دانشور لوگ سیکھا کرتے تھے آپ نے بھی وہ چیز سیکھی، اس سے فراغت کے بعد بخارا کا رُخ فرمایا، چونکہ پاکپٹن راستہ میں پڑتا تھا وہاں شیخ فریدالدین شکر گنج کے کمالات سُن کر ملاقات کا اشتیاق ہوا، اس کے بعد آپ نے ایک آدمی کو تیار کیا کہ وہ آپ کی شیخ فریدالدین سے ملاقات کرا دے، چنانچہ آپ نے جب شیخ فریدالدین کی ملاقات کی تو اپنے تمام علوم و فنون ظاہریہ کو شیخ کے پہلو میں دفن کر دیا اور ان کے جمال و کمال کے شیدائی ہو گئے، شیخ فریدالدینؒ نے مولانا بدرالدین اسحاق کی قابلیت اور صلاحیت کو دیکھ کر اپنی خدمت اور دامادی کے لئے منتخب کر کے بہترین طور پر تربیت دی اور خرقہ خلافت عطا فرمایا، لوگوں میں مشہور ہے کہ آپ اکثر و بیشتر اوقات میں روتے ہوئے نظر آیا کرتے تھے، ایک دن یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

پیشِ صلابتِ غمش روح نطق نمی زند — اے زہزار صعوہ کم پس تو نواچہ مے زنی

(اس کے عشق کے غم کی وجہ سے روح تک نہیں بولتی، اے انسان تیری ہستی ایک مولا کے ہزاروں حصہ سے بھی کمتر ہے پھر تو نالہ کیوں کرتا ہے) اس شعر کے ذوق میں پورا دن عالم تحیر میں گزار دیا، جب مغرب کا وقت ہوا تو شیخ نے آپ کو امام بنایا تو بجائے قرأت کے آپ نے یہی شعر پڑھنا شروع کیا اور فوراً بیہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش میں آئے تو شیخ نے پھر اُنھیں کو امام بنایا،

رسالہ "اسرار اولیاء" آپ کی تصنیف ہے، جس میں آپ نے اپنے شیخ گنج شکرؒ کے ملفوظات کو جمع کیا ہے، اس کے علاوہ بھی آپ نے ایک کتاب نظم کے اندر علم صرف میں لکھی ہے جس میں

تبحر علمی اور فصاحت کو خوب ظاہر کیا ہے، اس رسالہ کے آخر میں جو اشعار لکھے گئے ہیں، وہ سیر الاولیار میں بھی نقل کئے گئے ہیں، اسرار الاولیار کے خاتمے پر شیخ نظام الدین کی خدمت میں التماس کے عنوان سے چند سطریں عربی زبان میں لکھی ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے۔

"الامام المجاہد حضرت نظام الدین محمد بن احمد صاحب خصائل پسندیدہ و عادات برگزیدہ نے مجھ سے یہ نظم سُنی، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو آپ کے خصائل و آثار پر عمل کرنے کی توفیق دے آپ کے فضائل و انوار عام ہیں، میں صفتِ شاعری میں تہیدست ہوں، لیکن بحکم عالی نظم پیش کرنا ضروری تھا، اور میری یہ سعی ایسی ہے جیسے سلیمانؑ کے سامنے چیونٹی کی سعی،

جنابعالی! جناب نے اپنے علو مرتبت کے باوجود اس فقیر سے نظم کی فرمائش کی جو حسب الحکم پیشِ خدمت ہے، میں کمزور، فقیر بدرالدین اسحاق بن علی دہلوی ان سطور کے ذریعہ امیدوار ہوں کہ میرے لئے صلاحیت کی دعا فرمائی جائے، اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، آپ کی قبر پاکپٹن کی جامع مسجد کے صحن میں ہے جہاں لوگ اکثر و بیشتر یادِ الٰہی کیا کرتے ہیں۔

شیخ جمال احمد ہانسویؒ

۶۲۸ ـــــــــــــــ ۷۰۰ھ

آپ بہت بڑے خطیب و مقرر تھے، آپ کا سلسلۂ نسب امام ابو حنیفہؒ سے ملتا ہے۔ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے بڑے خلفار میں سے تھے، کمالات ظاہریہ اور باطنیہ کے حامل تھے، شیخ فرید کو آپ سے بڑی محبت تھی اسی وجہ سے انھوں نے بارہ برس آپ کے پاس ہانسی میں گزار دئے، وہ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ "جمال ہمارا جمال ہے" اور کبھی یوں فرماتے کہ جمال، میری خواہش ہے کہ تمہارے اردگرد چکر لگایا کروں، شیخ فریدؒ جس کسی کو خلافت دیتے اسے جمال کے پاس بھیج دیتے۔ اگر شیخ جمال اس کو قبول کر لیتے تو خلافت کو قائم رکھتے اور اگر شیخ جمال اس کو ناپسند کرتے تو اس کی خلافت ختم کر دیتے تھے، اور پھر شیخ فرید اسے دوبارہ قبول نہ فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ جس کو جمال پھاڑ دے اُسے فرید نہیں سی سکتا۔

ایک دن ایک آدمی ہانسی سے شیخ فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس سے دریافت کیا کہ ہمارے جمال کا کیا حال ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ہمارے مخدوم (یعنی شیخ جمال) نے جس روز سے آپ سے تعلق قائم کیا ہے اس وقت سے ریاضت اور مجاہدہ میں مصروف رہتے ہیں، آنا جانا سب کچھ ترک کر دیا ہے اور فاقے سہتے ہیں، شیخ فریدؒ یہ سُن کر خوش ہوئے اور کہا الحمد للہ (اور پھر دُعا دی کہ خدا اُنھیں) خوش رکھے، منقول ہے کہ ایک دن شیخ جمال احمد ہانسویؒ نے یہ حدیث سنی کہ القبور روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النیران (یعنی قبریں جنت کے باغوں میں سے باغ ہوتی ہیں یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا) تو بہت پریشان و حیران ہوئے اور (حدیث کی) اس تنبیہ کو سننے کے بعد بیقرار رہنے لگے، آپ کے انتقال کے بعد لوگوں نے کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ آپ کی قبر پر گنبد بنا دیں، آخر کار گنبد بنانے کے لئے کھدائی کی گئی، جب کھدائی کرتے کرتے لوگ لحد کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ قبلہ کی جانب ایک کھڑکی ہے جس میں سے جنت کی خوشبو آرہی ہے، چنانچہ لوگوں نے اُسی وقت اس کھڑکی کو بند کر دیا اور وہاں سے ہٹ گئے، پھر قبر کو اوپر سے بند کر کے گنبد بنا دیا،

شیخ احمد ہانسویؒ کے متعدد رسالے اور اشعار ہیں، ایک رسالہ عربی میں بھی ہے جس میں مختلف کلمات کو بحیثیت سجع جمع کیا گیا ہے جس کا نام "ملہمات" ہے، آپ نے ایک جگہ اس میں لکھا ہے کہ فقر ایک عمدہ اور بہترین خصلت ہے جس سے یہ صفات معرض وجود میں آتی ہیں۔ صلاحیت، عفت، زہد، پاکیزگی، تقویٰ، طاعت، عبادت فاقہ کشی، سکنت و قناعت، مروت و جوانمردی، دیانت و حفاظت، امانت و بیداری تہجد و خضوع، خشوع و عاجزی، تواضع و تحمل، برداشت و عفو اور چشم پوشی، مہربانی و انفاق فی سبیل اللہ، ایثار و کھانا کھلانا، اکرام و احسان، ماسوی اللہ سے نفرت اور خدا کی عبادت میں اخلاص، انقطاع و جُدائی، سچائی و صبر، خاموشی و بردباری، رضا و حیا، سخاوت و ناداری، خوف و اُمید، ریاضت و مجاہدہ اور مراقبہ، موافقت و دوستی اور مداومت علی العبادۃ اور معاملت، توحید و تہذیب، تجرید و تفرید، سکوت و

وقار، مدارات، محبت والفت، عنایت، رعایت، شفقت، سفارش، لطف وکرم، مجاہدہ شکر، فکر، ذکر، عزت، ادب واحترام، طلب ورغبت، غیرت وعبرت، بصیرت و بیداری، حکمت، للٰہیت، ہمت، معرفت وحقیقت، خدمت وتسلیم، توکل، پریشانی یقین واعتماد، غنا وثبات اور حسنِ خلق۔

وکل فقیرا اذا وجدت فیہ ھٰذہ الصفات سمی فقیرا کاملا و اذا فقدت لم یسم فقیراً۔

ہر وہ فقیر جس کے اندر یہ جملہ صفات ہونگی وہ کامل فقیر ہوگا اور جس کے اندر یہ صفات نہ ہونگی وہ فقیر کہلانے کا حقدار نہیں۔

شیخ جمال احمد کا مزار ہانسی میں ہے جو اپنے تین بچوں سمیت ایک ہی گنبد میں آرام فرما رہے ہیں، منقول ہے کہ شیخ احمد ہانسویؒ کی وفات کے بعد لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھکر حالات پوچھے تو آپ نے فرمایا کہ قبر میں دفن کرنے کے بعد عذاب کے دو فرشتے میرے پاس آئے اور اُن کے بعد ہی فوراً دو فرشتے اور آئے اور یہ حکم لائے کہ ہم نے اسے بخشدیا یہ مغرب کی نماز کے فوراً بعد ہی دو رکعت صلوٰۃ بروج جس میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ بروج اور سورہ طارق ہے پڑھا کرتا تھا اور ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھتا تھا،

شیخ برہان الدین صوفیؒ

۶۴۱ ــــــــــ ۷۱۳ھ

آپ شیخ جمال الدین ہانسویؒ کے فرزند تھے، اپنے والد شیخ جمال الدین کے انتقال کے وقت کم عمر تھے، جب آپ کو شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ بڑی مہربانی کے ساتھ پیش آئے اور خلافت نامہ، جانماز اور عصا کے ساتھ وہ تبرکات جو ان کے والد شیخ جمال الدین کو دئے تھے انھیں بھی عنایت فرمائے اور خواجہ نظام الدین اولیاء سے حصولِ فیض کا حکم دیا، چنانچہ آپ ہر سال نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوتے اور تربیت حاصل کرتے، نظام الدین اولیاءؒ نے اپنی آخری زندگی تک پھر کسی کو مرید نہیں کیا، شیخ جمال الدین کا ایک اور لڑکا بھی تھا جو بہت سمجھدار تھا مگر

آخر میں دیوانہ ہوگیا تھا جس کے متعلق محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ وہ کبھی کبھی ہوش میں آکر عقلمندی کی باتیں کیا کرتا تھا میں نے خود ایک کلام اس سے سُنا وہ کہہ رہا تھا العلم حجاب اللّٰہ الاکبر (کہ علم اللہ تعالٰے تک پہنچنے میں بڑا حجاب ہے) یہ سُن کر مجھے یقین ہوگیا کہ وہ سچا مجذوب ہے، جب میں نے اس سے اس جملے کا مطلب پوچھا تو کہنے لگا کہ علم وہ ہے جو حق کے علاوہ ہے اور جو چیز حق کے ماسوا ہے وہی حجابِ حق ہے۔

شیخ عارفؒ

۶۳۱ـــــــــ ۶۹۱ھ

آپ شیخ فریدالدینؒ کے مرید تھے، لوگوں سے منقول ہے کہ اوچ اور ملتان کے حاکم نے شیخ عارف کے ہاتھ سو تنگہ[1] (روپیہ) بطور نذرانہ شیخ گنج شکرؒ کی خدمت میں پیش کئے جس میں سے پچاس روپے انھوں نے اپنے پاس رکھ لئے اور پچاس شیخ کیخدمت میں حاضر کیے، شیخ نے مسکراتے ہوئے فرمایا، عارف! تم نے تقسیم اچھی برادرانہ کی ہے تب پر عارف شرمندہ ہوئے اور وہ پچاس روپے جو اپنے پاس رکھ لئے تھے شیخ کیخدمت میں پیش کردیئے اور بے انتہا عاجزی وانکساری کا اظہار کیا پھر مرید ہوئے اور سر منڈوایا، پھر شیخ کیخدمت میں رہ کر خوب پختگی حاصل کی (یعنی طبیعت میں جو کمزوریاں تھیں ان کی تکمیل کرلی۔فاضل[12]) پھر شیخ نے انھیں بیعت کرنے کی اجازت دیدی اور سیوستان کی طرف بھیج دیا۔

شیخ صابرؒ

سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ آپ ایک مضبوط اور صاحب نعمت درویش تھے اور شیخ شکر گنج کے مرید تھے، شیخ گنج شکرؒ نے ۶۰۸ـــــ ۶۷۹ھ جب آپ کو بیعت لینے کی اجازت دی تو اس وقت فرمایا، صابر تم عیش عشرت کی زندگی گزاروگے، پھر یہی ہوا کہ آپ تمام عمر خوش عیش رہے۔

---

[1] تنگہ تار کی فتحہ کے ساتھ ایک قسم کا سکہ ہے جیسے ہمارے ہاں روپیہ، اور تار کے ضمہ کیساتھ شلوار و پاجامہ وغیرہ کے معنی ہیں، اس جگہ اغلب یہی ہے کہ پہلے معنی مراد ہونگے، اور دوسرے معنی کا بھی احتمال ہے واللّٰہ اعلم۔ بندہ محمد فاضل عفا اللہ عنہٗ

واقعہ بھی یہی ہے کہ شیخ صابر خوش باش اور ہنس مکھ بزرگ تھے اور غالباً یہ شیخ صابر وہ نہیں ہیں جو شیخ علی صابر تھے اور جو شیخ گنج شکرؒ کے داماد اور خلیفہ تھے جن کا مزار کلیر شریف میں ہے اور جن تک شیخ عبدالقدوس وغیرہ مشائخ کا سلسلہ پہنچتا ہے اور شیخ علی صابر کا سیر الاولیاء میں کوئی تذکرہ نہیں بلکہ اس میں شیخ صابر ہی کا ذکر کیا گیا ہے ان کے تذکرے کو حذف کر دینا تعجب سے خالی نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیخ صابرؒ سے شیخ علی صابر ہی مراد ہوں۔ واللہ اعلم،

شیخ نصیر الدینؒ

۶۱۴ ——— ۶۷۲ھ

آپ شیخ فرید الدینؒ کے بڑے صاحبزادے تھے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے، زراعت و کاشتکاری کی کمائی پر جو کسبِ حلال ہے قناعت پذیر رہے اور تمام عمر اطاعت احکام باری میں بسر کی، اللہ آپ پر رحمت فرمائے۔

مولینا شہاب الدینؒ

آپ تمام علوم و فضائل میں شیخ فرید الدینؒ سے آراستہ ہوئے، اکثر اوقات شیخ کی حاضری میں گزارا کرتے تھے، شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ میرے اور مولینا شہاب الدین کے درمیان بہت محبت تھی، ایک مرتبہ میں نے شیخ فرید الدینؒ کے پاس عوارف المعارف کا ایک نسخہ دیکھا جو اکثر آپکے زیر مطالعہ رہا کرتا تھا، یہ بہت باریک خط سے لکھا ہوا تھا اور اسمیں کتابت کی بہت غلطیاں تھیں جس کی وجہ سے شیخ پڑھتے پڑھتے اکثر توقف فرمایا کرتے تھے، میں چونکہ اس سے پہلے عوارف المعارف کا ایک نسخہ شیخ نجیب الدین متوکل کے پاس دیکھ چکا تھا اسلئے شیخ کے پاس یہ نسخہ دیکھ کر فوراً اُس نسخہ کا خیال آیا اور میں نے شیخ فرید الدینؒ سے عرض کیا کہ شیخ نجیب الدین

متوکل کے پاس ایک صحیح نسخہ موجود ہے، شیخ کو یہ بات گراں گزری اور (غصے سے) فرمایا کہ کیا درویش کو صحیح و غلط میں امتیاز کرنے کی طاقت نہیں ہوتی ؟ میں پہلے تو سمجھ نہ سکا کہ آپ یہ بات کس سلسلہ میں فرما رہے ہیں لیکن بعدہٗ جب معلوم ہوا کہ آپکا روئے سخن میری ہی طرف تھا، تو میں کھڑا ہوا اور سر سے عمامہ اُتارا اور شیخ کے قدموں میں گر گیا اور عرض کیا کہ معاذ اللہ میری مراد یہ تھی کہ جو نسخہ میں نے دیکھا تھا وہ یاد آ گیا اور اس کے سلسلہ میں عرض کر دیا (بس اس سے زائد کا میں نے ہرگز ہرگز ارادہ نہ کیا تھا اور نہ ہی میرے گوشۂ خیال میں تھا) فرماتے ہیں میں نے بے انتہا کوشش کی کہ شیخ کسی طرح راضی ہو جائیں مگر میری یہ کوشش بے سود رہی اور شیخ بحالہ ناراض رہے، اس کے بعد میں شیخ کی مجلس سے حیرانی اور پریشانی کی حالت میں اُٹھ چلا آیا، جتنا رنج و غم اس دن مجھے ہوا (خدا کرے) کہ ایسا رنج و غم کسی کو نہ ہو، پھر میں نے ایک کنوئیں پر جا کر اسمیں کود کر اپنے کو ہلاک کر دینے کا ارادہ کر لیا لیکن معاً مجھے خیال آیا کہ مُردہ تو مردہ ہی ہوتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ بدنامی کا داغ باقی رہ جائے (اس لئے کنوئیں میں کودنے کے خیال کو ترک کر دیا) ایک عرصہ تک میں یونہی حیران و پریشان پھرتا رہا (اور میرے ان تمام احوال کا مولانا شہاب الدین کو علم تھا اتفاق سے) مولانا شہاب الدینؒ نے ایک موقعہ پا کر بڑے عمدہ طریقے سے میرے احوال کا شیخ سے تذکرہ کیا تو شیخ اُس وقت مجھ سے خوش اور راضی ہو گئے اور مجھے اپنے پاس بُلوا بھیجا پھر مہربانی اور شفقت کے لہجہ میں فرمایا کہ میں نے جو کچھ کیا وہ تمہارے روحانی کمال کے لئے کیا اس لئے کہ حقیقت میں مرشد ہی مرید کی اصلاح کرنے والا ہوتا ہے، اس کے بعد آپ نے مجھے انعامات سے نوازا اور ایک خلعت خاص سے مشرف فرمایا

شیخ بدر الدین سُلیمانؒ

آپ حضرت شیخ فریدالدینؒ کے مشہور فرزند ارجمند ہیں، آپ اپنے والد بزرگوار کے انتقال کے بعد اپنے بھائیوں اور شیخ کے تمام تر مریدوں کے متفقہ فیصلہ سے سجادۂ خلافت

کے لئے منتخب کئے گئے، شیخ بدر الدین نے خاندان چشتیہ سے بیعت کی۔ خواجہ زرداور خواجہ غور جو خاندان چشتیہ کے خلیفہ تھے اور حضرت شیخ فرید الدین کی زندگی ہی میں مقام چشت سے پاکپتن تشریف لائے تھے، ان دونوں مذکور بزرگوں کے پاس حضرت شیخ فرید الدین رح اپنے دونوں صاحبزادوں مولنا شہاب الدین اور شیخ بدر الدین رح کو لے گئے اور برکت حاصل کرنے کے لئے اپنے دونوں صاحبزادوں کو ان دونوں بزرگوں کا مرید کرا دیا۔

خواجہ نظام الدین رح

۶۱۹ —————— ۷۰۵ھ

شیخ فرید الدین گنج شکر رح آپ کو اپنے حقیقی بیٹوں سے بھی زیادہ پیار کرتے تھے، آپ فوج میں ملازم تھے، جس رات شیخ فرید الدین کی وفات ہوئی آپ کو اسی وقت روحانی طور پر شیخ کے انتقال کی اطلاع ہو گئی، چونکہ آپ سلطان غیاث الدین بلبن کے ہمراہ اسوقت ایک قصبہ میں تھے اور رات کے وقت قلعہ کا دروازہ کھول کر نہیں آسکتے تھے اسلئے نہ آسکے اور تمام رات اپنی قیام گاہ پر بیقرار رہے اور شیخ کا آخری دیدار نہ کر سکے، صبح کو جب شیخ کا جنازہ شہر سے باہر لایا جا رہا تھا تو آپ وہاں پہنچ گئے، شیخ کے بیٹوں کا خیال تھا کہ شہر سے باہر گنج شہیداں میں شیخ کو دفن کیا جائے مگر خواجہ نظام الدین رح نے کہا کہ اچھا یہی ہے کہ شیخ کو اس جگہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ دفن کیا جائے، چنانچہ اب جہاں شیخ کا مزار ہے وہاں شیخ کو دفن کرنے کی تجویز خواجہ نظام الدین نے پیش کی تھی جس پر سب نے بالاتفاق رائے عمل کیا اور خواجہ نظام الدین نے کفار سے جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا ان کی قبر وغیرہ کا کوئی نشان کسی کو معلوم نہیں۔

خواجہ یعقوب رح

۶۲۲ —————— ۶۶۱ھ

آپ شیخ فرید الدین کے چھوٹے بیٹے تھے، جود و سخاوت میں بہت مشہور تھے، اور

روحانی کمالات میں ماہر تھے اور اہلِ ملامت کے راستہ پر چل پڑے تھے (یعنی) جو معاملہ ان کا ظاہر میں تھا خدا سے تعلق اس کے خلاف تھا (غالباً مطلب یہ ہے کہ بسا اوقات بظاہر لوگ انھیں خلافِ شرع افعال کا مرتکب پاکر ملامت کرتے لیکن خدا تعالیٰ سے ان کا تعلق صحیح تھا۔ فاضل ۱۲) سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ ایک بار امروہہ کے راستے جا رہے تھے کہ وہاں سے مردانِ غیب نے آپ کو اٹھالیا۔

مولانا داؤد پالہیؒ

۵۹۱ ــــــــــــــــــ ۶۷۹ھ

آپ رودلی کے ایک گاؤں پالہی کے رہنے والے تھے، شیخ فریدالدینؒ کے مریدوں میں سے تھے، حضرت محبوبِ سبحانی اکثر و بیشتر فرمایا کرتے تھے کہ مولانا داؤد پالہی بڑے بزرگ تھے محبوبِ سبحانی نے فرمایا کہ ایک دفعہ مجھے اور مولٰنا داؤد پالہی دونوں کو اپنے شیخ فریدالدینؒ کی خدمت میں اکٹھا جانے کا اتفاق ہوا، دونوں اپنے اپنے گھروں سے باہر نکلے اور چلدیئے مولٰنا لمبے لمبے قدم رکھتے ہوئے مجھ سے آگے نکل جاتے اور میرا انتظار کرنے کے لئے نفل پڑھنے لگتے، میں بہت دیر کے بعد ان کے پاس پہنچتا، چونکہ مجھے اُن کی عادت معلوم تھی اس لئے ان کو نماز پڑھتے چھوڑ کر ان سے آگے روانہ ہو جاتا، میں دو چار میل ہی چلتا تھا کہ وہ پیچھے سے آکر مجھ سے دو چار میل آگے نکل جاتے اور حسبِ معمول نماز میں مشغول ہو جاتے اور ایسے لق و دق جنگل میں راستہ نہ بھولتے تھے،

منقول ہے کہ مولانا داؤد پالہی نماز فجر کے بعد گھر سے جنگل چلے جاتے اور وہاں بیٹھ کر خدا کی یاد کیا کرتے، ہرن آتے اور آپکے آس پاس کھڑے ہو کر اپنی پُرشوق آنکھوں سے مولٰنا کا دیدار کرتے رہتے،

مولانا رضی الدین منصورؒ

۵۹۹ ــــــــ ۶۸۰ھ

آپ بڑے ولی اللہ اور برگزیدہ آدمی تھے، شیخ نصیرالدینؒ محمود چراغ دہلوی فرماتے ہیں کہ اودھ میں ایک بزرگ رہتے تھے وہ کسی مرض میں مبتلا ہوئے اور بانجار سید

کہ لوگوں نے یقین کر لیا کہ اب ان کا بچنا امرِ محال ہے اور تجہیز و تکفین کے انتظامات مکمل کر لئے گئے، اسی اثنا میں مولٰنا داؤد پالہی اور مولٰنا رضی الدین منصوران کے ہاں پہنچے اور ان سے کہا کہ ہم آپکے پاس آئے ہیں تو گفتگو کئے بغیر واپس نہیں جائیں گے، چنانچہ مولٰنا رضی الدین نے مولانا داؤد پالہی سے فرمایا کہ مریض کو ایک طرف سے آپ سنبھالیں اور دوسری طرف سے میں، مولٰنا داؤد سرہانے بیٹھ گئے اور مولٰنا رضی الدین پائنتی، اس کے بعد دونوں بزرگوں نے کچھ پڑھنا شروع کیا اور پھر کھڑے ہو کر اس بزرگ کے ہاتھ پکڑے اور کہا اٹھ بیٹھو چنانچہ وہ بیمار بزرگ اسی وقت اُٹھ کر بیٹھ گئے اور صحت مند ہو گئے

مولانا کمال الدین زاہدؒ

۶۵۹ ——— ۷۵۶ھ

آپ کمال، ورع، تقوی اور دیانتداری میں مشہور تھے، شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے آپ ہی سے "مشارق" کے حصوں کی سند حاصل کی اور ان سے مولانا برہان الدین بلخی نے استفادہ کیا اور ان سے میں (مصنف اخبار الاخیار) نے فیض پایا۔ مولٰنا کمال الدین زاہد.... مشارق کو شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے سنا تھا آپ نے ان کا اجازت نامہ اپنے ہاتھ سے خود لکھا ہے جو سیر الاولیاء میں موجود ہے۔

منقول ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن کی یہ آرزو تھی کہ مولٰنا کمال الدین زاہد کو امام مقرر کر کے ان کے پیچھے نماز پڑھا کریں، چنانچہ اسی غرض سے مولٰنا موصوف کو اپنے ہاں بلایا اور کہا کہ مجھے آپ کے علمی کمالات، دیانت، حفاظت پر پختہ اعتقاد ہے مہربانی فرما کر اگر آپ امامت کا عہدہ قبول فرمالیں تو میں آپ کا رہینِ منت ہونگا اور مجھے اپنی نماز کے قبول ہونے پر پورا یقین ہو جائے گا، مولٰنا نے جواب دیا کہ میرے پاس تو پہلے نماز ہی نماز باقی رہ گئی ہے اس کے علاوہ میرے پاس اور کچھ نہیں رہا اب آپ کی مرضی یہ ہے کہ میرے پاس یہ بھی نہ رہے، مولٰنا نے یہ جواب کچھ اس بارعب اور پُر جلال لہجہ میں دیا کہ بادشاہ خاموش رہ گیا اور عذر خواہی کرتے ہوئے

مولانا کو باعزت طریقے سے رخصت کیا،

شیخ نور الدینؒ

۷۶۲ھ ——————— ۱۸۵۱ھ

آپ "ملک یار پراں" سے مشہور اور کامل درجے کے ولی تھے، آپ کا اصلی وطن لار تھا، وہاں سے اپنے شیخ کی اجازت سے دہلی تشریف لائے تھے، آپ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے کے شیخ وقت تھے، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ آپ کے مزار پر کبھی کبھی تشریف لایا کرتے تھے، خیال ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی عین حیات میں ملاقات ہوئی ہوگی مگر اس پر کوئی خارجی ثبوت موجود نہیں، سیر الاولیاء میں خواجہ نظام الدین اولیاء سے نقل کیا گیا ہے کہ میں کیلوکھری کی جامع مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے جایا کرتا تھا، چنانچہ میں ایک روز جامع مسجد کو جا رہا تھا اور اتفاق سے اُس دن میں روزے سے تھا، سخت گرم لُو چل رہی تھی گرمی کا مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ مجھے چکر آنے لگے اور میں ایک دکان میں بیٹھ گیا اسوقت میرے دل میں خیال آیا کہ آج اگر میرے پاس سواری ہوتی تو اس پر بیٹھکر چلا جاتا پھر شیخ سعدی کا یہ شعر مجھے یاد آیا ؎

ما قدم از سر کنیم در طلب دوستاں ٭ راہ بجائے نبرد ہر کہ باقدام رفت

(ہم دوستوں کی تلاش میں سر کے بل جاتے ہیں اور جو قدموں کے ذریعہ گیا وہ منزل تک نہ پہنچ سکا) پھر میں نے سوال کے خیال اور ارادہ سے توبہ کی، اس واقعہ کو گزرے ہوئے تین ہی دن ہوئے تھے کہ شیخ ملک یار پراں کا ایک خلیفہ گھوڑی لایا اور مجھ سے فرمایا کہ اسے قبول فرمائیے، میں نے اس سے کہا کہ تم خود فقیر آدمی ہو میں تم سے کیوں اور کیسے گھوڑی لوں (یعنی میں نے گھوڑی قبول کرنے سے انکار کر دیا) تب انہوں نے فرمایا کہ پرسوں رات شیخ ملک یار پراں سے میری خواب میں ملاقات ہوئی تو انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ یہ گھوڑی خواجہ نظام الدین کو تحفۃً دیدو، میں نے اس سے کہا کہ یہ تو تمہارے شیخ نے فرمایا ہے اگر میرے شیخ فرمائیں گے تو قبول کروں گا، پھر دوسری مجلس میں وہ گھوڑی لایا تب

یں نے تحفۂ خداوندی سمجھ کر اس کو قبول کر لیا اس کے بعد ہمارے گھر میں گھوڑوں کی بہتات اور کثرت ہوگئی، بعض لوگوں سے یہ بھی منقول ہے کہ جس وقت شیخ ملک یار پراں دہلی تشریف لائے تو پہلے یہیں پر ہی قیام کیا جہاں آجکل ان کا مزار ہے، اسوقت وہاں ایک شیخ ابوبکر طوسی قلندر رہتے تھے انھوں نے آپ سے لڑنا شروع کیا (کہ تم یہاں کیسے آئے ہو) آپ نے فرمایا کہ میرے پیر نے مجھے یہاں بھیجا ہے، شیخ ابوبکر طوسی نے اس بات کا ثبوت مانگا تو آپ نے دہلی سے دُور اس مقام پر جہاں آپ کے شیخ جلوہ افروز تھے اتنی تھوڑی سی دیر جس میں عام طور پر لوگ آمد و رفت نہیں کر سکتے آن کی آن میں اپنے شیخ سے جا کر اجازت نامہ لیا اور وہ آکر اس بزرگ کو دکھایا اُس وقت سے لوگ آپ کو ملک یار پراں کہنے لگے، واللہ اعلم

آپ کا مزار دہلی میں دریائے جمنا کے کنارے شیخ ابوبکر طوسی قلندر کی خانقاہ کے سامنے ہے جو نہایت خوبصورت اور باعظمت مقام ہے بعض لوگوں سے یہ بھی منقول ہے کہ اس جگہ پر پریاں رہتی ہیں،

شیخ ضیاء الدین رُومیؒ

۶۵۹ ———— ۷۲۱ھ

آپ کا شمار بہت بڑے مشائخ میں سے ہے، آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے، سلطان قطب الدین بن علاؤالدین خلجیؒ آپکے مرید اور خلیفہ تھے، منقول ہے کہ آپ کے انتقال کے تین روز بعد شیخ نظام الدین اولیاءؒ آپکی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تو اس وقت سلطان قطب الدین خلجیؒ بھی وہاں موجود تھے انھوں نے خواجہ نظام الدینؒ کی نہ تعظیم کی اور نہ ہی سلام کا جواب دیا، شیخ نظام الدینؒ سے منقول ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے شیخ ضیاء الدین رومی سے خود سنا ہے وہ فرمایا کرتے تھے میرے ایک دوست کو سماع کا بہت شوق تھا اور محفل سماع میں ان کو حال آیا کرتا تھا اُن کے انتقال کے بعد میں نے اُن کو دیکھا کہ انھیں جنت میں ایک بہت بلند مقام ملا ہے لیکن اس مقام اعلیٰ پر

رسائی کے باوجود مغموم و پریشان بیٹھے ہیں، میں نے انھیں جنت ملنے پر مبارکباد دی اور پوچھا کہ آپ مغموم کیوں ہیں، شیخ رومیؒ نے فرمایا کہ مجھے یہ سب کچھ مل گیا ہے مگر سماع کی لذت وحال سے محروم ہوں (مگر یہ واقعہ عقلاً ونقلاً صحیح نہیں اولاً تو اس لئے کہ جنت میں پہنچنے اور اس کی نعمتیں حاصل کرنے کے بعد آدمی دنیا کی ان سب چیزوں کو بھول جاتا ہے اور ثانیاً اس لئے کہ نصوص متعدد اس بات پر شاہد وناطق ہیں کہ جنت میں ہر وہ چیز جنتی کو دی جائے گی جسے وہ چاہے گا، اس لئے اس واقعہ کی صحت سے قلب ابا، کرتا ہے۔ ناقل) آپ کا مزار خواجہ قطب الدین والی سڑک پر سلطان محمد عادل کے بجے منڈل مکان کے سامنے ہے۔

شیخ شرف الدین کرمانیؒ

۶۵۹ ــــــــــــــــــــ ۷۲۵ھ

آپ قصبہ سرسی کے رہنے والے تھے خواجہ نظام الدینؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک شخص جنید نامی غزلخواں تھا اس کی زبانی میں نے سنا کہ شیخ کرمانی نے ایک دن مجلس سماع میں ایک شعر سن کر ایک آہ کی اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

سیدی مولہؒ

۵۷۱ ــــــــــــــــــــ ۶۴۰ھ

آپ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں دہلی میں تھے، آپ کے مرید اور عقیدتمند کثرت سے ہیں، لوگوں کو کھانا کھلاتے اور خوارق العادات اور کرامات دکھایا کرتے تھے، بعض لوگوں کا خیال تھا کہ آپ کیمیا گر تھے بعض لوگ آپ کے تصرف وکرامات کے معتقد تھے اور بعض لوگوں کا گمان تھا کہ آپ جادوگر اور شعبدہ باز تھے، سلطان جلال الدین خلجیؒ کے زمانے میں شیخ ابوبکر طوسی کے قلندروں نے آپ کو مار ڈالا تھا، آپ کو جس روز قتل کیا گیا اس دن آسمان پر بے انتہا گرد وغبار تھا اور اتنا اندھیرا چھا گیا تھا کہ یوں معلوم ہوتا تھا گویا قیامت آگئی، سلطان جلال الدینؒ اس سے پہلے آپکے معتقد

نہ تھے مگر ان حالات کو دیکھنے کے بعد آپ کے خاصے معتقد ہو گئے تھے، واللہ اعلم

شیخ ابوبکر طوسی حیدریؒ

۵۶۸ ______________ ۶۳۹ھ

آپ قلندر صفت تھے اور شیخ جمال الدین ہانسویؒ کے ساتھ ان کی بیحد دوستی تھی شیخ ہانسویؒ جب ہانسی سے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی زیارت کے لئے آتے تو جمنا کے کنارے شیخ طوسیؒ کی خانقاہ میں ٹھہرتے، جہاں فقیروں کی مصاحبت کے علاوہ مجالس سماع بھی منعقد ہوا کرتی تھیں، حضرت خواجہ نظام الدین بھی آپ کی خانقاہ میں آتے اور مجلس میں شریک ہوا کرتے تھے۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ شیخ جمال الدین ہانسویؒ کی دہلی میں آمد کے موقع پر مولانا حسام الدین اندرپتی نے جو دہلی کے صدر خطیب اور قاضی القضاۃ تھے، علاوہ ازیں شیخ جمال الدین رح کے مرید بھی تھے اپنے پیر و مرشد شیخ جمال الدین کا استقبال کیا جب یہ استقبال کی تیاریوں میں مصروف تھے تو شیخ طوسیؒ نے مولانا حسام الدینؒ سے کہا کہ آپ شیخ جمال الدین سے کہدیں کہ میں حج کے لئے جا رہا ہوں، شیخ جمال الدینؒ نے آتے ہی مولانا حسام الدین سے دریافت فرمایا کہ ہمارا سفید ہاتھی یعنی ابوبکر طوسی کس حال میں ہے؟ مولانا نے عرض کیا کہ حضرت وہ تو حج کے لئے جا رہے ہیں، اتنی بات سننے کے بعد شیخ نے مولانا حسام الدین کو اسی وقت روانہ کیا اور کہا کہ آپ چلیں ہم آپ کے پیچھے آرہے ہیں اور یہ رباعی شیخ طوسی کے نام لکھ کر دی ہے

بر پائے ترا سرم نثار اولی تر
یک سر چہ بود بلکہ ہزار اولی تر
در غار وطن ساز چو بوبکر از آنکہ
بوبکر محمدی بہ غار اولے تر!

(میرا سر اگر آپکے پاؤں پر قربان ہو جائے تو بہت اچھا ہو، ایک سر کیا بلکہ ہزار سر بھی قربان ہو جائیں تو بہت بہتر ہو، حضرت ابوبکر کی طرح غار کو وطن بنایئے کیونکہ نبی علیہ السلام کے رفیق حضرت ابوبکر کی مانند ہمارے لئے غار ہی بہتر ہے)

حضرت شیخ ابوبکر طوسیؒ کا مزار دہلی میں جمنا کے کنارے آپ کی خانقاہ ہی میں ہے جو مرجع عام و خاص ہے۔

شیخ فریدُ الدین ناگوریؒ

۶۳۹ھ ——— ۷۱۹ھ

آپ سلطان التارکین شیخ حمید الدین صوفی کے حقیقی پوتے، مرید، خلیفہ اور جانشین تھے آپ نے شیخ حمید الدین ہی کے سایۂ عاطفت میں تربیت و پرورش پائی، شیخ فرید الدینؒ نے اپنے دادا شیخ حمید الدین صوفیؒ کے ملفوظات بنام "سرور الصدور" جمع کئے ہیں، سلطان محمد تغلق کے زمانے میں ناگور سے آپ دہلی تشریف لائے تھے، قطب صاحب کے مزار کے سامنے میں جو منڈل کے مشرقی جانب پرانی دہلی میں آپ کا مزار ہے، آپ رہتے بھی اسی جگہ پر تھے، اسی جگہ پر چکی کا ایک پتھر پڑا ہوا ہے لوگوں میں مشہور ہے کہ شیخ فرید الدین مستی کی حالت میں اس پتھر کو اپنے گلے میں ڈال لیا کرتے تھے اور یہی پتھر گلے میں ڈالے ہوئے ناگور سے دہلی تشریف لائے تھے، واللہ اعلم بالصواب

شیخ عبدالعزیزؒ

۶۹۸ ——— ۷۸۱ھ

آپ کے والد محترم کا نام شیخ حمید الدینؒ تھا، آپ کی وفات شباب ہی کے زمانے میں اس وقت ہوئی جبکہ آپ سماع سُن رہے تھے، واقعہ یوں ہوا کہ ایک رات کو ایک صوفی کے گھر پر محفل سماع کا پروگرام بنایا گیا، اس محفل میں غزلخواں نے یہ شعر پڑھا ؎

جاں بدہ، جاں بدہ، جاں بدہ　　　فائدہ گفتن بسیار چیست

(جان قربان کردے، جان قربان کردے، جان قربان کردے، زیادہ باتوں میں کیا فائدہ) یہ سنتے ہی شیخ عبدالعزیز نے ایک چیخ ماری اور کہا، دیدی، دیدی، دیدی۔ چنانچہ فوراً جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ شیخ وجید، شیخ فرید، شیخ نجیب، آپ نے ہر ایک لڑکے کی بابت الگ الگ پیشین گوئی فرمائی، چنانچہ شیخ وجید

کے متعلق فرمایا کہ یہ میری طرح یکتا ہے اور ایسا ہی ہوا کہ وہ غیر شادی شدہ اور آزاد رہے اور خلافت حاصل کرنے کے بعد لوگوں کو ہدایت کرتے کرتے عالم پائدار میں چلے گئے اور شیخ فرید و نجیب کے متعلق فرمایا کہ فرید میرا سجادہ نشین ہے اور نجیب صاحب دیوان ہے، چنانچہ ویسا ہی ہوا جیسا کہ شیخ نے فرمایا تھا،

شیخ علی کردؒ

۶۰۱ ——— ۶۶۶ھ

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ جب میں ہانسی گیا تو شیخ فرید الدین اس زمانے میں داؤدی روزہ رکھ رہے تھے، چنانچہ شیخ فرید الدینؒ افطار کے وقت شیخ کردؒ کو دعوت دی، انھوں نے دعوت قبول کرلی اور تشریف لے آئے، چنانچہ دونوں بزرگ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ شیخ علی کردؒ کے دل میں یہ خیال آیا کہ شیخ اگر صائم الدہر ہوتے تو بہت ہی اچھا ہوتا، یہ بات شیخ فرید الدین کو بوجہ نور باطن کے معلوم ہوگئی اور اسی وقت کھانے سے ہاتھ روک لیا، شیخ علی کردؒ کا وطن میرٹھ کے علاقہ میں تھا اور آپ کا مزار بھی وہیں ہے۔

مولانا نور ترکؒ

۶۱۹ ——— ۶۹۲ھ

قاضی منہاج جرجانی نے اپنی کتاب "طبقات ناصری" میں آپکا تذکرہ اس طرح کیا ہے جو آپکی حالت کے سراسر خلاف اور آپکے مذھب پر شدید نکتہ چینی ہے، لیکن فوائد الفواد میں میر حسنؒ نے خواجہ نظام الدین اولیاء کا قول نقل کیا ہے کہ بعض علماء نے مولانا ترک کے متعلق کچھ اور تحریر کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولانا بارش کے پانی سے بھی زیادہ پاکیزہ تھے، شہر کے علماء کو آپ سے اس لئے تعصب تھا کہ آپ ان تمام عالموں کو دنیاداری میں مبتلا دیکھ کر ان پر نکتہ چینی فرمایا کرتے تھے، آپ نے کسی سے

بیعت نہیں کی تھی، آپ ہر بات علم اور مجاہدہ کی قوت سے کہا کرتے تھے، آپ کا ایک غلام تھا جس کا پیشہ روئی دھننا تھا وہ شام کو آکر آپ کو ایک درہم دیا کرتا تھا جس سے آپ اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا فرمایا کرتے تھے،

ایک دن سلطانہ رضیہ نے آپ کی خدمت میں کچھ سونا بھیجا، اتفاقاً اس وقت آپکے ہاتھ میں لکڑی تھی، آپ اس لکڑی سے اس سونے کو پیٹنے لگے، جو آدمی اس سونے کو لایا تھا اس سے فرمایا کہ ہماری نظر میں یہ کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا، ہمارے نزدیک اس کی کوئی قیمت نہیں اسے ہمارے سامنے سے لیجاؤ،

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ مکہ معظمہ میں تھے کہ ایک شخص دہلی کا رہنے والا بھی وہاں گیا، اس نے آپکی خدمت میں دو سیر چاول پیش کئے، مولانا نے وہ چاول قبول فرمالئے اور اس کو دعا دی، اس آدمی کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ وہی بزرگ ہے جس نے دہلی میں اتنی بڑی قیمت کا سونا بڑی بے توجہی سے واپس کر دیا تھا اور اس وقت تھوڑے سے چاول بھی قبول فرمالئے، اس آدمی کے اس تخیل کو اللہ تعالیٰ نے مولانا پر منکشف فرمادیا اور آپ نے اس آدمی سے فرمایا اے خواجہ! مکہ مکرمہ کو دہلی نہ سمجھو، میں اُس وقت جوان تھا، وہ قوت و طاقت اب کہاں رہی اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں نیز مکہ میں غلہ بھی کم ملتا ہے حضرت خواجہ نظام الدین فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ فریدالدین گنج شکر کو خود یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مولانا ترک کی وعظ کی مجلسوں میں میں شریک ہوا ہوں جب میں ہانسی میں تھا تو ایک مرتبہ رنگین اور پرانا لباس پہنکر میں مولانا ترک کے وعظ میں شریک ہوا تھا، یہ پہلا موقعہ تھا اس سے پہلے میری اور مولانا کی ملاقات نہ تھی آپ مسجد میں وعظ فرمارہے تھے، میں نے جونہی مسجد میں قدم رکھا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا، مسلمانو! اب گفتگو کا صراف اور جوہری آگیا ہے اس کے بعد میری وہ تعریف کی جو کسی بادشاہ کو بھی نصیب نہ ہوگی۔

مولانا مخلص الدین رح

۵۶۹ ——— ۶۳۹ھ

آپ کے متعلق شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی فرماتے ہیں کہ آپ ضلع بدایوں کے موضع کرک کے رہنے والے تھے آپ بزرگ اور ولی اللہ ہونے کے ساتھ قرآن کریم کے

حافظ بھی تھے۔

حکایت ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ اپنے شاگردوں کے ہمراہ کہیں تشریف لئے جا رہے تھے شاگردوں نے راستے میں آکھ کے درختوں میں پھل لگا ہوا دیکھا اور انھیں توڑ لیا (انھیں توڑنا غالباً محض دل لگی کے طور پر ہوگا جیسے دیہاتوں میں عموماً بچے توڑ کر ان سے کھیلا کرتے ہیں۔ فاضل ۱۲) اور مولٰنا کے پاس لائے، مولانا نے فرمایا کہ تمہارے ہاتھوں میں کیا کھیرے ہیں؟ شاگردوں نے کہا کہ نہیں جناب یہ تو اکوّے کے پھل ہیں، مولٰنا نے پھر باصرار فرمایا کہ نہیں نہیں یہ کھیرے ہیں، شاگردوں نے عرض کیا کہ حضرت! ہم نے اپنے ہاتھوں سے انھیں آکھ ہی کے درختوں سے توڑا ہے کھیرے کیسے ہو سکتے ہیں، علاوہ ازیں یہ موسم ایسا ہے کہ اس موسم میں کھیرے وغیرہ نہیں ہوا کرتے، مولٰنا نے فرمایا اچھا مجھے دو چنانچہ شاگردوں نے وہ سب کے سب مولٰنا کے حوالے کر دیئے، مولٰنا نے چاقو نکال کر ان کے ٹکڑے کئے اور سب نے کھا کر کہا کہ یہ تو واقعۃً کھیرے ہی ہیں

منقول ہے کہ لوگوں نے شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی سے یہ دریافت کیا کہ کیا خواجہ عزیز کرکی اور مولٰنا مخلص الدین ایک دوسرے کے معاصر تھے، آپ نے فرمایا یہ تو معلوم نہیں البتہ اتنا معلوم ہے کہ خواجہ عزیز کرکی بھی بڑے بزرگ تھے پھر فرمایا کہ بدایوں میں اکثر و بیشتر بزرگ تھے۔

خواجہ علیؒ

۶۶۲ ——— ۷۴۰ھ

آپ شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے مرید اور انھیں سے تربیت یافتہ تھے آپ کی کرامات مشہور ہیں۔

حکایت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ جب علوم ظاہریہ سے باقاعدہ فارغ التحصیل ہوئے تو آپ کی والدہ ماجدہؒ نے اسوقت کے اپنے شہر کے مشہور مشائخ و علماء کی دعوت کی اور وہ عمامہ جو اپنے ہاتھوں سے روئی کات کر بنایا تھا خواجہ

نظام الدینؒ کو دیا جسے وہ اپنے ہاتھ میں لے کر گھر سے باہر علماء و مشائخ کی مجلس میں تشریف لائے اور شیخ علی کے ہاتھ پر رکھا، شیخ علیؒ نے عمامے کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں رکھا، اور دوسرا سرا خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے سر پر رکھ کر دستار بندی کی اس کے بعد خواجہ نظام الدینؒ نے اپنا سر شیخ علی کے سامنے جھکایا، شیخ علی نے آپ کو بہت دعائیں دیں اور فرمایا اللہ تعالٰے آپکو (صحیح معنوں میں) عالم دین بنائے اور منتہائے ہمت تک پہنچائے، شیخ علیؒ کے سلوک اور ہدایت کا قصہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے حالات میں لکھا جاچکا ہے کہ شیخ تبریزیؒ نے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا کہ خواجہ علی! بدایوں کے لوگوں کو آپ کی پناہ میں چھوڑ رہا ہوں، خیر المجالس میں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے حوالہ سے منقول ہے کہ بدایوں میں دو علی مولا تھے، ایک چھوٹے علی مولا اور دوسرے بڑے علی مولا، خواجہ علیؒ جو شیخ تبریزی کے مرید تھے اور جنھیں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی دستار بندی کے لئے مدعو کیا گیا تھا یہ بڑے علی مولا کے نام سے مشہور تھے، آپ صاحب یقین بزرگ تھے عظیم شہرت اور مقبولیت عامہ رکھتے تھے،

شیخ چراغ دہلوی فرماتے ہیں کہ خواجہ علیؒ کچھ پڑھے لکھے نہ تھے صرف پنج وقتہ نماز پڑھتے تھے اور نہایت ہی سچے اور صادق تھے (تقریباً تقریباً) اسوقت کے تمام مشائخ اور دوسرے لوگ آپ سے خیر و برکت حاصل کرتے تھے اور آپکی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے، مقبول بارگاہ الٰہی ہونے کا آپ میں ایسا وصف غالب ہوگیا تھا کہ ہر دیکھنے والا فوراً کہہ اٹھتا کہ یہ خدا کے بزرگ اور خدا رسیدہ ہیں، اللہ تعالٰی آپ پر اپنی وسیع رحمتیں نازل فرمائے۔

خواجہ حسن افغانؒ

۶۰۲ ——————— ۶۸۹ھ

آپ شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کے مرید تھے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ خواجہ حسن افغان بلند پایہ بزرگ اور ولی اللہ تھے، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ ایک گلی

میں سے گشت کرتے ہوئے ایک مسجد میں تشریف لے گئے، مؤذن نے تکبیر کہی امام صاحب آگے بڑھے اور مقتدی پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے خواجہ حسن افغان بھی نماز میں شریک ہوگئے نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب تمام مقتدی چلے گئے تو خواجہ صاحب امام صاحب کے پاس تشریف لے گئے اور اُن سے فرمایا کہ امام صاحب میں بھی آپ کی نماز میں شریک تھا، آپ نے جب نماز شروع کی تو نماز کے آغاز ہی میں آپ دہلی تشریف لے گئے (یعنی آپ اپنے خیال اور تصور میں دہلی چلے گئے) دہاں سے آپ نے کئی غلام خریدے اور ان کو ساتھ لے کر آپ بتیاں واپس آئے اور وہاں سے ملتان گئے میں بھی آپ کے ساتھ ساتھ پریشان و حیران پھرتا رہا آپ فرمائیں کہ آخر یہ کونسی چیز ہے

شیخ تقی الدین محمدؒ

۶۱۹ ——— ۶۹۹ھ

آپ کے متعلق شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ آپ صاحبِ حال بزرگ تھے، ہمیشہ مراقبہ اور ذکر اللہ میں مستغرق رہتے تھے، آپ کو یہ بھی پتہ نہ ہوتا تھا کہ آج کونسا دن اور کونسا مہینہ ہے، ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک شخص آپ کے پاس کاغذ لیکر آیا، اور عرض کیا کہ آپ اس پر اپنا نام تحریر فرما دیں آپ نے اس آدمی سے کاغذ لے لیا اور قلم اُٹھایا، لیکن حیران تھے، خادم سمجھ گیا کہ آپ اس وقت اپنا نام بھول گئے ہیں، اُس نے فوراً کہا کہ حضور کا نام محمد ہے اس کے بعد شیخ نے اس کاغذ پر اپنا نام لکھ دیا، اسی طرح ایک دن آپ نماز جمعہ پڑھنے کے لئے جا رہے تھے جب مسجد کے دروازے تک پہنچے تو حیران ہو کر کھڑے ہوگئے خادم نے اندازہ کر لیا کہ شیخ کو اس وقت یہ یاد نہیں رہا کہ میرا دایاں پاؤں کونسا ہے، اس لئے اس نے اپنا ہاتھ شیخ کے داہنے پاؤں پر رکھا اور عرض کیا کہ شیخ کا سیدھا پاؤں یہ ہے تب آپ نے اپنا دایاں پاؤں مسجد میں رکھا۔

شیخ برہان الدین نسفیؒ

۷۰۹ ——————— ۷۸۶ھ

آپ کے بارے میں صاحبِ فوائد الفواد تحریر فرماتے ہیں کہ آپ ایک دانشمند صاحبِ حال بزرگ تھے، جب آپ کے ہاں کوئی پڑھنے کی غرض سے آتا تو آپ فرماتے پہلے میری تین شرطیں قبول کرنا ہوں گی اسکے بعد پڑھاؤں گا۔

(۱) شرط یہ ہے کہ ایک وقت کھانا، تاکہ علم کے لئے گنجائش رہے (۲) پڑھنے میں ناغہ نہ کرنا، اگر ایک دن بھی ناغہ ہو گیا تو اس سلسلہ کو ختم کر دوں گا اور دوسرے دن ہرگز نہ پڑھاؤں گا۔ (۳) جب کبھی مجھے راستہ میں ملنا تو سلام کر کے فوراً ہی چلے جانا، اور راستہ میں میری زیادہ تعظیم نہ کرنا، آپ کی تاریخ وفات بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔

مولٰنا علاؤ الدین اُصولی بدایونیؒ

۸۴۲ ——————— ۹۴۰ھ

آپ بہت بڑے صاحبِ کمال بزرگ تھے، شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے استادوں میں سے تھے، خیر المجالس میں ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے مولٰنا ہی سے قدوری (فقہ کی ایک کتاب ہے جو مدارس عربیہ میں داخل درس ہے) پڑھی تھی، مولٰنا فرماتے ہیں کہ شیخ نظام الدین کی اس کے بعد تین چار گز کے کپڑے سے دستار بندی کی گئی کیونکہ اسوقت پوری دستار میسر نہ تھی اسکا پورا واقعہ خواجہ علی کے حالات میں گزر چکا ہے۔

فوائد الفواد میں ہے کہ مولٰنا اپنے بچپن کے زمانے میں بدایوں کی ایک گلی میں جا رہے تھے کہ شیخ جلال الدین تبریزی نے آپ کو دیکھ کر اپنی طرف بلایا، اس وقت جو لباس شیخ جلال الدین خود زیب تن کئے ہوئے تھے وہ اُتار کر اس نوجوان کو پہنا دیا، مولٰنا میں جو کچھ عمدہ اخلاق اور اعلیٰ اوصاف تھے وہ اسی لباس کی برکت سے تھے، یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ آپ نے ایک لونڈی خریدی جب اس کو گھر لائے تو اس کا رونے کے

علاوہ اور کوئی کام ہی نہ تھا، مولانا نے اس سے دریافت کیا کہ تو روتی کیوں ہے، اس نے جواب دیا میں اپنے لڑکے سے دور ہوگئی ہوں، مولانا اس کو گھر سے باہر لائے اور راستہ پر اس جگہ جو کچھ مویشی تھے اُن کے ساتھ چھوڑ دیا، صاحب فوائد الفواد لکھتے ہیں کہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے جب اس واقعہ کے آخری الفاظ کہے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمانے لگے کہ علمائے ظاہر اگرچہ واقعات کے معرض وجود میں آنے کے معترف نہ ہوں مگر انھیں یقین کر لینا چاہیئے کہ مولانا نے کتنا بڑا کام کس طرح انجام دیا، آپ کی قبر بدایوں میں ہے لوگ اس کی زیارت کرتے اور برکت حاصل کرتے ہیں

خیر المجالس میں ہے کہ آپ کسی کا ہدیہ قبول نہیں کیا کرتے تھے مگر جبکہ شدید ضرورت پیش آتی، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ فاقوں کی وجہ سے کھلی چبا رہے تھے، اسی اثناء میں ایک حجام آیا، آپ نے اس بات کو مناسب نہ سمجھا کہ میرے فقر و فاقے کی اسکو اطلاع ہو اس لئے وہ کھلی اپنے عمامہ میں چھپالی، پھر مولانا نے خط بنوالیا اور سر کو منڈوانے کے لئے سر سے جب عمامہ اُتارا تو وہ کھلی زمین پر گر گئی، اس حجام نے کچھ دنوں کے بعد یہ واقعہ ایک مالدار سے بیان کر دیا اس نے کئی من غلہ، کئی گھڑے گھی اور ایک ہزار جیتل (روپے)، مولانا کی خدمت میں روانہ کئے لیکن مولانا نے یہ ہدیہ قبول نہ کیا اور واپس کر دیا اس کے بعد مولانا نے اس حجام کو بلوا کر اُسے ملامت کی اور فرمایا کہ آئندہ کے لئے آپ ہمارے پاس نہ آیا کریں اس پر اس حجام نے متعدد لوگوں سے مولانا کی خدمت میں سفارش کرائی تو مولانا نے اس شرط پر اسکا قصور معاف کیا اور کہا کہ آئندہ کبھی فقراء کا راز فاش نہ کرنا اور اسے اپنے ہاں آنے کی اجازت دیدی۔

شمس الملکؒ

۶۰۶ ـــــــــــــ ۶۷۹ھ

آپ اپنے زمانے کے بڑے فاضل بلکہ صدر الافاضل تھے اور اپنے زمانے میں علم و فضل کی وجہ سے مشہور تھے، شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے اساتذہ میں سے تھے اور خواجہ

نظام الدین نے مقاماتِ حریری اِنھیں سے پڑھی تھی شہر کے اکثر و بیشتر علماء آپ ہی کے شاگرد تھے، خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ جب میں کسی عذر سے ناغہ کر کے دوسرے دن حاضر ہوتا تو آپ فرماتے ؎

آخر کم از آنکہ گاہے گاہے ❊ آئی و بما کنی نگاہے !

(کبھی کبھی ہمارے ہاں آ کر ہمارے حال پر نظر کر لیا کرو) اس وقت کے مشہور شاعر تاج زمرد نے آپکی شان میں کہا ہے ؎

صدرا کنوں بکام دل دوستاں شوی ❊ مستوفی ممالک ہندوستاں شوی

(اے صدر! اب آپ دوستوں کے دل کے مطابق ہو گئے ہیں، یعنی ہندوستان کے بلاد کے آپ سربراہ مقرر ہو گئے ہیں)

قاضی جمال بدایونی مُلتانی رح

۱۲۶۲ ——————— ۱۳۳۶ھ

آپ بہت بڑے ولی اللہ تھے، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ انھوں نے ایکبار رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، کہ آپ بدایوں میں ایک جگہ بیٹھے وضو فرما رہے ہیں، قاضی جمال بیدار ہونے کے فوراً بعد وہاں گئے دیکھا کہ زمین پر پانی کا اثر ہے اور زمین گیلی ہے یہ دیکھ کر لوگوں سے فرمایا کہ میری قبر اسی جگہ بنائی جائے چنانچہ انتقال کے بعد آپ کو لوگوں نے وہیں دفن کیا۔

شیخ صوفی بدھنی رح

۶۳۹ ——————— ۷۰۴ھ

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ کیتھل میں ایک بزرگ رہتے تھے جنھیں لوگ صوفی بدھنی کہا کرتے تھے وہ اسقدر تارک الدنیا تھے کہ ستر پوشی تک نہ کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا کہ جو اسقدر کھائے کہ اس سے بھوک ختم ہو جائے اور قوائے بدن

برقرار رہیں، نیز اتنا کپڑا پہنتا ہو کہ اس سے ستر پوشی ہو جاتی ہو تو ایسے آدمی کی اتباع کرنی چاہیئے لیکن اس قول کیخلاف اُن کا اپنا عمل یہ تھا کہ نہ خود کھاتے اور نہ ہی پہنتے تھے، فوائد الفواد میں بھی ان کی یہی کیفیت لکھی گئی ہے

خیر المجالس میں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ صوفی بدھنی کو عبادت کا بے انتہا ذوق و شوق تھا، مسجد میں رہتے اور شب و روز محراب کے سامنے نماز پڑھتے رہتے، اس کے علاوہ آپ کا اور کوئی کام نہ تھا آپکے پاس لوگوں کا ہجوم لگا رہتا تھا ایک دن کچھ علمائے کرام آپکی خدمت میں تشریف لائے آپ نے اُن سے دریافت فرمایا کہ کیا جنت میں نماز ہوگی؟ علمائے کرام نے جواب دیا کہ جنت تو اصل میں جزا کی جگہ ہے جہاں کھانے پینے اور عیش کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا، عبادتیں تمامتر دنیا ہی میں بجالائی ہیں. آپ نے یہ سنکر فرمایا کہ جس جنت میں نماز نہ ہوگی اُس سے میرا کیا تعلق، اس کے بعد ہندی زبان میں ایک جملہ کہا جو قابلِ تحریر نہیں، اس کے بعد شیخ چراغ دہلویؒ نے آپکے اکثر مناقب بیان کیئے، منجملہ اُن کے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک دفعہ شیخ صوفی بدھنی کسی بلند جگہ پر چڑھ گئے جہاں ایک مرد غیب سے ملاقات ہوئی، پھر اُس مرد سے شیخ صوفی بدھنی نے دریافت کیا کہ صوفی بدھنی کس قسم کا آدمی ہے؟ مرد غیب نے جواب دیا کہ ایک بزرگ ہے لیکن افسوس! اتنا کہنے کے بعد وہ استغفار میں مشغول ہو گیا اور استغفر اللہ کہنے لگا، اتنا کہہ کر شیخ صوفی نے کہا کہ اس نے صوفی بدھنی پر آتے وقت استغفار شروع کر دیا تھا اگر وہ استغفار نہ پڑھتا تو میں اس کو اس بلندی پر سے ایسا پٹختا کہ اس کی گردن ٹوٹ جاتی۔

منقول ہے کہ شیخ صوفیؒ جب ذکر اللہ میں مشغول ہوتے تو اسوقت آپکی کیفیت یہ ہوا کرتی تھی کہ ہاتھ، پاؤں، سر، غرضیکہ سب اعضا جُدا جُدا ہو جایا کرتے تھے، کسی نے دریافت کیا کہ شیخ صوفی بدھنی کس زمانے کے بزرگ تھے تو شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ نے جواب دیا کہ صوفی بدھنی شیخ الاسلام حضرت فریدالدینؒ کے عہد و زمانے میں موجود تھے، نیز یہ بھی مشہور ہے کہ صوفی بدھنی کے گنبد پر کسی چڑیا کو بیٹھے یا گزرتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا۔

لوگوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ ایک دفعہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور شیخ صوفی بدھنیؒ

دونوں چنگیز خانیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، ایک روز تمام تر قیدی سخت بھوکے اور پیاسے تھے، کرامت کے طور پر خواجہ قطب الدین صاحبؒ اپنی بغل سے روٹیاں نکال نکالکر قیدیوں کو تقسیم کر رہے تھے اور صوفی بدھنی ایک ہی لوٹے سے تمام قیدیوں کو پانی پلاتے رہے، اس واقعہ کے بعد خواجہ صاحب کاکی کے لقب سے اور شیخ صوفی بدھنی کے لقب سے مشہور ہوگئے ہندی زبان میں ٹونٹی دار لوٹے کو بدھنی کہتے ہیں، اسی طرح خواجہ صاحب کے بارمیں معلوم ہوا کہ ان کی نسبت بھی کاک کیطرف اسی مناسبت سے کیجاتی ہے (یعنی روٹی والا) اللہ کی آپ پر رحمتیں نازل ہوں۔

شیخ شہاب الدین خطیب ہانسویؒ

۶۲۹ ——— ۶۱۹ھ

آپ کے متعلق شیخ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں کہ وہ ہر دلعزیز تھے اور ہمیشہ راتکو سورۂ بقر پڑھ کر سویا کرتے تھے اُنہی کی زبانی ایک حکایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک رات میں سورۂ بقر پڑھ رہا تھا کہ گھر کی ایک جانب سے آواز آئی

بیت

داری سرِ ما وگرنہ دُور از برِ ما! ❊ ما دوست کشیم و تو نداری سرِ ما

(تو ہمارا سر حاصل کرنے کے لئے آجاتا ہے ورنہ تو تو ہم سے دُور ہی رہتا، ہم تو تجھے دوست رکھتے ہیں اور تو ہمارے سر سے ناآشنا ہے) جس وقت یہ آواز آئی تھی اس وقت تمام گھر والے سو رہے تھے، میں ششدر و حیران رہ گیا کہ یہ ندا کہاں سے آرہی ہے اور گھر والوں میں سے کسی پر اُمید نہ تھی کہ وہ اس قسم کے مضمون کی بات کرتا، شیخ نے پھر دوبارہ یہ آواز سنی تو عرض کیا، اے میرے اللہ میں نے تیرے اکثر و بیشتر احکام کی حتی المقدور تعمیل کی ہے مجھے اُمید ہے کہ تو بھی میرے ساتھ ایفائے عہد کریگا، کہ جب میرا انتقال ہو تو اس وقت عزرائیل یا اور کوئی تیرا فرشتہ میرے پاس نہ ہو فقط میں ہوں اور تیری ذات، آخرش شیخ ہانسویؒ نے اسی طرح انتقال کیا جس طرح اُن کی خواہش تھی، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ احمد بدایونی

۷۰۱ھ ——— ۷۶۹ھ

شیخ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں کہ شیخ احمد میرے دوستوں میں سے تھے، بڑے صالح اور درویشوں سے محبت کرنے والے ابدال صفت بزرگ تھے، اگرچہ باضابطہ پڑھے لکھے نہ تھے مگر دن رات آپ کا شغل شرعی مسائل میں انہماک تھا۔ آپ کے رحلت کرجانے کے بعد میں نے ایک دفعہ آپ کو خواب میں دیکھا۔ ملاقات ہوئی تو انھوں نے اپنی حیات کے معمول کے مطابق مجھ سے شرعی مسائل دریافت فرمائے، میں نے اُن سے عرض کیا کہ جو کچھ آپ دریافت فرمارہے ہیں اُن کا تعلق دنیا کی زندگی سے ہے اور بحالتِ موجودہ آپ مُردہ ہیں (اس لئے آپکو ان مسائل کی ضرورت نہیں)، تو انھوں نے میرا یہ جواب سُن کر فرمایا کہ کیا آپ بھی اولیاء اللہ کو مُردہ کہتے ہیں اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ قاضی منہاج جرجانیؒ

۶۴۳ھ ——— ۷۱۲ھ

آپ طبقاتِ ناصری کے مؤلف ہیں، علاوہ ازیں بڑے جلیل القدر بزرگ اور اپنے زمانہ کے مشہور فاضل تھے، وجد و سماع کا ذوق رکھتے ہیں، جب آپ شہر کے قاضی مقرر کئے گئے تو سماع کو بڑی استقامت نصیب ہوئی، خواجہ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں کہ میں تقریباً ہمیشہ آپکی مجلسِ وعظ میں جایا کرتا تھا ایک روز میں حاضر ہوا تو آپ نے یہ رباعی پڑھی۔

رُباعی

لب بر لب لعل دلبراں خوش کردن ❊ واہنگ سرِ زلف مشوش کردن

امروز خوش است ولیک فردا خوش نیست ❊ خود را چو خسی طعمۂ آتش کردن

(اپنے لب کو معشوقوں کے لب لعلاں پر خوش کرنا اور اُن کی پریشان زلفوں سے کھیلنا آج تو اچھا نظر آتا ہے لیکن کل کو اسکا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا، اپنی ذات کو گھاس وغیرہ کی مانند

آگ کے سپرد کر دینا کوئی اچھا کام نہیں) ہیں (محبوبِ الٰہی) نے جب یہ اشعار سنے تو ایک طویل عرصہ تک بیخودی کے عالم میں رہا اور ایک مدت کے بعد ہوش میں آیا، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

مولٰنا احمد حافظ ؒ

۶۲۱ھ ——— ۷۰۶ھ

آپ ایک دانشمند اور خدا رسیدہ مرد تھے، شیخ نظام الدین اولیا قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ شیخ فرید الدین گنج شکر کی زیارت کے لئے جا رہا تھا کہ قصبہ "سرسی" کے مقام پر مولانا احمد حافظؒ سے ملاقات ہوئی تو باتوں باتوں میں انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ آپ جب شیخ کے مزار پر جائیں تو اولاً میرا سلام عرض کریں اور اسکے بعد کہہ دیں کہ اب مجھے دنیا کی طلب نہیں ہے، دنیا چاہنے والے میرے علاوہ اور بہت ہیں اور عقبیٰ کے بارہمیں بھی میری یہی رائے ہے، میری تو یہ آرزو ہے کہ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ٥ (مجھے بحالتِ اسلام وفات دے اور اپنے نیک بندوں میں شامل کرلے) آپ پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔

طبقۂ سوم

شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے زمانہ سے لیکر اس دور تک بزرگوں کے بالترتیب حالات

شیخ نصیر الدین محمود چراغ ؒ

——— ۷۵۷ھ

آپ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مشہور ترین اور ممتاز خلیفہ تھے، آپ کے احوال کے وارث اور صاحبِ سِرّ بزرگ تھے، اپ اپنے شیخ خواجہ نظام الدین اولیا کے انتقال کے بعد دہلی کی ولایت کے مالک قرار دئے گئے تھے آپ اپنے شیخ کے مکمل پیروکار تھے فقر و فاقہ، صبر و ثبات رضا و تسلیم آپکے قابلِ ذکر اوصاف تھے۔

منقول ہے کہ ایک روز شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے خاص مشیر اور رازدار امیر خسرو سے کہا کہ آپ براہ کرم خواجہ صاحب کی خدمت میں

میرا یہ پیغام عرض کردیں کہ میں اودھ میں رہتا ہوں اور لوگوں کی کثرت سے آمد و رفت کی وجہ سے عبادتِ الٰہی میں مزاحمت ہوتی ہے اگر ارشاد ہو تو اودھ کو ترک کر کے جنگل میں چلا جاؤں اور وہاں یکسوئی سے اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاؤں، امیر خسروؒ کا معمول تھا کہ وہ عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد شیخ کی خدمت میں جایا کرتے تھے اور دن بھر کے تمام حالات شیخ کو سنایا کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کا پیغام بھی سنایا، شیخ نے فرمایا کہ ان سے کہدینا کہ تمہیں لوگوں کے ساتھ ہی رہنا چاہیئے اور ان کی شدت و سختی برداشت کر کے اسکا بدلہ بخشش و عنایت سے دینا چاہیئے، نیز یہ بھی مشہور ہے کہ ایک دفعہ خواجہ نظام الدین اولیا شیخ نصیر الدین محمود کو خلوت میں لے گئے اور پوچھا بتایئے آپ کے دل میں کیا ہے، جنگل میں جانیسے تمہارا مقصد کیا ہے اور تمہارے والد کیا کام کرتے تھے؟ شیخ نصیر الدین محمودؒ نے عرض کیا کہ جنگل میں جانے سے میرا مقصد آپکی درازیٔ عمر کی دعا مانگنا اور درویشوں کی جوتیوں کو سیدھا کرنا ہے، میرے والد اپنے غلاموں کی اعانت سے روئی کی تجارت کا کام کیا کرتے تھے، یہ سُن کر شیخ نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا کہ اب میری بات غور سے سنو، میں جب اپنے شیخ کی خدمت میں لیل و نہار بسر کر رہا تھا تو اسی زمانے میں میرا ایک دوست جو میرا ہم سبق تھا میرے پاس آیا اور مجھے پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس دیکھ کر کہنے لگا کہ نظام الدین! تمہاری حالت کیا خستہ ہوگئی ہے، اگر تم اسی شہر میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری فرما دیتے تو معاش کے فکر سے آزاد ہو جاتے، اس دوست کی ان تمام باتوں کو سنکر میں خاموش رہا اور کوئی جواب نہ دیا، اس کے بعد میں اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ اے نظام اگر تم سے تمہارا کوئی دوست یہ کہے کہ تم نے یہ حالت بنا رکھی ہے اگر درس و تدریس کا پیشہ اختیار کر کے فکرِ معاش سے آزاد ہو جاتے تو تم کیا جواب دو گے، میں نے عرض کیا جو حکم ہو وہی عرض کردونگا تو آپ نے فرمایا ان سے یہ کہدینا، شعر

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر و برو ؏ ترا سعادت باد امرا نگونساری

(تم میرے ساتھی نہیں جاؤ اپنا راستہ پکڑو، تمہیں اقبال مندی مبارک اور مجھے عاجزی)

اس کے بعد شیخ نے کھانے سے لبریز ایک خوان منگوایا اور میرے حوالہ کر کے فرمایا کہ اے نظام الدین اسے لیجاؤ تمہارا دوست جہاں ٹھہرا ہوا ہے اُسے دیدو، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، تب اس دوست نے میرے کام کو پسند کیا اور کہا کہ تمہیں یہ صحبت اور حال مبارک ہو،

شیخ نصیر الدین محمود فرماتے ہیں کہ اور علاوہ ازیں اسی قسم کی تلقین کر کے شیخ نے مجھے ریاضت ومجاہدہ کا حکم فرمایا، اس دَوران میں یوں بھی ہوتا کہ کبھی دس دس دن گزر جاتے اور کچھ نہ کھاتا، بیشتر اوقات یہ ہوتا تھا کہ جب خواہشات کا غلبہ ہوتا تو میں کھٹائی کھایا کرتا تھا۔

کہتے ہیں کہ سلطان محمد تغلق بادشاہ دہلی نے شیخ نصیر الدین محمود کو باوجود آپکے کمالات علیہ کے تکالیف دینا اپنا بہترین مشغلہ بنا رکھا تھا، اپنے ہمراہ سفر میں آپکو پیدل چلاتا، اس نے آپکو اپنا خانساماں مقرر کیا، شیخ نصیر الدین ان تمام تکالیف کے کاموں کو صرف اپنے شیخ کی وصیت کی بنا پر برداشت کرتے اور اُف تک نہ کرتے، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ نے ۱۸ رمضان ۷۵۷ھ کو وفات پائی۔

ایک دفعہ سلطان محمد تغلق بادشاہ نے شیخ نصیر الدین محمود کے لئے سونے اور چاندی کے برتنوں میں اس غرض سے کھانا بھیجا کہ اگر نہ کھائیں گے تو اسی کو ایذا رسانی کا سبب بنا کر جرم عائد کر دونگا اور اگر کھالیں گے تو پوچھوں گا کہ آپنے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھا کر غیر شرعی اور ناجائز کام کا ارتکاب کیوں کیا، جب شیخ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا تو آپنے زبان سے کچھ نہ فرمایا، البتہ سونے کے ایک برتن سے تھوڑی سی یخنی اُٹھائی اور اُسے ہتھیلی پر رکھ کر چکھ لیا، اس سے بد اندیش اور بدخواہوں کے ارادے معرضِ وجود میں نہ آسکے۔

خیر المجالس میں ہے کہ ایک دوست نے ایک مرتبہ آپ سے عرض کیا کہ ملفوظات خواجہ عثمان ہارونی میں ہے جو شخص دوگائے ذبح کرے اس کی گردن پر ایک خون اور جو چار گائے ذبح کرے اس کی گردن پر دو خون اور جو دس بھیڑیں ذبح کرے اس کی گردن پر ایک خون ہوگا، یہ سُن کر شیخ نصیر الدین نے فرمایا کہ پہلی بات تو یہ کہ ہارونی لفظ صحیح نہیں بلکہ اصل لفظ ہرونی ہے اس لئے کہ ہرون ایک گاؤں کا نام ہے۔ جہاں خواجہ عثمان رہا کرتے تھے، پھر فرمایا کہ یہ عبارت ان کی نہیں ہے، ان کے ملفوظات کے کئی نسخے ہمارے ہاں بھی

موجود ہیں جن میں اکثر باتیں ایسی مندرج ہیں جو فی الواقع اُن کی نہیں ہیں، اس کے بعد فرمایا کہ شیخ نظام الدین فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کوئی کتاب نہیں لکھی، اسلئے کہ شیخ الاسلام فرید الدین اور شیخ الاسلام قطب الدین اور خواجگانِ چشت جیسے لوگوں نے کوئی کتاب نہیں تصنیف فرمائی

منقول ہے کہ شیخ نظام الدین کے مریدوں نے ایک مرتبہ محفل سماع کا پروگرام بنایا، مرید غزلخوانوں سے دف پر سماع سُن رہے تھے اور اس محفل میں شیخ نصیر الدین محمود دہلوی بھی موجود تھے، آپ اُٹھ کر جانے لگے، دوستوں نے بیٹھنے کے لئے اصرار کیا تو فرمایا یہ خلافِ سنت چیز ہے میں اسے ہرگز گوارہ نہیں کرتا، اس پر لوگوں نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے آپ سماع کے ناجائز ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اپنے شیخ کے طریقے سے انحراف کرتے ہیں، آپ نے ان دوستوں کو جواب دیا کہ شیخ کا قول حجتِ شرعیہ نہیں، قرآن و حدیث سے دلیل پیش کرنا چاہیئے بعض اہلِ ہوا اور خود غرض لوگوں نے یہ بات شیخ نظام الدین کی خدمت میں پیش کی اور کہا کہ شیخ نصیر الدین یوں کہتے ہیں، چونکہ شیخ نظام الدین کو اصل واقعہ کی پہلے سے اطلاع مل چکی تھی اس لئے ان لوگوں سے فرمایا کہ شیخ نصیر الدین ٹھیک فرماتے ہیں اور جو کچھ وہ فرماتے ہیں وہی حق ہے۔

سیر الاولیا میں ہے کہ شیخ نظام الدین اولیا کی محفلِ سماع میں مزامیر (باجے) وغیرہ نہ ہوتے تھے اور نہ ہی تالیاں بجائی جاتی تھیں، اگر آپ سے کوئی کسی کے متعلق یہ کہتا کہ فلاں باجے وغیرہ سنتا ہے تو آپ اُسے منع فرما دیتے اور فرماتے کہ باجے وغیرہ سننا شریعت میں ناجائز اور ممنوع ہیں۔

خیر المجالس میں ہے کہ ایک شخص نے شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ سے آکر پوچھا کہ یہ کہاں جائز ہے کہ محفل سماع میں دف، بانسری، ستار، باجے وغیرہ بجائے جائیں اور صوفی ناچیں اور رقص کریں، آپ نے جواب دیا کہ باجے وغیرہ تو بالاتفاق اور بالاجماع ناجائز وگناہ ہیں، اگر کوئی طریقت سے نکل جانا چاہے تو شریعت میں رہنا ضروری ہے اور اگر شریعت سے بھی نکلنا چاہے تو پھر کہاں جائے گا؟ اوّلاً تو سماع ہی زیر بحث ہے اور علماء کا اسمیں اختلاف ہے، اگر چند شرائط کے ساتھ جائز بھی کر لیا جائے تب بھی ہمہ قسم کے باجے وغیرہ بالاتفاق ناجائز و حرام ہیں۔

جوامع الکلم میں ہے کہ ایک دن شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ کو اپنی خانقاہ میں بیٹھے ہوئے اس شعر پر وجد آگیا، **شعر**

جفا بر عاشقاں گفتی نخواہم کرد ہم کردی ٭ قلم بر بیدلاں گفتی نخواہم راند ہم راندی

(تم نے خود ہی یہ کہا تھا کہ عاشقوں پر ظلم نہ کیا کرونگا باوجود اس کے پھر بھی ظلم کیا اور تم نے یہ بھی کہا تھا کہ بے دلوں پر سختی نہ کرونگا مگر اس کے باوجود بھی سختی کی) مشہور شاعر مولنا مغیثؒ نے اپنے ایک خط میں اس مجلس کا پورا حال ضبط کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ یہ شعر کسی حقیقت پر مبنی نہیں قرار دیا جا سکتا، اگر ظلم و ستم کو اللہ کی طرف نسبت کریں تو یہ صریح کفر ہے غرض کہ اسی قسم کی چند باتیں تحریر فرما کر یہ خط مولنا معین الدین عمرانی کے حوالہ کیا، انھوں نے وہ خط شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ کی خدمت میں پیش کیا، شیخ نے یہ خط اپنے ہاتھ میں لیا اور پھر مولنا معین الدین کو واپس کر دیا اور کچھ فرمایا نہیں البتہ عمامہ باندھ کر اور خرقہ پہنا کر واپس کر دیا

ایک دن شیخ نصیر الدین محفل سماع میں یہ اشعار سُن کر رقص کرنے لگے اور اس وقت نہایت ہی مضطرب نظر آ رہے تھے، **رُباعی**

ما طبل مغانہ دوش بیباک زدیم ٭ عالی علمش برسرِ افلاک زدیم

از بہر یکے مغبچہ مے خوارہ ٭ صد بار کلاہ توبہ بر خاک زدیم

(رات ہمنے بڑی فرحت و انبساط سے منائی، جس کا چرچا آسمانوں پر بھی ہو گیا اور ایک میخوار معشوق کی خاطر کلاہِ توبہ کو ہزار بار زمین پر پھینکا) اسی سخت بے چینی کے عالم میں اپنے مکان کی چھت پر جا کر بیٹھ گئے اور مولنا مغیث کو طلب کیا، مولانا گھبرائے ہوئے آپ کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے تب شیخ نصیر الدین محمود چراغ نے فرمایا ہاں مولنا لکھئے اس جگہ کیا جہالت تھی، یہ کہہ کر مولنا کو رخصت کیا اس کے بعد پھر مولنا خانقاہ میں نہیں آئے، اور بہت جلد رحلت فرما گئے۔

نیز منقول ہے کہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی نے ارشاد فرمایا کہ میں کس لائق ہوں جو پیری مریدی کروں، آج تو یہ کام بچوں کا کھیل سمجھا جانے لگا ہے پھر شیخ سنائیؒ

کا یہ شعر پڑھا ؎

مسلمانان مسلمانان مسلمانی مسلمانی ازیں آئین بیدیناں پشیمانی پشیمانی

اے مسلمانو! شریعت پر عمل کرو، اور جو تم نے طریقہ اختیار کر رکھا ہے یہ دراصل بے دینوں کا طریقہ ہے جس سے سوائے پشیمانی کے اور کچھ حاصل نہیں) آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ایمان محفوظ رکھنے کی فکر کرو اور کرامتوں کے درپئے نہ ہو، نیز فرمایا کرتے تھے کہ میں نہایت ہی پریشان ہوں کہ لوگ بغیر مشاہدہ کئے لوگوں کے پیچھے کیوں دوڑتے ہیں،

میر سید محمد گیسو دراز فرماتے ہیں کہ میں شیخ نصیر الدین کی زندگی میں دہلی میں تھا، ایک سال وہاں بارش نہ ہوئی، لوگ شیخ نصیر الدین محمود کے ساتھ نماز استسقاء کو نکلے گریہ وزاری کے ساتھ نماز پڑھی اور بزرگوں کی طرح دعائیں مانگی مگر بارش نہ ہوئی، مجبوراً واپس آنا پڑا، واپسی کے بعد میں آپ کے درِ دولت پر حاضر ہوا تو فرمایا کیا تم نماز استسقاء میں شریک نہیں ہوئے تھے میں نے عرض کیا کہ شریک ہوا تھا، آپ نے فرمایا آج تم نے دیکھا کہ لوگ ہمیں ایسا ویسا کیا کچھ کہہ رہے ہیں، مخلوق ہم پر ہجوم کئے ہوئے ہمارے ساتھ باہر گئی، ہم نے لاکھ کوشش کی مگر بارش نہ ہوئی آخر کار مجبوراً پشیمان ہو کر ہم لوگ واپس لوٹ آئے (مقصود یہ تھا کہ لوگ شاید ہمکو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ہم سب کچھ کر سکتے ہیں مگر آج اللہ نے لوگوں پر واضح کر دیا کہ خدائی کاموں میں کوئی دخیل نہیں)

نیز حضرت گیسو دراز فرماتے ہیں کہ شیخ نصیر الدین دہلوی فرمایا کرتے تھے کہ جس وقت میں بچہ تھا اور مسجد میں استاد سے پڑھا کرتا تھا اُس مسجد میں ایک خشک درخت تھا، ایک کوا اس درخت پر روزانہ آکر بیٹھتا اور جو کچھ وہ کہتا اور بولتا تھا میں اُس کی زبان کو خوب سمجھتا تھا

خیر المجالس میں ہے کہ شیخ نصیر الدین محمود دہلوی ؒ سے ان کے ایک دوست نے درویشوں کی کیفیت اور انکے حال کی ماہیت دریافت کی، آپ نے فرمایا کہ حال نتیجہ ہے عمل کے صحیح ہونے کا اور عمل ۲ دو قسم پر ہے۔ ایک عمل بالجوارح جس کو سب لوگ جانتے ہیں دوسرا ۲ ہے عمل بالقلب اس کو مراقبہ بھی کہتے ہیں اور مراقبہ کے معنی یہ ہیں المراقبۃ ان تلازم قلبك العلم بان اللہ ناظر الیك (دل میں اس بات کا یقین کرنا کہ خدا

دیکھ رہا ہے) اس کے بعد فرمایا کہ انوار خداوندی اوّلاً اور ابتداءً عالم علوی سے روح پر نازل ہوتے ہیں پھر دل پر اس کا اثر نمودار ہوتا ہے پھر دل سے اسکا ظہور اعضاء پر ہوتا ہے، چونکہ اعضاء، دل کے تابع ہیں اسلئے جب دل متحرک ہوتا ہے تو اس سے اعضا میں حرکت پیدا ہوتی ہے، ایک مرتبہ پھر اسی عزیز نے سوال کیا کہ صاحب عوارف المعارف نے صاحب کمال کو متوسط کہا ہے اور پھر اس عزیز نے کتاب عوارف المعارف کی یہ عبارت پیش کی، المبتدی صاحب وقت والمتوسط صاحب حال والمنتھی صاحب انفاس (مبتدی صاحب وقت، اور متوسط صاحب حال اور منتہی صاحب انفاس ہوتا ہے)

حاضرین مجلس میں سے کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو شیخ نصیر الدین سائل کیطرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ تم نے خود اس بارے میں کیا سنا ہے اور کیا تم نے خود بھی عوارف المعارف کا مطالعہ کیا ہے؟ اس نے کچھ جواب نہ دیا تو خود شیخ نے فرمایا کہ مبتدی صاحب وقت ہے اور صاحب وقت وہ صوفی ہے جو اپنے وقت کو غنیمت اور کافی سمجھ کر اپنے کام میں مشغول ہو جاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ شاید آئندہ یہ وقت ہاتھ آئے یا نہ آئے کیا خبر، غرض یہ کہ جو یہ بات جانتا ہے کہ میرے پاس صرف اتنا وقت ہے اور اس وقت کو غنیمت سمجھ کر تلاوت قرآن حکیم، نماز، ذکر الٰہی اور دین و دنیا کے ترقی کے کاموں میں مشغول رہتا ہے، جب کوئی سالک اپنے اوقات کی مسلسل حفاظت میں دائم و قائم رہتا ہے اور اوقات مقررہ کو عبادات میں صرف کرتا ہے اور ہمیشہ اسی پر گامزن رہتا ہے تو امید ہے کہ وہ صاحب کمال ہو جائے گا اس لئے کہ خدا تعالیٰ کے انعامات و احسانات تو عبادت اور اعمال صالحہ کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں، اور انوار الٰہی جو عالم علوی سے روح پر نازل ہوتے ہیں اُن کے اثرات کو حال کہتے ہیں اور پھر اس کا اثر دل پر اُترنے کے بعد اعضا میں سرایت کرتا ہے، حال کو بہ دوام اور ثبات نہیں ہوتا، اگر حال کو بھی دوام ہو جائے تو یہ خود ایک مقام ہو جائے گا، فرمایا کہ اس کے بعد منتہی صاحب انفاس ہے جس کے اہل طریقت یہ معنی بیان فرماتے ہیں کہ وہ جو کچھ کہتا یا اس کی زبان سے جو بات نکلتی ہے اللہ تعالیٰ کبھی کبھی ویسا ہی کر دیتے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ ہر لفظ کی مراد اور معنی درحقیقت اصطلاحات پر موقوف ہے

اور مشائخ کی اصطلاح میں صاحبِ وقت اُسے کہتے ہیں جس پر اکثر و بیشتر اوقات میں حال طاری رہے، اور منتہی صاحبِ انفاس اُسے کہتے ہیں جس کا حال اس کے سانس کے قریب یعنی اسکا ہر سانس حال سے ملا ہوا ہو، مطلب یہ کہ اسکی یہ حالت ہو جائے کہ مقام حال کو حاصل کرے، اس کے بعد شیخ نصیر الدین نے آسمان کیطرف سر اُٹھا کر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پڑھی ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات الا فتعرضوا لھا (اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہارے زمانے میں سانس دیا ہے اس لئے تم اللہ ہی کے لئے سانس لیا کرو) اس کے بعد فرمایا کہ یہ کیفیت وجدانی ہے، اگر رات کو خدا کی یاد کی جائے گی تو صبح کو لازماً ذاکر سے اسکی خوشبو اور اثرات ظاہر ہونگے، پھر فرمایا کہ اگر کوئی درویش بھوکا رہ کر اول وقت سو جائے اور آخر وقت میں اُٹھ کر یاد الٰہی میں اس طرح مشغول ہو کہ اسکا باطن اللہ کے علاوہ اور کسی جانب مائل اور متوجہ نہ ہو تو وہ درویش اپنی روح پر انوار الٰہی کے نزول کا مشاہدہ اور معائنہ کریگا، خواہ اس زمانے میں وہ شخص کہیں جائے، دنیاداری سے الگ رہے، مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول ہو یا نہ ہو، غرضیکہ بلا شک و شبہ وہ اس کا مالک وحال نظر آئے گا، اسکے بعد یہ شعر پڑھا ؎

شعر

نظر در دیدہ ہا ناقص فتادہ ٭ دگرنہ یارِ من از کس نہاں نیست

(آنکھیں دیکھنے میں کمزور و ضعیف ہیں، دگرنہ میرا دوست مجھ سے پوشیدہ نہیں)

اس کے بعد فرمایا کہ اس کام میں اصل چیز نفس کی حفاظت کرنا ہے اور صوفی کو مراقبہ کی حالت میں ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس پر گہری نظر اور نگرانی رکھے تاکہ اس کے باطن کو دلجمعی اور یکسوئی نصیب ہو، جب صوفی نے نفس کو چھوڑ دیا اور اس سے غافل ہو گیا تو باطن حیران و پریشان ہو جائے گا، پھر فرمایا، صوفی وہ ہے جو اپنے ہر سانس کو گنتا اور شمار کرتا رہے، اور صاحبِ منتہی ہونے کے ایک معنی یہ بھی ہیں، اس کے برعکس جوگی اور ہندو تارک الدنیا جنھیں سِدھ کہتے ہیں (یعنی ان کے ترقی کے راستہ میں رکاوٹیں حائل ہیں) وہ بھی نفس کو مارنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن دولتِ ایمان سے محروم ہونے کی وجہ سے کوئی بلند مقام نہیں حاصل کر سکتے، اس کے بعد ایک ٹھنڈی آہ لی، اور فرمایا ہم اور

تم کس فہرست میں ہیں، یا پھر اس بھوکے فقیر کی مانند ہیں جو نانبائی کی دوکان کے سامنے ہر قسم کے پکے ہوئے کھانے دیکھ کر اور اُن کی خوشبو سونگھ کر کھڑا ہو جائے اور نانبائی سے کہے کہ تمہارے پاس جو کچھ ہے مجھے کھلادو، وہ جواب دے مجھے فرصت نہیں، اور اب بات کرنے کا موقع نہیں تمام دن لوگوں کے ساتھ مشغول رہا ذرا سا بھی آرام میسر نہیں آیا متعدد بار کوشش کی کہ ذرا سا لیٹ جاؤں مگر ہر دفعہ کوئی نہ کوئی آگیا، اب تم یہاں سے چلے جاؤ میں آرام کر رہا ہوں پھر کسی وقت فرصت کے موقع پر آنا، پھر فرمایا کہ رات کو جو کام انجام دیئے جاسکتے ہیں یا جو چیزیں جاسکتی ہیں اُنھیں دن میں کرنے کی بالکل طاقت نہیں، لیکن اس کے باوجود میں مایوس نہیں، یہ جملہ رُک رُک کر فرمایا اور آبدیدہ ہو کر یہ شعر پڑھنے لگے ؎

این دلو تہی کہ در تہہ انداختہ ام ؛ نومیدنیم کہ پُر برآید روزے

(یہ خالی ڈول جو میں نے بالکل تہ میں ڈالدیا ہے، ناامید نہیں ہوں کسی نہ کسی روز تو بھر ہی جائے گا) اس کے بعد فرمایا کہ دل پر نظر رکھ کر دل کو اللہ کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے اور ذکر اللہ میں مصروف و منہمک ہو کر تمام غیر اللہ کو دل سے نکال دیا جائے اس کے بعد فرمایا کہ فقیروں کے ہاتھ اور آستین چھوٹے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صوفی جب راہِ سلوک میں قدم رکھتا ہے تو چاہتا ہے کہ اپنا ہاتھ کاٹ دے تاکہ وہ غیر اللہ کے سامنے بغرضِ سوال دراز نہ ہونے پائے اور اگر وہ صوفی فی الواقع اپنا ہاتھ کاٹ دے تو وضو غسل اور مسلمان بھائیوں سے مصافحہ کرنے کے کارِ خیر سے محروم ہو جائیگا اور اس صورت میں کچھ بھی نہیں کر سکے گا، اس لئے وہ بجائے ہاتھ کاٹنے کے اپنی آستین یعنی دستِ سوال کو کھینچ لے اور کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہ کرے، اس طرز و طریق پر وہ اللہ کا ذکر اور یادِ الٰہی کرے اور اپنا دامن سمیٹ لے۔

سر منڈانے کا مطلب یہ ہے کہ تصوف اور طریقت میں آنے کے بعد اپنا سر قلم کر دے کیونکہ اس راستہ کی پہلی منزل سر قربان کر دینا ہے، اگر واقعۃً سالک اپنے سر کو جسم سے جدا کر دے تو کوئی چیز نہیں کر سکتا بلکہ اسکا وجود ہی اس دنیا میں نہیں رہیگا،

اور اگر سرقلم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے سر کے بالوں کو نوچ کر پھینکدے تو اس صورت میں وہ گنجا ہو جائے گا اسی کو لوگ سر بُریدہ کہتے ہیں، یہ بھی کوئی کام نہیں کر سکے گا، غالباً بال نوچنے سے جو سر میں درد ہوگا اس درد کی بنا پر وہ کام نہیں کر سکے گا) ان تمام حالات کے پیشِ نظر سر منڈانے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی غیر شرعی کام اس سے سرزد ہونے پائے، لوگوں نے سوال کیا کہ جَاهِدُوا فِينَا کا مطلب کیا ہے؟ جواب دیا کہ اسکو آسانی سے نہیں سمجھا جا سکتا، البتہ میں آسان اور سہل طریقے سے ابتدائی طور پر سمجھانیکی کوشش کرتا ہوں، جَاهِدُوا فِينَا کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے لئے کوشش کرو اور جَاهِدُوا فِي اللهِ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے لئے کوشش کرو، لفظ "فِی" اس شدتِ اتصال کیلئے آتا ہے جو "ل" میں نہیں، نیز لفظ فی ظرفیہ ہے اور ظرف اپنے مظروف میں ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ (صدقات، فقراء، مساکین، عاملین، مؤلفۃ القلو اور ان لوگوں کے لئے ہیں جو غلامی میں مبتلا ہیں) فقیر و مسکین تو فقط پیٹ کی بھوک ختم کرنے کے لئے لیتے ہیں اور رِقاب سے گردنیں آزاد کرانا مراد ہے کیونکہ جس کی گردن پھنسی ہوئی ہو وہ مُردے کی مثل ہوتا ہے اور جس نے غلام آزاد کرا دیا گویا کہ اس نے مُردے کو زندہ کر دیا، اس شدت اور شدید ضرورت کو لفظ فی سے ظاہر کیا گیا جس کا حرف ل سے ظاہر کرنا ناممکن، بعید اور غیر قانونی ہے۔ نیز گردن آزاد کرانے کا جس شد و مد سے حکم دیا گیا ہے اس طرح کی شد و مد دوسرے کسی حکم میں نہیں ہے، ساتھ ہی ساتھ یہ پوری تحقیق علم نحو، معانی اور بیان وغیرہ سے بھی تعلق رکھتی ہے۔

نیز مشائخین فرماتے ہیں کہ ریاضت و مجاہدہ کرنے والے لوگ تین حال سے خالی نہیں ہوا کرتے۔ اولاً مجاہدہ کی غرض اور باعث دوزخ کا خوف، ثانیاً مجاہدہ سے اُمید رکھے حصول اور دخول بہشت کی۔ ثالثاً، مجاہدہ محض اللہ کی ذات اور اُس کی خوشنودی کے لئے کرے، جو مجاہدہ صرف خدا کی ذات کے لئے کیا جائے وہ لِلّٰہ یا فی اللہ ہوگا اس مجاہدہ کی زیادہ قدر اس لئے ہے کہ یہ خالصۃً خدا کی ذات ہی کے لئے کیا جاتا ہے جیساکہ

قرآن کریم میں ہے وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (اللہ کے راستے میں خوب کوشش کرو) چونکہ عام طور پر لوگ مطلوب کی قدر و قیمت سے واقف نہیں ہیں اس لئے حصولِ حق کے لئے اچھی طرح کوشش نہیں کرتے، پھر فرمایا کہ ہر عمل اور کردار کا دار و مدار صرف جذبہ پر ہے یعنی ہر وہ عمل اور کام جس کے کرنے میں جذبہ نہ ہو وہ قابلِ قبول نہیں جیسے جذبۂ حال جب جذبۂ حال میں کوئی کام کیا جاتا ہے تو فوراً قبول ہو جاتا ہے اس جذبہ کا کوئی وقت مقرر نہیں، یہ جذبہ کبھی بچپن میں، کبھی جوانی میں اور کبھی بڑھاپے میں پیدا ہوتا ہے نیز جذبہ کے چند مراتب و مدارج ہیں، اولاً ــــ جذبۂ عام اس سے عمل کی توفیق ہوتی ہے ثانیاً ــــ جذبۂ خاص، اس کے ذریعہ دل خدا کی طرف مائل ہوتا ہے اور غیر اللہ سے کوئی تعلق نہیں رہتا،

لوگوں نے دریافت کیا کہ رات کا اول حصہ بہتر و افضل ہے یا آخری؟ آپ نے جواب دیا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین سے پوچھا کہ رات میں بہترین وقت کونسا ہے؟ جبرئیل نے عرض کیا مجھے خبر کچھ نہیں، البتہ نصف شب کے بعد فرشتے لرزہ بر اندام ہوتے ہیں اور عرش اعظم ہلتا ہے، نیز اللہ تعالے اپنے بندوں پر ہر وقت انعامات و احسانات کی بارش فرماتے رہتے ہیں، خوب سمجھ لو کہ اسی کے حضور اپنی جبین نیاز کو سجدہ ریز رکھو، علاوہ ازیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا رَاَيْتُ رَبِّيْ لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ (میں نے اپنے رب کو معراج کی شب بہترین صورت میں دیکھا) اس حدیث کے الفاظ فی احسن صورۃ کے معنی یہ ہیں کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اچھی صورت میں تھے یعنی ہشاش بشاش تھے اور یہ ویسی ہی طرز ادا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میں نے شیر کو سوار دیکھا یعنی میں خود سوار تھا، غرضکہ شب معراج میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم خوش و خرم اس لئے تھے کہ اولاً تو آپ کو معراج سے نوازا گیا، علاوہ ازیں جمیع انبیاء کرام سے ملاقات، مبشرات نور باریتعالیٰ کا نزول اور آپ نے قرب الٰہی کے منازل طے فرمائے تھے، اسی وجہ سے آپکے چہرۂ اقدس پر حسن و جمال مترشح اور ظاہر تھا، نیز لفظ رَبّ سے آقا اور سید مراد ہے

اس معنی کے اعتبار سے حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ میں نے شب معراج میں ملائکہ کے آقا اور سردار جبریل کو بہترین صورت میں دیکھا، نبی علیہ السلام کا جبریل کو آقا اور سردار کہنا ویسا ہی صحیح اور درست ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ کا یہ قول ہے کہ میں نے اپنے رب (یعنی آقا اور سردار) کو مدینہ میں اس طرح چلتے دیکھا کہ آپ سرخ جُبہ اور جُوتے پہنے ہوئے تھے، یہ سنتے ہی لوگوں نے ابو ہریرہؓ سے کہا کہ اے ابو ہریرہ مسلمان ہو جانے کے بعد بھی کفریہ کلمات کہہ رہے ہو، تو ابو ہریرہ مسکرائے اور فرمایا کہ میں نے اپنے رب یعنی سیدی حسنؓ کو اس طرح دیکھا، جب سلسلۂ کلام یہاں تک پہنچا تو لوگوں نے دریافت کیا اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (کہ اللہ نے آدم کو ان کی خلقت پر پیدا کیا) کے کیا معنی ہیں، فرمایا کہ صُوْرَتِہٖ میں "ہ" ضمیر آدم کی جانب راجع ہے یعنی آدم کو اپنے پورے قد وقامت اور ڈیل ڈول کے ساتھ پیدا فرمایا جوان کو دیکھا گیا، دوسرے عام آدمیوں کی طرح کہ پہلے بچہ، پھر جوان، پھر بوڑھا نہیں بنایا، آدم کو اسی ایک ہی صورت میں پیدا کیا جو از ابتدا تا انتہا ایک ہی شکل و صورت تھی اور اس میں تا حیات دنیوی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے معتقدین اور مریدوں میں تمام بندگانِ دین اور اس وقت کے عالم و فاضل شریک تھے۔ منجملہ اُن کے فصاحت و بلاغت میں فرد وحید مولانا مظہر جو شیخ کی خصوصی عنایتوں کے مرکز تھے انہوں نے آپکی تعریف مدح میں کچھ اشعار لکھے ہیں جس میں سے چند ابیات درج ذیل ہیں

قصیدہ

دوش آن زمان کہ از افق مغرب شتا ✽ خورشید خواند سورۂ والنجم اذا ہوٰی

ترجمہ (رات کے وقت جب افق مغرب سے سردیوں میں سورج نے سورہ والنجم اذا ہوٰی پڑھی)

شمع فلک زبانہ فرد برد اندر آب ✽ دورِ زمین نشانہ برآورد برسما

ترجمہ (آسمان کی شمع کا شعلہ ختم ہو کر پانی میں چلا گیا گردشِ ایام نے اپنی علامات آسمان پر ظاہر کر دیں)

گفتی مگر کہ یوسف خورشید شد بچاہ ✽ کز تیرگی چو دیدۂ یعقوب شد ہوا!

ترجمہ (گویا کہ یوسف علیہ السلام کنویں میں چلے گئے، حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں اس غم سے ختم ہو گئیں)

باد سے برآمد ابِ لب دریا کہ دامنش ✽ گرد سیاہ سر ہمی ریخت برفضا

ترجمہ (دریا سے ایک ہوا اُڑی جو اس کے دامن سے سیاہ غبار فضا پر اُڑا رہی تھی)

چوں ساعتے دو از شب دیجور برگزشت — بنشست باد و ابر در آمد ما نجلار

ترجمہ (جب دو گھڑی سیاہ رات کی گزر گئیں، تو ہوا بھی رُک گئی اور بادل بھی چھٹ گئے)

یکیک ستارہ بر سر گردوں فروغ داد — چوں در بہشت طلعتِ تابانِ اتقیا

ترجمہ (پھر تمام ستارے آسمان پر چمکنے لگے، جیسے پرہیزگاروں کے چہرے بہشت میں چمکتے ہوں گے)

نراش صنع از یدِ قدرت بر آورد — قندیلہائے نورِ بریں نیلگوں قبا

ترجمہ (پھر صانع مطلق نے اپنی قدرت سے نمودار کر دیا اس آسمان نیلگوں پر روشن چراغوں کو)

می جست نرم نرم نسیم از کنارِ باغ — گوئی پیام دوست ہمیں داد در خفا

ترجمہ (باغ کے کنارے بادِ صبا آہستہ آہستہ چل رہی تھی گویا کہ وہ درپردہ محبوب کی خبر دے رہی تھی)

گر کیمیائے دولت جاوید ت آرزو است — یا گلشنِ بہشت از یں شاخ بے منا

ترجمہ (اگر ہمیشہ رہنے والے کیمیا کی تجھے آرزو ہے یا گلزار بہشت اس شاخ بے ریا سے)

جمت خسی نگر نفسے خواجہ نوبہار — جانت مے شمر نظر شیخ کیمیا

ترجمہ

بر دستِ او اگر نتوانی نہاد دست — بارے بدار ایں سرِ خاکی بہ زیر پا

ترجمہ (اگر اس کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں رکھ سکتا تو پھر ایک وقت اس خاکی سر کو پاؤں کے نیچے رکھ لو)

والا نصیر ملتِ دین و دول کہ ہست — نعم النصیر از پسِ یزداں بر دسرا

ترجمہ (شیخ نصیر ملتِ دین و دل ہیں، بہترین مددگار ہیں خدا تعالےٰ کے بعد)

نیز آپ کے مرثیہ میں یوں بیان کیا گیا ہے

ز دورِ محنت ایں نہ سپہر زنگاری — کدام دل کہ زخوں گشت از جگر خواری

ترجمہ (اس جہان زنگ آلود کی جفاکشی سے کونسا دل ہے جو اس کے مصائب سے بچ گیا ہو)

کجا بجام طرب مجلس بنا کردند! — کہ از سپہر نبارید سنگ قہاری

ترجمہ (کونسی ایسی محفل ہے جو منعقد ہوئی ہو اور اس پر قہر کے پتھر نہ برسیں ہوں)

وفا ز عالمِ فانی مجو کہ مشہور اند — فلک بچیرہ کشی اختراں بہ غداری

ترجمہ (اس جہانِ فانی سے وفا طلب کرو اسلئے کہ مشہور ہے کہ آسمان ظلم کرتا ہے اور ستارے غداری)

خزینہ ایست سپہر از نفوسِ انسانی　　دفینہ ایست زمین از بتانِ فرخاری

~~ترجمہ (اے عزیز تو اپنے ملک و مال پر نازاں ہے اگر تو عقلمند اور ہوشیار ہے تو بے خوف نہ ہو)~~

تو اے عزیز کہ در ملک و مال مغروری　　مباش ایمن اگر عاقلی و ہوشیاری

ترجمہ (اے عزیز تو اپنے ملک و مال پر نازاں ہے، اگر تو عقلمند اور ہوشیار ہے تو بے خوف نہ ہو)

چہ دانی آنکہ در اوراق کارخانۂ غیب　　قضا چہ نقش بر آرد ز کلکِ جباری

ترجمہ (تجھے کیا معلوم کہ کارخانۂ غیب کے اوراق میں کیا ہے، اور خدا کی قضا کی قلم کیا لکھتی ہے؟)

زمانہ صلح کند با دلِ تو یا خصمے!　　فلک بہ دشمنی آید بہ پیش یا یاری

ترجمہ (کیا خبر تیرے دل سے زمانہ صلح کرتا ہے یا جھگڑا، آسمان تجھ سے دشمنی کرتا ہے یا یاری سے پیش آتا ہے)

چو وقت آں برسد ہیچ کس نگیرد دست　　نہ ملک بے ملکی نے سپہ سالاری

ترجمہ (جب وہ وقت آپہنچتا ہے تو کوئی آدمی ہاتھ نہیں پکڑ سکتا، نہ کوئی بادشاہ اور نہ ہی کوئی سپہ سالار)

بقا بقائے خدا ایست ملک ملک خدائے　　کہ نیست قائم و دائم کسے بجز باری

ترجمہ (باقی رہنا تو خدا کی ذات کو ہے اور ملک بھی اسی کا باقی ہے، خدا کی ذات کے علاوہ کوئی قائم اور دائم نہیں)

ز دستِ چرخ ندانم کجا کنم فریاد　　کہ برگذشت بما جور او ز بسیاری

ترجمہ (آسمان کے ظلم سے نہیں جانتا کہ میں کس سے فریاد کروں، اس نے مجھ پر بہت ظلم کئے ہیں)

جہاں بہ ماتم خواجہ نصیر دین محمود　　ہزار گونہ فغاں کرد نوحہ و زاری

ترجمہ (تمام جہان خواجہ نصیر الدین محمود کی موت پر ہزار بار فغاں، نوحہ اور گریہ کر چکا ہے)

بقیہ سلف و یادگار اھلِ کرم　　کہ کرد ختم خلافت بملک دینداری

ترجمہ

مہیمناً ملکاً منعماً خداوندا!　　بحقِ نعمتِ قرآں و دولتِ قاری

ترجمہ (اے خداوند مہیمن و منعم، بحرمت نعمتِ قرآن اور بہ برکت پڑھنے والے کے)

برحمتِ تو کہ عام است در جہانبانی　　بعزت کہ خاص است در جہانداری

ترجمہ بہ برکت اپنی نعمت کے جو جہاں میں عام ہے اور ببرکت اپنی قدرت کے جو جہاں میں خاص ہے)

کہ روحِ اعظم آں شیخ پیشوائے کرم! کہ مقتدائے جہاں بودہ ست ز اخیاری

ترجمہ (کہ اس پیشوا کی روحِ معظم کو، جو جہان والوں کے متفقہ مقتدا تھے)

ندیم قربت خود کن غریق رحمتِ خویش مجاور رسل و انبیا ز مختاری

ترجمہ (اپنی قربت سے ان کو ہمکنار اور اپنی رحمت میں غرق کردے جو رسولوں اور انبیاء کے خوشہ چین تھے)

بساط صحن وہ از حلہائے فردوسی غلاف قبر کن از پردہائے غفاری

ترجمہ (ان کا قبر میں بچھونا جنت کے کپڑوں میں سے بنا، اور ان کی قبر کا غلاف تیری بخشش کا پردہ ہو)

اور حمید قلندر شاعر جو خیر المجالس کے جامع ہیں وہ بھی آپ کی مجلس میں حاضر ہونے والوں اور خدمت گزاروں میں سے تھے، یہ دراصل شیخ نظام الدین اولیاء کے مریدوں میں سے تھے لیکن کبھی کبھی اپنے والد کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، حمید قلندر نے آپکے خلفاء سے بھی اپنی استعداد کے مطابق استفادہ کیا ہے اگرچہ اُن کے اشعار اس قسم کے نہیں کہ ان کو شاعر کہا جا سکے لیکن اسکے باوجود وہ شاعر ہی سے مشہور ہو گئے، اور حمید سے زیادہ وہ قلندر سے مشہور تھے، اولاً حمید قلندر نے مولنا برہان الدین غریب کی خدمت میں رہ کر اُن کے ملفوظات کو جمع کیا اس کے بعد شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپکے ملفوظات کو جمع کیا اور اسکا نام خیر المجالس رکھا، ملفوظات کی تالیف کی ابتدائی تاریخ ۷۵۵ھ تھی اور ۷۵۶ھ میں یہ پایۂ تکمیل تک پہنچ گئے، ان ملفوظات میں حالات و احوال بڑے سادہ انداز میں تحریر کیے گئے ہیں۔

شیخ سراج الدین عثمانؒ گوری

۶۵۶ھ ——————— ۷۳۰ھ

آپ اخی سراج کے نام سے معروف تھے اور شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے جلیل القدر خلفاء میں سے تھے، خواجہ نظام الدین کے مریدوں میں آپ اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے دونوں سلسلے بہت مشہور ہیں، عین جوانی کے وقت جبکہ آپکی داڑھی کے بال تک نہ نکلے تھے خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید ہوئے اور چند برس آپ کی خدمت میں رہنے کے بعد اپنی والدہ کی خدمت کے لئے لکھنوتی جس کا موجودہ نام گور ہے تشریف لے گئے، چند روز

وہاں قیام فرمانے کے بعد پھر واپس شیخ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، خلافت دیتے وقت آپ سے شیخ نے فرمایا کہ اس کام میں پہلا مقام علم کو حاصل ہے اور شیخ میں ابھی اتنا علم نہیں ہے، اس پر اس وقت جو لوگ موجود تھے اُن میں سے مولٰنا فخر الدین زرادیؒ نے عرض کیا کہ میں انھیں چھ ماہ میں عالم بنا دوں گا، چنانچہ شیخ سراج نے مولٰنا زرادیؒ سے علم حاصل کیا، مولٰنا زرادی نے ان کے لئے ایک کتاب بھی بنام عثمانی بھیجی، اس کے بعد شیخ سراج نے مولٰنا رکن الدینؒ سے کافیہ، مفصل قدوری اور مجمع البحرین پڑھیں، اور حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے انتقال کے بعد مزید تین برس تک دیگر درسی کتب کی تحصیل کی پھر شیخ کے موقوفہ کتب خانے سے چند کتابیں، کچھ کپڑے اور خلافت نامہ جو شیخ نے آپکو دیا تھا لیکر اپنے مقام لکھنوتی تشریف لے گئے اور دیار کو ولایت کے جمال سے مزین کیا، شیخ نے عین حیات میں آپکے متعلق فرمایا تھا کہ وہ ہندوستان کا آئینہ ہے۔

منقول ہے کہ شیخ سراج نے اپنے شیخ سے جو خرقہ وغیرہ حاصل کیا تھا اُسے زمین میں دفن کیا اور اس پر قبر بنا دی اور انتقال سے پیشتر اپنے ورثا کو یہ وصیت کی کہ مجھے کپڑوں والی قبر میں دفن کیا جائے چنانچہ بعد انتقال لوگوں نے ایسا ہی کیا، آپ کے خلفاء شہر گور میں مشہور ہیں جو ابتک بھی موجود ہیں، آپ کا قیام بھی اسی شہر میں تھا، شیخ حسام الدینؒ مانکپوری کے ملفوظات میں ہے کہ شیخ سراج الدین عثمان اودھی کے پاس ایک سہروردی درویش مہمان ہوا، عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد شیخ سراج کپڑے اُتار کر اپنے بستر پر سو گئے اور وہ درویش رات بھر نماز و عبادت میں مشغول رہا، صبح کو بستر سے اُٹھ کر شیخ نے رات کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، یہ دیکھ کر اس درویش نے کہا کہ مجھے تعجب ہے کہ آپ تمام رات تو سوتے رہے اور نماز فجر بھی بغیر وضو ادا کی، شیخ سراج نے نہایت ہی متواضعانہ انداز میں کہا کہ آپ بزرگ ہیں، آپ نے تو تمام رات ہی عبادت میں گزار دی اور ہم سامان رکھتے ہیں اور چور تاک میں ہے اس لئے ہم اس کی حفاظت کرتے رہے ؎

اگر عاشق بہ مسجد در نیامد! ٭ دلِ عاشق ہمیشہ در نماز است

(اگر عاشق (حقیقی) عبادت کے لئے مسجد (کسی عذر کی وجہ سے) نہیں آ سکتا لیکن اس کا دل

ہمیشہ نماز میں مشغول ہے ؛

شیخ قطب الدین منورؒ

۶۸۲ھ ——————— ۷۶۰ھ

آپ برہان الدین ولد شیخ جمال الدین ہانسوی کے فرزند ارجمند اور خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے جلیل القدر جامع کمالات اور مظہر کرامات خلیفہ تھے، تکلف و تصنع سے آپکو طبعاً نفرت تھی لوگوں کے شور وغل سے دُور رہتے تھے ۔ عمر بھر اپنے اختیار سے آپ نے اپنے کمرے سے باہر قدم نہ نکالا تھا، امراء کے دروازے پر کبھی نہ جایا کرتے اور پوری زندگی توکل، صبر و قناعت میں بسر کی ۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ سلطان محمد تغلق بادشاہ نے قاضی کمال الدین صدر جہاں کو شیخ منور کے ہاں بھیجا، اور ساتھ ساتھ تحریر شدہ ایک فرمان بھی انکے ہمراہ روانہ کیا جس میں تحریر تھا کہ فلاں فلاں گاؤں ہم نے آپ کو بطور ہدیہ دیدیئے ہیں، اس کا مطلب یہ تھا کہ شیخ منور کو دنیا داری کے فریب میں مبتلا کیا جائے، پھر وہ اپنی عادت کے مطابق جیسا وہ دوسرے درویشوں کو تکالیف دیا کرتا تھا ان پر بھی ایذا رسانی کا سلسلہ شروع کر دیتا، صدر جہاں جب شیخ کے پاس آئے اور جاگیری مواضعات کا فرمان شاہی پیش کیا اور زبانی بھی بیان کیا تو شیخ منورؒ نے فرمایا سلطان نصیر الدین بن شمس الدین اوچ اور ملتان کی طرف جا رہا تھا تو اپنے امیر الامراء غیاث الدین کو حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کی خدمت میں ایک فرمان جاگیری مواضعات کا دیکر بھیجا تھا لیکن شیخ فرید الدینؒ نے اسے جواب دیا کہ ہمارے مشائخ نے ایسی جاگیریں قبول نہ فرمائی تھیں، جاگیریں قبول کرنے والے اور لوگ بہت ہیں ان کو دیدی جائیں آپکو معلوم ہے کہ ہم انھیں کے مرید ہیں ہمیں بھی وہی کرنا چاہیئے جو انہوں نے کیا (یعنی ہم جاگیر وغیرہ قبول نہیں کرتے) کہتے ہیں کہ شیخ منور اور سلطان محمد تغلق بادشاہ کی اس وقت ملاقات ہوئی تھی جبکہ بادشاہ ہانسی کی طرف جا رہا تھا اور ہانسی سے آٹھ میل پہلے ہی مقام مبنی میں قیام پذیر تھا بادشاہ نے نظام دربار سے عرف مخلص الملک کو جو بڑا ظالم تھا ہانسی

کا قلعہ دیکھنے کے لئے بھیجا تاکہ قلعہ کی تمام کیفیت معلوم کرے کہ وہ ٹھیک ہے یا خراب ہو چکا ہے، نظام زربارے قلعہ کے پیچھے ایک گھر پر پہنچا تو پوچھا یہ گھر کس کا ہے لوگوں نے کہا کہ شیخ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ شیخ منوّرؒ کا، زربارے نے کہا تعجب ہے کہ بادشاہ یہاں آیا ہوا ہے اور یہ اُن سے ملنے کے لئے نہیں گیا، پھر نظام زربارے نے بادشاہ کے ہاں لوٹ کر یہ عرض کیا کہ یہاں خواجہ نظام الدین اولیاء کا ایک خلیفہ رہتا ہے جو آپ سے ملنے نہیں آیا، بادشاہ کو حکومت کا نشہ اور غرور تھا (جیسا کہ عموماً ہوا کرتا ہے) اس نے حسن سر برہنہ جیسے عزت دار اور طاقتور کو حکم دیا کہ جاؤ اور شیخ قطب الدین منور کو یہاں پکڑ کر لے آؤ، چنانچہ حسن سر برہنہ شیخ کی بیٹھک میں آکر بیٹھا، شیخ کے فرزند نور الدین باہر تشریف لائے اور کہا کہ ہمارے آقا اور سردار آپ کو اندر بلا رہے ہیں، حسن سر برہنہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، مصافحہ کر کے بیٹھا اور عرض کیا کہ سلطان نے آپ کو بلایا ہے، شیخ نے دریافت کیا کہ اس طلب کرنے میں مجھے اختیار ہے یا نہیں؟ حسن سر برہنہ نے عرض کیا کہ فرمان شاہی یہ ہے کہ میں آپ کو لے چلوں، یہ سُن کر شیخ نے فرمایا، الحمد للہ کہ میں اپنے اختیار سے نہیں جا رہا، اس کے بعد اپنے گھر والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ میں تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں، پھر اپنی جا نماز اپنے کندھے پر رکھی اور لاٹھی ہاتھ میں لے کر پیدل روانہ ہوئے، حسن سر برہنہ نے جب شیخ کے چہرے سے بزرگی کی علامات کو دیکھ لیا تو عرض کیا کہ آپ پیدل کیوں چل رہے ہیں، کوتل گھوڑے ساتھ ہیں کسی ایک پر آپ بھی سوار ہو جائیے شیخ نے فرمایا کہ مجھے گھوڑے پر سوار ہونے کی ضرورت نہیں اتنی طاقت ابھی موجود ہے کہ میں پیدل چل سکتا ہوں، جب آپ اس مقام پر پہنچے جہاں آپکے آباء و اجداد کی قبریں تھیں تو فرمایا کہ مجھے اجازت ہے کہ میں یہاں کچھ دیر ٹھہر کر دعا کر لوں، حسن سر برہنہ نے اجازت دی، آپ نے وہاں کہا کہ مجھے آپ کی جگہ سے بے اختیاری کے عالم میں لیجایا جا رہا ہے اور میں اپنے اختیار سے گھر سے نہیں نکلا بلکہ مجھے زبردستی لیجایا جا رہا ہے اور چند بندگانِ خدا کو کس مپرسی کے عالم میں بغیر خرچ وغیرہ کے گھر میں چھوڑ آیا ہوں پھر شیخ قبرستان سے باہر آئے، دیکھا کہ ایک آدمی پچاس روپے لیکر آپکے پاس

آیا، آپ نے اس سے فرمایا کہ یہ پیسے ہمارے گھر دیدینا ان کے پاس کچھ بھی نہیں بہرکیف ان تمام حالات کو حسن سر برہنہ نے بادشاہ سے بیان کر دیا لیکن بادشاہ ان حالات سے کچھ متاثر نہ ہوا اور شیخ کو اپنے پاس بلایا، شیخ نے سلطان محمد کے پاس جاتے وقت بار بجی خاندان کے نائب فیروز شاہ سے کہا کہ ہم درویش اور فقیر شاہی بار میں داخل ہونے کے آداب اور ان سے گفتگو کرنے کے طرز و طریق سے نا آشنا ہوتے ہیں۔ فیروز شاہ نے کہا کہ آپکے بارمیں لوگوں نے بادشاہ سے بہت سی غلط باتیں کہہ رکھی ہیں، اس لئے رواداری، اخلاق و تواضع وغیرہ کا خوب خیال رکھیں، بادشاہ کو جب معلوم ہوا کہ شیخ آرہا ہے تو وہ بیٹھا ہوا تھا کھڑا ہو گیا، اس نے اپنی کمان ہاتھ میں لی اور تیر اندازی میں مشغول ہو گیا مگر شیخ کو دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے اور تعظیم و اکرام کی غرض سے آگے بڑھا اور مصافحہ کیا مگر شیخ قطب الدین نے اسکا ہاتھ اس طرح مضبوطی سے پکڑ لیا جو چھڑا نہ سکا، باوجودیکہ اس ظالم کے ہاتھ سے بہت سے مشائخ اور علماء تلوار کی نذر ہو چکے تھے مگر شیخ قطب الدین کا اس طرح عقیدتمند ہوا کہ اس بات کے کہنے پر مجبور ہو گیا کہ ہم آپکے علاقے میں آئے ہیں اور آپ نہ ہی ہماری اصلاح و تربیت فرماتے ہیں اور نہ ہی اپنی زیارت کا شرف بخشتے ہیں، شیخ نے فرمایا کہ اولاً تو آپ ہانسی کو دیکھیں رہی ملاقات کی بات سو یہ فقیر اپنے گھر میں پڑا ہے اور اس فقیر کو یہ بھی معلوم نہیں کہ بادشاہ سے ملاقات کس طرح کیجاتی ہے، یہ فقیر ایک کونے میں پڑا ہوا بادشاہ اور دیگر جملہ مسلمانوں کی اصلاح و بہبود کی دعا میں مصروف و مشغول ہے اسوجہ سے میں معذور ہوں، شیخ کی اس گفتگو سے بادشاہ پر بہت اچھا اثر ہوا، اس نے یار بک نائب سلطان فیروز شاہ سے کہا کہ شیخ جو کچھ چاہتے ہیں وہ پورا کر دیا جائے، یہ سُن کر شیخ قطب الدین نے فرمایا کہ میرا مطلب صرف درویشی اور اپنے آباء و اجداد کی جھونپڑی میں قیام ہے، پھر بادشاہ نے فیروز شاہ اور ضیاء برنی کو حکم دیا کہ شیخ کی خدمت میں ایک لاکھ روپیہ پیش کیا جائے، شیخ نے جب اس گرانقدر انعام کو سنا تو فرمایا نعوذ باللہ فقیر اسکو ہرگز قبول نہیں کریگا چنانچہ فیروز شاہ اور ضیاء برنی دونوں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ شیخ

اس کو قبول نہیں کرتے، بادشاہ نے فرمایا پچاس ہزار روپے اور دیدیئے جائیں (غالباً بادشاہ یہ سمجھا ہوگا کہ شیخ کم ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کر رہے) شیخ نے وہ بھی قبول نہ کئے اور فرمایا سبحان اللہ، فقیر کو دو سیر کھچڑی اور ایک چھٹانک گھی کافی ہے ہزاروں کی ضرورت نہیں، اس پر فیروز شاہ اور ضیاء برنی نے عرض کیا کہ ہم اس سے کم عطیہ کا دربار شاہی میں تذکرہ بھی نہیں کر سکتے۔ آخر کار ضرورت کے موافق انعام شاہی میں سے شیخ نے کچھ رقم قبول فرمائی جس میں سے کچھ رقم اپنے بزرگانِ عظام کی قبروں پر خرچ کردی (یعنی ان کو ایصال ثواب کر دیا) اور بقیہ دوسرے فقیروں کو تقسیم کردی، اس کے تھوڑے دنوں بعد شیخ قطب الدین منور ہانسی روانہ ہوگئے، آپ کا مزار بھی آپکے پردادا کے مقبرے میں ہے

شیخ نورالدینؒ

۷۱۹ھ ـــــــــــــــ ۷۶۱ھ

آپ شیخ قطب الدین کے فرزند تھے (جیساکہ شیخ کے حالاتِ مذکورہ میں ذکر ہوا) منقول ہے کہ جب سلطان محمد تعلق بادشاہ نے شیخ قطب الدین منور کو اپنے دربار میں بُلایا تو آپ بھی چپکے پیچھے چلے گئے، چونکہ اسوقت بہت کمسن تھے اس لئے وہاں کی سطوت و رعب وغیرہ سے گھبرا گئے اور بیہوش ہوگئے جب شیخ قطب الدین منور کو معلوم ہوا تو فرمایا نورالدین سنو! بزرگی اور کبریائی تو خاصۂ خداوندی ہے، شیخ نورالدین فرمایا کرتے تھے کہ والد محترم کی اتنی بات سننے کے بعد میرا دل اتنا مضبوط اور قوی ہوگیا کہ پھر وہ تمام شاہی رعب میرے دل سے رفوچکر ہوگیا، آپ کا مزار بھی اپنے آباء و اجداد کے گنبد میں ہے۔

شیخ حسام الدین ملتانیؒ

۶۷۱ھ ـــــــــــــــ ۷۵۳ھ

آپ بھی خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلفاء میں سے تھے، قدیم طرز کے بزرگوں کے طریقہ کار پر گامزن تھے، زہد و درویشی پارسائی اور بزرگی میں اپنے ہمعصر بزرگوں

میں ممتاز اور سربلند تھے، آپ متاہل تھے، آپ کے بارے میں شیخ نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے کہ شہر دہلی شیخ حسام الدین کی نگرانی میں ہے۔

لوگوں سے مروی ہے کہ آپ ایکدن کہیں جا رہے تھے اور جانماز آپ کے کندھے پر سے گر گئی اور انھیں اس کی خبر نہ ہوئی، جب کچھ دُور آگے تک نکل گئے تو پیچھے سے ایک آدمی نے شیخ شیخ کی متعدد آوازیں دیں، چونکہ آپ اپنے کو شیخ نہیں سمجھتے تھے اسلئے اس آواز پر پلٹ کر نہیں دیکھا، آخر کار وہ شخص پیچھے دوڑتا ہوا آیا اور قریب آکر عرض کرنے لگا کہ میں نے آپ کو متعدد بار آواز دی کہ شیخ اپنی جانماز لیتے جایئے مگر آپ نے اس پر کوئی توجہ ہی نہ دی، آپ نے فرمایا بھائی میں شیخ نہیں ہوں بلکہ ادھُورا ملا نقیر ہوں۔ لوگوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ شریعت کی کتابوں میں ہدایہ اور بزدوی اور تصوف میں قوت القلوب اور احیاء العلوم آپکے اکثر زیرِ مطالعہ رہا کرتی تھیں۔

منقول ہے کہ شیخ حسام الدین خانہ کعبہ کی زیارت کرنے کے بعد دہلی میں آکر اپنے شیخ خواجہ نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ جو شخص خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے جائے تو وہ روضۂ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی جداگانہ نیت کرے، خانہ کعبہ کی زیارت کے ضمن میں روضۂ رسول کی زیارت نہ کرے اپنے شیخ کی یہ بات سنتے ہی حسام الدینؒ فوراً روضۂ رسول کی زیارت کی نیت سے واپس لوٹ گئے۔

خیر المجالس میں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ سے منقول ہے کہ ایک روز مولٰنا حسام الدین ملتانی، مولٰنا جمال الدین نصرت خانی اور مولٰنا شرف الدین تینوں بزرگ خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے. خواجہ نظام الدین اولیاء نے مولٰنا حسام الدین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جو شخص دن کو روزہ رکھے اور تمام رات عبادت میں گزار دے تو وہ بیوہ عورتوں کا سا ہے اتنا کام تو ہر بیوہ عورت کر سکتی ہے، اگر مخلوقِ خدا کے کاموں میں مشغول رہ کر عبادت کی جائے تو اسی کو واقعۃً ذکر اللہ اور عبادت کہتے ہیں۔ اور اسی کا نام شغل ہے، مولٰنا حسام الدین اور آپ کے دیگر دو ساتھی انتظار کرتے رہے کہ آپ اس بیان کو ختم کریں (تاکہ اور باتیں کیجا سکیں،

مگر آپ نے اسی بیان کو اسقدر تفصیل سے بیان کیا کہ اگر اس کو اسی تفصیل سے بیان کر دیں تو اس کے بیان کرنے میں تقریباً چھ ماہ کا عرصہ صرف ہو جائے۔

ایک بار پھر یہی تینوں مذکورہ بالا دوست شیخ کی خدمت میں تشریف لے گئے اسی اثنار میں سلطان علاؤالدین کا خاص منشی محمد کاتب بھی پردہ اٹھا کر آپ کا اور بیٹھ گیا شیخ نے فرمایا کہاں تھے؟ اس نے عرض کیا محل سرائے شاہی میں، اور سلطان نے آپکی خدمت میں پچاس ہزار روپے ہدیہ بھیجا ہے، اس پر شیخ نظام الدین نے مولٰنا حسام الدین کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ شاہی انعام اچھا ہے یا تم سے ایفائے عہد اچھا ہے؟ تمام اہلِ مجلس نے عرض کیا کہ وعدہ پورا کرنا اچھا ہے، تب خواجہ نظام الدینؒ نے فرمایا کہ صوفیار کے شغل کی بنیاد چھ چیزوں پر ہے، اوّلاً ــــ یہ کہ تنہائی اختیار کی جائے اور خواہشاتِ نفسانی کی بھی حالت میں اتباع کر کے غضب خداوندی کا مورد نہ بننا چاہیئے، ثانیاً ــــ یہ کہ دائماً اور ہمیشہ باوضو رہے اور جب نیند کا طبیعت پر شدید حملہ اور غلبہ ہو تو فوراً سو جائے اور جب بیدار ہو تو فوراً وضو کرے۔ ثالثاً ــــ یہ کہ ہمیشہ روزہ سے رہے، رابعاً ــــ غلط بات نہ کہے اور خاموش رہے، خامساً ــــ یہ کہ اپنے شیخ کی طرف اپنے قلب کو مائل کرے، دائماً خدا کے ذکر میں مصروف رہے اسکا مطلب یہ ہے کہ مرید اپنے شیخ سے قلبی تعلق قائم کرے، سادساً ــــ یہ کہ اپنے دل سے غیر اللہ کو نکال دے۔

منقول ہے کہ جب شیخ حسام الدین کو خلافت کا منصب عنایت کیا گیا تو آپ نے اپنے شیخ سے مزید پند و نصائح کی درخواست کی۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے آستین چڑھا کر اور اپنی شہادت کی انگلی سے شیخ حسام الدین کو اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، کہ ترکِ دنیا، ترکِ دنیا، ترکِ دنیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ مریدوں کی کھیپ جمع کرنے کی تمنا اور کوشش نہ کرنا، مولٰنا نے عرض کیا کہ اگر ارشاد ہو تو دریا کے کنارے جنگل میں سکونت اختیار کر لوں؟ شہر کے کنوؤں کے پانی سے وضو میں اطمینان نہیں ہوتا، شیخ نے فرمایا کہ شہر ہی میں رہو اور اس طرح رہو کہ گویا تم بھی دوسرے شہریوں کی مانند

ایک شہری ہو، اگر تم شہر سے نکل کر دریا کے کنارے پر سکونت اختیار کرلو گے تو لوگ تمہارے گھر جائیں گے اور جب تمہیں وہاں نہیں پائیں گے تو آپس میں کہیں گے کہ فلاں درویش فلاں جگہ چلے گئے ہیں اور وہاں آکر تمہاری عبادت میں مانع اور حائل بن جائیں گے، رہا کنویں کا پانی اس میں علماء کا اختلاف ہے اگرچہ شرعی اعتبار سے بڑی گنجائش اور وسعت ہے، اس کے بعد مولنا حسام الدین نے عرض کیا کہ پہلے تو لوگ عطیات وغیرہ دیا کرتے تھے اسمیں سے کچھ اہل وعیال کو دیدیا کرتا تھا اور کچھ آنے جانے والوں پر خرچ کیا کرتا تھا اب کئی روز سے یہ سلسلہ منقطع ہے تو ایسی حالت میں قرض لے سکتا ہوں؟ خواجہ نظام الدینؒ نے فرمایا کہ اگر تم تدبیر کے درپے ہو گئے تو درویشی کس طرح کرسکو گے؟ درویش تو وہ ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہو اُسے بھی خرچ کردے اور اگر اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو تو اُس پر صبر وشکر کرے اور مایوسی کو قریب نہ آنے دے علاوہ ازیں تدابیر سے اپنے کو علیحدہ رکھے، پھر فرمایا کہ درویش کو ہرجائی نہ ہونا چاہیئے، اور ہرجائی کی دو قسمیں ہیں:۔ اوّلاً ــــ صوری، ثانیاً ــــ معنوی،

صوری، وہ درویش ہیں جو لوگوں کے گھروں میں جاتے اور مانگتے پھرتے ہیں۔ اور معنوی وہ درویش ہیں جو اپنے گھر ہی میں بیٹھ کر خدا کی عبادت اور ذکر میں مشغول ومصروف رہتے ہیں اور دل میں سوچتے رہتے ہیں کہ زید وعمر سے کچھ نہ کچھ تو مل ہی جائے گا۔ صوری درویش یعنی ہرجائی ظاہری فقیر جو لوگوں کے گھروں میں مانگتا پھرتا ہے وہ معنوی درویش سے اس لئے بہتر ہے کہ جیسا وہ فی الواقع ہے ایسا ہی اپنے کو لوگوں پر ظاہر کرتا ہے یعنی اُس کا ظاہر و باطن برابر ہے، اور معنوی درویش یعنی وہ ہرجائی باطنی درویش جو اپنے گھر میں بیٹھ کر خدا کی عبادت اور یاد میں شب وروز مصروف رہتا ظاہر کرتا ہے اور اندرونی طور پر دربدر مارا پھرتا ہے یہ کیوں بہتر ہو سکتا ہے۔

مولانا حسام الدین فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے شیخ نظام الدین سے دریافت کیا کہ شیخ؟ لوگ مجھ سے کرامت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ خدا کے غیبی دروازے (یعنی شریعت پر عمل کرنے) پر ثابت قدم رہنا ہی کرامت ہے تم اپنے کام میں مشغول رہو

لوگ کتنی کرامتیں طلب کریں گے۔

منقول ہے کہ جس سال سلطان محمد تغلق نے ساکنانِ دہلی کو ایک نیا شہر بنام "دیوگیر" آباد کرنے کے لیے دہلی سے روانہ کرنا شروع کیا تو مولٰنا حسام الدین دہلی سے گجرات چلے گئے اور گجرات ہی میں خدا کی رحمت کے آغوش میں منسلک ہوگئے اور پٹن جو علاقہ گجرات کا پرانا شہر ہے دفن کیے گئے آپ کا مزار پٹن میں معروف و مشہور ہے۔

مولٰنا فخر الدین زرادی (رح)

۶۵۱ھ ــــــــــــ ۷۴۷ھ

آپ بڑے ولی اللہ، ذی علم، متقی، صاحب ذوق و عشق اور خواجہ نظام الدین کے خلیفہ تھے، امور شرعیہ میں بڑے مضبوط تھے، اوائل عمر میں مولٰنا فخر الدین بانسوی سے دہلی میں تعلیم حاصل کی، اپنی ذہانت، چرب لسانی اور فصاحت بیانی کی وجہ سے اہل شہر کے ممتاز لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے، آخر کار خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور سر منڈوا دیا، طالب علموں کے زمرہ سے نکل کر درویشوں کی جماعت میں داخل ہوگئے اور غیاث پور میں رہنے لگے، اپنے شیخ کے انتقال کے بعد دریائے جمنا کے کنارے ایک محلہ میں مقیم ہوئے جسے اب فیروزآباد دہلی کہتے ہیں، کچھ دنوں تک حوض علائی پر ٹھہرے رہے اور ایک مدت تک لبنا بن میں عبادت الٰہی کرتے رہے جو پہاڑوں کے وسط میں ہے اور آپ کے زمانہ میں وہ علاقہ جنگل و بیابان اور شیروں کی آماجگاہ تھا، اس کے بعد خواجہ معین الدین چشتی کی زیارت کے لئے اجمیر تشریف لے گئے، وہاں سے ہوتے ہوئے شیخ فرید الدین شکر گنج کی زیارت کے لئے پاک پٹن گئے، غرضیکہ مولٰنا فخر الدین زرادی نے عمر کا بیشتر حصہ سفر ہی میں بسر کیا، جنگلوں اور بیابانوں میں رہ کر عبادت کرتے اور ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔

منقول ہے کہ مولٰنا فخر الدین زرادی نے ایک مرتبہ خواجہ نظام الدین سے دریافت کیا کہ تلاوت قرآن افضل ہے یا ذکر اللہ؟ خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا کہ ذکر اللہ

کرنے والا اپنے مقصود تک جلدی پہنچ جاتا ہے لیکن زوال کا خطرہ دامنگیر رہتا ہے اور قرآن کی تلاوت کرنے والا اگرچہ اپنے مقصود تک بدیر پہنچتا ہے مگر اس میں زوال کا خطرہ نہیں،

منقول ہے کہ شیخ نصیر الدین فرمایا کرتے تھے کہ جو چیز ہم پر ایک یا دو ماہ میں کھلتی مولانا فخر الدین زرادیؒ اسے ایک گھنٹہ ہی میں حاصل کرلیا کرتے تھے جس وقت دہلی کے رہنے والے لوگوں کو دیوگیر لیجایا جارہا تھا مولانا فخر الدین زرادی بھی وہاں گئے، اور وہاں سے خانۂ کعبہ کی زیارت کے لئے روانہ ہوگئے اور وہاں سے بغداد جاکر کتب حدیث کو بڑی تحقیق اور محنت سے پڑھا، پھر اپنے قدیم وطن دہلی ہی میں آنے کے لئے روانہ ہوئے واپسی میں ایک کشتی پر سوار ہوئے وہ راستہ میں ڈوب گئی اور مولانا فخر الدین زرادی اسی حادثہ میں شہید ہوگئے۔

منقول ہے کہ سلطان محمد تغلق بادشاہ اہالیانِ دہلی کو دیوگیر اس لئے بھیج رہا تھا کہ ترکستان اور خراسان پر قبضہ کرسکے اور وہاں سے چنگیزیوں کو نکالدے چنانچہ سلطان نے دہلی کے تمام بڑے بڑے امراء کو حکم دیا کہ وہ حاضر ہوں اور ایک بڑا خیمہ لگواکر اس میں ایک منبر رکھوایا تاکہ اس پر چڑھ کر لوگوں کو کافروں سے جہاد کرنے کی ترغیب دیجائے اسی روز مولانا فخر الدین زرادی، شیخ شمس الدین یحییٰ اور شیخ نصیر الدین دہلوی کو طلب کیا خواجہ قطب الدین وزیر تعلیم جو خواجہ نظام الدین کے مرید اور مولانا فخر الدین زرادی رح کے تلمیذ و شاگرد تھے وہ مولانا کو جملہ معززین اہلِ شہر سے پہلے ہی دربار شاہی میں لے آئے مولانا بار بار فرمارہے تھے کہ اس بادشاہ کے سامنے میں اپنا جانا مناسب نہیں سمجھتا، میں کسی طرح بھی اس سے موافقت نہ کروں گا، غرضیکہ جب مولانا کی سلطان سے ملاقات ہوئی تو خواجہ قطب الدین وزیر تعلیم آپکے جوتے بغل میں دبائے کھڑے تھے، بادشاہ نے یہ کیفیت دیکھی مگر خاموش رہا اور پھر مولانا سے باتیں کرنے لگا، دورانِ گفتگو اس نے مولانا سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ملعون چنگیزیوں کو ختم کردیں، کیا آپ اس سلسلے میں ہماری مدد کریں گے؟ مولانا نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ، بادشاہ نے کہا یہ تو کلمۂ شک ہے مولانا نے فرمایا مستقبل کے لئے یونہی ہوتا ہے، بادشاہ یہ بات سننے کے بعد پیچ و تاب

کھاتے ہوئے مولنا سے کہنے لگا، ہمیں کچھ پند و نصیحت فرمائیں تاکہ اس پر عمل کیا جاسکے
مولنا نے فرمایا کہ غصہ پیتے رہو۔
بادشاہ، کونسا غصہ
مولنا، اس سے پہلے سات سلطان غصہ کی نذر ہو چکے ہیں،
بادشاہ، اپنے خادموں کو حکم دیتا ہے کہ کھانا لاؤ، جب دستر خوان بچھایا گیا تو مولنا نے مجبوراً تھوڑا سا کھایا، پھر دستر خوان اُٹھا لینے کے بعد ان تمام آنیوالے حضرات کے لئے ادنیٰ لباس اور ایک ایک ہزار روپے کی مالیت کے سونے کے ٹکڑے لائے گئے شیخ نصیر الدین محمود اور مولنا شمس الدین یحییٰ اور دیگر بزرگوں نے یہ تحائف قبول کئے لیکن مولانا فخر الدین زرادی کا ایک ہزار روپے اور لباس کا تحفہ خواجہ قطب الدین وزیر تعلیم نے اس غرض سے اپنے ہی پاس رکھ لیا کہ یہ تو اس کو ہاتھ نہیں لگائیں گے جس کی وجہ سے مولنا کی عزت میں فرق آئے گا، جب تمام بزرگ چلے گئے تو بادشاہ نے خواجہ قطب الدین وزیر تعلیم کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اے بدبخت ایلچی تو نے یہ کیا ناجائز حرکتیں کیں اور میری تلوار کی زد سے فخر الدین کو بچا لیا، خواجہ قطب الدین دبیر مملکت نے کہا کہ اے بادشاہ! وہ میرے استاد اور شیخ کے خلیفہ ہیں مجھے ان کی شان و شوکت باقی رکھنا ضروری تھی بادشاہ نے کہا ان کفریہ عقاید سے تائب ہو جاؤ ورنہ تمہیں بھی قتل کر دونگا، خواجہ قطب الدین نے فرمایا کہ اگر حکومت مجھے میرے مخدوم کی وجہ سے قتل کرے تو میں اسے اپنی خوش نصیبی اور خوش بختی تصور کرونگا، اللہ تعالےٰ اُن پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

مولنا فخر الدین مروزیؒ

۶۴۶ھ ———— ۷۲۸ھ

آپ قرآنِ کریم کے حافظ اور نہایت ہی متقی اور پرہیز گار تھے، آپکا بہترین مشغلہ قرآنِ کریم کی کتابت تھا اور مخلوق سے جدا رہ کر تنہائی کی زندگی بسر کرنے کے خوگر تھے

خواجہ نظام الدین کے صحبت یافتہ اور مرید تھے آپکی مردانِ غیب سے بھی ملاقات رہتی تھی۔
منقول ہے کہ آپ نے ایکبار خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے عرض کیا کہ ایک دفعہ مجھے شدید پیاس لگی اور میرے پاس اسوقت کوئی آدمی بھی موجود نہ تھا کہ اس سے پانی منگواتا اسی اثنا میں غیب سے بھرا ہوا پانی کا ایک پیالہ میرے پاس آگیا، میں نے وہ پیالہ توڑ دیا اور پانی گر گیا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ کرامت سے آیا پانی میں نہیں پیوں گا، یہ سُن کر خواجہ نظام الدینؒ نے فرمایا کہ پی لینا چاہیئے کیونکہ اکثر و بیشتر ایسا ہوتا رہتا ہے، پھر ایک مرتبہ کہا کہ میں ایک دفعہ کنگھا کرنا چاہتا تھا مگر اسوقت بھی میرے پاس کوئی آدمی نہ تھا جو کنگھا لے آتا چنانچہ اسی وقت ایک دیوار پھٹی اور اس کے اندر ایک کنگھا نظر آیا میں نے اُسے اُٹھالیا اور اپنے بال درست کئے۔

شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ سے منقول ہے کہ مولٰنا فخر الدین مروزی جو کچھ کتابت کرتے اُس کی اُجرت لوگوں سے مقرر کراتے، جب لوگ کہتے کہ ایک جزو کی کتابت کی اُجرت چھ آنے ہوتی ہے تو آپ فرماتے ہیں چھ جیتل (ایک قسم کا سکہ ہے) لوں گا اس سے زیادہ نہیں لوں گا اور اگر کوئی چار پیسے بطور تبرک زیادہ دیگا تو اسے بھی ہرگز قبول نہ کروں گا۔ جب بوڑھے ہو گئے اور قویٰ بھی کمزور ہو گئے تو آپ نے کتابت ترک فرمادی تھی، اس وقت کے ایک بڑے تاجر قاضی حمید الدین کو جب اسکا علم ہوا تو انہوں نے سلطان علاؤالدین خلجی سے کہا کہ مولٰنا فخر الدین مروزی یہاں کے ایک بہت بڑے ولی اللہ اور بزرگ ہیں اُن کا گزر بسر کتابت پر موقوف تھا اور اب انھوں نے بڑھاپے کی وجہ سے اسے ترک کر دیا ہے اس لئے بیت المال سے ان کا کچھ وظیفہ مقرر کر دیا جائے تو بہت ہی مناسب ہوگا چنانچہ سلطان علاؤالدین نے روزانہ ایک درہم وظیفہ مقرر کر دیا، جب آپ کو ایک درہم پہنچایا گیا تو آپ نے فرمایا میں اسے قبول نہیں کرتا مجھے تو دو ہی چھ آنے دو، غرضیکہ بڑی منت و سماجت کے بعد آپ نے بارہ آنے لینے قبول فرمائے، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے اپنے ہاتھ سے خود آپ کو ایک خط لکھا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا اظہار کیا ہے اس میں یہ بات تھی کہ اہلِ طریقت و حقیقت

کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان کا بڑا اور عظیم مقصد خدا تعالےٰ کی محبت کو حاصل کرنا اور پالینا ہے اور اس محبت کی دو قسمیں ہیں، اولاً — محبت ذاتی جو قدرت کا عطیہ ہے ثانیاً — محبت صفاتی، جو کسبی اور اکتسابی ہے اس میں عطیۂ قدرت کو کوئی دخل نہیں، اور عطیۂ قدرت سے کسب کو کوئی تعلق نہیں کیونکہ کردار و عمل کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے متعلق ہے اور خدا کی محبت حاصل کرنے کا واحد ذریعہ خدا کے ذکر کو ہمیشہ کرتے رہنا ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ تمام غیر اللہ کو اپنے قلب و جگر سے نکال دے اور غیر اللہ کے تصور سے فارغ رہے، نیز غیر اللہ سے فارغ رہنے کے لئے بھی چار چیزوں سے دور رہنا شرط ہے کیونکہ جو چیز شرط میں رکاوٹ ڈالتی ہے وہ مشروط میں بھی مانع اور آڑے بن جاتی ہے، اور وہ چار چیزیں جن سے اجتناب ضروری ہے یہ ہیں۔ مخلوق۱، دنیا۲، خواہشات۳ نفسانیہ، شیطان۴،

مخلوق سے دور رہنے کی ترکیب یہ ہے کہ گوشہ نشینی اور عزلت کو اختیار کرے، دنیا سے دور رہنے کا طریقہ قناعت و صبر ہے، اور نفسانی خواہشات اور شیطان سے بچنے کی سبیل ہمہ وقت خدا کی یاد میں مصروف رہنا اور اس سے التجا اور دعا کرتے رہنا ہے، والسلام اور مشہور یہ ہے کہ شیطان سے بچنے کے لئے ذکر اللہ اور نفس سے بچنے کے لئے خدا کے حضور التجا ہے

مولینا علاؤالدین نیلیؒ

۶۲۴ھ ——— ۷۶۲ھ

آپ اودھ کے بڑے عالموں میں شمار کئے جاتے تھے، بڑے ولی اللہ، پاکیزہ روش اور معاملے میں صاف تھے، اودھ کے شیخ الاسلام مولینا فریدالدینؒ سے جب آپ تفسیر کشاف پڑھتے تھے تو اودھ کے دیگر علماء مثل مولینا شمس الدین یحیٰی سماع کیا کرتے تھے، آپ کا لباس علماء کی مانند ہوتا تھا مگر حقیقۃً آپ تصوف کے اوصاف سے موصوف تھے، آپ اگرچہ اپنے شیخ خواجہ نظام الدین اولیاء کے باقاعدہ خلیفۂ مجاز تھے مگر پھر بھی لوگوں کو بیعت نہیں فرمایا کرتے تھے اور اکثر و بیشتر یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر خواجہ نظام الدین اولیاء حیات ہوتے تو میں آپکا عطا کردہ

خلافت نامہ آپ کو واپس کر کے عرض کرتا کہ یہ دینی کام میں نہیں سرانجام دے سکتا، آپکو اپنے شیخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے بیحد عقیدت ومحبت تھی، نیز یہ بات بھی مشہور ہے کہ آپنے اپنے شیخ کے ملفوظات فوائد الفواد کو آخری عمر میں خود نقل فرمایا تھا وہی اپنے پاس رکھتے اور اسی کا مطالعہ کیا کرتے تھے، لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ حضرت! ماشاء اللہ! آپکے پاس ہر فن کی کتب کا ایک ذخیرہ موجود ہے لیکن آپ فوائد الفواد کے علاوہ اور کسی کتاب کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ سلوک اور دیگر فن کی کتب سے جہان بھرا ہوا ہے لیکن میرے شیخ کے ملفوظات مفرحِ روح ہیں جن میں میری نجات کا سامان ہے یہ اور کہیں نہیں ملتے۔

بیت

مرانسیم تو باید صبا کجاست کہ نیست کجاست زلف تو مشک خطا کجاست کہ نیست

(مجھے تو تیری ہوا چاہیئے، بادِ صبا تو ہر جگہ ہے، خوشبو تو ہر جگہ میسر آسکتی ہے مگر مجھے تو تیری زلفِ مشکیں درکار ہے) آپ کی قبر چبوترہ یاراں کے قریب ہے اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت نازل کرے

شیخ برہان الدین غریبؒ

۶۵۲ھ ——— ۷۴۱ھ

آپ بڑے باذوق بزرگ تھے، اور مسئلہ سماع میں درجۂ غلو تک پہنچے ہوئے تھے اس وقت کے فضلا، امیر خسرو اور امیر حسن اور دوسرے خوش مزاج حضرات آپکی محبت کے اسیر تھے، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ جب دہلی میں تشریف لاتے تو آپ ہی کے گھر قیام فرماتے، آپ کو اپنے پیر پر بہت پختہ اعتقاد تھا آپ نے عمر بھر غیاث پور کیجانب پشت نہیں کی، آپ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ تھے اور آپ کی خلافت کا قصہ سیر الاولیاء میں بایں طور ہے کہ خواجہ مبشر جو خواجہ نظام الدین اولیاء کے پرانے خادم تھے انھوں نے اور سید حسین اور سید خاموش نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ شیخ برہان الدین غریب ہمارے شیخ خواجہ نظام الدین کے قدیمی اور پرانے مرید ہیں، علاوہ ازیں وہ ہم سب لوگوں میں ممتاز اور سربلند

بھی ہیں، انھیں خلافت دلانے کے لئے شیخ سے عرض کیا جائے چنانچہ یہ سب لوگ باہمی مشورے کے بعد شیخ کیخدمت میں گئے اور عرض کیا کہ بُرہان الدین جو آپکے قدیم مرید ہیں پاپوشی اور نوازش کے اُمید وار ہیں اتنے میں برہان الدین بھی اس مجلس میں آگئے اس کے بعد اقبال خادم نے وہ ٹوپی اور خرقہ پیش کیا جو خواجہ نظام الدین نے اُسے دیا تھا خواجہ نظام الدین نے (بطور برکت) اس پر اپنا ہاتھ پھیرا اس کے بعد وہ خرقہ اور ٹوپی ان لوگوں نے بُرہان الدین غریب کو پہنا دی اور کہا کہ آپ بھی خلیفہ ہیں خواجہ نظام الدین اولیا یہ سب کچھ دیکھتے رہے مگر خاموش رہے اور اُن کی خاموشی دراصل رضامندی ہی تھی۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ نظام الدین اولیاؒ برہان الدین پر ناراض ہو گئے جس کی تفصیل یہ ہے کہ شیخ بُرہان الدین بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور ویسے طبعی اعتبار سے بھی بےحد کمزور اور دُبلے تھے اس لئے اپنے کمبل کو تہ کر کے اُسے نیچے بچھا کر اپنے گھر میں بیٹھا کرتے تھے، علی زنبیلی اور ملک نصرت جو سلطان علاؤالدین خلجی کے رشتہ داروں میں سے تھے اور خواجہ نظام الدین کے حلقہ میں داخل ہو کر سر منڈا چکے تھے انھوں نے خواجہ نظام الدین کے سامنے بُرہان الدین غریب کی اس نشست کو یوں بیان کیا کہ وہ اب سجادہ نشینی کرنے لگا ہے اور اپنی نشست پیروں اور مشائخ کی طرح بناتا ہے، خواجہ نظام الدین اولیا یہ سُن کر کبیدہ خاطر ہوئے اور جب بُرہان الدین خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے کوئی بات نہ کی، جب مجلس برخاست ہوئی تو بُرہان الدین جماعت خانے میں گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اقبال خادم شیخ کا فرمان لایا کہ شیخ نے آپ کے لئے حکم دیا ہے کہ آپ فوراً یہاں سے چلے جائیں، چنانچہ بُرہان الدین غریب حیران و پریشان حالت میں گھر لوٹ آئے اور اپنے گھر مانند ماتم کناں اور تعزیت داران بیٹھ گئے چنانچہ شہر کے لوگ آپکی اس حالتِ زار کو دیکھنے کے لئے آیا کرتے تھے، تھوڑے دنوں کے بعد امیر خسرو اپنا عمامہ گلے میں ڈال کر خواجہ نظام الدین کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے، شیخ نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو اُن کے سامنے یہ منظر تھا، آپ نے فرمایا اے ترک کیا بات ہے؟ عرض کیا کہ بُرہان الدین کے جرم کی معافی کا خواستگار ہوں یہ سُن کر آپ مسکرائے اور فرمایا وہ کہاں ہے اُسے بلا لاؤ، اس کے بعد مولٰنا اور امیر خسرو دونوں اپنی گردنوں میں علاقے ڈالے ہوئے شیخ کی خدمت میں حاضر

ہوئے، شیخ نے مولانا کا جرم معاف کر دیا، برہان الدین نے دوبارہ بیعت کی اور اپنے شیخ کے انتقال کے بعد مولانا برہان الدین بھی چند ہی برس زندہ رہے اور لوگوں سے بیعت لیتے رہے اور پھر دیوگیر چلے گئے اور وہیں جان جانِ آفریں کے سپرد کی، آپ کی قبر بھی وہیں ہے اور شہر برہان پور آپ ہی کے نام سے مشہور و آباد ہے وہاں کے ملوک آپکے بہت عقیدتمند تھے اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

مولنا علی شاہ جاندارؒ

۶۵۶ھ ——————— ۷۱۱ھ

آپ بھی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید تھے، آپ نے اپنی کتاب "خلاصۃ اللطائف" میں لکھا ہے:۔

رأیت شیخی و مخدومی شیخ نظام الدین قدس سرہ العزیز فی المراقبۃ فاذا اردت ان ادخل فی بعض الاوقات فی مجلسہ مرۃ رأیتہ جالسا ساکتا حسن الاجتماع ولا یتحرک من ظاہرہ شیٔ وھو فاتح عینیہ فما عرفنی فقال لی من انت فاذا رأیت اردت ان ارجع القہقری وھو یدور عینیہ کانہ سکران ثم قال ینبغی للفقیر ان یتصور فی قلبہ خاشعاً انا جالس بین یدی اللہ ثم قال لی ثم واجلس مع الاصحاب انا مشغول

کہ میں نے اپنے شیخ اور مخدوم شیخ نظام الدین قدس سرہٗ کو بحالت مراقبہ دیکھا تو میں نے بعض اوقات آپکی مجلس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا، ایک دفعہ میں نے آپکی مجلس میں جاکر دیکھا کہ شیخ خاموش بیٹھے ہیں اور مجلس بہترین جمی ہوئی ہے اور شیخ ظاہراً بالکل غیر متحرک تھے مگر آپ کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں چنانچہ آپنے مجھے پہچانا نہیں اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ یہ کیفیت دیکھ کر میرا ارادہ ہوا کہ اُلٹے پاؤں لوٹ جاؤں اور شیخ ادھر اُدھر دیکھ رہے ہیں گویا کہ سکر کی حالت میں ہیں، پھر فرمایا کہ فقیر کے لئے مناسب یہ ہے کہ اپنے دل میں نہایت خشوع کے ساتھ اس بات کا تصور کرے کہ میں اللہ کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں پھر مجھے فرمایا کہ یہاں سے چلا جا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ جا کر بیٹھ جا مجھے فرصت نہیں۔

شیخ علاؤالدین رح

۶۵۹ھ ——— ۷۱۰ھ

آپ شیخ بدرالدین سلیمان کے فرزند اور شیخ فرید الدین گنج شکر رح کے براہِ راست سجادہ نشین تھے، آپ سولہ سال کی عمر میں سجادہ نشین ہوئے اور چوّن سال تک سجادہ نشینی کے تمام فرائض بطریق احسن واتم ادا کرتے رہے، آپ اپنی زندگی ہی میں عظمت و بلندی، کرامت و بزرگی میں مشہور ہو گئے تھے پھر جامع مسجد کے علاوہ اور کہیں نہیں جایا کرتے تھے، حکام اور دُنیا دار لوگوں سے بالکل بے پرواہ رہتے تھے، عمر بھر روزہ دار رہے، رات کا ایک پہر گزرنے کے بعد کچھ تھوڑا سا کھا پی لیا کرتے تھے، آپکی غذا بہت قلیل تھی، فیاضی اور سخاوت میں اپنی مثال اور طہارت و لطافت میں بے عدیل تھے، امیر خسرو نے آپکی مدح میں یہ قصیدہ لکھا ہے ؎

قصیدہ

علائے دنیا، و دین شیخ شیخ زادۂ عصر ‌ ‌ ‌ ‌ که شد بمرتبه قائم مقام شیخ فرید

ترجمہ (اے دین اور دنیا کے علا شیخ اور زمانہ کے شیخزادہ، جو مرتبہ میں نائب شیخ آپ شیخ فرید کے)

زتاب نور تجلی چو کرد رویش عرق! ‌ ‌ ‌ ‌ هزار چشمۂ خورشید از جبیں بچکید

ترجمہ (جبکہ اسکے چہرے سے نورِ تجلی کی تاب سے پسینہ گرتا ہے تو ہزار ہا سورج کو اسکی پیشانی شرمندہ کرتی ہے)

مگر که دید ثریا بلندی قدرش ‌ ‌ ‌ ‌ که تا قیامت خواہد بر آسمان خندید

ترجمہ (اور اگر اس کی بلندیٔ مرتبت کو ثریا دیکھ لے تو قیامت تک آسمان پر خوش رہے)

نهی بروشنی از بدر زادہ خورشید ‌ ‌ ‌ ‌ زبدر زادن خورشید تا بدار که دید!

ترجمہ (اس بدرزادہ سے خورشید روشنی طلب کرے، اگر اس بدر کو خورشید دیکھ اسے تابداری پیدا کرے)

چو ساکنان سپهر از حوادث ایمن گشت ‌ ‌ ‌ ‌ کسے که در پناہ ذیل عصمتِ تو خزید

ترجمہ (اس دنیا کے رہنے والے زمانہ کی گردش سے بےخوف ہو جائیں مثل اس آدمی کی جو تیرے عصمت کے دامن میں پناہ لے کر بیٹھ جائے)

ز بهر سجدۂ تو چرخ جهره زانجم کرد ‌ ‌ ‌ ‌ زمشتری رگ جانش برائے رشتہ کشید

ترجمہ (
زہے نخفتم شب درسواد مدحت تو — چو پیر در شب قدر و چو طفل در شب عید
ترجمہ (تیری مدح کے لئے رات کو لوگوں کے ساتھ میرا بیدار ہونا اس طرح ہے جس طرح بڑے مرد شب قدر میں اور بچے شب عید میں اُٹھتے ہیں)
حیات بخش جہانے دم مسیحی تست — چہ حد گفتن خسرو کہ عمر تو بمزید
ترجمہ (تیری مسیحائی نے جہان کو نئی زندگی بخشی ہے، تیری تعریف کیلئے خسرو کی یہ عمر کم اور ناکافی ہے)
آپ کا مزار شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے مزار کے قریب ہے جس پر آپکے مرید اور عقیدتمند سلطان محمد تغلق بادشاہ نے عالیشان گنبد بنوایا، اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

خواجہ محمدؒ

۶۳۲ھ ——— ۶۸۰ھ

آپ مولانا بدرالدین اسحاق کے بیٹے اور شیخ فریدالدینؒ کے نواسوں میں سے جامع العلوم اور ماہر فی الفنون تھے اور علم حکمت میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے اور علم موسیقی بھی جانتے تھے اور کمال ذوق و شوق سے اطاعت و عبادت کرتے تھے اور شیخ نظام الدینؒ کے امام تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات کو جمع کر کے اُن کا "انوار المجالس" نام رکھا، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ابوبکر طوسی کی خانقاہ جو دریا کے کنارے پر تھی وہاں ایک مجلس منعقد ہوئی اس مجلس میں شیخ نظام الدین بھی موجود تھے، غزل خواں بیحد کوشش کر رہے تھے مگر کسی پر حال و وجد طاری نہ ہوا تو خواجہ نظام الدین نے فرمایا کہ مجلس ختم کر دی جائے اور بزرگوں کے قصے اور حالات بیان کئے جائیں، چنانچہ جب بزرگوں کے حالات شروع ہوئے تو اسی اثناء میں لوگوں پر وجد طاری ہوگیا اور شیخ علی زنبیلی شیخ نظام الدینؒ کی طرف جو شیخ بدرالدین غزنوی کے خلیفہ تھے متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہماری خواہش ہے کہ آپ سماع میں حصہ لیں اور ہمیں غزل وغیرہ سنائیں، اتنے میں خواجہ نظام الدین اولیاء نے خواجہ محمد امام کو اٹھنے کا اشارہ کیا چنانچہ یہ دونوں بزرگ اپنی جگہ سے اٹھ کر غزل خو

کی جگہ پر جا بیٹھے اور ایک نعت اور غزل پڑھنی شروع کر دی، جب اس بیت پر پہنچے ؎

ہر بیخبر دی کہ بینی امشب ازمن ہمہ در گذار تا روز

(اس رات تم جو کچھ نامعقول باتیں مجھ سے سرزد ہوتی ہوئی دیکھو ان سے دن ہونے تک درگزر کرو) شیخ نظام الدین پانی پتی زار و قطار رو رہے تھے اور دوسرے لوگوں پر بھی ایک عجیب قسم کا اثر تھا اور ان میں ایک ذوق ہویدا تھا، اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

خواجہ عزیز الدین صوفیؒ

۶۲۴ھ ——— ۶۹۱ھ

آپ کی والدہ شیخ فریدالدین کی دختر اور صاحبزادی تھیں (تو گویا کہ آپ شیخ فریدالدین کے نواسے تھے) آپ نے بھی شیخ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات کو جمع کر کے ان کا نام "تحفۃ الابرار" اور "کرامت الاخیار" رکھا، آپ قاضی محی الدین کاشانی کے تلمیذ و شاگرد اور فن کتابت میں بے مثل کاتب تھے۔ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ شیخ نظام الدین اولیاء کے پاس گیا وہ اس وقت قبلہ رو دوزانو اس طرح بیٹھے تھے کہ اُن کی آنکھیں اور چہرہ آسمان کی طرف تھا اور جمال پروردگار میں محو و مستغرق تھے میں خوف زدہ ہوگیا کہ میں ایسے نازک ترین وقت میں آیا ہوں کہ نہ رُک سکتا ہوں اور نہ ہی واپس لوٹ سکتا ہوں، غرضیکہ میں اسی عالم میں پورا ایک گھنٹہ کھڑا رہا اور اس پورے وقفہ میں شیخ کا کوئی خادم وغیرہ بھی نہ آیا اس کے بعد شیخ نے اس طرح جھرجھری لی جس طرح چڑیا پھڑپھڑاتی ہے اور اپنی اصلی حالت پر آنے کے بعد آپ نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ پھیرے اور مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا عزیز ہوں، اس کے بعد آپ نے مجھ پر شفقت فرمائی اور اپنی رحمت سے نوازا، اللہ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے۔

خواجہ تقی الدین نوحؒ

۶۶۹ھ ——— ۶۹۹ھ

آپ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی بھانجی کے بیٹے تھے، اور قرآن کریم کے حافظ تھے، منقول ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے ایک روز آپ کو اپنی علالت کے زمانے میں

بلا کر خلافت دی اور نصیحت فرمائی کہ تمہیں جو کچھ ملے اس پر صابر و شاکر رہنا، اور اگر کچھ نہ ملے تو پریشان نہ ہونا کیونکہ اللہ تعالےٰ (عنایت فرمانے والے ہیں وہ کچھ نہ کچھ ضرور) دیدیں گے، کسی کی بدخواہی نہ کرنا، جور و ظلم کا بدلہ بخشش و کرم سے دینا، جاگیریں اور وظائف قبول نہ کرنا کیونکہ درویش وظیفہ خوار نہیں ہوتے، اگر تم ان تمام باتوں پر مضبوطی سے عمل کروگے تو ملوک تمہارے دروازے پر آیا کریں گے، آپ ابھی نوجوان ہی تھے کہ خواجہ نظام کی زندگی ہی میں فوت ہوگئے اور رحمت خداوندی کے آغوش میں پنہاں ہوگئے۔

سیّد محمد بن سیّد محمود کرمانیؒ

۶۲۹ھ ــــــــ ۷۱۱ھ

آپ بغرضِ تجارت کرمان سے لاہور تشریف لاتے اور واپسی پر پاکپٹن میں شیخ فریدالدینؒ سے ملاقات کرتے ہوئے ملتان جایا کرتے جہاں آپ کے چچا سید احمد کرمانی رہا کرتے تھے اسی آمد و رفت سے آپ کو شیخ فریدالدینؒ سے محبت ہوگئی، چنانچہ کرمان میں جتنا کاروبار تھا وہ سب ترک کرکے مستقلاً اپنے چچا سید احمد کرمانی کے پاس ملتان آگئے اور پھر وہاں سے شیخ فریدالدینؒ سے بیعت ہونے کی غرض سے پاکپٹن روانہ ہونے لگے تو آپکے چچا نے فرمایا کہ شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا بھی بڑے بزرگ ہیں سید محمد نے کہا، چچا جان! سب سے محبت نہیں ہوسکتی، غرضیکہ پاکپٹن آکر شیخ فریدالدینؒ سے بیعت ہوئے اور ریاضت و مجاہدہ میں اچھی طرح لگ گئے اور شیخ فریدالدینؒ کے انتقال کے بعد خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے اور خواجہ صاحب کے بڑے دوستوں میں شمار کئے جانے لگے۔ جمعہ کی رات ۷۱۱ھ میں وفات پائی اور چبوترہ یاراں دہلی میں دفن کئے گئے، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

سیّد محمدؒ

۷۱۹ھ ــــــــ ۷۷۱ھ

آپ سید محمد بن سید مبارک بن سید محمود کرمانی ہیں، آپ نے سیرالاولیاء ایک کتاب لکھی ہے جس میں مشائخ چشت کے حالات لکھے گئے ہیں، آپ زمانہ طفولیت ہی میں خواجہ نظام الدین اولیاء سے بیعت ہوئے اور شیخ کی بعض مجالس میں شرکت کی سعادت بھی حاصل کی، شیخ کی وفات کے بعد شیخ کے بعض خلفاء سے مستفیض ہوئے خصوصاً شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلویؒ سے آپ

اکثر اپنے شیخ خواجہ نظام الدین اولیاء کو خواب میں دیکھا کرتے تھے، آپ نے کئی مرتبہ تجدید بیعت کی ہے، آپ کے والد، چچا اور دادا یہ سب لوگ خواجہ نظام الدین اولیاء کے تشنہ دل تھے، آپ نے اپنی کتاب سیر الاولیاء میں جو کچھ لکھا ہے وہ اپنے آباء و اجداد ہی کے ذریعہ اور واسطہ سے لکھا ہے، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

مولانا شمس الدین یحییٰ رح

۱۲۶۷ء ——— ۱۳۲۶ء

آپ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ممتاز خلیفہ تھے اور اپنے ہمعصر لوگوں میں شیخ کے معزز و مکرم اور صاحبِ صدر شمار ہوتے تھے، آپ دہلی کے مشہور عالم تھے، سکان دہلی اکثر آپ کے تلمیذ اور شاگرد تھے اور آپکی شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے، کہتے ہیں آپ نے مشارق کی شرح بھی لکھی ہے جس میں لکھا ہے کہ ما تثاوب نبیؐ قط (کہ نبی علیہ السلام نے کبھی جمائی نہیں لی) آپ اودھ سے حصولِ علم کی غرض سے دہلی آئے ہوئے تھے انہی دنوں خواجہ نظام الدین اولیاء کی کرامات کا چرچا سُنا تو ایک روز مولانا صدر الدین نادی کے ہمراہ شیخ کی خدمت میں آئے، شیخ نے پوچھا کہ کیا تم یہیں شہر میں رہتے ہو اور کیا پڑھتے ہو؟ شمس الدین یحییٰ نے عرض کیا کہ مولانا ظہیر الدین بھکری سے اصول بزدوی پڑھتا ہوں، شیخ نے مشکل مشکل مقامات پوچھے تو شمس الدین یحییٰ نے جواب دیا کہ ہمارا یہیں تک سبق ہوا ہے اور یہ مسئلہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا، تب شیخ نے ان مشکل مقامات کی تشریح فرمائی جس سے شمس الدین کے قلب جگر میں شیخ کی عقیدت و محبت جاگزیں ہوگئی اور اس کے ایک عرصہ بعد شیخ نظام الدین اولیاء سے بیعت ہوگئے اور مرتبۂ کمال حاصل کیا اور لوگوں کے رسم و رواج، عادات و تکلفات سے دُور رہتے تھے، نیز شادی بھی نہیں کی، خلافت ملنے کے بعد شاذ و نادر ہی کسی کو مرید کیا اکثر و بیشتر مرید کرنے سے احتراز کیا کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس کاغذ پر میرے شیخ کی تحریر نہ ہوتی تو میں یہ پرزہ ہرگز اپنے پاس نہ رکھتا، کہتے ہیں کہ چراغ دہلوی نے آپکی تعریف میں یہ شعر کہا تھا ؎

شعر

سَألتُ العلمَ من احیاکَ حقًا فقالَ العِلمُ شمس الدین یحییٰ

(میں نے علم سے دریافت کیا کہ تجھے کس نے زندہ کیا تو علم نے کہا کہ شمس الدین یحییٰ نے)

منقول ہے کہ جس زمانے میں عام لوگوں اور خصوصاً مشائخ کے متعلق سلطان محمد تغلق بادشاہ کے جور و ظلم کی تلوار نیام سے نکل چکی تھی اس وقت اس نے مولانا شمس الدین یحییٰ کو بلا کر کہا کہ آپ جیسے عقلمند یہاں کیا کرتے ہیں، آپ کو حکم دیا جاتا ہے کہ آپ کشمیر چلے جائیں اور وہاں مندروں میں جا جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں، سلطان کے ہاں سے واپس آنیکے بعد آپ نے کشمیر جانے کا سامانِ سفر تیار کرنا شروع کیا اور پھر فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء مجھے اپنے پاس بلا رہے ہیں، آپ لوگوں کی اس بارے میں کیا رائے ہے میں تو شیخ کی خدمت میں جا رہا ہوں، دیکھئے وہ مجھے کہاں بھیجتے ہیں چنانچہ دوسرے ہی روز آپ کے سینے میں ایک دُنبل پیدا ہوا جس کی وجہ سے آپ سخت بیمار ہو گئے آپ کی بیماری کی اطلاع جب بادشاہ کو ملی تو اس نے آپکو اپنے دربار میں بلوایا کہ شاید مولانا نے بہانہ کیا ہے پھر اسی اثنار میں آپ دنیا سے رحلت فرما گئے۔ آپ کا مزار بھی دہلی میں چبوترہ یاران میں ہے اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

قاضی محی الدین کاشانی قدس سرہٗ

۶۵۸ھ —————— ۷۱۹ھ

آپ شیخ نظام الدین کے مریدوں میں سے کامل علم، زہد و تقویٰ کی صفتوں کے ساتھ مشہور تھے، علم و کرامت کا منبع اور تمام شہر کے استاد تھے، شیخ سے بیعت ہونے کے فوراً ہی بعد تمامتر دنیاوی علائق سے کنارہ کش اور دستبردار ہو گئے تھے، جاگیر و انعامات وغیرہ جو سرمایۂ عزت تھے وہ سب فرامین شیخ کے سامنے لا کر چاک کر دیئے اور فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنیکا مصمم ارادہ کر لیا آپ کو اپنے شیخ کے اکثر ملفوظات ازبر اور یاد تھے شیخ نے جب آپ کو خلافت دی تو ایک کاغذ پر یہ عبارت لکھی،

می باید کہ تارک دنیا باشی بسوئے دنیا واریاب دنیا مائل نشوی ودِہ قبول نکنی وصلہ پادشاہان نگیری واگر مسافراں برتو برسند ویر تو چیزے نباشد ایں حال را نعمت شمری از نعمتہائے الٰہی فان فعلت ما امرتک وظنی بک ان تفعل کذالک فانت خلیفتی و ان لم تفعل فاللہ خلیفتی۔

ترجمہ: تمہیں تارکِ دنیا رہنا چاہیئے، دنیا اور دنیا داروں کی طرف مائل نہ ہونا، جاگیر وغیرہ قبول نہ کرنا، بادشاہوں سے انعام وہدیہ نہ لینا، اگر تمہارے پاس ایسے وقت میں مسافر آجائیں کہ تم تہیدست ہو تو اس کو منجملہ اللہ کی نعمتوں کے ایک نعمت جاننا، اگر تم نے اس طرح کیا جیسا میں تمہیں امر کر رہا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تم ایسا ہی کروگے تو تم میرے خلیفہ ہو ورنہ میرا خلیفہ اللہ ہے یعنی معاملہ اسی کے سپرد ہے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ قاضی محی الدین کاشانی نے خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے دریافت کیا کہ مراقبہ خدا کی ذات کا، اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا اور شیخ کا علیحدہ علیحدہ ہونا چاہیئے یا اجتماعاً، شیخ نے فرمایا دونوں طرح صحیح ہے، جب اجتماعاً مراقبہ کرے تو اس بات کا یقین کرے کہ میں اللہ تعالےٰ کے سامنے حاضر ہوں اور نبی علیہ السلام دائیں جانب رونق افروز اور جلوہ نما ہیں اور شیخ بائیں جانب موجود ہے۔ منقول ہے کہ قاضی محی الدین کاشانی پر فقر و فاقہ ایک مہیب شکل اختیار کر گیا تو آپ کے اکثر وہ مرید اور متعلقین جو نازونعم کے پروردہ تھے اس کو برداشت نہ کرسکے چنانچہ آپکے ایک آشنا اور جاننے والے نے سلطان علاؤالدین خلجی کو اس کی اطلاع دی تو سلطان نے اودھ کی قضا جو اُن کی موروثی تھی آپکے نام لکھ دی، اس کی اطلاع جب قاضی محی الدین کو ہوئی تو اس واقعہ کی اپنے شیخ کو اطلاع دی اور کہا کہ یہ فرمان شاہی میری مرضی کے بغیر جاری ہوا ہے، اب شیخ کا جو ارشاد ہوگا اس پر عمل کیا جائے گا، شیخ نے فرمایا کہ یہ ضروری ہے کہ تمہارے دل میں اس قسم کی کوئی بات آئی ہوگی تب ہی تو یہ واقعہ پیش آیا، شیخ کے اس جواب سے قاضی محی الدین بہت پریشان اور پراگندہ رہنے لگے کہ شیخ مجھ پر ناراض ہوگئے چنانچہ شیخ نے اُن سے خلافت نامہ بھی واپس لیکر ایک کونہ میں ڈالدیا اور قاضی صاحب سے شیخ نظام الدین مسلسل ایک سال تک ناراض رہے، ایک برس کے بعد جب قاضی صاحب اپنے پُرانے نہج اور طرز وطریق پر آگئے تو شیخ بھی راضی

ہو گئے) اور پھر بیعت کی تجدید کی گئی، شیخ کی زندگی ہی میں آپ کا انتقال ہو گیا تھا اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت نازل کرے۔

مولانا وجیہ الدین یوسف قدس سرہٗ

۶۵۹ھ ——— ۷۲۹ھ

آپ شیخ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ تھے، شیخ آپ پر بیحد شفیق و کریم تھے اور آپ شیخ کے پرانے ارادتمندوں اور خلفاء میں سے تھے، شیخ جب اپنے مریدوں کو خلافت دیتے تو اس وقت ان کی خلافت کی بھی تجدید کرتے تھے، آپ صاحب کرامات بزرگ تھے، نیز یہ بھی مشہور ہے کہ جب آپ اپنے گھر سے شیخ کے پاس جایا کرتے تو آپکے دل میں یہ خیال آیا کہ شیخ کیخدمت میں پیدل جانا درست نہیں ہے تو اسی وقت اللہ تعالیٰ آپ کو اڑنے کی طاقت عطا فرما دیتے (اور آپ اڑ کر شیخ کیخدمت میں حاضر ہوتے) کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ شیخ کے پاس سر کے بل حاضر ہوتے، شیخ ہی کے ارشاد سے چندیری کے مقام میں رہا کرتے تھے، چندیری کے اکثر و بیشتر لوگ آپکے مرید اور عقیدتمند تھے آپ کا مزار بھی چندیری میں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

مولنا وجیہ الدین پائلیؒ

۶۳۸ھ ——— ۷۲۹ھ

آپ بڑے دانشمند اور اپنے وقت کے مسلم استاد تھے، زہد و تقویٰ میں ممتاز تھے آخر میں شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید ہوئے اور شیخ سے کمال درجہ کا اعتقاد رکھتے تھے۔
منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں پانی پت جا رہا تھا تو سفر کے دوران میں میں نے صوفی کو دیکھا، میرے دل میں اس صوفی کے متعلق کچھ انکار اور سوء اعتقادی پیدا ہوئی (اس کو بذریعہ کشف یہ معلوم ہو گیا تو مجھے) کہا، مولنا آپ کو کچھ مشکلات درپیش ہیں! در واقعہ بھی یہی تھا کہ مجھے کچھ علمی مشکلات کا حل مطلوب تھا، چنانچہ میں نے اس صوفی کو

ایک ایک کر کے تمام اشکال بتائیے، اس نے ہر ایک اشکال کا مدلل اور تسلی بخش جواب دیا اس گفتگو کے بعد اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم کس کے مرید ہو؟ میں نے کہا سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا، اس نے کہا کہ شیخ نظام الدین اولیا ہمارے قطب ہیں۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ شیخ نظام الدین نے مولانا وجیہ الدین پائلی سے فرمایا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان خدا کے حضور بھی یہی اقرار باقی رہے گا۔ مولانا کی قبر دہلی کے حوض شمسی کے اس حصہ میں ہے جہاں آپ کے شاگرد صدر جہاں قاضی کمال الدین اور قتلغ خان موجود ہیں اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

امیر خسرو دہلویؒ

۶۲۵ھ ——— ۷۲۵ھ

آپ سلطان الشعراء برہان الفضلا وادیٔ خطابت و سخن کے عالم فرید و وحید نوع انسانی کے دونوں جہان میں منتخب اور بے پایاں تھے، مضمون نگاری اور معنی پہنانے کے لئے شعرگوئی اور تمام اقسام سخن میں آپکو وہ کمال حاصل تھا جو متقدمین اور متاخرین شعراء میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوا، انھوں نے اپنے اشعار کو اپنے پیر کے فرمان و ارشاد کے مطابق صوفیانہ طرز اور نہج پر کہا ہے اس کے باوجود کہ آپ صاحب علم و فضل تھے لیکن آپ تصوف کے اوصاف اور درویشوں کے احوال سے متصف تھے، اگرچہ آپکے تعلقات ملوک سے تھے اور امراء اور ملوک سے خوش طبعی اور بطور ظرافت میل جول تھا لیکن طبعی طور پر ان تمام کی طرف میلان نہ تھا اس کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ آپکے اشعار اور کلام میں جو برکات ہیں وہ تمام تر مشائخ ہی کا فیض معلوم ہوتا ہے کیونکہ فساق و فجار کے قلوب برکات سے محروم ہوتے ہیں اور انکے کلام کو قبولیت اور تاثیر قلبی میسر نہیں ہوتی۔

منقول ہے کہ امیر خسرو ہر شب کو تہجد میں قرآن کریم کے سات پارے ختم کیا کرتے تھے، ایک روز شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے آپ سے دریافت کیا اے ترک! تمہاری مشغولیات کا کیا حال ہے عرض کیا، سیدی! رات کے آخری حصہ میں اکثر و بیشتر آہ و بکا اور گریہ و زاری کا غلبہ رہتا ہے

(شیخ نے) فرمایا الحمد للہ کچھ اثرات ظاہر ہو رہے ہیں، مصنف سیر الاولیا، جناب سید محمد صاحب فرماتے ہیں کہ جب امیر خسرو پیدا ہوئے تو اس زمانے میں امیر لاجین کے پڑوسی ایک (نامعلوم) مجذوب رہا کرتے تھے، آپ نومولود کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر اُن مجذوب کے پاس لایا گیا، انھوں نے کہا کہ تم اس کو لائے ہو جو خاقانی سے بھی دو قدم آگے بڑھ جائے گا، ممکن ہے اس مجذوب کی مراد دو قدم آگے بڑھ جانیسے مثنوی اور غزل ہو کیونکہ بعض بزرگوں کی آپکے بارمیں یہ رائے ہے کہ آپ شعر گوئی میں خاقانی کے ہم پلہ ہیں مگر اس سے آگے نہیں بڑھے، آپ شیخ نظام الدین اولیار کے قدیم اور پُرانے دوستوں اور مریدوں میں سے تھے، آپ کو شیخ نظام الدین اولیار سے بے انتہا عقیدت اور محبت تھی اور شیخ بھی آپ پر نہایت درجہ شفیق اور عنایت کنندہ تھے شیخ کی خدمت اور حضور میں اور کسی کو اتنی رازداری اور قربت حاصل نہ تھی جتنی امیر خسرو کو تھی، آپ کا یہ معمول تھا کہ نماز عشار کے بعد ہمیشہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ہر قسم کی گفتگو اور اپنے احباب کی درخواستوں کو پیش کرتے، شیخ نے امیر خسرو کو اپنے ہاتھ سے جو خطوط ارسال فرمائے اُن میں سے ایک یہ تھا،

"جسم کی حفاظت کے بعد ان تمام اُمور سے گریز کیا جائے جو شرعاً ناجائز ہیں، اور اپنے اوقات کی نگرانی کرنی چاہیئے اور اس عمر عزیز کو غنیمت سمجھا جائے جس کے تمام مراد حاصل کیجاتی ہیں، زندگی بیکار اور فضول کاموں میں ضائع نہ کی جائے، اگر دل میں انشراح کی قوت پیدا ہو تو قلبی انشراح کی پیروی کرنی چاہیئے کیونکہ سلوک اور طریقت کے راستہ میں اسی کا اعتبار ہے اور طلبِ خیر کو تمام اُمور پر مقدم رکھا جائے"

علاوہ ازیں صاحب سیر الاولیار فرماتے ہیں کہ امیر خسرو پر شیخ کی جتنی نوازشات اور عنایات ہوئیں وہ امیر خسرو نے خود تحریر کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے (خود امیر خسرو یوں لکھتے ہیں) کہ ایک دفعہ شیخ نظام الدین اولیار نے بندہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں تمام دنیا سے تنگ آجاتا ہوں مگر تم سے تنگ نہیں ہوتا، ایک دفعہ ایک شخص نے بڑی جرأت کے ساتھ شیخ سے عرض کیا کہ آپ جن نظروں سے امیر خسرو کو دیکھتے ہیں انھیں نظروں سے ایکبار مجھے بھی دیکھ لیں تو شیخ نے اسکا کوئی جواب نہ دیا لیکن اس کے بعد شیخ نے مجھ سے

فرمایا کہ میرے دل میں آیا تھا کہ اسی وقت اس شخص کو کہدوں کہ پہلے اتنی قابلیت تو پیدا کر،

ایک دفعہ شیخ نے فرمایا کہ میرے لیے دعا کرو کیونکہ اے خسرو! تمہاری بقار میری بقا پر موقوف ہے اور تمہیں میرے پہلو میں دفن کیا جائے، یہ جملے لوگوں نے کئی مرتبہ شیخ کے سامنے دہرائے تو شیخ نے فرمایا، انشاء اللہ یونہی ہوگا، شیخ نے مجھ سے اللہ کو درمیان میں رکھ کر یہ وعدہ فرمایا تھا کہ جب جنت میں جائیں گے تو تجھے بھی انشاء اللہ ساتھ لے چلیں گے، ایک دفعہ میں نے اپنے شیخ کو خواب میں دیکھا، آپ نے مجھ سے فرمایا کہ ہمارے قریب آجاؤ اور اس خواب کا منظر یوں تھا کہ شیخ نجیب الدین متوکل کے گھر کے سامنے بہت سا پانی بہہ رہا تھا اور میں ایک مرتفع اور بلند مقام پر بیٹھا ہوا تھا اور شیخ نظام الدین نہایت مسرور اور خوش نظر آرہے تھے، آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے امیر خسرو! میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ اس اچھے وقت میں آپکے بارے میں خدا سے اس کی دعا مانگ لوں جس کو میں چاہتا ہوں (یعنی آپکی موت کی دعا مانگ لوں) چنانچہ میں نے خدا سے اسکا مطالبہ کیا ہے اور امید ہے کہ میری دعا قبول ہوگئی ہے جس کا تم عنقریب مشاہدہ کرلوگے۔

ایک دن میں نے خود شیخ کی زبانی سُنا، آپنے فرمایا کہ آج رات مجھے ایک آواز سُنائی دی کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم خسرو کو مداح (تعریف کرنے والا) کے لقب سے یاد فرمارہے ہیں، غیب سے ہمارے پاس یہ خطاب آیا ہے جو نبی علیہ السلام کا عطا کردہ ہے اور انشاءاللہ ان نام وخطاب کی بدولت یہ خادم بہت سے دیگر انعامات کا امیدوار ہے، بندہ کو خواجہ ترک اللہ کے لفظ اور خطاب سے یاد فرمایا کرتے تھے، خادم کو شیخ نے کئی خطوط اپنے دستِ مبارک سے بایں خطاب مزین وآراستہ کرکے روانہ فرمائے تھے جن کو بندہ نے تعویذ بنا کے رکھ لیا ہے تاکہ قبر میں وہ میرے پاس رہیں، انشاء اللہ الکریم کل قیامت کے دن خداتعالے انہی خطوط کی برکت سے میری بخشش فرمادیں گے۔

ایک مرتبہ خواجہ نظام الدین اولیار نے مجھے اپنے پاس بلاکر فرمایا کہ ہم نے ایک خواب دیکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ جمعرات کو ہم نے خواب میں دیکھا کہ شیخ صدرالدین ابن شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریاؒ ہمارے پاس تشریف لائے، میں نے انکی تعظیم وتکریم کی، اور

وہ بھی اتنی تواضع سے پیش آئے جو بیان نہیں کیجا سکتی، اسی دوران میں دیکھا کہ اے خسرو!
تم بھی دور سے آتے ہوئے نظر آئے، جب تم ہمارے پاس آگئے تو آتے ہی تم نے معرفتِ الٰہی کا
بیان شروع کر دیا، اسی دوران میں مؤذن نے نمازِ فجر کی اذان دینی شروع کی، جس کی وجہ
سے میری آنکھ کھل گئی (اور خواب کا سلسلہ منقطع ہوگیا) پھر شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ دیکھو یہ
کتنا بڑا مرتبہ ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ تمام آپ ہی کا فیض ہے، یہ سُن کر شیخ بلند آواز
سے رونے لگے اور میں بھی آپکی گریۂ وزاری کی وجہ سے آبدیدہ ہوگیا، اسکے بعد شیخ نے اپنا
کلاہِ خاص منگواکر اپنے دستِ مبارک سے مجھے پہنایا اور فرمایا مشائخ کے اقوال کو ہمیشہ
پیش نظر رکھنا، شیخ نظام الدینؒ نے امیر خسرو کے متعلق یہ دو شعر کہے ہیں

رُباعی

خسرو کہ بنظم و نثر مثلش کم خواست | ملکیت وملکِ سخن آں خسرو راست
ایں خسرو ماست ناصرِ خسرو نیست | زیرا کہ خدائے ناصرِ خسرو ماست

ترجمہ: (نظم و نثر میں امیر خسرو کا اور کوئی ہم پلہ نہیں، سخن سنجی کی بادشاہت اسی کے
شایانِ شان ہے، ہمارا یہ خسرو، خسرو ناصر نہیں اس لیئے کہ ہمارا خسرو ناصر خسرو سے بدرجہا
فائق و بلند ہے) جس وقت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا انتقال ہوا اُس وقت خسرو آپکے
پاس اس وجہ سے موجود نہ تھے کہ آپ سلطان محمد تغلق کے ساتھ لکھنوتی گئے ہوئے تھے، سفر
سے لوٹنے کے بعد گریۂ وزاری اور تعزیت میں مشغول ہوگئے اور آپکی دیوانوں کی سی حالت
ہوگئی تھی، روتے اور ساتھ ساتھ یہ کہتے کہ میں اپنے لیئے روتا ہوں اسلیئے کہ شیخ کے بعد
اب میں زندہ نہ رہوں گا اور اسکے بعد چھ ماہ تک آپ زندہ رہے،
منقول ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاؒ نے ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ کو انتقال فرمایا
اور امیر خسرو نے ۱۸ شوال ۷۲۵ھ کو وفات پائی، اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

امیر حسن بن علا سنجری دہلویؒ

آپ کو اپنے زمانے کے باکمال علماء میں خاص مقام و عزت حاصل تھی، شیخ نظام الدین کی قربت اور نظرِ عنایت کی وجہ سے دو...
۶۶۰ھ ——— ۷۳۶ھ

تمام مُریدوں سے فائق اور ممتاز تھے، حسنِ معاملہ اور پاکیزگیٔ باطن اور دیگر تمام اوصافِ حسنہ کی وجہ سے یکتائے زمانہ تھے، اسی طرح تصوف کے تمامتر اوصاف سے موصوف تھے اگرچہ آپ اور امیر خسرو باہم دیگر دوست تھے لیکن باوجود اسکے امیر خسرو پر آپکو ایک قسم کی برتری حاصل تھی، آپ نے سلطان غیاث الدین بلبن کی مدح میں قصائد لکھے تھے اور امیر خسرو کے کلام میں اس بادشاہ کی تعریف کے سلسلہ میں کوئی شعر نہیں ملتا، البتہ امیر خسرو نے زیادہ تر سلطان غیاث الدین بلبن کے فرزند ارجمند خان شہید کی تعریف میں قصائد لکھے ہیں جو اپنے والد کی زندگی میں ملتان کا گورنر تھا یہ اس زمانہ کی بات ہے جب امیر خسرو اسکے ہاں ملتان میں ملازم تھے، خان شہید نے شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی سے ملتان تشریف لانے کی درخواست کی تھی لیکن شیخ سعدیؒ نے آنا تسلیم نہیں کیا اور فرمایا کہ اب میں بوڑھا ہوگیا ہوں (کہیں آنے جانے کی طاقت نہیں رہی) علاوہ ازیں ہندوستان کی سیر کی خواہش بھی نہیں اور امیر خسرو اور شیخ سعدیؒ کی ملاقات کے جو قصے مشہور ہیں وہ تمامتر بے اصل اور بے بنیاد ہیں، میر حسن نے اپنی کتاب فوائد الفواد میں شیخ نظام الدین کے ملفوظات کو جمع کیا ہے، یہ کتاب اپنے متین الفاظ اور لطیف معانی کے اعتبار سے شیخ نظام الدین اولیاء کے مریدین اور متعلقین میں ایک قانونی حیثیت رکھتی ہے امیر خسرو فرمایا کرتے تھے کہ کاش میری تمام تالیفات میر حسن کے نام سے منسوب ہو جاتیں اور انکے عوض میں فوائد الفواد میرے نام سے منسوب ہوتی یہ بات اس پر واضح اور بین دلیل ہے کہ امیر خسرو کو اپنے شیخ سے غایت درجہ کی محبت تھی۔

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک دن میں شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اسوقت مکان کی سیڑھی پر بیٹھے تھے، میں چوکھٹ پر بیٹھ گیا، ہوا کے تیز جھونکوں سے بار بار دروازہ بند ہوجاتا، چنانچہ میں اس دروازے کو پکڑ کر کھڑا ہوگیا کچھ دیر کے بعد شیخ نے میری طرف دیکھا کہ میں دروازے کو پکڑ کر کھڑا ہوں تو فرمایا کہ اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتے، میں نے نیازمندانہ طور پر عرض کیا کہ میں نے یہ در پکڑ رکھا ہے تو آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ تم نے یہ در پکڑ لیا ہے اور مضبوط پکڑ لیا ہے۔

نیز فوائد الفواد میں ہے کہ میں ۱۰ رجب المرجب ۷۱۳ھ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور گذشتہ رات میں نے ایک خواب دیکھا تھا وہ شیخ کی خدمت میں عرض کیا، خواب یہ تھا کہ فجر کی نماز کا وقت ہو گیا ہے اور میں نماز کے لئے وضو کر رہا ہوں، وقت چونکہ بہت ہی تنگ ہو چکا تھا اسلئے جلدی جلدی وضو کیا اور سنتیں پڑھیں، مجھے یقین تھا کہ جماعت میں شریک ہو جاؤں گا، چنانچہ سنتوں سے فراغت کے بعد جماعت میں شریک ہونے کی غرض سے بڑی عجلت سے آگے بڑھا لیکن معلوم ہوا کہ سورج طلوع ہو چکا ہے، میں نے آفتاب کی طرف ہاتھ اٹھا کر اس خوف سے کہ نماز کا وقت نہ نکل جائے اشارہ کیا کہ شیخ کی نماز ختم ہونے تک نہ نکلنا، اتنا کہنے کے بعد میں بیدار ہو گیا، شیخ یہ خواب سننے کے بعد رونے لگے اور اس کے مناسب کئی حکایات بیان فرمائیں۔

ایک مرتبہ محفل سماع کے بارے میں گفتگو شروع ہو گئی تو میں نے عرض کیا کہ میرے تمام کام بجز یت ہیں اسی وجہ سے کسی قسم کی عبادت و اطاعت اور درویشوں کے مانند کسی ورد اور وظیفہ میں مشغول نہیں ہوں، لیکن جب سماع سنتا ہوں تو راحتِ کاملہ اور رقت تامہ حاصل ہوتی ہے اور اسوقت آپکی صحبت کی برکت سے میرے دل میں دنیاوی خواہشات بھی نہیں آتیں، فرمایا، کیا اسوقت تمہارا دل تمام دنیاوی خواہشات سے خالی ہے، میں نے عرض کیا جی ہاں! اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ سماع دو قسم کا ہوتا ہے - ہاجم اور غیر ہاجم ہاجم اسے کہتے ہیں کہ سماع میں ابتداء ہی غلبہ اور ہجوم طاری ہو جائے مثلاً کوئی آواز یا شعر سننا جس سے سامع کے اندر ایک جنبش پیدا ہوتی ہے اس حال کو ہاجم کہتے ہیں جس کی شرح نہیں کیجا سکتی، اور غیر ہاجم وہ سماع ہے جو سننے والے کو اللہ تعالےٰ یا اپنے شیخ کے حضور یا وہاں جہاں اسکا ارادہ ہو پہنچادے -

اتوار ۲۰ ربیع الثانی ۷۱۶ھ کو پھر میں بغرض زیارت حاضر ہوا تو اسوقت کمزور اعتقاد قسم کے لوگوں کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی اور خصوصاً ان لوگوں کے بارے میں جو زیارت کعبہ کو جائے اور وہاں سے واپس آنے کے بعد دنیاوی کاروبار میں مشغول ہو جائے میں نے عرض کیا کہ ان لوگوں پر بہت تعجب ہے جو اپنے شیخ سے تعلق قائم

کرنے کے بعد دوسروں کے ہاں چلے جاتے ہیں اس وقت میرا ایک دوست (بنام) ملیح بھی وہاں موجود تھا میں نے اسکی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میرے اس دوست نے ایک مرتبہ مجھے ایک بات کہی تھی جو مجھے اب تک یاد ہے وہ یہ کہ حج کو وہ جائے جس کا پیر نہ ہو، شیخ نظام الدین اولیاء یہ سنکر رونے لگے اور یہ مصرع پڑھا۔

این رہ بسوئے کعبہ رود آں بسوئے دوست

ترجمہ (یہ راستہ کعبہ کیجانب جاتا ہے اور وہ دوست کی طرف)

ایک مرتبہ تلاوتِ قرآنِ پاک کا تذکرہ ہو رہا تھا اسی اثناء میں میں نے عرض کیا جب میں قرآن پڑھتا ہوں تو اکثر اوقات جو چیزیں واضح ہوتی ہیں دل پر اثر کر جاتی ہیں اور اگر تلاوتِ قرآن کے درمیان میں میرا دل کسی فکر یا خوف میں مشغول ہو تو میں اپنے دل ہی میں کہتا ہوں کہ یہ خوف وخطرہ کیسا ہے؟ اور پھر دل کو تلاوت میں مشغول کر لیتا ہوں، اسی لمحہ میری نظر اگلی آیت پر پڑتی ہے جو باطل اور غلط وہم اور اندیشہ کو دُور کرتی ہے یا کسی ایسی آیت پر نظر جا پہنچتی ہے جس سے بیشتر اشکال حل ہو جاتے ہیں اور دل کے وساوس دُور ہو جاتے ہیں، یہ تمام باتیں سنکر شیخ نے فرمایا کہ یہ سب اچھی علامتیں ہیں اور ان اوصاف کو محفوظ رکھنا، سیر الاولیاء میں ہے کہ ایک روز امیر حسن نے شیخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں عرض کیا کہ رویتِ باری تعالیٰ کا مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا ہے تو اس کے حاصل ہو جانے کے بعد کیا مومن کسی اور چیز کی طرف دیکھے گا؟ آپ نے فرمایا یہ سخت کوتاہ نظری ہو گی کہ خدا کو دیکھنے کے بعد نظر کسی اور کی طرف جائے، امیر حسن دہلی میں پیدا ہوئے اور تمام عمر مجرد اور غیر شادی شدہ رہے آخری عمر میں دیوگیر چلے گئے اور وہیں ۷۳۶ھ میں انتقال فرمایا، آپکی قبر بھی وہیں ہے اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

خواجہ شمس الدینؒ

۶۵۰ھ ــــ ۷۲۲ھ

آپ امیر خسرو کے بھانجہ اور اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم تھے، خواجہ نظام الدین اولیاء سے غایت درجہ کی محبت رکھتے تھے، کہتے ہیں کہ نماز کی نیت کرتے وقت جب تک شیخ کو نہ دیکھ لیتے تکبیر تحریمہ نہ کہتے، صف سے سر کو آگے بڑھا کر پہلے شیخ کا دیدار کرتے

اور اس کے بعد اللہ اکبر کہتے، شیخ مرض موت میں ان کی عیادت کے لئے جا رہے تھے کہ راستہ میں خبر ملی کہ ان کا انتقال ہو گیا تو فرمایا الحمد للہ دوست کے پاس دوست پہنچ گیا، امیر خسرو کے مزار کے بائیں آپکی قبر ہے جسے لوگ میر کے بھانجے کی قبر کہتے ہیں، ممکن ہے یہی قبر خواجہ شمس الد ۔ ر کی ہو واللہ اعلم۔

خواجہ ضیاء الدین برنیؒ

۶۲۹ھ ــــــــــــــــ ۷۳۸ھ

آپ تاریخ فیروز شاہی کے مصنف اور خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید اور خواجہ صاحب کی کرم فرمائیوں کی وجہ سے ممتاز اور مجسمہ لطائف وظرائف تھے، آپکو ہر قسم کے اقوال اور حکایات یاد تھیں۔ علماء، مشائخ اور شعراء کی محفلوں اور مجلسوں سے اکثر لطف اٹھاتے تھے، امیر خسرو اور میر حسن سے بے انتہا محبت کرتے تھے، ان دونوں کی صحبت سے بھی مستفیض ہوئے۔ ابتداءً شیخ نظام الدین سے بیعت ہو کر غیاث پور میں رہنے لگے، آخر عمر میں طبعی لطافتوں اور فن مصاحبت کی وجہ سے سلطان محمد تغلق بادشاہ کے خاص مصاحب ہو گئے، سلطان محمد تغلق کے فوت ہو جانے کے بعد فیروز شاہ کے حکومت کے زمانہ میں ضروریاتِ زندگی پر قناعت کر کے گوشہ نشین ہو گئے اور وفات کے وقت دنیا سے تہیدست اور پاک وصاف عالم پائدار میں تشریف لے گئے، کہتے ہیں کہ خواجہ کے جنازے پر صرف ایک بوریا تھا، شیخ نظام الدین اولیاء کے مقبرے میں اپنی والدہ کے پائیں دفن کئے گئے۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ خواجہ ضیاء الدین برنی نے اپنے حسرت نامہ میں لکھا ہے کہ میں ایک دن اشراق کے وقت سے لے کر چاشت کے وقت تک خواجہ نظام الدین کی خدمت میں حاضر رہا اور آپکے روح افزا کلمات سے مستفید ہوتا رہا اس دن متعدد افراد آپ سے بیعت ہونے کو آئے تھے، اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ گذشتہ مشائخ بیعت لینے میں بڑے محتاط ہوتے تھے اور شیخ نظام الدین اپنے کرم وعنایت سے ہر عام وخاص سے بیعت لے رہے ہیں میرے دل میں آیا کہ اس عدم احتیاط کے بارے میں شیخ سے دریافت

کروں، چونکہ شیخ کشف کے بہت بڑے عالم تھے میرے دل کی بات سے خدا نے انھیں آگاہ فرمادیا اور فرمایا اے خواجہ ضیاء الدین برنی! تم سب کچھ مجھ سے دریافت کر لیتے ہو مگر یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ میں تمام آنے والوں کو بغیر تفتیش کے کیوں بیعت کر لیتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ خدا تعالےٰ نے ہر زمانے میں اپنی حکمت بالغہ سے ایک خاصیت رکھی ہے جو اس زمانے کی رسم وعادت بن جاتی ہے جس کی حقیقت دوسرے زمانے کے مزاج اور طبیعت سے جدا ہوتی ہے اصل بات یہ ہے کہ مرید کی خواہش صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ ماسوی اللہ سے جدا اور علیحدہ ہو کر ذکر اللہ میں مشغول ہو جائے، گزرے ہوئے مشائخ کا یہ طرز اور طریقہ تھا کہ جبتک وہ مرید میں بجز تمام ماسوی اللہ سے علیحدگی اور جدائی نہ دیکھ لیتے تھے بیعت نہ کیا کرتے تھے لیکن آیاتٌ من آیات اللہ شیخ ابوسعید ابوالخیر کے زمانے سے لیکر شیخ سیف الدین باخرزی کے زمانے تک اور اسی طرح شیخ شہاب الدین سہروردی کے زمانے سے شیخ فریدالدینؒ کے زمانے تک ان بادشاہانِ مذہب کے دروازے پر مخلوق خدا کی بھیڑ اور ہجوم رہتا تھا اور بادشاہ، امراء، مشہور و معروف دوسرے لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا اور یہ لوگ عذاب آخرت کے خوف سے ان مشائخ کی پناہ میں حاضر ہوتے اور یہ مشائخ ان تمام سے بیعت لیا کرتے تھے کسی دوسرے کے لئے یہ لائق نہیں کہ وہ خدا کے دوستوں کے معاملات کو دوسروں پر قیاس کر کے خود بھی ان کی طرح لوگوں سے بیعت لیتا رہے، اب تمہارے سوال کا صاف صاف جواب تو یہ ہے جو میں برابر سُن رہا ہوں کہ مجھ سے مرید ہونے والے گناہوں سے دُور رہتے اور نماز باجماعت پڑھتے اور وظائف و نوافل میں مشغول رہتے ہیں، اگر میں ابتداءً ان پر بیعت لینے کی حقیقی شرطیں عائد کردوں تو وہ جو نیکیاں کر رہے ہیں اس سے بھی محروم ہو جائیں گے دوسرے یہ کہ میں کسی سے التماس، وسیلہ یا سفارش کئے بغیر بیعت لینے کا منجانب شیخ مجاز قرار دیا گیا ہوں، میں دیکھتا ہوں کہ ایک غریب ولاچار مسلمان میرے پاس آکر کہتا ہے کہ میں نے تمام گناہوں سے توبہ کرلی ہے میں اس کی اس بات کو سچا سمجھ کر بیعت کر لیتا ہوں اور خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ میں نے نیک اور سچے لوگوں سے سنا ہے کہ مجھ سے بیعت کرنے والے (حتی المقدور) گناہوں سے گریز کرتے اور دُور رہتے ہیں اس لئے

ان کو مرید کرتا ہوں اسکا ایک قوی اور مضبوط سبب اور بھی ہے وہ یہ کہ ایک دن شیخ فریدالدین نے مجھے قلم دوات دیا اور فرمایا تعویذ لکھو اور ضرورتمندوں کو دو، جب انھوں نے میرے اندر جلال کے اثرات کو دیکھا تو فرمایا کہ تم ابھی سے دعائیں وغیرہ لکھنے سے تھک گئے حالانکہ وہ زمانہ بہت قریب ہے جب ضرورتمند لوگ تمہارے دروازے پر آئیں گے تو تم اسوقت کیا کروگے، یہ سُن کر میں نے شیخ کی قدمبوسی کی اور روتے ہوئے عرض کیا کہ آپ نے مجھے معظم اور اپنا خلیفہ مقرر کیا حالانکہ میں ایک طالب علم تھا جو لوگوں کے میل جول سے نفرت کرتا تھا تعویذ وغیرہ دینا تو بزرگوں کا کام ہے یہ مجھ بیچارے کا کام نہیں میرے لئے تو بس آپکی نظرِ شفقت ہی کافی ہے، میری گزارش سننے کے بعد شیخ نے فرمایا کہ تعویذ دینے کا کام تم اچھی طرح کرسکوگے میں نے جب بہت عاجزی کی تو میری عذرخواہی سے شیخ پر ایک حالت طاری ہوگئی، بعدہٗ آپ سیدھے بیٹھے اور مجھے قریب بُلایا اور اپنے سامنے بیٹھنے کا امر کیا پھر فرمایا نظام! جان لے کہ کل مسعود کو بارگاہِ الٰہی میں عزت ملے گی یا نہیں، اگر انکی عزت و تکریم ہوی تو میں بخدا کہتا ہوں کہ جنت میں اسوقت تک قدم نہیں رکھوں گا جب تک اپنے مریدوں کو اپنے ساتھ جنت میں نہ لیجاؤں گا، اتنی بات بیان کرنے کے بعد شیخ نظام الدین مسکرانے لگے اور فرمایا مجھے اسی طرح خلافت دی گئی ہے اور یہ کام کبھی درست ہوتا ہے اور کبھی نہیں، میں نہیں سمجھتا کہ جو لوگ تمام عمر اسی کام کی طلب میں رہتے ہیں اور حیلہ، مکاری فریب، جھوٹ وغیرہ کے ذریعہ یہ نازک کام کرتے ہیں ان سے کیا اُمید کیجا سکتی ہے انیز میں نے اپنی آنکھوں سے بچشم خود دیکھا ہے کہ میرے شیخ مخدوم خدا کی درگاہ کے واصل لوگوں میں سے تھے، جس پیالہ سے بایزید، جنید اور انکے علاوہ دیگر مستانِ عشقِ الٰہی نے تمہارے عشق نوش کئے ہیں میرے شیخ نے بھی انہی پیالوں سے خمہائے عشق نوش فرمائے ہیں، اور جب میرے شیخ ان لوگوں کے بارے میں جن سے میں بیعت لیتا ہوں ایک بات کہہ گئے ہیں اور اس پر عہد واقرار ہو چکا ہے تو پھر وہ کونسی چیز ہے جو مجھے بیعت لینے سے روک سکے۔

خواجہ ضیاء نخشبیؒ

۶۵۲ھ ـــــــــــــــ ۷۵۱ھ

آپ بدایوں میں گوشہ نشینی کے اندر ہی اپنے کام میں مشغول رہے آپکی کئی کتابیں بھی ہیں، مثلاً سلک السلوک، عشرۂ مبشرہ، کلیات وجزئیات، طوطی نامہ وغیرہ آپکی تمام تصنیفات بلند مرتبہ اور مضمون کے اعتبار سے ایک دوسرے سے متشابہ ہیں، سلک السلوک وہ کتاب ہے جو اپنی حلاوت، رنگینی اور لطافت بیانی کے ساتھ ساتھ پر تاثر رکایات ونصائح اولیاء سے لبریز ہے، آپکی اکثر کتب میں ایک ہی طرز کے قطعات ہیں جیسا کہ یہ قطعہ ہے۔

قطعہ

نخشبی خیز با زمانہ بساز! ورنہ خود را نشانہ ساختن است

عاقلانِ زمانہ می گویند! عاقلی با زمانہ ساختن است

ترجمہ (اے نخشبی کھڑا ہو اور زمانہ کا ساتھ دے ورنہ خود کو لوگوں کا نشانہ بنانا ہے، زمانہ کے عقلمندوں کا یہ مقولہ ہے کہ زمانہ کا ساتھ دینا ہی عقلمندی ہے)

آپ کا حال جو ظاہر ہوا وہ یہ تھا کہ لوگوں کے میل جول سے علیحدہ رہتے اور کسی اعتقاد یا عدم اعتقاد سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے۔

کہتے ہیں کہ خواجہ نظام الدین اولیاء کے زمانے میں ضیاء نام کے تین آدمی تھے، ایک ضیاء سنائی، جو شیخ نظام الدین اولیاء کے منکر اور مخالف تھے (ان کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ شیخ نظام الدین سماع سنتے اور اُسے جائز قرار دیتے تھے اور وہ اس فعل کو بدعت اور خلاف شرع کہتے تھے۔ فاضل ۱۲) دوسرے ضیاء برنی، جو شیخ نظام الدین اولیاء کے معتقد اور مرید تھے اور تیسرے ضیاء نخشبی، جو نہ شیخ نظام الدین اولیاء کے منکر اور مخالف تھے اور نہ ہی معتقد اور عقیدتمند تھے، اسی طرح سُنا گیا ہے کہ ضیاء نخشبی شیخ فرید کے مرید تھے جو سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری کے خلیفہ اور پوتے تھے، واللہ اعلم آپ کی وفات ۷۵۱ھ میں ہوئی۔

سلک السلوک میں ہے کہ ایک روز شیخ ناگوریؒ نے ایک لونڈی خریدی، جب رات ہوئی تو اسے فرمایا کہ ہمارا بستر درست کردو تاکہ ہم سو جائیں، لونڈی نے کہا، اے میرے آقا کیا آپ کا بھی کوئی مولیٰ اور آقا ہے؟ شیخ نے جواب دیا ہاں، لونڈی نے پھر پوچھا کیا آپکا مولیٰ بھی سوتا ہے، شیخ نے کہا نہیں، تو لونڈی نے کہا پھر آپ کو حیا نہیں آتی جب آپکا آقا بیدار ہے تو آپ کیوں سوتے ہیں، بذرجمہر سے پوچھا گیا کہ کونسا جانور زیادہ سرکش ہے؟ تو بذرجمہر نے جواب دیا کہ انسان، جس کے سامنے موت، درویشی اور دوزخ موجود ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رضوان کی بشارت دی، رسولوں نے احکام خداوندی کے مطابق لوگوں کو دعوت دی اور بذریعہ آسمانی کتب کے لوگوں کو اپنی طرف کھینچا مگر پھر بھی یہ انسان ہی ہے جو تکبر اور سرکشی پر تلا ہوا ہے، اس کے بعد فرمایا سنو سنو! ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم اپنی قوم سے نیک لوگوں سے بدکاروں کو علیحدہ اور جدا کر دو، موسیٰ علیہ السلام نے تمام لوگوں کو اپنے گھروں سے باہر آنے کو کہا، چنانچہ اکثر لوگ باہر آگئے تو آپ نے ستر نیک آدمیوں کو جدا کھڑا ہولنے کو فرمایا، پھر خدا نے حکم دیا کہ ان ستر میں سے سات نیک آدمیوں کو منتخب کیجئے، پھر خدا نے حکم دیا کہ ان سات میں سے صرف تین نیک آدمیوں کا انتخاب کیجئے، اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ یہ تین آدمی جو تمام مخلوق میں سے اپنے کو نیک سمجھ رہے ہیں ہمارے نزدیک یہی تمام سے بُرے اور بدکار ہیں کیونکہ جب انھوں نے سُنا کہ آپ نیک لوگوں کو بُلا رہے ہیں تو یہ آگے بڑھ آئے (گویا کہ یہ ایک قسم کا تکبر اور ریاکاری تھی جس کی وجہ سے وہ تمام لوگوں سے بدتر شمار کئے گئے فاضل ۱۲)

اے دوست یہ ایک خاص مقام ہے جو کوئی عبادت و اطاعت نہ کرے وہ اس شخص سے بہتر ہے جو عبادت کرے اور اسے لوگوں پر فخریہ ظاہر کرے۔

اسلامی دستور کے اعتبار سے اسلامی مملکت میں مدعیٰ علیہ کو سزا دی جاتی ہے، اور دنیائے طریقت میں مدعی کو قید و بند میں بھیجدیا جاتا ہے۔

قطعہ

نخشبی تا نظر بخود نکنی! مثل این کار مردہ نکند!

ہر کرا سوئے خود نگہ باشد ہیچکس سوئے او نگہ نکند

ترجمہ: (اے نخشبی جب تک تم اپنی طرف نہ دیکھو گے تو مانند مُردہ کے ہو گے اور اس کام کو نہ کر سکو گے اور جو کوئی تکبر کرتا ہے اس کی طرف کوئی شخص التفات نہیں کرتا، اور اس شعر کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص اپنی حفاظت کرتا ہے یعنی شریعت کے احکام پر عمل کرتا ہے تو اس کی طرف کوئی بھی نقصان دہ نظر نہیں اُٹھا سکتا)

میرے عزیز! پہلے لوگوں کو دوسرے لوگوں کے گناہ اور جرائم سُن کر بخار آجایا کرتا تھا اور تمہارے گناہوں سے خود تمہارا باطن کیوں نہیں جلکر راکھ ہو جاتا؟ ایک قدیمی دستور تھا کہ موسم بہار میں لوگ عیش و عشرت میں مشغول ہو جاتے تھے لیکن حضرت معروف کرخیؒ موسم بہار کے آتے ہی کبیدہ خاطر اور مغموم ہو جایا کرتے تھے اور فرماتے موسم بہار آگیا اور لوگ پھر کھیل کود میں لگ جائیں گے، اس کے بعد فرمایا کہ ایک صاحب حال فقیر کسی مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اچانک بارش ہونے لگی تو اس فقیر کے دل میں (نماز کے اندر ہی) اپنے خالی گھرے کا خیال آیا، اسی وقت مسجد کی ایک سمت سے (غیبی) آواز آئی کہ اے درویش! تیری یہ نماز ہم پر کوئی احسان مندی نہیں، تو اپنی لطافت اپنے گھر بھیج رہا ہے اور کثافت ہمارے حضور پیش کر رہا ہے، اسکے بعد فرمایا کہ احکام طریقت کے حکام جن کی پوری دنیا فرمانبردار ہے ان کا قول ہے کہ کسی بلی کا مطیع اور فرمانبردار اس شخص سے بدرجہا بہتر اور اچھا ہے جو اپنے نفس کا مطیع اور فرمانبردار ہو،

ایک درویش سجادہ نشین ہر جمعہ کو اپنی نشست گاہ سے باہر آکر لوگوں سے دریافت کرتے کہ مسجد کو جانے کا راستہ کدھر ہے؟ ایک مرتبہ ایک آدمی نے جواب دیا کہ آپ برسہا برس سے مسجد کیجا نب جاتے ہیں اور اتنا معلوم نہیں کہ مسجد کا راستہ کونسا ہے، یہ سن کر اس درویش نے کہا کہ راستہ تو میں جانتا ہوں لیکن جس راستہ پر میں چلتا ہوں اس پر محکوم ہو کر چلنا خود حاکم ہو کر چلنے کی بہ نسبت بہتر سمجھتا ہوں یعنی واقعہ یہ ہے کہ خود کو دوسرے کا تابع سمجھنا بڑا کام ہے۔

سنو سنو! حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ حضرت کعب بن احبار رضؓ مسجد میں

نماز پڑھتے وقت پچھلی صف میں کھڑے ہوا کرتے تھے لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ اخیر صف میں کھڑے ہونے میں کیا راز ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ اُمت محمدیہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہونگے جب اُن میں سے کوئی ایک خدا کے حضور سربسجود ہوگا تو ابھی اس نے سجدہ سے سر اُٹھایا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پیچھے والے لوگوں کو بخش دینگے میں اسی لئے سب سے آخر میں کھڑا ہوتا ہوں کہ اگلے لوگوں کے سجدوں کے طفیل میرا مقصد پورا ہو جائے (یعنی میں بخش دیا جاؤں)

قطعہ

نخشبی درمیان مبیں خود را　　قطرہ را چہ سیل می خوانی
ہمہ کس درطفیل تو گردد　　گر تو خود را طفیل کس دانی

ترجمہ: (اے نخشبی لوگوں کے درمیان (یعنی لوگوں جیسا) نہ دیکھو خود کو، ایک قطرہ کو سیلاب کون سمجھتا ہے، تمام دنیا تمہارے مطیع اور فرمانبردار اس وقت ہو سکتی ہے جب تم بھی کسی کے فرمانبردار بن جاؤ)

شیخ المشائخ عبداللہ خفیف ایک دفعہ بیمار ہو گئے، ایک طبیب آپکے پاس آیا اور اس نے کہا اے شیخ! کیا آپ بیمار ہیں؟ شیخ نے جواب دیا جب جسم ختم ہو جائیگا تو بیماری بھی خود بخود دُور ہو جائے گی۔

شیخ محمد واسع وہ بزرگ تھے جن کو یہ وسیع اور عریض دنیا ایک چیونٹی کی آنکھ سے بھی کم نظر آتی تھی ان سے منقول ہے اگر گناہ اور معصیت میں بدبو ہوتی تو کوئی آدمی میرے پہلو میں نہ بیٹھ سکتا۔

خواجہ ابوالحسن خرقانی کا قول ہے کہ جو آپ رحمت سے قریب ہوا وہ رحمت میں غرق ہو گیا اور ہمارا حال یہ ہے کہ جو اس سے دُور ہوا وہ سب سے دُور ہو کر اس آگ کے قریب پہنچ گیا جو جلا کر راکھ کر دے گی۔

کہتے ہیں کہ ایک روز زبیدہ کے دروازے پر ایک آدمی نے آکر کہا کہ میں زبیدہ کا عاشق ہوں، زبیدہ کو اس کی خبر دی گئی تو اس نے اس آدمی کو اندر بلایا اور کہا

کہ خبردار آئندہ ایسی بات کی جرأت نہ کرنا، تو اُس نے کہا کہ میں اس بات سے کسی صورت میں باز نہیں آسکتا تو زبیدہ نے کہا کہ اچھا دو ہزار درہم لیلو اور عشق کا اظہار چھوڑ دو مگر اس آدمی نے انکار کر دیا وہ انکار کرتا اور زبیدہ رقم اور بڑھا دیتی یہاں تک کہ جب زبیدہ نے دس ہزار درہم دینے کا وعدہ کیا تو اس نے تسلیم کر لیا اور عشق کے اظہار کے ترک پر رضا مند ہو گیا، زبیدہ نے جب اس کی یہ کیفیت دیکھی تو اپنے خادموں اور ملازموں سے کہا کہ اس کی گردن اُڑا دی جائے کیونکہ یہ اوپر اوپر سے ہماری محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور فی الواقع اس کو ہماری محبت نہیں۔

سنو سنو! ایک بزرگ تھے جو کبھی بھی دائیں بائیں جانب مڑ کر نہ دیکھا کرتے تھے ایک دفعہ وہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے تو اُنھیں کسی نے آواز دی اور پکارا، انھوں نے مڑ کر دیکھنا چاہا کہ کون پکار رہا ہے تو اچانک فضار سے آواز آئی کہ جو ہمارے علاوہ کسی اور کی طرف توجہ کرے وہ ہمارا نہیں۔

اے عزیز! اگر ہزار برس بھی اس راستے پر چلتے رہو اور پھر تمہارے دل میں یہ خیال آئے کہ تمہاری دعا قبول ہونی چاہیئے تو یقین کر لو کہ تم جاہ پرست ہو اور راہِ حق کے طالب نہیں ہو۔

بھلا جو پیشاب کے پلید راستے سے دنیا میں آیا ہے اُسے شان و شوکت کیسے زیب دے سکتی ہے وہ بیچارہ تو گندے نطفہ اور سڑی ہوئی مٹی سے بنایا اور پیدا کیا گیا ہے سلک السلوک میں ہے کہ مجھ جیسے کمزور، لاغر، مفلس، ناکارہ کو بہادروں کے میدان کارزار میں لا کر کھڑا کر دیا گیا ہے، امر الٰہی ایک سمت کھینچ رہا ہے اور حکمِ الٰہی دوسری جانب، اے برادر! اگر اس راہ میں منزل مقصود کی رسائی درکار ہے تو اپنی ذات کو کچھ نہ سمجھو، جو لوگ خدا کی عبادت و اطاعت میں تونگر اور غنی نظر آتے ہیں وہ اپنی ذات کو ہر وقت مفلس و محتاج ہی سمجھتے ہیں اور جو لوگ ہمیشہ کے مفلس و محتاج نہیں وہ اپنے کو تونگر و غنی کہلوانے کے حقدار نہیں۔

اے طلبگار! اگر تو فی الواقع طالب ہے تو ان لوگوں کا طریقہ اختیار کر جن کو اصحابِ

صفر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے وہی حقیقۃً دوست اور طلبگار تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کو جب منجنیق اور گوپیئے میں رکھ کر ننگا کیا گیا تو غیب سے آواز اور ندا آئی کہ اے ابراہیم ایمان تو مجسمہ ایمان ہے اور ایمان ہمیشہ ننگا اور برہنہ ہی ہوا کرتا ہے۔

سُنو سُنو! جب ابراہیم علیہ السلام اس آگ کے قریب پہنچے تو آگ کو اتنا مسکین اور بے بس پایا کہ اُلٹا آپکو آگ پر رحم آیا، اسی لیئے نبی کریم صاحب لولاک لما خلقت الافلاک فرماتے ہیں کہ کسی کو راہِ حق میں اتنی مصیبتوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا جتنا کہ مجھے مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا، ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں چلا جانا، زکریا علیہ السلام کا پارہ پارہ ہوجانا یہ اتنی مصیبتیں نہیں جتنی ہمارے اوپر ڈالی گئیں، ہمیں اہلِ زمین و آسمان سے مقدم رکھا گیا اور بنی آدم کے گناہوں کو ہماری شفاعت کے ذیل سے وابستہ کردیا گیا، بے راہوں کو ہماری راہ اختیار کرنی چاہیئے، مجرموں کو ہماری طرح عذر کرنا چاہیئے اور کامل اور سست لوگوں کو ہماری طرح کام کرنا چاہیئے، میرے پروردگار نے مجھے کبھی تو قاب قوسین او ادنٰے کی مسند پر بٹھایا اور کبھی ابوجہل جیسے ظالم وجابر کے پاس بھیج دیا اور کبھی مجھ کو شاہد اور مبشر کے لقب سے ملقب کیا اور کبھی لوگوں نے مجھے پاگل اور ساحر کہا، کبھی جبریل امین کو میرا رکابدار اور ساتھی بنا دیا، اور کبھی بغیر اجازت نامہ کے مکہ میں داخل نہ ہونے دیا، کبھی ملکوت کے خزائن میرے حجرے میں لائے گئے اور کبھی ایک جَو کی خاطر ابوشحمہ کے در پر بھیجتے ہیں کبھی آپکے غلاموں سے خیبر سے مفتوح کرواتے ہیں، اور کبھی ظالموں کے ہاتھوں سے بذریعہ پتھر دندانِ مبارک شہید کرواتے ہیں یہ سب کچھ اس لیئے کرواتے ہیں تاکہ اہلِ دنیا یہ یقین کرلیں کہ ہمارا راستہ پُرخار راستہ ہے جس پر چلنے کے لیئے پاؤں کو سر پر رکھ کر چلنا پڑتا ہے اور اگر کسی سے یہ نہ ہوسکتا ہے تو وہ اس راہ پر چلنے کا نام تک نہ لے اس راستہ کو عام راستوں کی طرح عبور اور طے نہیں کیا جاسکتا۔

بشر حافیؒ جن کو سر و پا برہنہ کہتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ سخت تازیانہ اور ڈنڈا حسن بصریؒ کی لڑکی نے مارا تھا، اس کی صورت اس طرح پیش آئی کہ میں ایک دن حسن بصریؒ کے گھر گیا اور ان کے گھر پہنچ کر دروازے پر دستک

دی، اُن کی لڑکی نے پوچھا کون؟ میں نے کہا بشر حافی (ننگے پاؤں والا) لڑکی نے کہا یہاں سے سیدھے بازار چلے جاؤ اور وہاں سے جوتا خرید کر پاؤں میں پہن لو اور اسکے بعد اپنے کو بشر حافی (ننگے پاؤں والا) مت کہنا۔ اگر کوئی سوال کرے کہ جنت میں وُجُوْہٌ یومئذ ناظرۃٌ الیٰ ربھا ناظرۃ کا عاشقوں کو مشاہدہ ہوگا تو اس مشاہدہ کے بعد عاشقوں کو واپس لوٹا دیا جائے گا یا یہ خود بخود لوٹ آئیں گے، سو بصورت اول یہ رجوع قابلِ ندامت ہے اور بصورتِ ثانی کیا انھیں تجلی الٰہی کا مشاہدہ ہوگا یا نہیں؟ جواب اسکا یہ ہے کہ عاشقوں کو نہ لوٹایا جائے گا اور نہ ہی یہ خود بخود لوٹ جائیں گے بلکہ وہ تو ہر وقت خدا کے جمال میں مستغرق رہیں گے اور اسی کے جاہ و جلال کو دیکھیں گے۔

سُنو سُنو! آدم علیہ السلام کو آٹھ بہشت عطا کیئے گئے اور وہ ایک روز اس سے بھاگ گئے لیکن عشق کا جو ذرہ اسمیں رکھ دیا گیا تھا وہ اس سے متصل رہا۔ جی ہاں! آدم علیہ السلام کی لغزش بھی مشغولیت حق کی وجہ سے تھی اور شیطان کا گناہ فارغ البالی کی وجہ سے۔

قطعہ

نخشبی از فراغ بیروں است | غم دلِ جز چراغ دل نہ بود
دل فارغ نشاں بیکاری است | عاشقاں را فراغ دل نہ بود

ترجمہ: (نخشبی فراغت سے باہر ہوگیا ہے، دل کا غم بجز چراغ دل کے نہیں ہوتا، فراغتِ قلبی بیکاری کی دلیل ہے عاشقوں کا دل فارغ نہیں رہتا)

حضرت رابعہ بصریہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ ابلیس کو دشمن سمجھتی ہیں؟ فرمایا نہیں۔ لوگوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا میں دوست کے خیال میں اتنی مشغول ہوں کہ مجھے دشمن کی خبر ہی نہیں۔

کسی بزرگ سے دریافت کیا گیا کہ دنیا کس چیز کی مانند ہے، فرمایا کہ دنیا اتنی حقیر اور ذلیل چیز ہے کہ اس کو کسی چیز سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔

ایک آدمی ایک فقیر اور درویش کے پاس گیا اور کہا کہ میرا خیال ہے کہ میں کچھ زمانہ آپکی صحبت میں گزاروں، اس بزرگ نے دریافت کیا کہ جب مرجاؤں گا تو

تم کس کے ساتھ رہو گے، اس نے جواب دیا کہ خدا کے ساتھ رہوں گا، تو بزرگ نے فرمایا کہ یہ سمجھ لو کہ میں معدوم ہوں اسلئے ابھی سے خدا ہی کے ساتھ ہو جاؤ۔

ایک روز کسی دنیادار نے کسی بزرگ کے گھر سے پانی طلب کیا، اس درویش اور بزرگ نے بدمزہ اور گرم پانی پیش کیا، دنیادار نے کہا کہ یہ پانی تو بدذائقہ اور گرم ہے درویش نے جواب دیا کہ اے خواجہ ہم قیدی ہیں اور قیدی اچھا پانی نہیں پیا کرتے۔

کسی نے یحیٰی معاذ کو فوت ہو جانے کے بعد خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ عالم بالا میں آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا، فرمایا جب میں پیش کیا گیا تو مجھ سے پوچھا گیا کہ دنیا سے کیا لائے ہو، میں نے عرض کیا کہ جیل خانے سے آرہا ہوں، وہاں سے کیا لاتا، اگر میرے پاس کچھ ہوتا تو ستر برس تک دنیا کی قید و بند میں نہ رہتا۔

ایک پیر کے کچھ مریدوں نے اپنے پیر سے دریافت کیا کہ ہم کونسا راستہ اختیار کریں کہ اللہ تعالٰی کا قرب اور وصال نصیب ہو جائے، شیخ نے جواب دیا کہ کس راستہ سے تم آئے ہو کہ تم راہ بھی نہیں جانتے (مقصود ان پر تعریض تھی کہ تمہیں تو اس راستہ کی بھی خبر نہیں جس پر اب چل رہے ہو تو آگے والے راستہ کی کیا خبر ہوگی)

کہتے ہیں کہ بامروت آدمی وہ ہے جو بے مروت لوگوں کی باتوں سے کبیدہ خاطر اور رنجیدہ نہیں ہوتا، ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ فضیل کی وفات کے بعد زمین سے غم چلا گیا۔

ایک شیخ طریقت کا کہنا ہے کہ دس برس تک میں روتا رہا اور میرے آنسو بہتے رہے پھر دس برس تک خون کے آنسو رویا اور اب دس برس سے خوش اور مسرور رہا ہوں،

کسی شخص نے ابوبکر شبلی کو فوت ہو جانے کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ منکر نکیر کے سوالات سے تمنے کس طرح خلاصی پائی، جواب دیا اگر تم وہاں ہوتے تو دیکھتے کہ وہ کس طرح میرے ساتھ پیش آئے۔ انھوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ بتاؤ تمہارا خدا کون ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میرا خدا وہ ہے جس نے تم تمام فرشتوں کو میرے باپ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا اور میں اسوقت اپنے باپ کی پشت میں تم سب بھائیوں کو دیکھ رہا تھا، انھوں نے آپس میں کہا کہ ہمکو اسکے ہاں سے چلا جانا چاہیئے کیونکہ ہم اس سے جو سوال کرتے ہیں وہ اُسکا

جواب تمام اولادِ آدم کیجانب سے دیتا ہے۔

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ کے ساتھ میری اسوقت ملاقات ہوئی جبکہ وہاں کسی مقرب فرشتے کو بھی آنے کی اجازت نہ تھی یہ بات سننے کے بعد جبریل علیہ السلام شکستہ خاطر ہوئے تو آپ نے فرمایا افسوس نہ کرو اسوقت کوئی نبی مرسل بھی نہ تھا۔

سُنو سُنو! جب صاحبِ قاب قوسین اوادنیٰ عالمِ بالا سے واپس ہوئے تو جبریل نے دریافت کیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم! جس عالم سے آپ آرہے ہیں وہاں آپ نے کیا دیکھا آپ نے فرمایا کہ اے برادر! یہ کیا سوال کا موقعہ ہے کہ محمد (جبریل) محمد سے سوال کر رہا ہے جان لیا جس نے جان لیا اور سمجھ لیا جس نے سمجھ لیا۔

خواجہ علی سیاح فرماتے ہیں کہ میری صرف اتنی تمنا ہے کہ کوئی حق بات کہے اور میں سُنوں، یا میں حق بات کہوں اور کوئی دوسرا اُسے سُنے، ایک مرتبہ ایک منکر نے حسن بصریؒ سے سوال کیا کہ آپکی میرے متعلق کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا، آپ دشمنِ خدا ہیں اس نے پھر سوال کیا کہ آپکی اپنے بارے میں کیا رائے ہے؟ جواب دیا میں خدا کا دوست ہوں، اس منکر نے کہا کہ محض اسی نام پر ہرگز مغرور نہ رہنا، اس نے کہا کہ ایک دفعہ میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا میں نے اسکا نام خالد رکھا اور خالد کے معنیٰ جاوداں اور ہمیشہ رہنے والے کے ہیں، وہ اول روز ہی سے تونگر اور غنی تھا اور تونگری اور غنا میں چار چیزیں ملتی ہیں (۱) جسمانی تکلیف (۲) مشغولی دل (۳) نقصانِ دین (۴) قیامت کا حساب اور درویشوں کو بھی فقر و فاقے سے چار چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ (۱) آسائشِ تن (۲) فارغ البالی (۳) سلامتی دل (۴) قیامت کے حساب سے خلاصی۔

اے فقیر! ایک روز صبح سے شام تک اپنے نفس سے جنگ کر تاکہ یہ چار چیزیں ظاہر ہوجائیں اور مرد حقیقۃً وہی لوگ ہیں جو اپنے نفس سے جنگ کرنے کے عادی ہوتے ہیں کیونکہ یہ جنگ ایسی ہے جس کے لئے مصالحت اور صلح کی کوئی سبیل نہیں، عزیز من! جو کوئی اپنے نفس سے ہمیشہ احتساب کرتا ہے تو وہ تمام دعوے اور معنی ترک کردیتا ہے اور تمام سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔ سُنو سُنو! ایک دفعہ ایک بنیئے نے جس کی ترازو کا پلڑا

آسمان کیطرف جارہا تھا ایک آدمی کو دیکھا جو شیر پر سوار اور ہاتھ میں سانپ کا کوڑا لئے وہاں سے گزر رہا تھا بنیئے سے اس سے کہا کہ تیرا کام تو بہت سہل اور آسان ہے اور اصلی کام تو یہ ہے کہ ترازو کے دو پلڑوں کے درمیان بیٹھ کر صحیح اور حق کام سرانجام دیا جائے،

ابراہیم ادہم اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم اکثر و بیشتر فقیروں کی طلب میں خلوت نشینی سے باہر آتے ہیں اور ہم کو دنیادار چمٹ جاتے ہیں۔ ایک روز ایک شخص یہ کہہ رہا تھا کہ میں خوب جانتا ہوں یہ دنیا پوری کی پوری ایک دن ختم ہو جائے گی اگر میں یہاں آبادی کروں تو ایک نہ ایک دن میرے کام میں کوئی ضرور آڑے آئے گا اور یہ کہے گا کہ تو کیا کر رہا ہے دنیا کی آبادی کا دارومدار تو نیک لوگوں پر ہے اگر دنیا میں نیک لوگ نہ رہیں تو سمجھو کہ دنیا خراب ہو گئی

بعض لوگوں نے خواجہ جنید؟ کو خواب میں دیکھ کر یہ پوچھا کہ آپ نے اپنے کام کو کہاں تک پہنچا دیا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ دنیا کے کاموں کا ہم جو اندازہ کرتے ہیں آخرت کا کام اس سے زیادہ سخت ہے۔

سنو سنو! ایک پرہیزگار اور نیک بخت مرد کا بازار جانے کا خیال و ارادہ ہوا کہ وہاں سے کچھ خریدا جائے اُس نے ایک اشرفی لی اور اسکا اپنے گھر میں وزن کیا پھر جب بازار جاکر اسکا وزن کیا گیا تو گھر والے وزن سے وہ وزن کم رہا تو وہ نیک بخت مرد رونے لگا، لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ روتے کیوں ہیں؟ اس نے کہا آج گھر کا ماجرا جب بازار میں لایا گیا تو گھر کے مطابق نہ رہا تو کل قیامت کے روز جب دنیا کا ماجرا پیش ہوگا کیسے درست رہ سکے گا، اللہ تعالےٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے۔

خواجہ ضیاء الدین سنامیؒ

۶۴۱ھ ——————— ۷۰۹ھ

آپ دیانت اور تقویٰ میں مقتدائے وقت تھے، شرعی احکام پر مضبوطی سے پابند تھے خواجہ نظام الدین اولیاء کے ہمعصر تھے، شیخ نظام الدین اولیاء سے سماع کے متعلق ہمیشہ احتساب کرتے رہتے تھے اور شیخ نظام الدین معذرت اور انقیاد کے سوا پیش نہ آتے اور

مولنا کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے، نصاب الاحتساب آپ کی مشہور کتاب ہے جو احتساب کے دقائق اور قواعد کے ساتھ مختلف قسم کی بدعات کے خلاف احکام شرعیہ کے پیش نظر آپ نے تحریر فرمائی تھی۔

منقول ہے کہ خواجہ ضیاء الدین کے مرض موت کے وقت شیخ نظام الدین اولیاءؒ انکے ہاں عیادت کے لئے تشریف لے گئے تو مولنا نے اپنے خادموں کو اپنی دستار دی کہ اسے خواجہ نظام الدین کے قدموں کے نیچے بچھایا جائے اور وہ اسکے اوپر چل کر آئیں مگر خواجہ نظام الدینؒ نے وہ دستار اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگائی، پھر جب خواجہ نظام الدین مولنا کے سامنے بیٹھ گئے تو مولنا نے آنکھیں چار نہ کیں، خواجہ صاحب کے باہر تشریف لانے کے بعد اندر سے رونے کی آواز آئی کہ خواجہ سنامی انتقال فرما گئے، شیخ نہایت افسردہ ہو کر آبدیدہ ہوئے اور فرمایا کہ شریعت کا حامی ایک ہی مرد مجاہد تھا افسوس کہ آج وہ بھی نہ رہا، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

مولنا جلال الدین اودھی

۶۵۹ھ ———— ۷۳۸ھ

آپ زہد، ورع، ترک دنیا، تجرد اور عزلت (جیسے اوصاف حمیدہ) سے موصوف تھے اور اپنے زمانے کے تمام لوگوں کی نظروں میں مکرم و معظم تھے، ایک مرتبہ شیخ نظام الدین کے ان دوستوں کو جن کی زندگی کتب بینی اور بحث مباحثہ میں گزری تھی شوق ہوا کہ وہ مولنا جلال الدین اودھی سے کچھ علم حاصل کریں اور باہمی صلاح مشورے سے یہ طے پایا کہ مولنا ہی شیخ نظام الدین سے اس کی اجازت حاصل کریں، مولنا نے جب شیخ کی خدمت میں یہ بات پیش کی تو شیخ نظام الدین سمجھ گئے کہ دراصل یہ انہی لوگوں کی خواہش ہے تو آپ نے مولنا سے فرمایا کہ میں کیا کروں میں نے تو ان سے کچھ اور ہی کام لینا ہے اور یہ لوگ پیاز کی مانند پوست در پوست ہیں۔

خواجہ مؤید الدین کرئیؒ

۶۶۸ھ ــــــــــ ۷۲۶ھ

آپ اوائلِ عمر میں دنیاوی دھندوں میں مشغول بکار رہے، بادشاہ اور شہزادہ سے یاری تھی، جس زمانہ میں سلطان علاؤ الدین خلجی جاگیردار اور امیر تھے تو آپ نے اُن کے ہاں کارہائے نمایاں انجام دئے، آخر کار شیخ نظام الدین اولیاء سے بیعت ہوئے اور اپنی خوشی سے دنیاوی کاروبار کو خیر باد کہہ دیا۔

جب سلطان علاؤ الدین خلجی سلطنت کی مسند پر متمکن ہوئے تو خواجہ مؤید الدین کرئیؒ کو یاد کیا، لیکن جب سلطان علاؤ الدین کو معلوم ہوا کہ خواجہ مؤید الدین کرئیؒ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید ہو کر دنیاوی کاروبار ترک فرما چکے ہیں تو انھوں نے شیخ کی خدمت میں پیغام بھیجا، کہ آپ خواجہ مؤید الدین کو اجازت دیدیں تاکہ وہ ہمارے کاموں میں ہمارے معین و مددگار رہیں، تو شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے جواب دیا کہ خواجہ کو اب ایک دوسرا کام درپیش ہے جس کی وہ تیاری کر رہے ہیں، یہ جواب چوبدار کو ناگوار گزرا اور اس نے کہا کہ شیخ نظام الدین! آپ سب سے وہی کام لینا چاہتے ہیں جو خود کر رہے ہیں، تو شیخ نے جواب دیا کہ اپنی طرح کام لینے کا کیا مطلب، اپنے سے بھی زیادہ بہتر کام کرانا چاہتا ہوں، سلطان علاؤ الدین یہ جواب سنکر خواجہ مؤید الدین کرئیؒ سے مایوس ہو گئے اور پھر ان کو اپنے ہاں بلانے کا خیال ترک کر دیا۔

خواجہ مؤید الدین کرئیؒ کی قبر خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے پائیں میں ہے، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے،

شیخ نظام الدین شیرازیؒ

۶۴۰ھ ــــــــــ ۷۲۱ھ

آپ ظاہر و باطن کے اعتبار سے عمدہ صفات اور بلند اوصاف کے حامل تھے، سلوک اور تصوف کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف تھے اور سماع کے رسیا اور دلدادہ تھے فن خطابت اور توجیہ میں آپ کو دوسروں سے امتیاز حاصل تھا، حرمین شریفین کی

زیارت کی سعادت کا شرف بھی حاصل کیا تھا، شیخ نظام الدین اولیار کے اجلہ دوستوں میں بجد مقبول اور شیخ کی نظروں میں ملحوظ و محفوظ تھے

سلطان علاؤ الدین والی دلی میں جہاں آپ رہا کرتے تھے وہیں مزار ہے اور اپنے گھر کے قریب ہی دفن کیے گئے، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

خواجہ شمس الدین دھاری

۶۴۱ھ ——————— ۷۳۲ھ

اوائل عمر میں آپ کا پیشہ ملازمت تھا، بعدہٗ اس سے توبہ کر کے شیخ نظام الدین اولیار کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور شیخ کے ملفوظات پر ایک کتاب لکھی، ایک دن شیخ سے عرض کیا کہ حضرت اگر اجازت ہو تو آنے جانے والوں کے لئے ایک حجرہ تیار کرا دوں، شیخ نے فرمایا کہ یہ کام اس سے کچھ کم نہیں جس کو تم ترک کر کے آئے ہو اور آپ کا مزار ظفر آباد میں ہے۔

خواجہ احمد بدایونی

۶۶۱ھ ——————— ۷۲۹ھ

آپ کا محبوب ترین مشغلہ تجرد کی زندگی تھا، اور ابدال صفت بزرگ تھے اور محفل سماع میں بے قرار ہو جایا کرتے تھے، صاحب سیر الاولیار فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے خواجہ احمد بدایونی سے دریافت کیا کہ مزاج اچھے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ خوشی صرف یہی ہے کہ روزانہ پنجوقتہ نماز باجماعت پڑھ لیا کرتا ہوں۔

مولانا حمید

۶۸۴ھ ——————— ۷۵۷ھ

آپ شاعر قلندر اور جامع خیر المجالس اور شیخ نظام الدین اولیار کے مرید تھے۔

اور کبھی کبھی اپنے والد صاحب کی معیت میں شیخ نظام الدین اولیاء کی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء کے بعض خلفاء سے اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق استفادہ کیا۔ اگرچہ آپ کے اشعار ایسے نہیں کہ جن کی وجہ سے آپ کو شاعر کہا جائے تاہم لوگوں میں شاعر ہی سے مشہور تھے۔ لیکن زیادہ تر حمید قلندر سے مشہور تھے ابتداءً مولٰنا برہان الدین غریب کی خدمت میں رہے اور ان کے ملفوظات جمع کئے، پھر شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کی خدمت میں آئے اور ان کے ملفوظات جمع کر کے ان کا نام خیر المجالس رکھا اس کتاب کو آپ نے ۷۵۵ھ میں لکھنا شروع کیا اور ۷۵۶ھ میں اسے مکمل کر لیا۔ اسی کتاب میں آپ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ایک دن شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ ہم آپکو قلندر کہا کریں یا صوفی؟ قلندر تو اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ ابھی آپ طالب ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ایک دفعہ شیخ نظام الدین اولیاء کا دسترخوان بچھا ہوا تھا بوقت افطار کھانا کھاتے ہوئے آپ نے ایک روٹی کے دو ٹکڑے کئے، ایک ٹکڑا اپنے سامنے رکھا اور ایک میری طرف بڑھا دیا، چنانچہ وہ ٹکڑا میں نے اٹھا کر اپنی آستین میں رکھ لیا، چنانچہ جب میں باہر نکلا تو قلندروں نے مجھے گھیر لیا اور کہنے لگے کہ اے شیخزادے! ہمیں بھی کچھ دو، میں نے عرض کیا کہ میرے پاس کیا ہے جو میں تمہیں دوں، قلندروں کو بذریعہ کشف معلوم ہو گیا کہ انھوں نے کہا وہ آدھی روٹی جو شیخ نے آپکو دی ہے وہ ہمیں دیدو، میں چونکہ اس وقت کم عمر تھا مجھے بڑا تعجب ہوا کہ انھیں کیسے معلوم ہوا ان میں سے تو کوئی بھی وہاں موجود نہ تھا مگر ان کے اصرار پر میں نے مجبوراً وہ آدھی روٹی اپنی آستین سے نکال کر ان لوگوں کو دیدی وہ سب قلندر دہیں ایک کیلوکھری کی مسجد کی دہلیز میں بیٹھ گئے اور بس آدھی روٹی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپس میں تقسیم کر کے کھا گئے۔ اسی اثناء میں میرے والد صاحب شیخ نظام الدین کے ہاں سے باہر تشریف لائے اور فرمایا وہ روٹی کہاں ہے میں نے عرض کیا کہ قلندروں کو دیدی، یہ سنکر والد صاحب نے میری طرف تیز نظروں سے دیکھا اور فرمایا ان شوریدہ پا لوگوں کو کیوں دیدی وہ تو ایک نعمت تھی اور معاً شیخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں واپس تشریف لے گئے، شیخ کو بھی (بطور کشف)

اصل واقعہ کی پہلے ہی سے خبر تھی اس لئے فرمایا فکر نہ کرو تمہارا بیٹا قلندر ہوگا، تب والد صاحب کو سکون ہوا، چونکہ مجھے شیخ نظام الدین اولیار نے قلندر کہا ہے اس لئے آپ بھی قلندر رکھتے ہیں، جب شیخ نصیر الدینؒ نے یہ حکایت سنی تو فرمانے لگے،

تو مرید خدمت شیخے من نمی دانستم بیا کنار گیرم (مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ شیخ کے مرید ہیں گلے مل لو) چنانچہ میں آگے بڑھا اور شیخ نصیر الدین نے مجھے بڑے پیار سے گلے لگالیا، الحمدللہ خواجہ کے گلے لگانے سے مجھے بہت برکات حاصل ہوئیں، مجلس نہم میں ہے کہ میں ایک دن خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ آپ کیا لکھ رہے ہیں اور پھر فرمایا کہ کبھی اور کبھی قلندر کیا ہے اس معنی کو شعر میں ادا کرو تو میں نے کہا ؎

مصرع

گاہ صوفی گہہ قلندر چیست

(کبھی صوفی اور کبھی قلندر یہ کیا ہے)

آپ نے فرمایا ؎ چوں قلندر شوی قلندر باش (جب تو قلندر ہو جائے تو قلندر رہے) پھر کچھ دیر تک سوچتے رہے اور فرمایا کیا لکھ رہے ہو، اس کے فوراً بعد فرمایا کہ میرے پاس اتنا وقت کہاں کہ تمہیں نصیحت کرتا رہوں اور تمہارے پاس اتنا وقت کہاں کہ تم قلندر بنو، جمالِ الہٰی کے بغیر ہی خدا کی عبادت میں مشغول رہو جاؤ، گوشہ نشینی اختیار کرو، تم نے جس شخص کی پیروی اختیار کر رکھی ہے وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو داڑھی بھی گراں گزری اور وہ اسے کاٹ کر جنگل اور بیابانوں میں نکل گئے اس کے بعد شیخ چراغ دہلویؒ نے قبلہ کی طرف رُخ کر کے آسمان کی جانب منہ کیا اور حیرانی کے عالم میں یہ شعر پڑھا ؎

شعر

در عشق چہ جائے خانہ داری است

مجنوں شود کوہ گیرد بجز دشش!

ترجمہ (عشق کا دعویٰ اور پھر گھر میں بیٹھے رہنا یہ کیسے؟ مجنوں ہو کر پہاڑوں کی جانب نکل جاؤ اور خوب گریہ زاری کرو)

میرے دل پر اس شعر کا بڑا اثر ہوا لیکن فوراً ہی (سنبھل کر) میں نے عرض کیا کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں، میرا کمال تو یہ ہے کہ لوگوں میں رہوں، اُنھیں کی مانند کپڑے پہنتا رہوں اور حصولِ علم کی کوشش کرتا رہوں، یہ سُن کر شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی تفکر کے سمندر میں غرق ہو گئے پھر سر اُٹھا کر ایک آہ کھینچی اس وقت آپکی آنکھیں اشکبار تھیں اور فرمایا کہ اگر میرے شیخ خواجہ نظام الدین اولیاء کا مجھے شہروں میں رہ کر لوگوں کے جور و ستم کے برداشت کرنے کا حکم نہ ہوتا تو میں کہاں اور شہری آبادی کہاں، میں تو پہاڑوں اور جنگلوں میں نکل جاتا پھر دوبارہ یہی شعر پڑھا۔

شعر

در عشق چہ جائے خانہ داری است　　مجنوں شود کوہ گیرد بجز دشش

یہ سنکر مجھ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی مگر فوراً ہی باہر چلا آیا اور میری سمجھ میں کچھ نہ آرہا تھا کہ میں کیا کروں، سوچا کہ خواجہ خضر کے مقام میں جا کر ذکر اللہ میں مشغول ہو جاؤں جو دریا کے کنارے پر ایک پر لطف و روح افزا مقام ہے جہاں اکثر و بیشتر لوگوں نے حضرت خضر کی ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے، پھر خیال آیا کہ وہاں سے نماز جمعہ کے لئے آنا مشکل ہوا کریگا اس لئے (بجائے مقام خضر کے) کیلوکھری میں چلا جاؤں جہاں میرا مکان بھی ہے جو جمنا کے کنارے پر ہے وہاں میرے والد محترم جناب مولٰنا تاج الدین بھی ہیں جو بہت معمر اور بوڑھے ہو گئے ہیں، میرے لئے یہ مقام اچھا رہے گا اس لئے بھی یہ مقام مفید ہے کہ وہاں سے شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کی خدمت میں حاضری بھی ممکن ہے، پھر خیال آیا کہ کہاں جاؤں یہ سب علاقے شہری آبادی ہی میں ہیں، میں نے شیخ نصیر الدین کے ملفوظات اور فوائد لکھنا شروع کئے، اگرچہ میں انھیں اچھی طرح ترتیب نہ دے سکا مگر اپنی فہم کی حد تک مرتب کیا، پھر میرے قلب میں آیا کہ یہ شیخ کے فوائد نا تمام ہیں لوگوں کے لئے کچھ زیادہ مفید نہ ہوں گے، غرضیکہ اسی طرح چار روز تک مذبذب رہنے کے بعد میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے بہت سے فوائد بیان فرمائے بلکہ گذشتہ فوائد کا بھی اعادہ فرما دیا۔ الحمد للہ رب العالمین۔

اٹھارویں مجلس شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد میں نے عرض کیا کہ شہر میں دو جگہوں کے علاوہ میرا دل کہیں نہیں لگتا یا تو شیخ نظام الدین اولیاء کی قبر پر اور یا آپ کی مجلس میں، شیخ نصیر الدین دہلویؒ نے فرمایا کہ جب تک آپ راستہ پر نہ چلیں گے منزل مقصود تک نہ پہنچ سکیں گے اور اگر کوئی چاہے کہ بیٹھے بیٹھے منزل مقصود تک پہنچ جائے تو اس کے لئے مجاہدہ شرط ہے جیسے ارشاد ہے،

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (جنھوں نے ہمارے راستہ میں مجاہدہ کیا ہم نے اُنھیں اپنے راستے دکھا دئے) پھر فرمایا کہ مجاہدہ سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ دل ماسوی اللہ سے ہٹ کر صرف اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے، پھر فرمایا، اس کا راز لا الٰہ الا اللہ میں مضمر ہے، غیر اللہ سے دل کو ہٹا لینا یہ نفی ہے اور اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جانا یہ اثبات ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ جناب! میں تھوڑی سی مشغولیت رکھتا ہوں اور دائماً روزے رکھنا یہ بھی ناممکن ہے، آپ کو معلوم ہے کہ گرمی کے موسم میں دلی میں آگ برستی ہے اور دم بدم پیاس لگتی رہتی ہے، آپ نے فرمایا، اگر روزے نہیں رکھ سکتے ہو تو کھانے کی مقدار میں کمی کر دو، بعد ازیں شیخ نے مجھ سے پوچھا کہ شغل کہاں کرتے ہو گھر میں یا کہیں باہر؟ میں نے عرض کیا کہ گھر میں جہاں اگرچہ مزاحمت اور دوسرے کام ہوتے ہیں لیکن میرے کام کے لئے کوئی مانع نہیں بنتا، جب کچھ پریشان و افسردہ ہو جاتا ہوں تو کسی باغ یا جنگل میں کسی ایسے درخت کے نیچے جا بیٹھتا ہوں جہاں مجھے کوئی دیکھ نہ سکے اور میں بھی کسی کو نہ دیکھ سکوں آپ نے فرمایا کہ تم اپنے ساتھ قلم، دوات، کاغذ لیجاتے ہوگے اور وہاں غزل و اشعار بنانے میں مشغول ہو جاتے ہوگے مگر ہم اس کام کو مشغولیت نہیں کہتے بلکہ مشغولیت وہ ہے جو اللہ کے لئے ہو میں نے عرض کیا کہ واقعی ایسا ہے جو آپ کو بذریعہ کشف معلوم ہوا ہے، اگر کوئی نظم یاد آ جاتی ہے تو لکھ لیتا ہوں اس کے بعد اپنے کو اصلی حالت پر لے آتا ہوں یہ سنکر شیخ نے فرمایا اگر خود کو اصلی حالت پر لے آتے ہو تو اچھا ہے ورنہ شعر گوئی سے بدتر حجاب و مانع اور کوئی چیز نہیں۔

اُنتیسویں مجلس رمضان کے مہینہ میں حاضر خدمت ہوا، شیخ نصیر الدین محمود

چراغ دہلوی کے خدام نے چاہا کہ آنے والوں کے ہاتھ دھلائے جائیں کہ ایک قلندر
مجلس سے اُٹھ کر جانے لگا شیخ نے اُسے کئی مرتبہ بلند آواز سے کہا درویش درویش
کیوں جا رہے ہو ؟ لیکن اس نے سُنی ان سُنی کر دی اور تیزی سے باہر چلا گیا، شیخ نے
قلندروں کو دوڑایا کہ ان کو واپس لے آئیں مگر ان کے پہنچنے تک وہ باہر کے دروازے
تک جا چکا تھا، خادموں نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا اور بڑی منت و سماجت کے اُسے واپس
لے آئے واپسی کے بعد یہ قلندر اپنی سابقہ نشست گاہ کے بجائے میری داہنی جانب
سے ذرا اوپر ہو کر بیٹھ گیا تو شیخ نصیر الدین دہلوی نے فرمایا کہ ایک مرتبہ شیخ فرید الدینؒ
کی خانقاہ میں ایک قلندر آیا، شیخ اسوقت اپنے کمرے میں ذکر اللہ میں مشغول تھے، اور
شیخ کا یہ قاعدہ اور دستور تھا کہ جب اپنے کمرے میں جاتے تو اندر سے دروازہ بند فرما دیا
کرتے اس کے بعد وہاں کسی اور کو جانے کی اجازت نہ ہوتی تھی چنانچہ وہ قلندر آیا اور
شیخ کی کمبل والی خاص نشستگاہ میں آ کر بیٹھ گیا، شیخ کے خادم خاص بدر الدین اسحاق
نے ان کا ادب کرتے ہوئے کچھ نہ کہا بلکہ تھوڑا سا کھانا لا کر ان کے سامنے رکھ دیا، قلندر
نے کہا پہلے میں شیخ سے ملوں گا اس کے بعد کھانا کھاؤں گا تو بدر الدین اسحاق نے کہا کہ
شیخ کمرے کے اندر یاد الٰہی میں مشغول ہیں اور وہاں جانے کی کسی کو اجازت بھی نہیں ہے
آپ پہلے کھانا کھائیں بعدہٗ آپ کو شیخ کے پاس لے چلوں گا چنانچہ اُس نے کھانا کھایا
اور اس کے بعد وہ گھاس جو قلندر رکھا کرتے ہیں اپنے تھیلے سے نکالی اور اپنی کشکول
میں رگڑنے لگے جس کے کئی قطرے شیخ کی نشستگاہ پر گر گئے یہ دیکھ کر بدر الدین آگے بڑھے
اور کہا بس کیجئے (یعنی ان کو اس فعل سے منع کیا) یہ سنتے ہی قلندر لال پیلا ہو گیا اور
بدر الدین کو مارنے کے لئے اپنا کشکول اُٹھا لیا اتنے میں شیخ اندر سے دوڑتے ہوئے
آئے اور قلندر کا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے، اے قلندر! مجھے بخشدو، قلندر نے کہا کہ درویش
ہاتھ نہیں اُٹھایا کرتے اور اگر اُٹھا لیتے ہیں تو پھر نیچا نہیں کرتے، شیخ نے فرمایا اچھا
اس دیوار پر مار دو، چنانچہ اس قلندر نے اپنا کشکول اس دیوار پر مارا جس سے وہ
دیوار گر گئی، یہ حکایت بیان فرمانے کے بعد شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ نے فرمایا

کہ عام لوگوں کے اندر ایک خاص بھی ہوا کرتا ہے، پھر یہ حکایت سنائی کہ شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا جب بغداد سے اپنے شیخ الشیخ شہاب الدین سہروردی کے ہاں سے واپس لوٹ رہے تھے تو سفر کے دوران ایک جگہ ٹھہرے چونکہ اس جگہ کوئی مسافر خانہ نہ تھا اس لئے ایک مسجد میں قیام فرمایا، کچھ قلندر بھی وہاں جمع ہو گئے جب شیخ ذکر الٰہی میں مشغول ہوئے تو آپ نے ایک قلندر کو دیکھا جو از سرتاپا نور الٰہی میں غرق تھا شیخ اسکے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا اے مردِ خدا! تو ان لوگوں میں کیوں رہتا ہے؟ اس قلندر نے جواب دیا کہ اے زکریا! تاکہ معلوم ہو جائے کہ عام لوگوں میں ایک خاص بھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے عوام کی بخشش ہوتی ہے، اس کے بعد شیخ نے فرمایا کہ یہ قلندر جس نے اتنی طاقت حاصل کر لی تھی اپنے زمانہ کا مفتی تھا، شیخ جمال الدین ساوجی انھیں چلتا پھرتا کتب خانہ کہتے تھے، مشکل ترین استفتا ان کے پاس آتے اور یہ کتاب دیکھے بغیر ان کا جواب دیدیتے تھے، اسی زمانہ میں اور بزرگ تھے جن کا نام معلوم نہیں انکے پاس آہن پوش آتے اور آہن پوش وہ لوگ ہوتے ہیں جو کوئی لباس اور خرقہ وغیرہ نہیں پہنا کرتے بلکہ کمبل کا ایک لنگوٹ باندھتے ہیں اس کے علاوہ ان کے پاس دنیا کی اور کوئی چیز نہیں ہوتی یہ بزرگ جب آہن پوشوں کے مجمع سے واپس آئے تو فرمانے لگے کہ یہ لوگ آزادی کے کس قدر متوالے ہوتے ہیں، چنانچہ شیخ جمال الدین ساوجی اس مجمع میں آئے اور فرمایا کہ میں اسی وقت جوانمرد ہو سکتا ہوں جبکہ ان لوگوں سے زیادہ طاقت نہ دکھاؤں، یہ قبولیت کا وقت تھا جب مجلس سے اُٹھے تو اُن کا یہ حال ہو گیا کہ سب چیزوں سے کنارہ کش ہو گئے یہانتک کہ انھیں اپنی داڑھی بھی بوجھل معلوم ہونے لگی چنانچہ اس کو بھی کتروا دیا اور گدڑی پہن کر ایک قبر میں چلے گئے، اور حیران و پریشان ہو کر دل و چشم آسمان کی طرف کر کے بیٹھ گئے چنانچہ جب لوگوں کو معلوم ہوا تو انھوں نے شیخ ساوجی کی حالت کو اس بزرگ پر واضح کیا تو وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس قبر پر آئے تو دیکھا کہ شیخ آسمان ...... کی طرف چہرہ کئے پریشان بیٹھے ہیں یہ دیکھ کر انھوں نے رانگ پگھلا کر پلا دیا اور شیخ فوراً ہوش میں آ گئے اور فرمایا

سبحان اللہ نہایت ہی ٹھنڈا پانی تھا اس واقعہ پر لوگوں نے اعتراض کیا ہے اس وقت شیخ جمال الدین ساوجی سے جو کچھ سرزد ہوا اس پر اہل علم اور صاحب شریعت لوگوں نے بحث کی ہے کہ آپ نے داڑھی کترواکر شریعت کی خلاف ورزی کی ہے، چنانچہ شیخ نے اپنا چہرہ اپنے خرقے میں ڈال کر نکالا تو چہرہ پر پوری داڑھی موجود تھی، پھر شیخ نے اپنے سینے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا اتنی لمبی سفید داڑھی دیکھی جاسکتی ہے اس کے بعد تمام لوگ شیخ کے ہاں سے چلے گئے مگر قلندر رد ہیں رہا (داڑھی کا کتروانا واقعی خلاف شرع فعل تھا مگر اس بزرگ سے یہ فعل قصداً صادر نہ ہوا ہوگا بلکہ ان پر اس وقت ایسی کیفیت طاری ہو گئی ہو گی جس کی وجہ سے انھیں اس کا خیال ہی نہ رہا ہو کہ میں کیا کر رہا ہوں اس لئے اتنا ضرور کہنا ہو گا کہ داڑھی کا کتروانا شرعاً گناہ ہے مگر یہ بزرگ اس وقت فنافی اللہ ہو جانے کی وجہ سے معذور تھے اس لئے یہ فعل کسی داڑھی کتروانے والے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ فاضل ۱۲)

شیخ حسام الدینؒ

آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحؒ کے چھوٹے فرزند تھے، کہتے ہیں کہ آپ لوگوں سے غائب ہو گئے، اور ابدالوں کے پاس چلے گئے۔

۱۳۱۴ء ——— ۱۳۴۹ھ

شیخ حسام الدین سوختہؒ

۶۲۲ھ ——— ۱۲۴۱ھ

آپ شیخ فخر الدین ابن شیخ الاسلام معین الدین چشتی سنجری کے صاحبزادے تھے محبت کی آگ میں جلے ہوئے اور الفت کے قیدی تھے، آپ خواجہ نظام الدین اولیاء کی صحبت سے فیض یافتہ تھے، آپ کا مزار سانبھر میں مغرب کی طرف اجمیر کی سمت میں ہے آپ کے والد بزرگوار نے آپ کا نام اپنے گمشدہ بیٹے کے نام پر رکھا۔

خواجہ معین الدین کی دو بیویاں تھیں ایک سید وجیہ الدین مشہدی کی صاحبزادی جو سید حسین خنگ سوار کے چچا تھے جن کا مزار اجمیر کے قلعہ کے بالائی

حصہ پر ہے اس بیوی کا نام بی بی عصمت تھا اور دوسری کنیز تھیں جن کا نام امۃ اللہ تھا، واقعہ یہ ہے کہ خواجہ صاحب نے بوڑھے ہونے تک کوئی شادی نہ کی تھی ایک رات رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، نبی علیہ السلام نے فرمایا اے معین الدین! تو میرے دین کا معین و مددگار ہے مگر میری سنت چھوڑ رکھی ہے اتفاق سے اُسی رات قلعہ بیلی کا حاکم جس کا نام ملک خطاب تھا اس علاقہ کے کافروں پر حملہ آور ہوا، وہاں کے ایک راجہ کی لڑکی اسکے ہاتھ لگی ملک خطاب خواجہ صاحب کا مرید بھی تھا اس نے وہ لڑکی خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کی خواجہ صاحب نے اس کو قبول فرمالیا، وکذا فی تاریخ بلاد جانی -

نیز سید وجیہ الدین مشہدی کی ایک لڑکی تھی جو عفت کے کمال سے آراستہ اور عصمت کے پیرایہ میں پیراستہ تھی یہ لڑکی حد بلوغ کو پہنچ چکی تھی لیکن کفو کے وجود پر موقوف تھی، سید صاحب کے ایک رات خواب میں، امام جعفر صادق کو دیکھا انھوں نے آپ سے فرمایا کہ اے بیٹا وجیہ الدین! مجھے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیٹی کی شادی خواجہ معین الدین سے کردو، چونکہ سید صاحب خواجہ صاحب کے عقیدتمندوں میں سے تھے انھوں نے خواجہ صاحب سے یہ تمام ماجرا کہہ سُنایا خواجہ صاحب نے فرمایا بابا وجیہ الدین میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور مرنے کے قریب ہوں مگر چونکہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اس لئے تعمیل کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، دونوں بیویوں سے اولاد بھی ہوئی، راجہ کی بیٹی سے بی بی جمال پیدا ہوئیں جو قرآن کریم کی حافظ تھیں - راجہ کی بیٹی کا بی بی جمال نام نہیں تھا جیسا کہ لوگوں میں مشہور ہے بلکہ راجہ کی نواسی بی بی جمال تھیں جو خواجہ صاحب کی بیٹی تھیں جن کی قبر بھی خواجہ صاحب کے پائیں میں ہے - جن کے شوہر کا نام شیخ رضی تھا ناگور کے ایک گاؤں میں مندلا حوض پر ان کی قبر ہے خواجہ صاحب کی صاحبزادی بی بی جمال سے دو بیٹے پیدا ہوئے لیکن ان کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا تھا -

خواجہ صاحب کے تین بیٹے تھے، شیخ ابو سعید، شیخ فخر الدین، شیخ حسام الدین

ابو سعید تو سید وجیہ الدین کے نواسے تھے، باقی شیخ فخر الدین اور حسام الدین کے بارے میں اختلاف ہے، سید محمد گیسو دراز؟ اور کچھ درویش اس طرف گئے ہیں کہ یہ دونوں بی بی عصمت دختر سید وجیہ الدین کے بیٹے ہیں ان کے علاوہ سید شمس الدین ظاہر اور کچھ درویشوں کا خیال ہے کہ یہ دونوں بی بی امۃ اللہ کے بیٹے تھے جو راجہ کی بیٹی تھی واللہ اعلم بالصواب

خواجہ معین الدین خُردؒ

۷۰۲ھ ——————— ۷۶۱ھ

آپ شیخ معین الدین چشتی کے پوتے یعنی حسام الدین سوختہ رہ کے فرزند تھے، چونکہ آپ کا نام بھی معین تھا اسلئے بڑے اور بزرگ بہ نسبت آپ کو خورد (یعنی چھوٹا) کہا کرتے تھے اور یہی تعریف آپ کے لئے بہت کافی ہے کہ آپ کامل درویش تھے مرید ہونے سے قبل ہی اتنی ریاضت اور مجاہدہ کیا تھا کہ بغیر کسی واسطہ کے خواجہ معین الدین چشتی سے فیض یاب ہوا کرتے تھے آخر کار خواجہ صاحب کے ارشاد سے شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے مرید ہوئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا، شیخ حسام الدین سوختہ کے چھوٹے بیٹے شیخ قیام بابریال بڑے خوبصورت بہادر، شجاع اور پرعظمت تھے، خواجہ معین الدین خرد اور شیخ قیام الدین کی کثرت سے اولاد ہوئی، مندو میں جو خاندانِ چشتیہ ہے وہ بھی انہی کی اولاد میں سے ہیں، اگرچہ ان کا نام شیخ قطب الدین تھا لیکن محمود خلجی نے انھیں چشتیہ خاندان کا لقب دیگر دو ہزار سواروں کا سردار مقرر کردیا تھا سلطان محمود نے جب اجمیر کو فتح کیا تو اجمیر کو چشتی خاندان کے حوالہ کرنا چاہا لیکن آپکے متعلقین خورد و کلاں مندو میں مقیم تھے اس لئے چشتی خاندان نے اجمیر کی حکومت کو قبول کرنے سے انکار کردیا، شیخ قیام الدین بابریال کی اولاد میں سے شیخ بایزید بزرگ بھی ہوئے ہیں جو نہایت ہی زیرک اور سمجھدار تھے اور خواجہ سکندر پڑھایا کرتے تھے شیخ احمد مجد اور دوسرے حضرات آپ ہی کے تلامذہ میں سے ہیں۔

خواجہ چشت کے بیٹوں میں سے جس بیٹے کی بابت جھگڑے منسوب ہیں وہ یہی شیخ بایزید بزرگ ہیں، جھگڑے کا خلاصہ یہ ہے کہ جب دارالخلافہ دہلی میں شورش اور اختلاف کی وجہ سے حکومت کمزور ہوگئی تو اس کے نتیجہ میں کافروں کا اجمیر میں تسلط اور غلبہ ہوگیا تو خواجہ چشت کی اولاد میں سے خواجہ معین الدین خرد مندد چلے گئے اور وہیں رہنے لگے اور شیخ قیام الدین بریال گجرات میں جاکر حصول تعلیم میں مشغول ہوگئے اسی طرح شیخ بایزید بزرگ بغرض تعلیم بغداد چلے گئے، سلطان محمود خلجی نے ایک عرصہ اور مدت کے بعد دوبارہ اجمیر کو فتح کرکے اس پر اسلامی پرچم لہرادیا اور یہاں کے تمام کفار کو ہزیمت وشکست دی، شیخ بایزید بزرگ بغداد وغیرہ کے اسفار سے واپس مندد تشریف لائے، شیخ محمود دہلوی جو مندد کے شیخ الاسلام تھے اور تمام علمار میں آپ کو بڑا تسلیم کیا جاتا تھا، ان کی شیخ بایزید بزرگ سے کسی موقع پر ملاقات ہوئی اور اس ملاقات کے بعد دونوں کے مابین تعلقات وابستہ ہوگئے، چنانچہ مندد ہی میں شیخ محمود دہلوی نے اپنی دختر نیک اختر کی شادی بھی بایزید بزرگ سے کردی، اتنے میں سلطان محمود خلجی بھی بایزید بزرگ کا اچھا خاصا معتقد ہوگیا، چشت خان کو بایزید بزرگ سے گھریلو خلفشاریوں کی بنار پر اختلاف تھا اس لئے اسے سلطان محمود خلجی کا بایزید بزرگ کا معتقد ہوجانا سخت ناگوار گزرا ایک دفعہ ایسا ہوا کہ علمار اور مدرسین کے تقرر کی خاطر سلطان محمود خلجی ایکبار اجمیر میں تھا کہ چشت خاں نے کسی نہ کسی طرح شیخ بایزید بزرگ خواجہ کے مزار پر تعلیم دینے کی غرض سے بھجوادیا، چندہی دن گزرے ہونگے کہ آپ سے اکثر طلبار نے پڑھنے سے انکار کردیا چنانچہ لوگوں نے ان تمام حالات کو تحریر کرکے سلطان کیطرف بھیجدیا، جب سلطان نے ان باتوں کو دیکھا تو اس نے علمار اور مشائخ وقت سے شیخ بایزید بزرگ کی خاندانی شرافت کے بارے میں دریافت کیا، مخدوم خواجہ حسین ناگوری اور مولنا رستم اجمیری جیسے اجمیر کے قدیمی علمار اور دیگر معزز علمار نے بھی شہادت دی تھی کہ بایزید بزرگ دراصل شیخ قیام الدین بربال بن شیخ

حسام الدین سوختہ بن شیخ فخر الدین ابن خواجہ معین الدین چشتی کی اولاد میں سے ہیں اور اگر صرف خواجہ حسین ناگوری ہی شیخ بایزید بزرگ کا نسب بتا دیتے تو کافی تھا کیونکہ خواجہ حسین ناگوری ولی، متقدا اور اس سلسلہ کے بخوبی عارف تھے، نیز خواجہ حسین ناگوریؒ نے شیخ بایزید بزرگ کے بیٹوں کو اپنی بیٹیاں بھی دی تھیں یہ بھی اس امر کا ثبوت تھا کہ شیخ بایزید بزرگ کا سلسلہ خاندان خواجہ معین الدین اجمیری تک پہنچتا ہے اور یہی حقیقی اور فی الواقع امر ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

غرضیکہ خواجہ اجمیریؒ کی اولاد کی کثرت اور وسعت ایک یقینی بات ہے اور لوگوں کا یہ کہنا کہ خواجہ کی کوئی اولاد نہ تھی بالکل بے اصل بات ہے بلکہ خواجہ اجمیری کی اولاد ملفوظات چشت میں بالتفصیل درج ہے۔ شیخ حمید الدین کے پوتے شیخ فرید نے اپنی کتاب سرور الصدور میں اپنے جد امجد کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ ہمارے شیخ کے لڑکے پیدا ہو چکے تھے اسی زمانے میں انھوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ حمید! کیا بات ہے ہم اپنی جوانی اور قوت کے زمانہ میں اللہ سے جو کچھ مانگتے فوراً اور جلدی مل جایا کرتا تھا لیکن اب بڑھاپے میں جو دعا کرتے ہیں تو اُلٹا کام بگڑ جاتا ہے اس پر میں نے عرض کیا کہ شیخ کو خوب معلوم ہے کہ جب تک حضرت مریم کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا نہیں ہوئے تھے تو بغیر محنت و مشقت کے انھیں محراب میں سردیوں کا گرمیوں میں اور گرمیوں کا سردیوں میں پھل دیا جاتا تھا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور ولادت کے بعد حضرت مریم منتظر ہیں کہ پہلے کی طرح اب بھی میوہ جات ملتے رہیں مگر وحی آئی کہ وَهُزِّيْ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ترجمہ (جاؤ کھجور کی شاخوں کو ہلاؤ تاکہ تمہاری جانب تازہ کھجوریں گریں)

آپ کی پہلی اور موجودہ حالت میں یہی فرق ہے۔ خواجہ نے میرے اس جواب کو قبول کیا اور پسند فرمایا

خواجہ احمدؒ

آپ شیخ ابو یزید بن شیخ قیام الدین کے لڑکے تھے فوائد الفواد میں شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ شیخ احمد

۶۹۲ھ —— ۷۴۷ھ

حضرت معین الدین چشتی کے پوتے تھے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرے ایک دوست ایمان کی سلامتی کے لئے مغرب کی نماز کے بعد دواماً دو رکعت نفل بایں طریق پڑھا کرتے تھے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سات بار سورۂ اخلاص اور ایک بار سورۂ فلق اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سات مرتبہ سورۂ اخلاص اور ایکبار سورۂ الناس جب دو رکعت نفل سے فارغ ہوتے تو سجدہ میں جاکر تین مرتبہ یہ پڑھے۔

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ ثَبِّتْنِيْ عَلَى الْإِيْمَانِ | اے حی وقیوم مجھے میرے ایمان پر ثابت رکھنا

ہمیں اجمیر کے علاقہ میں ایک روز شام ہوگئی ہمارے سامنے چور نمودار ہوئے ہم سب لوگ فرض وسنت کو چھوڑ کر شہر کی طرف روانہ ہوگئے (تاکہ یہ چور نقصان نہ پہنچائیں) مگر ہمارا وہ دوست نماز مکمل کر کے ہمارے بعد آیا ہم اُن کے انتقال کے وقت اُن کے پاس گئے، انھوں نے اپنی جان جانِ آفریں کو اس طرح دی کہ ہم نے اس طرح پہلے کسی کو نہ دیکھا تھا، خواجہ احمد فرماتے کہ اگر مجھے خدا کے سامنے پیش کیا گیا تو میں گواہی دونگا کہ وہ مرد دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہوا تھا۔

خواجہ وحید رح

آپ خواجہ احمد کے حقیقی بھائی تھے۔ فوائد الفواد میں شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ

۶۹۴ھ ——— ۷۴۸ھ ایک دفعہ میں اور شیخ نصیر الدین طالب علمی کے زمانے میں شیخ فریدالدین کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک جوگی آیا اور آداب بجالانے کے بعد بیٹھ گیا شیخ نصیر الدین نے اس جوگی سے دریافت کیا کہ بابا انسان کے بال کسی دوا سے لمبے ہوجاتے ہیں، شیخ نصیر الدین کا شیخ کی موجودگی میں یہ سوال کرنا مجھے اچھا معلوم نہ ہوا اتفاق سے خواجہ معین الدین کے پوتے خواجہ وحید آئے اور بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کی، شیخ فریدالدینؒ نے فرمایا کہ میں تو آپ ہی کے خاندان سے بھیک مانگ کر لایا ہوں میری کیا مجال کہ تمہیں مرید کردوں لیکن خواجہ وحید نے بے انتہا الحاح کی اور مرید ہوگئے اس کے بعد سر منڈوادیا اور اس نصیر الدین طالب علم نے بھی جس نے جوگی سے بال بڑھانے کا نسخہ پوچھا تھا سر منڈوادیا اور درویشوں کی صحبت اسمیں تاثیر کرگئی۔

شیخ بدر الدین سمرقندیؒ

۶۱۳ھ ——————— ۶۹۸ھ

ملفوظات شیخ شرف الدین یحییٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شیخ نجم الدین کے مرید تھے سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ شیخ سیف الدین باخرزی کے خلیفہ تھے، شیخ نجم الدین سے دریافت کیا گیا اور نیز سیر الاولیاء میں بھی ہے کہ آپ بہت بڑے ولی اللہ تھے، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ہاں سماع بھی سنا کرتے تھے اور بہت وجیہ اور قد درجہ خوبصورت اور خوب سیرت تھے، اور جب شیخ سمرقندی فوت ہوئے تو آپ کو سنگولہ میں دفن کر دیا گیا۔ آپ کی وفات کے تیسرے روز شیخ نظام الدین اولیاء تشریف لائے مجلس سماع قریب الختم تھی آپ مجلس سے اٹھ کر دوسری جگہ چلے گئے لوگوں نے چاہا کہ آپ کو بھی شریک کیا جائے جب آپ سے درخواست کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے اور انکے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے تم بیٹھو میں نہیں بیٹھتا۔ نیز فرمایا کہ موافقت شرط ہے۔ (اور چونکہ میرے اور تمہارے مابین مناسبت نہیں اس لئے میں اس محفل میں شریک نہیں ہوتا)

شیخ رکن الدین فردوسیؒ

۶۳۳ھ ——————— ۶۹۹ھ

آپ خواجہ بدر الدین سمرقندیؒ کے مرید تھے، دہلی آپ کا مسکن تھا اور جب سلطان کیقباد نے کیلوکھری میں نئی شہری آبادی کرنا چاہی تو آپ بھی وہاں تشریف لائے اور دریائے جمنا کے کنارے مقیم ہو گئے غالباً آپ کے اور شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے درمیان چنداں محبت و اخلاص نہ تھا۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ شیخ رکن الدین کے نوجوان بیٹے اور دوسرے مرید اکثر و بیشتر کشتی میں بیٹھ کر ناچتے گاتے اور سماع کرتے ہوئے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مکان کے نیچے سے گزرا کرتے تھے ایک روز اسی طرح گزر رہے تھے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء کی اُن پر نظر پڑی تو (اپنے حجرے سے)

سر باہر نکالا اور فرمایا کہ ایک وہ ہے جو برسوں سے خون جگر پی رہا ہے اور اس راہ پر فدا ہو چکا ہے اور دوسرے یہ نوجوان ہیں جو کہتے ہیں کہ تو کیا ہے جو ہم نہیں (یعنی وہ کہتے تھے کہ خواجہ نظام اور ہم میں کیا فرق ہے) اور اپنا ہاتھ آستین سے باہر نکالا اور انکی جانب اشارہ فرمایا، خبردار ہو کر جانا چنانچہ شیخ رکن الدین کے بیٹے اسی طرح شور و غوغا کرتے ہوئے اپنے گھر کے قریب تک پہنچ گئے اور کشتی سے اُتر کر انھوں نے چاہا کہ غسل کر لیں جونہی وہ لوگ پانی میں داخل ہوئے تو تمام کے تمام غرق ہو گئے۔

شیخ نجیب الدین فردوسیؒ

۶۹۸ھ ——————— ۷۶۱ھ

آپ شیخ رکن الدین فردوسی کے مرید تھے، آپ کی قبر حوض شمسی کے مشرقی جانب ایک بلند اور اونچے مقام پر مولانا برہان الدین بلخی کی قبر کے نزدیک ہے۔

شیخ شرف الدین احمدؒ

۶۸۵ھ ——————— ۷۵۶ھ

آپ حضرت یحییٰ منیری کے فرزند تھے آپ کا ہندوستان کے مشہور مشائخ میں شمار ہے آپ کے فضائل و مناقب محتاج بیان نہیں، آپ کی تصنیفات بھی کثرت سے ہیں جن میں سے "مکتوبات" زیادہ مشہور ہیں۔ یہ اس لحاظ سے بھی بے نظیر اور بہترین کتاب ہے کہ اس میں آداب طریقت اور رموزِ حقیقت درج کئے گئے ہیں اگرچہ آپکے ملفوظات بھی ایک مرید نے جمع کئے ہیں لیکن مکتوبات میں لطافت و شیرینی کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ نیز یہ بھی مشہور ہے کہ آپ نے رسالہ آداب المریدین کی بھی ایک (نا معلوم) شرح لکھی تھی۔ آپ شیخ نجیب الدین فردوسی کے مرید تھے، کہتے ہیں کہ شیخ شرف الدین احمد ایک مرتبہ اپنے وطن سے خواجہ نظام الدینؒ سے مرید ہونے کے شوق سے دہلی روانہ ہوئے ابھی آپ دہلی پہنچے بھی نہ تھے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء کا انتقال ہو گیا، شیخ نجیب الدین اس زمانہ میں دہلی میں موجود تھے جب شرف الدین احمد آپ کے پاس پہنچے اور ملاقات

کی تو شیخ نجیب الدین فردوسیؒ نے فرمایا کہ برسوں سے تمہارے انتظار میں ایک امانت لئے یہاں بیٹھا ہوں جو تمہارے سپرد کرنی ہے چنانچہ شیخ شرف الدین شیخ نجیب الدین فردوسی سے بیعت ہوئے پھر شیخ سے انعامات لے کر اپنے وطن واپس تشریف لائے

نیز لوگوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ دہلی سے واپس آتے وقت آگرہ کے جنگلوں میں کئی برس تک عبادتِ الٰہی میں مشغول رہے اور اس کے بعد وطن واپس تشریف لائے آپ کی قبر صوبہ بہار کے قصبہ منیر میں ہے۔ ایک فارسی کی کتاب میں چودہ خانوادوں کا ذکر کرتے ہوئے اس کے مؤلف نے لکھا ہے کہ فردوسی خاندان کی ابتدا سلسلۂ سہروردیہ سے متعلق ہے شیخ نجم الدین کبریٰ فردوسی اور شیخ علاؤالدین فردوسی مجاہدہ اور ریاضت میں تقریباً ہم پلہ تھے اور دونوں کمال کی انتہا تک پہنچے ہوئے تھے یہ دونوں بزرگ روزے رکھتے اور ایک ہفتہ کے بعد افطار کیا کرتے تھے جَو کی روٹی اور جنگلی ساگ اکثر ان کی غذا ہوتی تھی ایک دفعہ یہ دونوں بزرگ مل کر شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ عمر ختم ہو رہی ہے اور ابھی تک کوئی کام نہیں ہو پایا اگرچہ ریاضت ومجاہدہ بہت کیا ہے مگر ابھی تک مقصود حاصل نہیں ہو سکا۔ شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب نے فرمایا بھائیو! میں بھی اسی مرض کا مریض ہوں علاج یہ ہے کہ کسی سے بیعت ہو جائیں، چنانچہ یہ تینوں بزرگ شیخ وجیہ الدین ابوحفص بن عمر بن عمویہ کے پاس تشریف لائے، شیخ وجیہ الدین نے ضیاء الدین اور علاؤ الدین کو ایک مدت کے بعد خلافت دیکر روانہ فرما دیا اور شیخ نجم الدین کبریٰ کو شیخ نجیب فردوسی کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ انہیں اپنے پاس رکھو چنانچہ سات ماہ کے بعد شیخ نجیب الدین فردوسی نے شیخ نجم الدین کبریٰ کو خلافت دیدی اور فرمایا کہ تم فردوسی مشائخ میں سے ہو، اس روز کے بعد یہ فردوسی خاندان معرضِ وجود میں آیا، شیخ شرف الدین احمد خیری کے مشہور مجموعہ مکتوبات کے سوا اور دیگر خطوط بھی ہیں جو شیخ مظفر بلخی کو تحریر کئے گئے تھے جو آپ کے مرید اور خلیفہ اور صاحب اسرار بزرگ تھے۔

کہتے ہیں کہ پچیس برس تک شیخ مظفر کو سلوک کی حالت میں جو واقعات ومعاملات

اور حالات پیش آئے آپ وہ تمام کے تمام اپنے شیخ کی خدمت میں لکھتے رہے اور شیخ ہر ایک کا جواب دیتے رہے، شیخ شرف الدین نے بعض خطوط کے نیچے تحریر فرمایا ہی کہ برادر عزیز کی تمام مشکلات و معاملات کا میں نے حل تحریر کیا ہے یہ خطوط کسی کو نہ دکھلانا، اس لئے کہ یہ ربوبیت کے اسرار کے افشا کا موجب اور سبب ہوگا، جب کبھی شیخ مظفر کے مرید آپ سے شیخ شرف الدین کے خطوط بغرض استفادہ نقل کرنے کی درخواست کرتے تو اپنے شیخ کی وصیت کی حفاظت اور خدا کے سر کو ظاہر نہ ہوجانے کے ڈر سے کسی کو نہ دکھاتے اور خطوط کو مہر لگا کر اپنے پاس رکھتے تھے۔ اس حکایت کا ناقل کہتا ہے کہ ان خطوط کی تعداد دو سو سے زائد تھی چنانچہ شیخ مظفر نے اپنے انتقال سے قبل یہ وصیت کی کہ یہ خطوط میرے کفن میں رکھ دیئے جائیں، آپ کی وصیت کے مطابق وہ تمام خطوط آپکے کفن میں رکھدئے گئے تاکہ اپنے بزرگ کے اسرار مخفی رہیں، ایک تھیلی کے اندر ایک شیخ الاسلام کے دستخطوں سے مصدقہ خطوط کا ایک بنڈل باقی رہ گیا اُن خطوط میں سے چند کو نقل کیا جاتا ہے تاکہ پڑھنے اور سننے والوں کے لئے دینی نفع کا باعث ہوں مگر میں نے ان تمام خطوط میں سے سالکین اور طالبین کے مناسب کچھ کا انتخاب کیا ہے ان میں دو تین ہی شاید مکمل تھے جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

مکتوب اول

دائماً تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں سہ

ہر بلا ایں قوم را حق دادہ است ✽ زیر آں گنج کرم بنہادہ است

(ہر مصیبت جو اللہ نے اس قوم کو دی ہے، اس کے ضمن میں خزانۂ کرم مخفی رکھا ہے)

برادرِ عزیز مظفر! سلام و دعا، اپنے کام میں مردانہ وار مشغول رہو۔ شدائد اُمور، کثرتِ ابتلا اور گوناگوں امتحانات جو سالک کی راہ میں حائل ہوتے ہیں ان کی وجہ سے اپنے کسی کام میں قصور نہ کرنا۔

برادرِ عزیز! عظمتِ انبیار کے بارے میں منقول ہے کہ خدا تعالیٰ کے کاموں میں متنوع ہے، اس کے کام ہمیشہ ایک ہی نہج اور طریقے پر جاری نہیں رہتے اس لئے کیا معلوم کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں میں سے کس کو کس طرح سے اقبال مندی اور کشائش سے نوازیگا

نعمت، مشقت، عطا، اور مصائب کے واسطہ سے سرفراز ے گا جیساکہ موسیٰ علیہ السلام کو آگ کے تنور میں ڈالا، پھر ایک صندوق میں محبوس کیا پھر دریا میں ڈالا بعدہٗ دشمنوں کے سپرد کر دیا، پھر موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ایک قبطی مارا گیا جس کے قتل کے باعث آپ کو وطن چھوڑ کر پردیس میں رہنا پڑا، پھر دس برس تک بکریوں کو چراتے رہے اسی زمانہ میں ایک رات کو آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے بجلی چمکنے لگی اور جنگل سے بھیڑیئے نکل آئے، بکریاں بھاگ گئیں، آپ راستہ بھول گئے، آپ کی بیوی کو دردِ زہ کی شدت نے پکڑ لیا، سخت سردی پڑنے لگی، آگ دُور دُور تک نہ ملتی تھی اور سردی اتنی سخت تھی کہ چقماق رگڑنے سے بھی آگ نہ نکلتی تھی، جب تمام طریقے آگ کے استعمال کرنے کے باوجود بھی کامیاب نہ ہو سکے اور حصولِ آگ سے عاجز ہو گئے تو اسی دوران میں غیبی امداد نے دستگیری کی اور آپ نے کہا اِنِّیْ اٰنَسْتُ نَارًا (میں آگ دیکھنا چاہتا ہوں) جب آپ آگ لینے گئے تو وہاں ایک دوسرا گُل کھلا کہ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی وَاَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی ترجمہ (میں آپ کا پروردگار ہوں اپنے دونوں جوتے اُتاریئے کیونکہ آپ پاکیزہ مقام طویٰ پر ہیں اور ہم نے آپ کو چُن لیا اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اُسے غور سے سُنیئے)

اسرار ربوبیت غیر معلوم ہیں اور اگر بندے پر اللہ کے احوال ایک ہی نہج و طریقہ سے ہمیشہ جاری رہتے تو بندے کا علم اپنے خدا کی صفات کا احاطہ کر لیتا حالانکہ اللہ کی صفات کا احاطہ ناممکن ہے (لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ کے احکام اور احوال تمام بندوں پر ایک ہی طرح کے جاری نہیں ہوتے ہے

ہر چہ در خلق سوزی و سازے است | اندراں مر خدائے رازے است

(مخلوق کے اندر جو کچھ بھی سوز و ساز ہے ان کے اندر خدا تعالیٰ کا کوئی نہ کوئی راز ضرور ہے

مکتوب دوم اے برادر! انسان ایک چیونٹی کی مانند جنگلات میں پڑا ہوا یہ خواہش و تمنا کرتا رہتا ہے کہ میں مکہ معظمہ پہنچ جاؤں (اگر وہ اس کے اسباب تیار نہیں کرتا تو اس کا مکہ میں چلا جانا عادۃً) محال ہے۔

رُباعی

دردا کہ غم کوہ بکاہ افتادہ است — معشوق دل مور چہ ماہ افتادہ است

این واقعہ طرفہ براہِ افتادہ است — درویش بعشق بادشاہ افتادہ است

(ہائے افسوس کہ پہاڑ کا غم گھاس کو ہے اور چیونٹی کا دل چاند کے عشق میں مبتلا ہے یہ عجیب واقعہ پیش آیا کہ درویش بادشاہ کے عشق میں مبتلا ہو گیا)

اے برادر! عاشق کو اس قسم کا معشوق چاہیے کہ اگر وہ مہربان ہو تو عاشق سے اپنی مراد حاصل کرے، اگر وہ عاشق پر غضبناک ہو تو عاشق اس سے اپنی مراد پوری کر لے عاشق اور معشوق کی مراد مل کر تمام ہوتی ہے اور عاشق صادق وہی ہے جو اپنی تمام تر خواہشات کو معشوق کے قدموں پر قربان کر دے اور اس کی صلاحیت بجز اس آدمی کے اور کوئی نہیں رکھتا جو دنیا اور آخرت کے تمام مشاغل سے فارغ البال ہو لیکن جس عاشق کو کچھ دوسرے مشاغل ہوں یا اس کے قلب پر اپنی عقبیٰ اور آخرت کا سودا سوار ہو تو وہ اپنے آقا کی اچھی طرح خدمت نہیں کر سکتا، اور بزرگوں نے کہا ہے کہ دنیادار اپنے دنیاوی دھندوں میں لگے ہوئے ہیں اور آخرت کے طلبگار اپنی اُخروی زندگی کو درست کرنے میں ہمہ وقت مصروف ہیں اور دوزخی اُن کاموں میں مشغول ہیں جن کی وجہ سے اُنھیں آخر کار عذاب میں مبتلا کیا جائے گا، پس کون شخص ہے جس کو دنیا اور آخرت میں اپنے آقا کی خبر ہے (یعنی ہر ایک اپنے اپنے کام میں لگا ہوا ہے اور مولا سے بالکل بے خبر ہے)

مکتوب سویم | اے امام مظفر! جاننا چاہیئے کہ اس قسم کا معاملات سے کوئی علاقہ نہیں بلکہ یہ مکاشفات سے متعلق ہے اور مکاشفات کو دائرہ تحریر میں لانے کی فرصت نہیں البتہ جو کچھ لکھا گیا وہ یہ ہے کہ محسوسات کو عالم ملک (دنیا) معقولی موجودات کو عالم ملکوت، موجودات بالقوۃ کو عالمِ جبروت، اور اس سے برتر کو عالمِ لاہوت کہتے ہیں، اس مضمون کو اس عنوان سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے کہ دنیا

کو عالمِ شہادت، ملکوت کو عالمِ غیب اور جبروت کو غیب الغیب کہتے ہیں اور اللہ تعالےٰ غیب غیب الغیب ہے، اس کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے کہ عالمِ دنیا کو عالمِ ملکوت کی لطافتوں سے کوئی نسبت نہیں کیونکہ عالمِ ملکوت نہایت ہی لطیف ہے اور عالمِ ملکوت کی لطافت کو عالمِ جبروت کی لطافتوں سے کوئی نسبت نہیں، اسی طرح عالمِ جبروت کو ذات باری تعالےٰ سے کوئی نسبت نہیں اس لئے کہ خدا تعالیٰ ذات لطیف لطیف اللطیف ہے، عالمِ دنیا اور عالمِ ملکوت کا کوئی ذرّہ ایسا نہیں جس پر عالمِ جبروت محیط نہ ہو اور عالمِ دنیا، ملکوت اور عالمِ جبروت کے ذرّوں سے کوئی ذرّہ ایسا نہیں جس پر خدا کی قدرت محیط نہ ہو۔ اور خدا تعالےٰ اس سے آگاہ نہ ہو وہ لطیف و خبیر ہے وہی لطیفِ مطلق ہے جب وہی لطیفِ مطلق ہے تو محیط مطلق بھی وہی ہے اس لئے کہ جو جتنا زیادہ لطیف ہوگا اُسی قدر وہ محیط بھی ہوگا اسی جگہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ (تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے)

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ ایک دوسرے مقام پر صراحۃً فرماتے ہیں۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (کہ ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

مثنوی

آنچہ توگم کردۂ گر کردۂ ! ہست اندر تو تو خود را پردۂ

(اگر تو نے اپنے کو پوشیدہ کر لیا ہے تو کیا ہوا (ہم جانتے ہیں کہ) تو نے اپنے کو اپنے اندر چھپا کر پردہ ڈال لیا ہے)

اسی وجہ سے مشہود ہے کہ عالم دنیا، ملکوت، جبروت اور خدا تعالےٰ کی ذات تیرے ہمراہ ہیں اور انسان کی حقیقت بھی اسی کی مظہر ہے کیونکہ انسان فی الواقع ربوبیت کی حقیقت کا سر ہے ؎

تا نیامد جان آدم آشکار ره ندانستند سوئے کردگار

رہ پدید آمد چوں آدم شد پدید زو کلید ہر دو عالم شد پدید

(جب تک آدم میں روح آشکارا نہ ہوئی تھی اسوقت تک یہ خدا کی راہ سے ناآشنا

تمھارا راہ کھل گئی جب آدم پیدا ہوئے اور دو عالم کی کنجی ہاتھ میں آگئی)

اس سے زیادہ اس مضمون پر لکھنے کی قدرت نہیں اپنے خاص اوقات میں (خاتمہ) بالایمان کی دعا سے یاد کرلیا کریں۔ والسلام

اے بھائی! تمام کو ترک کردینا حقیقت میں تمام کو پالینا ہے جو شخص تمام سے علیحدگی اختیار کرتا ہے وہ تمام کو پالیتا ہے (اسی لئے عربی کا محاورہ ہے) لن یصل الی الکلّ الاّ من انقطع عن الکل (کہ کُل کو وہی حاصل کرتا ہے جو کُل سے علیحدہ ہوجاتا ہے)

کمالِ عشق کا ثمرہ اور نتیجہ یہ ہے کہ (عاشق کامل کے نزدیک) منع اور عطار، ردّ و قبول، مہربانی اور نفرت برابر ہوں، یہی وہ کمال ہے جس سے بلند اور کوئی کمال نہیں اور جو کمال کہ (مذکورہ چیزوں میں) افتراق اور امتیاز پیدا کرتا ہو وہ فی الواقع کمال نہیں بلکہ ناکارہ پن ہے، اسی کو کسی نے کسی مردِ مہجور کے متعلق کہا ہے

شعر

ہجر تو خوشتر از وصالِ دگراں　　منکرِ شُدنت بہ از رضائے دگراں

(آپ کا فراق دوسروں کے وصال کی بہ نسبت بہتر ہے اور دوسروں کی رضا کی بہ نسبت آپ کا انکار بہتر ہے)

نیز ایسے عاشقوں کے لئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کو رحمت سے دُوری پر اتنا فخر ہے جتنا دوسروں کو رحمت پر، ایسے ہی عاشق کو ایک بار کہا گیا کہ رحمت سے دُوری کا سیاہ کمبل اپنے کاندھے سے کیوں نہیں اُتار دیتے تو اُس نے جواب دیا،

شعر

می نفروشم گلیم می نفروشم　　گر بفروشم برہنہ ماند دوشم

(میں اپنی گدڑی اور کمبل کو ہرگز فروخت نہ کروں گا، اگر میں نے ایسا کیا تو پھر میرا کندھا برہنہ ہو جائے گا)

یہ بات عقل سے بالاتر ہے۔ عقل اس معنی کے سمجھنے سے مادرزاد مفلس د

قاصر ہے، عشق تو خدا تعالیٰ سے اتنی محبت کرنے کا نام ہے جو حدِ جنون تک پہنچ جائے
اس لئے کہتے ہیں کہ دیوانوں کا راستہ اور ہے اور عقل مندوں کا راستہ اور ہے۔

اے بھائی! وہ احوال و کیفیات جن پر تمہارا بھائی چل رہا ہے اگر وہی احوال آپ کو ابتداءً ہی حاصل ہو جائیں تو آپ میں پختگی پیدا نہ ہو سکے گی۔ کسی کیفیت کا ظاہر ہونا اور بعدہٗ اس پر عمل کرنا دو جُداگانہ کیفیات ہیں اس طرح سے اس راہ پر چلنے والا روز بروز پختہ کار ہوتا ہے جیساکہ ہر میوہ پر جب تک دو کیفیات طاری نہیں ہوتیں اس وقت تک وہ پختہ نہیں ہو سکتا۔ ایک سایہ اور دوسرا دھوپ۔ اسی طرح لینا، دینا، جمع کرنا، خرچ کرنا، عدم اور وجود دوگانہ حکمت ہے، دیگر بشری صفات حقائق کے منافی ہیں۔ جب تک انسان میں صفات بشریت باقی ہیں، اسی لئے اس کو بقا نہیں، اس لئے کہ بقا اور فنا دونوں کا اجتماع محال ہے یہاں تک یہ مسئلہ ختم ہو گیا۔

اے بھائی! اپنے قلب کو مضبوط اور ہمت بلند اور اُمید سچّی رکھو اس لئے کہ یہ ایسی دولت ہے جس کے سمجھنے کے لئے فرشتوں اور انسانوں کی عقلیں حیران ہیں شعیب علیہ السلام نے ایک مرد کو مزدوری پر رکھا اور ایک صالحہ خاتون کی خاطر اس سے دس برس کی مزدوری طے پائی۔ اس نے آگ کی تلاش کی تو نورِ قدیم نظر آیا، اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی نعمتوں کی خوشخبری سنا کر خلعتِ نبوت سے سرفراز فرمایا، بتایئے اس بات کو عقل کیا سمجھ سکتی ہے یہ تمام باتیں جو اس مرد کو ملیں وہ کوئی ان چیزوں کے مستحق نہ تھے بلکہ ایسی چیزیں تو خدا کے محض فضل و کرم سے ملا کرتی ہیں۔

دیکھئے! فرعون کے جادوگر (ایک) صبح کو اپنے جادو کے غلط راستوں پر گامزن اور مستغرق اُٹھے اور اپنے جادو کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ستم و جور کی ٹھانے ہوئے تھے، لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آئے تو خدا کی مدد نے انکی یاوری کی اور تھوڑی دیر کے بعد ان کے سروں پر خدا نے اپنی معرفت کا تاج رکھا اور توحید کے تخت پر بٹھا دیا اور انھوں نے اُسی وقت دنیا کی حقارت اور آخرت کی بھلائیوں

کو ملاحظہ کرلیا، غیب سے ندا آئی وَاللّٰہُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی (اللہ ہی کی ذات بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے)

برادرِ من! آپ کو رحمت کے خُم خانہ سے جو عطا کیا جا رہا ہے اس کو گھونٹ گھونٹ کر کے بطیبِ خاطر پیو اور اس انعام کے ملنے پر مستی اور فخر نہ کرو اور سنو

شعر

ہر کراں آفتاب ایں جا بتافت　　　آنچہ آنجا وعدہ بود اینجا بیافت

(جو کوئی بھی آفتاب یہاں چمک رہا ہے یہ اللہ کا وہ وعدہ ہے جس کو اس نے یہاں پالیا) خوش رہو، مبارک ہو اور تشنۂ محبت رہو

شعر

ہست دریائے محبت بے کنار　　　لاجرم یک تشنگی شد صد ہزار

(محبت کا دریا تو ناپید کنار ہے، اس کا ایکبار کا پیاسا لازماً ہزار بار پیاسا ہو)
اس دنیا کے تمامتر کاروبار ہمت پر موقوف ہیں جس کی ہمت جتنی بلند ہوگی اس کی تشنگی بھی اتنی زیادہ ہوگی۔

شعر

ہر کہ صاحب ہمت آمد مرد شُد　　　ہمچو خورشید از بلندی فرد شُد

(جو صاحبِ ہمت ہے فی الواقع مرد وہی ہے، مانند خورشید کی بلندی سے یکتا ہو)
گردشِ ایام میں صبر کے کڑوے گھونٹ پینے کے علاوہ چارہ کار نہیں۔ سختیوں میں جلنا سیکھو ورنہ کچے اور خام رہ جاؤ گے، یہ تیرے لئے نہیں ہے بلکہ تمام سالکین کا یہی طریقہ رہا ہے۔

شعر

تا نگردی نقطۂ دردا ے پسر　　　کے تواں خواندن ترا مرد اے پسر

(جب تک نہ ہو وے تو مجسمۂ درد اے بیٹے، اس وقت تک مجھے مرد کہنا ٹھیک نہیں) اے بھائی! توحید کا راستہ کہ جو مردوں اور بہادروں کا دین ہے یہ

ایک ایسا بیکراں دریا ہے کہ جس میں علم و عقل تمام غرق ہیں۔ کیسا لکھنا اور کہاں کا کہنا اس دریا میں جو پڑتا ہے عالم حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اسکی مثال یہ ہوتی ہے۔

شعر

قطرہ کو غرق در دریا بود ‏ ‏ ‏ ‏ ہر دو کونش جز خدا سوا بود

برادر من! جو آدمی سکر اور غلبۂ عشق میں کوئی بات کہدیتا ہے تو وہ معذور ہے بہترین عادت اس گروہ کی یہ ہے کہ الاستقامۃ علی الشریعۃ مع کتمان السر۔ (کہ شریعت پر ثابت قدم رہنا اور رازہائے سربستہ کو مخفی رکھنا)

اے بھائی! اگر ان تماشا گاہوں میں کسی کو اتفاق سے أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ (آپ نے اس کو دیکھا جو اپنی خواہشات کو خدا بنائے ہوئے ہے) سامنے آئے اور اس کی کیفیت یہ ہو کہ لا کے دائرہ میں بند ہو اور لا کی پاسبانی اور نگرانی کا قیدی ہو تو اچھی طرح سمجھ لے کہ لا کا نگراں اور دربان وہ ہے جس کا نام ابلیس ہے جو لوگوں سے کہتا ہے۔

شعر

معشوقہ مرا گفت نشیں بر درِ من ‏ ‏ ‏ ‏ مگزار دروں ہر کہ ندارد سرِ من

(معشوقہ نے مجھ سے کہا کہ تو میرے دروازے پر بیٹھ جا اور ہر اس ادمی کو اندر نہ آنے دے جو ہمارا رازدار نہ ہو)

اے بھائی! شیطان نے مردود ہو کر عالم ملکوت میں یہ گل کھلائے ہیں کہ متعدد ان لوگوں اور بزرگوں کو گمراہ کر دیا جن کو یقین ہو چکا تھا کہ ہم اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ چکے ہیں۔ سبحان اللہ ایک مہجور فرقت اور جدائی کی مصیبتوں میں مبتلا کا واقعہ سنو!

زاد الارواح میں حضرت وہب بن منبہؓ سے مروی ہے کہ میں نے بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ شیطان نے کوہِ طور کے قریب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی۔ باتوں ہی باتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ابلیس سے فرمایا

کہ تونے جو آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا یہ کوئی اچھا کام نہ تھا، ابلیس نے کہا کہ میں نے جو کچھ کیا وہ اچھا کیا، میں اپنے دعویٰ سے انکار کر کے تمہاری مانند نہیں بننا چاہتا، کیونکہ میں نے دعویٰ کیا تھا کہ خدایا تیرے بغیر کسی کو سجدہ نہیں کروں گا، میں نے سزا تو برداشت کرلی مگر جھوٹ نہیں بولا، اور آپ نے محبت کا دعویٰ کر رکھا ہے چنانچہ اللہ نے آپ سے فرمایا کہ پہاڑ کی جانب دیکھئے اگر وہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو آپ مجھے دیکھ سکیں گے اگر میں آپ کو نہ بچالیتا تو آپ تو ضرور دیکھ لیتے۔

اہلِ محبت اور ذوق کو دنیا میں بہت سے کام اور راز صیغۂ راز میں رکھنے ہوتے ہیں۔ عین القضاۃ حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ تجھے کیا معلوم کہ ابلیس کیا ہے دنیا میں جبرائیل علیہ السلام جیسے اوصاف اختیار کر کے اس کے چوری کے کاموں پر نظر رکھو، اسی لئے کہا گیا ہے۔

شعر

سرتافتہ آں رہ رواز سجدۂ غیراو   گر مرد رہِ اوئی کم زانت نباید بُد

اھلِ محبت کو خوب معلوم ہے کہ دنیا میں الفت و محبت والوں کو کیا کیا مشکلات آتی ہیں، یوسف علیہ السلام جب اپنے باپ کے ہاں سے چلے گئے تو یعقوب علیہ السلام کی یوسفؑ کے فراق میں آنکھیں چلی گئیں چنانچہ جب تک انھوں نے یوسف کو نہیں دیکھا اس وقت تک اس کے دوسرے بھائیوں کو بھی نہیں دیکھا اور جب یوسف علیہ السلام کے پیرہن کی خوشبو پائی تو آنکھوں کی بینائی پھر سے لوٹ آئی اسی لئے کہا گیا ہے۔

شعر

ہر کہ اُو را یوسفِ گُم کردہ نیست   گرچہ ایماں آورد آوردہ نیست

(ہر وہ آدمی جس نے یوسف کو گم نہیں کیا، اگرچہ وہ ایمان دار ہے مگر ابھی تک اس کا ایمان کامل نہیں)

اے بھائی! بفرضِ محال اگر دنیا کے تمام لوگ تیرے دروازے پر حاضری

دیں اور تجھے یہ کہیں کہ جو تیرے دل میں آئے آپ وہ تصرف کریں تو خبردار! اس سے ہوشیار اور مجتنب رہنا کیونکہ دنیا اور آخرت سے جو قوت زیادہ ہے وہ دراصل مجوب اور مستور ہے کہیں ان کی باتوں میں آکر بہک نہ جانا وہی کہتے اور کرتے رہو جو عارف کہتے ہیں۔

شعر

دنیا است بلا خانہ و عقبیٰ ہوس آباد ما حصل ایں ہر دو بیک جو نستانم

سلطان العارفین خواجہ بایزید فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں عیسیٰ کی روحانیت اور موسیٰ کی خدا سے ہمکلامی اور خلیل جیسی خلت عطا کر دی جائے تو اس سے زائد کا مطالبہ کرد کیونکہ اللہ کے خزانوں میں اس سے بھی زیادہ عطائیں موجود ہیں۔

اے بھائی! ہر زمانے میں عالم محبوب سے ہر عاشق کو یہ خطاب ہوتا ہے کہ اے مشرق کے مسافر، اے مغرب کے مجاہد، اے بلندیوں پر نظر رکھنے والے، اے ثریا تک کمند ڈالنے والے تو مجھے جہاں تلاش کرے گا مجھے وہیں پائے گا۔

اے برادر! جب آپ کا خط پہنچا اس وقت بہت شور و شغب تھا، اے بھائی جب امام شبلی سے لوگوں نے پوچھا کہ عارف کے اوصاف کیا ہیں تو فرمایا کہ عارف وہ ہے جو بہرا، گونگا، اندھا ہو۔

اس لئے ہمیں چاہیئے کہ زبان کو قابو میں رکھیں کیونکہ شور و غوغا میں کوئی فائدہ نہیں اور اس بات کے موافق (جو عارف کی تعریف میں گزری) سوختہ جان ہو جانا چاہیئے۔ مصیبتوں کو برداشت، ماتم اور نوحہ کو پی جانا چاہیئے اور ڈکار تک نہیں لینا چاہیئے یعنی بھولے سے بھی ماتم نہیں کرنا چاہیئے اور صبر و تحمل سے زندہ رہنا چاہیئے نیز اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی تو نہیں۔ اور دنیا داروں کا بھی یہ قاعدہ ہے کہ وہ جب تک دنیا میں زندہ رہتے ہیں مندرجہ بالا بات کے بالمقابل روتے رہتے ہیں اور دنیا سے جاتے وقت بھی روتے اور پیٹتے ہوئے جاتے ہیں۔ آج جو قبروں میں سو رہے ہیں وہ قبروں سے اسی کیفیت کے ساتھ اٹھائے جائیں گے جس کیفیت سے مرے تھے۔

اے بھائی! گندگیوں میں ملوث ہونے کے باوجود دعویٰ قدس و طہارت جو خدا کو لائق ہے ہمارے لئے نامناسب اور ممتنع الوجود ہے، یقین کرو کہ گناہوں سے پاک رہنا یا تو پیدائش سے پہلے تھا اور یا ختم ہونے کے بعد ہوگا اسی لئے عارف لوگ کہتے ہیں کہ اُریْدُ عدماً لا وجود لہ (کہ میں عدم کو چاہتا ہوں جسکا وجود نہیں)

اے بھائی! تم نے جس منزل میں قدم رکھا ہے اس منزل کے مرد میدان یہ کہہ رہے ہیں ؎

قد تحیرت فیک خذ بیدی　　یا دلیلا لمن تحیر فیک

(میں تیری ذات میں متحیر ہوں میری امداد فرمائیے اور آپ اس کے لئے دلیل ہیں جو آپ کی ذات میں پریشان ہو جاتا ہے)

اے بھائی! یہ سب کچھ لکھنا اور پڑھنا ظاہری اور بیرونِ پردہ ہے اور درپردہ یہ ہے

رُباعی

چُوں سرِّ ازل طعمۂ ابدال شود　　آں جملۂ قیل وقال پامال شود
ہم مفتیٔ شرع را جگر خوں گردد　　ہم خواجۂ عقل را زباں لال شود

(جب اسرار ازلی ابدال کی غذا بن گئے، تو تمام قیل وقال ختم ہوگئی شریعت کے مفتی کا جگر خون ہوگیا، اور اہل عقل کی زبان بند ہوگئی)

شیخ حسینؒ

۸۲۰ھ ـــــ ۹۰۱ھ

آپ معز بلخی کے صاحبزادے تھے، مشہور یہ ہے کہ آپ اپنے سگے چچا شیخ مظفر کے مرید اور خلیفہ تھے، لیکن آپ کے اپنے بیانات سے اس بات کا ترشح ہوتا ہے کہ آپ شیخ شرف الدین کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے اور شیخ مظفر کے تربیت یافتہ تھے اور اُنہی سے خلافت بھی حاصل کی، اوائل عمر میں دہلی میں رہ کر تعلیم حاصل کی، اس کے بعد درویشوں کے طریق یعنی سلوک کو حاصل کرنے کے لئے بعنایت ایزدی حجاز کا سفر

اختیار کیا اور مدینہ منورہ میں سید الکونین صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اس سعادت سے جو تمام مقاصد کے حصول کی اساس و بنیاد ہے مشرف ہو کر اپنے آبائی وطن واپس تشریف لے آئے آپکے کچھ مکتوبات بھی ہیں جو اپنے شیخ کے نہج پر اور طرز پر ہیں ان مکتوبات میں آپ نے توحید کے اسرار اور گوشہ نشینی اختیار کرنے کو بڑے لطیف انداز سے تحریر فرمایا ہے جن میں سے (مشت نمونہ از خروارے) چند نقل کیے جاتے ہیں جو آپکے تقدس پر مزید روشنی کا باعث ہونگے۔

مکتوب میں ہیچمداں پھوٹتی ہوئی جوانی اور حصولِ تعلیم کے زمانے میں عرصۂ دراز تک معاصی، ذلتوں، خواہشات اور خسران کے میدان میں بنی اسرائیل کی مانند حیران و پریشان گھومتا رہا، اتفاق سے چچا شیخ مظفرؒ نے حجاز کے سفر کا ارادہ کیا، اور مجھے بھی اپنے ہمراہ لے لیا، چچا محترم مسلسل پانچ برس تک اس فقیر کو شب و روز تربیت، ارشاد، حقائق و معارف دکھاتے رہے، اگرچہ میرے اندر اتنی طاقت نہ تھی لیکن جیسا کہ قرونِ اولیٰ کے لوگوں پر اثر ہوا کرتا تھا اسی طرح مجھ پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے قربِ مکانی کا اثر ہوا اور اس قربِ مکانی کی وجہ سے مجھ میں مکمل اور تمام قابلیت پیدا ہو گئی، میں نے جو دیکھا اور جانا اس کو صرف اس حدیث کے ذریعہ بیان کیا جا سکتا ہے۔

لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیراً	اگر تمہیں وہ معلوم ہو جائے جو مجھے معلوم ہے تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔

جب بحکم ایزد ہندوستان واپس آیا تو یہاں آتے ہی ان فیوضات اور برکات میں کمی واقع ہونے لگی۔ اب تقریباً بیس برس ہو چکے ہیں لیکن پوری نہیں ہوئی، طاقت بھی نہیں رہی اور شب ہائے فراق نے عاجز و ناتواں کر دیا ہے اور خدا سے درخواست کرتا ہوں کہ اے میرے رب! کس وسیلہ سے اور کس ذریعہ سے اس دولت کو پا سکتا ہوں جس کے ذریعہ اس جہان میں کامیاب ہو جاؤں اور آسمان غلام ہو جدائی کی سرائے میں دُور رہ کر قیام کرنا اور دوستی و آشنائی کا اظہار کر کے بیگانگی اختیار

کر کے آرام سے بیٹھ جانا نہ محبت کی اور نہ ہی ایفائے مودت کی علامت ہے

رُباعی

بیچارہ دلم شکستہ تا کے باشد
وز زخم فراق خستہ تا کے باشد

در آرزوئے کسی کہ بے او خوش نیست
برخیز د بجو نشستہ تا کے باشد

(میرا دل بیچارہ کب تک ٹوٹا رہے گا اور فراق کے زخم سے کب تک خستہ رہے گا۔ دل کسی آرزو میں ہے جو اس کے بغیر خوش نہیں رہتا، آپ اس کو کھڑا ہونے کو کہیں یہ کب تک بیٹھا رہے گا۔

شعر

عاقبت سر بہ بیاباں بنہد چوں سعدی
ہر کہ در سر ہوس چوں تو غزالے دارد

(آخر سعدی کی مانند وہ جنگل کا راستہ اختیار کریگا، جس کے سر میں تجھ جیسے معشوق کی ہوس سوار ہوگی)

مکتوب خطۂ عرب کی فضیلت محقق و مقرر ہے۔ مکتوباتِ جدیدہ میں جو شیخ کی خدمت میں مغرب کے بارے میں لکھے گئے ہیں ان میں یہ شکایت کیگئی ہے کہ اس علاقہ میں کسی کام میں کس طرح ہاتھ ڈالوں، اب کیا کروں جب تک عرب میں تھا تو (وہیں رہنے کے لئے قلبی طور پر) پابند تھا اور جب عرب سے یہاں آگیا تو پاؤں کی قوت اور طاقت نے جواب دیدیا ہے اور اب ہندوستان میں مجبوراً پڑا ہوں (یعنی اب اگر چلنے کی طاقت ہوتی تو پھر وہیں لوٹ آتا)

شیخ فضل اللہ نے یہاں چالیس برس گزارے اور کچھ نہ کر سکے پھر اُنھیں ارشاد ہوتا ہے کہ عرب جاؤ وہاں پہنچنے کے بعد ان پر وہ عنائتیں ہوئیں جن کو بذریعہ تحریر بیان نہیں کیا جا سکتا۔ میں شیخ مظفر سے ان کی زندگی ہی میں ان سے علیحدہ ہوگیا تھا ایک روز میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا،

مولانا! صاحب مشرب اور اصول و قانون سے واقف ہوگئے ہو اب ہم سے علیحدہ رہنے میں تمہیں کوئی نقصان نہیں، چنانچہ میں ان کے ہمراہ عرب سے واپس آرہا تھا کہ راستہ ہی میں آپ فوت ہوگئے۔ آپ نے ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی خواب میں زیارت کی تو نبی علیہ السلام نے آپ سے فرمایا کہ تم اب واپس چلے جاؤ اور دوبارہ اپنے بچوں سمیت آنا، چنانچہ دوسری مرتبہ چچا صاحب ہم سب لوگوں کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ میں نے قیام مکہ کے زمانہ میں چچا سے کہا تھا کہ میں مکہ اور مدینہ کی فضیلت پر ایک رسالہ تحریر کروں گا، لیکن اب اُسے کون سمجھے گا اگر چچا جی زندہ ہوتے تو ضرور لکھتا

شیخ حسین کے بعض دوستوں کو شیخ کے صدقہ اصل قانون اور ضابطہ کار کا طریق معلوم ہوا ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ دنیاوی خواہشات (جو شریعت سے ٹکراتی ہوں) کی مخالفت کرنا اور اُخروی زندگی کے کاموں کی تکمیل کے لئے مشغول ہوجاتا ہے جس کو دوسرے معنوں میں ذکر اللہ اور یاد الٰہی کہتے ہیں جو تقرب الی اللہ کے لئے معین و مددگار ہے

اشعار

کافر نفست چوں زبوں شد	گر ہمہ کفرے ہمہ ایماں شدے
دمے کہ با تو برآرم سعادت ابدست	شبے کہ بے تو گزارم مرا چہ روز بداست
اوصاف ذمیمہ چوں بدل شد	ہر عقدہ کہ در تو بود حل شد

(تیرا نفس کافر جب فرمانبردار ہوجائے تو تمام کفریات ایمانیات سے بدل جائیں، تیری یاد میں ایک سانس بھی سعادت ابدی کا باعث ہے، تیرے بغیر ایک رات گزارنا بدبختی ہے۔ جب میرے اوصاف تبدیل ہوجائیں تو تمام مشکلات ختم ہوجائیں)

صوفیا کا تمام علم ان تین شعروں کے اندر موجود ہے اگر نیک بختی ساتھ دے اور آدمی عرب کا سفر کرے تو اُسے مبارک اور صد مبارک اس لئے کہ عشق میں مسافت کی درازیوں اور لمبائیوں کو طے کرنا بڑا سہل اور آسان ہوتا ہے اور کارکنانِ قضا و تقدیر کا یہ اعلان ہے کہ

ما شغلك عن الحق فهو طاغوتك	کہ جو چیز تجھے راہِ حق سے ہٹادے وہ تیرا شیطان ہے۔

میں یہ نوشتہ تمام دوستوں کو دے کر خدا کے سپرد کرتا ہوں،

اِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا	بیشک بہتر زادِ راہ تو تقوی ہی ہے اور

اور اللہ تعالےٰ کافی کارساز ہے۔

شعر

گر خیل و سپاہ حسبی اللہ ۔۔۔ در پشت پناہ ربی اللہ، والسلام

(اگر گھوڑے اور لشکر ہوں تب بھی حسبی اللہ، اور اللہ ہی معین و مددگار ہے)

نیز آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ سے سنا تھا انہوں نے حجاز میں قیام کے زمانے میں فرمایا کہ ہندوستان میں کوئی مردِ خدا نہیں ہے، میں نے عرض کیا کہ دنیا میں ایسی کوئی بھی جگہ نہیں جہاں کوئی مردِ خدا نہ ہو کیونکہ اسی مردِ خدا کی وجہ سے وہ آبادی برقرار رہتی ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ آپ سچ کہتے ہیں مگر آپ کو ایک مغالطہ ہوا ہے وہ یہ کہ جن لوگوں کے دم و خم سے آبادیاں برقرار ہیں وہ لوگ مردِ صالح ہیں اور وہ ضرور موجود ہیں مگر مردِ خدا تو کچھ اور ہی ہوا کرتا ہے اگر ہندوستان میں مجھے کوئی مردِ خدا معلوم ہوتا تو میں اسکا مجاور اور خدمت گزار ہوتا

مکتوب حق کے طلبگاروں کے لئے تین اصولوں کی پابندی از بس ضروری ہے۔

(۱) ہمیشہ بھوکا رہنا، روزہ کی حالت ہو یا نہ ہو، بھوک ہی وہ بنیادی حکم ہے جس پر دیگر چیزوں کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے اس کے علاوہ اور کوئی اتنا عظیم اصول نہیں ہے۔ چونکہ سلوک کا دار و مدار ہی بھوک پر ہے اس لئے اس سے روگردانی اور صرف نظر نہ کی جائے۔ ذوق و شوق کی بنیاد بھی بھوک پر ہے، جو لوگ قوی ہیں وہ بھی اگر روزہ نہ رکھیں تو بھوکے رہیں، اور جو مبتدی نو آموز یا کمزور ہے وہ بھی بھوک کی خاطر روزہ رکھے، خلاصہ یہ ہے کہ تمام کاموں کی بنیاد بھوک ہے۔ (۲) دل لگا کر خدا کی عبادت میں مشغول رہنا (۳) فضول باتوں کو ترک کر دینا، انہی تینوں چیزوں کے انبیاء اور اولیاء حامل تھے، ان تین چیزوں کی بدولت جو ذوق پیدا ہوتا ہے حقیقت میں وہی ذوق ہے۔ نفس اپنی جگہ اور شیطان اپنی جگہ بہکانے اور گمراہ کرنے کے درپے ہیں مگر جب انسان کے اندر یہ تینوں چیزیں جمع ہو جاتی ہیں اس کے لئے نفس و شیطان اور دیگر مخلوق سے محفوظ رکھنے کے لئے قلعہ کی مانند ہیں کیونکہ ان تین چیزوں

کے ساتھ خدا کا فضل شامل حال رہتا ہے۔

مکتوب در پند فرزند بیٹے! قاضی امجد آپ نے کچھ کہنے اور مفید باتیں تحریر کرنے کی درخواست کی ہے یہ بات پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی، بزرگوں نے اگرچہ کوئی بات ایسی نہیں چھوڑی جس کو لکھا اور کہا جائے تاہم میں فقط اتنی ہی نصیحت کرتا ہوں کہ آپ اپنے نفس کو ہمیشہ اپنا دشمن سمجھیں اور خواہشات نفسانیہ کے خلاف مسلسل اپنی کوششوں کو مصروف بکار رکھنا، کام میں مشغولیت کو خدا کی نعمت سمجھو، جس کا طریق کار یہ ہے کہ اپنے قلب و جگر کو اپنا رقیب جانو اور جتنا وقت خدا کی یاد میں گزارو اسے اسلام سمجھو اور جو وقت خدا کی یاد سے غفلت میں گزرے اُسے اعتقاداً نہیں بلکہ اعتباراً کفر سمجھو۔ اتنی باتیں تو دشمن سے بچنے کے لئے لکھی گئیں علاوہ ازیں اپنے ہاتھ پاؤں کو صغائر اور کبائر سے محفوظ رکھو اور لیل و نہار توبہ ہی تجدید کرتے رہو، دل کے حالات کی کھوج لگاؤ اور ہم سے جتنے وظائف حاصل کئے ہیں اُن کو پابندی سے پڑھتے رہو۔ تمام کاموں کی اصل اور بنیاد توبہ ہے اور توبہ کے مقامات کی مثال اس زمین کی ہے جس پر ایک عمارت بنائی گئی ہو (اس کے اوپر جتنی بلند چاہے مزید عمارت بنائی جا سکتی ہے) اور جس کے پاس زمین ہی نہ ہو وہ عمارت کہاں تعمیر کریگا، مجھے اور آپ کو سب سے اہم اس بات کی پابندی کرنا لابدی اور لازمی ہے کہ اپنی آنکھ، ناک، کان، ہاتھ اور زبان کو تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بچائے رکھیں اور شب و روز اسی تصور میں گم رہیں کہ آج ہماری زبان پاک ہی یا نہیں نیز اسی طرح یہ بھی معلوم کریں کہ ہاتھ پاؤں بھی محفوظ رہے یا گناہوں کی گندگیوں میں ملوث ہو گئے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ گناہ کی گندگی میں کوئی عضو مبتلا ہو گیا تھا تو فوراً توبہ کیجائے اور ایمان کی تجدید کر کے فوراً خدا کی عبادت میں مشغول ہو جانا چاہیے، اگر آپ اس فکر میں مشغول اور اسی غم میں مسحور رہے تو تمام مخلوقات کی نیکیوں (کا ثواب) آپکے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا، اس زمانے میں حلال روزی کھانے والا اور گناہوں سے پاک رہنے والا ہمارے زمانے کا جنید ہے اور تدبر اور تفکر سے کام لیا جائے تو یہی

اصل اور خلاصۂ کلام معلوم ہوگا باقی دوسری باتیں تو ایسی ہیں جیسے پانی پر لکیر (جو فوراً ختم ہو جائے گی) جب بھی یہ دولت حاصل ہو جائے تو شکر واجب لازم ہے اور اگر یہ نصیب نہ ہو سکے تو پھر شریعت پر چلتا رہے اس لئے کہ جو دنیا کی زندگی میں شریعت پر چلتا رہے گا وہ کل پلصراط پر بھی سلامتی سے گزر جائے گا اور جو شخص دنیا میں شریعت پر چلنے میں لغزش کھاتا رہے تو وہ کل کو پلصراط پر بھی یقیناً لغزش کھائے گا

شعر

دوزخ و جنت ازیں جا می برند　　　راحت و محنت ازینجا می بُرند

(دوزخ و جنت پر تو اسی دنیا میں لوگ چلتے ہیں۔ راحت و مشقت بھی اسی دنیا میں اُٹھاتے ہیں، یعنی آخرت میں یہیں کی کمائی کا ثمرہ پیش کیا جائے گا۔ دوزخ و جنت اور آخرت کی راحت و مشقت وہ دنیا ہی کے کاموں کا نتیجہ ہوگا کوئی نئی چیز نہیں ہوگی) جہاں تک ہو سکے شریعت کے حدود میں رہ کر اس پر ثابت قدم رہو تاکہ اندرونی اور بیرونی سعادتوں کو حاصل کر سکو۔ آہ تمام عمر فسق و فجور میں گذر گئی اور عمر بھر میں ایسی دو رکعات بھی نصیب نہ ہو سکیں جو خدا کے دربار میں منظور و پسندیدہ ہوتیں اور نہ ہی کوئی ایسا روزہ نصیب ہو سکا جس کو فی الواقع روزہ کہا جا سکے، ہماری حالت تو یہ ہے کہ صبح کو مسلمانوں کی مانند اُٹھتے ہیں اور دن بھر (کافروں کی طرح) گناہوں میں مصروف رہتے ہیں اور رات کو سوتے وقت پھر اسلام لاتے ہیں۔

رُباعی

فسق است و فجور کار ہر روزۂ ما　　　پُر شد ز حرام کاسہ و کوزۂ ما

می خندد روزگار و می گوید عمر　　　بر طاعت و بر نماز و بر روزۂ ما

(ہمارا دن بھر کا مشغلہ فسق و فجور ہی ہے، ہمارا لوٹا اور پیالہ حرام سے بھرے ہوئے ہیں، زمانہ تو ہنس رہا ہے اور عمر ہماری اطاعت، نماز اور روزہ پر رو رہی ہے)

اب تو طاعت و عبادت کا غم نہیں بلکہ ہر وقت یہی فکر دامنگیر رہتی ہے کہ ایمان کی تجدید کر کے کلمۂ شہادت پڑھتا رہوں تاکہ بوقت مرگ اسی کا ورد زبان

پر رہے۔ اگر ایمان لسانی اور توحید زبانی کی بھی توفیق نہ ہوئی تو اس میدان سے یہ کہتے ہوئے رخصت ہو گئے

شعر

در مجلس وصالت خمہا کشند مرداں چوں دور خسرو آید مئے در سبو نماند

(آپ کی وصل کی مجلس میں لوگ پیالوں پر پیالے چڑھا گئے لیکن جب خسرو کی باری آئی تو اُس وقت صراحی میں شراب ختم ہو چکی تھی)

اب عمر کا آخری وقت ہے زندگی کی اکہتر بہاریں گزر چکی ہیں اب کسی ماہ و سال کی اُمید نہیں تمام دوستوں میں سے فقط ایک دوست ہے جو اپنی پاکیزگی میں مصروف ہونے کے باوجود بوقت فراغت اس مفلس، بے نوا، پُرانے بت پرست اور نفس امارہ کی قید کے مبتلا کو اپنے شیخ کی محبت کی وجہ سے جس دن اور جس وقت یہ فقیر یاد آئے سلامتی ایمان و توحید اور خیر و عافیت کی دعاؤں سے یاد رکھے (اسی طرح) دوسرا خط ایک متلاشی راہِ حق کو تحریر فرمایا جس میں لکھتے ہیں کہ ایک اسم الٰہی مقرر متعین کر کے پڑھا کرو، برائے نام آپ کو بہت سے درویش ملیں گے لیکن وہ فی الواقع شعبدہ باز اور ریا کار (بے دین لوگ) ہیں۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کا گھرانہ نہ ملمع ساز تھا اور نہ ہے، آپ کے درِ دولت سے لوگوں نے طریقت کا درس لیا اور اور ماسوی اللہ سے الگ رہنا سیکھا، آپ فرمایا کرتے تھے

شعر

بولایتِ محبت صفریست عاشقاں را بجہاں چہ دید آنکس کہ ندید ایں جہاں را

(محبت کی سلطنت میں وہ عاشق تہی دامن رہے، جنھوں نے اس جہان میں اس جہاں کو نہ دیکھا)

جو قدم راہِ حق پر نہیں اُٹھایا گیا اس قدم کے اُٹھانے کی محنت و مشقت بیکار ہے ایسے آدمی کو چاہیئے کہ وہ روئی دُھنتا رہے اسی میں اس کے لئے نماز، روزہ اور دیگر عبادات سود مند ہیں۔ مَردوں اور ہیجڑوں کے کام میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔ فرشتوں کو بت پرستی سے کوئی تعلق نہیں، جو چیز آپ کو صحیح راستہ سے

رد کے وہی آپ کا طاغوت ہے۔ والسلام

مجھے لوگوں کے التفات وعنایت کی پرواہ نہیں، خیریت وسلامتی اسی میں ہے کہ انسان خود مضبوط رہے اگر بیت خانہ سے بھی نصیحت اور خیر و بھلائی کی آواز آئے تو اسے بھی قبول کر لینا چاہیئے۔ جوانی کے زمانے میں بڑھاپے کے آنے کی فکر نہ کرو۔ کسی ایک ماہ میں مرض کے دو تین چکر لگانے سے فکر نہ کرو۔ کام کرتے رہو خیریت سے رہوگے اصل کام عادت کو تبدیل کر کے اچھے کاموں میں مشغول ہونا ہے۔

اس کی مثال وضو کی سی ہے اگر وضو نہیں ہوگا تو نماز وغیرہ بھی درست نہ ہوگی کیونکہ اصل چیز طہارت ہے (اور فقدانِ طہارت سے عبادت مردود ہوتی ہے) اسی طرح اگر سلوک میں طہارت حاصل نہ ہوگی تو کچھ بھی نہ ملے گا، آپ نے جو یہ لکھا ہے "کہ سردی سے تکلیف ہوتی ہے اگر اجازت ہو تو کپڑے پہن لیا کروں" تو اس کے بارے میں عرض کرتا ہوں کہ لباس، کفن اور خرقہ پہننا یہ ایک رسم ہی اور فقیر تو ایک بلند منزل کا متمنی اور طلبگار ہے اسے کپڑے پہننے کا کوئی اختیار نہیں۔ اللہ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا، جو چاہو پہن لو۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ طالبِ حق کو جہاں کسی ظاہری صورت سے سمجھنے میں اشکال ہو تو اس سے انکار یا اس پر اعتراض کرنا موجودہ مرتبہ تک رسائی حاصل کرنے کی ناشکری ہے ہمارے اکا بر بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جب تم بھوکے ہو اور کہیں سے غذا مل جائے تو پیٹ بھر کر نہ کھاؤ بلکہ آدھی بھوک باقی رکھو، اسی طرح اگر پیٹ بھرنے کے لئے پانی میسر ہو تو اُسے بھی سیر ہو کر نہ پیو کیونکہ اس سے بھی بجز توفیق الہٰی کے کوئی فائدہ نہیں ہوتا (جب اصل کارگر اور کارفرما توفیق الہٰی ہے تو دوسری چیزوں سے سیری حاصل نہ کی جائے) یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ ہمیشہ پانی پیتے رہنے سے حرارت میں اضافہ ہوتا ہے اور پیاس تر تر ہوتی رہتی ہے۔ جب بہت بھوک ہو یا پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہو تو معمولی مقدار میں پانی استعمال کر لیا جائے لیکن اصل بات وہی ہے کہ زیادہ تر بھوکا ہی رہنا

مناسب ہے اس لئے کہ آدمی خوب سیر ہو کر کھاتا ہے اور اسی طریقہ پر برسہا برس گزار دیتا ہے تو بعض اوقات اس میں فائدہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

اس کے برعکس اتنا بھوکا رہنا جو ہم نے لکھا ہے یا اتنی شب بیداری جس میں تجدید وضو کی ضرورت ہی نہ پڑے یا تھوڑی دیر سونے کے بعد جاگنا اور وضو کر کے رات جاگتے جاگتے عبادت میں گزار دینا، یہ سب چیزیں سودمند اور نافع ہیں ان کے ذریعہ دل کی صفائی اور حیا پیدا ہوتی ہے اگر قلتِ کلام ربط اور ذکر یکجا جمع ہو جائیں تو اُن کے ذریعہ سے بھی قلب کی صفائی ہوتی ہے اور یہ بات تجربہ شدہ ہے کہ گریہ وزاری آہ و بکا بالکل بیکار ہے، اصل بات تو دل کی حفاظت کرنا ہے کیونکہ یہی بلند تر درجہ ہے جس کے لئے جسمانی قوت اور اوائل جوانی کا زمانہ درکار ہے، شبانہ روز میں سے کھانے کا ایک وقت مقرر کیا جائے اور اس کے بعد اپنے دل کو تمام چیزوں سے فارغ کر کے رات کو حضورِ قلب سے اللہ کی معرفت کی کوشش اور سعی کرے اور اللہ کے حرکات و سکنات، اقوال وافعال، عزت و دبدبہ کا مشاہدہ کرے (اس لئے کہ خدا کا ارشاد ہے)

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ | تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔

(اور اتنی کوشش کرے کہ وہ اس آیت کا مصداق) کھلم کھلا دیکھ لے، اگر اس مقام تک رسائی حاصل کرے اور اکثر و بیشتر اوقات اسی فکر میں لگا رہے تو اس مشغولیتِ حق کو تمام دولتوں سے عظیم ترین دولت سمجھے۔

شعر

ہر کہ در د اہلِ ہنر در اصلِ عیب | آفتابے دارد اندر جیبِ غیب
عاقبت روزے بود کاں آفتاب | در برش گیرد بر اندازد نقاب

(جو شخص اہلِ عیب میں سے اہلِ ہنر ہو گیا ہے دراصل وہ ایک پوشیدہ آفتاب کا حامل ہے، انجام کار وہ خود ایک دن آفتاب بن جائے گا اُسی کے دروازے کا ہو جا ورنہ وہ کسی دن غروب ہو جائے گا)

اگر کوئی شخص اس مشغولیت سے محروم رہ جائے تو وہ درد سے واویلا نہ کرے اور اس مشغولیت سے حرماں کے سبب تمام اوراد و وظائف سے محروم نہ ہو جائے اگر وہ چیز نہیں ملی تو اوراد و وظائف پر ہی اکتفا کرے۔

شعر

از بخت بدم اگر فرو شد خورشید
از نور رخت مہا چراغی گیرم

(اگر میری بدبختی سے چاند غروب ہو گیا (تو کیا ہوا) اے چاند تیرے نور کی بجائے میں ایک چراغ سے روشنی حاصل کر لوں گا۔

جب آپ کاروبار بہادر اور شیر قسم مردوں کی مانند معرض وجود میں نہ آئے تو اس عجز سے ناامید نہ ہو جانا چاہئے بلکہ کام میں مردانہ وار مشغول ہو جانا چاہیے اپنی جانب سے اپنے تمام افعال واقوال، حرکات وسکنات میں اس امر کی پوری کوشش کی جائے کہ راہِ حق میں کسی چیز کو ترک نہ کیا جائے اور ہر وقت ایسے کام کرتے رہنا چاہیے جو سچے اور حق ہیں، اس طرح سے انشاء اللہ دین اور دنیا دونوں عالم میں کامیابی ہوگی۔

مکتوب اللہ تعالیٰ بلند ہمت اور اپنے عزم میں پیکر استقلال لوگوں کو محبوب رکھتا ہے اور گھٹیا وردی قسم کے لوگوں کو ناپسند کرتا ہے اور بلند ہمتی یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنی ہمت کی پرواز کا رُخ خدا تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کی طرف کرے، شیخ عبداللہ تستریؒ اپنے نفس کو خطاب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ اے عبداللہ! دنیا میں اپنی خواہشات اور اپنے نفس کی مخالفت جیسی اور کوئی چیز نہیں ہے، یہ قوم (مراد صوفیائے کرام) اپنے نفسوں سے اس طرح لڑائی اور جنگ کر رہے ہیں کہ قبر تک جانے تک صلح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، اگر کسی وقت اپنے نفس کی موافقت کرتے ہیں تو وہ بھی ظاہراً نہ کہ اعتقاداً اور باطناً اور ظاہراً یہ لوگ زنار پہنتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ظاہر کو باطن کے ہم آہنگ کر دیا جائے تاکہ نظاہر نفاق کی صورت

بھی لازم نہ آئے، قرآن مجید میں ہے -

اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ	کیا آپ نے اس کو دیکھا جو اپنی خواہش

کو اپنا خدا بنائے ہوئے ہے -

جملہ کائنات سے دل برداشتہ ہوکر دلجمعی سے خدا کی جانب متوجہ ہو جانا اولیاء در انبیائے کرام کا کام ہے، اور تمام دنیا چند ایکڑ زمین اور معدودے لقموں کے چکر میں پھنسی ہوئی ہے اور خوش و خرم نظر آتی ہے لیکن یہ زمین اور قریہ ان کی دلجمعی کا سبب نہیں ہیں، دنیا والے اللہ والوں اور فقیروں سے اتنا ڈرتے ہیں کہ اتنا خدا سے بھی نہیں ڈرتے، اور دنیا میں کوئی ایسا آدمی نہیں جو تمام دنیا سے اپنے اعتقاد کو ہٹا کر صرف خدا تعالیٰ کی ذات پر کلی اعتماد و اعتقاد خالی ایک ماہ یا چھ ماہ تک بھی کر سکتا ہو (اگر کوئی اس طرح کر کے دکھائے) تو کافروں کو معلوم ہو جائے کہ خدا پر اعتماد کرنے والوں کو خدا ضائع نہیں کرتے (یعنی ایسے آدمی کی خدا تعالیٰ ضرور معاونت فرماتے ہیں) بہادر اور جوانمرد بنو تاکہ اہل دنیا سے الگ رہ سکو، اور خدا تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ کرو تاکہ وہ تمہیں اس طرح بلند رتبے عطا کرے، جس طرح تمہیں چھوٹے سے بڑا کیا اور بچپن سے جوانی دی -

مکتوب - خدا کی معیت مخلوق کے ساتھ

دوستو اور بھائیو! میں اس مکتوب کے اندر ربوبیت و الوہیت کے اسرار کو بیان کروں گا، ہر وہ شخص جو شیخ الاسلام شیخ مظفر کے نقش قدم پر چلتا ہے وہ حق پرست ہوتا ہے اور باطل پرستی سے اسکا کوئی علاقہ نہیں ہوتا، آپ ہی نے ان اسرار سربستہ کو کھولا اور پھر انھیں زنادقہ کے خیالات باطلہ سے ملوث نہ ہونے دیا -

وَهُوَ مَعَكُمۡ اَیۡنَ مَا كُنۡتُمۡ	تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے

اس کے ظاہری معنی تو یہی ہیں کہ تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے، ایک شئے کو دوسری شئے کے ساتھ ہونے کو معیت کہتے ہیں، اور یہ معیت دو قسم پر ہے

ایک حقیقی، دویم مجازی۔ علمائے محققین کی رائے ہے کہ اس آیت میں معیت مجازی مراد ہے، اس لئے کہ اللہ تعالےٰ دنیا کی کسی شئے کے ساتھ باعتبار جسد و ذات کے نہیں بلکہ خدا کی معیت دنیا کی چیزوں کے ساتھ باعتبار علم و قدرت کے ہے چنانچہ متکلمین بھی یہی کہتے ہیں لیکن صوفیائے کرام اس کے ظاہری معنی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس کے حقیقی معنےٰ تلاش و طلب کرتے ہیں۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ خدا کی معیت تمام چیزوں کے ساتھ باعتبار ذات کے ہے لیکن اس بات کا خیال ضرور رکھا جائے اس کی معیت اس طرح نہیں جیسے ہمارے ہاں ایک جسم دوسرے جسم کے ساتھ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا جسم نہیں، اور نہ ہی خدا کی معیت کا مطلب یہ ہے کہ جیسے جواہر کی معیت جواہر کے ساتھ ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالےٰ جوہر بھی نہیں اور نہ ہی اس کی معیت کا مطلب یہ ہے کہ جیسے عرض کو جوہر سے معیت ہوتی ہے اس لئے کہ وہ عرض بھی نہیں چنانچہ متکلمین نے ان ہی تین چیزوں کی معیت سے خدا کی معیت کو جداگانہ قرار دیا ہے۔ لیکن صوفیائے کرام خدا کی معیت مخلوق کے ساتھ ایک چوتھی قسم کی معیت سے ثابت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا کی معیت شئون سے اس طرح ہے جس طرح روح کی معیت جسد کے ساتھ، اس لئے کہ روح نہ قالب کے اندر ہے اور نہ باہر نہ قالب سے متصل اور نہ ہی منفصل، بلکہ روح اور جسد دونوں علیحدہ علیحدہ عوام سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس طرح روح کو جسد میں داخل خارج متصل اور جدا ہونے سے کوئی نسبت نہیں اور ان میں سے کسی ذرّے میں حقیقۃً ذاتی اعتبار سے روح موجود نہیں لیکن تمام دنیا کو معلوم ہے کہ روح جسم میں پائی جاتی ہے، بالکل اسی طرح اللہ تعالےٰ کی ذات کا حال ہے۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ۔ جس نے خود کو پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو بھی پہچان لیا اس میں اسی سر کی طرف اشارہ ہے۔ اس جگہ ایک اشکال ہو سکتا ہے وہ یہ کہ اس طرح تو خدا تعالیٰ کی ذات تمام ناپاک اور گندے مقامات پر بھی موجود ماننی پڑے گی جو بظاہر ممکن ہے۔ صوفیائے کرام جواب میں فرماتے ہیں کہ اس بات پر جمیع اُمت

مسلمہ کا اتفاق ہے کہ تمام ناپاک اور گندی چیزوں کو خدا تعالیٰ ہی نے پیدا فرمایا ہے اور اسی کی حفاظت کے بغیر ان چیزوں کا بقا ناممکن ہے تو اس قسم کی معیت سے خدا کی ذات میں کوئی عیب لازم نہیں آتا۔ نیز یہ بھی سب جانتے ہیں کہ فعل بغیر فاعل اور صفت بغیر موصوف کے وجود میں نہیں آیا کرتے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ روح حاکم ہے اور جسم کے تمام اجزار میں موجود ہے جسم کے تمام اجزار اور حیات وغیرہ تمام اسی کے ہاتھ میں ہے، اسی اعتبار سے جسم کی اندرونی کیفیات مثلاً خون وغیرہ روح کی طہارت پر اثر انداز نہیں ہوسکتیں۔ متکلمین اللہ واحد کی معیت کو سمجھ نہ سکے، بلا تقدیر تجزی وتقسیم وحلول تمام ممکنات نہیں ماننے میں تاویل کرتے ہیں واللہ الھادی الی الصواب۔

مثنوی

گفت تو کے دیدی آں رخسار را چشم مجنوں باید آں دیدار را

تا نیابد عشق مجنونے بدید کے بود لیلےٰ بجا تو نے پدید!

گر بچشمِ من نہ بینی روئے او تو نیا سازی ز خاکِ کوئے او

(تو اس حسین رخسار کو نہیں دیکھ سکتا اسے دیکھنے کے لئے تو مجنوں جیسی آنکھیں درکار ہیں جب تک تیرے اندر عشق نہیں تو کسی مجنون کو دیکھ تاکہ اس سے لیلےٰ کے مقام کا اندازہ کر سکے اگر تو اسے میری آنکھوں سے نہیں دیکھتا تو پھر اس کی گلی کی خاک کو سرمہ سمجھ کر اپنی آنکھوں میں ڈالیئے)

جب بڑے باہمت لوگوں کی سعی اور کوشش اپنے مقصد کو طلب کرنے میں کوتاہی کرنے لگی تو میں نے انھیں تحریص دلانے کے لئے اپنے قلم کو ہاتھ میں لیا تاکہ جو لوگ قلب کی صفائی سے محروم ہیں ان کو مولےٰ کے اسرار کے مراقبہ سے آگاہ کردوں تاکہ وہ لوگ اپنے وجود کو خدا کے ساتھ اور خدا کی ذات کو اپنے ساتھ سمجھیں جو لوگ خدا تعالیٰ کو اپنے سے دور سمجھتے ہیں وہ بے ادب اور احکام خداوندی کے مخالف ہیں اسب سے زیادہ محروم وہی لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کو اپنے ساتھ نہیں سمجھتے۔ والسلام

مکتوب ، اللہ کے حقیقی ناموں کے بیان میں

اے بھائی ! موحدین کی اصطلاح جو شرح آداب المریدین میں ہمارے شیخ کی مشہور و معروف کتاب منازل السائرین سے لی گئی ہے آپ کو معلوم ہی ہے کہ اسم حقیقی میں ذات باری تعالٰی ہے اور جب تک موحدین کی اصطلاح نہ معلوم ہو جائے اُس وقت تک اللہ کے حقیقی اسمار اچھی طرح فہم میں نہیں آ سکتے ، انشاء اللہ (ہمارے اس مکتوب سے) اسمار حقیقی کی وضاحت ہو جائے گی ۔ اس کو اولاً ایک مثال سے سمجھو کہ ایک جگہ ایک گہرا پانی ہے جو ذات صفات ، اسباب ، نفس اور ہستی سے موصوف ہے یہی پانی تمام نباتات کو سیراب کرتا ہے اور تمام جگہوں پر گھوم جاتا ہے اور دیگر ضروریات (مثلاً پینا ، نہانا ، برتن و کپڑے وغیرہ صاف کرنے) میں کام آتا اور استعمال ہوتا ہے ۔

یاد رکھو ! کہ پانی کی ہستی اس کی ذات ہے اور اس کا نفس عموماً استعمال ہوتا ہے یہی پانی تمام نباتات میں ایک خاص قسم کی تاثیر رکھتا ہے اور اپنی ذات کے اعتبار سے تمام درختوں وغیرہ کو نشو ونما دیتا اور پھلوں کے اندر مختلف الوان اور مزے پیدا کرتا ہے ، اور یہ پانی کے اوصاف ہیں ۔ پھل ، پتہ ، شاخ ، کانٹا اور پھول میں پانی ہی کی صفات اثر انداز ہیں ، اور وہ اپنے اثر ہی کے ذریعہ مختلف رنگوں اور شکلوں میں جلوہ گر ہے ۔

پانی کے اندر چونکہ یہ تاثیر ہے اس لیے اس کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے اور اسی وجہ سے اس سے امتیازات حاصل ہوتے ہیں یہ اسمار ہیں اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ اس کے من وجہِ اسمار ہیں اور وہ حقیقی اسمار ہیں جن سے مرتبہ بمرتبہ امتیاز حاصل ہوتا ہے اور ان اسمار حقیقیہ پانی تو علامت ہے اور وہ عین اس کے نام ہیں جو اس سے علیحدہ نہیں ہوتے اور پانی کی تاثیرات فی الواقع پانی ہی ہیں جو دونوں مرتبوں کا مجموعہ ہے پانی کی ذات کو اسی لیے صورتِ جامعہ کہا جاتا ہے اور دوسرا نام عالم اجمال ہے اور پانی کی تاثیر کو صورتِ متفرقہ اور عالم تفصیل کہتے ہیں کیونکہ پانی میں ہزار ہا شکلیں اور صورتیں موجود ہیں اور وہ تمام صورتیں پانی ہی کا کمال ہے ، پس اگر تو کسی قسم کے نباتات کو دیکھنا چاہتا ہے تو پانی کو دیکھ لے ، اس میں آپ کو اَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

کا سر جلوہ گر نظر آئے گا۔

اس کے بعد غور سے سنو! کہ خدا تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات اوپر، نیچے دائیں بائیں، آگے پیچھے وغیرہ سمتوں سے بلند تر ہے اس لئے کہ وہ تو ایک غیر محدود اور لا متناہی نور ہے (وہ محدود چیزوں میں کیسے سما سکتا ہے) وہ ابتدا و انجام اور ترکیب وغیرہ سے پاک ہے، اسی طرح وہ تغیر و تبدل، تقسیم و فنا اور عدم کے اوصاف سے ورار الورار ہے، وہ فی الواقع وحدہٗ لاشریک ہے اسکی ذات میں کثرت کا احتمال نہیں۔

جب آپ نے یہ مقدمہ ذہن نشین کرلیا تو اب یہ سمجھئے کہ وہ حقیقی نور ہے، لامحدود و لا متناہی ہے وہ نقص کی تمام تر اوصاف سے منزہ ہے اس کا اور نفس ہے۔ اس حقیقی نور کی نظر و تاثیر اور ہے اور اس کا وہ نور جو اس حقیقی نور سے عام اور تمام موجودات کو شامل ہے وہ اور تاثیر رکھتا ہے اور ان دونوں کی مجموعہ کی تاثیر اور ہے۔ جب آپ نے یہ باتیں سمجھ لیں تو اب یہ سمجھ لیا جائے کہ اس کی ذات ایک نور ہے اور وہ نور تمام موجودات کو شامل ہے اور اس نور کی صفات یہ ہیں کہ مختلف شکلوں کی اس میں قابلیت ہے۔

اے بھائی! یہ نور تمام موجودات میں عام ہے اور تمام چیزوں کا وجود اور بقا اسی نور پر موقوف ہے۔ دنیا میں کوئی ذرہ ایسا نہیں جس میں خدا تعالےٰ کا نور کار فرما اور محیط نہ ہو، نور کے اس احاطہ کو وجہ نور کہتے ہیں، جو شخص خدا کے وجہ تک رسائی حاصل کرلیتا ہے وہ اس کو دیکھتا ہے اور دیکھ کر اس کی عبادت کرتا ہے لیکن موحدین کی اصطلاح میں یہ شرک ہے۔

وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِکُوْنَ ترجمہ (اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے کے باوجود مشرک ہوتے ہیں) اس لئے کہ روزانہ لوگوں سے جنگ میں مشغول ہیں اور اللہ پر انکار کر رہے ہیں، ہر وہ شخص جو وجہ خدا سے گزر کر خدا کو دیکھتا ہے اور اسکی پرستش کرتا ہے وہ موحد ہے وہ اعتراض و انکار سے آزاد رہتا ہے اور مخلوقِ خدا سے صلح و آشتی کرتا ہے۔

اے بھائی! اس بحرِ محیط و نورِ غیر محدود و لامتناہی تک رسائی حاصل کرنی چاہیئے اور اس نور کو دیکھنا چاہیئے اور اس نور کو عالم میں دیکھ تاکہ شرک سے پاک رہ سکے اور حلول و اتحاد کے عقیدے کا بطلان ہوسکے اور انکار و اعتراض کی گنجائش نہ رہ سکے اسی طرح مخلوق سے صلح اور دوستی کرنے کا طریقہ حاصل کیا جا سکے، میری اس تمام تقریر میں کچھ کار تامل کرے تاکہ اس کے فوائد سے بہرہ مند ہو کر اسمائے حقیقیہ سے روشناسی حاصل کر سکے۔

شیخ شرف الدین ؒ

۶۵۲ھ ــــــــــ ۷۲۴ھ

آپ پانی پت کے رہنے والے تھے، آپ کو بوعلی قلندر بھی کہتے ہیں، بڑے مشہور مجذوب اور ولی اللہ تھے، مشہور ہے کہ اوائل عمر میں آپ نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنی تمامتر توجہات کو سلوک و طریقت کی طرف مبذول کر دیا تھا اور تمام کتب کو دریا بُرد کر کے مجذوب بن گئے، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کس سے بیعت تھے البتہ بعض لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ آپ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید تھے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ خواجہ نظام الدین اولیاء سے بیعت تھے، لیکن یہ دونوں روایتیں بلا دلیل و بلا حجت ہیں آپ کے کچھ مکتوبات بھی ہیں جو آپ نے عشق و محبت کی زبان میں اختیار الدین کے نام تحریر فرمائے جس میں یہ مضامین ہیں۔

(۱) توحید کے معارف و حقائق (۲) ترک دنیا (۳) طلبِ آخرت (۴) محبتِ الٰہی

آپ کا ایک دوسرا رسالہ بھی عوام الناس میں حکم نامہ شیخ شرف الدین کے نام سے مشہور ہے لیکن ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسالہ آپ کا نہیں بلکہ وہ عوام کی اپنی اختراعات ہیں واللہ اعلم۔

منقول ہے کہ ایکبار شیخ شرف الدینؒ کی مونچھیں بہت بڑھ گئیں، مریدوں میں سے کسی کو یہ جرأت نہ تھی کہ آپ سے یہ کہدے کہ حضرت انھیں درست کروا لیجیے چنانچہ ایک دفعہ مولانا ضیاء الدین سنامی جو شریعت کا کوڑا ہاتھ میں لیے پھرتے تھے ایک دفعہ

آپ کے ہاں تشریف لائے تو آپ کی یہ کیفیت دیکھ کر قینچی منگوائی اور ایک ہاتھ سے ڈاڑھی پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے آپ کی مونچھوں کو درست کر دیا، کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ اپنی ڈاڑھی کو یہ کہہ کر چوما کرتے تھے کہ یہ شریعت کی راہ میں پکڑی گئی ہے،

آپکا روضہ پانی پت میں ایک پُر رونق جگہ پر ہے لوگ آپ کی قبر پر برائے حصول برکت زیارت کو آتے ہیں وہاں آپ کے ایک محبوب مرید مبارک خاں کی بھی قبر ہے

مکتوب اے بھائی! جب تجھ پر خدا کی عنایت ہوئی تو اس نے تیرے اندر ایک جذبہ پیدا کر دیا اور تجھے خود رائی سے بچالیا اور پھر تم میں عشق پیدا کر کے حسن کا جلوہ دکھا دیا، جب تم عشق کو پہچان لوگے تو لا محالہ معشوق کو بھی پہچان لوگے اور تم بھی معشوق کے حقیقی عاشق بن جاؤگے اور جب معشوق اور عاشق ایک دوسرے سے ملیں تو تجھے معشوق کے طریقہ اور عاشق کے قرینہ کے نقش پا پر چلنا ہوگا تاکہ تو عاشق و معشوق کو پہچان سکے۔

اے بھائی! معشوق کو بھی آپ ہی کی شکل وصورت میں خدا نے پیدا کیا ہے اور معشوق کو تمہارے اندر اس لئے بھیجا گیا ہے تاکہ وہ تمہیں صحیح راستہ کی رہنمائی کرے۔

اے بھائی! اللہ نے جنت اور دوزخ دونوں کو پیدا فرما کر ان دونوں سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ میں تم کو بھر دوں گا۔ پُر کروں گا، معشوق کو اس کے عاشقوں سمیت جنت میں داخل کیا جائے گا اور شیطان کو اُس کے چیلوں سمیت دوزخ میں جھونکا جائے گا۔

اے بھائی۔ جنت اور دوزخ میں عاشق ہی اپنے حسن عشق اور خراب عشق کی وجہ سے داخل کئے جائیں گے۔ بہشت دوستوں سے وصال کا مقام ہے اور دوزخ دشمنوں سے فراق کا، یہ فراق کافر اور منافق لوگوں کے لئے ہوگا اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں کے لئے وصال ہوگا۔

اے بھائی ذرا آنکھیں کھول کر دیکھ کہ عاشق نے اپنے عشق سے کیا کیا پیدا کیا اور دنیا کو کیسا تماشا گاہ بنایا، اور اپنے حسن کو ہر درخت میں پنہاں رکھا اور مختلف الاقسام میوہ جات پیدا فرمائے اور ہر میوے کا علیحدہ علیحدہ مزہ بنایا اور اس درخت

کو خود اپنی اور پھول وپھل کی خبر تک نہیں اور اسی طرح اس نے گنے کو تیرے لئے شیریں بنایا اور اس کو اپنے مٹھاس کی خبر نہیں، اسی طرح ہرن کی ناف میں مشک رکھا اور اس کو بھی اس کی خبر نہیں، سمندری گاؤ سے عنبر پیدا کیا اور اس کو اس کی خبر نہیں اور مشک بلاؤ سے تمہارے لئے زباد پیدا کیا اور اس کو اس کا علم نہیں، اور ایک قسم کے درخت سے کافور پیدا کیا اور کافور کو اس کی خبر نہیں، صندل کو تمہارے لئے پیدا کیا اور اس کو اس کا علم نہیں۔

اے بھائی! عاشق بنو اور اس جہان کو معشوق کا حسن سمجھو، اسی طرح اپنی ذات کو بھی معشوق کا حسن سمجھو، عاشق نے اپنے عشق سے تجھے پیدا کیا تاکہ تیرے آئینہ میں اپنے حسن و جمال کا مشاہدہ کرے اور تجھے اپنا محرم اسرار بنائے اور الانسان سرّی تمہاری ہی شان میں ہے، عاشق بن کر ہمیشہ حسن دیکھتے رہو اور دنیا اور آخرت کو اس طرح تصوّر کرو کہ آخرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ملکت ہے اور دنیا شیطان کی، تم ان دونوں کے متعلق معلوم کرو کہ یہ کس لئے پیدا کی گئی ہے اور ان کا مطالبہ کیا ہے۔ اے بھائی! اپنے نفس کو خوب سمجھ لے، جب تو اپنے نفس کو پہچان لیگا تو دنیا کی حقیقت خود بخود تیرے سامنے واضح ہو جائے گی اسی طرح روح کو بھی پہچانو اس لئے کہ روح کی معرفت پر آخرت کی معرفت موقوف ہے۔

اے بھائی! اس دنیا میں جو حسن تزین کفر اور اہل کفر کو دیا گیا ہے اسے عاشق لوگ ہی پہچانتے ہیں، سو جو دنیا کا عاشق ہے اس کا معشوق حسن کفر ہے۔

اے بھائی! تجھے کیا خبر کہ کفر نے اپنے غم خوردہ حسن سے اہل دنیا پر کیسے کیسے جور و ستم کروائے اور انھیں اپنا عاشق بنایا۔

اے بھائی! اپنی معرفت حاصل کرو اور اپنی ذات کو پہچانو، جب اپنی ذات سے روشناس ہو جاؤ گے تو عشق کے اسرار خود بخود تم پر کھلتے جائیں گے اور جب عشق کو اپنے حسن پر دیکھو گے تو ہر ایک کی زبان پر اپنا چرچا پاؤ گے، خلاصہ یہ کہ عاشق بن جاؤ اور معشوق کو اپنے اندر ہی معائنہ کرو اور حسن کو اپنے دل کے آئینہ

میں دیکھو ؎

اشعار

آں شاہد معنی کہ ہمہ طالب اوینذ ہم اوست کہ از چادرِ تو ساختہ سرپوش
در بادیۂ ہجر چرا بند بمانیم در عین وصالیم نگار است در آغوش

(وہ معشوق ہے جس کے تمام طالب ہیں، یہ وہی ہے جس نے تمہاری چادر سے اپنا سر چھپالیا ہے، ہم ہجر کے غم سے جنگلوں میں کیوں جائیں، اس لئے کہ معشوق تو ہمارے آغوش میں ہے)

اے بھائی! گڑ کا ایک ٹکڑا لو اور اس سے سو گولیاں بناؤ اور ہر ایک کا الگ الگ نام رکھو، مثلاً اُن میں سے کسی کا نام گھوڑا اور کسی کا نام ہاتھی وغیرہ رکھو، تو جب تک وہ چیزیں ان ہی شکلوں میں ہیں جو تم نے بنائیں اور اُن کے نام رکھے اس وقت تک تو اُن کے وہی نام رہیں گے لیکن اگر ان تمام شکلوں کو ملادو تو اُن کے نام ختم ہو جائیں گے اور وہی نام یعنی گڑ رہ جائے گا۔

آپ ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں کہ اے بھائی! کچھ خبر نہیں کہ لوگوں کو کیوں پیدا کیا گیا ہے، لوگ کیا کر رہے ہیں، کیا کریں گے اور انھیں فی الواقع کیا کرنا چاہیئے۔ میں ہر وقت اسی شش و پنج میں مبتلا ہوں اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا، کبھی یہ خیال آتا ہے کہ وہ ہمارے آئینۂ دل کو اس لئے صاف و ستھرا کر رہا ہے تاکہ عاشقوں کو اس میں اپنا جمال دکھائے اور عاشقِ خستہ حال کو تبلا دے کہ میں معشوق ہوں، عاشق کا فریضہ اور کام یہ ہے کہ وہ معشوق کے احکام کی فرمانبرداری اور اسی کے طریقے پر چلنے کی کوشش کرے اور اپنے کو عشق اور حسن معشوق سے معمور کر لے اور اس حُسن میں محو ہو کر عاشق سب کو فراموش کر دے اور باطن میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کو دیکھ کر اس پر عمل کرے۔

اے بھائی! کبھی نفس کا خیال آتا ہے تو فوراً ہی حال میں بھی خیال کی موافقت کا دم بھر کر دنیا کمانے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں اور دنیا کی زیب و زینت اس خیال کو مزید ترقی دیتی ہیں اور اس خیال میں مبتلا ہو کر حیران و سرگرداں ہو کر دنیا کے

معشوقوں کے دروازوں کا چکر لگاتا ہوں حالانکہ اس راہ کے عاشق و معشوق دونوں ہی ذلیل و خوار ہیں اور ان دونوں کو دنیاوی زیب و زینت میں محو ہو کر اپنی ذلت و خواری کی خبر نہیں رہتی، اور اُن کی حالت یہ ہوتی ہے کہ کس سے ایفائے عہد کیا جائے اور کس سے نہ کیا جائے اور یہ حالت ایسی دوام پذیر ہو جاتی ہے کہ انھیں موت تک کی فکر نہیں رہتی اور یہ دنیا کے عاشق دنیا کے حسن و جمال میں اس طرح کھو جاتے ہیں اور انھیں اس بات کی بالکل خبر نہیں رہتی کہ تمام دنیا پر معشوق حقیقی کا قبضہ ہے وہ جس طرح چاہتا ہے اور چاہے گا ویسا کریگا، علاوہ ازیں دنیا کے عاشق اس بات سے بھی صرف نظر کر لیتے ہیں کہ ہمیں آخرت کا کٹھن سفر بھی در پیش ہوگا۔

اے بھائی! غور و فکر اس بات کی کرو کہ تمہیں ایک زبردست مہم حل کرنی ہے اس لئے تمہیں اپنے لئے ایک مونس و ہمدرد کی ضرورت ہے، ذرا ہوش کرو اور اس بات کا یقین کر لو کہ تم بحالت موجودہ اپنے نفس اور اپنی خواہشات کے غلام بن چکے ہو اس سے کسی طرح چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیر کرو۔

اے بھائی! کچھ معلوم نہیں کہ خیالات و افکار تمہیں کس بدحالی تک لے جائیں (اب تو کچھ معلوم نہیں ہو رہا) البتہ جب بدنصیبی اور بدقسمتی ظاہر ہوگی تو معلوم ہوگا کہ یہ بدبختی اور بدنصیبی دراصل بُرے خیالات اور نفس کی اتباع کا ہی نتیجہ ہیں۔

اے بھائی! مجھے کچھ خبر نہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور کیا کر رہا ہوں مجھے اپنے کسی فعل کی خبر نہیں، البتہ میری زبان خدا کے قبضہ میں ہے اس لئے چاہتا ہوں کہ ایسی باتیں کہوں جو دو عالم میں پسندیدہ ہوں۔

اے بھائی! مجھے اتنا ضرور معلوم ہے کہ تم خودی پیدا کرو اور خودی ہی کے متمنی اور خواہشمند رہو اللہ تعالیٰ نے جو چاہا سو کر دیا اور جو چاہے گا وہی کرے گا، کسی کو اس کے ارادے میں دخل اندازی کا حق نہیں۔

شیخ عثمان سیّاحؒ

۶۵۱ھ — ۷۵۸ھ

آپ شیخ رکن الدین ابوالفتح کے مریدوں میں سے تھے بہت زیادہ سیر و سیاحت کے رسیا تھے اسی لئے

ہمیشہ سیر و سیاحت میں رہتے، لیکن بالآخر اپنے وطن دہلی تشریف لائے، سماع کے بہت شائق تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کی محفلوں میں ہمیشہ تشریف لاتے اور سماع سے محظوظ ہوتے اور وجد و حال میں رقصاں رہتے پرانی دہلی میں ہفت پل جسے سلطان محمد عادل نے بنوایا تھا اس کے قریب آپ کا مزار ہے۔

شیخ ابوبکر موئے تاب رح

۶۸۲ھ ——— ۷۴۷ھ

آپ بدایوں کے رہنے والے تھے، ضیا نخشبی نے اپنی کتاب بنام سلک السلوک میں لکھا ہے کہ شیخ ابوبکر موئے تاب ذکر الٰہی میں ایسے فنا تھے کہ ان کا بال بال ذکر الٰہی میں مشغول رہتا تھا اور وہ عالم بالا میں جانے ہی والے تھے کہ میں اُن کی عیادت اور مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوا دیکھا کہ اس پر اسرار شعر کو پڑھ رہے تھے

شعر

قالب چوں غبار است میانِ من و تو ۔۔۔ اُمید کہ اینک از میاں برخیزد

(اے اللہ یہ جسم آپ کے اور میرے درمیان غبار کی طرح حائل ہے اُمید ہے کہ یہ پردہ بہت جلد اٹھ جائے گا)

شیخ شہاب الدین رح

۶۸۹ھ ——— ۷۳۶ھ

آپ حق گو کے لقب سے مشہور تھے، آپ کے والد محترم کا نام شیخ فخر الدین زاہدی تھا، آپ کو حق گو اس لئے کہتے تھے کہ ایکبار سلطان محمد تغلق نے یہ حکم جاری کیا کہ تمام لوگ مجھے عادل کہا کریں، تمام لوگوں نے اس حکم کو تسلیم کرلیا مگر انہوں نے انھیں عادل کہنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ہم ظالموں کو عادل نہیں کہا کرتے۔

اس جرم میں سلطان نے آپ کو دہلی کے قلعہ سے نیچے پھنکوا دیا، آپ کی قبر وہیں ہے۔ آپ شیخ فخر الدین ثانی کے مرید تھے جو بہت بڑے بزرگ تھے، ان کی قبر بھی دہلی شہر میں فیروز آباد کی جانب ہے۔

سیّد محمد رح

آپ یوسف الحسنی دہلویؒ کے بیٹے اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے خلیفہ تھے آپ سیادت اور علم و ولایت کے

جامع اور بڑے رفیع الدرجہ عظیم البرکت اور قادر الکلام بزرگ تھے، آپ مشائخ چشت کا طریقہ رکھتے تھے اور اسرار طریقت میں خاص مہارت رکھتے تھے ابتداءً دہلی میں رہا کرتے تھے لیکن شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کی وفات کے بعد گلبرگہ چلے گئے اور وہاں شہرت عامہ حاصل کی وہاں کے تقریباً تمام لوگ آپ کے فرمانبردار ہو گئے اور وہیں آپ کی وفات ہوئی۔

آپ گیسو دراز کے لقب سے مشہور تھے، اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کی پالکی جس طرح دوسرے مرید اٹھاتے تھے اسی طرح سید محمد بھی اُٹھایا کرتے تھے، ایک دن آپ اپنے شیخ کی پالکی اٹھانے لگے تو اس کے ایک حصہ میں آپ کے بال اُلجھ گئے اگر نکالتے تو دیر لگتی اور اس سے شیخ کے کبیدہ خاطر ہونے کا خطرہ محسوس کرتے تھے اس لئے شیخ کے کبیدہ خاطر ہونے کا خطرہ محسوس کرتے تھے اس لئے شیخ کے عشق و محبت میں اسی کیفیت سے چلتے رہے بہت فاصلہ طے کر جانے کے بعد جب شیخ کو معلوم ہوا تو وہ بہت خوش ہوئے اور آپ کی اس سچی محبت اور پکی عقیدت پر آفریں کی اور یہ شعر پڑھا ؎

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد　　　واللہ خلاف نیست کہ او عشقباز شد

(جو کوئی سید گیسو دراز کا مرید ہوگیا بخدا بلا تخلف وہ عشقباز بن گیا) آپ کے ملفوظات بھی ہیں جو جوامع الکلم کے نام سے مشہور ہیں جن کو آپ کے ایک مرید بنام محمد نے جمع کیا تھا جس میں لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام نصیر الدین مجھ پر شفقت فرمایا کرتے تھے، میرا اوّلاً یہ خیال تھا کہ شیخ کی خدمت میں جلدی جلدی حاضری دیا کروں مگر میں پیر کی خدمت میں حاضری کے آداب نہ جانتا تھا اس لئے حاضر نہ ہوتا تھا اور یہ بات میں نے اپنے والد سے جو شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضری کے وقت سُنی تھی، ایک بار میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ محمد! تم ہمیشہ بے وقت آتے ہو، اور جب آتے ہو تو میں کبیدہ خاطر ہو جاتا ہوں اس لئے چاہتا ہوں کہ تم سے مفصل گفتگو کروں اور اس وقت میری عمر پندرہ سال کی تھی کم سنی

کی وجہ سے شیخ کی یہ بات سُن کر میں متحیّر ہوگیا مگر پھر میں نے عرض کیا کہ سبحان اللہ!
اس سے بڑھ کر میرے لئے اور کیا خوش قسمتی کی بات ہوگی کہ شیخ کی خواہش مجھ سے گفتگو
کرنے کی ہے۔ ایک دن میں نماز اشراق کے بعد شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا فرمایا
کیا آپ کو صبح کی نماز کا وضو اشراق تک رہتا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں شیخ کی
برکت سے باقی رہ جاتا ہے تو اپنے فرمایا کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ اسی وضو سے اشراق
کی دو رکعت بھی پڑھ لیا کریں! میں نے عرض کیا کہ آپ کی برکت سے یہ بھی پڑھتا ہوں
پھر فرمایا کہ اسی وضو سے دن کے شکرانہ اور طلب خیر کی بھی دو رکعت پڑھ لیا کریں
کچھ روز میں نے اس کا بھی اہتمام کیا، ایک روز فرمایا کہ اشراق پڑھتے ہو، میں نے
عرض کیا جی ہاں، آپ نے فرمایا کہ اسی وضو سے چاشت کی چار رکعت بھی پڑھ لیا
کرو تو ادا ہو جائیں گی اور اشراق کے فوراً انہیں پڑھ لیا کرو۔ میں رجب میں ہمیشہ
روزے رکھتا تھا، فرمایا کہ رجب کے روزے رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں
تو آپ نے فرمایا کہ شعبان کے روزے بھی رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ شعبان کے
تو صرف نو روزے رکھتا ہوں مگر اگر اکیس[۲۱] روزے اور رکھ لیا کرو تو تین ماہ کے
روزے مسلسل ہو جایا کریں گے، میں نے عرض کیا کہ آپ کی برکت سے انھیں بھی
رکھا کروں گا، چنانچہ میرے والد محترم ابھی تک آپ سے بیعت نہیں ہوئے تھے
میں نے یہ واقعہ اُن سے بیان کیا تو وہ سُن کر مجھ پر ناراض ہوئے، میں نے عرض
کیا کہ ابا جی آپ کو اختیار ہے آپ جو چاہیں کریں لیکن میں اپنے شیخ کے حکم کی
خلاف ورزی کیسے کر سکتا ہوں، میں رمضان کے بعد عید کے بھی چھ روزے رکھا
کرتا تھا، اسی دَوران میں ایک دن اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے
دیکھتے ہی آپ نے فرمایا کہ ہمارے بزرگ داؤدی روزے نہیں رکھتے تھے بلکہ مسلسل
روزے رکھا کرتے تھے اب تم بھی ہمیشہ روزے رکھا کرو، آپ کے ملفوظات میں یہ
بھی لکھا ہے کہ ایک دن خواجہ محمود نقار جو مولینا برہان الدین غریب کے دوستوں
میں سے تھے وہ اور میں دونوں بیٹھے ہوئے رسالہ قشیری کا مطالعہ کر رہے تھے اس

وقت میری عمر بہت کم تھی۔ اتفاق سے اس وقت خواجہ راجہ بُزاق تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔ اس وقت ہمارے زیر بحث یہ بات تھی کہ حاتم اصمؒ نے فرمایا کہ جبتک آدمی تین بار موت کا مزہ نہ چکھ لے اسوقت تک مراتب عالیہ نہیں حاصل کر سکتا، یہ درست ہے اور وہ تین موتیں یہ ہیں (۱) سفید (۲) سُرخ (۳) سیاہ

سفید موت کے معنی یہ ہیں کہ فقیر اور درویش بھوکا رہے۔ سرخ موت کے معنی یہ ہیں کہ اپنے اندر تحمل اور برداشت کا مادہ پیدا کرے۔ سیاہ موت کے معنی ہیں مفلس ہوجانا۔ خواجہ راجہ نے برائے امتحان مجھ سے دریافت کیا کہ بتاؤ ان تین موتوں کو کس سبب سے سفید، سرخ، سیاہ قرار دیا گیا ہے میں نے عرض کیا کہ بھوک کا تعلق پاکیزگی اور طہارت سے اور ہر اچھی چیز کو سفید کہتے ہیں اس لئے ایسی موت کو سفید موت کہتے ہیں اور تحمل و برداشت کرنے میں چونکہ خونِ جگر پینا پڑتا ہے کیونکہ غصہ کی حالت میں بوقت انتقام خون کھولتا ہے اور بردباری اور تحمل سے غصہ دُور ہوجاتا ہے اس لئے اس موت کو سُرخ کہتے ہیں، رہا افلاس سو اس کے متعلق پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْہِ فِی الدَّارَیْنِ | افلاس دو عالم میں باعثِ روسیاہی ہے

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ لوگ اپنے اندر ذلیل و عاجز اور مجسمۂ نجاسات فقیروں ہی کو جانتے ہیں اس لئے اس کو موت سیاہ کہتے ہیں۔

ایک دن فرمایا کہ شیخ فریدالدینؒ کے پوتے شیخ منوّر فضل اللہ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ شیخ کے گنبد میں اکثر لوگوں نے آپ کے جسم کو سات حصوں میں جُدا جُدا پڑا ہوا دیکھا ہے، بتائیے! اس میں کیا راز ہے؟ میں نے کہا سبحان اللہ! مجھے کس نے بتایا اور کون کہتا ہے، جو کہتا ہے وہ جھوٹ کہتا ہے، اور اگر آپ نے اس کے متعلق دریافت ہی فرمایا ہے تو اس کے متعلق جو صوفیاء کی کتب میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ پروردگار کی تجلی طالب پر اس طرح پڑتی ہے کہ اگر اس وقت اس تجلی کے سامنے بڑے بڑے پہاڑ بھی آجائیں تو وہ بھی ریت کے ذرے بن جائیں، اور اگر وہ تجلی آگ پر پڑے تو اس

میں جلانے کی طاقت نہ رہے۔ خلاصہ یہ کہ اسی تجلّی کے اثرات ہی آدمی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں، سات ٹکڑے کیا انسان کے لاکھوں ٹکڑے ہو جاتے ہیں، اس تجلّی کے اس مردِ خدا پر ہزار ہا پہاڑ اور آگ کے شعلے نمودار ہوتے ہیں جس کو وہ مشاہدہ کرتا اور دیکھتا ہے اور وہ اسے اس وقت بہت اچھے اور لطیف نظر آتے ہیں، وہی تجلی اس آدمی کو اپنی جانب کھینچتی ہے اور پھر بدن کے تمام اعضاء اس کی جانب کھنچ کر چلے جاتے ہیں پھر ان اعضاء کو دستِ قدرت، قوی، مکمل اور لطیف بنا دیتا ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ وہ سفر جس سے باطن پر بُرے اثرات مرتب نہ ہوں تو وہ مبارک سفر ہے اس لئے کہ صوفیائے کرام کی دولت و ثروت تو صرف دل جمعی کے ساتھ خدا کے حضور حاضری دی جائے تو وہ ایسی جنت ہے کہ جس پر ہزار (حقیقی) جنتیں قربان کی جاسکتی ہیں، ایسا کوئی لمحہ ضرور حاصل کرنا چاہیئے، ابھی تک تو تمام وقت بیکار اور ضائع ہی ہوتا رہا اور کوئی کام نہ ہو سکا ؏

بفراغ دل زمانے نظرے بخوبروئے   بہ ازانکہ چترِ شاہی ہمہ عمر ہائے ہوئے

فرماتے ہیں کہ جب کبھی صحابۂ کرام کی فضیلت اور افضلیت کا قصہ چھڑا تو میں نے کبھی اس بحث میں حصہ نہیں لیا، البتہ گفتگو کے دوران خدا کی قسم میں نے اپنے مجلس دوستوں سے یہ ضرور کہا ہے اور اب بھی کہتا ہوں کہ تمام صحابہ میں سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضؓ اور آپ کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضؓ بعدہٗ حضرت عثمان غنیؓ اور ان کے بعد حضرت علی رضؓ تھے، البتہ بوقت ضرورت لفظی بحث ضرور کی جاتی ہے اور میں اصحابِ کبار اور خلفائے عظام کے کارناموں کی برکت سے لوگوں کو کیسے ناآشنا رکھ سکتا ہوں۔ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مسلمانوں کے لئے زندگی بہتر ہے یا موت؟ سو بعض زندگی کو بہتر کہتے ہیں اور کچھ موت کو، لیکن میری رائے یہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کی حیات میں زندگی بہتر تھی اور آپ کے بعد موت بہتر ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت علی رضؓ سے کہا کہ آپ اپنے دوستوں

میں عمار بن یاسر کے اوصاف بیان کیجئے! تو حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ وہ پختہ مؤمن ہیں اور ان میں اتنا ایمان بھرا ہوا ہے کہ بہہ رہا ہے، پھر اس نے حضرت سلمان فارسی کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ان کے پاس اگلے اور پچھلے لوگوں کی معلومات کے خزانے ہیں، اسی طرح حضرت حذیفہ کے بارے میں فرمایا کہ حضرت حذیفہ نبی علیہ السلام کے صاحب اسرار تھے اور ان میں ایک یہ صفت بھی تھی کہ وہ منافقین کے حالات سے باخبر رہتے تھے، سائل نے کہا کہ اے علیؓ! آپ اپنے بارے میں بھی تو فرمائیں، آپ نے فرمایا اچھا میرے متعلق دریافت کرتے ہو تو سنو میری حالت یہ ہے

اِذَا سَأَلْتُ اُعْطِیْتُ وَاِذَا سَکَتُّ اُبْتُدِیْتُ — میں جو مانگتا ہوں دیا جاتا ہوں اور اگر میں خاموش رہتا ہوں تو وہ مجھ سے کلام کرنے میں ابتدا کرتے ہیں۔

قوت القلوب میں ہے کہ یہ مقام محبوبوں کا ہے جن کی مرادیں پوری کی جاتی ہیں۔
ایک بار فرمایا کہ ہمارے مشائخ عاشق منش صوفی گزرے ہیں لیکن شیخ شہاب الدین اور اُن کی جماعت تمام کے تمام بڑے بزرگ واصل باللہ اور عارف تھے اور عشق تو ایک دنیا ہی دوسری ہے۔

ایک مرتبہ صوفیا اور علماء کے اختلاف کا ذکر آ گیا، تو فرمایا کہ صوفیوں اور عالموں میں اس کے علاوہ کوئی اختلاف نہیں کہ صوفیائے کرام خدا کی ذات میں فنا ہو کر اپنے وجود سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یہ جو مشہور ہے کہ علم سب سے بڑا حجاب ہے اس کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا کہ اللہ کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں وہ سب حجاب ہیں اور حجاب جتنے ہیں وہ سب قبیح، کثیف اور بہت ہی بُرے ہوتے ہیں لیکن ایک لطیف حجاب ہے جس کا اٹھانا اور جس کو دُور پھینک دینا بہت اچھا اور ضروری ہے۔ علم سے مراد اصولِ حدیث، فقہ، تفسیر وغیرہ علوم شرعیہ مراد نہیں بلکہ علم سے مراد وہ علم ہے جو خدا کی ذات اور صفات سے متعلق ہے کیونکہ وہ دلائل سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس کے لئے تو مشاہدہ درکار ہے۔ ایک مقام پر لکھتے

ہیں کہ مسلمانوں کے اندر دو چیزیں بڑی تیزی سے بدعت کو پیدا کر رہی ہیں ۔ ایک قلندرانہ صورت اور دوسری یہ کہ جو لوگ کلمۂ توحید کو اپنی جان سے بھی عزیز رکھتے ہیں انھیں تکلیف دی جاتی ہے اور انھیں بدنام کیا جاتا ہے ان کے اہل و عیال کو قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور ان کے بچوں کو ذلیل اور اغوا کیا جاتا ہے اور اس پر طرّہ یہ کہ اس قسم کی حرکاتِ شنیعہ کرنے والے اپنے کو مسلمان بھی کہتے ہیں یہ تو بڑا اچھا ایمان اور دین ہے ۔

ایک مرتبہ کسی نے دریافت کیا کہ لاھو الا ھو کے معنی کیا ہیں تو فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالٰے کی ماہیت اس کی ذات سے زائد نہیں بلکہ اسکی ماہیت عین ذات ہے اور مصنف لطائف قشیری کا یہ کہنا کہ پورا عالم اس کے وجود پر گواہی دے رہا ہے اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ اللہ کی ذات مع صفات تمام عالم میں کارفرما ہے صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ اگر کسی کو حرام چیزوں کی خواہش باقی رہے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی تو اس کو چاہیئے کہ وہ سچے دل سے توبہ کرے اس لئے کہ طالب کے لئے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے اختیار کے بغیر اس کے دل میں کوئی خواہش پیدا نہ ہوسکے بلکہ تمامتر خواہشات اس کے دل سے مٹ جائیں اگر تمام اہلِ عقل اس مقام کے حاصل کرنے کے ناممکن اور محال ہونے پر اتفاق کرلیں تب بھی صوفیا اس کی جانب التفات نہیں کرتے کیونکہ انسان کی طبیعت احکام کے تجسس اور مقاصد کے حصول کے لئے متردد اور متامل رہتی ہے مگر جو اس کے دل میں خدا تعالٰے نے آفتیں ڈال دی ہیں وہ لوگوں کے کہنے سننے سے کب ختم ہوسکتی ہیں ۔ فرمایا کہ ہر چیز میں کوئی نہ کوئی آفت اور مصیبت ہوتی ہے مگر عشق میں دو آفتیں ہیں ۔ ایک ابتدا میں اور ایک انتہا میں ۔ ابتدائی آفت تو یہ ہے کہ عاشق پر عشق اور معشوق کی جستجو کا غم سوار رہتا ہے اور جب تک اس کے لئے وصال کی کوئی راہ نہیں کھلتی وہ برابر اسی غم میں مبتلا رہتا ہے اور غم کا خوگر ہوجاتا ہے اور اسی غم میں زندگی بسر کرتا ہے پھر آہستہ آہستہ اسکی سوزش

رغم میں کمی آتی رہتی ہے اور وہ اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے اور انجام کار نردم اور مایوس ہو کر خسارے میں رہتا ہے، اللہ تعالےٰ ہم سب کو اس آفت سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ اور انتہائی آفت یہ ہے کہ جب معشوق کا عاشق کو وصل ہو جاتا ہے اور وصال کی لذتوں میں مشغول ہو جاتا ہے تو دردِ غم اور الم و فراق کی سوزش اس سے ختم ہو جاتی ہے اور وصال کو علی سبیل التابید والدوام ہوتے رہنے سے کبھی اس کے اندر بھی ذوق و شوق ختم ہو جاتا ہے اور جو ذوق و شوق اس کو دلی وہلہ میں تھا وہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور عشق کی سوزش ختم ہو جاتی ہے اور محبوب کے جمال کے ذوق و شوق سے بے نیاز ہو جاتا ہے، اللہ ہم کو اس سے بھی محفوظ رکھے س لئے کہ اس آدمی کو اگرچہ وصال ہو چکا ہے مگر ذوق کہاں ہے اور پھر آرام و راحت سے رہتا ہے تو وہ وصال کس کام کا!

بخلاف اس آدمی کے جو عشق خوردہ اور عشق کا مارا ہو اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں ابتداءً فراق، جُدائی ذوق و شوق کی زیادتی ہوتی ہے اس کو جس قدر وصال ہوتا جاتا ہے اس کے ذوق و شوق میں اسی قدر اضافہ ہوتا جاتا ہے اور طلب بڑھتی جاتی ہے، جس عاشق کا دردِ غم بڑھتا رہے اور ذوق و شوق میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے ایسے ہی عاشق کے لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا انجام بھی اچھا ہوتا ہے یہ اپنے عشق کا پھل پاتا اور پورا حصہ حاصل کر لیتا ہے اگرچہ عارف لوگ ایسی صورت کو نقصان سے تعبیر کرتے ہیں مگر ذوق تو اسی کا نام ہے کہ کمال و نقصان سے صرف نظر کرتے ہوئے محبوب کی طلب میں کوشش کی جائے۔

آپ فرماتے ہیں کہ عوارف میں لکھا ہے کہ جب آدمی کامل فقیر بن جاتا ہے تو اُس کو سماع کا شوق نہیں رہتا اور یہ عشق کے کمال کی دلیل ہے یعنی اب اس پر عشق کی انتہائی صورت وارد ہو چکی ہے جو اس کو ایسی باتوں سے دُور رکھنا چاہتی ہے جو لوگ سماع سننے کے عادی بن جاتے ہیں اُن کا ذوق ٹھنڈا پڑ جاتا ہے ممدوح کی انتہائی حالت جس پر کوئی آفت نہ پڑی ہو وہ یہ ہے جس کا اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے۔

شعر

عجبے نیست کہ سرگشتہ بود طالب دوست　　عجب ایں است کہ من واصل و سرگردانم

(طالب کا حیران و پریشان ہونا تعجب کی بات نہیں، تعجب کی بات تو یہ ہے کہ میں واصل بھی ہوں اور حیران بھی)

سماع میں فقیر و درویش کی یہ حالت ہونی چاہیئے کہ وہ از خود رفتہ نہ ہو بلکہ اپنی خودی میں رہے، جو کچھ کہے اس پر عمل بھی کرے اور اس کو سمجھے بھی کہ میں کیا کہہ رہا اور کر رہا ہوں اور اس وقت فقیر کی گھٹیا حالت ہوتی ہے کہ وہ سماع سننے کے بعد از خود رفتہ ہو جائے اور اسے اپنی حرکات و سکنات تک کا علم نہیں ہوتا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی غصہ کی حالت میں اپنے حرکات و سکنات پر کنٹرول نہیں کرسکتا اسی طرح اس فقیر کی کیفیت ہے یہ دونوں احوال و حالات میں برابر ہیں۔ سماع کوئی اتنی اہمیت کی بات نہیں فقیر اور صاحبِ حال لوگوں کا مقصود سماع سے فقط اتنا ہوتا ہے کہ ان کے تمام پراگندہ خیالات مجتمع ہو جائیں اور تمام ماسوی اللہ سے الگ ہو جائیں، لیکن جو شخص سماع میں بیخود ہو کر اپنی سوجھ بوجھ اور ہوش و حواس ختم کر دیتا ہے تو وہ اس قابل نہیں کہ اس کی تعریف کیجا سکے۔

فرمایا کہ مولانا جمال الدین مغربی نگینہ جات کے بڑے ماہر تھے آپ بڑے سیاح حکیم جہاندیدہ اور معمر بزرگ تھے، بڑے بڑے بزرگوں سے ملے مگر کسی سے عقیدت نہ تھی، بڑے زبردست عارف تھے اور نگینہ جات کے خواص جاننے میں بھی آپکو مہارتِ تامہ حاصل تھی اور اس کا اعتقاد رکھتے تھے، انھوں نے اس کے خواص خصوص میں ایک بہت عمدہ کتاب بھی لکھی ہے۔

فرمایا کہ میں اور یہ مولٰینا صاحب ایک برس تک ایک جگہ رہے مجھے جو احادیث و آیات قرآنیہ اس کی تائید میں یاد تھیں سنا تا رہتا تھا۔ ایک دن باتوں ہی باتوں میں مَیں نے ایک شرعی مسئلہ میں لطیف اشارہ سے اپنی رائے کے اختلاف کا اظہار کیا تو وہ اس طرح چونک اُٹھے جیسے کوئی نیند سے بیدار ہوتا ہے اور کہنے لگے میرے

آقا! میں آپ کا معتقد ہوں آپ ایسی بات کیوں کہتے ہیں۔ ابتدا میں میں اپنی بات کو عقلاً اور نقلاً اس طرح ثابت کرتا رہا ہوں کہ اس میں چھ ماہ تک آپ نے اختلاف رائے کا اظہار نہیں کیا، پھر روزانہ آپ میرے دلائل کی نفی میں بحث کرتے ہیں اور میں ان ہی دلائل سے ثابت کرتا ہوں، اس کے بعد مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ میر سید محمد! درود شریف پڑھیے، کیونکہ اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ جب متکلم اپنی بات کو اچھی دلیل سے واضح اور ثابت نہیں کر سکتا تو سننے والا اسے کہتا ہے کہ درود شریف پڑھیے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی بات کی کوئی توجیہہ اور وضاحت نہ کرو، بلکہ نبی علیہ السلام پر درود پڑھو۔ ایک دن مولانا سے بڑی زوردار بحث ہو رہی تھی اثنائے گفتگو میں مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ میر سید محمد ذرا میری طرح دوزانو ہو کر تھوڑی دیر مراقبہ کرو اس وقت مولانا کی عمر اسی برس اور میں بیس سال کا نوعمر اور نوجوان تھا، چنانچہ میں بھی دوزانو بیٹھ گیا اور ہم نے مراقبہ شروع کر دیا، مراقبہ ختم کرنے پر مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ سید محمد! تم ایک ایسے درویش ہو جنھوں نے ہم کو مسلمان بنا دیا، پھر انھوں نے اپنے کان پکڑے اور سر کو جھکا دیا اور فرمایا کہ جو شخص بھی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرتا ہے اس کو کسی نہ کسی چیز میں اختصاص نصیب ہوتا ہے اور وہ اپنی اس خاص صفت میں کمال مہارت حاصل کر لیتا ہے چنانچہ میں گفتگو کے فن میں ماہر ہوں، اللہ نے مجھے اپنے اسرار بیان کرنے کی طاقت عطا فرمائی ہے میں جتنی بھی کوشش کروں کہ اپنے بیان میں لغزش کروں مگر خدا کے فضل وکرم سے ذرہ برابر بھی لغزش نہیں ہوتی اس لئے کہ میری تمام توجہ اپنی گفتگو پر ہوتی ہے اور اس وجہ سے میں دائماً متفکر رہتا ہوں کہ میرے اندر وہ حالت پیدا نہ ہو جس سے میں دلائل اور ثبوتِ مدعیٰ سے عاجز ولاچار ہو جاؤں۔

اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ تفسیر امام المعانی میں لکھا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر کسی مصلحت سے حضرت علی کو باہر بھیجا تھا جب حضرت علی واپس تشریف لائے تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اے علی آپ کو

معلوم ہے کہ کل رات اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کیا فرمایا، حضرت علی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول مجھے معلوم نہیں، تو آپ نے فرمایا کہ کل میں نے اپنے والدین اور چچا ابو طالب کی مغفرت کی دعا مانگی تو اللہ نے فرمایا کہ اے میرے پیارے حبیب ہم اس بات کا فیصلہ کر چکے ہیں کہ جو شخص آپ پر ایمان نہ لائے اور اپنے باطل معبودوں سے کنارہ کش نہ ہو ہم اُس کو جنت میں ہرگز داخل نہ کریں گے، اچھا اے میرے حبیب! اگر آپ اصرار کرتے ہیں تو فلاں گھاٹی پہ چلے جائیے اور وہاں اپنے والدین اور چچا کو آواز دے کر بلائیے وہ زندہ ہو کر آپ کے پاس آئیں گے آپ انھیں اسلام کی دعوت دیں وہ اسکو تسلیم کر کے اس پر ایمان لائیں گے (اس کے بعد میں انھیں جنت میں داخل کردونگا) چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا تو وہ تینوں اپنی قبروں سے زندہ اُٹھ کر مجھ پر ایمان لائے اور اس طرح ان تینوں نے عذاب سے نجات پائی۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد سید محمد گیسو دراز بیان کرتے ہیں کہ یہ واقعہ میں نے صرف تفسیر ام المعانی میں دیکھا ہے اس کے علاوہ اور دوسری کتابوں میں یہ بات کہیں نظر سے نہیں گزری (مطلب یہ تھا کہ یہ بات اور یہ قصہ درست نہیں۔ فاضل) سید محمد گیسو دراز کی ایک مشہور کتاب بنام "کتاب الاسمار" ہے جس میں آپ نے اشارۃً اور کنایۃً حقائق و معارف لکھے ہیں اسمیں کا خواب کا ایک قصہ یہ ہے۔

انچاسواں قصہ

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ ایک لمبے چوڑے دریا میں جسکی گہرائی کمر سے زیادہ نہ ہوگی بہت سے لوگ گئے اور ان لوگوں میں ایک میں بھی تھا، اور ایک دوشیزہ جس کی عمر پندرہ برس کے قریب ہوگی وہ بھی اس پانی میں تھی، عجوبہ یہ تھا کہ ہم سب ہی لوگ برہنہ تھے، اور وہ دوشیزہ اتنی خوبرو اور خوبصورت تھی کہ اس کے عکس اور حسن کے پرتو سے کئی حوران جنت پیدا ہو سکتی تھیں اور جو اس کے حسن سے پیدا ہوتیں وہ بھی اتنی خوبصورت ہوتیں کہ بہت ممکن ہے کہ وہ اپنے حسن کی وجہ سے خدائی کا دعویٰ کرتیں، اس دوشیزہ کے رخساروں کا رنگ و روپ نہایت ہی دلکش و دلفریب تھا اور اس کا قد ایک نوجوان لڑکے کی مانند تھا، اور

اس کا حُسن میرے دل کو موہ رہا تھا، میرے اور اس کے درمیان تقریباً ایک میل کا فاصلہ تھا، جب اُس نے مجھے دیکھا تو اپنی طرف بُلایا، میں اس کی جانب اس طرح جا رہا تھا جیسے ایک بادشاہ شب عروسی میں اپنی دلہن کی طرف جاتا ہے میرے اور اُس کے درمیان ایک فرلانگ کا فاصلہ تھا کہ یکایک ایک غیبی شخص آ گیا اُس نے ہمارے اوپر کپڑا ڈالا اور ہمیں وہ کپڑے اس طرح پہنائے جیسے کوئی کسی کو پہناتا ہے چنانچہ اس کے بعد میں نے اس دوشیزہ کو خوب مزے سے دیکھا، چنانچہ وہ میری اور میں اس کا عاشق ہو گیا۔ اسی دوران میرے اور اس کے درمیان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ظاہر ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں، چنانچہ ہر دونوں فریق میں اختلاف ہو گیا، میں کہتا تھا کہ یہ میرے بیٹے ہیں اور وہ دوشیزہ کہتی تھی کہ یہ میرے بیٹے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہم دونوں کا بیٹا ہونے سے انکار کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ نہ میں آپ سے ہوں اور نہ ہی اس عورت سے میں تو خود بخود آیا ہوں اور جس پانی کا میں نے ذکر کیا وہ تمام میں ہی ہوں۔ واللہ اعلم

سیّد شیخ محمد جعفر مکّی سرہندیؒ

۷۰۶ھ ——————— ۸۴۱ھ

آپ شیخ نصیر الدین محمودؒ کے ممتاز خلفاء میں سے تھے، مقام توحید و وحدت میں عالی مرتبہ رکھنے کے علاوہ بڑے بلند پایہ بزرگ اور ولی تھے، آپ نے جو اپنے ظاہری و باطنی حالات تحریر فرمائے ہیں ان کو دیکھ کر انسانی عقل حیران رہے بغیر نہیں رہ سکتی اگر ان تمام احوال کو بغیر کسی تاویل کے اپنے ظاہر ہی پر محمول کر لیا جائے تو یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ واقعی آپ اپنے وقت کے بہت بڑے کامل بزرگ تھے آپ نے اپنی کتاب "بحر المعانی" میں توحید کے اکثر دقائق اور مختلف قوموں کے علوم اور معرفت کے اسرار کو بیان فرمایا ہے اور آپ کی تحریر کا انداز بڑا ہی پیارا اور دوستانہ وارانہ ہے۔ آپ نے اور بھی دو کتابیں جنہیں ایک کا نام دقائق معانی

اور دوسری کا نام حقائق معانی لکھنے کا وعدہ کیا ہے خدا معلوم آپ کی یہ کتابیں لکھی گئی ہیں یا نہیں، علاوہ ازیں آپ کے یہ رسالہ جات بھی ہیں۔ (۱) یہ رسالہ روح کے بیان میں ہے (۲) پنج نکات (۳) بحر الانساب، اس میں اپنا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کا نسب نامہ لکھا ہے۔ آپ نے بہت سے دعوے کئے ہیں لیکن آپ کے حالات ان کی سچائی پر بین دلیل اور ظاہر شاہد ہیں۔ آپ نے بڑی لمبی عمر پائی، کہ سلطان محمد تغلق کے زمانہ سے سلطان بہلول کے زمانہ تک زندہ رہے اور ایک سو سال سے زائد عمر پائی، آپ کے آباؤ اجداد مکہ کے بڑے شرفا میں شمار کئے جاتے تھے، آپ مکہ سے دہلی تشریف لائے اور اس کے بعد سرہند رہنے لگے اور وہیں وفات پائی چنانچہ آپ کی قبر بھی وہیں ہے۔ آپ بحر المعانی میں لکھتے ہیں کہ میں نے اپنی عمر کے ساٹھ سال علوم ظاہری میں صرف کئے تھے اور بڑے کمالات حاصل کرتا رہا، چنانچہ اس طویل زندگی میں اپنے محبوبِ ازلی اور مقصود ابدی سے غافل رہا، اور اب تینتیس برس سے قوتِ بینائی جو دکھاتی ہے اسے دیکھتا ہوں اور جو کچھ کانوں کے ذریعہ سنائی دیتا ہے اُسے سنتا ہوں، اے محبوب! اہل ظاہر کے دل اور ان کی بانجھ عقل اس راستہ میں حائل تھی اور اگر مجھے اس کا علم نہ ہوتا تو اپنا سامان ابدی اور لم یزل جنگل کی طرف باندھ چکا تھا۔ اے محبوب! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے لوگوں نے ابھی تک سنا نہیں، اور اللہ رب العزت نے بغیر حرف اور آواز کے جوامع الکتاب میں عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے اُسے جب حروف اور آواز کے ذریعہ سے لوگوں تک ظاہر کرتا ہوں تو لوگ اُسے سمجھتے ہی نہیں۔ ۳۳ برس ہوگئے ہیں کہ لوگوں کی طرح کہنے سے میں نے توبہ کرلی ہے اور جو کچھ کہتا ہوں اس میں اپنی کوئی غرض شامل نہیں ہوتی۔ اسی کتاب میں آپ نے ابدالوں، قطبوں، اوتادوں اور رجال الغیب، ان کے اسماء، ان کی تعداد، ان کے مراتب، درجات، ان کی عمریں اور حالات بھی درج کئے ہیں اور اس تفصیل سے لکھا ہے کہ اس سے زائد کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آخر میں

لکھتے ہیں کہ میں نے ان سب سے ملاقات کی ہے اور سب سے ایک ایک تحفہ حاصل کیا ہے اور اُن کے مقامات کا مشاہدہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں ۳۵۷ ابدالوں سے ملا ہوں جو دریائے نیل کے کنارے پر پہاڑوں میں رہتے ہیں جو درختوں کا گوند اور جنگلوں کی ٹڈیاں کھاتے ہیں۔ اے محبوب! ان کے علاوہ بھی لا محدود افراد ہیں، جو اہلِ دنیا کی آنکھوں سے مستور ہیں، ان لوگوں کو صرف قطب جانتے ہیں یا وہ کامل لوگ جو حضرت علی کے سلوک پر چلتے ہیں اور قلبی طور پر ان کا تعلق رسالتمآب سے ہوتا ہے اس لئے بہت بلند مرتبے پاتے ہیں، جس طرح کہ حضرت علی نے بھی مراتب عُلیا کا حصول رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے کیا، سو جب کوئی شخص اپنا قلبی تعلق رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے وابستہ کر لیتا ہے تو خدا تعالیٰ اسکو قطب بنا دیتے ہیں اور پھر وہ مقامِ معشوقیت یعنی احدیت میں محو ہو جاتا ہے

اے محبوب! تمام لوگوں میں سے صرف دو آدمی مقامِ قطبیت سے مقامِ معشوقیت تک رسائی حاصل کر سکے ہیں۔ ایک شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی اور دوسرے شیخ نظام الدین بدایونی، ان دونوں بزرگوں نے نبوت کے چشمہ سے خوب سیر ہو کر علومِ نبوت کو حاصل کیا ہے۔

اے محبوب! آپ اس بات کا یقین کریں کہ میں جو کچھ کہتا اور لکھتا ہوں اس کا پہلے مشاہدہ کرتا ہوں۔

اے محبوب! ایک دن میں اور حضرت خضرؑ مصر میں دریائے نیل میں ایک کشتی پر سوار تھے اور ہم دونوں میں رب تعالیٰ کے مشاہدے کے سلسلہ میں گفتگو ہو رہی تھی، اسی دوران میں خضر علیہ السلام نے مجھ سے یہ بھی فرمایا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ نظام الدین بدایونی مقام معشوقیت تک پہنچے ہوئے تھے، ایک جگہ آپ فرماتے ہیں کہ اے محبوب! میں مسلسل نوے برس تک بیدار رہا ہوں اور اکیس سال تک ایسا مست رہا ہوں کہ مجھے اپنی ذات کی خبر تک نہ ہوا کرتی تھی، یہ اس زمانے کی بات ہے کہ جب میں زمانہ کے قطب شیخ

یعقوب کے پڑوس میں رہتا تھا، انھوں نے ہی مجھے میری اکیس[۲۱] برس کی کیفیت کو سنایا تب مجھے معلوم ہوا کہ میں اتنی طویل مدت تک بیخود رہا ہوں اور اب کچھ برس سے اپنے پیر کی برکت سے مقام فردانیت میں آیا ہوں

شعر

فریدم فرد بہ نشستم کہ در خود　　ز فردیت بسے انوار دارم
اگر موسیٰ نیم موسیٰ چہ ہستم　　درون سینہ موسیقار دارم

اے محبوب! ابن عربی صاحب فصوص الحکم لکھتے ہیں کہ منصور حلاج کو جب خدا کی ذات کی تجلی ہوئی اس وقت وہ مقام فردانیت ہی میں تھا لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر منصور حلاج کو ذات باری کی تجلی ہوئی ہوتی تو وہ ہرگز ہرگز انا الحق نہ کہتا اور نہ ہی انا سبحان کے نعرے لگاتا کیونکہ خدا کی تجلی میں تو ایک خاص قسم کی محویت حاصل ہو جاتی ہے اور جو شخص خدا کی ذات کے مشاہدہ میں محو و مستغرق ہو جائے اُسے کیا خبر کہ میں کون اور کیا ہوں وہ اس کیفیت و حالت میں کسی وقت بھی انا الحق و سبحانی نہیں کہہ سکتا اس لئے کہ جس کو خدا کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اس کی زبان پھر خدا کی تجلی میں ہی محو ہو جاتی ہے، البتہ تجلی صفات کی حالت میں زبان کھلی رہتی ہے اور اس حالت میں وہ اپنے افعال و اثرات کو اپنی زبان سے بیان کرتا ہے۔

اے محبوب! جس وقت کسی درویش کو تجلی صفات میں استغراق ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنی جمالی صفات کو اللہ کی صفات تصور کرے یعنی درویش صفاتِ الٰہی میں مستغرق ہو کر اس کی جمالی صفات کے نور کا ایک حصہ اور ٹکڑا بن جائے اس وقت وہ واجب الوجود کی صفتوں کو بیان کرتا ہے اس وقت چونکہ وہ تمام آلائشوں سے پاک ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں چونکہ وہ واجب الوجود کی صفتوں میں مستغرق ہے اور اسے اپنی ذات کی کوئی خبر نہیں اس لئے وہ اُن ہی اوصاف کو کبھی انا الحق اور کبھی سبحانی سے بیان کرتا، تو فی الواقع وہ نہیں بول رہا بلکہ خدا کی صفت اس کے اندر بول رہی ہے اس کا ثبوت حدیث میں بھی ملتا ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ

ان اللہ لینطق علے لسان عمر ترجمہ (کہ اللہ تعالیٰ عمر کی زبان میں بولتے ہیں۔
کیا کروں! ابن عربی اس وقت زندہ نہیں ورنہ جو کچھ مجھے کہنا تھا وہ سب ان سے لکھ کر کہتا اور یقین ہے کہ وہ ضرور تسلیم کرتے، میرے ملفوظات صرف بحر المعانی ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور بھی ہیں جو اے محبوب تمہیں کسی روز لکھوں گا۔

اے محبوب! میں صاحب حقیقت شیخ نصیر الدین محمود سے مرید ہونے کے بعد آپ کی برکت سے تصوف اور سلوک کے راستہ میں ترقی کرتا رہا اور مقام تجلی صفات سے تجلی ذات میں جو مستور و پوشیدہ رکھنے کا مقام ہے داخل ہوا، ایک روز صاحب حقیقت شیخ نصیر الدین محمود ذکر خفی فرما رہے تھے اور میں آپکی خدمت میں نہایت متواضعانہ صورت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا اے میدان عالم لاہوت کے شہباز، اے عالم جبروت کے پاکیزہ، اے عالم ملکوت و ناسوت کے شہسوار آئیے آئیے، اس کے بعد میری آنکھوں میں سرمہ کی ایک سلائی ڈالی اور فرمایا کہ یہ اللہ کی ذات کے جمال کے نور کا سرمہ ہے، یہ واقعہ ۷۵۳ھ کا ہے۔ چنانچہ جب رات ہوئی تو میں اڑنے لگا اور شہر ختلان سے مصر پہنچ گیا اور شیخ اوحد سمنانی کی خدمت میں حاضر ہوا انھوں نے بھی مجھے انھیں کلمات سے یاد فرمایا جن کلمات سے شیخ نے یاد فرمایا تھا۔ بعدہٗ مجھے اپنے کمرے کے ایک گوشہ میں بٹھا دیا جہاں دو آدمی میرے علاوہ اور بھی بیٹھے تھے ان میں سے ایک صوفی تھا اور دوسرا طالب علم، قطب عالم شیخ اوحد سمنانی کی امامت میں میں نے عشاء کی نماز ادا کی اس کے بعد رات کے دو تہائی حصہ تک میں نے قرآن کریم کے تیرہ پارے پڑھے بعد ازیں جو میں نے اپنے قلب کو دیکھا تو اسے نور سے لبریز پایا جو عرش پر محیط ہو چکا ہے اور اس طرح معلوم ہو رہا ہے کہ گویا عرش میری نظروں میں رائی کے ایک دانہ کی مانند ہے اس کے بعد میں نے اپنے بالوں کو دیکھا تو ایسا محسوس ہوا کہ میرا ہر ہر بال ایک علیحدہ وجود و ہستی کا مالک ہے بعدہٗ وہ شکلیں ختم ہونے لگیں، پھر میں نے دیکھا کہ تمام دنیا اور اس کی تمام چیزیں اپنی صورتیں بدلنے لگی ہیں اور تمام

تجلیات صفات افعال اور اسمار و آثار نے بھی اپنی صورتیں تبدیل کرنا شروع کردی ہیں۔

اے محبوب! محو در محو ہونا اسی کو کہتے ہیں، اس طرح میں نے آنکھ کے جھپکنے کی دیر ہی ستر ہزار عوالم کی سیر کی ہے، اس کے بعد بذات خود میں نے یہ حکم سنا کہ اے میرے پُرجلال بندے! تیرے اور میرے درمیان حجاب جمال در پیش ہے اور میرے جمال کے انوار پُرجلال ہیں اور تو اس وقت جلال و جمال کے مابین ہے خلاصہ یہ کہ اتنی گفتگو کے بعد میں رب تعالیٰ کی تجلّی سے سرفراز ہوا جس کی کیفیت صرف مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہے، بعدہٗ مقام لاہوت میں جس کو مقام فردانیت بھی کہتے ہیں بیس ٹھہرا رہا اور رب العالمین کی تجلی کے بعد سترہ دن تک میں عالم بیداری اور حیرانی میں اوحد سمنانی کے کمرے میں یہ پڑھتا رہا

اشعار

از شرابِ شوق گشتم مست او — ہست من گم گشت اندر ہست او
بود ما در بود او نابود شد — ہرچہ جز غیرش بداں مردود شد
چوں مجرد گشتم از ہستی تمام — نے وجودم ماند آنجا و نہ نام
چوں شدہ فانی محمد از وجود — غیر او دیدہ کہ کس دیگر نبود

اے محبوب! تجلّیٔ ذاتِ الٰہی کے بعد میں شیخ اوحد سمنانی کے کمرہ میں بالکل بیہوش پڑا رہا اور میری بیہوشی کے زمانے میں شیخ میری پیشانی کو چومتے رہتے تھے، شیخ جو ولی تھے اگر انھیں میری اندرونی کیفیت کا علم نہ ہوتا تو مجھے اسی کمرے میں مردہ اور میت سمجھ کر دفن کر دیتے اور اس بیہوشی کے عالم کو ختم ہوجانے کے بعد میں سترہ روز تک اسی کمرے میں بیدار تھا اور آنکھیں پھاڑے حیران بیٹھا دیکھتا رہتا تھا اس لئے کہ یہ تجلیات کی ابتدا تھی (جس کی وجہ سے میرے اوپر بہت اثر ہوا) اس کے بعد تو میں جدھر دیکھتا مجھے ایک نور دکھائی دیتا جو مجھے جوانب اربعہ سے گھیرے ہوئے ہوتا، مقام فردانیت میں اس صورت کو افاقہ

کہتے ہیں جو تمام کائنات پر بحیثیت قدرت و تمکنت کے قابض اور سایہ کیے ہوئے ہے، اور یہ تمام حالات محض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کی برکتیں ہیں۔

میرے والد بزرگوار امیر کبیر جعفر نصیر ایک روز میرے شیخ خواجہ نصیر الدین محمود کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، میرے شیخ نے ان سے فرمایا کہ اے جعفر! سید محمد میدان لاہوت کا شہباز ہے، تین سو اسی سے زیادہ اولیاء اور اقطاب اُن سے فیض حاصل کریں گے اور ان کی بیعت سے سرفراز ہونگے اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ میں خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ مولنا شمس الدین یحییٰ سے تلخیص پڑھا کرتا تھا۔

اے محبوب! جب میں اس مقام تک پہنچا تو یہ اشعار پڑھا کرتا تھا

اشعار

گفتم اکنوں من ندانم کیستم ۔۔۔ بندۂ بارے نیم بس چیستم!
بندۂ شد محو و آزادے نماند ۔۔۔ ذرۂ در دل غم و شادے نماند
بے جہت گشتم، نگشتم بے جہت ۔۔۔ عارفم اما ندارم معرفت!
می ندانم تو منی یا من توئی ۔۔۔ محو گشتم در تو و گم شد دوئی

اے محبوب! کوئی گمراہ بھی یہ کلام نہیں کہہ سکتا، سو جس نے یہ کہا ہے تو (وہ معذور تھا اس لئے کہ اس نے) تجلّیِ صفات کے بعد یہ کہا ہے کیونکہ اس کلام ہی سے تجلّی ظاہر ہو رہی ہے، جب میرے دل میں آتا ہے کہ آپ کے لئے کچھ لکھوں تو تجلّیِ ذات کے نہ دیکھنے کی وجہ سے حیران و پریشان ہو جاتا ہوں دگر نہ کہاں آپ اور کہاں یہ گفتگو، آپ کو تو میرے حق میں یہ دعا کرنا چاہیئے کہ میری حیرانی کے زمانہ میں آپ میرے ہمراہ رہیں تاکہ اس کتاب کو جو بغیر حروف و آواز کے ہے آپ پر حروف و آواز کی صورت میں بیان کر سکوں، اے محبوب! بڑی غور و فکر سے سوچو اور انسانی نظر سے مجھے نہ دیکھو

اشعار

مردا ور اے کاندریں راہ! ۔۔۔ نے بُوئے ہمی خرند و نے رنگ
افتادہ مباش در رہِ تنگ ۔۔۔ زنار مغانہ بر میاں بند

میداں بہ یقین در دو عالم! در راہ تو جز تو نیست خرسنگ

مکمل ہوا یہ مبارک خط مورخہ ۳۰ شوال ۸۲۴ھ

آپ بحر المعانی میں ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ میرے قلم سے جو کچھ نکلتا ہے وہ فی الواقع میرے دل کی صدا ہوتی ہے، ان باتوں کو میرا دل روح سے اخذ کرتا ہے اور میری روح ان باتوں کو حضرت علیؓ سے اور حضرت علیؓ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے اخذ کرتے ہیں، اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم براہِ راست ان باتوں کو خدا تعالےٰ کی ذات سے لیتے ہیں۔

اے محبوب! میں جتنا زیادہ لکھتا ہوں اتنا ہی زیادہ مشکلات میں مبتلا ہو جاتا ہوں، یقین جانئے کہ بحر المعانی کے مضامین برسہا برس تک سفر و حضر میں مجھ سے حضرت خضر علیہ السلام دریافت فرماتے رہے مگر میں نے انھیں نہیں بتلائے، اور اب بھی پوچھتے رہتے ہیں مگر خدا کی قسم میں انھیں ہرگز ہرگز نہیں بتاؤں گا، سبب اس کا یہ ہے کہ میں نے ابتداءً یہ باتیں حضرت خضر علیہ السلام سے دریافت کی تھیں مگر انھوں نے کچھ ایسے بے رُخے پن سے جواب دیا کہ میری تسلی نہ ہو سکی اور اب انھیں آرزو ہے مگر میں احتراز کرتا ہوں، وہ ان اسرار کے ذریعہ اپنی جان کی حفاظت کے خواہاں ہیں یعنی نیم جان کی حفاظت چاہتے ہیں اور میری کیفیت یہ ہے کہ اگر مجھے ہزار ہا جانیں دی جائیں تو میں ان سب جانوں کو چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔

اے محبوب! آپ بھی جاں نثار بن جائیں تاکہ حضرت خضر علیہ السلام جیسے ہزاروں آپ کے لئے سرگرداں نظر آئیں خیر الکلام قلّ ودلّ دامنگیر ہے اسلئے میں اپنے مافی الضمیر کو اجمالاً لکھ رہا ہوں، اگر تفصیل سے لکھوں تو توراۃ کی مانند ایک ایسی ضخیم کتاب بن جائے جس کو اونٹ پر لادے بغیر نہ اُٹھایا جا سکے چونکہ یہ تمام کلمات فی الواقع قرآن کریم کی شرح ہیں اس لئے ان کو بھی خیر الکلام ہی کہا جائے۔

بحر المعانی میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ اس بوڑھے فقیر نے خدا تعالیٰ کے عاشقوں کے آستانہ پر برابر بیس برس تک خاکروبی کی ہے بعدہٗ صاحب حقیقت

شیخ نصیر الدین محمود کی خدمتِ عالیہ میں تین مہینے بارہ یوم تک حاضر باش رہا اور بیعت ہونے کے بعد آپ کی تین ہدایات پر عمل کرنے میں ہمہ تن مشغول ہو گیا۔

پہلا کام یہ کہ پانچوں وقت پانی لاکر اپنے شیخ کو وضو کرانا،

دوسرا کام یہ کہ شیخ کے گھر کی روشنی کا انتظام کرنا،

تیسرا کام یہ کہ شیخ کے استنجار کے لئے ڈھیلے لانا، مگر میں انھیں حاصل کرنے کے بعد اپنے رخساروں پر مسل کر صاف کر لیا کرتا تھا، یہ اس زمانہ کی بات ہے جبکہ سلطان تغلق کے دَورِ حکومت میں میرے والد بزرگوار کے پاس تمام علاقہ کنبہات کی جاگیر تھی اور آپ کے لئے ایک ہزار تین سو سوار بھی مقرر تھے، اپنے شیخ کی اجازت سے میں نے تین ہزار اولیائے کرام کو پایا اور ان کی خدمت کی، ہر ایک سے مجھے فائدہ ہوا، ظاہر پرست صوفیار اور عوام الناس یہ سمجھتے ہیں کہ یہ منزل بڑی آسان ہے (حالانکہ یہ منزل بہت مشکل ہے)

نیز بحر المعانی میں ان تین ہزار بیاسی مشہور بزرگوں کے حالات اور جائے سکونت اور مقام ملاقات، سفر و قیام اور ان کی خدمت میں اپنے ٹھہرنے کی مدت وغیرہ تمام چیزوں کو تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ صفوان بن قیس عبد مناف کے بھائی جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر مسلمان ہوئے میں نے انھیں ایک غار میں (عبادت میں) مشغول دیکھا ہے، میں نے جس دن اُن کی ملاقات کا شرف حاصل کیا اس وقت اُن کی عمر نو سو بانوے برس کی تھی (اُن سے میں نے دریافت کیا کہ آپ اس وقت یہاں کیسے ہیں) تو انھوں نے فرمایا کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے درازیٔ عمر کی دعا کی تھی۔

میں مؤلف اخبار الاخیار کہتا ہوں کہ صفوان کا یہ واقعہ آپکی ایک دوسری کتاب "بحر الانساب" میں بھی مذکور ہے یہ غرابت سے خالی نہیں ہے جو کتب احادیث اور سیر کے موافق نہیں (یعنی یہ قصہ صحیح نہیں بلا سند و بلا دلیل ہے) واللہ اعلم بالصواب۔
آپ ایک جگہ اور فرماتے ہیں کہ اے محبوب! میں نے اتنی سیر کی ہے اور اس

دَوران اتنے مختلف مذاہب کے لوگوں سے ملا ہوں اور اُن سے گفتگو کی ہے کہ اگر
اس کو تفصیل سے ذکر کروں تو ایک ایسا ضخیم ذخیرہ ہو جائے جس کو اُٹھانے کے لئے
اونٹوں کی ضرورت محسوس کی جائے گی۔ ایک اور جگہ آپ لکھتے ہیں کہ میں اگر ان تمام
کلمات کو بحر المعانی میں درج کر دیتا جو میرے اوپر وارد ہوئے ہیں تو یہ جہان
لرزہ بر اندام ہو جاتا، میں اپنے نانا رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی غیرت کی وجہ سے
بڑا ہراساں ہوں (یعنی اس بات سے ہمیشہ ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ سے ایسا کام سرزد
نہ ہو جائے جس کی وجہ سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم غیور ہونے کی وجہ سے مجھ سے
خفا ہو جائیں) اور دو غیوروں کے درمیان میں پڑا ہوں جیسا کہ رسول اللہ صلے
اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ انا غیورٌ واللہ اغیر منی ترجمہ (میں غیور ہوں، اور
اللہ تعالےٰ مجھ سے زیادہ غیور ہیں)

اے محبوب! موسیٰ علیہ السلام جب علمِ نبوت اور ولایت میں مکمل ہو گئے تو
آپ بھی خضر علیہ السلام کی طرح تین چیزوں کا تحمل نہ کر سکے اور خضر علیہ السلام
میرے ان کلمات سے ابھی تک سرگرداں ہیں

اے محبوب! موسیٰ علیہ السلام تو تین چیزوں کا تحمل نہ کر سکے، اور اے محبوب
تو نبی علیہ السلام کے در کا فقیر بحر المعانی کے تمام (مضامین مشکلہ) کا حامل بن گیا
اگر موسیٰ علیہ السلام اس زمانے میں ہوتے تو تُو ان سے وہی کہتا جو کہا گیا ہے اسلئے
خدا کی نعمت کا شکر ادا کیا جائے اور اپنے عزائم و ارادے بلند رکھو تاکہ بحر المعانی
کے دقائق لکھ سکو اور میرے لئے شب و روز دعا کیا کرو تاکہ زندگی یاری کرے،

شعر

از دُعائے زاہداں چوں بر نیاید کار من
شاہداں را پائے بوسی بد کہ دل کارے کند

بحر المعانی کے اخیر میں لکھتے ہیں کہ جمعرات ۲۷ محرم الحرام کو ۳۶ واں خط
تحریر کر رہا تھا اور اسرار عشق میں قلم بڑی جولانی سے چل رہا تھا جب یہاں
پہنچا زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا ترجمہ (ایک دن چھوڑ کر زیارت کر کے محبت کو بڑھا

تو ایک دوسرے ہی جہان میں جا پہنچا اور گھٹنوں پر سر رکھ کر حیران بیٹھ گیا، اسی عالم میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو مسجد قبا میں تشریف فرما دیکھا، تمام اصحاب رسول، اولیائے کرام حضرت علیؓ سے لیکر شیخ نصیر الدین محمودؒ تک تمام کے تمام لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فارسی زبان میں فرمایا، اے فرزند مست حضرت لم یزل ولایزال، بحر المعانی را بیار (اے خدا کی ذات میں مست بیٹے، بحر المعانی لاؤ، چنانچہ اسوقت میں نے جو ۳۵ یا ۳۶ مکتوب لکھے تھے فوراً پیش کردیئے، آپ نے اُن تمام مکتوبات کو نبوت کی طاقت سے بہت جلدی پڑھ کر فرمایا، اے بیٹے! تمام تعریف اس ذات کی ہے جس نے آپکو یہ رموز الہام کئے اور فرمایا کہ اللہ تمہیں اس سے بھی زیادہ علم دے، پھر نبی علیہ السلام نے فارسی زبان میں فرمایا، اے دوستو! بحر المعانی کا یہ مصنف وہ شخص ہے جس نے قرآن کریم کے حقیقی معانی کو بحر المعانی میں لکھ دیا ہے اگر دنیا کے تمام علوم ختم ہو جائیں اور علوم کا ایک ورق بھی باقی نہ رہے تب بھی یہ شخص ان علوم کو قلم کی ایک جنبش سے تحریر کردے گا۔ پھر فرمایا، اے خدا کے مست بیٹے! ان رموز واسرار کو صحرا میں نہ ڈال دینا کیونکہ شریعت کے امور دنیا میں کم ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اہلِ مذہب سے اہلِ دنیا نفرت کرنے لگے ہیں۔ میں نے اقرار کیا کہ آپ کا ارشاد سر آنکھوں پر، چنانچہ ۳۶ ویں مکتوب سے آگے اس واقعہ کے بعد لکھنا شروع کیا اور بحر المعانی کو مکمل کیا۔

اے محبوب! اس کے بعد نبی علیہ السلام نے یہ کتاب خود دیکھ کر حضرت علیؓ کو دی۔ انہوں نے حسن بصری کو، انھوں نے خواجہ عبد الواحد بن زید کو اس کے بعد سلسلہ وار تمام مشائخ کے پاس سے ہوتی ہوئی وہ کتاب شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے ہاں پہنچی۔

اے محبوب! یہ فقیر اس بات کا منتظر تھا کہ نبی علیہ السلام اس بات کی اجازت دیں کہ بحر المعانی کے حقائق و دقائق کو تحریر کیا جائے، چنانچہ جب آپ نے

مجھے یہ فرمایا کہ ارشدك الله فی زیادة علمك تو میں نے اس کو تصنیف کی اجازت پر محمول کیا۔ والسلام

بحر المعانی میں لکھتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام صاحب ذوق موسیٰ علیہ السلام صاحب لذت اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم صاحبِ حلاوت پیغمبر تھے۔

نیز بحر المعانی میں لکھتے ہیں کہ شیخ عبد القادر جیلانی فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں خدا تعالےٰ کو اُمّی صورت میں دیکھا اور اُمّیّ ، تو فرمایا کہ جس کا ذکر اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمد النبیّ الامّیّ میں ہے ارشاد ہے کہ تمام اولیائے کرام میری قبا کے دامن میں ہیں لا یعرفھم غیری ، اس غیری میں یائے تکلم نہیں بلکہ یائے نسبتی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا ، یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی اپنے پیاروں کو پہنچانتے ہیں اور اس کے پیارے اپنے پیاروں کو جانتے ہیں۔

ایک جگہ اور لکھتے ہیں کہ سماع روح کی معراج ہے اور نماز دل کی معراج ہے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انّی لاجد نفس الرحمان جانب الیمن ترجمہ (میں رحمت کی ہوا یمن کی جانب سے محسوس کرتا ہوں) اس سے مراد پردۂ یمن ہے اے محبوب! آپ نے اس آواز کو سنا ہوگا جس کو ہندوستان میں بسنت راگ کہتے ہیں جو پردۂ یمن سے بڑی نرم آواز سے کھینچا جاتا ہے۔

اے محبوب! نبی علیہ السلام نے اپنے سماع میں کنایۃً بیان فرمایا ہے ، اے محبوب اہل ظواہر اور علماء ناداں کیا جانیں کہ میں کیا لکھتا ہوں افسوس اس بات کا ہے کہ اب کوئی ایسا آدمی ہی نہیں جس سے دل کی بات کہی جائے ،

میں (مؤلف اخبار الاخیار) کہتا ہوں کہ اہل سکر کے وہ کلمات جو حالت ذوق کے غلبہ کے وقت صادر ہوں اور معرض وجود میں آئیں وہ قواعد عقلیہ اور نقلیہ کے اعتبار سے معتبر نہیں ہوتے (چونکہ وہ کلمات ان سے حالتِ سکر میں صادر ہوتے ہیں اس لئے وہ اس میں معذور ہوتے ہیں۔ ۱۲ فاضل

اور یہ بات بلاشبہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ یائے نسبتی مشدد ہوتی ہے

اور اس کا مخفف ہونا کبھی ضرورت کی وجہ سے جائز رکھا گیا ہے (اور اس جگہ کوئی ضرورت نہیں کہ غیری کی یار کو مخفف مانا جائے)

علاوہ ازیں اگر مذکورہ حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو اس سے یمن شہر مراد ہے (نہ کہ پردہ) اور بعض مجذوب اور صاحب ذوق لوگوں سے جو اسرار ظاہر ہوتے ہیں ان کے لئے قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ انھیں پوشیدہ رکھا جائے اور آگے بیان نہ کیا جائے اللہ تعالیٰ نے تمام عارفین کے اسرار مقدس و پاکیزہ بنائے ہیں۔ واللہ اعلم

بحرالمعانی میں آپ کے جو بعض اشعار ہیں ان میں سے ایک غزل لکھی جاتی ہے

اے صورتِ تو جہانِ معنی — یا صورتِ تست جانِ معنی
یکسر شاخ گلے نہ بستہ صورت — مثل تو بہ بوستانِ معنی
از صورتِ تست خاطرِ ما — منزل گہِ کاروانِ معنی
ہر عضو کند بصد زباں پیش — از صورتِ تو بیانِ معنی
در صورتِ وصف تو محمد — تا حشر نہادہ خوانِ معنی

سید جلال الدین رح

۷۰۷ھ ——— ۷۸۵ھ

آپ کا لقب مخدوم جہانیاں تھا۔ بڑے عالم، ولی اور شیخ تھے، شیخ الاسلام شیخ رکن الدین ابوالفتح قریشی کے مرید اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رح کے خلیفہ تھے، مکہ معظمہ میں امام عبداللہ یافعی سے آپ کو مصاحبت نصیب ہوئی، آپ نے اپنے ملفوظات "خزانہ جلالی" میں امام یافعی کا بکثرت ذکر کیا ہے۔ آپ نے بے انتہا سیر و تفریح کی اور بہت سے اولیائے کرام سے نعمتیں اور برکتیں حاصل کیں۔ آپ کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ آپ جس سے معانقہ کرتے اور گلے ملتے، اس سے اس کی کرامتیں چھین لیتے یعنی اس پر اتنی توجہ ڈالتے اور خدمت

کرتے کہ اس کے پاس جتنی نعمتیں اور برکتیں ہوتیں وہ بے اختیار آپ کو دے دیتے
تاریخ محمدی میں ہے کہ آپ نے ابتداءً اپنے چچا شیخ صدرالدین بخاری رح سے خرقہ پہنا، پھر حرم شریف کے شیخ الاسلام امام المحدثین شیخ عفیف الدین عبداللہ المطری سے کلاہِ ارادت اور خرقہ تبرک حاصل کیا اور متواتر دو سال تک شب و روز ان کی خدمت میں رہے اور معرفت و سلوک کی کچھ کتابیں بھی انھیں سے پڑھیں اسی طرح علمِ طریقت اور ذکر اللہ کا طریقہ بھی انھیں سے حاصل کیا، اس کے بعد شیخ عفیف الدین نے آپ سے فرمایا کہ تمہارے لئے علم کا حاصل کرنا موقوف ہے گازرون میں۔ جب آپ گازرون پہنچے تو انھیں شیخ امین الدین مرحوم کے بھائی شیخ امام الدین نے کہا کہ مجھے شیخ امین الدین مرحوم نے بوقت انتقال یہ فرمایا تھا کہ میری ملاقات کے لئے سید جلال الدین اوچی ملتان کے راستہ سے آرہے تھے کہ شیطان نے ان سے راستہ میں جھوٹ بولا اور کہا کہ شیخ امین الدین اس دارِ فانی سے منتقل ہوکر دار القرار میں چلے گئے ہیں اور وہ یہ خبر سُن کر مکہ معظمہ چلے گئے ہیں وہ واپسی میں گازرون آئیں گے ان کو میرا سلام کہنا اور میری جائے نماز اور قینچی دے کر میرا خلیفۂ مجاز بنا دینا، چنانچہ شیخ امام الدین نے اپنے بھائی کی وصیت کے مطابق کیا۔ سید السادات سید جلال الدین رح نے اس بزرگ سے بہت فائدہ حاصل کیا اور پھر وہاں سے واپس آکر سید رکن الدین سے خرقۂ تبرک حاصل کیا اور پھر سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں شیخ الاسلام کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

سیوسیان اور اس کے اردگرد کا علاقہ آپ کی جاگیر قرار دیا گیا، وہاں آپ نے ایک خانقاہ تعمیر کرائی جس کا نام "خانقاہِ محمدی" رکھا پھر چند دنوں کے بعد سب کچھ چھوڑ کر حجاز چلے گئے، آپ چودہ خانوادوں کے خلیفہ تھے (پھر حجاز سے واپس آئے) تو سلطان فیروز کے دورِ حکومت میں کئی مرتبہ اُوچ سے دہلی تشریف لائے، سلطان فیروز بڑی عقیدت اور خلوص کے ساتھ آپ سے ملا کرتا تھا، مخدوم جہانیاں کو سلسلۂ قادریہ کے ساتھ والہانہ محبت تھی، آپ اپنے

ملفوظات المسمّٰی "خزانہ جلالی" میں شیخ عبدالقادرؒ کا یہ مقولہ نقل کرتے ہیں کہ شیخ عبدالقادرؒ نے فرمایا کہ خوشخبری ہے اس کے لئے جس نے مجھے دیکھا ۔۔ اور خوشخبری ہے اس کے لئے جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا، اسی طرح خوشخبری ہے اس کے لئے جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ چونکہ شیخ عبدالقادر اپنے وقت کے قطب اور بات کے سچے تھے اس لئے مجھے امید ہے کہ ان کی اس بات کے بموجب اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم وکرم کریں گے۔

اس کے بعد اس سلسلہ میں ایک ہی واسطہ سے شیخ شہاب الدین سہروردی کے حوالہ سے جس میں شیخ بہاؤالدین زکریا کے واسطہ کا بھی ذکر نہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص کو دیکھا ہے جس نے شیخ سہروردی کو دیکھا تھا اور ان کو شیخ محی الدین عبدالقادر کی صحبت نصیب ہوئی ہے۔

منقول ہے کہ ایک روز آپ جس جگہ تشریف فرما تھے وہاں آگ لگ گئی آپ نے مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور اس پر بلند آواز سے شیخ عبدالقادرؒ کا نام لے کر آگ پر پھینک دیا، چنانچہ آگ اسی وقت ختم ہوگئی۔

ہمارے دیار میں ایک کتاب جو "تکملۂ فارسی" کے نام سے مشہور ہے یہ آپ کے ایک مرید کی لکھی ہوئی ہے جو اصل میں امام عبداللہ یافعیؒ کی کتاب روض الریاحین کے تکملہ کا ترجمہ ہے۔ مخدوم جہانیاں شب برأت ۷۰۷ھ پیدا ہوئے اور ۷۸ برس کی عمر میں عید اضحیٰ کے دن ۷۸۵ھ میں انتقال فرمایا، نیز ایک بات اس طرح بھی سننے میں آئی ہے کہ دفعہ میر سید علی ہمدانیؒ بغرض ملاقات آپ کے پاس گئے اور ان کے کمرے کے باہر بیٹھ گئے، خادم نے مخدوم جہانیاں کو اطلاع دی کہ میر سید علی ہمدانی آپ کی ملاقات کی غرض سے باہر بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ غیب کو جاننے والا اللہ کے سوا اور کوئی نہیں (مطلب یہ تھا کہ وہ جو باہر بیٹھ گئے ہیں اور مجھے اطلاع تک نہیں دی تو کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں غیب داں ہوں اور مجھے بغیر اطلاع کے معلوم ہو جاتا ہے کہ باہر کون آیا ہے۔ فاضل ۱۲) اس وجہ سے

انھیں اندر نہیں بلایا، اس بات سے میر سید علی ہمدانی کو سخت کوفت اور صدمہ ہوا۔ پھر سید علی ہمدانی نے اس تقریب پر ایک رسالہ ہمدان کی حقیقت پر لکھا ہے جس میں ایسی باتیں لکھی گئی ہیں جو سید جلال الدین مخدوم جہانیاں کی عظمت اور جلال کے لائق نہیں۔ واللہ اعلم

شیخ علاؤالدین بن اسعد لاہوری بنگالیؒ

۷۰۱ھ ——— ۸۰۰ھ

آپ شیخ سراج الدین ملقب بہ اخی سراج الدین کے خلیفہ تھے، ابتدائی زمانے میں مالدار اور غنی ہونے کی وجہ سے نہایت ہی شان و شوکت سے رہا کرتے تھے مگر جب سراج اخی کے مرید ہوئے تو سب کچھ چھوڑ کر فقیرانہ اور مستانہ وار گوشہ نشینی اختیار کرلی مشہور ہے کہ اخی سراج الدین جب شیخ نظام الدین اولیار سے خلافت حاصل کی تو اپنے آبائی وطن جانے کی اجازت چاہی اور جاتے وقت عرض کیا کہ حضرت وہاں ایک بہت بلند پایہ بزرگ شیخ علاؤالدین رہتے ہیں، میرا اور اُن کا نباہ کیسے ہوگا۔ شیخ نظام الدین اولیار نے فرمایا کہ فکر مند نہ ہو اور کوئی غم نہ کرو وہ تمہارا خادم بن کر رہے گا، چنانچہ جیسا خواجہ نظام الدین نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔

منقول ہے کہ شیخ سراج اخی اکثر و بیشتر سفر ہی میں رہا کرتے تھے اور کچھ کھانا پکا کر اپنے ساتھ رکھتے تھے اور شیخ کے خادم ایک بہت بڑا دیگچہ شوربے سے بھرا ہوا شیخ علاؤالدین کے سر پر رکھ دیا کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ کے سر کے بال گر گئے تھے، شیخ اکثر وقت ان لوگوں کے ہاں سے گزرتے تھے جو شیخ علاؤ الدین کے زمانہ میں وزیر وغیرہ ہوا کرتے تھے مگر اس سے علاؤالدین کی طبیعت پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ شیخ علاؤالدین کی خانقاہ میں کچھ قلندر آئے انکے ساتھ ایک بلی تھی جو یہاں آکر گم ہوگئی، قلندروں نے شیخ سے کہا کہ ہماری بلی

تلاش کیجیے، شیخ نے کہا کہ تم لوگ بلی کہاں سے لائے تھے؟ ایک نے کہا کہ ہرن کے سینگ سے، آپ نے فرمایا تم کو سینگ ہی مارے گا، دوسرے نے خصیہ دکھا دیا (کہ ہم بلی یہاں سے لائے تھے) آپ نے فرمایا کہ تجھے یہی ملے گا، چنانچہ شیخ انکو لیکر بلی کی تلاش میں باہر نکلے، جس نے کہا تھا کہ ہم بلی ہرن کے سینگ سے لائے تھے اس کے پاس ایک گائے آئی اور اس نے اس آدمی کو خوب زور سے ٹکر ماری اور جس نے خصیہ دکھایا تھا اس کے خصیہ میں اتنا ورم آیا کہ اسی وجہ سے مرگیا۔

شیخ علاؤالدین بڑے سخی آدمی تھے اور بے انتہا خرچ کیا کرتے تھے، آپ کا خرچ اتنا زیادہ تھا کہ جس پر بادشاہِ وقت کو بھی رشک ہوتا تھا، یہ حالت دیکھ کر اس وقت کا بادشاہ کہا کرتا تھا کہ میرا خزانہ شیخ کے باپ کے پاس ہے جو انھیں خرچ کرنے کے لئے دیتا ہے۔ اسی مغالطے کی بناپر بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ میرے شہر سے باہر سنار گاؤں میں چلے جائیں، چنانچہ اس گاؤں میں پہنچ کر شیخ نے اپنے خادموں سے فرمایا کہ پہلے تم جتنا خرچ کرتے تھے اب اس سے دوگنا خرچ کرو، چنانچہ شیخ کے حکم سے پہلے سے دوگنا خرچ ہونے لگا۔ شیخ کے اخراجات بہت زیادہ تھے لیکن آمدنی کا کوئی مستقل ذریعہ نہ تھا۔ شیخ کے آبائی دو باغ تھے جن کی سالانہ آمدنی آٹھ ہزار روپے تھی، ان پر ایک آدمی نے ناجائز قبضہ کر رکھا تھا مگر شیخ نے اس سے کبھی واپسی کا مطالبہ نہیں کیا، شیخ کا ہاتھ بہت کھلا ہوا تھا اور لوگوں کو خوب مال دیتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میرے شیخ جتنا خرچ کرتے تھے میں اسکا عشر عشیر بھی خرچ نہیں کرتا، آپ کا مزار پنڈوہ میں ہے آپکی وفات ۸۰۰ھ میں ہوئی۔

مولٰینا خواجگی آپ شیخ نصیرالدین محمود دہلوی کے خلیفہ اور مولٰنا معین الدین عمرانی کے تلمیذ رشید اور قاضی شہاب الدین ۷۶۸ھ ــــــــ ۸۱۹ھ کے استاد محترم تھے، منقول ہے کہ جس زمانے میں مولٰنا خواجگی دہلی میں پڑھا کرتے تھے اس وقت اپنے استاد سے سبق پڑھنے کے بعد شیخ نصیرالدین کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے مولٰنا معین الدین

کا بھی شیخ نصیر الدین کے بارے میں وہی نظریہ تھا جو عام علماء کو فقیروں سے ہوتا ہے اس لئے کبھی ان سے ملاقات نہ کی تھی،

ایک مرتبہ مولانا معین الدین کو اتنی سخت کھانسی ہوئی کہ طبیبوں سے علاج کرانے کے باوجود بھی افاقہ نہ ہوا اور اس میں اتنی شدت ہو گئی کہ مولانا اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ مولانا خواجگی نے اپنے استاد سے بصد ادب و احترام عرض کیا کہ حضرت اگر اس میں کوئی مضائقہ نہ سمجھیں تو شیخ نصیر الدین کے پاس چلیں اور ان سے صحت کی دعا کروائیں۔ ممکن ہے خدا تعالےٰ صحت عطا فرمادیں یہ مشورہ ابتداءً تو مولانا معین الدین نے قبول نہ کیا لیکن جب کھانسی کی تکلیف سے بہت تنگ ہو گئے تو شیخ نصیر الدین سے دعا کرانے کے لئے آمادہ ہو گئے اور شیخ سے ملنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ چنانچہ جب شیخ کی خانقاہ میں پہنچے تو اسی وقت شیخ اپنے گھر اندر تشریف لے گئے، کھانا تیار تھا لیکن گھر والوں کو سادہ چاول اور دہی بھی منگوانے کا حکم دیکر فوراً خانقاہ میں تشریف لے آئے اور مولانا معین الدین سے ملاقات ہوئی تھوڑی دیر تک دونوں بزرگوں کی صحبت گرم رہی اتنے میں خادم کھانا لایا اور دسترخوان بچھا دیا اس میں سادہ چاول اور دہی شیخ نے مولانا کی طرف بڑھا دئے اور کھانے کا حکم دیا، مولانا نے ابتداءً تو انکار کیا کہ یہ دونوں چیزیں کھانسی کی حالت میں کھانا اپنے کو موت کی دعوت دینا ہے مگر شیخ نے جب اصرار کیا تو انکار نہ کر سکے اور خوب پیٹ بھر کر کھایا اس کے بعد کھانسی کا دورہ شروع ہو گیا تو شیخ نے خادموں کو حکم دیا کہ ایک طشت آپ کے سامنے رکھدو آپ اسی میں تھوکتے رہیں، چنانچہ جتنا بلغمی مادہ تھا وہ سب خارج ہو گیا اور سب کا سب طشت میں آگیا، خلاصہ یہ کہ مولانا معین الدین کو شیخ نصیر الدین محمود کے پاس وہی چاول کھانے سے مکمل صحت ہو گئی اس دن کے بعد سے مولانا معین الدین کی شیخ سے سوءِ عقیدت، حسنِ ارادت سے متبدل ہو گئی اور مولانا کو شیخ سے نہایت درجہ کی عقیدت ہو گئی، اس

کے بعد دونوں ایک دوسرے سے بڑی خندہ پیشانی سے ملنے لگے،
مولٰنا خواجگیؒ نے دہلی چھوڑ کر کالپی کو اپنا مسکن بنالیا تھا جس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ایک بار میر سید محمد گیسو دراز کو خواب آیا تھا جس کی تعبیر یہ کی گئی تھی کہ اب مغلوں کا دَور ہونے والا ہے اور یہ اس وقت کی بات تھی جب کہ ابھی تک گورگاں نمودار ہی نہ ہوا تھا، اس تعبیر کے پیش نظر مولٰنا نے دہلی کو ترک کر کے کالپی کو اپنا مستقر بنالیا تھا اور بقیہ تمام عمر وہیں کالپی ہی میں گزار دی۔ آپ کا مزار بھی کالپی شہر کے باہر ہے اجہاں عام و خاص لوگ زیارت اور برکت حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں۔

مولانا معین الدینؒ

۶۸۳ھ ——————— ۹۲ھ

آپ بہت بڑے عالم اور شہر بھر کے اُستاد تھے، آپ کی مشہور تصانیف حاشیہ کنز الدقائق، حسامی اور مفتاح ہیں، لوگوں میں مشہور ہے کہ سلطان محمد تغلق نے جب عضد کو اس غرض سے ہندوستان بلانا چاہا کہ وہ شرح مواقف لکھ کر سلطان کے نام سے موسوم کر دیں تو مولٰنا معین الدین کو ایک قاصد اور فرستادہ کی حیثیت سے روانہ کیا کہ وہ قاضی عضد کو بلا لائیں، مولٰنا عمرانی جب قاضی صاحب کے گھر اور شہر میں پہنچے تو آپ سے بلاقصد و ارادہ کچھ کمالات ظاہر ہو گئے ان چیزوں کو دیکھ کر قاضی عضد نے ہندوستان آنے کا ارادہ ترک کر دیا (اس غرض سے کہ جب ہندوستان میں ایسے ایسے باکمال بزرگ موجود ہیں تو مجھے وہاں کیا سمجھا جائے گا) جب بادشاہ کو اس کا علم ہوا تو اس نے اپنے تمام کاروبار چھوڑ دیئے اور فوراً قاضی عضد کے پاس گیا اور کہا کہ آپ تخت سلطنت پر تشریف رکھیں میں آپ کی ہر ممکن خدمت کروں گا، اور میری بیوی کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب آپ کو دیتا ہوں اور آپ اس کے مالک و مختار ہیں، قاضی عضد

نے بادشاہ کی اتنی مہربانی اور بخشش کے باوجود ہندوستان آنے کا ارادہ نہیں کیا اور وہیں اپنے دیار میں تمام زندگی گزار دی۔

مولٰنا احمدؒ

۷۴۹ھ ——— ۸۲۰ھ

آپ تھانیسر کے رہنے والے اور شیخ نصیر الدین محمود دہلوی کے مریدوں میں سے تھے، علوم ظاہری کے علاوہ بڑے فضل و کمال کے مالک تھے، اگرچہ مولٰنا خواجگی کے ساتھ آپکے برادرانہ تعلقات تھے مگر جب انھوں نے دہلی کو ترک کیا تو آپ نے اُن کا ساتھ نہیں دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ امیر تیمور گورگانی کی بڑی عظیم الشان فوج نے دہلی پر حملہ کرکے لوٹ و مار کا بازار خوب گرم کیا، اس کس مپرسی کے عالم میں مولٰنا احمدؒ کے متعلقین کو امیر تیمور گورگانی کے لشکریوں نے گرفتار کرلیا، بعدہٗ جب فتنہ و فساد ختم ہوا تو آپ امیر تیمور گورگانی کے درباری مقرر ہوگئے، امیر تیمور کے دربار میں مولٰنا برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ کے پوتے شیخ الاسلام اور آپکے درمیان میں ادھر اُدھر کی گفتگو ہوا کرتی تھی، ایک دن امیر تیمور نے شیخ الاسلام کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مولٰنا احمد سے کہا کہ آپکو معلوم ہے کہ یہ مولٰنا برہان الدین مرغینانی صاحبِ ہدایہ کے پوتے ہیں ۔ مولٰنا احمدؒ نے فرمایا کہ ان کے دادا نے ہدایہ کے اندر کئی جگہ غلطیاں کی ہیں، اگر کوئی ایک آدھ غلطی ہوتی تو کوئی حرج کی بات نہ تھی اس پر شیخ الاسلام نے فرمایا کہ مولٰنا ذرا بتلائیے تو سہی کہ میرے دادا نے ہدایہ میں کہاں کہاں غلطی کی ہے اور اس کو دلائل سے ثابت کیجئے، اس پر مولٰنا نے اپنے بیٹوں اور تلامذہ سے فرمایا کہ صاحب ہدایہ کی غلطیوں پر مفصل تقریر شروع کردیں لیکن امیر تیمور نے صاحبِ ہدایہ کی عزت و ناموس کی حفاظت کی غرض سے اس مجلس کو کسی دوسرے موقع پر ملتوی کردیا، اس کے بعد مولٰنا احمد دہلی سے بمع اہل و عیال کے رحلت فرماکر مستقل سکونت کے لئے کالپی تشریف لے گئے اور مولٰنا خواجگی سے پھر سے برادرانہ تعلقات وابستہ ہوگئے، اسی زمانے میں مولٰنا احمدؒ اور مولٰنا خواجگی کے روحانی بیٹے اور شاگرد قاضی شہاب الدینؒ

کے مابین نزاع کی صورت پیدا ہو گئی، قاضی شہاب الدین نے مولٰنا احمد کے بیٹوں کی مولٰنا خواجگی سے شکایت کرتے ہوئے مدد کی درخواست کی تو مولٰنا خواجگی رح نے قاضی صاحب کی شکایت کے جواب میں شیخ سعدیؒ کے یہ دو شعر لکھ کر دیئے

اشعار

اے بیش از آنکہ در قلم آید ثنائے تو ! واجب بر اہل مشرق و مغرب ثنائے تو

اے در بقائے عمر تو نفع جہانیاں باقی مباد آنکہ نخواہد بقائے تو !

آپ کی قبر کالپی کے قلعہ میں ہے لوگ زیارت کر کے برکت حاصل کرتے ہیں

مولٰنا احمد نے ایک نعتیہ قصیدہ بھی لکھا ہے جس میں آپ نے فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیئے ہیں، اس میں سے چند ابیات لکھے جاتے ہیں

اطار ليتي حنين الطائر الفرد وهاج لوعة قلبي التائه الكمد

ليت الهوى لم تكن بيني وبينكم وليت حبل وداد غير منعقد

مشتابها وعيون البين راقدة والقلب في جذل والدهر في رغد

وليس والدين والدنيا والخرتي ! سوى جناب رسول الله معتمد

برٌّ رؤفٌ سديدٌ سندٌ سهل الفناء رحيب الباع والصفد

اور اسی طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات محامد اور معجزات کو بھی آپ نے ابیات میں شمار کیا ہے۔ اور انکے آخر میں فرماتے ہیں

يا افضل الناس من ماض ومؤتنف واكرم الناس من حر وعبد

افديك بالروح والقلب والمشوق معاً والنفس والمال والاهلين والولد

يا حياتي ويا روحي ويا جسدي يا فوادي ويا ظهري ويا عضدي

يا رب صل وسلم دائماً ابدا على النبي نبي الحق والرشد

وما تغرد غريد على فنن ! عفق الاروية محفل وملتبد

شیخ صدر الدین حکیمؒ

۶۰۲ھ ——————— ۶۸۴ھ

آپ شیخ نصیر الدین محمود کے اجلاء خلفاء میں سے تھے علاوہ ازیں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے منظور نظر تھے، کہتے ہیں کہ آپ کے والد بزرگوار ایک بڑے تاجر تھے، اور خواجہ صاحب کے معتقدین میں سے تھے، ان کی عمر تقریباً بڑھاپے تک پہنچ چکی تھی اور اس عرصہ میں ان کے کوئی اولاد نہ ہوئی (جیسے عموماً لوگوں کو اولاد کے نہ ہونے کا قلق ہوتا ہے) ان کو بھی اسکا قلق اور افسوس تھا، ایک دن خواجہ نظام الدین پر حال کی کیفیت طاری ہوئی تو اسی عالم میں خواجہ صاحب نے اپنی پیٹھ انکے والد بزرگوار کی پیٹھ سے رگڑی اور فرمایا کہ جاؤ تمہارے لڑکا ہوگا آپ چونکہ خواجہ صاحب کے نہایت ہی عقیدتمند تھے اس لئے بچے کی خواہش میں اپنی بیوی کے پاس گئے اس کے بعد اللہ تعالی کے حکم سے ان کی بیوی کو حمل ہوگیا، جب صدر الدین متولد ہوئے تو ان کے والد ان کو خواجہ صاحب کے پاس لے گئے چنانچہ شیخ نے انھیں اپنی گود میں لے لیا، جب تک صدر الدین خواجہ صاحب کی گود میں رہے تو خواجہ صاحب کے چہرے ہی کو دیکھتے رہے، صدر الدین کی آنکھوں سے اس وقت شعور کے اثرات مترشح ہو رہے تھے جسکا حاضرین نے بھی احساس کیا، پھر خواجہ صاحب نے اپنی قیاس سے تھوڑا سا کپڑا پھاڑ کر صدر الدین کا کرتہ سیا، اور ان کو شیخ نصیر الدین دہلوی کے سپرد کر دیا، اور آئندہ چل کر انکے عظیم المرتبت اور رفیع الدرجت بزرگ ہونے کی پیشگوئی بھی کردی

شیخ صدر الدین نے چند کتابیں لکھی ہیں جن کی عبارت نہایت شستہ اور عمدہ ہے، جن میں معارف، حقائق، وعظ و پند اور حکمت کی باتوں کو بیان کیا ہے، علاوہ ازیں صدر الدین فن طب میں بھی بے انتہا مہارت و کمال رکھتے تھے منقول ہے کہ حکیم صدر الدین کو ایک دفعہ پریاں اڑا کر کہیں لے گئیں تاکہ ان

سے ایک بیمار پری کا علاج کرائیں، خدا تعالٰی نے دستِ فیض سے اس پری کو صحت اور شفا عطا فرمائی، تو آپ جب واپس ہونے لگے تو اس پری نے حکیم صدرالدین کو لکھ دیا اور کہا کہ فلاں گلی میں جو ایک کتا پڑا رہتا ہے یہ خط اس کو دکھا دینا، چنانچہ حکیم صاحب اس پتہ پر اس گلی میں پہنچے اور وہاں اس کتے کو وہ خط دکھایا تو وہ کتا آپ کے آگے آگے چلنے لگا، کچھ فاصلہ کے بعد وہ کتا ٹھہر گیا اور زمین کریدنے لگا حقیقۃً وہاں ایک بہت بڑا خزانہ اور دفینہ تھا جس کی وہ کتا نشاندہی کر رہا تھا مگر صدرالدینؒ نے دوسرے درویشوں کی طرح بلند ہمتی کا ثبوت دیا اور اس دفینہ کی طرف مطلقاً کوئی توجہ نہ دی، آپ کا مزار پرانی دہلی میں قلعہ علائی کے اندر ہے، آپ کے خطوط حقائق اور معارف سے لبریز ہوا کرتے تھے۔

مکتوب (عقبات کے بیان میں) اے میرے اسلامی بھائی! اللہ رب العزت ہر دو عالم میں آپ کو معزز بنائے، آپکے مقاصد حل کرے اور آپ کا انجام بہتر کرے، عقبات کے متعلق مجھے تو کچھ خبر نہیں اس کو تو کوئی کامل شیخ ہی جانتا ہوگا۔ لیکن آپ نے دریافت کیا ہے اس لئے عرض ہے کہ عقبہ اولی، تو معاصی اور جرائم ہیں اور اللہ تعالٰی دیکھنے والے اور ما فی الضمیر چیزوں سے آگاہ اور خبردار ہیں جیسا کہ ارشاد ہے،

ان السمع والبصر والفواد کل اولئك كان عنه مسئولا	کان، آنکھ، دل تمام کے تمام ان کے دربار میں یہی سوال کیے جائیں گے۔

اور حدیث شریف میں آتا ہے ان لم تکن تراہ فانہ یراك (کہ اگر تو خدا کو نہیں دیکھتا تو اس بات کا یقین کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے)

اس بات کا ہمیشہ خیال رکھو، زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، موت انتظار کر رہی ہے اس لئے تمنائیں اور آرزوئیں حتی المقدور کم سے کم کردو اگر آپ نے اس پر دوام اختیار کر لیا تو آپ پر شرم و حیا غالب رہے گی اور دشمن (نفس و شیطان) مغلوب ہو جائے گا۔

اور دوسرا عقبہ پیٹ اور فرج کی شہوت ہے جو فی الواقع شیطانی معجون ہے اس کی وجہ سے شیطان ابن آدم کی رگوں میں خون کی مانند دوڑتا ہے اس لئے انسان کو چاہیئے کہ اس کے راستوں کو تنگ کرنے کے لئے بھوک اور پیاس کا نسخہ استعمال کرے اور اس بھوک سے جو فرحت و راحت آنے والی ہے دل کو اس سے خوش رکھے، سد یقین کا طعام بھوک ہے تو بھی اس دستر خوان سے یہی حاصل کر اور روزے کے کوثر سے پانی پی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ روزے کی جزا میں ہوں ان چیزوں سے اسکا علاج کر تب شفا پائے گا۔

تیسرا عقبہ یہ ہے کہ اپنی ذات اور اپنے دیگر متعلقین کی ہلاکت وغیرہ کا کوئی غم نہ کرو، اور اگر فطری اور طبعی اعتبار سے کبھی غم آئے تو اس کو یہ آیت پڑھ کر دُور کر دیا کرو۔

ومن یخرج من بیتہ مھاجرًا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہٗ علی اللہ	جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور رسول کے لئے ہجرت کر کے نکلے پھر اُسے موت آجائے تو اسکا اجر اللہ پر واقع ہوگیا۔

اور اس بات کا بھی یقین کرو کہ زندگی اور رزق مقدر اور مقسوم ہے جو دوڑ دھوپ کرنے سے کم و بیش نہیں ہوتا، جب رزق بلا کسی شرط کے ملتا ہے تو پھر کیا ہی بہتر ہو کہ انسان اپنی عمر کو خدا کی عبادت میں گزار دے اور سلوک کی آخری منزل تک رسائی حاصل کرے، امیر و غریب سب اسی کے بندے ہیں وہ سب کو رزق دیتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

وما من دابۃٍ فی الارض الا علی اللہ رزقھا	کوئی جاندار زمین میں ایسا نہیں جس کو اللہ رزق نہ دیں۔

اور ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

نحن نرزقکم و ایاھم	ہم تمہیں اور تمہاری اولاد کو رزق دیتے ہیں۔

اور ایک دوسری جگہ قسم کھا کر فرماتے ہیں۔

فورب السماء والارض انہ لحق مثل ما انکم تنطقون

آسمان اور زمین کے رب کی قسم رزق دینا ہمارا حق ہے جس طرح کہ تم کہتے ہو۔

اے جوانمرد بھائی! جو اس بات کا یقین نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے رزق ملنے کا مطلب یہ ہے کہ نیکی کے کام کرو اور اللہ کے لطف و کرم پر مکمل بھروسہ رکھو اور اپنے کو ہیچ اور ناکارہ سمجھ کر تمام مخلوق سے مایوس اور ناامید ہو جاؤ، اور اس بات کا یقین کرو کہ دو غم ایک دل میں اور دو تلواریں ایک نیام میں جمع نہیں ہو سکتیں ے

حسن گر عشق می درزی چنیں بر جاں چہ می لرزی
بیک دل در نمی گنجد غم جاناں و غم جاناں

ایک اور بزرگ نے بڑا اچھا کہا ہے کہ اگر موتی میں لاکھوں خوبیاں ہوں اور تمام مخلوق میری عیاں ہو جائے تو خدا کی قسم میں اُن کی جانب کوئی توجہ نہ کرونگا

چوتھا عقبہ یہ ہے کہ فرائض و سنن پر اکتفا کر کے نوافل کو ترک نہ کرو، اس لئے کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احبہ کنت لہ سمعاً وبصراً ویداً ولساناً فبی یسمع و یبصر وبی یبطش وبی ینطق	بندہ میرا مقرب نوافل کی وجہ سے بنتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں اور جب محبوب بنا لیتا ہوں تو پھر میں اسکا کان، آنکھ، ہاتھ اور زبان بن جاتا

ہوں پس وہ میری آنکھ سے سنتا اور دیکھتا ہے اور میرے ہاتھ سے پکڑتا ہے اور میری زبان سے بولتا ہے۔

بے نمازوں سے کہو کہ خدا تعالیٰ نے ہم پر نماز پنجگانہ فرض فرمائی ہے اور پنجگانہ نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، اور نماز میں اس بات کا خیال رکھنا فرض عین ہے کہ ہم خدا کے ہاں حاضر ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے،

لاصلوٰۃ الا بحضور القلب | حضور قلب کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔

اور یہ حضور قلب پنجگانہ نماز میں از اول تا آخر ضروری ولابدی امر ہے جیسا کہ نماز کے مکتوب میں انشاء اللہ اس کو مکمل تحریر کروں گا اور اگر کسی فرض کفایہ سے فرضِ عین میں خلل واقع ہوتا ہو تو اس فرض کفایہ کو ترک کر دینا چاہیئے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عبادت لازمیہ سے عبادت متعدیہ بہتر ہے انکو جواب دو کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت پر ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا جس میں دیندار اپنے دین کو محفوظ نہیں رکھ سکے گا مگر ایک بلندی سے دوسری بلندی تک اور ایک بستی سے دوسری بستی تک راہِ فرار کریگا " تاکہ دین محفوظ رہ سکے ،جب کسی پر ایسا زمانہ آجائے تو اس کو چاہیئے کہ وہ عبادتِ خاصہ یعنی عبادتِ لازمہ پر ہی اکتفا کرے (اس میں اس کی خیریت ہوگی ورنہ بے دینی کے سیلاب کی متلاطم موجوں میں دوسرے کی مانند یہ بھی ہو جائے گا) قرآن کریم میں ہے ،

یاایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم | اے ایماندارو ! تم پر اپنے نفسوں کو بچانا ضروری ہے۔

پانچواں عقبہ یہ ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ انسان مال و دولت اور عزت و شان کے بغیر حقیر و ذلیل سمجھا جاتا ہے تو ان کے سر پر ان العزۃ للہ ورسولہ وللمؤمنین (عزت تو حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنین کے لئے ہے) کی تلوار مارو اور ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ، کی تیغ ان کے سینہ پر مارو اور الیس اللہ بکاف عبدہ کا خنجر ان کے گلے میں گھونپ دو، یہ اُن کے لئے کافی ہوگا، اور پھر یہ کہو کہ اپنی ہستی کو دیکھو اور مستی نہ کرو ؎

شعر

با دوست کنج فقر بہشت است و بوستاں | بے دوست خاک بر سر جاہ و توانگری

چھٹا عقبہ یہ ہے کہ اگر آپکے دوست متعلقین اور اہل و عیال اپنے اخراجات میں اضافہ کا مطالبہ کریں تو ان کو قرآن کریم کا یہ کھلا اور صاف حکم سنا دو۔

قل لّازواجك ان کنتنّ تردن الحیوٰة الدّنیا وزینتها فتعالین امتّعکنّ واسرّحکنّ سراحًا جمیلًاO وان کنتنّ تردن الله ورسوله والدّار الاٰخرة فانّ الله اعدّ للمحسنٰت منکنّ اجرًا عظیمًاO

اپنی ازواج سے کہدیجئے کہ اگر تمکو دنیاوی زیب و زینت درکار ہے تو آؤ میں تم کو سامان اور نان و نفقہ دے کر اپنے گھر سے رخصت کر دوں، اور اگر تم کو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور اللہ دآخرت کی بھلائیاں درکار ہیں تو پھر اس بات کا یقین کر لو کہ اللہ نے تم جیسی نیک عورتوں کے لیئے اجر عظیم مقرر کیا ہے۔

اور ان کا مطالبہ اگر حد سے بڑھ جائے اور وہ اپنے مطالبہ سے باز نہ آئیں تو انھیں مہر دے کر رخصت کر دو، اور اگر خود نہیں مہر ادا کر سکتے تو کسی سے قرض لیکر ادا کر دو، اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اپنے کو جیل کے حوالہ کر دو اور جیلخانہ کی تنہائیوں میں خوش رہو، لیکن اتنی بات اور بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر سالک اور صوفی اپنے کام میں سچّا ہے تو اس کے اہل وعیال لازما اس کی رائے سے اتفاق کریں گے اور بالآخر وہ لوگ بھی اسی کا راستہ اختیار کریں گے اور اسکی صحبت کی برکات سے اہل وعیال کے علاوہ دوسرے رشتہ دار بھی فیضیاب ہونگے۔

ساتواں عقبہ یہ ہے کہ خدانخواستہ اگر تمہارے والدین تمہیں شرک کرنے پر مجبور کریں تو ان کی یہ بات ہرگز نہ مانو، اگرچہ یہ عدم تسلیم بھی شرک خفی ہے مگر رب العزت اس کو معاف کر دینگے اس لئے کہ تم نے والدین کے حکم نہ ماننے میں خدا کے حکم کی تعمیل کی ہے، لیکن ایسی حالت میں بھی والدین کو ادب اور نرمی سے جواب دو اور خدا تعالیٰ کے احکام کو ادا کرنے میں ہمیشہ چاق وچوبند رہو اور اگر اس پر رشتہ دار وغیرہ اعتراض کریں تو ان سے کہو ؎

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر د برو | تراسعادت بادا مرا نگونساری

عزیز من! جو شخص تمہیں خدا کے احکام پر عمل کرنے سے منع کرے وہ تمہارا دشمن ہے اور دشمن کی بات پر کبھی توجہ نہ دیا کرو،

آٹھواں عقبہ یہ ہے کہ فضول محنت ومشقت اور بے وقت کی ریاضت ومجاہدہ کے لئے شیخ کی ضرورت ہے تاکہ اس محنت وریاضت پر کوئی ثمرہ مرتب ہوسکے، اللہ کی رضامندی کے لئے جو موانع پیش آتے ہیں انھیں شیخ ہی جانتا ہے اور ان موانعات کو ایمان ویقین کے ذریعہ دُور کرتا ہے

نواں عقبہ یہ کہ لوگوں کے اعتقادات کی اچھے اخلاق اور تواضع سے اصلاح کرو اور ان کے اندر خدا کے روبرو عاجزی وانکساری کرنے کی قوت پیدا کرو، اور ساتھ ساتھ اپنی ذات کو ایک مردہ کی مانند تصور کرو اور دیگر مخلوق کو پتھر اور مٹی کے ڈھیلے کی مانند سمجھو اور اس بات پر کامل یقین رکھو کہ خدا کی ذات کے علاوہ کوئی نفع ونقصان مارنے اور زندہ کرنے کا مالک نہیں ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جب انسان عاجز ولاچار ہے تو وہ دوسروں کو نفع یا نقصان کیسے پہنچا سکتا ہے، اور یہ بات بھی تسلیم شدہ ہے کہ کسی کو اپنے انجام کی خبر نہیں تو پھر کیا معلوم کہ کس کی طاعت وعبادت قبول ہوا اور کس کی مردود، اور سب اعمال خدا کی توفیق ہی سے ہوتے ہیں، ان باتوں کو اپنے دل کی تختی پر لکھ لو تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ تمہیں تمام مصائب سے محفوظ رکھیں۔

اے جوانمرد! یہ راستہ بڑا لمبا اور طویل ہے اس کو تقریر وتحریر کے ذریعہ طے نہیں کیا جاسکتا، میں اس سے پہلے بھی عرض کرچکا ہوں کہ اس راستہ کو طے کرنے کے لئے شیخ کامل کی ضرورت ہے وہ سوچ سمجھ کر تمہیں اس راہ پر چلائے گا اور دراصل بات تو یہی ہے کہ سب چیز کی توفیق اللہ ہی کی جانب سے ہوتی ہے اس لئے تمام تعریفیں دو جہانوں کے پالنے والے کے لئے ہیں اور درود وسلام ہو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات اور آپکی آل وتمام اصحاب پر والسلام۔

شیخ سراج الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

وفات ـــــــ ۶۷۲ھ

آپ کے والد بزرگوار کا نام عالم اور دادا کا نام قوام الدین تھا، آپ شیخ زین الدین الخوافی کے اصحاب اور خلفاء میں سے

تھے، علوم ظاہری اور باطنی میں اپنے زمانہ کے ماہر و کامل عالم تھے، اگرچہ آپکے آباء واجداد ملتان کے رہنے والے تھے مگر آپ کی پرورش ہرات میں ہوئی، شیخ زین الدین الخوانی کے انتقال کے بعد شیخ کی وصیت کے مطابق لوگوں نے آپ کو شیخ کا جانشین مقرر کردیا تھا، چنانچہ آپ اپنے شیخ کے مسلک کو زندہ رکھنے کے لئے ہرات ہی میں مستقل رہائش پذیر ہو گئے اور وہیں عبادت میں مشغول رہنے لگے۔

منقول ہے کہ شیخ زین الدین الخوانی نے ایک بار فرمایا کہ ہزاروں لوگ میرے مرید ہوئے مگر سوائے سراج الدین کے کسی نے میری خوشنودی کو ملحوظ نہیں رکھا، اور انھوں نے برسوں میری خدمت کی اور کبھی میری رضا کے خلاف کام نہیں کیا، منقول ہے کہ مشائخ ہرات کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ نے فرمایا تھا کہ جن اولیاء اللہ کو میں جانتا ہوں ان میں سے شیخ سراج الدین ملتانی بھی ایک ولی اللہ ہیں، آپ کی قبر گجرات کے علاقہ کے ایک شہر نہر والہ میں ہے۔

سیّد تاج الدین شیر سوارؒ

۷۰۵ھ ——————— ۷۹۴ھ

آپ کی قبر نارنول میں ہے، آپ شیخ قطب الدین ہانسویؒ کے مریدوں میں سے تھے، آپ نے نارنول کے جنگلوں اور پہاڑوں میں اتنی کثرت سے ریاضت کی کہ چرند و پرند بھی آپکے فرمانبردار ہو گئے اور درندے اور چڑیاں آپ سے محبت کرنے لگے

مشہور ہے کہ جب آپ اپنے شیخ کے پاس ہانسی جانا چاہتے تو جنگل سے ایک شیر پکڑتے اور اس پر سوار ہوتے اور سانپ کو پکڑ کر اس کا ہنٹر بنالیا کرتے، ایسی حالت میں اپنے شیخ کی ملاقات کے لئے روانہ ہوتے اور جب شہر ہانسی کے قریب پہنچتے تو شیر اور سانپ کو باہر چھوڑ کر پیدل شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے منقول ہے کہ ایک دن شیخ قطب الدین منور ایک دیوار پر بیٹھے تھے، سید قطب الدین پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی اور وہ شیر پر سوار ہونے کی حالت میں

اپنے شیخ کے پاس پہنچے، آپ کے شیخ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ سید! یہ تو حیوان ہے، اللہ والے اگر دیوار کو حکم دیں جو بے جان ہے تو وہ بھی چلنے لگے، لوگ کہتے ہیں کہ جس دیوار پر شیخ قطب الدین بیٹھے تھے اُسی وقت حرکت کرنے لگی، دیوار کو متحرک دیکھ کر شیخ نے دیوار سے فرمایا کہ یہ بات تو میں نے برسبیل تذکرہ کہی تھی (میرا مطلب یہ نہ تھا کہ تو حرکت کرے) اس لئے رُک جا، آپ کا مزار نارنول کے باہر شہر کے نزدیک ہی ہے، آپ پیدا بھی نارنول ہی میں ہوئے تھے، سید تاج الدین کا ایک لڑکا بھی تھا جس کو شیخن کہتے تھے، وہ دنیا اور دنیا داروں سے دور بھاگتا تھا لیکن بقدرِ ضرورت دنیا سے گریز بھی نہ کرتا تھا، اسکا ہمیشہ کا شغل ہی یادِ الٰہی تھا، آپ کے دروازے پر ایک پتھر پڑا رہتا تھا جو اب بھی موجود ہے، آپ اپنی زندگی میں اس پتھر پر ایک کٹورا رکھ دیا کرتے تھے آنے جانے والے اسمیں کچھ ڈالدیا کرتے تھے، اور آپ اس کے ذریعہ ضروریات زندگی پورا فرمایا کرتے تھے، پھر لطف کی بات یہ ہے کہ آپ کو جتنی ضرورت ہوتی اتنی نقدی اس کٹورے سے نکلا کرتی تھی، اگر کسی زمانے میں غلہ اور دیگر اشیا گراں ہوتی تو نقدی زیادہ برآمد ہوتی اور اگر غلہ وغیرہ میں ارزانی ہوتی تو اسی قدر نقدی میں کمی واقع ہو جایا کرتی تھی۔

قاضی شمس الدین شیبانیؒ

۷۴۰ھ ——————— ۸۰۹ھ

آپ بہت بڑے عقلمند تھے، سلطان محمد تغلق کے زمانے میں دہلی سے نارنول میں تشریف لے گئے تھے، ابتدائی زمانہ میں شادی سے پہلے آپ حج کے ارادہ سے نکلے راستہ میں جب گجرات پہنچے تو ایک مسجد میں دیکھا کہ ایک معتزلی منبر پر اپنے مذہب معتزلہ کے پیش نظر بندوں کے خالقِ افعال ہونے پر تقریر کر رہا ہے، اس نے اپنی تقریر کے دَوران لوگوں سے کہا کہ دیکھو یہ میرا ہاتھ ہے، اگر میں اسے کھولنا چاہتا ہوں تو یہ کھلتا ہے اور اگر مٹھی بند کرنا چاہتا ہوں تو بند ہو جاتی ہے۔ قاضی

شمس الدین صاحب کھڑے ہوئے اور آپ نے اس معتزلی سے فرمایا کہ اگر آپ اپنے تمام افعال کے خالق ہیں اور اپنے وجود کے متعلق سب کچھ کر سکتے ہیں تو پھر اپنے ہاتھ کو اپنی پیٹھ پر لیجا کر کیوں نہیں ملا سکتے؟ قاضی شمس الدین کا یہ اعتراض حاکم گجرات کو بہت پسند آیا اور اس پسندیدگی کا اظہار اس طرح کیا کہ دارالحرب سے جو لونڈیاں آئی تھیں ان میں سے ایک لونڈی شیخ کی خدمت میں پیش کی جس کے بطن سے آپ کو اولاد ہوئی، اللہ نے آپکی اولاد میں اس طرح برکت عطا فرمائی کہ سب کو علم سے نوازا، آپ کی اولاد میں سے ایک بزرگ جن کا لقب تاج الافاضل تھا اُن کے پانچ لڑکے تھے جو سب کے سب عالم، متقی اور بڑے عقلمند تھے، آپ کے یعنی تاج الافاضل کے ایک صاحبزادے قاضی مجد بھی تھے جو شیخ احمد مجد کے والد تھے جن کے حالات اُن کے بیان میں لکھے جائیں گے، ان سے بھی سات لڑکے ہوئے تھے جو سب کے سب عالم باعمل تھے۔

سید یوسف ابن سید جمال الحسینیؒ

۷۹۰ھ ——————— ۷۰۲ھ

آپ کے آباء و اجداد نے مشہد سے آکر ملتان میں سکونت اختیار کی، سلطان فیروز کے زمانہ میں آپ ایک فوجی کی حیثیت سے ملتان سے دہلی تشریف لائے۔ آپ فوج ہی میں تھے کہ سلطان فیروز نے آپ کی بزرگی اور علمی کارناموں کے پیش نظر آپ کو اپنے اس مدرسہ میں جہاں اُس نے حوض خاص علائی اور اپنا مقبرہ بنوایا تھا مدرس مقرر کر دیا، آپ نے برسوں تک اس مدرسہ میں تعلیم دی اور لوگوں کو علم سے نوازا، منقول ہے کہ آپ جمعرات کو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کیا کرتے تھے، آپ نے قاضی نصیر الدین بیضاوی کی مشہور کتاب "لب اللباب فی علم الاعراب" کی ایک مفصل شرح بھی لکھی ہے جو "یوسفی" کے نام سے معروف ہے۔ "لب اللباب" ایک مختصر اور مفید کتاب ہے جو ہمارے ہاں دہلی میں بہت مشہور ہے، نیز آپ نے مشہور

کتاب منار کی بھی ایک شرح لکھی ہے جو "توجیہ الافکار" کے نام سے مشہور ہے، آپکے استاد مولانا جلال الدین رومیؒ تھے جو مولنٰا قطب الدین رازی کے تلامذہ میں سے تھے اور مولنٰا قطب الدین وہ مشہور عالم ہیں جنھوں نے شمسیہ اور مطالع کی شرحیں لکھی ہیں، سید یوسف کا مزار حوض خاص علائی پر ہے آپ نے ۷۹۰ھ کے قریب وفات پائی، اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

قاضی عبدالمقتدرؒ

۷۰۲ھ ——— ۷۹۱ھ

آپ کے والد بزرگوار کا نام قاضی رکن الدین شریحی کندی تھا، آپ شیخ نصیرالدین محمود کے خلفار میں سے تھے، بہت بڑے عقلمند، سخی اور کامل درویش تھے آپ قاضی شہاب الدین کے استاد تھے، آپ کا کلام بھی فصاحت و بلاغت سے لبریز ہوتا تھا آپ نے بہت سے قصیدے اور غزلیں بھی کہی ہیں، مشہور قصیدہ لامیہ کے جواب میں آپ نے قصیدہ لامیۃ العجم لکھا ہے جو آپ کے کمالِ فصاحت کا مظہر ہے، آپ ہمیشہ درس و تدریس اور علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچانے میں مشغول رہتے تھے، حضرت شیخ نصیرالدین دھلوی کے اکثر خلفار کا یہی طریقہ تھا کہ وہ درس و تدریس وغیرہ علمی مشاغل میں مشغول رہتے تھے اور شیخ نصیرالدین اپنے مریدوں سے اسی کی تلقین فرمایا کرتے تھے کہ علم میں مشغول رہ کر شریعت کی حفاظت کرتے رہو، قاضی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہزار رکعت عبادت جس میں ریاکاری اور مکاری شامل ہو اُن پر افضلیت اس لمحہ کو ہے جس میں کسی شرعی مسئلہ پر غور و فکر کیا جائے۔

کہتے ہیں کہ قاضی عبدالمقتدر اپنے طالب علمی کے اوائل میں جبکہ شیخ نصیرالدین سے پڑھا کرتے تھے بحث و مباحثہ میں بڑی دلچسپی رکھتے تھے، شیخ آپکے اس بحث و مباحثہ کو بہت پسند فرماتے اور مزید علم کے حصول کی ترغیب دلاتے تھے آخر کار آپ شیخ سے بیعت ہوئے اور ظاہری علم کے ساتھ ساتھ باطنی نعمتوں کو بھی حاصل

کیا، قاضی صاحب کے ایک ارادتمند اور مرید نے ایک کتاب "مناقب الصدیقین" لکھی ہے جس میں انہوں نے تمام مشائخ چشت کے حالات لکھنے کے علاوہ قاضی عبدالمقتدر کی اکثر کرامات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ اسی کتاب میں وہ لکھتے ہیں کہ ایک دن قاضی شہاب الدین کو کہیں سے کچھ سونا ملا، تو انھوں نے اپنی والدہ سے خلوت اور تنہائی میں کہا کہ اس کو کہیں چھپا دینا چاہیئے، اس کے بعد قاضی شہاب الدین اپنے استاد قاضی عبدالمقتدر کے پاس پڑھنے کے لئے گئے تو قاضی عبدالمقتدر نے انھیں دیکھتے ہی فرمایا، قاضی شہاب الدین! تم تو سونا چھپانے کے چکر میں پڑے ہوئے ہو، اپنی تعلیم میں کب مشغول ہو گے؟

قاضی عبدالمقتدر نے اٹھاسی برس کی عمر میں ۲۶ محرم الحرام ۷۹۱ھ کو وفات پائی، آپ کی اور آپکے والد صاحب کی قبر خواجہ بختیار اوشی کے مزار کے ملحق حوض شمسی کی جنوبی سمت میں ہے جو شیخ عبدالصمد کی خانقاہ کے نام سے مشہور ہے اور شیخ عبدالصمد سلطان سکندر کے زمانے کے بڑے لوگوں میں سے تھے، جونپور سے دہلی آئے تھے جنھوں نے اپنے باپ دادا کے مقبرے بھی بنائے جو اس وقت بھی موجود ہیں،

قصیدہ لامیہ

یا سائق الظعن فی الاسحار والاصل — سلم علی دار سلمیٰ فابك ثم سل

عن الظباء من حابها اسل أ — صید الاسود بحسن الدل والبخل

وعن ملوك کرام فلی مضوا قندا — حتی یجیبك عنهم شاهد الطلل

اضحت اذا بعدت عنها کواعبها — اطلالها مثل اجفان بلا مقل

فدی فوادی اعرابیة سکنت — بیتاً من القلب معموراً بلا حول

من نورها وجنتها وحسن غرتها — من طیب طرتها من طرفها التمل

الشمس فی اسف والبدر فی کلف — والمسك فی شغف والریح فی الخجل

اور آخیر میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتے ہیں

محمدٌ خیرُ خلق اللہ قاطبة — هو الذی جل عن مثل وعن مثل

لہ المزایا بلا نقصٍ ولا شبہٍ	ولہ العطایا بلا منٍّ ولابدلٍ
لہ المکارم ابھی من نجوم دجیً	لہ الغرائم امضیٰ من قنا البطلٖ
لہ الجمال اذا ما الشمس قد نظرت	الیہ قالت یا لیت ذٰلک لی
لہ الفضائل اجدی من عصا کثرت	لہ الشمائل احلیٰ من جنا العسلٖ

شیخ زینُ الدین رح

۷۲۲ھ ــــــــــ ۸۲۸ھ

آپ نصیرالدین محمود دہلویؒ کے بھانجہ، خلیفہ، اور خادم تھے، شیخ نصیرالدینؒ کی کتاب "خیرالمجالس" اور ملفوظات میں آپ کا ذکر ہے۔ آپ کے ایک مریدنے اپنی کتاب "جندائن" کی ابتدا میں آپکی مدح وتعریف کی ہے، آپ کی قبر شیخ نصیرالدین کے گنبد کے پایئں والے اس گنبد میں ہے جو قبرستان کے صحن والے حصہ میں ہے۔

شیخ نورالحق والدین رح

۷۲۲ھ ــــــــــ ۸۱۳ھ

آپ شیخ نورقطب عالم کے نام سے مشہور تھے اور شیخ علاءالحق کے بیٹے مرید اور خلیفہ تھے، ہندوستان کے بہت بڑے ولی اور صاحبِ ذوق وشوق اور صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔

منقول ہے کہ آپ اپنے والدِ محترم کی خانقاہ کے جملہ درویشوں اور فقیروں کی خدمت کرتے اور اپنے ہاتھ سے انکے کپڑے دھویا کرتے اور انکی ضروریات کے لئے پانی گرم کرکے دیا کرتے تھے، ابتدا میں آپکے سپرد پانی کا انتظام تھا اتفاق سے ایک دن آپ پانی کے انتظام میں مصروف تھے کہ اچانک ایک فقیر کے پیٹ میں درد ہوا اور وہ سیدھا آبخانہ میں گھس آیا اور اسے اتنا بڑا دست آیا کہ جس سے نورالحق کے تمام کپڑے خراب ہوگئے، اتفاقاً اسی وقت آپ کے

والد بزرگوار شیخ علاؤ الحق بھی وہاں سے گزرے تو اپنے فرزند نور الحق کو اس حالت میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اس کے بعد آپ کے سپرد ایک دوسرا کام کر دیا گیا کہ اب یہ کام کیا کرو۔

شیخ حسام الدین مانکپوری کے ملفوظات رفیق العارفین میں لکھا ہے کہ شیخ نور الحق نے متواتر آٹھ برس اپنے شیخ کے گھر کی لکڑیاں چیری ہیں۔ شیخ نور الحق کے بڑے بھائی اعظم خاں جو اس وقت کی حکومت کے وزیر تھے، آپکی یہ حالت دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ قاضی نور الحق! تم نے تمام خوبیاں غارت کر دیں اور اپنی عزت خاک میں ملا دی۔

ایک روز شیخ علاؤ الدین نے نور الحق سے کہا کہ اے نور الحق! دیکھو یہ عورتیں جہاں پانی بھرتی ہیں وہ زمین مسلسل پانی کے قطرات گرنے سے گیلی ہو گئی ہے، جس کی وجہ سے پاؤں کے پھسلنے اور گھڑوں کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہے اس لئے تم ان لبریز اور بھرے ہوئے گھڑوں کو اپنی گردن پر اُٹھا اُٹھا کر ان عورتوں کو باہر لا کر دیا کرو، چنانچہ شیخ نور الحق نے چار برس تک یہ خدمت بھی انجام دی، آپ کے اکثر دوست اس جگہ سے جو عورتوں کے پانی بھرنے سے گیلی ہو جاتی تھی گھڑے باہر نکال کر آپ کے حوالہ کیا کرتے تھے اور آپ اُنھیں گردن پر اٹھا کر باہر لاتے تھے اس حالت کو دیکھ کر اکثر بنگالی لوگ آپ پر ہنسا کرتے تھے۔

شیخ نور الحق فرمایا کرتے تھے کہ میرے شیخ نے فرمایا ہے کہ بزرگانِ سلف نے اسماء الحسنیٰ کی طرح سلوک کی بھی ننانویں منزلیں مقرر کی ہیں تاکہ سالک ان تمام پر چل کر مکمل ہو سکے، اور ہمارے بزرگوں نے سلوک کی پندرہ منزلیں مقرر کی ہیں اور اس فقیر نے مختصر کر کے صرف تین مقرر کر دی ہیں

منزل اوّل یہ کہ خدا کے ہاں حساب ہونے سے پہلے ہی اپنے نفس کا محاسبہ کر لیا جائے۔

منزل دوم یہ کہ جس کے دو دن برابر رہے (نیکی نہ کرنے میں) وہ خسارے

میں ہے۔

منزل سوم یہ ہے کہ فقیر اس طرح عبادت کرے کہ دل کے تمام خیالات ختم کر دے، ان تین طریقوں کی تکمیل کے بعد انشاء اللہ سالک کی اپنی منزل بھی مکمل ہو جائے گی۔ نیز فرماتے ہیں کہ ایک دن شیخ عبادتِ الٰہی میں مشغول تھے کہ ان پر وجد کی حالت طاری ہوگئی، آپ اسی حالت میں گھر سے نکلے اور باہر ایک درخت کے نیچے جاکر بیٹھ گئے، غیب سے آواز آئی۔

مصرعہ

حیلت رہا کن عاشقا دیوانہ شو دیوانہ شو

آپ کے ملفوظات میں ہے کہ ایک دن آپ اپنی پالکی میں سوار تھے اور روتے ہوئے یہ مصرعہ پڑھ رہے تھے، مصرعہ

ہم شب ۔ بزاریم شد

آخر ایک بڑھیا بیوہ کے گھر تشریف لے گئے اور اس سے کچھ دینی مسائل دریافت کئے اور وہاں بھی روتے رہے اور اس کے گھر سے واپسی پر آپ نے فرمایا کہ اگر میری بخشش ہوئی تو اس بیوہ بڑھیا کے طفیل ہوگی، آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے شیخ علاؤ الحق ایک سواری پر سوار کہیں جا رہے تھے اور بہت سے لوگ آپکے ہمراہ پیدل چل رہے تھے وہ سب بیخودی اور مستی کے عالم میں تھے اور بے انتہا گریہ وزاری کر رہے تھے، میں آگے جا رہا تھا تو شیخ نے فرمایا کہ اتنی مخلوق میری فرمانبردار ہے، ان میں سے بعض لوگ سجدہ کرتے ہیں اور بعض میرے پاؤں دباتے ہیں اور بوسے دیتے ہیں اور بعض مصافحہ کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ کل قیامت کے روز یہی لوگ میرا سر کچل دیں، آپ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ علاؤ الحق فرمایا کرتے تھے کہ ریاضت کی آخری حد یہ ہے کہ فقیر ہر وقت سوتے، جاگتے، اٹھتے بیٹھتے اپنے قلب کو یاد الٰہی میں مشغول رکھے جیسے وہ بچہ جو سوتے وقت ایک کھیل میں مصروف تھا اور سو گیا جب وہ بیدار ہوگا تو اسی کھیل کو تلاش

کرے گا اور پھر اسی میں مشغول ہو جائے گا۔

آپ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ نے مجھے رخصت کرتے وقت یہ فرمایا تھا کہ اے نورالحق! سخاوت میں سورج کی مانند، تواضع وانکساری میں پانی کی مثل اور حلم و بردباری میں مٹی کی طرح ہو کر لوگوں کے جور و ستم کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہنا۔

آپ اپنے ملفوظات میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ علاؤالدین سخت سردیوں کے زمانہ میں صرف گدڑی ہی پہنا کرتے تھے اور سجادہ پر کبھی نہ بیٹھتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ سجادہ پر بیٹھنے کا وہ حق رکھتا ہے جو اپنے دائیں اور بائیں نہ دیکھے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ایک روز ایک آدمی نے شیخ علاؤالدین کو ہر قسم کی گالیاں دیں، اس کی تمام گالیاں سننے کے بعد بھی شیخ کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہ آئی، اس گالیاں دینے والے نے آخر میں کہا، بیا دزد خدا (آ اے خدا کے چور) تو شیخ نے کھڑے ہو کر اسکا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ ہم خدا کے ساتھ ہیں اور خدا ہمارے ساتھ ہے، اتنا فرمانے کے بعد شیخ بیٹھ گئے اور اس کو بھی بیٹھنے کے لئے فرمایا، تو اس نے کہا کہ یہ زمین حرام ہے، پھر آپ نے خادم سے کھانا لانے کو کہا۔ چنانچہ دسترخوان بچھایا گیا (اور اس سے کھانا کھانے کو کہا گیا) تو اس نے کہا کہ یہ مینڈک کا گوشت ہے میں نہیں کھاتا، آخر کار شیخ نے اسے ایک تنکہ (روپیہ) دیا وہ اسے لے کر چلا گیا، اس کے چلے جانے کے بعد شیخ نے لوگوں سے فرمایا کہ دیکھا فقیر نے کتنا شور کیا، نیز فرماتے ہیں کہ ایک آدمی خانہ کعبہ (کی زیارت کر کے دیار حبیب) سے واپس شیخ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ حضرت آپ سے میری ملاقات باب السلام میں ہوئی تھی، اس پر شیخ نے فرمایا کہ سب لوگ جانتے ہیں کہ میں نے آج تک گھر سے باہر قدم تک نہیں رکھا (اس لئے مجھ سے ملاقات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) البتہ بعض لوگ ایک دوسرے کے ہم شکل وہم صورت ہوتے ہیں (اس لئے

ہو سکتا ہے آپ نے میری ہم شکل کسی اور آدمی سے ملاقات کی ہو) اس نے کہا کہ حضرت بھلا ایسا ہو سکتا ہے، میں نے تو آپ کو خانہ کعبہ میں بھی دیکھا ہے آخر کار شیخ نے اُسے کچھ دے کر رخصت کیا اور فرمایا کہ یہ واقعہ کسی سے نقل نہ کرنا،

آپ کے ملفوظات میں ہے کہ شیخ نور الحق سے کچھ لوگوں نے دریافت کیا کہ مشائخ جو فرضی نمازوں کے بعد مصافحہ کرتے ہیں اسمیں کیا راز ہے ؟

آپ نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ جب کوئی مسافر سفر سے واپس آتا ہے تو وہ اپنے دوستوں سے مصافحہ کرتا ہے اور درویش جب نماز پڑھتا ہے تو وہ اسمیں اسقدر مستغرق ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ذات کو بھی بھول جاتا ہے اور جب نماز ختم کرتا ہے تو گویا اُس نے باطنی سفر طے کر لیا اور نماز میں سلام پھیرنے کے بعد اس کو اپنا شعور ہونے لگتا ہے اس لئے مشائخ باہم یکدیگر سلام و مصافحہ کرتے ہیں۔

شیخ نور الحق یعنی شیخ نور قطب عالم کے خطوط کے اندر وہ شیرینی، اور الفاظ کے معنی میں وہ لطف و سرور ہے جو دل والوں کے دل کا علاج اور اہل محبت کے لئے محنت کا پیغام ہے، آپکے مکتوبات میں سے چند کلمات نقل کئے جاتے ہیں۔

مکتوب

از جانب نور ———— بجانب نجم

بیچارے مسافر اور غم کے زخمی نور کی عمر ختم ہونے کے قریب ہے اور حال یہ ہے کہ ابھی تک گوہر مقصود دستیاب نہیں ہو سکا، میدان تیہ اور حسرت میں گیند کی طرح لڑھکتا رہا ؎

ہمہ شب بزاریم شد کہ صبا نداد بوئے ندمید صبح بختم چہ گنہ ہم صبا را

عمر ساٹھ برس سے بھی زائد ہو چکی ہے، گویا تیر کمان سے نکل چکا ہے تمام زندگی نفس امارہ کے شر و فساد کے چکر سے ایک لمحہ بھی خالی نہیں گزرا اور فضا میں خالی ہاتھ مارتا رہا، دل میں آگ سلگتی رہی، آنکھوں سے آنسو جاری رہے، سر پر خاک پڑتی رہی لیکن بجز ندامت کے اور کچھ نہ ملا، اور آہ و بکا رسے محفوظ نہ رہ سکا، اے

بھائی! درد و غم کے خوگر بن جاؤ ؎

دلِ مردانِ دیں پُر درد باید　　　　زمحنت فرقِ شاں برگرد باید

اگرچہ میں نے تمام قسم کی محنتیں اور کوششیں کی ہیں مگر مجھے تو ابھی تک اپنی منزل مقصود تک رسائی نہیں ہو سکی۔

قطعہ

گفتم مگر کہ کار بسامانِ خود نشد　　　　یار از جفائے خویش پشیماں شود نشد

گفتم مگر زمانہ عنایت کند نکرد　　　　بختِ ستیزہ کار بفرماں شود نشد

دنیا دھوکے کی جگہ ہے اور تم اس درخت کے تنہ کی مانند ہو جس کے اوپر سے اس کی چھال اتار لی گئی ہو اور خدا کی ذات بڑی غیور ہے، ان حالات کے ہوتے ہوئے دل میں فرحت و سرور کیسے آ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بذریعہ وحی مطلع فرمایا کہ اے داؤد! اپنی امت کے گناہگار بندوں سے فرما دے کہ میں گناہگاروں کے گناہ بخشنے والا اور بڑا مہربان ہوں اور جو لوگ صدیقین ہیں ان سے فرما دیجئے کہ میں بڑا غیرت مند ہوں (اس لئے وہ ذرا ہوشیار ہو کر رہیں)

شعر

راہ ناایمن است و منزل دُور　　　　مرکبت لنگ و یار سخت غیور

سو غیرتِ الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ بندے اور خدا کے درمیان اور کوئی نہ رہے اور جس نے اُس خدا کے بغیر پرواز کی اس کو ختم کر دیا۔

شعر

یا ہر کہ اُنس گیری از و سوختہ شوی　　　　بنگر کہ اُنس چیست و مصحف ز آتش است

اے برادر! میں نے برسہا برس اس بات پر خرچ کر دیئے کہ اس نفس امارہ کو اپنا بنالوں مگر ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے شر و فساد سے محفوظ نہ رہ سکا اور اس نے ایک منٹ بھی آرام سے نہ رہنے دیا۔

شعر

کردیم بسے سپید رسمے | از مانشد ایں سیہ گلیمے
شستیم بسے بچارہ سازی | پیراہن مانشد نمازی!

نیز آپ کے مکتوبات میں یہ بھی مسطور اور لکھا ہوا ہے کہ درویش کو بیقراری میں قرار و سکون آتا ہے، درویش کی عبادت ماسوی اللہ سے بیزاری اور علیحدگی ہے اللہ کی عبادت کے بغیر اور کسی چیز میں مشغول ہونا (درویش کے نزدیک) گرفتاری ہے اور دل کا باطن کے ماسوا کسی اور چیز میں استغراق بیکار محض ہے اور عبادت کو ظاہر کرنا بدکاری ہے، اپنا خونِ جگر پینا بزرگواری ہے اور غیر سے آنکھیں بند کرلینا برخورداری ہے، عام لوگ اپنے ظاہر کو پاک کرنے کی کوشش اور سعی کرتے ہیں اور خواص ہمہ وقت اپنے باطن کی پاکیزگی کے پروگرام بناتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ کی غصہ سے بھری ہوئی آواز آرہی ہے کہ اے میرے بندے! تونے اپنے جسم کو پاک و صاف کرنے میں ایک مدت صرف کردی لیکن کیا کسی وقت تونے اس جگہ کو بھی صاف کیا جس سے میں دیکھا جا سکتا ہوں اور یونہی تونے تمام عمر بیٹ کر گزار دی، ظاہری طہارت تو بدن سے کسی چیز کے نکلنے اور پیشاب و پاخانہ کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے اور باطنی طہارت اللہ تعالےٰ کے سوا کسی اور کی یاد کرنے سے ختم ہو جاتی ہے، مشائخ کرام کا مقولہ ہے کہ جس کے دل میں دنیا کا خیال آجائے تو اس کو اس طرح غسل کرنا چاہیے جس طرح جنابت کا غسل کرتے ہیں، کسی چیز کو دل میں جگہ نہ دو اور کسی غیر اللہ کی محبت کو دل میں نہ آنے دے کیونکہ تمام مخلوق بدعہد و بے وفا ہے، شیخ نور الحق کی ۸۱۳ھ میں وفات ہوئی آپ کی قبر شہر پنڈوہ میں ہے۔

سید صدر الدین راجو قتال بخاری

۷۴۱ھ ———— ۸۲۷ھ

آپ اپنے والد محترم سید احمد کبیر کے مرید اور خلیفہ تھے، اسی طرح اپنے بھائی

مخدوم جہانیاں کے بھی خلیفہ تھے اور ان کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے،
لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ مخدوم جہانیاں اکثر و بیشتر یوں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مخلوق کی خدمت میں مشغول رکھا ہے اور شیخ راجو کو اپنی ذات میں مصروف کر دیا ہے، چنانچہ سید صدر الدین پر ہمیشہ استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی اور لوگوں سے بالکل علیحدہ اور جدا رہتے تھے، تاریخ محمدی میں لکھا ہے کہ کچھ لوگ براہِ راست شیخ راجو قتال کے مرید تھے اور کچھ لوگ آپ کے فرزند شیخ ناصر الدین محمود سے بیعت ہو کر آپکے سلسلہ میں داخل ہوئے، سید صدر الدین بڑے بزرگ اور صاحب تصرف ولی اللہ تھے آپ کا مزار اُچہ (ملتان) میں ہے۔

خواجہ اختیار الدین عمر ایرجیؒ

۷۳۸ھ ——— ۸۰۹ھ

آپ کے آباء و اجداد علاقہ ایرج کے رئیس لوگوں میں سے تھے جو حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز المرام تھے، آپ نے اپنے جذبۂ حق کی وجہ سے دنیاوی عزت، سامان راحت اور بڑے اونچے عہدے کی بڑی تنخواہ وظیفہ برضا و رغبت ترک کر کے علم و زہد میں قدم رکھا اور شیخ نصیر الدین محمود دہلوی کے مرید و خلیفہ قاضی محمد ساوی سے جو اس زمانہ کے بہت بڑے صالح عالم تھے، تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہوگئے، تحصیلِ علم کے بعد انہی سے بیعت ہوگئے اور خلافت و اجازت حاصل کی، آپ نے ۱۴ محرم الحرام ۸۰۹ھ میں وفات پائی آپکی قبر بھی ایرج ہی میں ہے۔

شیخ یوسف بدہ ایرجیؒ

۷۷۲ھ ——— ۸۳۴ھ

آپ کے آباء و اجداد زمانہ کی ستم ظریفی اور بعض ناسازگار حالات کی بنا پر

خوارزم سے ہجرت کر کے ہندوستان تشریف لائے تھے اور مقام ایرج میں اپنی سکونت اختیار کی، آپ خواجہ اختیار الدین عمر ایرجی کے مرید، خلیفہ اور شاگرد تھے علاوہ ازیں سید جلال بخاری اور شیخ راجو قتال کی بھی بے انتہا خدمت کی جس کے صلہ میں ان دونوں بزرگوں نے بھی انھیں خلافت سے نوازا، آپ نے کئی کتابیں بھی لکھی ہیں اور امام غزالی کی کتاب منہاج العابدین کا آپ نے ترجمہ بھی کیا ہے، آپ فنِ شعر میں بھی کمال رکھتے تھے، تاریخ محمدی کے مؤلف بھی آپ ہی کے تلمیذ اور مرید تھے۔ صاحبِ تاریخ محمدی لکھتے ہیں کہ آپ ایک روز ۸۳۴ھ میں اپنی خانقاہ میں بیٹھے ہوئے سماع سُن رہے تھے کہ اسی حالت میں جان جانِ آفریں کے حوالہ کی، آپ کا مزار خانقاہ کے صحن میں ہے، آپ کے مزار پر سلطان علاؤالدین مندوی نے ایک بے نظیر اور بیش بہا گنبد تعمیر کرا دیا ہے۔

شیخ قوام الدین رح

۷۲۷ھ ——— ۸۱۰ھ

آپ مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری کے مرید تھے، آپ مریدوں کی تربیت اور ارشاد میں بڑے عالی مقام بزرگ تھے، آپ کا مزار لکھنو میں ہے جس کی لوگ زیارت کر کے برکت حاصل کرتے ہیں، آپ نے ۸۱۰ھ میں انتقال فرمایا

شیخ سارنگ رح

۷۷۵ھ ——— ۸۳۲ھ

آپ اوائل عمر میں سلطان فیروز شاہ کے بڑے مشہور امیر لوگوں میں سے تھے ہندوستان کا مشہور شہر سارنگپور آپ ہی نے آباد کیا تھا، لیکن اواخر عمر میں خداتعالیٰ کی عنایت اور فضل نے یاوری کی جس کی وجہ سے آپ نے راہِ سلوک میں قدم رکھا جو واصل باللہ لوگوں کے لئے مخصوص ہے، آپ نے شروع شروع میں

شیخ قوام الدین کی خدمت کی اور مرید بھی ہو گئے اور اُنہی سے باطن کی اصلاح اور ذکر خفی کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد حجاز کا سفر کیا اور حرمین شریفین کی زیارت سے مستفیض ہوئے اور پھر شیخ الوقت جناب شیخ یوسف ایرجی کی ایک دراز مدت تک صحبت میں رہے اور اُن سے علوم طریقت حاصل کئے، آپکے خلوص اور طلب صادق کو دیکھ کر شیخ راجو قتال نے آپکے طلب کئے بغیر آپ کو خرقہ اور دیگر امانتیں جو آپ کو مشائخِ طریقت سے ملی تھیں آپکے پاس آپکے گھر بھیجدیں، چنانچہ جب وہ تمام چیزیں آپکے پاس پہنچیں تو آپ نے واپس فرمادیں اور دریافت کیا کہ یہ چیزیں کس غرض و مقصد کے لیئے میرے پاس بھیجی گئی ہیں، جب وہ چیزیں شیخ راجو قتال کے پاس (بمع تنقیح) پہنچیں تو آپ نے ان اشیاء کو پھر سے آپ کے پاس بھیجا اور شیخ حسام الدین کو تمام تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے تاکید فرمادی کہ یہ خرقہ اور بقیہ امانتیں شیخ سارنگ کے سپرد کرنا آپ کے ذمہ ہے، چنانچہ شیخ حسام الدین نے شیخ راجو قتال کی بھیجی ہوئی جملہ چیزوں کو قبول کرنے کے لیئے شیخ سارنگ کو ترغیب دی، بالآخر شیخ سارنگ نے جملہ اشیاء مرسلہ کو قبول کر کے ان غیبی سعادتوں سے بہرہ یاب ہوئے، آپ نے ۸۳۲ھ میں وفات پائی۔

شاہ میناؒ

۸۷۰ھ

آپ شہر لکھنو کے بڑے ولی اللہ تھے، آپ کا نام شیخ محمد تھا، شیخ قوام الدین نے بچپن میں آپکو اپنی زیر تربیت رکھا اور نعمتوں سے نوازا، پھر آپ شیخ سارنگ کے مرید ہوئے اور تصوف کے کاموں میں مشغول ہو گئے

منقول ہے کہ شیخ قوام الدین کے ایک لڑکے کا نام محمد تھا جسے لوگ مینا کہا کرتے تھے، لکھنؤ کے محاورہ میں مینا ہنرمند اور باعزت سردار کو کہتے

ہیں، شیخ محمد مینا جوانی میں دنیاداروں کی طرح خواہشات نفسانیہ کے زر خرید اور اسی طرح دیگر فضولیات کے رسیا تھے، اس وقت آپ اپنے زمانہ کے بادشاہ کے ملازم تھے، چونکہ اکثر احکام و امرار آپکے والد بزرگوار شیخ قوام الدین کے مرید اور عقیدتمند تھے اس لئے وہ تمام لوگ شیخ محمد مینا کی راحت رسانی میں کوئی کسر باقی نہ رکھتے تھے، لیکن آپکے والد شیخ قوام الدین آپکی عادات شنیعہ سے سخت بیزار تھے اور بیٹے کی جانب سے باپ کی رضامندی کے آئینہ میں گرد و غبار جمع ہو چکا تھا، یہ اس زمانے کی بات ہے جبکہ محمد مینا بادشاہ کے حکم سے لکھنؤ سے کسی باہر علاقہ میں متعین تھے وہاں سے انھوں نے اپنے والد مکرم کو خوش کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے (مگر اب تقدیر بدل چکی تھی اس لئے) انھوں نے اپنے والد محترم کے روبرو اپنے جرائم و گناہ معاف کرانے کی غرض سے لکھنؤ آنے کا ارادہ کیا، جب آپ لکھنؤ آ گئے تو لوگوں نے آپکے والد کو انکے آنے کی اطلاع دی تو آپکے والد صاحب نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ ایسا نامعقول آدمی میرے سامنے آئے چنانچہ اسکے بعد ایسا ہوا کہ وہ ابھی اپنی جگہ سے روانہ بھی نہ ہوا تھا کہ اسے ایک ایسی مہلک بیماری لاحق ہوئی جو بالآخر جان لیوا ثابت ہوئی اور وہ وہیں مر گیا، اس کے بعد شیخ قوام الدین نے اپنے ایک خادم شیخ قطب سے فرمایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپکے ہاں جب بیٹا پیدا ہو تو اسکا نام شیخ محمد مینا رکھا جائے اور وہ تمام اولاد کا نعم البدل ہو، چنانچہ شیخ قطب کے ہاں بیٹا پیدا ہوا اور اسکا نام شیخ محمد مینا رکھا گیا، شیخ قوام الدین نے اس نومولود کو اپنے بچوں کی مانند رکھتے اور اس سے غایت درجہ کی محبت فرماتے تھے۔

منقول ہے کہ شیخ محمد مینا کو جب مکتب میں داخل کیا گیا تو آپ نے پہلے ہی دن، اب ت ث کے وہ رموز اور حقائق بیان فرمائے کہ جن کو سُن کر تمام حاضرین انگشت بدنداں رہ گئے، حضرت محمد مینا آخر دم تک تارک الدنیا رہے، اور نہ ہی شادی کی، سلوک کے زمانے میں آپنے بے انتہا ریاضت کی، لوگوں میں مشہور ہے

کہ شیخ محمد مینا اپنے شیخ اور پیر شیخ سارنگ کے مزار پر جو لکھنؤ سے تقریباً چالیس میل کے فاصلہ پر ہے ہمیشہ کھڑاؤں پہن کر یا ننگے پاؤں پیدل زیارت کرنے جایا کرتے تھے، جس راستہ سے آپ جاتے تھے وہ بہت خراب تھا اور اکثر مقامات پر خار دار درخت بھی تھے مگر آپ ان تمام تکالیف شاقہ کو برداشت کرکے اپنے شیخ کے مزار پر حاضری دیا کرتے تھے، آپ جب سلوک کے مراحل طے فرما رہے تھے تو آپکی ریاضت اور مجاہدہ کا یہ عالم تھا کہ رات کو اکثر و بیشتر دیوار پر اس لئے عبادت کیا کرتے تھے کہ اگر نیند کا غلبہ ہو جائے تو دیوار سے زمین پر گر کر بیدار ہو جایا کروں، اور اگر کبھی زمین پر عبادت کرتے تو اپنے ارد گرد بہت سے کانٹے جمع کر لیا کرتے تھے کہ اگر نیند کا غلبہ ہوا تو ان کانٹوں پر گروں گا جن کے چبھنے سے بیدار ہو جایا کروں گا، اکثر و بیشتر آپ سردیوں میں اپنے کپڑے بھگو کر شیخ کے مزار کے پاس صحن میں بیٹھ کر خدا کی یاد کیا کرتے تھے، آپ کا مزار بھی لکھنؤ میں ہے جس کی لوگ زیارت کرکے برکت حاصل کرتے ہیں۔

شیخ احمد کھتوؒ

۷۷۶ھ ——————— ۸۴۹ھ

آپ علاقہ گجرات کے مشائخین میں سے بڑے شیخ تھے، احمد آباد کے مضافات میں ایک قصبہ سرکھیج میں آپ کا مزار ہے، آپ کا مقبرہ نہایت ہی پاکیزہ، منزہ اور ہوا دار ہے کہ اس کی مثال دنیا میں شاید ہی کہیں ہو، کھتو ایک گاؤں کا نام ہے جو اجمیر کے قریب ہے، شیخ احمد کے آباؤ اجداد دہلی کے باشندے تھے اور آپکا بھی بچپن دہلی میں گزرا تھا۔

مشہور ہے کہ آپ ایک بار ایک گاؤں میں بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ یکلخت طوفان و آندھی آئی جو آپ کو وہاں سے اڑا کر کسی اور جگہ لے گئی اور آپ اپنے وطن سے دور مسافروں کی طرح بے یار و مددگار ہو گئے، اس زمانے میں

آپ کس مپرسی کی حالت میں ادھر ادھر گھوم کر وقت گزارا کرتے تھے، ایک دن بابا اسحاق مغربی کے ہاتھ لگ گئے جو اس وقت کے بڑے کامل درویش تھے وہ آپ کو اپنی قیامگاہ علاقہ کھتو میں جو اجمیر کے قریب ایک گاؤں ہے اپنے ہمراہ لے آئے چنانچہ شیخ احمدؒ نے بابا اسحاق مغربی کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی، اور ان کی مہربانیوں اور عنایتوں سے اس طرح مالا مال ہوئے کہ انھوں نے آپ کو کامل ولی اللہ بنا دیا، بعدہٗ خلافت و اجازت بھی عنایت فرمادی۔ آپ کا سلسلہ شیخ ابو مدین مغربی سے جا کر ملتا ہے چونکہ آپ نے زندگی کی بڑی طویل بہاریں حاصل کی تھیں اس لئے آپ کے اور نبی علیہ السلام کے درمیان مشائخ کا واسطہ بہت کم ہے، یعنی صرف پانچ بزرگوں کے واسطہ سے آپ کا سلسلہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم تک مل جاتا ہے، آپکے تمام بزرگوں کی عمریں ڈیڑھ سو برس سے زائد تھیں، آپ نے ابتداءً دہلی میں تعلیم حاصل کی اور تحصیل علم کے بعد مسجد خان جہاں میں بے انتہا ریاضت کی، اس زمانے میں آپ کی کیفیت یہ تھی کہ دن بھر روزے سے رہتے اور شام کو کھلی کے ایک ٹکڑے سے روزہ افطار فرماتے، بس یہی آپ کی غذا تھی، پھر جب چلّہ کشی کرنے لگے تو چالیس روز میں صرف ایک کھجور کھایا کرتے تھے، آپ نے دنیا کو اس طرح ترک کیا کہ عمر بھر شادی نہیں کی، اس زمانہ میں آپ عالم بالا اور عالمِ فرشتگان کی سیر فرمایا کرتے تھے، آپ حرمین شریفین کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے تھے، آپ کو نبی علیہ السلام نے (کوئی نامعلوم) بشارت بھی دی تھی اور متعدد بزرگوں کی صحبت سے فیضیاب ہوئے تھے، ظفر خاں جو فیروز شاہ کی حکومت کی طرف سے نہر والہ کا حاکم تھا اور بعد میں سلطان مظفر کے لقب سے مشہور ہوا وہ جب گجرات کا بادشاہ ہوا تو اُن قدیم تعلقات کی بنا پر جبکہ شیخ احمد دہلی میں مقیم تھے اور باہمی شناسائی تھی اس سلطان مظفر نے شیخ احمدؒ کو مجبور کیا کہ آپ گجرات تشریف لائیں اور یہیں مستقل سکونت اختیار فرمائیں، چنانچہ آپ تشریف لے آئے اور

سرکچھ میں رہنے لگے، وہاں کے لوگوں نے آپکی ظاہری اور باطنی برکتوں سے استفادہ کیا، آپ لوگوں کی حتی المقدور امداد فرماتے، آپکے اخلاق عالیہ کیوجہ سے تمام لوگ آپ سے محبت کرنے لگے، آپکی زندگی میں ہر آنیوالے فقیر کے لئے آپ کا دستر خوان وسیع تھا، اس لئے آپ کے انتقال کے بعد بھی اس طریقے کو بحالہ جاری رکھا گیا، جس سے فقیر، امیر، غریب اور بادشاہ سبھی سیراب ہوتے ہیں۔

آپ کے ایک مرید بنام محمود بن سعید ایرجی نے آپکے حالات و اقوال کو جمع کر کے اسکا نام "تحفۃ المجالس" رکھا ہے اس کتاب میں لکھا ہے کہ ایک دن میں شیخ احمد کھتو کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپنے فرمایا کہ ایک دفعہ بہت بڑا تاجر تقریباً تین سیر مصری اور مشک کا ایک نافہ ہمارے پاس اس زمانے میں لایا جب کہ ہم مسجد خان جہاں میں تھے، میں نے اُس سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں! اور ہمیں کب سے جانتے ہیں، اُس نے جواب دیا کہ میں شیخ نور کا مرید ہوں جو پنڈوہ میں رہتے ہیں اور اب وہیں سے آرہا ہوں، اصل بات یہ ہے کہ اس سے پہلے میں متعدد مرتبہ دہلی سے مال وغیرہ خریدتا رہا ہوں، اس دفعہ جب دہلی سے مال وغیرہ خرید کر واپس پنڈوہ گیا تو اپنے شیخ نور کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تمنے دہلی میں کون کون سے بزرگوں کی زیارت کی؟ میں نے جن جن بزرگوں سے ملاقات کی تھی سب کے نام بتا دیئے، تو شیخ نے فرمایا کہ کیا شیخ کھتو سے بھی ملے؟ (چونکہ میں آپ سے ملا نہ تھا) اسلئے خاموش رہا، شیخ نے فرمایا کہ جب آپ شیخ احمد کھتو سے نہیں ملتے تو آپکا دہلی جانا بالکل بیکار ہے، اس کے بعد میں پریشانی کی حالت میں وہاں سے روانہ ہوا اور شیخ کے حکم کے مطابق آپکی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس تاجر کے پیر شیخ نور سے میری کبھی ملاقات نہیں ہوئی نہ انھوں نے کبھی مجھے دیکھا اور نہ میں نے انھیں، لیکن انھوں نے اپنے کشف و کرامت سے جو خدا کی ایک خاص نعمت ہے مجھے خود ہی پہچان لیا،

اسی مقام پر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ سلطان فیروز کو بھی شیخ سے بہت عقیدت وارادت تھی، امیر تیمور کے دہلی آنے سے پندرہ دن قبل شیخ نے اپنے کچھ مریدوں اور ارادتمندوں اور خود سلطان فیروز کو اسکے دہلی پر قابض ہونے کی خبر دیدی تھی، چنانچہ سلطان فیروز شیخ کی پیش گوئی کیوجہ سے دہلی چھوڑ کر جونپور چلا گیا تھا (شیخ کو بھی سلطان نے ساتھ چلنے کو کہا) مگر آپ نے فرمایاکہ ہم کو تو دہلی والوں ہی کے ساتھ رہنا ہے، بالآخر شیخ اور آپکے کچھ متعلقین مغلیہ فوج کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے، آپکی کرامات کی جب امیر تیمور کو اطلاع ہوئی تو اس نے ان تمام لوگوں کو جو شیخ کے ہمراہ گرفتار ہوئے تھے بڑی عزت وادب سے رہا کر دیا۔ شیخ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے ساتھ چالیس فقیر جیل میں بند تھے، غیب سے روزانہ اللہ تعالیٰ ہمارے پاس چالیس گرم گرم روٹیاں بھیجدیا کرتا تھا، اس کے بعد شیخ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپنے فرمایاکہ رہائی کے بعد ہم حج کے لئے روانہ ہوئے ہمارا بحری بیڑا جارہا تھا میں وضو کے لئے باہر نکلا، اتفاق سے میرا پاؤں پھسل گیا اور میں سمندر میں گر گیا، ابھی تھوڑی ہی دور تیرتا ہوا گیا تھاکہ مجھے اپنے پاؤں کے نیچے پتھر محسوس ہوا چنانچہ میں اس پر کھڑا ہو گیا پانی میری کمر تک تھا اور میں یا حافظ یا حفیظ یا رقیبُ یا وکیلُ یا اللہ اسم اعظم پڑھ رہا تھا، اس کے بعد کپتان وغیرہ نے مجھے مچھلی کی طرح اوپر اٹھالیا اور میں خانہ کعبہ پہنچ گیا چنانچہ حج کیا اور مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوا۔

آپ کے ساتھ مسجد خان جہاں کے امام اور شیخ تاج الدین سرکھچی اور ایک دوسرا آدمی بھی تھا، جب یہ تمام لوگ مسجد میں ٹھہرے تو تمام ساتھیوں نے کہاکہ کھانے کا انتظام کرنا چاہیئے، شیخ نے فرمایاکہ میں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوں اس لئے مجھے کھانے کا انتظام کرنے کی ضرورت نہیں تم اپنے لئے مختار ہو، چنانچہ وہ لوگ بازار گئے اور کھانا کھاکر واپس آگئے، ہم سب نے عشاء کی نماز یکجا پڑھی وہ لوگ نماز پڑھنے کے بعد سو گئے اور میں ہاتھ صاف کر کے تسبیح پڑھنے میں مصروف ہوگیا، اچانک کسی آواز دینے والے نے آواز دی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا

مہمان کون ہے ؟ میں سمجھا کہ شاید کسی دوسرے شخص کو آواز دی جارہی ہے اس لئے خاموش رہا، دوسری مرتبہ اور پھر تیسری مرتبہ جب اسی طرح آواز آئی تو میں سمجھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مہمان تو میں ہی ہوں چنانچہ میں اپنی جگہ سے کھڑا ہوکر آواز دینے والے کے پاس گیا وہ اپنے ہاتھ میں ایک طشت لئے کھڑا تھا اس نے مجھے دیکھ کر کہا رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے آپکی طرف بھیجا ہے میں نے اپنا دامن پھیلایا، اس نے طشت کی کھجوریں میرے دامن میں انڈیل دیں، اور طشت خالی کرکے واپس چلا گیا (میں نے جب ان کھجوروں کو کھایا تو وہ ایسی میٹھی تھیں کہ انکی لذت و مٹھاس کو الفاظ کے ذریعہ بیان ہی نہیں کیا جا سکتا اس کے بعد میں بھی سو گیا، صبح کے قریب جو خواب میں نے دیکھا وہی خواب میرے دوسرے تین دوستوں نے بھی دیکھا، وہ خواب یہ تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک ہوادار اور روشن مقام میں تشریف فرما ہیں، اور صحابۂ کرام آپکے اردگرد کھڑے ہوئے ہیں اور ایک عورت مزین لباس پہنے ہوئے عطر میں بسی اور زیورات میں لدی ہوئی رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے موجود ہے، نبی علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ اسے قبول کرلو، میں نے عرض کیا کہ میرے والد نے اسے قبول نہیں کیا (لہذا میں بھی اسے قبول نہیں کرتا) نبی علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ تمہارے والد تو یہ ہیں، میں نے پیچھے مڑکر دیکھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ منہ میں انگلی ڈالے کھڑے ہوئے تھے مجھ سے فرمایا، کہ بابا احمد اسے قبول کرلو، چنانچہ میں نے اس عورت کو قبول کرلیا، اس کے بعد فوراً میرے دل میں خیال آیا کہ یہ عورت دراصل دنیا ہے، اللہ تعالیٰ نے نبی کرم صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اب مجھ پر دنیا کے دروازے کھولدئے ہیں۔

مدینۂ منورہ سے واپسی کے وقت میں اپنے تینوں دوستوں کے ہمراہ روضۂ اقدس پر آخری سلام کے لئے حاضر ہوا، روضہ مبارک کے خادم روضہ سے دس گز کے فاصلے سے اپنے ہاتھوں میں سیاہ دستانے پہنے ہوئے کھڑے تھے۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ یہ دستار لو اور اسے سر پر باندھ لو، میں نے ان سے عرض

کیاکہ میرے شیخ چونکہ ٹوپی ہی پہنا کرتے تھے اس لئے میں یہ دستار نہیں باندھونگا انھوں نے کہاکہ رات رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا تھاکہ یہ دستار فلاں شخص کو دیکر ساتھ ہی میرا یہ پیغام پہنچا دیناکہ اس کو باندھنے کا میں حکم دیتا ہوں، اس کو سر پر باندھ لو اور اسلام کی دعوت و تبلیغ میں لگ جاؤ چنانچہ میں نے وہ عطیہ قبول کیا، چوما اور سر پر باندھ لیا۔ ایک دفعہ پھر ملاقات ہوئی تو نبی علیہ السلام نے مجھ کو مسجد خان جہاں میں رہ کر پہلے سے زیادہ مجاھدہ وریاضت کا حکم دیا اور شیخ سید جلال الدین بخاریؒ کو بھی غیب سے اشارہ ہوا کہ ایک صالح نوجوان ہے جو مسجد خان جہاں میں ریاضت میں لگا ہوا ہے اس سے ملاقات کرو چنانچہ سید میری ملاقات کے لیے مسجد میں تشریف لائے جب وہ مسجد کے قریب پہنچے تو انکے ایک ارادتمند نے مجھے اطلاع دی کہ سید صاحب تشریف لا رہے ہیں چنانچہ میں فوراً کھڑا ہوگیا اور آپ کی پالکی طرف جس میں کہ آپ آرہے تھے ملاقات کے لئے آگے بڑھا، سید صاحب کو بھی میری آمد کی کسی نے اطلاع دیدی وہ اطلاع ملتے ہی اپنی پالکی سے اُترے اور میری جانب بڑھ کر مجھے اپنے سینہ سے لگالیا اور کافی دیر تک لگائے رکھا پھر میرے کان پر اپنا منہ رکھ کر تین بار یہ فرمایا، اے جوان! دوست کی خوشبو آرہی ہے، اس کے بعد خدا حافظ فرماتے ہوئے کہنے لگے کہ اچھے وقت میں مجھے یاد رکھنا بھول نہ جانا اور پھر اپنی پالکی میں بیٹھ کر واپس چلے گئے اور میں بھی اپنی جگہ واپس آکر عبادت میں مشغول ہوگیا۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں ننگے پاؤں بلا یار وزاد سامان سفر کیا کرتا تھا اور ہر شہر اور بستی میں پہنچکر رات مسجد میں گزارا کرتا تھا خدا تعالےٰ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے احتلام سے بھی محفوظ رکھا، میں ہمیشہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتا رہا، سفر میں بھی روزے رکھتا اور اتنی ریاضت کرتا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا اگرچہ سفر میں مشقتیں اور تکلیفیں بے شمار ہوتی ہیں لیکن میرا دل ہمیشہ مسرور رہتا

تھا، میں برہنہ پا اور پیادہ اس لئے سفر کرتا تھا کہ حدیث شریف میں آتا ہے،

وامشوا حفاۃً وعراۃً ستروْن اللہ جہرۃً ای عیاناً	تم ننگے پاؤں اور ننگے بدن سفر کرو، عنقریب خدا کو ظاہر باہر دیکھ لوگے،

آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک فقیر ہمارے پاس آیا اور بابو جیو اس کو روزانہ چار روپے دیا کرتے تھے، میں نے بابو جیو سے عرض کی کہ بابو جیو! یہ فقیر کثرت سے بھنگ پینے کا عادی مجرم معلوم ہوتا ہے، اگر آپ نے اسکو روپے دیئے تو ابھی بازار سے بھنگ خرید کر پی لیگا، بابو جیو نے فرمایا کہ ہم سے ہمارے فعل کی باز پرس ہوگی اور اس سے اس کے فعل کی، یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ میں بارہ سال کا تھا اس وقت سے لیکر آج تک میں بابو جیو کی بات پر عمل پیرا ہوں۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک روز بابو جیو نے مجھ سے فرمایا کہ بابا احمد تم بہت سخی ہو، بھائی جان کبھی کبھی ہاتھ اونچا کیا کرو (یعنی کبھی کبھی لوگوں کو دیا کرو)

میں نے کہا، کہ بابو جیو! آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ میرا ہاتھ ہمیشہ اونچا ہی رکھے اور کبھی نیچا نہ ہونے پائے، چنانچہ بابو جیو نے فرمایا کہ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ بابا احمد کا ہاتھ ہمیشہ اونچا ہی رہے اور مخلوقِ خدا ان سے لیتی رہے اس کے بعد یہ شعر پڑھا،

شعر

ہمت بلند دار کہ دادار کردگار	بر ہمت بلند کند فضل خود نثار

اس کے بعد یہ حدیث پڑھی،

یاابن اٰدم انفق انفق	اے آدم کی اولاد! خرچ کر خرچ کر۔

اور پھر یہ آیت پڑھی،

وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ھو خیراً و اعظم اجراً	جو بہتر چیز تم اپنی جان کے لئے آگے بھیجتے ہو اُسے اللہ کے ہاں بہترین اور عمدہ بدلہ پاؤگے۔

ایک دن آپ نے فرمایا کہ فقیروں کی محفل میں آنا تو آسان ہے لیکن واپس جانا بڑا مشکل ہے، میں (محمود بن سعید ایرجی مرتب ملفوظات) نے عرض کیا کہ آقائی سید السادات سید بہاؤ الدین جو میری والدہ کے جدِ امجد تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ تم اپنے پاس آنیوالوں کو درویش نہ سمجھو، اگر تم میں ہمت ہے تو ان کی آنکھ، کان، زبان پر قبضہ کر کے اُن کے قلوب کو حاضر کردو، میں نے اتنی بات عرض کی تھی کہ شیخ نے فرمایا کہ میں سمرقند کی ایک مسجد میں اسوقت پہنچا جبکہ وہاں ایک اہلِ علم آدمی تعلیم دے رہا تھا اور تعلیم حاصل کرنے والے اس کے ارد گرد بیٹھے پڑھ رہے تھے، میں درویشوں والی ٹوپی اور فقیرانہ لباس پہنے ہوئے ان پڑھنے والوں سے ذرا فاصلے پر بیٹھ گیا، ایک طالب علم حسامی کا تکرار کررہا تھا مگر اس کی عبارت غلط پڑھ رہا تھا، میں نے دُور سے بیٹھے ہوئے کہا کہ اعراب درست پڑھو، میری یہ بات سننے کے بعد وہ استاد جو سبق پڑھا رہا تھا اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے پاس آیا اور مجھے اٹھا کر وہاں لے گیا جہاں وہ پہلے سبق پڑھا رہا تھا، پھر اس نے مجھ سے علم اصول کے چند مسائل پوچھے، میں نے ان کا تسلی بخش جواب دیا، تب اس عالم نے کہا کہ آپ نے اس علم کے ساتھ یہ ٹوپی اور پھٹے پُرانے کپڑے کیوں پہن رکھے ہیں، میں نے کہا کہ علم کیساتھ اگر اچھے کپڑے پہنوں تو نفس بد خوئی اور شرارت کریگا اس لئے میں نے اپنے کو اس لباس میں چھپا رکھا ہے۔

تحفۃ المجالس کے مؤلف لکھتے ہیں کہ ایک رات شیخ احمد نے مولٰنا محمد قاسم سے کہا کہ تم فلاں گاؤں چلے جاؤ، قصہ یہ تھا کہ مولٰنا نماز تراویح میں تمام قرآن سُن چکے تھے اور صرف سورہ سبح اسم ربک کے بعد والا حصہ رہتا تھا، انکے دل میں خیال آیا کہ آج رات قرآن سنکر صبح سویرے فلاں کام کے لئے فلاں جگہ روانہ ہو جاؤں گا (شیخ احمد کو خدا نے کشف کے ذریعہ ان کے ارادے اور آئندہ ان کے قرآن کی تکمیل کی خبر دیدی تھی اس لئے فرمایا) کہ مولٰنا آپ ابھی فلاں گاؤں چلے جائیں مگر مولٰنا اس خیال سے خاموش کھڑے رہے کہ اگر نفی میں جواب

دیتا ہوں تو شیخ ناراض ہو جائیں گے، اور اگر چلا جاتا ہوں تو قرآن کریم پورا نہ سُن سکوں گا، چنانچہ شیخ نے پھر حکم دیا کہ آپ فلاں گاؤں ابھی چلے جائیں، شیخ کے اس حکم پر مولٰنا سلام کر کے اس گاؤں کیجانب روانہ ہو گئے (جہاں انکو جانا تھا، اس گاؤں کا نام قصبہ دولقہ تھا) چنانچہ مولٰنا قصبہ دولقہ میں پہنچے تو اس وقت عشار کی نماز کا وقت ہو چکا تھا اس لئے وضو کر کے فوراً مسجد میں چلے گئے، امام کے ساتھ عشار کے فرض پڑھے پھر سنتیں پڑھیں اس کے بعد نماز تراویح کھڑی ہو گئی تو امام نے سورۂ سبّح اسم ربک الخ ہی سے نماز تراویح پڑھانا شروع کی، مولٰنا محمد قاسم رح نے سبّح اسم ربک سے پہلے پورا قرآن شریف تراویح میں سُن ہی لیا تھا اب اس امام کے پیچھے اسی ترتیب سے شروع ہو گیا (اور مولٰنا کی ترتیب میں کوئی خلل نہ آیا) پھر مولٰنا اپنے کام سے فارغ ہو کر اس گاؤں سے واپس تشریف لائے اور شیخ کیخدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ حضرت معاف فرمائیں نے آپکے حکم کی تعمیل میں ذرا تامل اس لئے کیا تھا کہ مجھے اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں تمام قرآن سننے کی سعادت سے محروم نہ رہ جاؤں اس لئے کہ سبّح اسم ربک کے بعد والا حصہ ابھی تک باقی تھا خیال تھا کہ آج رات اس حصہ کو سُن کر صبح سویرے روانہ ہو جاؤں گا، شیخ احمد نے فرمایا کہ مولانا! تمہارے کسی دنیاوی کام کی وجہ سے شیخ دینی کام میں نقصان واقع نہیں ہونے دیگا، درویشوں کو (خدا تعالٰی بسا اوقات) کام کے انجام سے پہلے ہی واقف کر دیا کرتے ہیں، چونکہ دولقہ کا امام مسجد قرآن کریم کو سبح اسم ربک سے پڑھنے والا تھا اس لئے ہمنے آپکو دیا تھا کہ تم فوراً دولقہ چلے جاؤ (دنیاوی کام بھی ہو جائے گا اور دینی کام میں بھی کوئی فرق نہ آئے گا) آئندہ اس بات کا اہتمام کرنا کہ درویش جو بات کہے اس کی تعمیل میں تامل نہ کرنا۔

سلطان احمد گجراتی نے شہر احمد آباد کی بنیاد رکھی تھی اس کے زمانۂ سلطنت میں شیخ احمد کھتو کی بزرگی کا آفتاب اپنی پوری جولانیوں اور درخشانیوں سے لوگوں

کو منور کر رہا تھا۔

گجرات کی حکومت کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ سلطان محمد بن سلطان فیروز دہلوی نے یہ سُنا کہ گجرات کے اندر کافروں نے فتنہ و فساد کا بازار خوب گرم کر رکھا ہے اور گجرات کا وہ حصہ جو دریا کی سمت ہے وہاں ایک قطعہ ہے جس کو وہ لوگ دیو پٹن کہتے ہیں، وہاں انھوں نے ایک بتخانہ بنا رکھا ہے جسے وہ لوگ سومنات کہتے ہیں اور اس علاقہ کا سابق گورنر نظام مفرح بھی حکومت کی بغاوت پر کمربستہ ہوچکا ہے اور کنتھایت کے علاقہ میں آزادی سے سلطنت کر رہا ہے، اور سب سے زیادہ افسوسناک یہ بات تھی کہ وہ بھی مسلمانوں کو بہت ستا رہا تھا اور انکے اموال، دولت، سامانِ تجارت جبراً چھین رہا تھا۔

سلطان فیروز کو جب دہلی میں یہ اطلاع ملی تو اس نے فوراً ہی اپنے ایک امیر فوجی افسر ظفر خاں کو گجرات کی جانب روانہ کردیا تاکہ شریر اور بدمعاش لوگوں کے شر کو فرو کردیں، ظفر خاں وہ شخص تھا جس نے گجرات اور اس کے اردگرد کے متعدد علاقوں کو فتح کیا تھا، اس نے بادشاہ کے حکم میں ذرا تامل نہ کیا اور فوراً تعمیل کے لئے تیار ہوگیا (وہاں پہنچکر ان کو خوب کامیابی ہوئی) تو تھوڑے دنوں بعد ظفر خاں کے بیٹے نے اپنا لقب محمد شاہ رکھا اور سنہ ۸۰۶ھ میں گجرات کے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا، ابھی اسکی سلطنت کے کچھ ہی دن گزرے تھے کہ اس نے دہلی پر حملہ کرنے کی تیاریاں کردیں لیکن خدا کی قدرت سے اسی دن مرگیا، محمد شاہ کی وفات کے دن سنہ ۸۰۶ھ میں ظفر خاں پھر گجرات آیا اور اپنی بادشاہت کا اعلان کرکے اپنا لقب مظفر شاہ رکھا، چنانچہ انہوں نے گجرات میں تین سال آٹھ مہینے سلطنت کی، اس کے بعد اسکا پوتا سلطان احمد بادشاہ ہوا، اسی نے شہر احمد آباد کی بنیاد رکھی تھی، اس نے بتیس برس چھ ماہ حکومت کی، اس کے بعد اس کی اولاد میں سے لوگ بادشاہ بنتے رہے جن کے اب نام محفوظ نہیں ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سنہ ۸۱۰ھ میں شہر احمد آباد بسا اور اس کی بنیاد رکھی گئی اور سنہ ۸۱۲ھ میں

جامع مسجد کی بنیاد رکھی گئی جس کے عدد "خیر و بخیر" کے لفظ سے نکلتے ہیں۔

قطب عالمؒ

۸۰۱ھ ——————— ۸۵۷ھ

آپ مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری کے پوتے تھے، اپنے آبائی وطن سے منتقل ہو کر گجرات میں آکر مقیم ہوئے اور پھر گجرات ہی کو اپنا جدید وطن بنالیا تھا، آپ کا نام سید برہان الدین تھا اور قطب عالم کے لقب سے مشہور تھے، احمد آباد سے چھ[6] میل کے فاصلہ پر ایک قصبہ بتوہ ہے وہاں آپ کا مزار ہے آپ نے ۸۵۷ھ میں انتقال فرمایا جس کے اعداد "مطلع یوم الترویہ" سے نکلتے ہیں۔ آپ کے مزار پر ایک پتھر پڑا ہے جس کے اندر پتھر، لوہے، لکڑی تینوں چیزوں کے اوصاف پائے جاتے ہیں، کسی شخص کو صحیح طور سے یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ کس چیز کا ہے، اگر آپ اسے ابتداءً دیکھیں تو آپ کو پتھر معلوم ہوگا، پھر ذرا غور سے دیکھیں تو لوہا اور مزید غور کرنے پر لکڑی معلوم ہوگا، غرضکہ لوہا، لکڑی، پتھر تینوں کے اوصاف اس کے اندر موجود ہیں اور اس کے کسی حصہ کو جدا اور علیحدہ بھی نہیں کیا جاسکتا، یہ ایک عجیب چیز ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے (اس عجیب پتھر کے بارے میں روایت یوں نقل کی جاتی ہے) کہ ایک دن آپ پانی میں چل رہے تھے کہ اس دوران میں آپ کے پاؤں میں کوئی چیز چبھی، لوگ اس کو نکال کر لائے تو آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ تو لوہا ہے یا پتھر یا لکڑی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر تینوں صفتیں جمع کر دیں۔

شاہ عالمؒ

۸۲۵ھ ——————— ۸۸۰ھ

آپ قطب عالم کے بیٹے تھے، آپ کا نام شاہ منجھن لقب شاہ عالم تھا، آپکی قبر احمد آباد میں ہے، آپ کا روضہ اس علاقہ کے رہنے والے لوگوں کی زیارت گاہ ہے

اور ایک ایسے پاکیزہ، بلند لطیف اور نظیف علاقہ میں واقع ہے جو بہت کشادہ اور وسیع خطّہ ہے، جمعرات کو شہر کے اچھے اور بُرے سبھی لوگ آپ کے مزار پر جاتے اور رات بھر وہیں رہتے ہیں۔

مشہور ہے کہ شاہ عالم کی تصوف اور سلوک میں کچھ عجیب سی حالت تھی، اکثر اوقات آپ پر مستی کا عالم چھایا رہتا تھا کبھی کبھی ریشمی لباس بھی پہن لیا کرتے تھے، اور ملامتیہ فرقے کے پیروکار نظر آتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ کی ولایت پر کھُلے اور واضح دلائل موجود تھے اور شیخ احمد کھتو آپکی تربیت وارشاد کے ذمہ دار تھے، آپ کثیرالکرامات بزرگوں میں تھے، ۸۸۰ھ میں آپ نے وفات پائی جس کے عدد کو لفظ "فخر" ظاہر کرتا ہے، شیخ قطب عالم اور شاہ عالم کے کچھ خلفار بھی احمد آباد میں مدفون ہیں، گجرات کے مشہور شہر پٹن میں خاص طور پر شیخ نظام الدین اولیار کے مشہور خلیفہ شیخ حسام الدین ملتانی کا مزار بہت مشہور ہے جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، یہ علاقہ ایسا ہے کہ یہاں سے عشق و محبت کی خوشبو آتی ہے اور اس کے جنگلوں اور کھنڈروں سے ولایت کی برکت کے انوار درخشاں معلوم ہوتے ہیں، یہ شہر ہمیشہ اہلِ دل کی آماجگاہ ہے اس لئے آج بھی اس میں اہل دل بستے ہیں

شعر

بھر زمیں کہ نسیمے ز زلف او وزیدہ است ہنوز از سرآں بوئے عشق می آید

غرضیکہ آپ اپنے وقت کے علمار اور مقبولان درگاہ رب العلیٰ لوگوں میں سے تھے اور آپکی برکات کے اثرات ابھی تک اس شہر میں نظر آتے ہیں۔

داور الملکؒ

۹۵۲ھ ——— ۱۰۳۱ھ

آپ کا نام عبداللطیف تھا (آپ سپاہیانہ ذہن کے آدمی تھے) اسلئے عام لوگوں کے اندر رہتے ہوئے بھی سپاہیانہ لباس پہنا کرتے تھے، آپ خصوصی اوصاف کے

حامل تھے، آپکی عظمت و قبولیت کے بیشمار آثار آپکے اندر موجود تھے، گجرات میں ایک جگہ جوناگڑھ ہے، وہاں آپکی قبر ہے، گجرات اور دکن کے علاقہ کے اکثر لوگ ہر سال آپکی زیارت کے لئے جمع ہوا کرتے ہیں، اندھے اور بیمار قسم کے لوگ خصوصاً آتے رہتے ہیں، جس طرح دہلی میں شیخ بہلیم کی ولایت و بزرگی کا شہرہ ہے اسی طرح گجرات میں آپ مشہور ہیں، شیخ بہلیم کے ذریعہ آپکے صرف اتنے ہی حالات معلوم ہوسکے کہ جب اسلامی جنگ لڑی جا رہی تھی تو آپ سب سے پہلے فوج میں داخل ہوئے اور کفار سے لڑتے لڑتے بالآخر شہید ہو گئے، اس کے علاوہ بھی آپکے بہت سے حالات لوگوں میں مشہور ہیں۔

تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ آپکا نام درصل سپہ سالار مسعود غازی تھا، آپ سلطان محمود غزنوی کے ساتھ کے غازی تھے، سلطان محمد تغلق جب بہرائچ جاتا تو آپکے مزار مقدس کی ضرور زیارت کیا کرتا تھا اور وہاں کے مجاوروں کو بہت مال دیا کرتا تھا۔

آپ سے خواجہ معین الدینؒ کے مرید ہونیکا تاریخ میں کوئی ثبوت نہیں ملتا، اور آپ کے ملفوظات میں بھی اسکا کوئی ذکر نہیں، اور یہ جو مشہور ہے کہ آپکو جھنڈیاں بہت پسند تھیں اسی لئے لوگ آپکے مزار پر جھنڈیاں لاتے ہیں، یہ سب زمانۂ حال کی پیداوار اور بدعت ہے۔ آپ گجرات کے علاقے کے بڑے کامل ولی تھے (اس لئے یہ کہنا کہ آپکو جھنڈیاں پسند تھیں آپکی ولایت کا انکار کرنا ہے)

قاضی محمودؒ
۸۴۶ھ — ۹۲۵ھ

آپ صاحب سکر اور صاحب ذوق بزرگ تھے، عشق و محبت آپ کا مشرب تھا اور حلاوت آپکی کیفیت تھی، ہندی زبان میں آپ نے بہت سی کافیاں لکھی ہیں جو اس علاقہ کے نعت خواں اکثر پڑھتے رہتے ہیں، یہ کافیاں لوگوں میں بے انتہا مقبول ہیں، مؤثر ہونے کے علاوہ بڑی بے تکلفانہ انداز اور زبان میں ہیں، آپکے تمام کلام میں عشق بھرا ہوا ہے

منقول ہے کہ جب آپکا انتقال ہو گیا تو دفن کرتے وقت آپکے والد بزرگوار نے آپ کے منہ سے کپڑا اٹھا کر دیدار کیا تو آپ آنکھیں کھول کر ہنسنے لگے، یہ حالت دیکھ کر آپکے والد نے فرمایا کہ بابا محمود! یہ بچوں جیسی ادا کیسی؟ چنانچہ اتنا سننے کے بعد آپنے آنکھیں

بند کریں، آپ نے اپنے ابتدائی دَور میں جیسے بڑے رئیس لوگ اور بڑے مشائخ ٹھاٹ باٹ سے رہا کرتے ہیں اسی انداز سے زندگی گزاری اور یہ اسوقت کی بات ہے جبکہ سلطان مظفر بن سلطان محمود کی حکومت تھی۔

آپ ۹۲۰ھ میں اپنے آبائی وطن قصبہ بسرپور علاقہ گجرات میں تشریف لے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کی، آپ کا مزار بھی اسی قصبہ میں ہے، آپ اپنے علاقہ کے متاخرین مشائخ میں سے تھے۔

شیخ وجیہ الدین رح
۸۹۵ھ ـــــــ ۹۹۷ھ

آپ بڑے معمر اور کامل ولی اللہ تھے، جامع کمالات و برکات ریاضت بہت کیا کرتے تھے، تصنیف و تالیف اور طالب علموں کی تربیت و ہدایت آپکے محبوب مشغلے تھے، آپ نے اکثر کتب کے حواشی اور شرح بھی لکھی ہیں، شہر کے عام لوگوں جیسا لباس پہنتے تھے، علم سلوک میں آپ کو شیخ محمد غوث سے عقیدت اور نسبت حاصل تھی لیکن بیعت کسی اور بزرگ سے تھے، ۹۹۷ھ میں آپکی وفات ہوئی اور اپنی خانقاہ کے صحن ہی میں دفن کیے گئے۔

میں (شیخ عبدالحق دہلوی مؤلف اخبار الاخیار) جب دیار حبیب کی زیارت کے لئے حجاز جارہا تھا تو راستہ میں گجرات پڑتا تھا چنانچہ میں نے وہاں شیخ وجیہ الدین کی زیارت کا شرف حاصل کیا، آپ سلسلۂ قادریہ کے اکثر طور پر اذکار کیا کرتے تھے، اس وقت آپکے حقیقی بیٹے شیخ عبداللہ آپکے جانشین ہیں جو بڑے باعلم، بردبار اور ریاضت وہمت اور پاکدامنی میں یکتائے زماں اور درویشوں کے تمام اخلاق و اوصاف کے حامل ہیں۔

شیخ علاؤالدین رح
۵۸۹ھ ـــــــ ۷۳۰ھ

آپ قریشی تھے، اور گوالیر میں رہتے تھے، سید محمد گیسودراز کے مرید اور خلیفہ تھے، ظاہری اور باطنی علوم میں کامل دسترس رکھتے تھے، سید محمد گیسودراز کو جب فراست سے آپ کے باطنی حالات معلوم ہوئے تو آپ کو ترک دنیا اور مخلوق سے

جدا رہنے کا حکم دیا، چنانچہ آپ آخر وقت تک خلوت نشین رہے، اور مخلوق سے علیحدگی کا عالم یہ تھا کہ آپ نے اپنے خادم کو اس بات پر مامور کر دیا تھا کہ وہ تمام گھر کا کچرا، کوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے دروازے پر پھینک دیا کرتے تاکہ لوگوں کو یہاں آبادی کا وہم وگمان تک بھی نہ ہو سکے اور ان کے آنے سے شیخ کے اوقات خراب نہ ہونے پائیں محمد آباد عرف کالپی میں آپ کا مزار ہے جس کی زیارت کر کے لوگ برکت حاصل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

شیخ ابوالفتح علائی قریشیؒ

۱۳۹۳ھ ——— ۱۴۶۴ھ

آپ بھی سید محمد گیسو درازؒ کے مرید اور خلیفہ تھے آپ کو ظاہری اور باطنی علوم میں مکمل دسترس حاصل تھی، اپنے شیخ سے عوارف المعارف وغیرہ کتب پڑھ کر پھر خلافت حاصل کی، آپ نے کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے علم نحو میں "تکمیل" اور تصوف میں "مشاہدہ" مشہور ہیں، اس کے علاوہ بھی آپ کی کئی تصنیفات ہیں، آپ کا مزار بھی کالپی میں ہے۔

شیخ سراج سوختہؒ

۱۳۳۱ھ ——— ۱۴۰۲ھ

آپ قرآنِ کریم کے حافظ تھے، اوائل عمر میں مخدوم جہانیاںؒ کی صحبت میں رہے اور برسوں تک وہاں کی امامت کے فرائض انجام دیتے رہے، دوسرے ائمہ جو علوم ظاہری حاصل کر چکے تھے وہ جب مخدوم جہانیاں کی عنایات اور نوازشات کی آپ پر بارش ہوتے دیکھتے تو آپ پر رشک کرتے تھے، چنانچہ مخدوم جہانیاںؒ کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے لوگوں سے فرمایا کہ سراج جب تک خانہ کعبہ کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کر لیتے اسوقت تک تکبیر تحریمہ نہیں کہتے، مشہور ہے کہ بہت سی کرامات اور خوارق عادات آپ سے خود بخود معرضِ وجود میں آتی رہتی تھیں، اگرچہ آپ ان کو مخفی رکھنے کی بیحد کوشش کرتے تھے۔

منقول ہے کہ شاہ مدار شیخ سراج کے زمانہ میں ہر مز سے کالپی تشریف لائے، انکے پاس لوگوں کا ایک جم غفیر ہمیشہ جمع رہتا تھا چنانچہ وہ چند ہی دنوں میں اس علاقے کے اندر بہت مشہور ہو گئے، شاہ مدار کی کچھ باتیں بظاہر خلاف شرع تھیں، اسی زمانہ میں قادر شاہ ابن سلطان محمد جو سلطان فیروز شاہ تغلق کے خاندان سے تھے وہ اپنے والد کے انتقال کے بعد اس علاقہ کے حاکم اعلیٰ مقرر ہوئے تھے وہ شاہ مدار کی شہرت سُن کر ملاقات کے لئے شاہ مدار کی قیامگاہ پر آیا، خادموں نے قادر شاہ سے کہہ دیا کہ اس وقت شاہ مدار سے ملاقات نا ممکن ہے کیونکہ وہ ایک درویش کے ساتھ تنہائی میں گفتگو کر رہے ہیں، یہ سُن کر قادر شاہ نے شاہ مدار کے خادموں سے کہہ دیا کہ شاہ مدار سے کہہ دینا کہ وہ ہمارے شہر سے چلا جائے، یہ کہہ کر قادر شاہ اپنے گھر آگیا چنانچہ جب شاہ مدار کو شاہی حکم کی اطلاع ہوئی تو وہ اس شہر سے نکل کر ندی پار چلے گئے اور نکلتے وقت قادر شاہ کے لئے بد دعا بھی کر دی، چنانچہ آپ نے اپنے خادموں سے کہا کہ تین دن کے بعد مجھے بادشاہ کی کیفیت سے مطلع کرنا، جب شاہ مدار ندی پار چلے گئے تو قادر شاہ بادشاہ کے جسم پر پھنسیاں نکل پڑیں جس کی سوزش سے قادر شاہ بیتاب ہو کر شیخ سراج سوختہ کے پاس آیا، شاہ مدار نے اپنا کرتہ اُتار کر قادر شاہ کو پہنایا، چنانچہ پھنسیاں اسی وقت ختم ہو گئیں اور کوئی سوزش باقی نہ رہی شاہ مدار کے ارادتمندوں نے جب دیکھا کہ قادر شاہ نے شاہ مدار سے پناہ حاصل کر لی ہے تو وہ تین روز تک انتظار کر کے ندی پار چلے گئے اور شاہ مدار کو تمام حالات بتلا دیئے اس کے بعد شاہ مدار جونپور چلے گئے اور پھر وہاں سے قنوج کے ایک قصبہ مکن پور میں مستقل سکونت اختیار کر لی

شیخ بدیع الدین مدارؒ

۷۷۱ھ ———— ۸۵۱ھ

لوگ آپ کے متعلق بڑے بڑے عجیب وغریب واقعات نقل کرتے ہیں، کہتے ہیں

کہ آپ سمندر میں رہا کرتے تھے جو صوفیوں کا ایک مقام ہے، آپ نے بارہ سال تک کھانا نہیں کھایا، ایک بار جس کپڑے کو پہنتے پھر دھونے کی غرض سے اتارتے نہ تھے، اکثر کپڑے سے چہرہ ڈھانپے رہتے تھے، آپ کے چہرہ پر جس کی نظر پڑ جاتی تو وہ بے اختیار ہو کر آپکی غایت درجہ تعظیم و تکریم کرتا،

کہتے ہیں کہ عمر کے طویل ہونے یا کسی اور وجہ سے آپکا سلسلہ پانچ یا چھ واسطوں سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم تک مل جاتا ہے اور سلسلۂ مداری کے بعض لوگ تو آپکو بغیر کسی واسطہ کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیتے ہیں، بعضے کچھ اور کہتے ہیں لیکن یہ سب باتیں حدود شریعت سے خارج اور بے اصل ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

قاضی شہاب الدین دولت آبادی بھی آپ ہی کے ہمعصر تھے، ایک خط کے متعلق لوگوں میں بہت مشہور ہے کہ یہ خط شاہ بدیع الدین نے قاضی شہاب الدین کو لکھا تھا اور جو کچھ شیخ سراج سوختہ کے متعلق لکھا گیا ہے وہ کالپی کے بعض بڑے فضلاء سے منقول ہے، یہی فضلاء فرماتے ہیں کہ اس خط کا قصہ ہمارے دیار میں بھی مشہور ہے لیکن یہ بلا سند بات ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

شیخ سخائی رح

آپ صاحب کشف و کرامات اور بڑے بابرکت بزرگ تھے سلسلۂ سہروردیہ کے پیرو اور شیخ نورالدین کے معاصر تھے

۸۹۴ھ — ۹۷۵ھ منقول ہے کہ ایک روز شیخ سخائی کے دل میں آیا کہ اس جگہ ایک قطب قیام کریگا، اس کے بعد آپ نے ایک دن ایک محفل کے انعقاد کا انتظام کیا اور اسمیں شیخ نورالدین قطب کو دعوت دی اور کہلا بھیجا کہ میرے دل میں خیال آیا تھا کہ اس جگہ ایک قطب کا نزول ہوگا، اور چونکہ اس زمانہ میں آپ کے ماسوا اور کوئی قطب نہیں لہذا مہربانی فرما کر غریب خانہ پر تشریف لائیں، شیخ نورالدین آپکی دعوت قبول کر کے آپکے گھر تشریف لے گئے، کھانا کھانے کے بعد غزلخواں آگئے شہر کے بڑے بڑے اولیائے کرام، مفتیانِ عظام اور قضاۃ وغیرہ بھی موجود تھے،

جب سماع کی محفل شروع ہوئی تو شہر کے قاضی صدر جہاں کھڑے ہو کر فرمانے لگے کہ سماع ناجائز ہے، یہ کہہ کر اس محفل سے چلے گئے، ان کے بعد مفتیانِ کرام اور دوسرے لوگ جو سماع کے عدم جواز کے قائل تھے وہ بھی اُٹھ کر چلے گئے، مولانا تاج الدین اسیجابی شیخ علاؤالحق کے داماد جو بڑے سمجھدار عالم تھے بیٹھے رہے اور غزلخوان کو منع کیا مگر ان کا منع کرنا بے سود رہا اور نعت خواں بار بار اس شعر کو پڑھ رہے تھے،

شعر

آں سوار کج کلاہ کز ناز سلطانِ منست
بس خرابیہا کز و برجانِ ویرانِ منست

شیخ نورالدین اس شعر میں لطف اٹھا کر جھوم رہے تھے، سماع کے دوران ہی میں مولنا تاج الدین نے سماع کے عدم جواز پر بحث شروع کی، آپ کو شیخ نورالدین جواب دیتے رہے لیکن جب مولنا نے شور مچانا شروع کر دیا تو شیخ نورالدین کو غصہ آگیا اور فرمایا کہ مولنا آپکے لئے اتنی شوخی مناسب نہیں، اس کے بعد مولنا بھی اس محفل سے اُٹھ کر اپنے گھر چلے گئے، جب گھر آئے تو انکے تمام بدن پر پھنسیاں نکل آئیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے غضب سے محفوظ رکھے۔

مولنا نقی الدین اودھی رح

۷۷۵ھ ——— ۸۳۵ھ

آپ بڑے متقی بزرگ تھے، آپکا معمول تھا کہ رات کے آخری حصہ میں اپنے وظائف کی کتاب لے کر گھر سے نکل جاتے اور دن بھر کسی (پوشیدہ) جگہ بیٹھ کر اس کے ذکر میں مشغول رہتے اور پھر جب شام ہوتی تو اپنے گھر واپس آجایا کرتے تھے۔

منقول ہے کہ ایک دن چند ابدال آپکے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے کہ مولنا آپ تو ہمارے ساتھ رہیں، آپ نے فرمایا کہ بال بچوں کی ذمہ داریاں میرے اوپر ہیں اس لئے آپ جیسے لوگوں کے ساتھ جو گھر کے غم سے بھی مستغنی ہوں میرا ساتھ نہیں ہو سکتا۔

منقول ہے کہ مولٰنا کے پاس ایک زرخرید لونڈی تھی، ایک دن اسکو اپنے بچے یاد آگئے (جس کی وجہ سے وہ افسردہ اور آبدیدہ تھی) چنانچہ اُسے آدھی رات کو اپنے گھر سے باہر لے گئے اور کہا کہ تم اپنے گھر چلی جاؤ، جب صبح ہوئی تو آپکی بیوی نے کہا کہ ہماری لونڈی موجود نہیں وہ کدھر گئی، مولٰنا نے جب اسے تمام ماجرا سنایا تو وہ مولٰنا پر بہت خفا ہوئیں، چند دنوں کے بعد وہ لونڈی اپنے بچوں اور خاوند سمیت واپس آئی اور مولٰنا کے قدموں پر گر کر کہنے لگی کہ مولٰنا ہم تمام آپکے غلام ہیں، مولٰنا نے فرمایا کہ میں نے تم سب کو آزاد کر دیا۔ اللہ کی آپ پر رحمتیں ہوں۔

شیخ رفقۃ الدین رح

۸۳۰ھ ——— ۸۹۹ھ

آپ شیخ نور الدین قطب عالم کے بڑے صاحبزادے تھے آپ بڑے منکسر المزاج اور صاحب حال بزرگ تھے، شیخ حسام الدین مانک پوری شیخ رفقۃ الدین کا یہ مقولہ نقل کیا کرتے تھے کہ "واللہ میں ایک بازاری کتے سے بھی بدتر ہوں"۔

ایک دفعہ میں (مؤلف اخبار الاخیار) نے یہ واقعہ اپنے والد بزرگوار سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے بھی اپنی تمام عمر اسی کلمہ کے موافق گزاری ہے اللہ تعالٰی ان پر اور عارف باللہ لوگوں پر اپنی رحمتیں فرمائے۔

شیخ انور رح

۸۳۳ھ ——— ۸۹۸ھ

آپ شیخ نور کے چھوٹے صاحبزادے، بڑے سخی اور بزرگ تھے، بکریاں خرید کر ان کو پالتے، جب وہ خوب فربہ اور موٹی تازہ ہو جاتیں تو ذبح کر کے فقیروں کو کھلا دیتے تھے اور اس میں سے خود کچھ بھی نہ کھاتے، شیخ حسام الدین اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ مخدوم زادہ شیخ انور سے میں نے ایک دن پوچھا کہ عشق کسے کہتے ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ جو لوگ آنکھوں والے ہیں وہ آنکھیں کھول کر دیکھتے ہیں کہ دوست یا خیال دوست یا پیام دوست آرہا ہے، فی الواقع آنکھوں والے یہی لوگ ہیں ورنہ وہ اپنی آنکھوں کو کس لئے کھولتے ہیں۔

میر سیّد اشرف سمنانیؒ

۷۷۰ھ ——————— ۸۷۱ھ

لوگ آپ کو سید جہانگیر کہا کرتے تھے، آپ صاحبِ کرامت و تصرف اور بڑے کامل ولی اللہ تھے، آپ سید علی ہمدانی کے رفیقِ سفر رہے تھے بالآخر ہندوستان آکر شیخ علاؤ الدین کے مرید ہوئے، مرید ہونے سے قبل ہی آپ کشف و کرامت کے مقامات علیا حاصل کر چکے تھے، حقائق اور توحید کے بارے میں بڑی بلند باتیں بیان فرمایا کرتے تھے، آپکے مکتوبات بڑی عجیب و غریب تحقیقات کے مجموعے ہیں، آپ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے معاصر تھے، قاضی صاحب نے آپ سے فرعون کے ایمان کے متعلق جسکا فصوص الحکم میں بھی اشارہ کیا ہے، تفصیلی گفتگو کرکے حقائق معلوم کرنے چاہے، چنانچہ آپ نے قاضی صاحب کو اس سلسلہ میں ایک خط لکھا آپ کا مزار جونپور کے ایک گاؤں کچھوچھہ میں ہے، آپکی قبر بڑا فیض کا مقام ہے، اور ایک حوض کے درمیان میں ہے، اس علاقہ میں جنات کو دور کرنے کے لئے آپکا نام لے دینا بڑا تیر بہدف نسخہ ہے، آپ کے ملفوظات بھی آپکے ایک مرید نے جمع کئے ہیں

مکتوب ۲۲ برادرِ عزیز جامع العلوم قاضی شہاب الدین! آپکے دل کو اللہ تعالیٰ نورِ یقین سے منور فرمائیں، درویشانہ دعا اور فقیرانہ مدحت و ثنا فقیر اشرف سے قبول فرمائیں، آپکا مکتوب جس میں بہت سی باتوں کے ساتھ ساتھ فرعون کے بارے میں آپ نے استفسار کیا ہے ملا، یہ وہی استفسار ہے جس کا جواب فصوص الحکم میں دیا گیا ہے، سو فصوص الحکم میں اس مسئلہ کے متعلق دس مقامات پر دس جوابات دیئے گئے ہیں، اصل میں یہ ایسے مشکل ترین مقامات ہیں جس میں شرح کرنے والے اُلجھ گئے، اور اصل بات تک نہیں پہنچ سکے۔

حضرت شیخ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرعون جو پانی میں ڈوبنے اور ہلاکت کے خوف سے ایمان لایا تھا یہ ایمان معتبر نہیں اور اس ایمان کی وجہ سے فرعون کو مؤمن

نہیں کہا جا سکتا، اس لئے ایمان تو وہ معتبر ہوتا ہے جو دوزخ کے احوال اور اُخروی نکال کی اطلاع ملنے پر لایا جائے اور فرعون کا ایمان اس طرح کا نہ تھا کیونکہ وہ تو غرق ہونے اور خراب ہو جانے کی وجہ سے ایمان لا رہا تھا جیسا کہ قیصری میں ہے کہ فرعون نے جب سمندر میں ایک وسیع اور چوڑا راستہ دیکھا جس سے بنی اسرائیل سمندر کی دوسری جانب چلے گئے تھے تو وہ غرغرہ لگنے سے پہلے اور آخرت کی ان چیزوں کو مشاہدہ کرنے سے پہلے ایمان لایا جن کو عموماً لوگ غرغرہ کی کیفیت میں دیکھتے ہیں اس اعتبار سے فرعون کا ایمان معتد بہ اور صحیح ہوگا کیونکہ وہ غرغرہ سے پہلے ایمان لایا تھا نہ کہ آخرت کے عذاب کو دیکھ کر جیسا کہ ایمانِ خوف ہوتا ہے، چنانچہ جو کافر قتل سے بچنے کی غرض سے ایمان لائے تو اسکا ایمان بلا اختلاف درست ہے،

فصوص الحکم میں ہے کہ فرعون کی بیوی نے موسیٰ علیہ السلام کی بارے میں فرعون سے کہا کہ وہ میری اور آپکی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، تو فرعون کی بیوی کی آنکھوں کی ٹھنڈک سے تو اسکا کمال مراد ہے اور فرعون کی آنکھوں کی ٹھنڈک سے اسکا ایماندار ہونا مراد ہے جو اللہ نے اس کو بوقت غرق عطا کیا تھا اور اس کو اللہ نے دنیا سے پاک صاف کر کے قبض کر لیا اس لئے کہ وہ ایمان لانے کے بعد کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہوا اور پھر اس کو اپنی قدرت کی ایک نشانی بنا دیا تاکہ میری رحمت سے کوئی ناامید نہو اور اللہ کی رحمت سے تو کافر لوگ ہی ناامید رہتے ہیں، اگر فرعون بھی ان لوگوں سے ہوتا جو اللہ کی رحمت سے ناامید ہوتے ہیں (کافر لوگ) تو وہ ہرگز ایمان نہ لاتا، پھر فرعون کی عورت نے فرعون سے کہا تھا کہ یہ تیری اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل مت کرو، بہت ممکن ہے کہ یہ ہمارے لئے مفید ثابت ہو اور اللہ تعالےٰ کا یہ فرمانا کہ کیا تو اب ایمان لاتا ہے حالانکہ اس سے پہلے تو گناہوں میں شرابور تھا، تو یہ محض عتاب کے طور پر اللہ تعالےٰ نے فرمایا تھا، اس سے اس کے ایمان کی نفی ہرگز ثابت نہیں ہوتی، قیامت کے دن گناہگاروں کو دوزخ میں ڈالنے اور دوزخ کو بدترین مقام قرار دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایمان اور دوزخ میں منافات ہے

اور فرعون کے کفر پر کوئی صریح نص موجود نہیں اور جن دلائل میں اس کے کفر کا تذکرہ ہے وہ تو اس کے ایمان لانے سے پہلے کے واقعات کو بطور حکایت کے بیان کیا گیا ہے، ایمان کا فائدہ یہ ہے کہ خلود فی النار نہیں ہوگا، البتہ اس نے جتنے مظالم اور معاصی کئے ہیں ان تمام کی اس کو سزا دی جائے گی اور شیخ اس آخری بات کا انکار نہیں کرتے (یعنی اسکا کچھ دنوں کے لئے معذب ہونا) اور شیخ ان تمام باتوں میں ماجور تھے کیونکہ جو کچھ بھی انہوں نے اس خط میں لکھا ہے وہ تمام کا تمام رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ہی سے لکھا ہے اس لئے وہ معذور ہیں جیساکہ منکر مغرور معذور ہوتا ہے اور شیخ کا یہ فرمانا کہ اللہ نے اس کو اپنی قدرت کی علامت بنا دیا یہ اشارہ ہے اللہ کے اس قول کی طرف،

فالیوم ننجیك ببدنك ای مع بدنك من العذاب بوجود الایمان الصادر منك بعد العصیان

آج سے ہم نے تیرے بدن کو محفوظ کر دیا یعنی تجھ کو تیرے بدن سمیت کفر کے بعد ایمان لانے کی وجہ سے بچالیا۔ اللہ تعالےٰ ہی ہر مومن اور کافر کو جاننے والا ہے۔

برادرِ عزیز، فاضلِ جلیل! میں خدا تعالیٰ کی عنایت سے اور آپ حضرات کی دعا سے صوفیا کا مشرب رکھتا ہوں، اس بات کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا جائے کہ کوئی شخص خدا تعالیٰ کی عنایت اور دستگیری کے بغیر کوئی بلند درجہ حاصل نہیں کر سکتا، آپ کو جو کچھ بزرگی حاصل ہے وہ سب اللہ کی مہربانی ہے اور اللہ اپنی عنایت و مہربانی جس پر چاہتا ہے مبذول کرتا ہے، تصوف اور عزت والے علم کے بارے میں امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص جاہل ہو اور تصوف و شریعت کے علم سے ناآشنا ہو اس کیلئے خاتمہ بالکفر کا شدید خطرہ ہے، اہل علم حضرات پر خدا کی یہ مہربانی ہے کہ وہ کم از کم اللہ اور رسول کی تصدیق کرتے اور شریعت کے احکام کو مانتے ہیں، شرکِ خفی کے دریا کی متلاطم موجوں سے نکلنے کے لئے توحید و رسالت کو ماننا ہی بہترین عقیدہ ہے، مشائخ چشت نے جو کچھ فرمایا ہے اور جسے میں بتا بھی چکا ہوں اُسے تم روزمرہ کا معمول بنالو

اس کے بعد جو کچھ ظاہر ہو وہ ہمیں لکھ بھیجو تاکہ اس کے موافق شیطان کے وساوس سے چھٹکارا دلانے کی کوئی سبیل کی جائے، اور جب بالمشافہ گفتگو ہوگی اس وقت بتلا دیا جائے گا، میرے خط پہنچنے سے پہلے شیخ رضی کا مکتوب آپ کو مل جائے گا جو انہوں نے سلطان ابراہیم کو لکھا ہے وہ غالباً اس کا مطالعہ کر چکے ہونگے آپ کے اخلاق عالیہ سے امید ہے کہ اس ضرب المثل کے موافق عمل کر دگے کہ مسلمان کے دل میں خوشیوں کا داخل ہونا سمندر کی مانند ہے اور عبادات قطرہ کی مانند ہیں، اور اس پر بھی عمل کر دگے کہ جس نے اللہ کے راستہ میں اپنے قدموں کو غبار آلود کیا اس کے جسم پر اللہ تعالیٰ آگ حرام کر دیتے ہیں، میں نے اپنی کوشش اور آپکی رعایت کرنے میں کوئی طریقہ نہ چھوڑا،

شعر

گر بر آید کاری از دستِ کسے   بہ کہ در کارش زند صد دست و پا
کار باید کرد از روئے دل   کار او نبود، بود کارِ خدا

اس زمانہ کے درویشوں کے زخمی دل لوگوں کو معلوم ہے کہ جناب والا کو اس فقیر سے والہانہ الفت و محبت ہے اس لئے بھی ضرورت ہے کہ گاہ بگاہ آپ کو بیدار کرتا رہوں تاکہ آپ اپنے قیمتی اوقات کو ضائع نہ کیا کریں۔

شیخ فتح اللہ اودھی رح

آپ حکیم شیخ صدر الدین کے خلیفہ تھے، اوائل عمر میں آپ دہلی کے عالموں میں سے تھے اور کئی برس تک جامع مسجد دہلی کے نیچے منار شمسی کے مدرسہ میں مسندِ افادیت و تعلیم پر رونق افروز رہے، آخر کار حکیم شیخ صدر الدین سے بیعت ہوئے اور انہیں کے واسطہ سے سلوک کی منازل کو طے کیا،

کہتے ہیں کہ آپ نے بے انتہا ریاضت کی لیکن عالم بالا کی روح پرور ہواؤں سے اچھی طرح محظوظ نہ ہو سکے، اپنی اس کیفیت کی آپ نے جب اپنے شیخ سے شکایت

کی تو انھوں نے فرمایا کہ پڑھنا پڑھانا چھوڑ دو اور کتابوں کی دنیا کو اپنے دل سے نکال دو، چنانچہ آپنے ایسا ہی کیا، البتہ چند عمدہ کتابیں اپنے پاس رکھیں، باب معرفت کھلنے میں جب دیر لگی تو اپنے وہ کتب جو اپنے پاس رکھی تھیں کسی کو دیدیں لوگوں نے دیکھا کہ جب آپ دریا کے کنارے بیٹھ کر کتابوں کے اوراق کو دھویا کرتے تھے تو آپ کی آنکھوں میں لگاتار آنسو جاری ہوا کرتے تھے چنانچہ بہت مدت تک آپ یوں کرتے رہے بالآخر آپکے دل کی تختی ماسوی اللہ سے بالکل پاک و صاف ہوگئی اور ظاہری علم کے عوض میں باطن کے علم سے نواز دیئے گئے،

شیخ قاسم اودھی آپکے ارادتمند اپنی کتاب آداب السالکین میں لکھتے ہیں، کہ شیخ اپنے مریدوں اور دوستوں کو مندرجہ ذیل اشیار مرحمت فرمایا کرتے تھے،

جانماز، تسبیح، کنگھا، عصا، قینچی، سوئی، لوٹا، کاسہ، نمکدان، طشت جوتا، کھڑاؤں۔ ان تمام چیزوں سے آپ کی ایک خاص مراد ہوا کرتی تھی چنانچہ جانماز سے اطاعت وعبادت میں ثابت قدمی،

تسبیح سے دلجمی، یعنی دل میں پریشان کن اور جو متفرق حالات تھے وہ سب جمع ہوگئے ہیں اور یہ تمام خطرات جمع ہوکر اب ایک خطرہ بن گیا ہے جس طرح کہ تسبیح کے تمام دانے اکٹھے ہوچکے ہیں،

کنگھا سے شر و فساد کا دُور ہو جانا مراد ہے،

عصا سے خدا تعالیٰ کی ذات پر اعتماد و بھروسہ مراد ہے،

قینچی سے دنیا کی خرابیاں اور بُرے خیالات کا ختم ہو جانا مراد ہے،

سوئی سے صورت ومعنیٰ، ظاہر و باطن ایک طریقہ پر بنا لینا مراد ہے، لیکن سوئی بغیر تاگے کے نہیں دیتے تھے، شعر

سوزن درشتہ از پئے پیوند! آں بدوایں بدوست حاجتمند

لوٹا اور کاسہ سے یہ مراد ہوتا کہ فقیر اور درویش مال جمع نہیں کرتے بلکہ وہ ہمیشہ روٹی اور نان کے محتاج رہتے ہیں، اور جو کچھ خدا کی طرف سے ملے اُسے فقیروں

اور درویشوں کو کھلادو اور پلادو،

نمکدان وطشت اور آفتابہ سے آپکی مراد یہ ہوتی تھی کہ بزرگوں کا ورع اور تقوےٰ اس کے حوالہ کردیا گیا ہے،

جوتے اور کھڑاؤں سے ثابت قدمی اور ثبات علی الاسلام مراد ہوتا تھا، اور جب کسی کو کنگھی دیتے تو اُسے کپڑے یا کاغذ میں لپیٹ کر دیا کرتے تھے، اس لئے کہ یہ بالوں کو جدا جدا کرنے والی چیز ہے (کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اس سے جُدائی اور علیحدگی پر دلالت کرنے لگیں اس لئے بند کرکے دیتے ہیں) اور اسی طرح اگر کسی کو چاقو دیتے تو اُسے بھی بند کرکے دیتے تھے اور اس کے ساتھ خربوزہ یا گوشت کا ٹکڑا بھی دیا کرتے تھے، اسی طرح لوٹا یا اس کی مثل اور کوئی چیز دیتے تو اسے پانی سے بھر کر دیتے اور فرمایا کرتے کہ جب کنگھی کو کنگھی دان میں رکھا جائے تو اس کے دندانے اندر کی طرف ہونے چاہئیں کیونکہ کنگھی ہی بالوں کو جدا کرنے کے لئے بڑا آلہ ہے اس لئے جو آلہ تفریق کا سبب ہے اس کی دُوری واضح کرنے کے لئے دندانے اندر کی جانب رہنا بہتر ہے،

مسعود بک رح آپ سلطان فیروز کے رشتہ داروں میں سے تھے، آپ کا اصلی نام شیر خاں تھا، عرصہ دراز تک غنی اور مالدار رہے اور امیروں جیسا لباس پہنتے تھے، اچانک خدا نے آپؒ کے قلب کو اپنی جانب متوجہ کرلیا اور فقیروں اور درویشوں کی مجلس میں بیٹھنے لگے اور شیخ رکن الدین بیان رح ابن شہاب الدین امام کے مرید ہوگئے، (اس کے بعد آپکی کیفیت یہ ہوتی کہ) اکثر اوقات مست رہا کرتے، خدا کی وحدت میں مست ہوکر مستانہ وار باتیں کیا کرتے، آپ کی طرح کسی گذشتہ بزرگ نے نہ مستی کا اظہار کیا اور نہ ہی حقیقت کے اسرار بیان کئے، آپ کی آنکھوں سے اکثر و بیشتر اشک و آنسو گرتے رہتے تھے اور وہ اتنے گرم ہوتے کہ اگر کسی کی ہتھیلی پر گرتے تو وہ اپنی ہتھیلی پر ان کی گرمی کو محسوس کرتا۔

آپ نے تصوف میں اکثر کتابیں بھی لکھی ہیں، ہمدانی کی تمہیدات کی طرح آپ کی بھی ایک کتاب تمہیدات کے نام سے ہے جس میں قصائد، اشعار اور غزل وغیرہ کے حقائق کو ظاہر کیا گیا ہے اور اکثر اشعار کے اندر امیر خسرو کو جواب دیا گیا ہے، آپ کے بہت سے اشعار میں فنی اعتبار سے کچھ خامیاں بھی ہیں مگر بعض اشعار ایسے لطیف و بہترین ہیں کہ جن کو پڑھنے والا پھڑک اٹھتا ہے، آپ کی ایک تصنیف اور بھی ہے جس کا نام مرأۃ العارفین ہے اس میں فرماتے ہیں سہ

مانسخۂ محمد مرسل فتادہ ایم زیرا کہ ہر دلی است بدیں نسخۂ نبی

آپ کی قبر آپکے پیر کے مقبرے میں خواجہ قطب الدین کے مزار کے قریب لاڈ دکی سرائے میں ہے، یہ مقام باقی تمام آبادی سے جدا اور علیحدہ ہے، آپ مرأۃ العارفین میں لکھتے ہیں، زمانے کی زبان ناطق ہے اور غیب کی آنکھ شاہد ہے، ہم لوگ غائب تھے (پیدائش سے پہلے) اور اب موجود ہیں اور جو موجود تھے وہ اب غائب ہیں (یعنی فوت ہو گئے) ہم اپنے وجود کے اعتبار سے پیدا نہیں ہیں اور ہم کالعدم کے اعتبار سے ہویدا ہیں، اگر رموز سے پردہ اٹھا دینے کو عیب سمجھا جائے تو اپنے کو "ما" نہ کہو، یہ حروف ہیں جو پردوں کے برتن ہیں، اور نقطے اسرار و رموز کی حقیقت ہیں، اور جو سفیدی ہے یہ دل کی آنکھوں میں سیاہی پیدا کرتی ہے اور جو سیاہی ہے یہ دل کی سیاہی کا سبب بنتی ہے، نور تو فی الواقع وہ ہے جو آنکھوں کو بینا کر دے اور دل کو روشن کر دے اور (عشق کی) آگ وہ ہے جو اللہ کے راستے میں حائل ہونے والے تمام پردوں کو خاکستر کر دے، ہم طور کا ایک سرسبز درخت ہیں کہ اس جگہ ہمارا نور آگ دکھائی دیتا ہے، ہم پر اسکا نور پڑا اور تمام ظلمتیں دور ہو گئیں، اس وقت ہم کو بغیر "ما" کے پاتا ہے اور تم کو بغیر "شما" کے تلاش کرتا ہے یہی سب سے بڑا حجاب ہے اس کو دور کرو اور محرم راز بن جاؤ یہاں کی جتنی صورتیں اور شکلیں ہیں وہ کشف کے آئینہ میں بالکل واضح نظر آتی ہیں اور یہی وہ مقام ہے جو عارفوں کے نزدیک عروس اور دلہن کہلاتا ہے جو اسرار اور حقائق کے تمام

زیورات سے مزین اور مسجع ہے، یہی عارفوں کا آئینہ ہے اگر تمہیں بھی چشم بصیرت میسر ہو تو اس مقام کو دیکھو، یہ ہے مراۃ العارفین کا مقدمہ، اور اتنی ہی عبارت اس کتاب کے بلند اور بالاتر ہونے کی بیّن دلیل ہے۔ اس کتاب کے اندر چودہ کشف بیان کئے گئے ہیں، اس کتاب کے اندر ایسے عمدہ اور بہترین مضامین لکھے ہیں کہ ان جیسے مضامین اور کسی کتاب میں نہیں ملتے، چنانچہ اسی کتاب کے کشف نمبر ۱۴ میں روح کا بیان اس طرح لکھتے ہیں،

روح کے راز اور اس کی حقیقت کو خدا تعالیٰ نے تمام مخلوق سے پوشیدہ اور مخفی رکھا ہے، عقل و شعور اور ظاہری آنکھوں سے اس کو کسی نے نہیں دیکھا جیساکہ ارشادِ خداوندی ہے،

قل الرّوح من امر ربّی — فرما دیجئے روح اللہ کے امر میں سے ہے

اس آیت سے روح کا وجود ثابت ہوتا ہے کہ روح بھی کوئی چیز ہے اور

وما اوتیتم من العلم — تم کو جو کچھ علم دیا گیا ہے

یہ روح کے مشاہدہ کرنے کی طلب سے نفی کا حکم ہے، روح اگرچہ اپنے آثار کے اعتبار سے ظاہر ہے لیکن عقل اس کی حقیقت و ماہیت سے قاصر و عاجز ہونے کے باوجود اس کے معلوم کرنے میں کوشاں ہے، روح کی ماہیت وحقیقت کو الفاظ کے ذریعہ بتانا اور بیان کرنا ناممکنات میں سے ہے، عارفوں کا مقولہ ہے کہ روح کو روح ہی پہچانتی ہے، روح کی حقیقت اس وقت نظر آتی ہے جب پروردگار اپنے جمال کا پردہ اٹھا لیتا ہے اس کے بعد عقل کی روشنی اس نورِ معرفت سے منور ہو کر مستفید ہوتی ہے، روح تو اصل میں انسان ہی کا نام ہے جیساکہ شاعر نے کہا ہے ؎

وکنت بالرّوح لا بالجسم انساناً — میں روح کیساتھ انسان ہوں جسم کے ساتھ نہیں،

اور انسان رحمان کی صورت میں ہے جیساکہ ارشاد ہے،

ان اللّٰہ خلق اٰدم علی صورتہٖ کہ انسان کو خدا نے اپنی صورت میں پیدا کیا

روح ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ کے جمال و حسن سے منور اور روشن ہوتی ہے جس آئینہ میں کوئی قابلِ قدر جوہر موجود ہوتا ہے وہ خود بخود ہی خدا کے جمال کو قبول کر کے منور ہو جاتا ہے روح کے متعلق تفصیلی گفتگو ناجائز ہے اس لئے کہ وہ از قبیلۂ صانع ہے قبیلۂ مصنوع و مخلوق میں سے نہیں (جب وہ خدا کی صفت ہوئی) تو خدا کے اسرار کو ظاہر کرنا کفر ہے (لہٰذا روح کے اسرار پر گفتگو کرنا ناجائز ہوا) اے حبیب! آپ جس آئینہ میں اپنی صورت دیکھتے ہیں اس کی حالت یہ ہے کہ اس کو دیکھنے والا فی الواقع اپنی ہی صورت کو دیکھتا ہے، اسی طرح روح بھی انسانیت کے آئینہ میں پروردگار کا جمال ہے، اس اعتبار سے جو اللہ کا جمال دیکھتا ہے وہ قدیم ہونے کے راستہ میں قدم رکھتا ہے اور جو شخص محض آئینہ کو دیکھتا ہے وہ اپنے دامن کو حدوث ہونے سے ملوث کرتا ہے اور حدوث کو فنا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ آئینہ دیکھنے والا جب تک آئینہ میں اپنی صورت دیکھتا رہتا ہے تو وہ اس میں موجود ہے اور جب آئینہ کے پاس سے ہٹ جاتا ہے تو اس کی صورت بھی آئینہ سے علیٰحدہ ہو جاتی ہے۔

اے حبیب! روح کے متعلق اتنی مختلف کیفیات ہیں جو اور کسی چیز میں نہیں پائی جاتیں اور جو شخص روح کو عرضیات میں سے شمار کرتا ہے وہ پاگل اور عقل کا مریض ہے، اور جو شخص یہ کہے کہ روح ایک جسم دار چیز ہے وہ بھی جاہل اور ناواقف کار ہے، اور جو روح کو جوہر کہے وہ بھی دماغی مریض ہے، غرض کہ جو شخص کسی طرح سے بھی روح کے لئے کوئی نام تجویز کرے تو وہ اس کی معرفت سے ناآشنا ہے (کیونکہ علم کی تعریف ہی یہ ہے) کہ کسی چیز کے ادراک سے عاجز رہنا اور روح کو اگر کوئی دوسرا نام دیا جائے تو وہ مناسب نہیں، بعض صوفیاً کہتے ہیں کہ روح ایک لطیف شئے ہے جو اللہ تعالیٰ سے جدا ہو کر متفرق مقامات میں گھومتی پھرتی ہے اور اس کی اتنی کثرت کے باوجود اس کو کسی چیز سے تعبیر

نہیں کیا جا سکتا، وہ نہ شراب ہے نہ پیالہ، نہ بادل ہے اور نہ ہی چاند،
محققین کہتے ہیں کہ روح کے دو اعتبار ہیں، ایک اعتبار سے سراج اور دوسرے اعتبار سے زجاج ہے، اور لوگوں نے اپنے کشف سے جو روح کی تفصیل بیان کی ہے تو وہ اس کے زجاج ہونے کے اعتبار سے نہ کہ سراج ہونے کے اعتبار سے،

محققین کہتے ہیں کہ اللہ نور السمٰوٰت والارض ایک سراج ہے اور اس کے سامنے ہزاروں لیمپ ہیں جو اس سے روشنی حاصل کر کے منور ہوتے ہیں تو یہ روح کے اندر جو تعداد اور کثرت ہے وہ اس کے زجاج ہونے کے اعتبار سے ہے سراج کے اعتبار سے نہیں، اور روح کا حادث ہونا بھی اسی اعتبار سے ہے۔

آفتاب ایک ہے اور ہزاروں آئینہ اس سے روشن ہوتے ہیں، اسی طرح زجاج ہے جو اپنی لطافت اور پاکیزگی کے اعتبار سے تمام موجودات کی صورتیں موجود ہیں آفتاب سے زمین تین طریقوں سے اثر قبول کرتی ہے، ایک سایہ جو دوری کیوجہ سے حائل ہوتا ہے، دوم۔ بلا حیلولہ کے آفتاب کی روشنی حاصل کرنا، سوم، ہر صاف اور ستھری چیز کا آفتاب کا اثر قبول کرنا، اگرچہ یہ تمام کیفیات موثرہ مختلف ہیں، لیکن سورج کی تمازت اور تیزی سب پر برابر ہے، اسی لئے کہتے ہیں کہ نباتات کی روح ایک سایہ جیسی ہے اور حیوانات کی روح آندھی طوفان اور سخت گرمی کی طرح ہے جو بغیر کسی کے فعل کے خود بخود مؤثر ہوتی ہے، اور انسانی روح کی مثال ایک عکس اور پرتو کی سی ہے جو اپنی پاکیزگی اور لطافت کی وجہ سے براہِ راست سورج سے نکلتا ہے،

اے برادر! یہ ایک راز کی بات ہے اور تحقیق و تفتیش کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انسان نام ہے عکس کا (جیسا کہ امام رازیؒ نے ایک جگہ پر انسان کی تعریف میں فرمایا ہے مجموعۃ الاعدام مع عکوس ملکات ۱۲ مؤلف) اس لئے کہ عکس کا کوئی اپنا وجود نہیں بلکہ عکس اصل چیز کے سایہ ہی کو کہتے ہیں، اور اس شخص کے اندر بھی اپنا کوئی نور نہیں بلکہ اس کے اندر بھی اصل شئے کی

حرکت کا عکس ہے، جس طرح عکس کا وجود ہے اسی طرح اس کی اصل کا بھی وجود ہے، اگر اصل کا وجود نہ ہوتا تو "انا الحق اور سبحانی" کیوں معرضِ وجود میں آتا، اگر آپکے دل میں خیال آئے (کہ جب روح ایک ہی چیز ہے) تو انسان کے اندر یہ روح متفاوت کیوں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تفاوت تو اثر قبول کرنیوالے کے اعتبار سے ہے، اصل کے اندر کوئی تفاوت نہیں، اس کی مثال ایسی ہی جیسے کہ سورج، یہ اپنی روشنی تو ہر جگہ پہنچاتا ہے لیکن ظرف جتنا اور جسقدر ہوتا ہے وہ سورج سے اتنی ہی روشنی اور حرارت قبول کرتا ہے (تو سورج کی حرارت برابر ہے مگر اس کی حرارت کو حاصل اور قبول کرنے والے ظروف مختلف ہیں وہ اپنی استعداد اور بساط کے مطابق اس سے حرارت حاصل کرتے ہیں، اسی طرح روح کا معاملہ ہی) اور ظاہر ہے کہ انسان تمام برابر نہیں، سو اللہ تعالےٰ کا عکس جب تمام انسانوں میں سے صاف انسان پر پڑتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ نفخت فیہ من روحی (کہ میں نے اس کے اندر روح ڈالدی) سے تعبیر فرمایا، اس اعتبار سے فرشتوں کی ارواح بھی من امراللہ ہیں اور انسانوں اور فرشتوں کی ارواح میں ستارے اور چاند کی نسبت ہے،

چاند اگرچہ اپنے ابتدائی حال (اور انتہائی میں) کچھ فرق رکھتا ہے لیکن اس کی روشنی اور تابانی وقت کے گزرنے سے ترقی کیجانب مائل ہوتی ہے اس کے مقابلے میں ستارے ہیں وہ آخر وقت تک ویسے ہی رہتے ہیں جس طرح اول وقت میں تھے ان کی ہیئت میں کوئی فرق نہیں آتا اور ستارے (کم روشن اسلئے ہیں) کہ سورج سے بہت دُور ہیں، اسی طرح فرشتے ہیں کہ ان میں بھی کوئی ترقی نہیں ہوتی (جس طرح پیدا ہوئے تا زلیت عبادت کرنے کے باوجود بھی اسی حالت میں رہتے ہیں۔۱۲ فاضل) جیساکہ ارشادِ خداوندی ہے،

ومامنا الا لہٗ مقام معلوم   کہ ہر فرشتہ کا ایک معلوم مقام ہے

اسی لئے فرشتے دیدار الٰہی سے دُور رہتے ہیں، ستارے کسی وقت بھی آرج

کو نہیں دیکھ سکتے (اور چاند کے قریب ہیں) مگر چاند سے بھی روشنی حاصل نہیں کر سکتے اس لئے کہ چاند کے اندر خود اپنی روشنی نہیں وہ تو سورج کے قریب ہونے کی وجہ سے) سورج کی روشنی سے منور ہے، دل کی دنیا میں کسی اور کو بادشاہ اور حاکم بناؤ تو بڑی آسانی سے سمجھ لوگے کہ روح کیا چیز ہے، جس دل میں جوہر قابل موجود ہوگا وہ اس کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے، اور ممکن کو ممکن اس لئے کہتے ہیں کہ وہ معدوم ہے لیکن وہ واجب الوجود کے قبول کرنے کی قابلیت رکھتا ہے، ہر شخص نے روح کی حقیقت سے نقاب کشائی کر کے اسکا کوئی نہ کوئی نام رکھا ہے لیکن اہلِ کشف کے کامل اور ماہر لوگوں کا کہنا ہے کہ روح ایک لطیف چیز ہے جس کی حقیقت کو کوئی نہیں جانتا، البتہ اس کے اوصاف ظاہر ہیں اور وہ اپنے سبعہ صفات کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے اور جسم کے ساتھ متعلق ہوتی ہے اور جسم کے علیحدہ ہو جانے سے ختم ہو جاتی ہے، اللہ تعالےٰ کی تصرف کی یہ صورتِ بیانیہ ہے اس کی حقیقت اور کنہہ کو کسی کی عقل نہیں پاسکتی،

اے حبیب! روح کی حالت یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے پوشیدہ اور مخفی ہے اور اپنے اثرات کے اعتبار سے انسانی وجود پر مؤثر ہے، جسم اس کی صفات کی موجودگی میں تصرفات کرتا ہے اور جب وہ جسم سے زائل ہو جاتی ہے تو جسم کا تصرف بھی ختم ہو جاتا ہے اور وہ باعتبار تصرف کے جسم میں صورت بیانیہ رکھتی ہے اور اس جہان میں اس کا تصرف ولہ المثل الاعلیٰ کا مصداق ہے اور اس عالم میں جسم اس کا ایک نمونہ ہے اور اعضاء اس کے اندر دوسری چیزیں ہیں اور یہی حال دیگر نباتات اور حیوانات کا ہے کہ اگر روح ان میں موجود ہے تو وہ زندہ ہیں اور اگر روح جسم سے مفارق ہو گئی تو اُن کے اجساد و اجسام بھی ختم ہو جاتے ہیں، اس اعتبار سے روح خدا تعالےٰ کے جمال کا پرتو ہی نہیں بلکہ اللہ کے جمال کے سایہ کا سایہ ہے اللہ نہ تو دنیا میں ہے اور نہ ہی دنیا سے الگ ہے، اسی طرح روح جب کسی کے اندر آتی ہے

تو وہ چیز بھی دوئی سے یکسو ہوجاتی ہے بلکہ وہ چیز اس روح میں بیخود ہوکر اپنی ہستی ہی ختم کردیتی ہے،

اے حبیب! اللہ تعالیٰ اگر اپنے امرروح کو جسم انسانی کے حوالہ نہ کرتا تو اس کی معرفت ناممکن ہوجاتی، اللہ نے ابتدائً انسان کے اندر اپنی صفات کو ظاہر کیا جس کے ذریعہ انسان نے خدا کی معرفت حاصل کی اور روح کو جانا، اللہ تعالیٰ ہی کے علم کی وجہ سے انسان کے اندر علم ہے اور اس کی قدرتِ حیات کی وجہ سے اس کی حیات ہے، انسان کا سُننا، بولنا، مس کرنا، یہ سب اللہ کے علم ہی سے ہے، اسی لیۓ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے خدا کو پہچان لیا کیونکہ انسان صورت رحمان میں ہے اس لئے اس کو پہچاننا فی الواقع خدا کو پہچاننا ہے، پس اس کی معرفت حق کی معرفت کے لئے بیان ہے بلکہ اہل تحقیق کی نظر میں اس کی معرفت عین اسی کی معرفت ہے، لیکن روح کے لئے کچھ تجلیات ہیں اور ہر تجلی کے لئے کوئی وجہ ہے اور ہر تجلی کے لئے ایک مبداء اور ایک معاد ہے۔

صوفیاء نے روح کے متعلق بڑی عمیق لہذا عجیب وغریب باتیں کہی ہیں، صوفیاء مبداء خلق کو سرِ روح کہتے ہیں جسکا رکن خدا تعالےٰ کی قدوسیت کا جمال ہے جس کو علم قوت بھی کہتے ہیں، جس طرح کہ سورج کے اندر روشنی کرنے کی قوت ہے اور معاد اس کا چمکنا ہے، یہی حالت ہے دل کے آئینہ کی بھی، جس کے ظاہر ہونے کے طُرق مختلفہ ہیں، جس طرح سورج سے چاند روشنی حاصل کرتا ہے، جب کسی کا محل کلیتہً صاف اور شفاف ہوجاتا ہے تو وہ دوسرے کے اوصاف اختیار کرلیتا ہے جیسا کہ ہلال قمریت کے آئینہ میں بدر ہوجاتا ہے اور آفتاب باندازۂ قمر دکھائی دیتا ہے، اس کا نام کمال ہے، یہی حالت ہے روح کی جو مبداء کے اعتبار سے ازلی اور معاد کے لحاظ سے اسکا ظہور جمال ہے اور اس کے معاد کا اظہار قوالبِ بشریہ میں کفر وایمان سعادت وخذلان کے اعتبار سے اسی وجہ سے ہے، اس کے کمال کو طلب کرنے میں نبوت کے ادوار اور ولایت

کے اطوار کا راز ہے، جس طرح سورج کی روشنی جس سے چاند منور ہوتا ہے چنانچہ چاند اور سورج دو الگ الگ وجود ہیں، اور چاند کو چمکتا ہوا دیکھ کر کوئی شخص بھی اسے آفتاب نہیں کہتا حالانکہ وہ اپنی تابانی اور درخشانی میں سورج کا ہم پلّہ ہے، اسی طرح چاند کو سورج کا جزو اور ایک حصہ بھی نہیں کہا جا سکتا، اور تمام چیزیں خدا کے ماسوئی ایک دن میں برباد ہو جائیں گی، پس معاد سے مراد رویت باری ہے اور اسکا ظہور بھی ازلیت کی وجہ سے ہے جو صورت میں ابدیت کے ہے اور حدوث سے مراد یہ ہے کہ اسکا مختلف درجات میں ظاہر ہونا اس سے معلوم ہوا کہ تمام چیزیں اللہ ہی کے نور سے روشن اور زندہ ہیں، اس درویش نے اسی مضمون میں کہا ہے۔

اشعار

گر از خودیٔ خویش بروں آئی تو　　　در پردۂ توحید درون آئی تو
در راز روش چوں و چرا بگذری　　　از خود شدۂ بے چرا و چوں آئی تو

سدید اللہؒ

۸۱۱ھ —————— ۸۴۹ھ

آپ میر سید محمد گیسو درازؒ کے پوتے اور خلیفہ تھے، عشق و محبت آپ کا بہترین مشغلہ تھا، منقول ہے کہ آپ ابھی بچہ تھے کہ سید محمد گیسو دراز نے وضو کرتے ہوئے سر کا مسح کرتے وقت اپنی ٹوپی اُتار کر ایک جگہ رکھدی تھی۔ اسی اثنار میں سدید اللہ بھی اس طرف آئے اور ٹوپی کو دیکھ کر بچوں کی طرح اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی، یہ دیکھ کر میر سید محمد گیسو درازؒ نے فرمایا کہ یہ خلعت ہے، اور الحمد للہ کہ امانت اس کے حقدار اور اہل کو مل گئی، اس کے بعد سید گیسو دراز جس کو مرید کرتے اس کو سدید اللہ کے سپرد کر دیا کرتے البتہ ذکر وغیرہ کی تلقین خود فرما دیا کرتے تھے۔

مشہور ہے کہ سدید اللہ کو ایک عورت سے عشق ہو گیا تھا چنانچہ آپ نے

اپنے دل پر کنٹرول کیا اور اس کی الفت کو صیغۂ راز ہی میں رکھا بالآخر اس سے نکاح کر لیا، وہاں کے علاقے کے رواج کے موافق ان کی صبح کو ملاقات ہوئی۔ سدید اللہ نے اس کے جمال پر ایک نظر کی کہ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور عالمِ پائیدار کیجانب روانہ ہوگئیں اور شادی کی مجلس غم میں تبدیل ہوگئی سدید اللہ نے اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑا اور اس کے پاس بیٹھنے سے پہلے آپ نے بھی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی چنانچہ لوگوں نے دونوں کو ایک دوسرے کے بازو میں دفن کر دیا۔

شیخ پیارےؒ

۸۰۴ھ ——————— ۸۶۲ھ

آپ سدید اللہ کے مرید اور میر سید محمد گیسو دراز رہ سے تربیت یافتہ تھے، مشہور ہے کہ شیخ پیارے جب ابتدا سید محمد گیسو دراز کے ہاں آئے تو سید گیسو دراز رہ نے دریافت کیا کہ درویش تم کسی پر عاشق بھی رہے ہو!

شیخ پیارے نے شرم کرتے ہوئے بڑی تکلیف سے کہا، کہ حضور! میں تو عشق ہی سیکھنے کے لئے جناب کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، مجھے کچھ خبر نہیں کہ عشق کیا ہوتا ہے سید گیسو دراز نے فرمایا کہ میرے اس سوال سے آپکی حالت کا امتحان اور آپ کے طرزِ طریق کی کیفیت معلوم کرنا ہے اس لئے عشق کے متعلق آپ پر جو بھی واقعہ گزرا ہو اُسے بلا تکلف بیان کر دو، چنانچہ شیخ پیارے نے کہا کہ ایک مرتبہ میں ایک غیر مسلم عورت کو دل دے بیٹھا اور اس سے ملنے کا موقعہ کسی طرح ہاتھ نہ آتا تھا چنانچہ اس سے ملاقات کرنے کی غرض سے میں نے اپنے گلے میں زنار ڈالا اور اس مندر میں چلا گیا جہاں وہ پوجا پاٹ کرنے کے لئے آیا کرتی تھی تاکہ اسکو خوب دیکھوں، اس کے بعد سید گیسو دراز نے ان کو گلے سے لگالیا اور فرمایا کہ آپ جیسا بلند ہمت مجھے کون ملے گا، آؤ تمہیں اللہ سے محبت کرنے کا طریقہ سکھاؤں، تمہارا یہ کام تو تمہاری بلند ہمتی کی دلیل ہے، ایمان سے زیادہ اور کون چیز محبوب

ہو سکتی ہے اور تم نے اتنی جرأت کی کہ اس کو محبت کے راستہ پر لٹادیا، اب میں تم کو حقیقی عشق کا راستہ بتاؤں گا، چنانچہ آپ نے شیخ فرید الدین شکر گنج کے کمرہ میں جو خواجہ بختیار کاکی رح کے روضہ میں ہے شیخ محمد پیارے کو مسلسل چلّہ کرنے کا حکم دیا اور پھر انوار معرفت حاصل کرنے کے قابل بنادیا، اسکے بعد حضرت گیسو دراز کے حکم پر شیخ پیارے سے سدید اللہ کے مرید ہوئے اور سعی بلیغ کر کے درجۂ کمال تک رسائی حاصل کرلی۔

شیخ جلال گجراتی

۸۳۹ھ ——————— ۸۹۹ھ

آپ شیخ پیارےؒ کے مرید اور اپنے وقت کے کامل ولی اللہ اور صاحبِ کرامات تھے اور ظاہری و باطنی کمالات کے حامل تھے، کہتے ہیں کہ علاقہ گجرات کے رہنے والے تھے لیکن گور و بنگالہ میں بادشاہوں کی طرح رہتے اور احکام جاری کرتے تھے اہل غرض لوگوں نے بادشاہ گور کے دل میں آپکے متعلق مختلف قسم کے وہم اور شبہات پیدا کردیئے جس کی وجہ سے بادشاہ نے آپکو شہید کرادیا،

منقول ہے کہ جلاد اور قاتل آپکی خانقاہ میں داخل ہوئے اور خون ریزی شروع کردی، وہ جب آپکے کسی مرید کو قتل کرتے تو آپ یا قہار یا قہار پڑھتے لیکن جب ان لوگوں نے آپ پر تلوار چلائی تو آپ نے یا رحمٰن یا رحمٰن پڑھا اور یہی کہتے کہتے شہید ہوگئے، شہید ہوجانے کے بعد آپ کا سر زمین پر پڑا ہوا اللہ اللہ کی صدائیں بلند کر رہا تھا۔

شیخ محمد ملاوہ رح

۸۰۲ھ ——————— ۹۰۰ھ

آپ کو لوگ مصباح العاشقین کہا کرتے تھے، ابتداءً آپ شیخ احمد راوتیؒ کے

مرید ہوئے اور انھیں کی خدمت میں رہ کر ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے، بعدہٗ شیخ جلال گجراتی کیخدمت میں پہنچے اور عشق و محبت کی نسبت اُنہی کے ذریعہ درست کی، آپ کامل شیخ اور صحیح الحال بزرگ تھے، سماع اور وجد کے رسیا تھے

منقول ہے کہ ایک غزلخواں آپکے سامنے وہ اشعار پڑھ رہا تھا جنمیں فراق و جدائی کا تذکرہ تھا، آپ پر ایسا وجد طاری ہوا کہ مرنے کے قریب پہنچ گئے، آپ کی اس حالت سے ایک شخص باخبر ہوا، اُس نے غزلخوانوں سے کہا کہ وہ اشعار پڑھو جس میں وصل و قرب کا تذکرہ ہو چنانچہ اس مضمون کے اشعار سنتے ہی آپ میں ایسی بشاشت و فرحت آ گئی کہ گویا نئے سرے سے آپ میں جان آ گئی سہ

الوصل یحیی والفراق یمیت فما زلت فی العشق حیاً و میتاً

گہ بلطفم می نوازد گہ بنازم مے کشد

زندہ می سازد مراآں شوخ و بازم می کشد

منقول ہے کہ ایک دفعہ آپکے گھر میں آگ لگ گئی اور گھر کے اندر غلہ وغیرہ جو کچھ بھی تھا سب جل کر راکھ ہوگیا، اسی غلہ کے اندر بغرض تخم ریزی تھوڑے سے دھان بھی رکھے ہوئے تھے چنانچہ بقیہ غلہ کے ساتھ وہ بھی جل گئے، جب تخم ریزی کا وقت آیا تو گھر والوں نے آپ سے گزرا ہوا تمام قصہ بیان کیا اور کہا کہ تخم ریزی کے لئے جو دھان محفوظ رکھے ہوئے تھے وہ بھی تمام غلہ کے ساتھ جل چکے ہیں، یہ سُن کر آپ نے فرمایا کہ ہم سوختہ جانوں کے پاس جلے ہوئے دھانوں کے علاوہ اور کیا ہوگا، اس کے بعد وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کی اور بایں الفاظ دعا مانگی، کہ اے اللہ تو ہمیشہ اپنی حکمت سے کام کرتا ہے اس دفعہ اپنے بندے کے لئے اپنی قدرت کا مظاہرہ فرمائیے گا، اے اللہ میرے پاس جتنے دھان تھے وہ تمام آپ کے حکم کے موافق جل چکے ہیں اب میرے پاس تخم ریزی کے دھان کا کوئی ایک دانہ بھی نہیں ہے بتائیے اب میں کیا کروں،

کہتے ہیں کہ اس سال اُن کی زمین میں اتنی کثرت سے دھان پیدا ہوئے

جنھیں دیکھ کر اس وقت کے بادشاہ سلطان سکندر نے اللہ کے حضور سجدۂ شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ میری سلطنت میں ایسے اللہ کے بندے بھی موجود ہیں کہ جو وہ چاہتے ہیں خدا سے حاصل کر لیتے ہیں۔

منقول ہے کہ ایک دن شیخ محمد ملاوہ سماع سُن کر وجد میں محو تھے، اسی اثنا میں اس وقت کا ایک غیر مسلم سردار ادھر سے گزرا اور تماشا دیکھنے کی غرض سے اس نے آپکے کمرے کی کھڑکی میں سر داخل کیا، اس نے آپکے چہرے کو دیکھکر اپنے دوسرے ہندو ساتھی سے کہا کہ مجھے باہر کھینچ لے ورنہ میں جا رہا ہوں چنانچہ اس کا ہندو ساتھی اس کو کھڑکی سے کھینچ کر مشکل سے اپنے ساتھ لے گیا، یہ ہندو ایک عرصہ دراز تک بیخود اور مست رہا، جب اسے ہوش آیا تو اسکے دوستوں اور ساتھیوں نے اس سے اس بیخودی کی تفصیل پوچھی تو اس نے کہا کہ یہ مسلمان اپنے خدا کو اپنی گود میں لے کر ناچ رہا تھا، اگر تم لوگ مجھے کھینچکر باہر نہ لاتے تو میں اس کی جانب جا رہا تھا اور اس کے پاؤں میں گر کر اس کے مذھب میں شامل ہونیوالا تھا ؎

عاشق گرد دہر کہ بکوئیت گذرد　　　آری ز در دبام تو میبار دعشق

آپ نے ۹۰۰ھ میں وفات پائی، علاقہ قنوج کے مشہور گاؤں ملاوہ میں آپ کا مزار ہے، بہت سے لوگ آپکے مرید ہوکر خلافت کے مستحق ہوئے اور راقم الحروف (مصنف اخبار الاخیار) کے دادا بھی آپ ہی کے مریدوں میں سے تھے،

شیخ سعد اللہ رح

۸۵۱ھ ــــــــ ۹۱۷ھ

آپ شیخ محمد ملاوہؒ کے مرید تھے، سلطان سکندر کے دَورِ حکومت میں جب شیخ ملاوہ دہلی تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں شیخ سعد اللہ ایک عرصہ دراز تک آتے جاتے اور خدمت کرتے رہے، شیخ سعد اللہ نے درد و عشق اور

ثابت قدمی کے اپنے شیخ سے سبق سیکھے تھے، اور فقیر (مصنف اخبار الاخیار) کے آپ بڑے چچا تھے،

شیخ رزق اللہؒ

۸۵۱ھ ——— ۹۱۷ھ

آپ کا تخلص مشتاق تھا، آپ بھی شیخ محمد ملاوہ کے مریدوں میں سے تھے اور شیخ آپ پر خصوصی عنایت فرمایا کرتے تھے، شیخ رزق اللہ مرد کامل، فاضل نوادر روزگار اور یادگار سلف صالحین تھے، فضائل صوری اور معنوی میں جامع تھے، اسی طرح مشرب عشق و محبت، سلامت عقل اور وسعتِ حوصلہ وصبر کے مالک تھے، دوامِ حضور اور مستقل مزاج ہونے میں یکتائے روزگار تھے، بانوے برس کی عمر تک پہنچ جانے کے باوجود آپکے اندر عشق و ذوق اسی طرح تازہ تھا جس طرح کہ جوانی کے عالم میں تھے۔

مصرعہ

من اگرچہ پیر شدم عشق جوان است ہنوز

آپ کی شان پر بڑا صادق آتا ہے، آپ سے جو کوئی ملاقات کرتا اس سے ایسے حارف آمیز اور محبت انگیز نکات بیان فرمایا کرتے تھے جنھیں اہلِ وجد اور اہلِ ذوق سُن کر تڑپ جایا کرتے تھے، قصّے اور مشائخ کے احوال اور ہندوستان کے بادشاہوں کی تاریخ بڑی خوش اسلوبی اور روانی کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے، آپ کی مثل بہت کم اولیاء اللہ گزرے ہیں، آپ نہایت اطمینان اور بے نظیر انداز سے گفتگو کیا کرتے تھے، محبت کی باتوں کو بڑے شوق سے کہتے اور سنتے تھے اور اُس وقت اکثر و بیشتر آبدیدہ ہوا کرتے تھے، آپ کثیر الاسفار تھے اور ان سفروں میں لوگوں کی صحبت حاصل کرکے بڑے تجربے کار بزرگ بن گئے، آپ ہمیشہ فقیروں درویشوں اور مشائخ کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے، ہندی اور فارسی

کے شاعر بھی تھے، مدت دراز تک ہندی زبان میں شعر کہتے رہے آپکی نظموں کا مجموعہ "پیمان وجوت نرنجن" نہایت مقبول ہے، ہندی زبان میں جب شعر کہتے تو اپنا تخلص راجن، اور فارسی میں مشتاق رکھتے تھے، ۸۹۷ھ میں عالم وجود میں آئے اور ۲۰- ربیع الاول ۹۸۹ھ عالم دنیا سے عالم پائدار میں چلے گئے، میں مصنف اخبار الاخیار نے ان کی تاریخ وفات اس طرح کہی ہے،

قطعہ

مخدومی عارف زماں مشتاقے ! | دے گفت بوقت نقل مشتاق حقم
حقے جو بتاریخ وفاتش نگریست | نوک قلمش ہماں سخن کرد رقم

رحمہ اللہ وعلی جمیع اسلافنا۔

شیخ ابوالفتح جونپوری

۸۵۸ھ ———— ۷۷۲ھ

آپ اپنے جد امجد قاضی عبد المقتدر کے تلمیذ و مرید تھے اور اپنے دادا ہی کے طریقہ پر قائم رہے جو بڑے عقلمند عالم تھے، اور انہی کی وصیت کیمطابق درس و تدریس اور عوام کو فائدہ پہنچانے میں مشغول رہے، عربی زبان میں قصیدے اور فارسی زبان میں اشعار کہا کرتے تھے، آپکے قاضی شہاب الدین سے اصول علم کلام اور فقہی مسائل میں بہت مناظرے ہوئے تھے، سیاہ بلی کے پسینہ کو شیخ پلید کہتے تھے اور قاضی صاحب طاہر اور یہ بات ان رسائل کے اندر بھی موجود ہے جو اس بحث پر لکھے گئے ہیں، آپ کی اولاد میں سے بعضوں کا بیان ہے کہ شیخ ابوالفتح مولویوں کی طرح بدزبان تھے وہ اپنے مخالفوں کو غصہ کی حالت میں گالیاں دیتے تھے، ممکن ہے کہ مناظرے کے وقت انکی یہ حالت ہو جاتی ہو یا دیدہ و دانستہ دشمنوں کو بُرا کہتے ہوں، واللہ اعلم بالصواب۔

لوگ کہتے ہیں کہ آپکے گھر میں سونے کی بارش ہوا کرتی تھی، اگرچہ یہ بات عام لوگوں میں مشہور ہے لیکن آپکے ملفوظات میں جو آپکے خلفاء نے لکھے ہیں کہیں اسکا ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی اس واقعہ کی ان کی اولاد سے تصدیق ہوتی ہے سوائے شیخ عبدالوہاب کے جو آپکی اولاد میں سے بڑے بزرگ تھے وہ فرماتے ہیں کہ شیخ ابوالفتح نے اپنے دادا قاضی عبدالمقتدر کے ملفوظات جمع کئے ہیں اسمیں لکھا ہے کہ قاضی شاہؒ جو قاضی عبدالمقتدر کے خلفاء میں سے تھے وہ ایک دن شیخ نصیرالدین محمود کے پاس دہلی تشریف لائے اور فرمایا کہ میں ایک دن قاضی عبدالمقتدر کے پاس گیا اُس وقت انکے گھر میں تین روز سے فاقہ تھا جسکا قاضی صاحب نے مجھ سے ذکر بھی کیا تھا چنانچہ میں انکے ہاں سے اُٹھ باہر آیا، اُن کے اس جانکاہ واقعہ سے میں خود بڑی پریشانی کی حالت میں انکے گھر کے سامنے بیٹھ گیا کہ پندرہ بیس روپوں کی اُن کے گھر میں بارش ہوئی، میں نے ان تمام سکّوں کو اٹھالیا اور قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو وہ روپے پیش کئے اور تمام واقعہ بھی سنادیا لیکن وہ مجھ پر سخت ناراض ہوئے میں نے بہت اصرار کیا کہ اگر ان تمام کو قبول نہیں فرماتے تو انمیں سے کچھ تو ضرور قبول فرمائیے لیکن میں جتنا اصرار کرتا آپ کا غصّہ اتنا ہی بڑھتا جاتا، بالآخر انھوں نے ایک روپیہ بھی قبول نہیں کیا، پس یہ فی الواقع شیخ عبدالمقتدر کی کرامت تھی۔

لوگوں میں مشہور ہے کہ اس کے بعد قاضی عبدالمقتدر کے معتقدین نے وہ روپے قاضی صاحب سے ایک بڑی رقم دے کر خرید لئے تھے، شیخ ابوالفتح ابتداءً تو دہلی میں رہتے تھے لیکن امیر تیمور کے غدر کے وقت دہلی کے دوسرے بزرگوں اور بڑے لوگوں کے ہمراہ جونپور تشریف لے گئے تھے، اس کس مپرسی کے عالم میں قاضی شہاب الدین بھی دہلی سے جونپور آئے تھے، شیخ ابوالفتح ۱۴ محرم الحرام ۷۷۲ھ میں بمقام دہلی اس دنیا میں تشریف لائے اور بروز جمعہ ۱۳ ربیع الاول ۸۵۸ھ میں جان جانِ آفریں کے حوالہ کی۔

شیخ تقی ؒ

۸۹۸ھ ———

آپ کڑہ مانک پور کے رہنے والے تھے، آپ پیشہ کے اعتبار سے جولاہے تھے، اللہ تعالٰی نے آپ کو تقویٰ اور کرامت کی نعمتوں سے نوازا تھا، آپ کا نام لینے سے زہریلے جانوروں کے زہر کا اثر فوراً ختم ہو جایا کرتا تھا، اسی طرح سانپ پکڑنے والوں میں یہ بات مشہور ہے کہ سانپ کا زہر بھی آپ کا نام لینے سے اُتر جایا کرتا تھا۔

سیّد شمس الدین طاہر ؒ

۵۹۱ھ ——— ۷۴۱ھ

آپ شیخ نور قطب عالم کے مرید اور بڑے بلند پایہ بزرگ تھے، شہر نہتور کے باشندے تھے اور معمر بزرگ تھے، آپ کی عمر ڈیڑھ سو برس کی تھی، خواجہ معین الدین کے ارادتمند اور اُنہی سے محبت کرتے تھے باوجودیکہ آپ اتنے بوڑھے ہو گئے تھے لیکن آپ نے کبھی بھی اجمیر کی کسی گلی وغیرہ میں ناک کا فضلہ نہیں پھینکا اور نہ ہی کسی جگہ تھوکا، پیشاب و پاخانہ کا تو ذکر ہی کیا، آپ شہر میں بلا وضو کبھی داخل نہ ہوتے تھے، آپ نے اپنی اتنی طویل عمر میں مختلف اوقات میں بارہ شہروں میں سکونت اختیار کی تھی، آپ جب اپنے کسی شہر میں داخل ہوتے تو مکمل طہارت سے آتے اور جب بول و براز کی حالت ہوتی تو اسی وقت شہر سے باہر چلے جاتے تاکہ شہر میں وضو نہ ٹوٹ جائے۔

شیخ عبداللہ شطاری ؒ

۱۵۰۶ء ——— ۱۶۰۱ء

آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کی اولاد میں سے تھے، ظاہری اور باطنی رعب و دبدبہ کے مالک تھے، اپنے وقت کے بہت بڑے شیخ تھے اور سلسلہ شطاریہ

میں لوگوں کو ذکر وغیرہ کی تلقین کرتے رہتے تھے، مشہور ہے کہ وہ لوگوں کو نقارہ بجا کر بلایا کرتے تھے کہ جو طلبگار ہے وہ آجائے تاکہ اسے اللہ کی راہ بتا دوں، جب مجلس میں بیٹھتے تو جوانب اربعہ کی طرف خوب دیکھ کر فرمایا کرتے کہ یہاں کوئی سیاہ دل اور شک وشبہ کرنے والے لوگ نہ بیٹھیں تاکہ اللہ کی باتیں آزادی کے ساتھ بتائی جا سکیں، آپ نے اپنے شہرہ آفاق رسالہ شطاریہ میں سلسلہ شطاریہ کے اذکار واوراد اور مراقبے لکھے ہیں اور اس رسالہ کی ابتدا میں شیخ شہاب الدین تک اپنا سلسلہ بھی درج فرمایا ہے اور شیخ نجم الدین کبریٰ تک پانچ واسطوں سے آپ کا سلسلۂ ارادت پہنچتا ہے، مشہور ہے کہ جب کوئی راہِ حق کا متلاشی آپکے پاس آتا تو اس کی عقل اور حواس کا امتحان لینے کے لئے ایک (خاص قسم کی) روٹی دوسری کھانے کی روٹیوں کے ساتھ بھیجتے اور ایک آدمی کو مقرر کر دیتے کہ وہ یہ دیکھے کہ اُس نے وہ روٹی بھی دوسری روٹیوں کے ساتھ کھالی ہے یا وہ ایک روٹی چھوڑ دی ہے، اگر وہ آنیوالا تمام روٹیاں کھا لیتا تو اسے اس کی عقلمندی اور دانائی پر محمول کرتے اور اس کو باطنی ذکر واذکار کے لئے کوئی چیز عنایت فرما دیا کرتے، اور اگر وہ ایک روٹی چھوڑ دیتا تو اس کو اس کے حالات غیر صحیحہ اور اس آدمی کی بے عقلی پر محمول کرتے ہوئے اس کو ظاہری حالت کے لئے کوئی وظیفہ یا دعا بتا دیا کرتے تھے، آپ کا مزار قلعہ مندو میں ہے۔

شیخ حسام الدینؒ

۱۳۴۱ء ———— ۱۴۴۹ء

آپ مانک پور میں مقیم تھے اور شیخ نور الدین قطب عالم کے مرید وخلیفہ اور اپنے وقت کے بڑے مشائخ میں سے تھے، علمِ شریعت اور طریقت کے ماہر عالم تھے، آپکے ملفوظات کو آپکے مریدوں نے جمع کر کے "رفیق العارفین" نام رکھا ہے اسمیں آپ فرماتے ہیں کہ مریدوں کی اپنے مشائخ سے متعلق وہی مثال ہے جیسے کپڑے

میں پیوند، اور صادق و پختہ کار مرید کی مثال اس پیوند کی طرح ہے جو کپڑے کے دُھلنے کے ساتھ خود بھی دُھل کر پاک و صاف ہو جاتا ہے، اسی طرح جو فیض کو ملتا ہے اس سے مرید بھی بہرہ ور ہوتا ہے اور جو مرید اپنے شیخ کے حکم پر عمل نہیں کرتا (عناداً نہیں بلکہ تکاسلاً و تساہلاً۔ ۱۲ فاضل) وہ رسمی مرید ہے یعنی اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سفید کپڑے میں سیاہ پیوند، اگرچہ شیخ کا فیض اس کے عاصی مرید پر بھی ہوتا ہے لیکن اس کو اتنا فائدہ نہیں ہوتا جتنا منقاد اور فرمانبردار ہونے کی حیثیت میں ہوتا، یہ دولت کوئی معمولی نہیں،

نیز فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں چند اشخاص بیٹھے ہوئے تھے، اچانک ایک مینڈک پھدکتا ہوا اس مجلس کے نزدیک آیا، یہ دیکھ کر ایک دانا شخص اس مجلس سے بھاگ کھڑا ہوا، اس کو بھاگتا دیکھ کر لوگ (اس کی بزدلی پر) ہنسنے لگے اور اس سے دریافت کیا کہ تم مینڈک سے کیوں ڈرتے ہو؟

اس دانا نے کہا کہ میں مینڈک سے نہیں ڈرتا، البتہ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اس کے پیچھے کوئی سانپ آرہا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی درویش کمزور ہو اور اسکا سلسلہ نہایت مضبوط ہو، تو اُس سے ڈرنا چاہیئے کیونکہ اسکو رنجیدہ کرنے سے اسکے سلسلہ کے تمام مشائخ کبیدہ خاطر اور رنجیدہ دل ہو جائیں گے۔

نیز فرماتے ہیں کہ اپنے سر پر صافہ باندھنے اور خود رکھنے سے گریہ وزاری کرتے رہنا زیادہ بہتر ہے جیسا کہ ایک اونٹ کو چوہے نے جنگل میں چرتا ہوا دیکھ کر کہا کہ اے اُونٹ تم کسی کے ہو رہو۔ اونٹ نے جواب دیا، میں تمہارا ہو گیا، ایک دن اونٹ ایک درخت کے ہرے ہرے پتے کھانے لگا تو اس کی نکیل درخت کی شاخ میں پھنس گئی اور اونٹ عاجز ہو گیا، اس نے اس بُرے وقت میں چوہے کو یاد کیا، چنانچہ وہ چوہا اپنے دوسرے چوہوں کے ساتھ آیا، سب نے مل کر درخت میں پھنسی ہوئی رسّی کتر دی، اس طرح اونٹ نے نجات پائی ؎

یقین میداں کہ شیرانِ شکاری در یں راہ خواستند از مور یاری

فرماتے ہیں کہ سالک ذکر کرتے کرتے عاشق بنجاتا ہے اور فکر کرتے کرتے عارف بن جاتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ اللہ کے انعامات اچانک ہوتے ہیں اور دل سے آگاہ ہو جاتا ہے اس لئے سالک کو ہمیشہ منتظر رہنا چاہیئے کہ پردہ غیب سے کیا ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ فراق کہاں ہے؟ یا وہ خود ہے یا اسکا نور یا اسکے نور کا عکس۔

فرماتے ہیں کہ ایک درویش دوسرے درویش کے پاس گیا اور اسکو اپنے گھر لے گیا، تھوڑی دیر کے بعد مہمان درویش نے کہا، یا اللہ! تو میزبان درویش نے اپنی بیوی کے منہ پر اپنی آستین رکھ دی اور اس کو مستور و محجوب کر دیا، بیوی نے اپنے شوہر سے دریافت کیا کہ اسمیں کیا راز ہے؟ جب وہ آیا تھا اس وقت آپ نے مجھے پردے میں رہنے کا حکم نہ دیا اور اب آپ میرے اوپر خود ہی پردہ کر رہے ہیں، تو اس درویش نے اپنی بیوی سے کہا کہ جب یہ آیا تھا تو اس وقت یہ اپنا تھا اور اس کو اپنی کوئی خبر نہ تھی، اور اب جبکہ اس نے یا اللہ کہا ہے تو بیگانہ ہو چکا ہے اور اب بیخودی کے عالم سے نکل کر خودی میں آچکا ہے (اس لئے اب اس سے پردہ کرنا شرعاً واجب ہے۔)

فرماتے ہیں کہ خلافت ملنے کے بعد میں مسلسل سات برس تک فقر و فاقہ کیحالت میں رہا، جب شدید بھوک لگتی تو پانی پی کر صبر و شکر کر کے پھر ذکر میں مشغول ہو جایا کرتا تھا، چنانچہ ایک روز میرا ایک بیٹا بھوک سے نڈھال ہو کر میرے پاس آکر رونے لگا، اس وقت میری زبان سے یہ نکلا،

مصرعہ

اے عجبا چوں توئی ہیچو منی را نہ بس

اس کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص نے کھانے سے بھرا ایک دسترخوان میرے لئے بھیجا حالانکہ وہ اس سے پہلے میری طرف کوئی چیز نہیں بھیجا کرتا تھا، اسی طرح ایک اور آدمی نے تقریباً ایک من (چالیس سیر) ماش بھیجدئے، اس سے مجھے

بڑی ندامت ہوئی کہ اس امداد کے لیے میری زبان کیوں کھلی اور اپنے نفس کو ملامت کی۔

فرماتے ہیں کہ مجھے اکثر کتب از بر تھیں لیکن جب شیخ کیخدمت میں حاضر ہوا تو سب کچھ نسیاً منسیاً ہوگیا اور اب ایک بہترین علم کا مالک ہوں جو ان کتابوں کے علم سے بدرجہا بہتر ہے جس کے ذریعہ ہر نیکی معلوم کرلیتا ہوں، اگر کوئی چاہے تو میں فقہ کی مشہور و معروف کتاب "الہدایہ" کو سلوک کی طرز پر کہہ سناؤں، پھر فرمایا کہ میرے درس و تدریس کے سلسلہ کو ترک کرنے پر والد بزرگوار کو ابتداءً ناگواری ہوئی اور وہ مجھ پر ناراض ہوگئے لیکن جب اس کی اطلاع میرے شیخ قطب عالم کو ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ فقیر یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے تابع ہوکر رہے اور صاحب عقل کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ہوش و حواس درست رکھے، لیکن جوانمرد وہ ہے جو دونوں کام کرتا رہے اس کے بعد میں نے اور بھی بہت کچھ کہا تھا جو مجھے یاد نہیں رہا، کہتے وقت تو سوچ سمجھ کر کہتا تھا لیکن اب اس محاورہ کا مصداق ہوں، الماء بحالہٖ والرجل بحالہٖ (کہ غسل کرنے والا بھی حالت پر رہا اور پانی اپنی حالت پر رہا)، اس زمانے میں میرے جذب کی یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ اللہ اکبر کہنا بھی میرے لیے مشکل ہوگیا تھا اور جب اللہ اکبر کہتا تو بیتاب ہوکر گر پڑتا، کہ دیکھنے والے بھی میری حالت پر افسوس کرتے اور کہا کرتے تھے کہ یہ نوجوان بڑا اچھا اور عقلمند تھا مگر افسوس کہ بیچارہ پاگل ہوگیا، اسی کیفیت میں میں نے شیخ کی خدمت میں حاضر ہونیکا ارادہ کیا، شیخ مجھے خواب میں فرمایا کرتے تھے کہ کوئی رنج و فکر نہ کیا کرو، میں تمہارے ساتھ ہوں، چنانچہ میں منزل بمنزل چلتا رہا یہانتک کہ دریا کے کنارے پر آکر کشتی پر سوار ہوگیا، اس کشتی میں میرے ساتھ ایک گدڑی والا درویش بھی بیٹھا تھا، جب کشتی کنارے پر لگی تو وہ گدڑی والا درویش دریا میں چھلانگ مار گیا اور ہم سب کی نظروں سے غائب ہوگیا پھر اس کا کسی کو حال معلوم نہ ہوسکا، اس کے بعد جب میں شیخ کیخدمت میں پندرہ

حاضر ہوا تو دیکھا کہ شیخ کی اور اس گدڑی والے فقیر کی شکل یکساں تھی اور دونوں کی صورت میں کوئی فرق نہ تھا۔

راہ دانی کہ ملائک پی اند   در رہِ کشف ز کشفے کم نیند

آپ نے فرمایا کہ میں ابتداءً روزانہ صبح سویرے قرآن کریم کے پندرہ پارے پڑھتا اور اس کے بعد نماز چاشت تک تمام وظائف مکمل کرتا، قرآن کریم پڑھتے وقت تفسیر مدارک کو اپنے پاس رکھتا تھا، جب کسی لفظ کے مطلب و معنی میں اشکال ہوتا تو فوراً تفسیر اٹھا کر دیکھ لیتا، اس طرح قرآن پڑھنے میں بڑا سرور آتا تھا، ایک دن غیب سے آواز آئی کہ آپ کا اس طرح پڑھنا بہت اچھا ہے یونہی پڑھتے رہا کرو۔

فرماتے ہیں کہ اگر کوئی قطب بھی بن جائے تب بھی قرآن کریم کی تلاوت کو ترک نہ کرے، اگر زیادہ نہ ہو سکے تو کم از کم ایک پارہ تو روزانہ پڑھ لینا چاہیے۔

فرمایا، درویش کے پاس چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے ان میں سے دو تو درست اور صحیح ہوں اور دو شکستہ اور ٹوٹی ہوئی، یعنی دین اور یقین درست اور پاؤں و دل شکستہ۔

فرمایا، لالچ بیماری ہے، سوال کے لئے ہاتھ بڑھانا ایسا ہے جیسے نزع و عالم سکرات، اور خدا کے راستہ میں خرچ کرنے والے کو منع کرنا موت کے مترادف ہے

فرمایا کہ دنیا سایہ کی مانند ہے اور آخرت آفتاب کی مانند، کوئی شخص سایہ پکڑنے کی چاہے جتنی کوشش کرے وہ سایہ کو پکڑ نہیں سکتا اور جب کوئی آفتاب کی طرف چلتا ہے تو سایہ خود بخود اس کے برابر برابر چلتا رہتا ہے۔

فرمایا کہ اتنے شیریں اور میٹھے بھی نہ بنو کہ مکھیاں کھا جائیں،

فرمایا سب سے (بشرطیکہ اسلام بھی اس کی اجازت دیتا ہو) مل جل کر رہو اور کسی سے دشمنی نہ کرو۔

فرمایا کہ مرید ہونے کے بعد اپنے پرانے حریفوں کے ساتھ نشست و برخاست

نہ کی جائے ممکن ہے کہ وہ تمہیں گمراہ کر دیں اور تمہارے راستہ میں خلل انداز ہوں، اور دہلیز پر بھی نہ بیٹھا جائے ممکن ہے کہ شیطان صفت انسان آکر راستہ سے ہٹادیں

مولٰنا جلال الدین مانکپوری رح

۱۲۳۱ء ــــــ ۱۳۲۵ء

آپ شیخ حسام الدین مانک پوری کے جدِ امجد تھے، بڑے عالم، عابد، صابر متقی بزرگ تھے۔ مشہور ہے کہ نماز عشاء پڑھنے کے بعد آپ اس وقت تک آرام کیا کرتے جب تک عام طور پر لوگ جاگتے رہتے ہیں، جب لوگ سو جاتے تو آپ کھڑے ہوجاتے اور فجر کی نماز تک عبادت کرتے رہتے، روزانہ اکتالیس مرتبہ آپ سورۂ یٰسین پڑھا کرتے تھے اور نماز چاشت کے بعد لوگوں کو مسائل شرعیہ کا درس دیا کرتے تھے اور آپ کا ذریعہ معاش کتابت تھی، قرآن کریم لکھتے اور دہلی بھیجدیتے جس کا ہدیہ پانچسو روپے ہوتا، اور بلا وضو کبھی آپ قلم کو ہاتھ نہ لگایا کرتے جن دنوں چوروں اور ڈاکوؤں کا شہر میں دَور دورہ ہوتا تو آپ اس خطرے سے گوشت کھانا ترک کر دیتے تھے کہ کہیں یہ جانور چوری کا نہ ہو، آپ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے خلیفہ شیخ محمد کے ارادتمند تھے، شیخ محمد بادشاہوں جیسے بہترین لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے، امیروں کے مثل زندگی بسر کرنے اور بادشاہوں کے پاس آمد ورفت رکھتے تھے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ شیخ محمدؒ مانک پور تشریف لے گئے، شہر کے قاضی اور اُن کے صاحبزادے آپ سے ملاقات کرنے کے لئے آئے اور ان لوگوں نے اپنے دل میں یہ منصوبہ بنایا کہ اگر شیخ محمدؒ ہمیں مصری منگوادیں تو ہم انھیں صاحب کشف وکرامت بزرگ تسلیم کریں گے، چنانچہ شیخ محمدؒ نے مولٰنا جلال الدین سے فرمایا کہ کچھ لوگ ہمارا امتحان لینے کی غرض سے آرہے ہیں کچھ مصری لے آؤ، قاضی صاحب بمع صاحبزادگان جب حاضر ہوئے تو مصری کو موجود پاکر دل ہی دل میں

شرمندہ ہوئے، اس کے بعد قاضی صاحب نے شیخ محمد کو دعوت دی کہ آپ میرے گھر تشریف لے چلیں، شیخ محمدؒ نے فرمایا کہ چالیس برس ہو چکے ہیں میں نے کسی قاضی کے گھر کا کھانا نہیں کھایا (اس لئے آپکی دعوت قبول نہیں) جب یہ محسوس کیا کہ اس سے قاضی صاحب کبیدہ خاطر ہو گئے ہیں تو فوراً پوچھا کہ آپ کے بیٹے کی محکمۂ قضاء کی طرف سے کوئی تنخواہ مقرر ہے؟ قاضی صاحب نے جواب دیا کہ نہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ لڑکا اگر اپنی ملکیت سے کھانے کا انتظام کرے تو ہم ضرور کھانا کھائیں گے۔

مولنا خواجہ

۱۳۰۲ء ——————— ۱۴۰۹ء

آپ شیخ حسام الدین مانک پوری کے والدِ محترم تھے، بڑے متقی بزرگ تھے اکثر اوقات فاقہ کیا کرتے تھے، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپکے ہاں تین روز سے مسلسل فاقہ کی حالت تھی، اسی دوران ایک شخص کوئی مسئلہ پوچھنے کے لئے آیا اور ساتھ ہی کچھ نقدی لایا، آپ نے فتویٰ اس کے حوالہ کیا اور وہ نقدی بھی واپس کردی جب آپکے گھر والوں کو اس بات کا علم ہوا تو وہ آپ پر سخت برہم ہوئے، مغرب کی نماز کے وقت ملک عین الدین مانک پور آئے وہ ایک دعا پڑھ رہے تھے اسمیں کچھ الفاظ مشکل آگئے جن کے مفہوم کو وہ نہ سمجھ سکے تو لوگوں سے دریافت کیا کہ اس شہر میں کوئی عالم بھی ہے، اس کے ساتھیوں نے مولنا خواجہ کا نام لیا تو اس نے مولنا موصوف کو بلایا اور جو مشکل تھی وہ دریافت کی اور جتنی نقدی پہلے فتویٰ لینے والا لایا تھا اس سے دو چند نقدی اور کپڑے اور کھانے مزید براں مولنا کو دئے، مولنا نے وہ قبول کر لئے اور گھر واپس لوٹ کر اہلِ خانہ کو بتلایا کہ میں نے ذرا جرأت وہمت کر کے مشکوک مال کو رد کر دیا تو خدا تعالےٰ نے اس سے دو چند طیب مال عطا کر دیا اللہ تعالےٰ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

شیخ کالوؒ

۱۳۸۹ء ——— ۱۴۵۰ء

آپ شیخ حسام الدینؒ مانکپوری کے مرید اور خلیفہ تھے، آپ کا اصلی نام شیخ کمال تھا لیکن آپکو شیخ کالوؒ سے یاد کیا کرتے تھے، بڑے بلند پایہ اور صاحب ریاضت بزرگ تھے، آپ کا مزار کٹڑہ (مانکپور) میں ہے، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

مولنا شیخنؒ

۱۳۸۲ء ——— ۱۴۴۲ء

آپ قرآن کریم کے حافظ تھے، آپ نے تمام زندگی مانکپور ہی میں خلوت نشینی کے ساتھ گزاری تھی، بڑی کثرت سے لوگ آپکے پاس آیا کرتے تھے، جو کوئی آپکو کھانا پیش کرتا تو اسمیں سے ایک لقمہ اٹھا کر کھا لیتے اور باقی اسی کو واپس کر دیتے، جب کوئی کاشتکار آپکے پاس آتا تو اس سے اس کی کھیتی اور جانوروں کے حالات پوچھتے،

شیخ حسام الدین مانکپوریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مولنا شیخن سے دریافت کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں (یعنی ان لوگوں سے ان کی کھیتی اور جانوروں کی باتیں کیوں کرتے ہیں۔ فاضل ۱۲) تو آپ نے فرمایا کہ ان بیچاروں کو تصوف اور سلوک سے کیا تعلق، ان سے ان کی متعلقہ چیزوں کی باتیں کرتا ہوں تاکہ یہ لوگ خوش ہو جایا کریں اور اپنے گھر جا کر فخر سے بیان کریں کہ ہمارے پیر نے ہم سے یہ یہ پوچھا اور یوں فرمایا۔

شیخ علی پیرو گجراتیؒ

آپ صوفی اور بڑے موحد عالم تھے، علوم باطنی اور ظاہری میں کامل دسترس رکھتے تھے، آپ نے بہت سی کتابیں بھی لکھی تھیں جو بہت عمدہ اور مفید ہیں آپکی

تالیفات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) شرح فصوص الحکم، اس میں آپ نے ظاہر کو باطن کے مطابق کرنیکی کوشش کی ہے۔ (۲) جادلۃ التوحید، اسمیں بہت ہی مختصر اور پاکیزہ مضامین ہیں۔

ان کے علاوہ بھی آپ نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں، آپکی پیدائش سنہ میں ہوئی (مولٰنا نے اتنی بات لکھی ہے اور کوئی عدد سن پر نہیں لکھا، شاید کتابت کی غلطی سے سن رہ گیا ہو یا مولٰنا کو لکھتے وقت سن یاد نہ ہو اور اُس پر عدد لکھنے کو مزید تحقیق پر موقوف رکھا ہو اور بعد میں لکھنا بھول گئے ہوں، بہرحال کسی نامعلوم وجہ سے سن متروک ہے۔ فاضل ۱۲) اور رسالہ "جادلۃ التوحید میں" عقلی ونقلی دلائل سے شکوک وشبہات کا محققانہ انداز سے اماطہ وازالہ کیا ہے، اس رسالہ کے ابتدا میں بہت سی قرآنی آیات اور احادیث نبوی لکھی ہیں جو نفس مضمون کے لئے کافی وافی اور مبیّن ہیں، اور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ وہ دلائل ہیں جو منکرینِ توحید کے قلوب سے کفر وشرک کے مہیب پردوں کو دُور کرتے ہیں۔

(۱) فاینما تولّوا فثمّ وجہ اللہ ان اللہ واسعٌ علیم

(۲) سنریہم اٰیاتنا فی الاٰفاق وفی انفسہم حتی یتبیّن لہم انہ الحق

(۳) اولم یکف بربّک انّہٗ علی کلّ شئٍ شہید

(۴) الا انّہم فی مریۃ من لقاء ربّہم الا انّہ بکلّ شئٍ محیط

(۵) ھوالاوّل والاٰخر والظاھر والباطن وھو بکلّ شئٍ علیم

(۶) نحن اقرب الیکم منکم ولکن لا تبصرون ونحن اقرب الیہ من حبل الورید

(۷) وھو معکم اینما کنتم

(۸) کلّ من علیہا فانٍ ویبقٰی وجہ ربّک ذوالجلال والاکرام

(۹) اللہ نور السمٰوٰت والارض

اور اخبار نبویہ میں سے بہترین وہ مقولہ ہے جسکو اہل عرب کہا کرتے تھے لبید

کے قول سے ع الا کل شئ ماخلا اللہ باطل

حدیث میں آتا ہے کہ نوافل پڑھتے پڑھتے بندہ اللہ کے قریب ہو جاتا ہے اور اللہ کا محبوب بنجاتا ہے، اسکے بعد تو بندہ کی اللہ قوتِ سماعت بنجاتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ سنتا ہے اور قوت دید بنجاتا ہے جس کے ذریعہ وہ دیکھتا ہے، مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد رسول اللہ کی جان ہے اگر تم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لوگے تو اللہ کے بن جاؤگے،

اس کے علاوہ بھی قرآنی آیات اور نبوی فرمودات اور جمہور اُمت کے اقوال ہیں جن کو دیکھ کر شبہات دُور کر کے اس کی معرفت حاصل کی جا سکتی ہے ۔

شیخ محمد عیسیٰ

آپ جونپور کے بڑے اولیا اللہ میں سے تھے، ان لوگوں میں سے تھے جو اللہ کی راہ پر صدق دل سے چلتے ہیں آپ صاحبِ مقامات عالیہ اور احوال مفیدہ تھے، آپ کی ولایت اور عظمت وکرامت پر سب کا اتفاق ہے، آپ شیخ فتح اللہ اودھی کے مرید تھے، آپکے والد بزرگوار شیخ احمد عیسیٰ دہلی کے باعزت لوگوں میں سے تھے، امیر تیمور جب دہلی آیا تو اکثر بڑے بڑے لوگ جونپور چلے گئے تھے انہی لوگوں میں شیخ احمد عیسی بھی شامل تھے، جس وقت دہلی میں فسادات شروع ہوئے اور شیخ محمد عیسی کے والد جونپور کی طرف روانہ ہوئے اسوقت آپکی عمر سات آٹھ برس کے لگ بھگ تھی، آپ بچپن ہی میں سعادت ازلی اور طبعی استعداد کیوجہ سے شیخ فتح اللہ کے مرید ہوگئے اور شیخ کے ارشاد پر ہی آپ نے ایک دراز مدت تک ملک العلماء قاضی شہاب الدین سے علومِ نقلیہ اور عقلیہ کی تعلیم حاصل کی ۔

قاضی صاحب نے اصول بزدوی کی شرح بحث امر تک لکھی تھی، آپ نے اس کے مطابق اس کی تکمیل کردی تھی، علوم ظاہری سے فراغت حاصل کرنے

کے بعد پھر تزکیہ قلب کے لئے شیخ کیخدمت میں حاضر ہوئے اور باطنی علوم کو مکمل طور پر حاصل کیا اور باطن کی صفائی میں اسقدر منہمک ہو گئے کہ ظاہر سے یکسر بے خبر ہو گئے، مشہور ہے کہ اتفاق سے آپکے کمرے میں سامنے ایک درخت خود بخود پیدا ہوا اور خوب بڑھا مگر آپکو مدت دراز تک اس درخت کی خبر نہ ہوئی چنانچہ ایک دن جس جگہ پر آپ بیٹھے تھے اس درخت کے چند پتے گرے تو لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ پتے کہاں سے آئے ہیں؟ پھر لوگوں نے تمام کیفیت سے آگاہ کیا تب جاکر آپکو خبر ہوئی، کہ یہ پتے اس درخت کے ہیں جو اس مکان کے دروازے پر ہی اُگا اور بڑھا ہے۔

آپ ہمیشہ مراقبہ میں رہا کرتے تھے، جسم کی تمام ہڈیاں اُبھر آئی تھیں اسی طرح سینہ اور ٹھوڑی بھی اندر کو گھس گئے تھے، آپ کا مزار جونپور میں ہے۔

قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ

۷۶۱ھ ———————— ۸۴۸ھ

آپ کے اوصاف کی شہرت بیان کی محتاج نہیں ہے، آپکے زمانہ میں اگرچہ بڑے بڑے شہیر فی الآفاق اکابر موجود تھے جو آپکے اساتذہ اور ہمعصر تھے، لیکن خدا تعالیٰ نے جو شہرت اور مقبولیت آپ کو عطا فرمائی تھی وہ اور کسی کو نہیں ملی آپ کی تصنیفات میں ایک کتاب، مشہور کتاب کافیہ کا حاشیہ ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ اور وہ حاشیہ آپکی زندگی ہی میں تقریباً تمام جہان میں شہرت پذیر ہو گیا تھا، اسی طرح علم نحو میں آپ کی ایک کتاب بنام "ارشاد" ہے جس میں مسائل کے تحت امثلہ بھی بیان کی ہیں اور ایک اچھوتے طرز پر یہ کتاب لکھی ہے اس کی عبارت میں تسلسل اور نہایت عمدگی ہے، نیز علم بلاغت میں ترین اور بدیع البیان بھی لکھی ہیں جس میں سجع کا بہت خیال رکھا گیا ہے، اسی طرح فارسی زبان میں قرآن کی تفسیر "بحرِ مواج" کے نام سے لکھی ہے جس میں ترکیب اور معنی وصل وفراق ہیں اسمیں بھی سجع کے تکلفات ہیں یہ نہایت عمدہ کتاب ہے اسی طرح اصول

بزدوی کی شرح بھی بحث امر تک اور اس کے علاوہ فارسی اور عربی زبان میں کتابیں تحریر فرمائی ہیں اور تقسیم علوم و صنائع وغیرہ میں بھی فارسی زبان میں کتابیں لکھی ہیں، آپ فارسی زبان کے شاعر بھی تھے ایک بادشاہ کے نام ایک لونڈی کی ضرورت پر آپ نے ایک قطعہ بھی لکھا ہے جو بہت مشہور ہے۔

قطعہ

این نفسِ خاکسار کہ آتش خدائے اوست　　پُر باد گشت لائقِ بے آب کردن است

یک کس چناں فرست کہ پا بر سرم نہد　　ریزد ہمہ منی و تکبر کہ در من است

آپ نے ۸۴۹ھ میں وفات پائی، آپ کی قبر جونپور میں ہے، قاضی شہاب الدین اپنے رسالہ "مناقب السادات" میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے اس رسالہ میں اہلِ بیت کی محبت و عقیدت تحریر کی ہے جو سرمایۂ سعادت و ذریعہ نجات اُخروی ہوگا

اس کتاب کی تالیف کے متعلق لوگوں میں مشہور ہے کہ اس زمانہ میں ایک بہت بڑے بزرگ بنام سید اجل تھے مگر وہ علم و فضل کے زیور سے خالی تھے شاہی محافل میں اول و آخر درجہ کی نشست کے بارے میں کچھ جھگڑا تھا، قاضی شہاب الدین ابتداءً تو علوی سید اور عامی آدمی پر عالم کی فوقیت اور افضلیت کے قائل تھے لیکن اس کے بعد عالم غیر علوی او علوی کے مقام اور مرتبہ کے برابری اور تسویہ کے قائل ہو گئے اور اسی مسئلہ پر آپ نے یہ رسالہ لکھا، اسمیں لکھا تھا کہ ہمارا عالم ہونا تو متیقن اور متحقق ہے لیکن تمہارا علوی ہونا مشکوک ہے اسلئے تم سے ہم بہتر ہیں (لہذا ہمارا مقام مقدم ہونا چاہیے) مگر قاضی شہاب الدین کی یہ بات آپکے اُستاد کو پسند نہیں تھی، اس لئے آپکے اُستاد آپکی طرف سے کبیدہ خاطر ہو گئے، بعدہٗ قاضی صاحب اپنے ان خیالات سے توبہ کی، اور ایک کتاب بنام "مناقب السادات" لکھی اور پہلے جو کچھ لکھا یا کہا تھا اس سے معذرت چاہی۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ قاضی صاحب کو خواب میں نبی علیہ السلام نے تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ سید اجل کو راضی کرو، اس کے بعد آپ سید اجل کے

پاس گئے اور معافی مانگ کر ماسبق خیالات سے رجوع کیا اور پھر مناقب السادات لکھی، واللہ اعلم بالصواب۔

قاضی نصیر الدین گنبدی رح

۷۷۱ھ ــــــــ ۸۶۲ھ

آپ بڑے دانشمند بزرگ تھے، دنیا اور اہل دنیا سے بالکل الگ تھلگ رہتے تھے کہتے ہیں کہ آپکے طالب علم آپکی خانقاہ کی زنجیر پکڑ کر کھڑے رہا کرتے تھے تاکہ فاقہ اور ضعف کی وجہ سے گر نہ جائیں،

منقول ہے کہ قاضی شہاب الدینؒ نے کافیہ کا حاشیہ لکھ کر آپ کی طرف بھیجا، اور درخواست کی کہ اس میں کچھ اضافہ فرمادیں تاکہ اور بھی زیادہ فائدہ رساں ہوجائے، آپ نے کثرتِ مشاغل یا بحث ونزاع کے سدِ باب کے لئے اس پر سرسری نظر ڈال کر لکھا کہ یہ کتاب آپ نے بہترین لکھی ہے اسمیں مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں، آپ کا مزار جونپور میں ہے،

شاہ میاں جیو رح

۸۰۹ھ ــــــــ ۸۸۷ھ

آپ ایک ہی واسطہ کے ذریعہ میر سید محمد گیسو دراز کے مرید تھے، بڑے کامل بزرگ تھے، مندو میں اس وقت آپ سے بڑھ کر اور کوئی بزرگ نہ تھا، آپ مندو کے علاقہ کے مسلّم بزرگ تھے، آپکی عمر اکیسو بیس برس کی اور آپ کے شیخ کی ایکسو پچاس برس کی تھی، کہتے ہیں کہ آپ رجب کے اوائل میں دسویں محرم الحرام تک اعتکاف میں بیٹھا کرتے تھے اور اپنے کمرے کے دروازے کو پتھروں سے بند کروادیا کرتے تھے اور اس چھ ماہ کے درمیان کچھ نہ کھایا کرتے تھے، صرف تھوڑا سا پانی پی کر اسی پر اکتفا کرلیا کرتے تھے، اس چھ ماہ کے اعتکاف کو ختم کرکے جب کمرے سے باہر نکلنے کا ارادہ فرماتے تو اندر سے بلند آواز سے چیختے تاکہ کوئی آپکے سامنے نہ رہے ورنہ آپ کی جلالی نظر کی تاب نہ لاسکے گا، اتفاق سے اگر کوئی آدمی وہاں رہ جاتا اور آپکی اس پر نظر پڑجاتی تو دو تین دن تک وہ بیہوش پڑا رہتا تھا، شہر کا قاضی آپکی ولایت وکرامت کا منکر تھا

اور اکثر آپ سے احتساب کرتا رہتا تھا، ایک دفعہ جب آپ اپنا اعتکاف پورا کر کے کمرے سے باہر نکلے تو اسوقت اتفاق سے شہر کا قاضی وہاں موجود تھا، آپکی نظر جونہی قاضی پر پڑی تو وہ بیہوش ہوگیا، کہتے ہیں کہ ایک بار یہی قاضی ایک ڈولی پر سوار ہو کر آپکے مکان پر بقصد احتساب آیا، آپ کو اطلاع کی گئی، آپ نے اپنے مکان کی کھڑکی سے قاضی کی جانب نظر کی تو قاضی کے کہاروں کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور قاضی کے ہاتھ سے دِرّہ گر گیا اور قاضی چونکہ شریعت کا بڑا پابند تھا (اس کے عقیدہ میں ذرا برابر بھی فرق نہ آیا) اس لئے درّہ کو زمین سے اُٹھایا اور چھت پر چڑھنے کا قصد کیا مگر شیخ خود ہی چھت سے نیچے اُترے اور قاضی کا ہاتھ پکڑ کر چھت پر لے گئے وہاں قاضی کی ایک بوتل پر نظر پڑی جس میں شراب تھی، پوچھا یہ کیا ہے؟ آپ نے اسمیں سے ایک پیالہ بھر کر قاضی صاحب کو دیا جو خالص مصری کا شربت تھا، اس کے باوجود بھی قاضی نے اس شربت کو نہ پیا،

شیخ کبیرؒ

۷۹۹ھ — ۸۶۳ھ

آپ شیخ فرید بن عبدالعزیز بن شیخ حمیدالدین صوفی ناگوریؒ کی اولاد میں سے تھے، بڑے بزرگ اور بلند مرتبہ ولی تھے، علوم ظاہری و باطنی میں آپ کو کمال حاصل تھا، کتاب دہن جو مصباح کی شرح ہے، آپکی ہی تصنیف ہے، ناگور سے کافروں کی فرقہ پردازیوں کی وجہ سے ہجرت کر کے گجرات چلے گئے تھے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کی۔

خواجہ حسین ناگوریؒ

۱۳۹۰ء — ۱۴۹۵ء

آپ بھی صوفی حمیدالدین ناگوری کی اولاد میں سے تھے، بڑے ولی اللہ اور صاحب کرامات و مقامات عالیہ تھے، علمِ شریعت، طریقت، حقیقت میں جامع بزرگ تھے، تمام ساکنانِ ناگور کے نزدیک آپ مسلم بزرگ تھے، ذوق میں کامل، عشق میں اکمل اور علم میں اتم، زہد و تقویٰ میں اعرف تھے، شیخ وحید کی اولاد میں سے اور شیخ کبیر کے مریدوں میں سے تھے، اپنے شیخ کی گجرات میں عرصہ دراز تک خدمت کرتے رہے، اللہ کی نظرِ

عنایت اور ذاتی محنت کی بدولت ظاہری علوم سے فراغت حاصل کر لینے کے بعد اپنے وطن تشریف لائے اور عرصہ دراز تک خواجہ معین الدین رح کے مزار پر مجاور رہے اور خدا کی عبادت کرتے رہے،

جس زمانہ میں اجمیر غیر آباد تھا اور اس کے ارد گرد شیروں کی چراگاہیں تھیں اسوقت خواجہ معین الدین کے مزار پر گنبد وغیرہ نہ تھا تو آپ ہی نے خواجہ صاحب کے روضہ کی عمارت بنانے میں ابتدا کی، پھر خواجہ صاحب ہی کے اشارہ سے اجمیر کو چھوڑ کر ناگور چلے گئے اور علم دین کی تعلیم اور اربابِ یقین کے طریقہ کی تلقین میں مشغول ہو گئے، آپ نے ایک تفسیر بنام "نور الٰہی" لکھی ہے جسمیں ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر کی ہے اور ہر ایک کی جدا جدا جلدیں ہیں، اسمیں آپ نے حل تراکیب اور قرآن کریم کے وہی معنی جو دوسرے مفسرین نے لکھے ہیں بڑی وضاحت سے بیان کئے ہیں۔ مفتاح کی قسم ثالث پر بھی آپ نے ایک شرح لکھی ہے، علاوہ ازیں اور بھی متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔

کہتے ہیں کہ سوانح شیخ احمد غزالی کی بھی شرح لکھی ہے، آپ نبی علیہ السلام کی محبت میں فنا تھے، چنانچہ اپنا گھر، کنواں اور ایک باغ جو آپ کا کُل اثاثہ تھا سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے نام پر وقف کر دیا تھا۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے جدِ امجد کا عرس کیا اور کھانا تیار کرا کر لوگوں کو کھلایا اور اپنے حصہ کا کھانا افطار کے لئے رکھ لیا، آپکے علاوہ اہلِ ناگور نے بھی آپکے جد امجد کے عرس کے موقع پر چاول اور ساگ وغیرہ کا کھانا تیار کیا، آپ نے اسمیں سے بھی اپنا حصہ لیا اور سب کو یکجا کر کے افطاری کے لئے رکھدیا، اتفاقاً غیب سے چار آدمی آئے جنھیں کوئی نہ جانتا تھا اور یہ چاروں کوڑھی تھے اور یہ مرض اتنا سخت تھا کہ انگلیوں سے خون اور پیپ ٹپک رہا تھا انہوں نے آپ سے کھانا طلب کیا، خواجہ صاحب نے جو کھانا اپنے لئے رکھا تھا وہ ان کے حوالہ کر دیا، انھوں نے وہ کھانا کھا کر تھوڑا سا اس برتن میں بچا دیا اور خواجہ صاحب سے کہا کہ اسے تم کھا لینا، چنانچہ خواجہ صاحب نے وہ پس خوردہ سب کھا لیا، اُس دن کے بعد خواجہ صاحب کے لئے خدا تعالیٰ نے ایک دوسرا دروازہ کھول دیا،

منقول ہے کہ اہلِ ناگور کے رواج کے مطابق آپکے پاس بھی ایک گاڑی تھی جس پر سوار ہوکر خود ہی چلایا کرتے تھے اور خود ہی گاڑی کے بیلوں کی نگہداشت کیا کرتے تھے (سادہ ہونے کی وجہ سے) پھٹے پرانے کپڑے زیب تن فرمایا کرتے تھے، آپکی اولاد میں سے ایک شخص بنام شیخ عبدالقادر جو فقیرانہ مسلک رکھتا تھا دہلی آیا، اس کے پاس خواجہ حسین ناگوری کی اکثر وبیشتر چیزیں تھیں ان چیزوں میں آپ کی پگڑی، کرتہ، پائجامہ بھی تھا لیکن ان کپڑوں کی کیفیت یہ تھی کہ ان میں سے دو ایک کپڑے تو ایسے تھے کہ جن کی قیمت بمشکل ایک پیسہ فی گز ہوگی، میں مصنف اخبارالاخیار نے ان چیزوں کو اس شخص کے پاس بچشم خود دیکھا ہے۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ سماع میں آپ پر ایک حالت طاری ہوئی، آپ اسی حالت میں جنگل کی طرف روانہ ہوئے، ایک خاکروب آپکے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا وہ اور کچھ عزیزواں بھی آپکے پیچھے پیچھے ہولئے، یہ نومسلم ظاہراً وباطناً پاکیزہ اور صاف تھا، شہر ناگور کے باہر ایک بڑا حوض ہے، شیخ اس حوض پر حالت جذب میں اس طرح چلنے لگے جیسے کوئی زمین پر چلتا ہے، یہ نومسلم بھی آپکے پیچھے اس طرح چلتا رہا کہ کبھی گرتا اور کبھی اٹھتا اور پھر چلتا۔

منقول ہے کہ آپ کو مندو کے بادشاہ سلطان غیاث الدین خلجی نے آپ کو بلایا مگر آپ اس کے پاس تشریف نہ لے گئے، ایک دفعہ سلطان کے پاس رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک لایا گیا، لوگوں نے بادشاہ سے کہا کہ اگر موئے مبارک کی اطلاع خواجہ حسین کو ہوجائے تو وہ بے اختیار فوراً یہاں آجائے چنانچہ بادشاہ نے آپکو اطلاع کرادی تو آپ اُسی وقت مندو کا قصد کرکے درود شریف پڑھتے ہوئے نہایت ذوق و شوق سے روانہ ہوئے اور جب مندو کے نزدیک پہنچے تو بادشاہ اپنے شاہی اعزاز کے ساتھ آپ کے استقبال کے لئے آیا جب اس نے دیکھا کہ ایک غبار آلود پھٹے پرانے کپڑوں والا اپنی گاڑی کو خود چلاتے ہوئے آرہا ہے تو وہ سمجھا کہ خواجہ حسین شاید کوئی اور ہوں گے جب لوگوں نے بتلایا کہ خواجہ صاحب یہی ہیں تو اس نے خواجہ صاحب کا مزاج پوچھنا چاہا، لیکن شیخ کو اس کے جواب کی فرصت کب تھی وہ تو بیخودی کے عالم میں موئے مبارک

کے دیدار کے لئے آرہے تھے، کہتے ہیں کہ موئے مبارک پر جب خواجہ صاحب کی نظر پڑی تو وہ خود بخود اڑکر آپکے ہاتھ میں آگیا، اس کے بعد بادشاہ آپ کو اپنے والد بزرگوار کی قبر پر لے گیا، اور اس کیلئے دُعا کی درخواست کی، آپ نے دعا کی اور کشف کے ذریعہ صاحب قبر کی جو حالت معلوم ہوئی وہ بتلادی، اس کے بعد سلطان بادشاہ نے آپ کو بڑے قیمتی تحائف دینا چاہا ہے مگر آپ نے قبول نہ فرمایا، کہتے ہیں کہ ان تحائف کو دیکھ کر خواجہ صاحب کے لڑکے کے دل میں کچھ رغبت پیدا ہوئی شیخ کو کشف کے ذریعہ اسکا علم ہوگیا تو فرمایا اے بیٹے! یہ سانپ ہیں اور سانپ کو کوئی شخص بھی رکھنا پسند نہیں کرتا، اس کے بعد بھی جب دیکھا کہ لڑکے کے دل میں ابھی ان چیزوں کی رغبت باقی ہے تو فرمایا کہ اچھا اگر اس سے خواجہ بزرگ اور اپنے دادا کے روضہ کی عمارت بنوائے تو لیلے کیونکہ میرے شیخ نے فرمایا تھا کہ تمہیں دولت ملے گی اس کو اپنے بزرگوں کی قبروں کی تعمیر پر خرچ کردینا - کہتے ہیں کہ آپ کے اس صاحبزادے کو سوائے اس کے جو مندو میں دولت ملی تھی اس کے بعد اور کچھ نہیں ملا -

خواجہ صاحب کے مزار کی بالائی عمارت سلطان غیاث الدین خلجی نے خود بنوائی تھی البتہ آپکے روضہ کا دروازہ مندو کے دوسرے بادشاہوں نے بنوایا تھا شیخ حمیدالدین صوفی ناگوری کے روضہ اور دروازہ کی عمارت اور مقبرہ اور ناگور کی چاردیواری سلطان محمد تغلق نے بنوائی تھی -

شیخ احمد مجد شیبانیؒ

۸۳۲ھ ——————— ۹۲۷ھ

آپ بڑے بزرگ اور علومِ شریعت وطریقت میں کامل، زہد وتقویٰ کے حامل، ذوق اور وجد وحال کے استاد تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بہت کوشاں رہتے تھے اہلِ دنیا آپکی نظروں میں بے وقعت تھے، آپ کی محفل کا رنگ سفیان ثوری کی محفل کی طرح ہوتا تھا، آپ خواجہ حسین ناگوری قدس اللہ سرہٗ کے مرید تھے، کہتے ہیں کہ اٹھارہ برس

تک آپ نے مسلسل درس تدریس کا کام کیا تھا، نارنول میں پیدا ہوئے اور اجمیر میں پرورش پائی، آپکے والد قاضی مجدالدین بن قاضی تاج الافاضل بن شمس الدین شیبانی تھے جو امام محمد شیبانی کی اولاد میں سے تھے اور وہ امام ابوحنیفہ کے تلمیذ تھے، قاضی مجدالدین کے سات بیٹے تھے جو سب کے سب ہونہار، متقی، دیانتدار اور چوٹی کے عالم تھے، سب سے بڑے بیٹے کا نام شیخ احمد مجد شیبانی تھا جو علم و عمل میں تمام بیٹوں پر فوقیت رکھتے تھے، آپ طالب علمی کے زمانے میں عالموں سے مناظرہ کرتے اور عربی و فارسی زبان میں تقریر بھی کر لیا کرتے تھے اسی طرح بادشاہوں اور رئیسوں کی محافل میں بھی شریک ہوتے اور دھڑلے سے باتیں کیا کرتے تھے، جوانی ہی میں خواجہ حسینؒ سے بیعت ہوگئے تھے اس کے بعد مباحثہ اور بادشاہوں کے پاس آمد و رفت سے توبہ کر کے علم طریقت شیخ سے حاصل کیا، اٹھارہ برس کی عمر میں نارنول سے اجمیر آئے اور ستر برس تک یہاں ریاضت و عبادت میں گزارے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں آپکے نزدیک امیر و غریب، اپنا پرایا سب برابر تھے کسی کی جانبداری نہ کیا کرتے تھے۔

منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک مرتبہ تلاش معاش کے لئے اپنے رشتہ داروں کے ہمراہ مندو گیا اس وقت میری عمر بہت معمولی تھی، شیخ محمود دہلوی وہاں کے شیخ الاسلام اور صدر العلماء تھے، نماز میں انھوں نے امام سے قبل ہی اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لئے، نماز سے فراغت کے بعد کسی نے بھی ان سے کوئی تعارض نہ کیا، میں نے جب دیکھا کہ کوئی بھی ان سے کچھ نہیں کہہ رہا تو میں آگے بڑھا اور شیخ الاسلام سے کہا کہ آپ کی نماز نہیں ہوئی اس لئے کہ آپ نے امام کی تکبیر سے پہلے اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لئے تھے۔

مندو والوں کی عادت تھی کہ زمین کی طرف جھک کر اور اپنا انگوٹھا زمین پر رکھ کر شیخ الاسلام کو سلام کیا کرتے تھے لیکن شیخ احمد مجد اور قاضی ادریس دہلوی، شیخ الاسلام کو اس طرح اس لئے سلام نہ کرتے تھے کہ یہ رسم ناجائز خلاف شرع اور بدعت تھی بلکہ یہ دونوں بزرگ السلام علیکم کہتے اور بادشاہِ وقت کے برابر بیٹھتے تھے، بادشاہ وقت

نے انصاف کی خاطر قاضی ادریس کو اجمیر کا قاضی مقرر کر کے چار گاؤں انعام میں دیئے اور
شیخ احمد مجد کو مفتی بنا دیا جو آپکے آباء و اجداد کا کام تھا، شیخ احمد مجد کو خاندانِ نبوت سے بڑی
محبت و الفت تھی، اپنے شیخ کے اصول کے مطابق دسویں محرم اور بارہ[۱۲] ربیع الاوّل کو نئے اور
دھلے ہوئے کپڑے نہ پہنا کرتے تھے اور ان ایام میں راتوں کو زمین پر سویا کرتے تھے، اور
سادات کے قبرستان میں اعتکاف کرتے، اور دن کو ازواج مطہرات اور نبی علیہ السلام کی
روح کو ایصالِ ثواب کی غرض سے لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے اور دسویں محرم الحرام کو نئے لوٹے
شربت سے پُر کر کے اپنے سر پر رکھ کر سادات کے گھروں میں جاتے اور انکے فقیروں اور درویشوں
کو پلاتے اور ان دنوں خوب رویا کرتے تھے، اس علاقے کی رسم تھی کہ یہاں کی لڑکیاں جمع
ہو کر اُس دن خوب نالہ و گریہ کیا کرتی تھیں، جب ان کے نالہ و بکار کی آواز سنتے تو آپ کی
حالت بھی دِگرگوں ہو جاتی اور خوب روتے۔

صحابۂ کرام اور تمام مشائخین کی فاتحہ خوانی حتی الامکان ترک نہ کرتے، نعتیہ کلام
کے خوب رسیا تھے، اس کے طالب نہ تھے اور نہ ہی رقص و وجد کرتے اسی طرح محفل سماع
بھی منعقد نہ کرتے تھے، عموماً آپ پھٹا ہوا لباس پہنتے، خوب دُھلا ہوا لباس زیب تن
نہ فرماتے، اکثر و بیشتر ٹوپی پہنا کرتے تھے، اور نماز کے علاوہ سر پر دستار بہت کم رکھتے تھے
البتہ ایک عمامہ اور ایک نفیس پوشاک ہمیشہ تیار رکھتے تھے جس کو نماز جمعہ اور عیدین میں
استعمال فرماتے، اسی طرح اگر کوئی دنیادار آپکے پاس آتا تو اس وقت بھی اس لباس کو
پہن لیا کرتے، اور محفلِ وعظ میں شیروں کی طرح جوانمردی سے بیٹھتے، اور خدا اور اس کے
رسول کے احکام کو ایسی عظمت اور ہیبت سے بیان کرتے کہ بادشاہوں کے دل بھی موم
ہو جاتے، اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں سے فرمایا کرتے تھے کہ دنیا والوں کو دیندار والوں
پر ترجیح نہیں دینی چاہیئے کیونکہ اہلِ دنیا محض ظاہر بیں ہوتے ہیں (وہ اپنے ظاہر
کو صاف رکھتے ہیں اور اہل دین اپنے باطن کو دیکھتے ہیں بنا بریں وہ اپنے باطن کو
صاف کرتے ہیں لہٰذا دنیا داروں سے دینداروں کو اچھا سمجھا جائے۔ فاضل ۱۲)

آپ اپنے زمانے اور شہر کے مجذوبوں اور فقیروں کی عزت کیا کرتے تھے، اگر

اتفاق سے آپ کہیں سواری پر جاتے ہوتے اور راستے میں کوئی مجذوب مل جاتا تو اپنی سواری سے اُتر کر دست بستہ کھڑے ہو جاتے اور جو وہ حکم کرتا اُس پر عمل کرتے، اگر آپکے سامنے کسی کی غیبت یا کوئی ناجائز بات کرتا تو آپ اس سے فوراً فرماتے کہ بابو خاموش رہو۔

اگر کوئی آپکے سامنے آپ کا نام مع الاحترام والاعزاز لیتا جیسا کہ عموماً ارادتمند اپنے مطاع کا نام لیتے ہیں تو آپ آبدیدہ ہو کر فرماتے کہ میں تو بہت بدکردار نابجار ہوں، اور اسی طرح منقول ہے کہ خواجہ حسن کو بھی اپنی تعریف و منقبت پسند نہ تھی جب کوئی اُن کے سامنے تعظیم و تکریم سے پیش آتا تو آپ فرماتے کہ میں تو رانک ہوں اور رانک کمینہ کو کہتے ہیں جو لوگوں میں ذلیل سمجھا جائے۔

اگر آپ کے سامنے کوئی آ کر کہتا کہ میں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے تو آپ باادب دوزانو ہو کر بیٹھتے اور تمام واقعہ سننے کے بعد اس کے ہاتھ پاؤں کو چومتے، اُس کے دامن و آستین کو اپنے منہ پر ملواتے اور جس جگہ وہ خواب دیکھتا اُس جگہ بھی جاتے اور اس جگہ کو چومتے وہاں کی خاک و گرد و غبار کو اپنے چہرے اور بالوں پر ملتے، اگر وہ مقام پتھر ہوتا تو اُس پتھر کو دُھلواتے اور اس پانی کو پیتے اور تمام بدن اور کپڑوں پر گلاب کی طرح چھڑکتے۔

اگر کسی سید سے کسی کی لڑائی بھڑائی ہوتی تو آپ اُس کے پاس خود جاتے اور اس کی خوشامد درآمد کر کے سید کی بات اونچی رکھتے اور فرماتے کہ ان سے اگر کسی مقام پر شرعاً خصومت کا حق بھی ہو تب بھی مروت ہی سے پیش آنا چاہیئے۔

منقول ہے کہ جب اجمیر میں خوب گڑبڑ ہوئی اور رانا سانگا جو بڑا بت پرست تھا اُس نے مسلمانوں سے قلعہ چھین کر اس پر اپنا قبضہ جما لیا اور بہت سے مسلمانوں کو قید کر دیا تو اس واقعہ سے سات دن پہلے آپ نے خواجہ معین الدین چشتی کے حکم سے شہر سے باہر نکل کر تمام مسلمانوں کو اس سے آگاہ کر دیا تھا اور فرمایا کہ میں اس شہر پر خدا کے غضب کے آثار دیکھ رہا ہوں اور خواجہ معین الدین چشتی کی طرف سے میں اعلان کرتا ہوں کہ تمام مسلمان اس شہر سے باہر چلے جائیں اور خود مسلمانوں کی ایک چھوٹی

سی جماعت کو پیر کے دن ۹۲۲ھ اجمیر سے باہر لے کر نکل گئے اور پھر دوسرے پیر کے دن کافروں نے اجمیر پر دھاوا بول دیا اور تمام شہر تباہ کر دیا۔

آپ اٹھارہ برس کی عمر میں اجمیر آئے اور تقریباً نوّے برس کی عمر تک وہاں رہے اور تین برس تک نارنول میں مقیم رہے، نارنول قیام کے زمانے میں آپ کے پاس ایک دن ایک مجذوب آیا اور آکر کہا کہ احمد! آپ کو آسمانوں پر طلب کیا گیا ہے اپنے شیخ کے پاس چلے جاؤ، اور آپ نے خود بھی اسی رات اس قسم کی چیز دیکھی، چنانچہ آپ اُسی وقت ناگور چلے گئے اور کچھ دنوں کے بعد اس جہانِ فانی سے عالمِ پائدار کی طرف رخصت ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ عالمِ نزع میں جب آپ کو ذرا سا افاقہ ہوتا تو ہاتھ اُٹھاتے اور تکبیر تحریمہ کہتے اور پھر بیہوش ہو جاتے چنانچہ ایک بار اللہ اکبر کہا اور ۲۵ صفر ۹۲۷ھ کو جان جان آفریں کے سپرد کی اور مخدوم بزرگ سلطان التارکین کے روضہ میں اپنے شیخ کے پائیں دفن کر دئے گئے، آپ کی تاریخِ وفات آپکے ایک مرید ملا محمد نارنولی نے لکھی ہے جو بہت نیک اور مقبول خاص وعام اور بزرگوں کے عقیدت مند اور اس علاقہ کے مؤرخ تھے۔

قطعہ

نظر بستہ بود احمد مجدِ شیباں	ز دون خدا ہمچو زاہد نہ شاہد
کہ تاریخ آں پیر خود نارنولی	بر آورد از جملۂ شیخ زاہد

(یعنی شیخ احمد)

منقول ہے کہ نارنول کا ایک مشہور آدمی جو شاہی خاندان سے تھا آپ کا مرید تھا اور اپنے کمزور بھائیوں پر ظلم کیا کرتا تھا، ایک دن یہ آدمی اپنے سر پر پانی سے بھری ہوئی صراحی رکھ کر شیخ احمد کی خانقاہ کی جانب روانہ ہوا، تمام شہر میں ایک شور برپا ہو گیا کہ فلاں امیر اپنے سر پر صراحی رکھ کر شیخ احمد کی خانقاہ کی جانب جا رہا ہے، جب وہ آپکے پاس آیا تو آپ نے اُس سے فرمایا کہ بابو تمہارے اس کام سے میں ہرگز خوش نہیں ہو سکتا، جاؤ اپنے بھائیوں کا جھگڑا ختم کر کے پہلے انھیں خوش کرو تو میں بھی تم سے خوش ہو جاؤں گا، چنانچہ اس شخص نے اس کے بعد شاہی دربار میں آمد و رفت سے

توبہ کرلی اور اچھے مریدوں کی طرح اپنی زندگی گزارنے لگا، نیز شیخ احمد کا یہ معمول تھا کہ نصف شب کو بیدار ہو کر خواجہ معین الدین کے روضہ پر حاضر ہوتے اور وہیں نماز تہجد ادا کر کے بیٹھے رہتے اور چاشت کے وقت تک کسی سے کوئی بات چیت نہ کرتے، اور چاشت کی نماز ادا کرنے کے بعد لوگوں کو مذہبی علوم کا درس دیتے، بعدہٗ معمولی سا قیلولہ کرتے پھر اُٹھ کر ظہر کی نماز پڑھتے بعدہٗ عصر تک اپنے وظائف وغیرہ پڑھتے رہتے اور عصر کے بعد لوگوں کو تفسیر مدارک پڑھاتے جہاں جہاں عذاب کا تذکرہ آتا وہاں اس طرح گریہ وزاری کرتے جیسے صوفیاء محفل سماع میں کرتے ہیں، بہت رونے کے باعث آپ کی آنکھیں سُرخ رہا کرتی تھیں، تفسیر مدارک پڑھانے کا یہ طریقہ اسی مسلک کے مشائخ کا ایجاد کردہ ہے، چنانچہ خواجہ حسین ناگوری اور شیخ حمید الدین صوفی بھی اسی طرح کیا کرتے تھے، آپ نے ستر برس تک اجمیر میں اسی طرح زندگی گزاری،

منقول ہے کہ جب آپ آدھی رات کو خواجہ صاحب کے روضہ پر آتے تو اُسکا دروازہ خود بخود کُھل جایا کرتا، جب یہ بات مشہور ہوگئی تو اس راز کو معلوم کرنے کے لئے ایک آدمی ایک رات آپکے پیچھے پیچھے چلا، شیخ احمد جب روضہ پر پہنچے تو روضہ کا دروازہ کھُلا اور آپ اندر چلے گئے، یہ شخص بھی اندر داخل ہونے لگا مگر اس کے داخل ہوتے وقت دروازے کے دونوں پٹ اس طرح بند ہوگئے کہ یہ شخص اس کے اندر دب گیا، دبنے کی تکلیف برداشت نہ کر کے اس شخص نے کہا، شیخ احمد مجد! میں ایسا تجسس کرنے سے توبہ کرتا ہوں چنانچہ دروازہ ڈھیلا پڑ گیا اور وہ شخص وہاں سے چلا گیا۔

مولٰنا محمد نارنولی اپنے استاد مولٰنا عبد المقتدر سے جو شریعت کے بڑے زبردست عالم تھے اور شیخ احمد کے مرید تھے نقل کرتے ہیں کہ ہم نے بھی نارنول میں متعدد لوگوں کے ہمراہ شیخ احمد مجد کے لئے اس طرح دروازہ کھلتا ہوا دیکھا ہے اور یہ روضہ شیخ محمد ترک کے قبرستان میں واقع ہے۔

شیخ حمزہ دھرسوی ۸۹۲ھ — ۹۵۷ھ آپ شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا کی اولاد میں سے تھے، اور آپ کا سلسلہ میر سید محمد گیسو دراز تک پہنچتا ہے

آپ بڑے بابرکت، صاحبِ نعمت وکرامت اور دائم العبادت بزرگ تھے، اوقات کے بہت پابند تھے، آپ کی عمر بھی بہت طویل تھی، سلطان بہلول کے زمانہ سے اسلام شاہ کے دَورِ سلطنت تک زندہ رہے، اوائل عمر میں آپ نے کسی سلطان کے ہاں ملازمت بھی کی تھی، کہتے ہیں کہ ایک رات اس کے محل کی آپ نگرانی کر رہے تھے کہ اچانک آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ مجھے اسکا کام کرنا چاہیئے جو میری حفاظت کرتا ہو نہ اسکا جس کی میں حفاظت کروں، اس خیال کے آنے کے بعد آپ خواجہ معین الدین کے پاس اجمیر چلے گئے اور وہاں جاتے ہی ایک دیوانے سے ملاقات ہوگئی جسکا نام بھی معین الدین ہی تھا چنانچہ آپ نے اُنہی سے فیض حاصل کیا اور علاوہ ازیں شیخ احمد مجد کی صحبت سے بھی فیضیاب ہوئے تھے اور اس کے بعد اجمیر سے اپنے وطن دھرسو واپس تشریف لائے جو نارنول سے صرف تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور پھر مستقل وہیں رہنے لگے، آپ کے والد محترم اور دیگر رشتہ دار زھر میں رہتے تھے لیکن آپ دھرسو میں اس لئے مقیم ہوئے کہ یہاں کے اکثر سادات عملاً ٹھیک نہ رہے تھے اور اپنے اسلاف کی وضع قطع سے کوسوں دور جا پڑے تھے، آپ ان کی تربیت کرنے کی غرض سے یہاں رہ گئے چنانچہ آپ نے انھیں ابتدائے علم سے روشناس کرانے کے لئے عربی اور فارسی زبان کے دو استادوں کا تقرر کیا، طالب علموں اور فقیروں سے محبت کیا کرتے تھے اور غیب سے خدا تعالےٰ آپکے تمامتر اخراجات پورے فرمادیا کرتے تھے چنانچہ آپ کو جتنا کچھ غیب سے ملتا تھا وہ تمام ہی خرچ فرمادیا کرتے تھے اس میں سے کچھ بچایا نہ کرتے تھے اپنے اہل وعیال کو بھی اسمیں سے بقدر حصہ دیتے تھے، آپ نے جس دن سے خلوت نشینی اختیار کی اس دن کے بعد نہ خود اور نہ ہی کسی اپنے خادم کو کسی اہلِ دنیا کی طرف بھیجا، منقول ہے کہ آپ کا یہ معمول تھا کہ آپ ہمیشہ جمعہ کی نماز کے لئے دھرسو سے نارنول آتے، راستے میں لکڑیوں کو جمع کرتے چلے آتے اور جہاں کوئی فقیر مل جاتا تو ان میں سے کچھ لکڑیاں اُس کو دے دیا کرتے تھے۔

منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا آگ کی مانند ہے، اس آگ کو اتنا لیا

جائے کہ جس کے ذریعہ کچھ پکا کر کھا سکیں اور سردیوں میں گرم رہیں، یہ آگ جب زیادہ ہو جاتی ہے تو جلا کر راکھ کر دیتی ہے، آپ کا ایک مرید کہا کرتا تھا کہ آپ نے ایک دن مجھے ایک ریگستان کیجانب بھیجا چنانچہ میں آپکے ارشاد کے مطابق وہاں چلا گیا مگر ریگزار دں میں تو کوئی چیز کھانے اور پینے کی ہوا نہیں کرتی اس لئے میں بھوک اور پیاس سے سخت پریشان ہو گیا، میں نے اپنے دل ہی دل میں کہا کہ مشائخ اپنے مریدوں کو وہاں بھیجا کرتے ہیں جہاں پانی کے بجائے دودھ ملا کرتا ہے، اور ایک میرے شیخ ہیں کہ جنھوں نے مجھے ایسی جگہ بھیجا ہے جہاں پانی تک میسر نہیں، اسی دَوران بہت دُور ایک گڈریا نظر آیا جو اپنی بکریاں چرا رہا تھا، میں نے اُس کے پاس پہنچ کر کہا کہ تم اپنی مشک سے چند قطرے پانی کے میرے منہ میں ٹپکا دو میں پیاس سے مر رہا ہوں، اس نے کہا کہ اسمیں پانی نہیں، بلکہ دودھ ہے اور تھوڑا سا دودھ مجھے دیدیا، اس کے بعد میں آگے روانہ ہوا اور پیاس نے مجھے پھر بیتاب کر دیا، چنانچہ اس ریگزار میں اچانک میری نظر ایک نشیبی مقام پر پڑی جہاں میٹھے اور ٹھنڈے پانی کا ایک چشمہ تھا، اس سے میں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا اس کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا کہ گویا مجھے از سر نو زندگی مل گئی ہے آپکی وفات ۹۵۷ھ میں ہوئی، ۲۵ ربیع الثانی کو مغرب کی دو رکعت پڑھ چکے تھے کہ تیسری رکعت میں جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔

شیخ احمد عبد الحق رح

۷۷۶ھ ———— ۸۳۷ھ

آپ شیخ جلال الدین پانی پتی کے مرید اور صاحبِ کرامات بزرگ تھے، تمام زندگی تجرد میں گزار دی، ردولی میں پیدا ہوئے اور وہیں آپ کا مزار ہے۔

منقول ہے کہ آپ کی عمر جب سات برس کی تھی تو اس وقت آپکی والدہ محترمہ تہجد کی نماز کے لئے اُٹھا کرتی تھیں آپ بھی انکے ساتھ اُٹھتے اور تہجد پڑھتے مگر والدہ کو خبر نہ ہونے دیتے، آخر یہ بات کب تک صیغۂ راز میں رہتی، بالآخر والدہ کو اسکی

خبر ہوگئی تو انھوں نے محبتِ مادری کے پیش نظر آپ کو اتنا سویرے اٹھنے سے روکا
آپ پر چونکہ خدا کی محبت کا غلبہ تھا اس لئے اپنی امّی سے کہنے لگے کہ امی! تم راہزن
ہو کیونکہ مجھے خدا کی عبادت سے روکتی ہو، اس کے بعد راہِ حق کی تلاش میں گھر سے
نکل کھڑے ہوئے، اس وقت آپکی عمر بارہ برس کی تھی، آپ اپنے بھائی تقی الدین کے
پاس دہلی پہنچے، شیخ تقی الدین عالم تھے اس لئے چاہتے تھے کہ یہ بھی پڑھ جائیں مگر انھوں
نے صاف صاف کہدیا کہ مجھے آپ کے ظاہری علم سے کوئی تعلق و علاقہ نہیں مجھے تو خدا
کی معرفت کا علم درکار ہے، بالآخر آپ کے بھائی تقی الدین آپ کو شہر کے دوسرے علمار
کے پاس لے گئے اور ان سے کہا کہ اس کو میں جو پڑھانا چاہتا ہوں یہ نہیں پڑھتا اور
مجھے پریشان کر رکھا ہے آپ حضرات اس کو کوئی نصیحت کریں تاکہ اثر پذیر ہو، چنانچہ
ان علمار کرام نے آپکو ابتدائً صرف کی کتابیں پڑھانا چاہا مگر انھوں نے کہا کہ مجھے ان کتابوں
سے کوئی سروکار نہیں مجھے تو خدا کی معرفت کا علم سکھایئے کیونکہ مجھے اسی سے محبت ہے
تمام دہلی کے علمار کو آپ نے ایک ایک کرکے اسی طرح پریشان کیا، اس کے بعد اپنے
بھائی کی مصاحبت کو بھی ترک کر دیا اور اپنے کام میں لگ گئے -

منقول ہے کہ آپکے بھائی شیخ تقی الدین نے ایک دفعہ آپ کی کہیں نسبت ٹھہرائی
جب آپکو اسکا علم ہوا تو آپ لڑکی والوں کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ میں نامرد ہوں
براہِ کرم اپنی لڑکی کی شادی میرے ساتھ نہ کیجیے،

منقول ہے کہ ایک مرتبہ شیخ جلال الدین پانی پتی کی کسی مرید نے دعوت کی اور اس
میں شیخ احمد عبدالحق کو بھی مدعو کیا، اس مجلس میں کچھ باتیں شریعت کے خلاف بھی تھیں
جب آپ نے ان چیزوں کو ملاحظہ کیا تو اسی وقت شیخ جلال الدین کا خلعت نامہٗ الپس
کیا اور ان سے بیزاری کا اعلان کرکے مجلس سے اُٹھ کر جنگل کی طرف چلے گئے اور ایک
درخت پر چڑھ کر بیٹھ گئے، ابھی درخت پر بیٹھے ہی تھے کہ دو آدمیوں کو اپنی طرف
آتا دیکھ کر اُن سے راستہ دریافت کیا، ان دونوں نے کہا کہ تم شیخ جلال الدین کا راستہ
ترک کر چکے ہو، آپ نے کہا، کہ ہاں بات تو ایسی ہی ہے، تو انھوں نے کہا کہ پھر راستہ

کا ملنا دشوار ہے جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہ دونوں خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں تو اپنے پیر و مرشد کی خانقاہ کیجانب واپس ہوئے اور پیر و مرشد کی خدمت میں حاضری دے کر اپنے اعتراضات سے توبہ کی اور دوبارہ بعیت ہوئے۔

منقول ہے کہ آپ ایک مرتبہ ایک سفر کے دوران جمعرات کو ایک مسجد میں تشریف لے گئے وہاں کے لوگ اپنے رسم ورواج کے موافق جمعرات کو سات اذانیں دیا کرتے تھے ان لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ بھی اذان دیں، آپ نے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ سات اذانیں کس وجہ سے دیا کرتے ہیں؟ ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے سن رکھا ہے کہ اگر جمعرات کو سات اذانیں دی جائیں تو دوسری جمعرات تک کوئی مصیبت اس شہر میں نہیں آتی، آپ کا اس کے متعلق کیا نظریہ ہے، آپ نے فرمایا کہ میرا فعل تمہاری اس نیت کو پورا نہیں کرسکتا، اس لئے کہ جو بندہ خدا کی عبادت کرے اور پھر اس کی بلاؤں سے بھاگے تو وہ خدا کا بندہ نہیں بلکہ اپنا بندہ ہے۔

منقول ہے کہ آپ تلاشِ حق کے سلسلہ میں شیخ نور قطب عالم کی خدمت میں بھی گئے بوقت ملاقات جیسا کہ رواج ہے کہ لوگ بزرگوں کے پاس تحائف لے جاتے ہیں آپ کے دل میں بھی خیال آیا کہ شیخ کیخدمت میں کوئی تحفہ لے جائیں، مگر آپ کے پاس فقر و غربت کیوجہ سے کچھ تھا ہی نہیں کہ اسے بطور تحفہ پیش کرتے، اس لئے آپ نے ایک ہرا پتہ لیا اور بوقت ملاقات وہ پتہ پیش کرکے عرض کیا بابا صاف ہے، شیخ نور نے فرمایا کہ بابا عزت دار ہے، تھوڑی دیر تک وہاں خاموش بیٹھے رہے اور پھر چپکے سے اٹھ کر چلے گئے۔

شیخ عبدالقدوس "انوار العیون" میں تحریر فرماتے ہیں کہ درویش جب کسی چیز کو پاک وصاف دیکھتا ہے تو اسمیں خدا کی قدرت کے انوار پاتا ہے، چنانچہ شیخ احمد نے شیخ نور سے اس قسم کی صفائی کا مطالبہ کیا، شیخ نور نے ان کو جواب میں عزت دار فرمایا حالانکہ عزت دار کا مرتبہ اس مرتبہ سے گرا ہوا ہے، اس جواب سے شیخ احمد کو اپنا مطلب حل ہوتا نظر نہ آیا، اس لئے واپس لوٹ گئے، اس کے بعد آپ بہار چلے گئے وہاں دو

دیوانے رہتے تھے، ایک کو شیخ علاؤالدین کہتے تھے اور دوسرے کا نام معلوم نہیں البتہ وہ ننگے رہا کرتے تھے۔ صرف معمولی سی ایک لنگوٹی باندھا کرتے تھے، چنانچہ آپ نے بہار پہنچ کر ان دونوں دیوانوں سے فیض حاصل کیا اور آپ پر جو افسردگی تھی وہ بشاشت اور خوشی سے تبدیل ہوگئی، اس کے بعد وہاں سے اودھ شیخ فتح اللہ اودھی کے پاس آئے شیخ فتح اللہ بہت متشرع اور متدین بزرگ تھے، زہد و تقویٰ ان کا شعار تھا، عشق و محبت ان کا مشغلہ تھا ان سے ملاقات کی اور اپنے نفس کو خطاب کیا کہ اے احمد! تو نے کچھ نہیں پایا ابھی اور بزرگوں کی صحبت اختیار کر، چنانچہ کئی برس تک اودھ میں یاہادی یاہادی کے نعرے لگاتے پھرتے رہے، پھر خود اپنے ہاتھ سے اپنی قبر کھودی اور کہا اے احمد! اب تو مرنا بہتر ہے اور چھ ماہ تک اسی قبر میں بیٹھ کر خدا کی یاد کرتے رہے۔

منقول ہے کہ آپ کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عزیز رکھا گیا، پیدائش کے وقت ہی سے اس بچّہ کی زبان سے حق حق کی صدائیں بلند ہوتی تھیں، اس کے بعد اس بچہ کی بہت سی کرامات کا ظہور ہوا جس کی وجہ سے لوگوں میں اس کی بڑی شہرت ہوگئی، ایک دفعہ آپ نے لوگوں کا یہ شور وغیرہ سنا تو فرمایا کہ ہمارے گھر کے متعلق لوگوں کا ایسی ایسی باتیں کرنا مجھے پسند نہیں اس کے بعد گھر سے نکل کر قبرستان میں گئے اور ایک جگہ پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ عزیز کی قبر یہاں ہوگی چنانچہ اس کے دو تین روز بعد ہی آپکے لڑکے کی وفات ہوگئی

منقول ہے کہ آپ بسا اوقات یہ فرمایا کرتے تھے کہ منصور لڑکا تھا ضبط نہ کرسکا اور خدا کے اسرار کو فاش کر بیٹھا، بعض لوگ اس وقت ایسے بھی موجود ہیں جو سمندر پی جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے، نیز فرمایا کرتے تھے کہ نظامی ایک ناقص شاعر تھا جس نے یوں کہدیا ؎

صحبتِ نیکاں زجہاں دُور گشت　　خوان عسل خانہ زنبور گشت

اس لئے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت جیسے صحابہ کرام کو حاصل تھی اب بھی خدا کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کو ویسی ہی صحبت نصیب ہے۔

منقول ہے کہ آپ مسجد میں اول وقت جاتے اور اپنے ہاتھ سے مسجد میں جھاڑو

دیتے، چالیس برس تک آپ نے جامع مسجد میں جھاڑو دی مگر مسجد کا راستہ بہچان نہ سکے
مسجد جاتے وقت آپکے ساتھ مریدوں کا ہجوم ہوتا تھا اور حق حق کہتے جاتے اور جدھر وہ
چلتے آپ بھی انکے ہمراہ چلتے رہتے اس لئے کہ عشق خدا کی مستی میں آپکی آنکھیں ہر وقت
بند رہتی تھیں، آپ اور آپکے مرید "حق" کا ذکر کیا کرتے تھے، آپ کے سلسلہ سے منسلک
تمام لوگ السلام علیکم کی بجائے حق حق کہا کرتے تھے، اسی طرح چھینکنے والے کے جواب
میں بھی حق حق کہتے تھے اور خط وکتابت کرتے وقت خط کے اوپر تین بار لفظ حق لکھتے تھے
اسی طرح دُنیا کے تمام امور انجام دیتے وقت اور نماز وغیرہ سے فراغت کے بعد بھی تین بار
حق کہتے، شاید اس بات سے کسی کو یہ خلجان واقع ہو کہ یہ بات تو سنت کیخلاف ہے تو
اس کے بارے میں فرمایا کہ اب اس رسم کو سنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے چھوڑ دو، البتہ
خطوط کے سرنامہ پر لفظ حق لکھنے میں کوئی حرج نہیں، آپ کی وفات سلطان ابراہیم شرقی
کے دَور میں ۱۵ رجادی الثانی ۸۳۷ھ کو ہوئی۔ واللہ اعلم

منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ خدا کی ذات پاک اور بلا نام ونشان ہے،
اگر اس ذات کا کوئی اسم مقرر کیا جا سکتا ہے تو حق سے بڑھ کر اور کوئی نام بہتر نہیں
اس لئے کہ حق کے معنی وہ ذات ہے جس کے اندر تمام کمالات پائے جاتے ہیں، اور وہ
ذات ثابت بالذات ہو اس اعتبار سے اسم حق کا اطلاق خدا تعالیٰ کی ذات پر بطریق کمال ہوگا
شیخ عبدالقدوس نے اپنی کتاب "انوار العیون" میں اسم حق کی توجیہ میں بعض
باتیں آپ کی اصطلاح کے موافق تحریر فرمائی ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ آپکے اکثر مریدوں
کی انتقال کے وقت یہ حالت ہوتی تھی کہ ان کی زبان پر لفظ حق جاری ہوتا تھا، اسی
طرح آپکی خانقاہ میں غیب سے لوگوں نے لفظ حق کی آواز کو سُنا۔

منقول ہے کہ آپ نے ایک روز اپنے دوستوں سے فرمایا کہ شہر گازرون میں خواجہ
اسحاق گازرونی کا چراغ جل رہا ہے جو قیامت تک جلتا رہے گا، میں نے بھی ایک دیگ
کھانے کی پکائی دنیا بھر کے لوگوں نے اسمیں سے کھایا اور اس میں سے ذرا سا بھی کم نہ ہوا
پھر میں ایک اور دیگ لایا اور اس کو چولھے پر رکھ دیا اور اس کے نیچے خوب آگ تیز کی

جب کھانا خوب پک گیا تو اس دیگ کو میں نے سرِ راہ رکھ دیا تاکہ تمام آنے جانے والے لوگ اس سے کھاتے رہیں لیکن وہ دیگ ویسی کی ویسی بھری رہی، پھر تین دن کے بعد فرمایا اے عبدالحق! شہرت ایک مصیبت ہے اور رزاقِ مطلق کو خدا ہی کی ذات ہے وہی دینے والا اور اپنے بندوں کو جاننے والا ہے تو اب اس معاملے کو ختم کر اور دیگ کو دیگدان سے اُتارلے اور تو فقر کے طالبوں کے لئے "حق" کے نعرے کا اضافہ کردے اور دیگ کو زمین پر پھینک دے۔

شیخ صلاح درویشؒ

۷۵۶ھ ———————— ۸۲۵ھ

آپ قصبہ ردولی ضلع بارہ بنکی میں حوض کے اوپر آرام فرمارہے ہیں، شیخ احمد عبدالحق فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر سے جب ردولی واپس آیا تو اگرچہ یہ میرا اصلی وطن تھا لیکن اس کے باوجود میں نے شیخ سے یہاں ٹھہرنے کی اجازت مانگی اس لئے کہ اس علاقہ کے صاحبِ ولایت آپ ہی تھے چنانچہ میں آپکے روضہ پر گیا اور وہاں فاتحہ پڑھی اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات پر تحفہ درود بھیجا اور بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ مجھے تو صرف ایک جائے نماز اور ایک پانی کا گھڑا کافی ہے تاکہ یہاں قیام کرسکوں، اس کے بعد شیخ کی قبر سے آواز آئی کہ عبدالحق! حوض پر آؤ اور جائے نماز و گھڑا لے جاؤ چنانچہ میں حوض پر گیا اور حوض میں ہاتھ ڈالا تو سب سے پہلے میرے ہاتھ میں ایک گھڑا آیا وہ نکال لیا اُس کے بعد ہاتھ ڈالا تو ایک پلنگ کا پُرانا ڈھانچہ ملا اس کو بھی نکال لیا کہ شاید میرا مصلےٰ اسی کو قرار دیا گیا ہے۔

شیخ جمال گوجریؒ

۷۹۸ھ ———— ۹۲۲ھ

آپ شیخ صلاح درویش کے مرید تھے اور شیخ احمد عبدالحق کی صحبت سے اودھ میں فیضیاب ہوئے تھے۔

شیخ احمد عبدالحق فرماتے ہیں کہ میں نے بکر سے پنڈوہ تک کا سفر کیا ہے اور اس تمام سفر کے دوران میری کسی مسلمان سے ملاقات نہیں

ہوئی البتہ اودھ میں ایک بچے (مسلمان) دیکھا تھا اور جمال گوجری کی طرف اشارہ کیا،
منقول ہے کہ شیخ احمد جب اودھ میں رہتے تھے تو آپ کے پاس ایک کتیا بھی رہتی تھی، جب اس نے بچے دیے تو شیخ احمد نے اس شہر کے تمام رئیس، حاکم اور عوام کی دعوت کی اور کھانا کھلایا، دوسرے دن شیخ جمال گوجری کی آپ سے ملاقات ہوئی تو شیخ جمال نے شیخ احمد سے شکایت کی کہ آپ نے تمام شہر والوں کی دعوت کی اور ہمیں نہیں بلایا، آخر یہ کس گناہ کی سزا تھی، تو شیخ احمد نے آپ کو جواب دیا کہ کتیا کی دعوت میں شہر کے تمام کتوں کو بلایا تھا اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے۔ الدنیا جیفۃ وطالبہا کلاب
ترجمہ:۔ دنیا ایک مردار کی مانند ہے اور اس کے طالب کتے ہیں، اور آپ کا شمار تو انسانوں میں ہے اس لئے ایسی دعوت میں آپ کو کیسے بلاتا۔

شیخ بختیارؒ

۹۷۰ھ ——— ۹۵۸ھ

آپ بھی شیخ احمد عبدالحق کے مرید، محرم اسرار اور واقف احوال تھے، آپ سفر و حضر میں شیخ کے ساتھ رہا کرتے تھے، شیخ احمد عبدالحق کی جتنی ان پر خصوصی نظر تھی دوسرے مرید اس نظر عنایت سے محروم تھے۔ آپ ایک تاجر کے غلام تھے جب وہ تاجر اپنے جواہرات کی تجارت کے لئے ردولی آیا تو آپ بھی اس کے ہمراہ تھے یہاں آکر آپ نے شیخ احمد عبدالحق کو دیکھا اور دیکھتے ہی معتقد ہو گئے، پھر تو روزانہ شیخ کی خدمت میں آتے اور باادب کھڑے رہتے، چھ ماہ اسی طرح گزر گئے اور شیخ احمد نے آپ کی طرف کوئی التفات نہیں کیا اور یہاں تک نہیں پوچھا کہ تم کون ہو کہاں سے آئے مجھ سے کیا کام ہے؟ چھ ماہ کے بعد جب شیخ نے آپ کی طرف دیکھا تو شیخ کی ایک ہی نظر سے آپ بیہوش ہو گئے اور اس بیہوشی میں شیخ سے گستاخانہ کہنے لگے کہ شیخ احمد عبدالحق تم اتنی نعمتوں سے نوازے گئے ہو اور خدا کے بندوں کو ان سے محروم رکھتے ہو، شیخ نے ان کو اس بات کے کہنے سے روکا مگر وہ اپنی مستی میں بار بار یہی

کہتے رہے، بالآخر شیخ نے پانی منگوا کر شیخ بختیار کو پلایا تو وہ ہوش میں آئے۔ اس کے بعد شیخ احمد عبد الحق نے فرمایا کہ بختیار! اپنے آقا اور مولیٰ کے پاس چلے جاؤ، اسکو راضی رکھو اور اس کے کام میں مشغول رہو، بختیار نے شیخ کی بات کو تسلیم کیا اور جونپور چلے گئے جہاں ان کا مولیٰ رہتا تھا، ان کے آقا نے جب ان کی حالت کو اس طرح دیکھا تو انھیں آزاد کر دیا، بختیار کے اندر عشق و محبت کی ایسی آگ لگی جو انھیں ایک لمحہ بھی قرار سے نہ رہنے دیتی تھی، کہتے ہیں کہ شیخ شرف الدین پانی پتی نے خفیہ خفیہ شیخ احمد عبد الحق سے بختیار کی سفارش کی اور کہا کہ جیسا آپکو اس دنیا میں بختیار پہچانتا ہے ویسا کوئی نہیں پہچانتا، مگر بختیار بیچارہ مال و اسباب عزت و جاہ کو چھوڑ کر جونپور سے ردولی آگیا اور صدق دل سے شیخ کی خدمت کرنے لگا۔

منقول ہے کہ ایک روز شیخ احمد عبد الحق نے بختیار سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ خانقاہ کے صحن میں ایک کنواں کھودا جائے، بختیار شیخ کی اتنی بات سننے کے بعد فوراً زمین کھودنے کے اوزار لے آئے اور کنواں کھود کر شیخ کی خدمت میں پانی نکال لائے، شیخ نے وہ پانی دیکھ کر اللہ اکبر کہا اور اس پانی پر کچھ پڑھ کر لوگوں میں تقسیم کر دیا، پھر شیخ نے فرمایا کہ اے بختیار! اس کنویں کو باہر کی مٹی سے بھر دو اور کنویں سے جو مٹی نکلی ہے اسکا ایک چبوترہ بنا دو، چنانچہ بختیار نے ایسا ہی کیا اور یہ دریافت نہیں کیا کہ کنویں کو کھودنے اور پھر ختم کر دینے سے مقصد کیا تھا۔

منقول ہے کہ ایک روز شیخ احمد اپنے کمرے میں بیٹھے تھے اور بختیار ان کے سامنے کھڑے تھے، شیخ نے فرمایا بختیار کیا دیکھتے ہو؟ بختیار فرماتے ہیں کہ اسکے بعد میں نے پورے کمرے کو سونے سے بھرا ہوا پایا، اسکے بعد شیخ نے فرمایا کہ بختیار اگر ضرورت ہو تو اس سے کچھ لیلو میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے اب اسکی ضرورت نہیں رہی، شیخ نے فرمایا، اچھا اب دیکھو، اس کے بعد مجھے کمرہ اپنی اصلی حالت پر نظر آنے لگا۔

منقول ہے کہ ایک روز شیخ احمد نے اپنے بیٹے عارف کو کہا کہ بختیار کو بلا لاؤ، شیخ عارف نے بختیار کے مکان پر آواز دی، اتفاق سے اسوقت بختیار اپنی بیوی کے پاس

سو رہے تھے اور اپنی عورت سے مجامعت میں مشغول تھے، شیخ کا پیغام سنتے ہی بختیار نے کپڑے پہنے اور بھاگتے ہوئے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ کہتے ہیں کہ شیخ بختیار کے اندر بے انتہا شہوت تھی اور اس کو پورا کرنے کے لئے وہ بے طاقت و مجبور محض کے درجہ تک پہنچے ہوئے تھے ممکن ہے ایسی حالت میں شیخ نے امتحان لیا ہو کہ دیکھیں وہ اپنی خواہش کی اتباع کرتا ہے یا ہماری۔

منقول ہے کہ ایک روز بختیار اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں تجارت کی غرض سے جانا چاہتا ہوں، اجازت دیدیجئے۔ شیخ نے فرمایا خوشی سے جاؤ لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ دریا کے دوسرے کنارے تک نہ جانا اسلئے کہ ہماری ولایت دریا کے اس کنارے تک ہے۔

کہتے ہیں کہ شیخ بختیار ان پڑھ تھے لیکن اپنے شیخ کی برکت اور صحبت کے فیض سے ان میں یہ بات خدا نے پیدا کردی تھی کہ ہر بات ان کی قرآن و حدیث کے مطابق ہوتی تھی۔

شیخ عارفؒ

۸۱۵ھ ——————— ۸۵۵ھ

آپ شیخ احمد عبدالحق کے بیٹے اور جانشین تھے، تقریباً چالیس برس کی قلیل عمر پائی، ہر گروہ اور مذہب سے پوری واقفیت رکھتے تھے اور تمام لوگ آپ سے خوش رہتے تھے۔

منقول ہے کہ شیخ احمد عبدالحق کا کوئی لڑکا زندہ نہ رہتا تھا۔ ایک روز آپ کی بیوی نے آپ سے بطور شکایت عرض کیا کہ کیا ہماری قسمت میں ایک بھی بیٹا نہیں؟ جو ہوتا بھی ہے تو خدا کا فرشتہ آتا ہے اور اسے خدا کی رحمت میں لیجاتا ہے، شیخ نے فرمایا کہ ایک بیٹا ہماری قسمت میں ہے جو تجھے ملے گا لیکن ابھی وہ پختہ نہیں ہوا ہے، روم کے سفر میں پکا کر انشاء اللہ تمہارے حوالہ کردیا جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ اس سے کچھ کہنا نہیں اور ہمیشہ اس کو خوش رکھنے کی کوشش کرنا، چنانچہ

تھوڑے ہی دنوں کے بعد آپ کے ہاں ایک فرزند متولد ہوا جس کا نام "عارف" رکھا گیا اور عارف سے بھی ایک بیٹا ہوا جس کا نام "محمد" تھا جو شیخ عبدالقدوس کے شیخ اور پیر تھے۔

شاہ داؤدؒ

۹۴۰ھ ——————— ۱۰۰۱ھ

آپ سرہر پور کے باشندے تھے اور چند ہی واسطوں سے شاہ نصر تک جو قطب الدین بختیار کاکی کے خلیفہ تھے سلسلہ پہنچ جاتا ہے، آپ بہت بلند پایہ درویش تھے کہتے ہیں کہ شیخ عبداللہ شطاری جب اس علاقہ میں تشریف لائے تو ملنے والوں کا ایک جم غفیر لگ گیا، شاہ داؤد بھی ان سے ملنے کے لئے ان کے گھر گئے، شیخ عبداللہ کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنے گھر کے باہر ایک دربان یا چوکیدار رکھا کرتے تھے چنانچہ اس دربان نے شاہ داؤد کو داخل ہونے سے روک دیا، شاہ داؤد کو غصہ آیا اور انھوں نے چوکیدار کو زور سے دھکا دیا، جس کی وجہ سے وہ گر گیا اور آپ اس کے سینہ سے گزر کر شیخ تک پہنچ گئے۔ اور جس تخت اور کرسی پر شیخ رونق افروز تھے اس پر شاہ داؤد بھی جاکر بیٹھ گئے شیخ نے آپ کی بڑی عزت کی اور نرمی سے پیش آئے۔ اسی دوران شیخ کے خادموں نے شاہ داؤد سے کہا کہ آجتک کوئی بے ادب خدا رسیدہ نہیں ہوا، شاہ داؤد سمجھ گئے کہ یہ خطاب مجھ ہی سے ہے اس لئے آپ نے فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ آجتک کوئی باادب خدا رسیدہ نہیں ہوا، لوگوں نے پوچھا کہ آپ کیا فرما رہے ہیں تو آپ نے پھر یہی بات دہرایا اور فرمایا کہ اگر میں بے ادبی سے کام نہ لیتا اور چوکیدار کو نہ مارتا تو شیخ تک کیسے پہنچ سکتا تھا اور اگر شیخ تک نہ پہنچتا تو پھر خدا تک کیسے پہنچ سکتا تھا یہ بات شیخ کو بہت پسند آئی اس لئے آپ پر مزید عنایت کی۔

شاہ نورؒ

۹۵۱ء ——————— ۱۰۲۰ھ

آپ شاہ داؤد کے مرید اور بلند پایہ بزرگ تھے، کشف و تصرف کے مالک تھے، ابتدا میں دھوبی کا پیشہ کرتے تھے، ایک

دفعہ کپڑے دھو رہے تھے کہ اچانک آپکے پاس شاہ داؤد تشریف لے آئے اور شاہ نے آپ میں صلاحیت اور جوہر قابل دیکھ کر فرمایا کہ بابا کب تک لکڑیوں پر مارتے رہوگے ؟ کوئی اور کام کرو ۔ اس کے بعد شاہ نور نے اپنا پیشہ ترک کر دیا اور ریاضت و یاد الٰہی میں مشغول ہو کر کمال حاصل کیا ۔

شاہ نور کے ایک مرید و خلیفہ پیرک تھے جو انبالہ میں رہا کرتے تھے ، اگرچہ انھوں نے یوسف قتال سے بھی بیعت کی تھی مگر ان کی تمامتر تربیت شاہ نور ہی نے فرمائی تھی وہ بھی شاہ نور کے سلسلہ میں لوگوں کو مرید کیا کرتے تھے ، بہت معمر اور صاحب الحال والتصرف بزرگ تھے ۔ لوگ کہتے ہیں کہ شاہ یوسف قتال کے انتقال کے بعد یہ دہلی تشریف لے آئے اور اُن کے روضہ میں بیٹھ کر عبادت کیا کرتے ایک دفعہ انھوں نے ایک واقعہ دیکھا کہ ان سے ان کے شیخ فرمار ہے ہیں کہ میں نے تجھ کو بابا ابراہیم خلیل کے سپرد کر دیا اور اشارہ کر کے بتلادیا کہ وہ بزرگ یہ ہیں ، چنانچہ یہ ان کی تلاش میں روضہ سے باہر آئے ، اسوقت یہ گھوڑوں کی تجارت کیا کرتے تھے ۔ اپنے گھوڑوں کو فروخت کرنے کی غرض سے ضلع بہار کے ایک گاؤں میں پہنچے جس کا نام خرید تھا ، وہاں ایک بزرگ کو دیکھا جو بہترین لباس پہنے ہوئے اور مشائخ کی شکل وصورت میں ہیں ، آپ نے ان بزرگ سے بطور استفہام کہا کہ ہندوستان کے بزرگ بھی ایسا ہی لباس پہنتے ہیں ، ان بزرگ کو غیب سے انکے تمام حالات معلوم ہو چکے تھے انھوں نے فرمایا کہ میں وہی ابراہیم خلیل ہوں جس کی بابت تمہارے شیخ نے تم سے کچھ کہا تھا ۔ چنانچہ پیرک ان کی خدمت میں مصروف ہو گئے اور اس بزرگ نے بھی ان کی بہت توجہ سے تربیت کی اور اس کے بعد وصیت کی کہ اصلاح کرانے میں کسی سے شرم نہ کرنا ۔ اس کے بعد قندھار چلے گئے اور پیر کے حکم پر عمل کرتے رہے ۔ شیخ پیرک سلطان بہلول کے زمانہ سے اکبر شاہ کی ابتدائی حکومت کے زمانہ تک زندہ رہے ۔ اللہ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل کرے ۔

شیخ سعد الدین خیر آبادی رح

۸۷۲ھ ——— ۹۹۳ھ

آپ شیخ مینارح کے مرید تھے اور حدودِ شریعت کی حفاظت اور آداب طریقت کی نگہداشت میں عالی ہمت رکھتے تھے، آپ نے دنیا سے الگ رہ کر مجردانہ زندگی بسر کی، اپنے شیخ کی طرح سماع سے بہت رسیا تھے، علوم شریعت و طریقت کے عالم تھے، علم نحو، فقہ اور اصول میں آپ نے کچھ کتابیں بھی لکھی ہیں، جیسے (۱) شرح مصباح (۲) شرح کافیہ (۳) شرح حسامی (۴) شرح بزدوی وغیرہ (۵) رسالہ مکیہ کی شرح، مجمع السلوک، خزانہ جلالی کے طرز پر لکھی جس میں مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کو جمع کیا ہے اور شیخ مینا کے بہت سے ملفوظات و حالات کو قلمبند کیا ہے، جب شیخ میناؒ کا ذکر کرتے ہیں تو یوں کہتے ہیں کہ میرے شیخ کے شیخ نے یوں فرمایا تو اس سے شیخ قوام الدین لکھنوی مراد ہوتے ہیں۔

شیخ سعدالدین نے ظاہری علوم کی تحصیل و تکمیل مولانا اعظمؒ سے کی جو اپنے زمانے کے بہت بڑے فقیہ اور عالم تھے، حضرت شیخ میناؒ نے بھی عوارف المعارف مولانا اعظم ہی سے پڑھی تھی، ایک دفعہ آپ نے اپنے شیخ سے عرض کیا کہ مقصود تو آپ کی خدمت کرنا ہے اور پڑھنے سے مقصود تصحیح الفاظ ہوتی ہے سو وہ ہو چکی اب مولویوں کے پاس رہنے سے کیا فائدہ، آپ نے فرمایا کہ بابا تمہاری دیانتداری تو یہ ہے کہ علم ہوتے ہوئے بھی علم کا دعویٰ نہ کیا جائے اور اپنے علم پر اکتفا نہ کیا جائے۔

آپ کے کثرت سے لوگ مرید ہوا کرتے تھے چنانچہ شیخ صفی الدین جو صاحب حال بزرگ تھے اور شیخ مبارک سندیلوی جو احکام شریعت و آداب طریقت میں کامل تھے اور شیخ سالار سے بھی تربیت حاصل کی تھی۔ آپ کی وفات سنہ ھ میں ہوئی، اور سید صفی الدین انبالہ کے رہنے والے تھے جو درویشوں کے اوصاف سے موصوف اور انہی کے احوال میں متحقق تھے اور بہت پوشیدہ رہا کرتے تھے یہ شیخ مبارک سندیلوی

کے مرید تھے اور شیخ سعد الدین کے مریدوں میں سے ایک شیخ احمد نیا تھے جو بہت بوڑھے اور معمر تھے، آپ اپنے والیٔ عہد کے حکم سے ان دیار میں تشریف لائے اور تکریم و تعظیم کے ساتھ مخصوص ہوئے، آپ سے بہت سی کرامات کا ظہور ہوا اور ۹۹۳ھ میں اس دنیائے ناپائیدار سے عالم پائیدار کی طرف چلے گئے، اللہ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

شاہ سیدوؒ

۱۴۳۲ھ ــــــــــــــــــ ۱۹۲۵ء

اوائل عمر میں آپ بادشاہوں کی خدمت میں رہا کرتے تھے اور بڑے دولتمند تھے اس کے بعد جذبۂ الٰہی میں تمام متاع دنیا کو پائے حقارت سے ٹھکرا کر شیخ حسام الدین مانک پوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انکے پاس رہ کر ذکر اللہ وغیرہ اشغال میں مشغول رہے اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

کہتے ہیں کہ آپ اپنی جوانی میں ایک عورت پر بڑی طرح فریفتہ تھے، درویش بننے کے بعد خرقۂ خلافت پہن کر ایک روز اس عورت کے پاس گئے تو اس عورت نے کہا کہ سیدو! اب تو تم البیہ بن گئے ہو، یعنی گدا اور فقیر۔ فقیر کو ان کے ہاں البیہ کہتے تھے، اس کے بعد آپ کا لقب ہی سیدو البیہ ہوگیا اور وہ عورت بھی محبت کیوجہ سے آپ کی خدمت میں آگئی اور فقیر بن گئی، شاہ سیدو فن شاعری میں بھی دسترس رکھتے تھے چنانچہ آپ کے اشعار میں سے ایک شعر یہ ہے۔

شعر

دل گویدم سیدو بگو احوال خود یک یک برو
آندم کہ خود نی آید او سیدو کجا گفتار کو!

منقول ہے کہ ایک دفعہ شیخ حسام الدین راجی حامد شاہ اور شیخ سیدو تینوں بزرگوں کے پاس کوئی کپڑا نہ تھا۔ صرف ایک روئی کی قبا تھی، چنانچہ شیخ حسام الدین نے اس قبا کے تین حصے اس طرح کئے کہ ایک کو ابرہ اور دوسرے کو استر اور روئی

خود پہن لی اور اوپر سے کچھ دھاگے لپیٹ لئے۔ اب ان بزرگوں کے پاس پہ اوڑھنے کے لئے کوئی کپڑا نہ تھا، چنانچہ اسی حالت میں تینوں بزرگ جامع مسجد کی جانب چلے ہوئے راستہ میں ایک آدمی نے حلوائیوں میں لپیٹ کر دیا تو حلوے کو آپس میں تقسیم کرنے کے بعد ان پتوں کی ٹوپیاں بنالیں۔ شاہ سید دکا مزار فتح پور ہنسوہ میں ہے جو کڑہ مانک پور کے قریب ہے۔

راجی حامد شاہؒ

۸۰۹ھ ——————— ۹۰۹ھ

آپ شیخ حسام الدین مانک پوری کے مرید تھے، صاحب نسبت وحال صاف باطن بزرگ تھے، منقول ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کے دور حکومت میں سادات گردیز میں سے دو بھائی دہلی تشریف لائے، ایک کا اسم گرامی سید شمس الدین تھا، انھوں نے میوات کے علاقہ میں سکونت اختیار کی، ان کی بقیہ اولاد بھی وہیں رہتی ہے اور دوسرے سید شہاب الدین تھے جن کی اولاد میں راجی حامد شاہ ہیں، ان کے آباؤ اجداد اپنے علاقہ کے بڑے معزز و محترم لوگوں میں سے تھے، دہاں ... ان میں آپ لوگوں راجی لکھتے تھے۔

آپ اوائل عمر میں سپاہیوں کے لباس میں رہا کرتے تھے بالآخر شیخ حسام الدین مانکپوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی صحبت میں رہ کر بہت ریاضت کی جس کی وجہ سے آپ کا دل صاف و شفاف ہوگیا، باطن پاکیزہ ومطہر ہوگیا، اگرچہ آپ علوم ظاہری معمولی پڑھے ہوئے تھے مگر خداداد علمی استعداد کی وجہ سے بڑے بڑے علماء آپ کے معتقد تھے۔

کہتے ہیں کہ اگر کسی کے دل میں خیال آتا کہ آپ کشف کے ذریعہ اس کے احوال ظاہر کریں تو آپ خود بخود ہی اس کے حالات بیان کرنا شروع فرما دیتے اور ان حالات کے ضمن میں اس کے مقصود کو بھی ظاہر کردیتے، آپ کا مزار مانک پور میں ہے۔

راجی سید نور رح

۹۰۱ھ ——— ۹۹۷ھ

آپ راجی حامد شاہ کے بیٹے تھے اور اپنے باپ کی طرح صاحب کرامت بزرگ تھے۔ سپاہیانہ لباس پہنتے جس میں اپنے حال اور مشغولی باطن کو چھپائے رکھتے تھے۔ آپ کا مزار بھی مانک پور میں ہے۔ اللہ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

شیخ حسن طاہر رح

۸۲۱ھ ——— ۹۰۹ھ

آپ راجی حامد شاہ کے مریدوں میں سے تھے اور راجی سید نور کے خلیفہ تھے، آپ کے والد بزرگوار کا نام شیخ طاہر تھا وہ ملتان سے بہار گئے اور عرصہ دراز تک شیخ بڈہ حقانی سے تعلیم حاصل کرتے رہے، بہار ہی میں شیخ حسن طاہر متولد ہوئے، شیخ حسن کو جوانی ہی کے زمانہ میں طلب حق کا درد دامنگیر تھا، اس لئے درویشوں ہی کی صحبت میں رہے۔

منقول ہے کہ آپ نے اسی زمانے میں فصوص الحکم ایک بزرگ سے شروع کی اور آپ کے والد صاحب فصوص الحکم کے مخالف تھے انھوں نے ایک دن مسئلہ توحید کے متعلق آپ سے دریافت کیا تو آپ نے اس مسئلہ کو علمائے ظاہر کی طرح ایسی وضاحت سے بیان کیا کہ آپکے والد صاحب کے بھی چند اشکال ختم ہو گئے اس کے بعد بیٹے آپکو فصوص الحکم کے پڑھنے سے نہ روکا، اسی زمانے میں راجی حامد شاہ کی بزرگی اور ولایت کی عام و خاص میں شہرت ہوئی تھی، شیخ حسن بھی امتحان کی غرض سے ان کے پاس گئے اور پہلی ہی ملاقات میں ان کے معتقد ہو گئے سه

زہرہ آنم کہ بایں جاذبۂ شوق ۔۔۔ رخسار ترا بینم و بیتاب نگردم

علماء میں سے آپ ہی پہلے عالم ہیں جو سید راجی شاہ کے مرید ہوئے تھے، اور وہ جونپور کے مشائخ میں سے تھے، سلطان سکندر کے زمانے میں اسی کی خواہش سے ادھر آئے تھے،

منقول ہے کہ سلطان سکندر کا ایک بھائی تھا جس پر سلطنت کے حصول کا جنون

سوار تھا وہ آپ کا مرید تھا، اسی خیال کو لے کر وہ ایک دن آپکے پاس آیا اور کہنے لگا کہ حضرت دعا فرمائیں کہ خدا تعالیٰ دہلی کی حکومت مجھے عنایت فرمائیں، آپ نے اس کو اس خام خیالی سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے تمہارے ایک بھائی کو سلطنت عطا فرمائی ہے تم اس سے کوئی اختلاف وحسد وغیرہ نہ کرو بلکہ اسکے تابع ہو کر رہو، جب اس بات کی اطلاع سلطان سکندر کو ہوئی تو وہ آپ کی کرامت و دیانت کا معتقد ہو کر حاضر ہوا، وہ اس سے پہلے ہی دہلی کے مشائخ سے ملنا چاہتا تھا مگر اس بات نے اس کے اشتیاق ملاقات میں سونے پر سہاگے کا کام کیا۔

آپ ابتداءً جونپور سے آگرہ تشریف لائے اور ایک عرصہ تک یہاں اقامت پذیر رہے اس کے بعد دہلی چلے گئے اور وہاں جے منڈل میں جس کا حصار وگنبد سلطان محمد تغلق نے تعمیر کرایا تھا مع اہل وعیال رہنے لگے اور یہیں آپ نے ۲۴ ربیع الاول ۹۰۹ھ میں وفات پائی، آپ کی اور آپ کی اکثر اولاد کی قبریں یہیں ہیں

طریقہ سلوک اور علم توحید پر آپ نے متعدد کتابیں لکھی ہیں، ان کتابوں میں سے ایک کتاب مفتاح الفیض ہے اسمیں لکھتے ہیں۔

سوال :۔ سلوک کیا ہے اور سالک کیا ہے، تزکیہ قلب ونفس کیا ہے، اسی طرح تخلیۂ سر اور تخلیہ روح کیا ہے، منزل وجذبہ کیا ہیں، مقصد کہاں ہے اور وصول کہاں ہے، شریعت، طریقت، حقیقت کیا چیز ہے اور ان کا مقام کیا ہے؟

جواب :۔ سلوک کے معنی لغت میں چلنا ہے اور حسی طور پر چلنے کے معنی ہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جانا، اور یہاں سلوک سے معنوی چلنا مراد ہے اور اسی انتقال کو مرتبہ نفس میں تزکیہ کہتے ہیں۔ اور تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ حیوانی اوصاف کو ترک کر کے ملائکہ کے اوصاف سے متصف ہو جانا اور نفس امارہ کو نفس لوامہ اور مطمئنہ کے تابع کر دینا۔ دل کے سلوک کو تصفیہ کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنے دل کو دنیا کی تمام فکروں اور رنج وغم کے زنگار سے صاف رکھا جائے۔ تخلیۂ سر یہ ہے کہ اپنے سر میں کسی ماسوی اللہ کی کوئی خواہش نہ رکھے اور خدا

کے علاوہ خواہ وہ جنت ہی کیوں نہ ہو کوئی خیال نہ کرے اور اپنے سر کی نگہداشت کرے یعنی اپنے دماغ میں غیر اللہ کا تصور تک نہ آنے دے اور اگر اچانک ماسوی اللہ کا کوئی خیال و تصور آ بھی جائے تو فوراً اس کو نکال کر پھینک دے۔ تجلی روح یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ذوق و شوق اور اسرار و انوار کے ذریعہ روح کو پاک وصاف اور ان اوصاف سے مزین رکھے، حقیقت سلوک سے مراد یہ ہے کہ حیوانی اور انسانی جملہ اوصاف سے نکل کر خدائی اوصاف اور اخلاق کو اپنا لے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے، تخلقوا باخلاق اللہ،

حضرت قطب عالم نے اپنے رسالہ مہمات میں شریعت، طریقت اور حقیقت کے متعلق لکھا ہے کہ شریعت نام ہے اتباع و فرمانبرداری کا اور طریقت کہتے ہیں تمام سے انقطاع کرنے کو اور حقیقت اطلاع اور خبرداری کو کہتے ہیں۔

غرضکہ شریعت نام ہے انقیاد کا، طریقت نام ہے اپنے نفس پر تنقید کرنے کا اور اور حقیقت نام ہے اتحاد کا جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ شریعت د۔ میانہ روی اور اعتدال کو کہتے ہیں، اور طریقت اپنے کو چھوڑ دینا، اور حقیقت دوست سے مل جانے کو کہتے ہیں یعنی بطیب خاطر فرمانبرداری کرنا شریعت ہے، غیر سے بیزاری طریقت ہے دوست سے برخورداری کرنا حقیقت ہے

شریعت غنا ہے اور طریقت فنا ہو جانے کو کہتے ہیں، اور حقیقت بقا کو کہتے ہیں، سالک ابتداءً اچھی کیفیت رکھتا ہے، درمیان میں معاد کی غفلت پیدا ہو جاتی ہے اور آخر کار وہ اللہ کا نور بنجاتا ہے، اللہ تک پہنچنے کے لئے کوئی راستہ اور منزل نہیں ہے کیونکہ راستہ تو ہمیشہ دو چیزوں کے درمیان ہوتا ہے اور جب سالک اور خدا کے درمیان دوئی ہی نہیں تو نہ راستہ کی ضرورت ہے اور نہ منزل کی۔

منصور حلاج سے لوگوں نے دریافت کیا تھا کہ راستہ کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ راستہ دو چیزوں کے درمیان والی چیز کو کہتے ہیں، اور خدا تک پہنچنے کے لئے بے انتہا منزلیں ہیں کیونکہ اس کی بھی کوئی حد اور انتہا نہیں اور مطلب یہ ہے کہ

انسان کو وحدت حقیقی تک رسائی ہو، اور شرک و احساس غیریت سے نفرت ہو جائے اور جذبہ کے معنی خاص رحمت کے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے آتیناہ رحمۃ من عندنا ترجمہ (اسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت عنایت کی)

نیز رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا بھی یہی ہے اللّٰھم انی اسئلک رحمۃ من عندک تھدی بھا قلبی ترجمہ (اے اللہ میں آپ سے اس رحمت کا طلبگار ہوں جس سے میرا دل راہِ راست پر آ جائے) اسی کا نام فیضِ حق بھی ہے (اور اس جذبہ کی اتنی قدر و قیمت ہے کہ) ایک جذبۂ حق، جنوں اور انسانوں کے عمل کے مساوی ہوتا ہے۔

مصرعہ

یک ذرہ عنایت تو اے بندہ نواز

تیرے رب کی بعض ایام میں کچھ خصوصی رحمتیں ہوتی ہیں انھیں ضرور حاصل کیا کرو۔

شعر

تو مستحق نظر شو کمال و قابل فیض ۔۔۔ کہ منقطع نشود فیض ہرگز از فیاض

اور اسی کی طرف نبی علیہ السلام نے اشارہ فرمایا تھا کہ انی لاجد نفس الرحمٰن من جانب الیمن ترجمہ (یمن کی طرف سے مجھے نفس الرحمان کی خوشبو محسوس ہوتی ہے)

مرد باید کہ بوئے داند برد! ۔۔۔ ورنہ عالم پر از نسیم صبا است

دریں دیار ازاں سرخوشم کہ گاہ گاہے ۔۔۔ نسیم بوئے توام زیں دیار مے آید!

یہ بھی دائمی تجلی اور فیض حق ہی کی طرف اشارہ ہے، جذبۂ حق اور وصول الی الحق کا مطلب یہ ہے کہ اپنے تخیلات اور غیریت سے انقطاع اور علیحدگی اختیار کر لی جائے اور وجود مطابق کی ذات میں جہل و علم کو مرتفع اور ختم کر دے۔

مولنا الہ دادؒ

۱۴۴۹ء ——— ۱۵۲۶ء

آپ جونپور کے بڑے عالم تھے۔ کافیہ، ہدایہ، بزدوی اور مدارک کی شرح

لکھی ہیں، طالب علمی ہی کے زمانے سے تحریر و تنقیح پر کامل قدرت رکھتے تھے، راجی حامد شاہ کے مرید اور ایک واسطہ سے قاضی شہاب الدین کے تلمیذ تھے۔

منقول ہے کہ شیخ حسن طاہر اور مولانا الہ داد، سلوک و طریقت کا علم حاصل کرتے وقت ساتھی تھے اور دونوں کے مابین بہت الفت تھی، شیخ حسن طاہرؒ جب راجی حامد کے مرید ہوئے تو مولانا الہ داد نے فرمایا کہ میاں حسن! تم نے طالب علموں کی عزت مٹی میں ملادی، حسن طاہر نے جواب دیا کہ آپ ایک دن ان کے پاس چل کر ان کا امتحان کریں تو آپ خود بخود سمجھ لیں گے کہ میں معذور ہوں، دوسرے روز دوست شیخ راجی کے پاس جانے کے لئے تیار ہوگئے، مولانا الہ داد نے جاتے وقت ہدایہ اور بزدوی کے چند مشکل مسئلے یاد کر لئے، چنانچہ یہ دونوں دوستوں کو لے کر شیخ راجی حامد شاہ کے پاس پہنچے تو انھوں نے اپنی عادت اور معمول کے مطابق اپنے حالات بیان کرنے شروع کر دئے اور ان احوال کو کچھ اس انداز سے بیان کیا کہ گفتگو کے دوران ہی مولانا الہ داد کے اشکالات کو حل کر دیا (اس کے بعد تو مولانا الہ داد بھی شیخ راجی حامد شاہ کے معتقد ہو کر) بیعت ہوگئے اور سلوک کے راستہ میں ریاضت و مجاہدہ کرنے لگے۔

شیخ معروف جونپوری

آپ مولانا الہ داد کے مرید تھے، مجاھدہ و ریاضت، ذوق و شوق میں مکمل اور

۸۶۹ھ ——— ۹۸۷ھ

صاحب حال ولی اللہ تھے، آپکے مریدوں میں سے شیخ احمد زین جونپوری بڑے متوکل، متقی اور زبردست عالم و بابرکت شخصیت تھے، اللہ ان دونوں پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

شیخ بہاؤالدین جونپوریؒ

۸۷۱ھ ——— ۹۴۷ھ

آپ جونپور کے معروف مشائخ میں سے تھے اور شیخ محمد عیسٰی کے مریدوں میں سے تھے۔ تارک الدنیا، مجرد، صداقت و پاکیزگی کا مجسمہ بزرگ تھے۔

کہتے ہیں کہ شیخ حسین ایک بزرگ تھے جو دولقہ علاقہ گجرات سے شیخ محمد عیسیٰ کی زیارت کے لئے جونپور آئے، شیخ بہاؤالدین اس وقت طالب علم تھے ان کی شیخ حسین سے ملاقات ہوگئی اور شیخ حسین کیمیا بنانا بھی جانتے تھے، ان کو شیخ بہاؤالدین جیسے طالب علم کی فقیری کو دیکھ کر صدمہ ہوا اور ان سے کہا کہ تم ہمارے ساتھ جنگل چلو چنانچہ دونوں جنگل میں گئے، شیخ حسین نے وہاں کیمیا کی اکسیر بنا کر اُن کو دی اور کہا کہ جب کوئی ضرورت محسوس ہو تو اس سے سونا بنا لیا کرنا اور جب یہ ختم ہوجائے تو پھر ہم سے کہنا ہم تمہیں اور بنا دیں گے ان تمام باتوں کو سننے کے بعد شیخ بہاؤالدین نے عرض کیا کہ حضرت مجھے آپ سے اس کیمیا کی اکسیر لینے کی نہ ضرورت ہے اور نہ خواہش، میں تو آپ سے ایک دوسری قسم کی اکسیر لینا چاہتا ہوں، یہ سُن کر شیخ حسین بہت مسرور ہوئے اور ان کی باطنی تربیت کی طرف مزید توجہ مبذول فرمادی اور اس باطنی تربیت کا سلسلہ اسوقت تک جاری رکھا جب تک کہ خود شیخ عیسیٰ سے خلافت نہ لے لی، اور جب شیخ حسین خرقۂ خلافت لیکر اپنے وطن دولقہ روانہ ہونے لگے تو شیخ بہاؤالدین نے ان سے عرض کیا کہ اب آپ مجھے مرید کر کے اجازت دیدیں مگر شیخ حسین نے فرمایا کہ آپکے شیخ توفی الواقع اسی شہر میں ہیں (یعنی آپ میرے حصہ میں نہیں۔ فاضل ۱۲) ہم سے آپکو جتنا فائدہ منظور تھا وہ ہوگیا، اس کے بعد شیخ حسین اپنے وطن چلے گئے، اس کے کئی روز بعد شیخ حسین کا قلب شیخ محمد عیسیٰ کیجانب متوجہ ہوا اور ان سے مرید ہو کر فیض حاصل کیا، ابھی آپ خلافت حاصل کرنے نہ پائے تھے کہ شیخ خدا کو پیارے ہوگئے اور آخری وقت یہ فرما گئے کہ اے بہاؤالدین! تمہارا خرقہ خلافت اس سید کے پاس ہے جو مانکپور میں تشریف لائیں گے چنانچہ راجی سید حامد شاہ کسی وقت جونپور آئے، شیخ بہاؤالدین نے ان کا استقبال کیا اور انھوں نے پہلی ہی ملاقات میں آپ کو خرقۂ خلافت پہنا کر اپنا خلیفہ بنالیا۔

شیخ بہاؤالدین شطاری

۸۲۱ھ ——— ۹۲۱ھ

آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے، بہاؤالدین بن ابراہیم عطار اللہ انصاری قادری شطاری حسینی، آپ صاحب حال اور جامع کمالات

وکرامات بزرگ تھے آپ کا اصلی وطن ہندوستان میں قصبہ جید میں تھا۔ وہاں آپ کو مندو کے کسی بادشاہ نے بلایا تھا، آپ قادری تھے اور مشرب شطار رکھتے تھے۔ آپ نے اپنی ایک کتاب میں شطاریہ مسلک کے اذکار واشغال وآداب بھی لکھے ہیں۔ آپ نے اپنی نسبت سلسلہ قادریہ تک یوں پہنچائی ہے "شیخ السموات والارضین محی الدین عبدالقادر جیلانی کے فرزند ارجمند شیخ عبدالرزاق جن سے دیگر شیوخ کے ذریعہ میرے پیر شیخ احمد جیلی قادری شافعی تک سلسلہ پہنچتا ہے۔ میرے شیخ نے مجھے تمام اذکار واشغال سکھائے اور حرم شریف میں مجھے خرقہ خلافت پہنا کر اجازت مرحمت فرمائی کہ میں دوسرے لوگوں کو بھی یہ خرقہ خلافت سے نوازوں۔ اس لئے جو میرا مرید ہوتا ہے میں اس کو خرقہ خلافت پہناتا ہوں۔
منقول ہے کہ آپ کو عمدہ خوشبو سونگھنے سے ایسی حالت وجد طاری ہو جاتی تھی کہ مرنے کے قریب پہنچ جاتے تھے، جس زمانے میں آپ بہت کمزور و ضعیف ہو گئے تھے کسی نے آپ کو عمدہ لخلخہ سونگھایا تو آپ پر وجد کی ایسی حالت طاری ہوئی کہ اسی کی وجہ سے ۹۲۱ھ میں واصل باللہ ہو گئے۔

رسالہ شطاریہ میں آپ لکھتے ہیں کہ اللہ تک پہنچنے کے اتنے طریقے ہیں جتنے مخلوقات کے سانس، لیکن ان میں تین طریقے مشہور و معروف ہیں۔

طریق اول - یہ طریقہ نیک لوگوں کا ہے اور نہ روزہ، نماز، حج اور جہاد وغیرہ ہے اس طریق پر عمل کرنے والے بہت مدت کے بعد اپنے مقصود کا تھوڑا سا حصہ پالیتے ہیں

طریق ثانی - مجاہدہ اور ریاضت کرنے والوں کا ہے جو اپنے اخلاق رذیلہ وذمیمہ کو اچھے اخلاق اور تزکیہ قلب سے تبدیل کر لیتے ہیں اور یہ طریق پاکباز لوگوں کا ہے اس طریق سے پہنچنے والے اس طریقہ سے زیادہ ہیں۔

طریق ثالث - اس طریقہ کو شطاریہ کہتے ہیں، اس طریقہ پر چلنے والے اپنے مقصود تک ابتدا ہی میں وہاں تک پہنچ جاتے ہیں جہاں تک دوسرے طریقوں پر چلنے والے انتہا میں پہنچتے ہیں اور یہ طریقہ پہلے دونوں طریقوں کی بہ نسبت اللہ تک پہنچانے کا بہترین ذریعہ ہے۔

طریقۂ شطاریہ کے دس اصول حسب ذیل ہیں

(۱) توبہ۔ یعنی تمام ماسوی اللہ سے علیحدہ اور جدا ہوجانا۔

(۲) زہد۔ یعنی دنیا کی تمام خواہشات سے خواہ کم ہوں یا زیادہ کنارہ کش ہوجانا۔

(۳) توکل۔ یعنی اسباب کو ترک کردینا۔

(۴) قناعت۔ یعنی تمام خواہشات نفسانیہ کو چھوڑ دینا۔

(۵) عزلت۔ یعنی از ابتدا تا مرگ لوگوں سے جدا رہنا۔

(۶) توجہ الی اللہ۔ یعنی ماسوی اللہ سے تمام خواہشات کو ختم کرکے صرف خدا ہی کی ذات کو اپنا مطلوب و مقصود بنالینا۔

(۷) صبر۔ یعنی مجاہدہ کے ذریعہ نفس کی تمام مسرتوں اور خوشیوں کو کچل دینا۔

(۸) رضائے الٰہی۔ یعنی اپنے تمام ارادوں کو ختم کرکے تازیست خدا کے احکام کی پیروی کرتے رہنا اور اپنی جملہ تدبیروں کو خدا کی تقدیر کے سپرد کردینا۔

(۹) ذکر۔ یعنی اللہ کی یاد کے علاوہ سب کچھ پس پشت ڈال دینا

(۱۰) مراقبہ۔ یعنی اپنے وجود اور اپنی قوت کو ختم کردینا۔ گویا کہ اپنے کو مردہ تصور کرنا

اسمار ذکر تین قسم پر ہیں :۔

۱۔ اسم جلال ۲۔ اسم جمال ۳۔ اسم مشترک، جب غرور و نخوت کو اپنے نفس میں محسوس کرو تو پہلے اسم جلال کا ورد کرو تاکہ نفس سرکش مطیع اور منقاد ہوجائے اور اسما جلالیہ یہ ہیں۔ یا قہار۔ یا جبار۔ یا متکبر وغیرہ۔ اور اسمار جمالیہ یہ ہیں یا ملک یا قدوس یا علیم وغیرہ۔ اس کے بعد اسمار مشترک پڑھے جائیں اور وہ یہ ہیں :۔ یا مؤمن یا مھیمن وغیرہ۔ اس کے بعد جب تم میں تواضع و انکساری کی صفت پیدا ہوجائے تو اس کے بعد اسمار جمالیہ اور اسمار مشترکہ بعدہ اسمار جلالیہ کا ورد و وظیفہ کرو تاکہ دل میں مزید جلار اور روشنی جلوہ گر ہوجائے اور اللہ کے ذکر سے دل کو اطمینان اور شکیبائی نصیب ہوجائے۔

مقام ذکر کے لئے ننانوے نام ہیں جو اپنے مختلف اثرات رکھتے ہیں اور ان میں سے

صدم (صبر) ایک مقام تسکین کا ہے اور ذاکر کو اسمِ ذات ہی میں قرار و سکون آتا ہے کیونکہ "اللہ" اسمِ ذاتی ہے اور باقی ننانوے اسمائے صفاتیہ ہیں، جب تک اسمائے صفاتیہ کا ذکر ہے جہاں میں مختلف رنگ کاریاں موجود ہیں اور ذاکر کی جب اسم ذات تک رسائی ہوجاتی ہے تو وہ "اللہ اللہ" کی کاری ضربوں کی سوزش اور درخشانی سے مضمحل اور فانی ہوکر مقامِ فنا کو حاصل کر لیتا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ فانی وجود کو ختم کرکے وہ باقی رہنے والی ذات تک پہنچانے والے راستے میں قدم رکھتا ہے اس سچے مرید کا دل ذکر اللہ کے بغیر کبھی کشادہ نہیں ہوسکتا اور جب اسکا دل ذکر اللہ کیلئے کشادہ ہوجاتا ہے تو اسمیں ایک ایسی نورانی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے جس کے ذریعہ اس پر تمام عقدے کھل جاتے ہیں اور عالمِ بالا میں پرواز کر کے ہر ایک سے ملاقات کرتا ہے اور اس منزل میں ذکر حقیقی جو واقع میں خدا کی ذات کا مشاہدہ کرتا ہے حاصل ہوجاتا ہے۔

علاوہ ازیں آپ نے اپنی اس کتاب میں کیفیتِ سلوک اور اس کے آداب و طرق تحریر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ کشف ارواح کے ذکر یا احمد، یا محمد کے دو طریقے ہیں اوّل یہ کہ یا احمد کو داہنی طرف اور یا محمد کو بائیں جانب سے پڑھتے ہوئے قلب میں یا مصطفےٰ کا خیال کرے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یا احمد یا محمد یا علی یا حسن یا حسین یا فاطمہ کا چھ طرفہ ذکر کرے (یعنی پہلی بار یا احمد سے شروع کرے آخر تک اور دوسری بار یا محمد سے شروع کرے اور یا احمد کو اس کے بعد وقس الباقی علی ہذا۔ فاضل ۱۲) اس کے بعد تمام ارواح کا کشف ہوجائے گا۔ نیز مقرب فرشتوں کے اسمار کا ذکر بھی یہی تاثیر رکھتا ہے یعنی یا جبرائیل، یا میکائیل یا اسرافیل یا عزرائیل کا چہار طرفی ذکر بھی یہی اثر رکھتا ہے، نیز یا شیخ یا شیخ ہزار مرتبہ اس طرح پڑھے کہ یا حرفِ ندا کو دل کی سیدھی جانب سے نکالے اور شیخ کی ادائیگی کے وقت دل پر ضرب لگائے اس سے بھی کشف ارواح ہوجاتا ہے۔

درازیٔ عمر کے لئے وظیفہ درازیٔ عمر کے لئے فجر کی نماز کے بعد سے طلوع شمس تک یا حیُّ یا قیوم پڑھے اور ظہر کی نماز کے بعد وَھُوَ العلیُّ العظیمُ اور عصر کی نماز کے بعد ھو الرحمٰن الرحیم اور مغرب کی نماز کے بعد ھو الغنیّ

الحمید اور اسی طرح عشار کی نماز کے بعد ھو اللطیف الخبیر ہزار ہزار بار پڑھے یعنی پنجوقتہ مذکورہ بالا ورد کرنے سے عمر دراز ہوتی ہے۔

مراقبہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی وہ تمام آیات و کلمات جن سے توحید کا مفہوم سمجھا جاتا ہے یہ سب اسمائے مراقبہ ہیں، یعنی جب مراقبہ کرنے کا ارادہ ہو تو ان آیات و کلمات کو پڑھا جائے اور وہ کلمات یہ ہیں۔ وھو معکم اینما کنتم، اینما تولوا فثم وجہ اللہ، الم یعلم بان اللہ یری، نحن اقرب الیہ من حبل الورید، ان اللہ بکل شئ محیط، و فی انفسکم افلا تبصرون، ان معی ربی سیھدین، اسی طرح اللہ حاضری اللہ ناظری اللہ شاھدی اللہ معی اور ذات باری کا مراقبہ یا حی یا قیوم کا مراقبہ انیس کا مراقبہ، تمام اسمائے حسنیٰ کا مراقبہ، قرآن کریم کی تلاوت کا مراقبہ، اپنے فنا ہو جانے کا مراقبہ، مراقبہ کے یہ چند رموز تحریر کر دیئے گئے تاکہ ان میں سے کسی کو پسند کر کے مراقبہ شروع کر دیں اور فائدہ حاصل کریں۔ اور مراقبہ دراصل نام ہے اپنی ہستی اور تمام کائنات کو مٹا دینے اور خدا کی ذات کو تمام احوال میں ثابت رکھنے کا اور بس، پس ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ جہاں کہیں بھی (بشرطیکہ کوئی شرعی مانع نہ ہو) وہ اللہ کا ذکر کرے اور اس کے ذریعہ اپنے قلب کی پاکیزگی حاصل کرے۔

مراقبہ کی وجہ تسمیہ

یہ ہے کہ مراقبہ کا اصل مادہ ہے رقیب، جس کے معنی محافظ اور نگرانی کرنے والے کے ہیں، یعنی جب تک مرید مراقبہ میں مشغول ہے تو وہ خواہشاتِ نفسانیہ، شیطانی وساوس اور جسمانی شواغل خواطرِ قلبیہ خناسیہ سے محفوظ ہو کر خدا کی جانب متوجہ ہے اسی لئے مشہور ہے کہ فکر افضل ہے ذکر سے، اس لئے کہ فکر تو ایک باطنی شغل ہے جس کی کسی کو خبر نہیں، یعنی مراقبہ اسکو کہتے ہیں کہ دل کی نگہبانی کر کے خدا کی جانب متوجہ کرنا اور جو چیز خدا کے ماسویٰ ہے اسکو دل میں جگہ نہ دینا، سو ایسے آدمی کو صوفیا کی اصطلاح میں اہل دل کہتے ہیں۔

شیخ بڈھن شطاری رح

۸۰۱ھ ——— ۹۹۸ھ

آپ عبداللہ شطاری کی اولاد میں تھے، سلطان سکندر کے زمانہ میں آپ کی مشیخت، ارشاد اور تربیت کی شہرت انتہا تک پہنچ چکی تھی، آپ اپنے مریدوں کو طریقۂ شطاریہ کی تلقین فرمایا کرتے تھے، راقم الحروف (مصنف اخبارالاخیار) کے تایا شیخ رزق اللہ شاہ بھی آپ کی خدمت میں پہنچے تھے، چنانچہ انھوں نے میرے تایا کو ذکر کی تلقین بھی کی تھی۔

مخدوم مولانا عمادالدین غوری رح

۱۲۷۱ء ——— ۱۳۴۱ھ

آپ نارنول کے علاقہ کے مشائخ میں سے تھے، آپ کے آباء واجداد عرب کے دیار سے ملک عجم آئے تھے اور آپ غور سے سلطان شہاب الدین غوری کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے۔

منقول ہے کہ آپ نے بچپن میں علم حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ پہلوانی کیا کرتے تھے، ایک دفعہ اپنے سے زیادہ طاقتور پہلوان کو پچھاڑ کر فخریہ انداز میں اپنے گھر واپس جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک عالم نے آپکو اس حالت میں دیکھ کر افسوس کیا، اور آپکو آپ کی اس حالت پر طعنہ دیا، اس کے بعد آپ کی حمیت اور غیرت نے آپکو جھنجھوڑا جس کے نتیجہ میں آپ اپنی اس حالت پر پشیمان ہوئے اور علم حاصل کرنے کی درخواست کی، چونکہ بچپن میں تو آپ نے کچھ لکھا پڑھا نہ تھا اس لئے جوانی میں اس عالم سے کچھ حاصل نہ کر سکے اور پڑھنے لکھنے کے قصد کو ترک کر کے شیخ محمد ترک کے روضہ میں بیٹھ گئے، ہمیشہ طہارت کے ساتھ نوافل، عبادت اور تلاوت قرآن کریم میں مصروف ہو گئے اور اتنے التزام سے بیٹھے کہ قضائے حاجت کے علاوہ اور کسی ضرورت سے باہر نہ نکلتے اور مصمم ارادہ کر لیا کہ شیخ محمد ترک سے روحانی طور پر علم حاصل کروں گا، چنانچہ اٹھارہ برس تک مسلسل یونہی عبادت کرتے رہے، ایک رات آپ قضائے حاجت کے لئے روضہ سے باہر نکلے تھے

کہ پیچھے سے کسی نے پکڑ کر کہا کہ مانگو کیا مانگتے ہو؟ آپ چونکہ اپنے آباء و اجداد کے طریقے کے طلبگار تھے اس لئے آپ نے علم و تقویٰ کی درخواست کی، چنانچہ اس غیبی بزرگ نے کہا کہ اچھا اپنے بزرگوں کی کتابیں لو اور پڑھنا شروع کردو، اس کے بعد اللہ نے آپ پر دینی علوم کے دروازے کھول دیئے۔

شیخ احمد شیبانی رح سے منقول ہے کہ میں نے آپکو بچپن میں دیکھا تھا، آپ بڑے باکمال شیخ اور متشرع بزرگ تھے، نبی علیہ السلام کی کسی سنت کو ترک نہ کرتے تھے فقیروں درویشوں سے محبت کیا کرتے تھے، آپ ان مولانا عماد الدین کی اولاد میں سے تھے جو سلطان محمد تغلق کے دورِ حکومت میں مشہور عالم تھے۔

کہتے ہیں کہ سلطان محمد تغلق نے اپنی حکومت کے غرور کے نشہ میں مولانا عماد الدین سے کہا تھا کہ جب اللہ تعالےٰ کا فیض و کرم ختم ہونے والا نہیں تو نبوت کا فیض کس طرح ختم ہو سکتا ہے اس وقت بھی اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرے اور خوارق عادات و معجزات دکھائے تو اس کو نبی تسلیم کرنے سے کونسا امر مانع ہے، مولانا نے فی الفور فرمایا کہ پاگخانہ نہ کھایئے، آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ اس پر سلطان مولانا عماد الدین پر اتنا ناراض ہوا کہ جلادوں کو حکم دیا کہ آپکو ذبح کیا جائے اور زبان کاٹ لی جائے، اللہ آپ پر اپنی رحمت فرمائے۔

شیخ علم الدین حاجی رح

آپ بڑے تارک الدنیا ولی اللہ تھے، مزدوری کر کے گذر بسر کرتے تھے، جب حج کی غرض سے مکہ معظمہ گئے تو کلہاڑی درانتی اور ایک رسا بھی اپنے ہمراہ لیتے گئے، راستہ میں لکڑیاں اور گھاس بیچکر وقت گزارتے تھے اور بھیک وغیرہ نہ مانگتے، نیز کسی سے تحفہ اور نذرانہ بھی قبول نہ فرماتے تھے، اپنے کو بزرگ نہ سمجھتے بلکہ ایک عامی آدمی کی مانند رہتے تھے، کہتے ہیں کہ آپ سید زادہ تھے لیکن لوگوں پر کبھی ظاہر نہ کرتے کہ میں سید ہوں، عالم خاں نامی میواتی آپ کا مرید تھا اس نے متعدد بار درخواست کی کہ حضرت اگر اجازت ہو تو

آپ کے لئے ایک مکان اور خانقاہ بنوا دوں مگر آپ نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور اجازت نہ دی بلکہ یوں فرماتے کہ شیخ محمد ترک واقعی ولی اللہ ہیں تم جو عمارت میرے لئے بنوانا چاہتے ہو اس سے ان کا روضہ بنا دو، ابتداءً شیخ محمد ترک کا مقبرہ اور اس کی چاردیواری بہت پسند تھی لیکن عالم خاں میواتی نے اس پر ایک عظیم الشان گنبد بنوایا جو اب تک موجود ہے۔

ملا محمد نارنولی شیخ حمزہ دھرسوی سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ میرے دادا اور شیخ صدرالدین کھردلی اور شیخ علم الدین حاجی یہ تینوں بزرگ حج کے لئے روانہ ہوئے جب سمندر عبور کرنے کے لئے سمندر کے کنارے پہنچے تو ملاحوں نے کہا کہ جو اپنے کمزور رشتہ دار ل کو چھوڑ آیا ہے وہ واپس چلا جائے اور اُن کے ساتھ صلہ رحمی کرے، ہم اسے نہیں لیجائیں گے، چنانچہ شیخ علم الدین نے اپنی کمر سے بندھی ہوئی کلہاڑی، درانتی اور رمبا نکالا اور کہا کہ دیکھو یہ میرے متعلقین ہیں جو میرے ہمراہ ہیں، یہ بات سُن کر ملاح ہنسنے لگے اور آپ کو کشتی میں سوار کرلیا، اور باقی دونوں ساتھی اپنے گھر لوٹ آئے، آپ کا مقبرہ شہر نارنول کے باہر دھرسور جانے والی سڑک کے نزدیک ہے۔

مخدوم شیخ محمد الحسینی الجیلانی رح

۷۹۳ھ ـــــــــــ ۸۹۴ھ

آپ اوچ کے رہنے والے اور شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد سے تھے اور بایں طور چھ واسطوں سے آپ کا نسب نامہ شیخ عبدالقادر تک پہنچتا ہے۔ شیخ محمد حسینی بن سید شاہ امیر بن سید علی بن سید مسعود بن سید احمد بن سید صفی الدین بن سید السادات شیخ سیف الدین عبدالوہاب بن شیخ عبدالقادر جیلانی۔

آپ بڑے باعظمت و صاحبِ کرامت اور بارعب بزرگ تھے، ظاہری شان و شوکت کے مالک، منقول و معقول میں ماہر تھے، ظاہری و باطنی نعمتوں کا فیضان آپ کی ذات سے جاری تھا، علاوہ ازیں کسبی اور نسبی فضیلتوں سے نوازے گئے تھے، آپ اصل میں روم کے رہنے والے تھے، روم سے خراسان آئے اور وہاں سے ملتان

کے قصبہ اوچ میں آکر مقیم ہوئے۔

آپ نے ایک دفعہ بغیر ساز و سامان پوری دنیا کا سفر کیا تھا اور دوسری بار ہاتھی، گھوڑے، شاہانہ ٹھاٹ، غیر معمولی نوکر اور متعلقین کے ہمراہ ملتان میں تشریف لائے اس وقت کا بادشاہ بھی آپ کا معتقد ہو کر مرید ہو گیا اور آپ کے نوکروں اور متعلقین کے ساتھ بڑی فراخدلی سے پیش آتا تھا، اس وقت ملتان میں علماء و فضلاء کا قحط تھا اس لئے آپ بہت مشہور ہوئے، آپ کو فن شعر گوئی سے بھی آپکو خاصا رابطہ تھا۔ آپ نے شیخ عبد القادر کی منقبت میں متعدد نظمیں لکھی تھیں، آپ کا ایک دیوان بھی ہے، آپ کا تخلص قادری تھا، آپ بڑے ذوق سے ترجیحات کہتے تھے ان میں سے چند اشعار یہ ہیں۔

ترجیع بند

رندیم و قلندریم و چالاک — مستیم و معربدیم و بیباک
جامیم و صراحیم و بادہ — دُرِّ صدفیم و بحر و خاشاک
والیٔ ولایتِ شش و پنج — حامیٔ بلادِ فہم و ادراک
مجموعۂ رازِ عالمِ دل — منصوبہ کشائے سرِ لولاک
بگذشتہ زخویش بے کدورت — بگذشتہ زعشق جوہر خاک
آئینہ صاف با غل و غش — صافی دل و پاک رائے شکاک
گر صاف شوی و پاک دائم — میگوئی چو قادری تو ناپاک

ما بلبل بوستان قدسیم
شہباز سفید دست انسیم

اس آخری شعر میں حضرت شیخ عبد القادر کی وراثت کی طرف تلمیح اور اشارہ ہے اور یہ اس طرح کہ شہباز سفید، شیخ عبد القادر جیلانی محبوب سبحانی کا لقب ہے، جس کی بعض متقدمین مشائخ آپ کی پیدائش سے پہلے ہی خوشخبری دیدی تھی کہ شیخ عبد القادرؒ کو فرشتے باز اشہب کہتے ہیں اور قصیدہ قطبیہ میں فرماتے ہیں۔

انا بلبل الافراح املاء دوحھا — طربا وفی العلیاء باز اشہب

آپ کا مقبرہ اوچ میں ہے، آپ کے تین بیٹے تھے، ایک کا نام عبدالقادر ثانی اور مخدوم ثانی سے مشہور تھے، دوسرے کا نام سید عبداللہ تھا جو بہت سلیم الطبع اور اپنے زمانہ کے بے مثل شاعر تھے، کہتے ہیں کہ حضرت مولٰنا عبدالرحمٰن جامی" آپ سے شعروں کی اصلاح لیا کرتے تھے، تیسرے کا نام سید مبارک تھا جو بہت بڑے بزرگ تھے، اُن سے ایک بیٹا تھا جسکا نام میر میران تھا وہ لاہور میں رہتے تھے۔

مخدوم شیخ عبدالقادر

۸۶۲ھ ———————— ۹۴۰ھ

آپ شیخ محمد حسنی جیلانی کے فرزند دلپسند اور شیخ عبدالقادر ثانی سے ملقب تھے، بڑے بلند پایہ عالی مقام، صاحبِ کرامات بزرگ تھے اور کمالات کے ان مقامات تک رسائی کر چکے تھے جو عقل کی حدود سے وراء الوریٰ ہیں، بہت سے کفار و فساق آپکی محض صورت ہی دیکھ کر اسلام لائے تھے، آپ شہر اوچ میں شیخ عبدالقادر جیلانی کے حقیقی وارث کی حیثیت سے رہتے تھے، اسی لئے آپ کو عبدالقادر ثانی اور مخدوم ثانی کہا جاتا تھا آپ اپنا ثانی نہ رکھتے تھے اسی لئے اس لقب سے مشہور ہوئے۔

منقول ہے کہ آپ نے جوانی کا زمانہ نہایت ہی تزک و احتشام سے گزارا تھا آپ عیش و نشاط کے اتنے رسیا تھے کہ مزامیر وغیرہ کو اپنے ساتھ اونٹوں پر جہاں جاتے ساتھ لیجایا کرتے تھے لیکن سجادہ نشین ہوجانے کے بعد آپ نے اسباب تغنی اور ایسی مجالس میں جلوس وغیرہ سے توبہ کرلی اور اپنے مریدوں کو بھی قوالی وغیرہ سے بڑی سختی اور شدت سے منع فرمایا کرتے تھے اور اگر اتفاق سے کسی گانے والے یا طبلہ و سارنگی کی آواز آپ کے کان میں پڑجاتی تو اتنا روتے اور خدا کے حضور آہ و بکار کرتے کہ دیکھنے والوں کو یہ یقین ہوجاتا کہ آپ ابھی وفات پاجائیں گے۔

آپ پر جذبہ کی حالت کی ابتدا یوں ہوئی کہ آپ ایک روز اوچ کے کسی جنگل میں شکار کھیل رہے تھے کہ ایک تیتر عجیب و غریب آوازیں نکال رہا تھا چنانچہ اس

جنگل میں ایک فقیر اور درویش بھی گھوم رہا تھا، اس نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ سبحان اللہ ایک روز ایسا بھی آئے گا کہ یہ نوجوان بھی اس تیتر کی طرح آہ و نالہ کیا کریگا، اس فقیر کی یہ بات آپ پر ایسی اثر انداز ہوئی کہ اسی وقت آپ پر وجد طاری ہوگیا اور ماسوی اللہ سے دل نفرت کرنے لگا، بعدہٗ کیفیت یہ تھی کہ روزانہ آپ پر شوق کے آثار، جذبہ و وجد کے اسباب، محبت الہٰی کے انوار موسلا دھار برسنے لگے یہاں تک کہ تمام چیزوں سے دل ہٹ کر خدا کی جانب متوجہ ہوگیا۔

منقول ہے کہ آپ کے والد بزرگوار کے پاس کہیں سے مخمل کے تھان آئے انھوں نے آپ کے پاس یہ کہہ کر بھجوائے کہ ان سے اپنا لباس بنالو، لیکن شیخ نے ان مخمل کے تھانوں کی اپنے شکاری کتوں کی جھولیں سلوالیں، اس کی خبر جب آپکے والد صاحب کو ہوئی تو انھوں نے آپکو بلا کر خوب ڈانٹا، اس کے بعد آپکے والد صاحب کو اسی رات خواب میں حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی زیارت ہوئی اور فرمایا کہ تم اپنے دوسرے بچوں کی دیکھ بھال کرو، عبدالقادر تو ہمارا بیٹا ہے ہم ہی اس کی تربیت کریں گے تم اسے کچھ نہ کہا کرو۔ اس واقعہ کے ساتھ ہی شیخ عبدالقادر ثانی پر جذب و وجد کی فراوانی ہوگئی۔ توبہ کر کے عیش و نشاط و لذات سے دور رہنے لگے، مزامیر باجے طبلہ و سارنگی سب توڑ کر پھینک دیئے اور شکاری جانور چھوڑ دیئے اور سر منڈوا کر سلوک کی راہ لی۔ آپ کے والد بزرگوار جب رحلت فرمانے لگے تو آپ کے سب بھائیوں میں سے آپ ہی کو اپنا جانشین مقرر کیا، آپ کے دوسرے بھائی اس وقت کے بادشاہ کے خاص ملازم تھے اور آپ نے بادشاہ کی ملازمت کو ایک عرصہ پہلے ہی ترک کر دیا تھا آپ کی ترکِ ملازمت پر بادشاہِ وقت اگرچہ آپ پر خفا تھا مگر جب آپکے والد صاحب کا انتقال ہوا تو بادشاہ نے آپکے باپ کے زمانے کے مقرر کردہ وظائف کے علاوہ مزید وظائف میں اضافہ کیا اور اس کی اطلاع کے لئے اپنے ایک خاص آدمی کو آپ کی طرف بھیجا مگر آپ نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ہمیں آپ کے وظائف کی اب ضرورت نہیں اس کے خواستگار اور بہت ہیں اور برسہا برس آپ نے اسی طرح گزار دیئے

اور لوگوں سے جتنی تکالیف اور اذیتیں پہنچتی رہیں سب کو صبر اور خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے۔

منقول ہے کہ بادشاہ وقت نے ایک فرمان بایں مضمون آپکے نام جاری کیا اور اپنی مجلس میں بلانا چاہا کہ اگر آپ ہم کو اپنی تشریف آوری سے نوازیں تو عین سعادت ہوگی اور اس سے پہلے ہماری مجلس میں حاضر ہونے میں جتنی تقصیرات ہوئی ہیں وہ ہم نے سب کی سب معاف کردی ہیں، آپ نے ان کو جواب میں یہ لکھا،

اشعار

ہیچ باب ازیں باب روئے گشتن نیست — ہر آنچہ بر سر ما می رود مبارکباد

ترجمہ (ہم اس دروازے کو چھوڑ کر اور کسی دروازے پر نہیں جا سکتے، اس کے صلہ میں ہمیں جو کچھ برداشت کرنا پڑیگا اُسے خندہ پیشانی سے قبول کریں گے)

کسے کہ خلعت سلطانِ عشق پوشیداست — بحُلہائے بہشتی کجا شود دل شاد

ترجمہ (جس نے عشق کی بادشاہی کا لباس پہن لیا ہو اسکا ان بہترین لباسوں سے دل مسرور نہیں ہوتا)

یہ واقعہ بھی بالکل اسی طرح ہے جیسا کہ سلطان سنجر نے حضرت غوث اعظم کو لکھا تھا کہ اگر آپ ہمارے پاس تشریف لائیں تو سیستان کی حکومت جس کو ملک نیمروز کہتے ہیں آپکی خانقاہ کے لنگر کے لئے وقف کر دی جائے گی تو آپ نے اس کے جواب میں لکھا،

اشعار

چوں چتر سنجری رُخِ بختم سیاہ باد — جز فقر اگر بود ہوس ملک سنجرم

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب — صد ملک نیمروز بیک جو نمی خورم

بعض لوگ اس حکایت کو شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ کی طرف منسوب کرتے ہیں، واللہ اعلم۔

منقول ہے کہ ابتداءً آپ کو ورد و وظائف کا اس حد تک شوق تھا کہ تمام دن عبادت میں مصروف رہتے اور کسی سے کلام نہ کیا کرتے تھے بعدہٗ عشق الٰہی کے

استغراق میں یہ کیفیت تھی کہ فرائض وسنن سے فراغت کے بعد جتنا وقت ملتا اسے مراقبہ میں صرف کرتے، فجر کی نماز سے اشراق تک اور اشراق کے بعد سے چاشت تک اسی طرح ایک نماز سے دوسری نماز تک مراقبہ میں مستغرق رہتے، البتہ جب بہت تھک جاتے تو تھوڑی دیر مسجد کی چٹائی پر آرام کر لیتے، بسا اوقات آپ خود ہی اذان واقامت اور امامت کے فرائض انجام دیا کرتے تھے اور اکثر و بیشتر فجر کی اذان دینے کے بعد گھروں میں جا کر لوگوں کو بیدار کرتے اور فرماتے اٹھو، یہ وقت نیک بختی اور خوشی کا ہے جب لوگ جمع ہو جاتے تو فرماتے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مجھے اسی ساعت میں (یعنی صبح کو) اپنے جمال پُر انوار سے نوازا کرتے ہیں اس لئے چاہتا ہوں کہ تم لوگوں کو بھی یہ فیض نصیب ہو مگر تم لوگ اسوقت اٹھنے میں کوتاہی کرتے ہو۔

منقول ہے کہ ایک دن ایک قوال آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس سے فرمایا کہ توبہ کرو اور رباب دستار کو توڑ کر پھینک دو اور سر کو منڈوا کر درویش بنجاؤ، اس بدنصیب قوال کو تو یہ سعادت نصیب نہ ہوئی البتہ لنگایت کا ایک رئیس اسی مجلس میں بیٹھا تھا آپ کی یہ بات اس کے دل میں اثر کر گئی اور اس نے اپنے تمام گناہوں سے توبہ کی، ابھی وہ گریہ وزاری ہی کر رہا تھا کہ اس کو خدا نے ولایت کے بلند مقام پر فائز کر دیا اور وہ یہ کہنے لگا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ میرا گجراتی بھائی فوت ہو گیا اور اس کا جنازہ جا رہا ہے اور اب لوگوں نے اُسے دفن کر دیا، سو آپ کی یہ معمولی سی برکت تھی کہ آپ کی ادنیٰ توجہ سے ایک نومسلم کو اسی وقت جلی کشف حاصل ہو گیا۔

منقول ہے کہ ملتان میں ایک بار بڑی شدت اور تیزی سے طاعون پھیلا، لوگوں کے تمام کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گئے، اس زمانے میں لوگ وہاں سے گھاس بیجاتے جو آپکے وضو کا پانی پڑنے سے اُگی تھی اور اُسے طاعون کی پھنسی پر لگاتے اور اللہ کے حکم سے صحت یاب ہو جاتے تھے۔

منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے میرے ہاتھ میں ایسی تاثیر رکھی ہے کہ میں جس بیمار پر ہاتھ پھیر دوں خدا اس کو شفا اور تندرستی عطا فرما دیتے ہیں اور

صرف اس وجہ سے ہے کہ مجھے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت ہے کیونکہ آپ کے زمانے کے اکثر لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کرتے تھے اور مردہ دلوں کو زندہ کرتے تھے، آپکی کرامات میں سے ایک عجیب کرامت یہ ہے کہ اوچ میں ایک دفعہ اس قسم کی وبا پھیلی کہ لوگوں کی پسلیوں میں درد ہوتا اور کسی علاج سے فائدہ نہ ہوتا اور اس درد کی وجہ سے لوگ برابر مر رہے تھے اسی دوران میں غیاث الدین لنگاہ جو بڑے صالح اور متقی بزرگ تھے اور آپ کی خدمتگذاری میں ہمیشہ لگے رہتے تھے اُن کو نبی علیہ السلام نے ایک ذراع کے مقدار لمبے بانس کی لاٹھی دی اور فرمایا کہ اس کو لیجا کر ہمارے بیٹے عبدالقادر ثانی کو دیدو اور اسے کہدو کہ اس پر دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر جس مریض کو لگا دوگے وہ بحکم الٰہی فوراً تندرست ہو جایا کریگا اور اسی رات آپ کو بھی خواب میں نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم نے غیاث الدین کو ایک امانت دی ہے وہ لیلو اور استعمال میں لاؤ، کہتے ہیں کہ اس بانس کے ٹکڑے سے وہ وہ کرامات ظاہر ہوئی جن کو لکھا نہیں جا سکتا اور اس بانس کے ٹکڑے کے متعلق ملتان میں اب تک قصے مشہور ہیں۔

آپ کی والدہ سادات میں سے تھیں اور لڑکی تھیں شیخ ابو الفتح کی جو سید صفی الدین گازرونی کی اولاد میں سے اور شیخ ابو اسحاق کے بھانجے تھے۔

اُچہ کی تعمیر بھی سید صفی الدین نے شروع کی تھی، کہتے ہیں کہ سید صفی الدین گازرونی کو ان کے ماموں شیخ ابو اسحاق نے خرقۂ خلافت پہنا کر ایک اونٹ پر سوار کیا اور فرمایا کہ جدھر یہ اونٹ جائے تم خوشی سے ادھر ہی چلتے رہو، جہاں جا کر یہ بیٹھ جائے اسی جگہ کو اپنا وطن بنا لینا، چنانچہ اونٹ اُچہ کی سرزمین میں آکر بیٹھ گیا، آپ نے اسکو اُٹھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ اُٹھا تو آپ نے اپنے شیخ کے حکم کے مطابق اسی جگہ کو اپنی جائے سکونت بنایا جسے اس زمانے میں اُچہ کہتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ اُچہ کے خطّہ اور جنگل میں وہ کیفیت وحالت ہے جو کسی جگہ نصیب نہیں اور یہی وہ سرزمین ہے جو وادیٔ فراق و دیوانگی کی راہ دکھائی ہے

اس وقت یہ آبادی پہلے زمانہ کی آبادی کی طرح نہیں ہے ہاں بزرگانِ ملت کے مقابر موجود ہیں، اب اس کی بہت معمولی آبادی ہے، اسوقت بھی اس جگہ پہنچ کر ایسا وجد و کیف طاری ہو جاتا ہے جو دائرۂ تحریر سے باہر ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے تو اس مقام پر اور بھی زیادہ کیفیات طاری ہوتی ہونگی، یہ شیخ ابوالفتح آپ کی والدہ کے دادا تھے بہت بلند مرتبت بزرگ تھے، جنّات کی تسخیر میں مہارت رکھتے تھے۔

شیخ عبدالقادر ثانی نے (۷۸) برس کی عمر پائی اور ۱۸ ربیع الاوّل ۹۴۰ھ میں انتقال فرمایا، آپ کا مزار اُچہ میں مرجع خاص و عام ہے جس کی زیارت کرکے لوگ برکت حاصل کرتے ہیں نیز آپ کے دو بیٹے بھی تھے جو بہت بڑے ولی اللہ تھے۔

شیخ عبدالرزاقؒ

۸۳۵ھ ——— ۹۴۲ھ

آپ بڑی فضیلت و منقبت کے حامل اور ہمت عالی اور شان بلند تر کے مالک تھے شیخ عبدالقادر ثانی کے فرزند دلبند تھے، جب ان کے والد صاحب کا انتقال ہوا تو آپ موجود نہ تھے کسی وجہ سے جانبِ ناگور گئے ہوئے تھے، وہیں قیام کے دَوران آپ نے ایک دن کہا کہ مجھے میرے والد صاحب بلا رہے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص بات ہے لیکن ناگور سے روانگی کے وقت آپکو بعض اعذار کی بناء پر تاخیر ہو گئی اس لئے اپنے والد صاحب کے سانحہ پر بروقت نہ پہنچ سکے بلکہ کئی دن بعد پہنچے اور والد محترم کی وصیت کے مطابق خرقہ خلافت پہن کر شیخ مجاز کی طرح والد کے جانشین مقرر ہوئے، آپ نے ۵ رجادی الثانی ۹۴۲ھ میں وفات پائی۔

سیّد زین العابدینؒ

۸۴۲ھ ——— ۹۹۴ھ

آپ شیخ عبدالقادر ثانیؒ کے دوسرے بیٹے تھے، جو اپنے والد کی زندگی ہی میں عالمِ جاودانی کی طرف کوچ کر گئے، آپ کی والدہ صالحات اور قانتات میں سے تھیں، آپکے ایک صاحبزادہ میر سید محمد تھے جو آپ کی وفات کے بعد اپنے دادا کی زیر تربیت رہ کر دادا کے منظورِ نظر رہے، شاہ اللہ بخش اور انکے دوسرے بھائی جو لاہور میں رہتے تھے یہ میر سید محمد کے بیٹے اور سید زین العابدین کے پوتے تھے، شاہ اللہ بخش اخلاق حمیدہ

اور پاکیزہ اوصاف کے حامل تھے، سنہ ۹۹۴ھ میں انتقال فرما گئے۔

مخدوم شیخ حامدؒ

۸۸۵ھ ———— ۹۷۸ھ

آپ شیخ عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر ثانی کے بیٹے تھے، شیخ عبدالقادر جیلانی کے سجادہ نشین اور خلیفہ تھے، بڑے بلند پایہ بزرگ تھے، ہر قسم کا دنیادی مال و متاع آپ کے پاس موجود تھا لیکن کبھی اتنی دولت اپنے پاس نہ رکھی کہ نصاب تک پہنچتی اور آپ پر زکوۃ واجب ہوتی، جو کچھ آتا غرباء کو تقسیم کر دیتے۔

آپ اپنے دادا شیخ عبدالقادر ثانی کے مرید اور بڑے مقبول بزرگ تھے، آپکے زمانہ ہی میں آپ کی بزرگی اور مشیخت کا چرچا ہوا اور خلافت کی وجہ سے اس سلسلۂ عالیہ کو ترقی ہوئی، جس نے آپکی مخالفت کی وہ کبھی کامیاب نہ ہو سکا اور وہ اپنی زندگی ہی میں پشیمان اور شرمندہ ہوا، آپ نے عین حیات ہی میں اپنے بیٹے شیخ موسیٰ کو سجادہ نشین مقرر کر دیا تھا اور ساتھ ہی اشغال باطنیہ کی تلقین کی اور لوازمات و متابعات (سلوک) آپ کو دئے۔ علاوہ ازیں بوجہ محبت و رضا کے جو حضرت مخدوم ثانیؒ کو آپ کے ساتھ تھی اور قابلیت و استحقاق کا جوہر آپکی ذات شریف میں ملاحظہ فرما کر سلسلۂ قادریہ کی دولت آپ کے حوالہ کی۔ اور پھر تھوڑے دنوں بعد ۱۹ ذی الحجہ سنہ ۹۷۸ھ میں جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔

شیخ موسیٰ کے اندر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وراثت کے طور پر تھے یہ اپنے ہی زمانہ ہی میں سلسلۂ قادریہ کے سجادہ نشین تھے ان کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح سے نسبت باطنی کے علاوہ بھی ایک نسبت تھی جو خاص لوگوں کو ہوا کرتی ہے آپ نے اپنے دادا شیخ عبدالقادر ثانی سے کشف قبور کے طور پر ملاقات کی اور انکی بیعت کا شرف بھی حاصل کیا، آپ علم، بردباری، شجاعت اور سخاوت میں حضرت علی رض کے وارث تھے، حُسنِ صورت و سیرت میں ائمہ اثنی عشر کی مانند تھے، اور اس

حدیث کے مصداق تھے۔

کانت فی عیق موسیٰ ملاحتہ من راہ احبہ | موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں میں ایسی تاثیر تھی کہ جو اُن کو دیکھ لیتا ان سے محبت کرتا۔ اور آپ کی سیرت اس آیت کا مصداق تھی۔

انک لعلیٰ خلق عظیم | آپ بہت خلیق ہیں۔

اللہ تعالیٰ منور کرے جہان کو انکے جمال کے نور سے جب تک کہ لوگ اللھم صل علی محمد و آلہ اجمعین کہتے رہیں۔

شیخ داؤدؒ

۸۹۹ھ ——— ۹۸۲ھ

آپ شیخ حامد الحسنی الجیلانی کے مرید اور خلیفہ تھے، صاحب الحال والکشف بزرگ تھے، آپ نے سلوک میں بے انتہا مجاہدے اور ریاضتیں کی تھیں اور غیب سے متعدد اشارات و مبشرات بھی سُنے، آپ کے سلوک میں آنے کا واقعہ یہ ہے کہ تعلیم کے دوران ہی اللہ نے ریاضت و مجاہدے کی توفیق دی اور اسکا راستہ دکھایا، نفس و خواہشات کیخلاف آپ نے اس ضبط و تحمل سے کام لیا کہ اس کو تحریر یا تقریر میں لانا کسی کے بس میں نہیں کبھی تو ایسا ہوتا کہ شام ہوتے ہی کھڑے ہوتے تو کھڑے کھڑے ہی صبح کر دیتے اور رکوع تک بھی نہ کرتے اور کبھی تمام رات رکوع قعدہ یا سجدہ ہی میں گزار دیتے اسی طرح برسہا برس تک آپنے صحراؤں اور جنگلوں میں عبادت کی اور اتنی عبادت کی کہ دل کی تمام خواہشات ختم ہوگئیں اور دنیاوی علائق سے بے نیاز ہو گئے، فیض باطن کے ذریعہ تفرقہ بازی اور تشویش کے جھنبیلوں سے نکل کر آرام و راحت کی زندگی گزارنے لگے، اس کے بعد توبہ اور بیعت کی سنت کو قائم کرنے کے لئے جو مشائخ کا طریق ہے خدا کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوئے، علاوہ ازیں سلسلۂ قادریہ میں منسلک ہونیکی غیبی بشارت بھی آپ کو مل چکی تھی، پھر آپ نے خدا سے دعا کی کہ اے اللہ! میں کس کو اپنا شیخ بناؤں تو غیبی اشارہ ہوا کہ شیخ حامد سے تعلق قائم کرو، چنانچہ آپ شیخ حامد کیخدمت

حاضر ہو کر بیعت ہوئے اور اس کے بعد انہی کے خلیفہ ہوئے۔
منقول ہے کہ آپ مجلس میں اس طرح پریشانی کے عالم میں بیٹھتے کہ گویا آپ کی کوئی چیز گم ہوگئی ہے یا محبوب کی راہ دیکھ رہے ہیں پھر یکایک ذوق کی حالت طاری ہوتی اور حقائق و معارف بیان کرنے لگتے اور فرماتے کہ عراق کیجانب سے میرے دل کو ہوا لگتی ہے جس کے ساتھ اللہ کی خوشبو ہوتی ہے، اکثر و بیشتر آپ بغداد کیطرف دیکھتے رہتے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو حضرت غوثِ اعظم رض سے نسبت معنوی تھی۔
شیخ قطبِ عالم فرمایا کرتے تھے کہ جب میں آپ کے پاس گیا تو آپکو جذبۂ عشق اور غلبۂ حق کی حالت میں بھی وعظ و نصیحت کرتے پایا، ایک بار میرے دل میں خیال آیا کہ آپ طریقۂ مہدویہ کے پیروکار ہیں، اس کے بعد آپ نے فوراً سر کو اٹھا کر فرمایا کہ فرقہ مہدویہ ایک گمراہ فرقہ ہے اور ان کے سلسلہ کو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی نسبت حاصل نہیں، اس کے بعد فرمایا کہ ذکر کا ادنیٰ درجہ سماعِ نفس ہے، آپ کے روحانی جانشین اس وقت شیخ ابوالمعالی ہیں جو عالی منصب رکھنے کے باوجود مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول رہتے ہیں، کافی شہرت کے مالک ہیں تندرست و توانا ہیں اور حُسنِ مقال کی صفت سے موصوف ہیں، غوثِ اعظم رض کی مدح میں فارسی زبان میں بہترین اسلوب سے اشعار بھی کہتے ہیں مجھ مؤلف اخبار الاخیار کو ان سے ملاقات کرنے کا بڑا شوق ہے، انشاء اللہ یہ تمنا بھی پوری ہوگی۔ حضرت شیخ داؤد نے ۹۸۲ھ میں وفات پائی اور ان کی تاریخ وفات کو "مشتاق منان" متضمن ہے، آپ کا مزار علاقہ پنجاب قصبہ شیر گڑھ میں ہے جو مرجع خاص و عام ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں آپ اپنی زندگی میں رہا کرتے تھے، اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

میر سیّد اسماعیل رح

۸۰۹ھ — ۹۹۲ھ

آپ سید ابدال کے بیٹے تھے جن کا سلسلہ شیخ عبدالقادر جیلانی رض کے بیٹے سید عبدالرزاق تک پہنچتا ہے، آپ ہی وہ بزرگ ہیں جنھوں نے ہندوستان میں سید عبدالقادر کے سلسلہ کو جاری کیا، شیخ محمد حسن، شیخ امان اللہ اور اسی طرح

دوسرے درویش آپکے فیض یافتہ اور معتقد تھے، آپ کی وفات سنہ ۹۰۶ھ میں ہوئی، آپ کا مزار رنتھور میں ہے جہاں آپ کسی تقریب کے سلسلہ میں تشریف لے گئے تھے، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شاہ قمیص رح

۸۹۷ھ ——————— ۹۹۲ھ

آپ سید ابی الحیٰوۃ کے صاحبزادے تھے، آپ کا سلسلہ بھی سید عبدالرزاق تک منتہی ہوتا ہے، بنگال سے فقر و تجرد کے لباس میں ہندوستان کے قصبہ سالورہ خضر آباد آکر مقیم ہوئے، یہاں شاہ نصر اللہ کی بیٹی سے شادی کی، شادی ہی کی وجہ سے آپ نے سالورہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی، سالورہ اور اس کے گرد و نواح کے اکثر لوگ آپ کے عقیدتمندی کے ساتھ مرید ہوئے، اکثر درویش جو آپکی صحبت میں رہے اور اپنے کو آپ ہی کے سلسلہ کیطرف منسوب کرتے ہیں۔ ان درویشوں میں سے شاہ عبدالرزاق جو شیخ بہلول کے نام سے مشہور تھے وہ بھی آپ ہی کے مرید اور خلیفہ تھے، یہ شیخ بہلول علم شریعت اور طریقت میں کامل ولی تھے، جوانی ہی میں عبادت اور نیک کاموں کی طرف مائل تھے اپنی سعادت مندی کی وجہ سے جب علومِ ظاہری سے فارغ ہوئے اور اخلاق حمیدہ کے لباس سے مزین ہوگئے تو اس کے بعد حق گوئی میں ان جیسا اور کوئی درویش نہ تھا، یہ لوگوں میں سلوک کی تلقین اس طرح کرتے تھے کہ لوگو! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع میں ثابت قدم رہو، واقعہ یہ ہے کہ ایسا بلند کردار شخص کمیاب ہوتا ہے۔

شاہ قمیص رح نے بنگال میں وفات پائی کیونکہ بادشاہ وقت نے آپکو اپنے ایک ضروری کام سے بنگال بھیجا تھا، وہاں سے ۳۔ ذی قعدہ سنہ ۹۹۲ھ کو سالورہ میں لاکر آپ کی میت سپرد خاک کی گئی۔

اس عظیم الشان خاندان کا سلسلہ ہندوستان میں ویسے ہی مشہور ہے جس طرح

ہم نے بیان کیا اور سید شاہ محمد فیروز آبادی نے بھی اسی سلسلہ کی طرف نسبت کا دعویٰ کیا ہے، شاہ محمد فیروز آبادی کے متعلق ہندوستان میں ایک عجیب وغریب واقعہ مشہور ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ دکن کے علاقہ سے دہلی آئے اور خود کو حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؓ کے سلسلہ کی آخری کڑی کہنے کی دھوم مچائی، چونکہ طور طریقے، ورد و وظائف شکل وصورت، مشغولیت عبادت وغیرہ اوصاف حمیدہ اور افعال محمودہ آپکے اندر موجود تھے اس لئے دہلی والے آپ کے بڑے جلدی معتقد ہو گئے، یہ اُس وقت کی بات ہے جبکہ سلطان ابراہیم کو ظہیر الدین بابر کیجانب سے حملہ کا خطرہ لاحق تھا، سلطان ابراہیم کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے فقیروں اور درویشوں سے دعائیں کرایا کرتا تھا لیکن قضا وقدر کے آگے کسی کی پیش نہیں جاتی، اس لئے ابراہیم کا مقصد حاصل نہ ہوا اور سلطان ظہیر الدین بابر کو فتح ہوئی، اس کے دَورِ حکومت میں بھی سید شاہ محمد ایک عرصہ تک فیروز آباد کے قلعہ میں مقیم رہے، نیز سلطان نصیر الدین کے زمانے میں بھی آپ کی بڑی قدر ومنزلت تھی، البتہ اسلام شاہ ابن شیر شاہ لودھی کے زمانے میں آپ کی بزرگی کو چار چاند لگ گئے تھے اور وہ آپ کا اتنا معتقد ہوا کہ جس کی کوئی انتہا نہ تھی، بادشاہ کو آپ کا معتقد دیکھ کر دیگر ارکانِ دولت اور عوام بھی جوق درجوق آپکے مرید ہو گئے علاوہ ازیں بعض درویش بھی آپ سے بیعت کر کے خلافت کے مستحق ہوئے، خلاصہ یہ کہ اس دَور میں آپ کی مشیخت کی طوطی بولتی تھی۔

اسی زمانے میں دو بزرگ سید زادے باہر سے دہلی آئے، ایک کا نام میر شمس الدین محمد تھا جو بڑے ذی علم، فلسفی، ہرفن مولا اور علم طب میں بے مثل تھے انھوں نے اپنی تمام زندگی تجرد میں بسر کی، اور پوری دنیا کا سفر کیا تھا، وہ چند کتابیں اور دو تین خدمتگار بھی اپنے ہمراہ رکھتے تھے، بڑے باہمت تھے ایک عرصہ تک کابل میں بھی رہے نصیر الدین ہمایوں کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔

دوسرے بزرگ کا نام سید ابو طالب تھا، خوبصورت اور نوجوان تھے زمانے کے حوادث کی وجہ سے اپنے وطن بغداد سے نکلے تھے، بعض سفر میں میر شمس الدین محمد اور

ان کا اکٹھا سفر کرنے کا اتفاق بھی ہوا تھا، چونکہ ان دونوں میں اسلامی اخوت اور محبت پیدا ہو گئی اسلئے دونوں نے ہندوستان آنیکا ارادہ کر لیا اور اس سفر میں دونوں شریک ہو گئے۔

سید محمد شاہ فیروزآبادی نے جب ان دو بزرگوں کی آمد کی خبر پائی تو انکو اپنی جانب مائل کرنے کی کوشش کرتے رہے، آپ کی کئی لڑکیاں تھیں ان کی شادی کی یہاں کوئی صورت نظر نہ آتی تھی، ان دونوں بزرگوں کے آنے سے قبل بھی آپ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ ہم عربی النسل ہیں اور عرب ہی میں ہمارے عزیز و اقارب موجود ہیں جو شریف اور نجیب لوگ ہیں اگر وہ یہاں آجائیں تو میری لڑکیوں کی شادیاں ان سے ہو جائیں اور یہ دونوں بزرگ چونکہ نو وارد تھے اور اس علاقہ میں بے یار و مددگار بھی تھے ان کو آپ نے اپنا مہمان بنالیا، ان کی خاطر تواضع میں آپنے کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی، کئی روز گزرنے کے بعد آپ نے سید ابو طالب کو اپنی لڑکی سے شادی کا پیغام بھجوایا، ابو طالب نے جواب دیا کہ میں مسافر ہوں اب تک تجرد کی زندگی بسر کرتا رہا اور اب بھی یہی خواہش ہے، شادی کے معاملے میں مجھے معذور سمجھا جائے، اتفاق ایسا ہوا کہ اچانک ان دونوں بزرگوں کو کسی نے آپ کے گھر ہی میں قتل کر دیا، لوگوں میں ان کے اچانک قتل ہو جانے پر ایک شور مچ گیا اور لوگ نہایت ہی افسردہ تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کربلا کا منظر سامنے ہے ان دونوں بزرگوں کے جنازے سیاہ جھنڈیوں کے ساتھ اُٹھائے گئے اور لوگوں میں ایک کہرام برپا تھا۔ بچے، بوڑھے، مرد، عورتیں سب ہی رو رہے تھے اور دیوانوں کی مانند نوحہ اور غم کر رہے تھے ان کے قضیہ کو ان اشعار میں بیان کیا گیا ہے۔

اشعار

بازاے فلک زبہرِ خدا ایں چہ ماجرا است
بازایں چہ ظلم ایں چہ حسین ایں چہ کربلا ست

بازایں چہ کوفہ ایں چہ فراق است اینچہ وقت
عاشور نیست ورنہ قضیہ بعینہا است

این زہر باز حسن و مجتبے کہ داد! | این تیغ باز بر سر شیر خدا کراست
باز این چہ ہجر این چہ فراق این چہ محنت است | باز این چہ درد این چہ الم این چہ ابتلاست
باز این چہ غصہ در جگر انس وجان نشست | باز این چہ فتنہ در سر کون ومکاں بخاست
باز این باہل بیت نبوت کہ ظلم کرد | باز این بخاندان پیمبر ستم کہ خواست
آن ریش کہنہ را دگر از سر کہ تازہ کرد | واین داغ خشک را دگر از بر کہ پوست کاست
اے وائے بر محبتِ دُنیا وکارِ اُو! | زنہار دل مبند برین کار وبار اُو

غرضکہ ان دونوں بزرگوں کو مدینہ منورہ میں نبی علیہ السلام کے روضہ کے حرم میں دفن کر دیا گیا، ابھی تک ان دونوں بزرگوں کے مزار موجود اور زیارت گاہ مخلوق ہیں، اور یہ واقعہ ۹۹۵ھ میں معرضِ وجود میں آیا۔ اس جانکاہ واقعہ کو لوگوں نے شاہ محمد کی طرف منسوب کیا اسی وجہ سے شہر کے تمام لوگوں نے آپ سے بدظن ہوکر بیعت توڑ دی اور جو ارادتمند تھے وہ تکبیر کرنے لگے، جو دوست تھے دشمن ہو گئے، جو قریب تھے انھوں نے دُوری اختیار کرلی، چنانچہ اس واقعہ کی تحقیق کے لئے تاج خاں اور شیخ فرید جو صوبہ دہلی کے دس ہزاری رئیس تھے شیخ شاہ محمد کے گھر آئے اور آپ سے پوچھا تو آپ نے قتل سے انکار کیا اور فرمایا کہ ایسا ذلیل کام میں ہرگز نہیں کر سکتا بلکہ مجھے اس قتل کی اطلاع تک نہیں ہے اور نہ اسکا کوئی اب تک پتہ چل سکا ہے البتہ اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ چور ہمارے گھر میں آئے اور انھوں نے ان دونوں بزرگوں کو قتل کر دیا۔

شیر شاہ لودھی جو اس وقت کا بادشاہ تھا اس نے یہ قضیہ علماء کے سپرد کیا اور کہا کہ اسکا فیصلہ شریعت کے حکم کے مطابق کیا جائے، چنانچہ لاہور، دہلی، جونپور وغیرہ کے بڑے بڑے تمام علماء جمع ہوئے اور شاہ محمد کو بلاکر دریافت کیا، آپ نے قتل سے انکار کر دیا۔ اور بھرے مجمع میں کہا کہ آپ لوگوں کو جو کچھ کرنا ہے کیجئے لیکن میں مظلوم بے گناہ اس واقعہ سے بالکل بے خبر ہوں۔ مظلومی، بے عزتی اہل بیت کا ایک قدیمی شعار ہے جو ہمکو وراثت میں ملا ہے۔ آپ لوگ مجھ پر جو ظلم وستم کریں گے میں اس پر صبر کروں گا تمام علماء نے آپ کے اس مقدمہ میں بے انتہا تحقیق وتفتیش کی مگر کوئی ایسا شرعی

ثبوت نہ مل سکا کہ جس کی بنا پر آپکے قتل کا فتویٰ دیتے اور مقدمہ کی کارروائی کے دوران آپ جیل خانہ میں ہر قسم کی تکالیف کو برداشت کرتے رہے۔

منقول ہے کہ شیخ امان پانی پتی کو علماء کے اس بورڈ میں متعدد بار دعوت دی گئی مگر انھوں نے ہر بار شرکت سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ کسی معاملہ میں اگر اہلِ بیت کی توہین کیجارہی ہو اور اسمیں امان بھی شریک ہو تو اسکا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کچھ نہ ہوگا حالانکہ میری تمنا تو یہ ہے کہ میں آخرت میں خدا کے حضور باعزت طریقے سے پیش ہوں، اس لئے شرکت سے معذور ہوں، ان دونوں بزرگوں کے قتل ہو جانے پر مجھے صدمہ ہے مگر اس کے عوض میں ایک دوسرے سید کی توہین اور قتل اس سے بھی زیادہ مذموم ہے، ان دونوں سیدوں کے قتل کی خبر سنکر میرا دل پارہ پارہ ہوگیا ہے اگر تیسرا خون بھی ہوگیا تو میرا وجود ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، سید شاہ محمد سے تو یہ فعل ہرگز سرزد نہیں ہو سکتا، ایسی افعال کا ارتکاب تو ایک چھپی ہوئی مخلوق کرتی ہے، چنانچہ سید شاہ محمد جیلخانہ کے اندر ہی وفات پاگئے، ان کی نعش کو پاؤں میں رسیاں باندھ کر لوگوں نے بازار میں گھسیٹا اور پھر دہلی کے قلعہ کے باہر دفن کر دیا۔

منقول ہے کہ آپ کے پاس کچھ مہمان آئے ہوئے تھے جو کھانا کھا رہے تھے ان میں سے کسی نے جمی ہوئی دہی کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے فوراً ہی دہی کا کونڈا اٹھا کر ان کے سامنے لاکر رکھدیا، ابھی یہ لوگ کھانا کھا رہے تھے کہ ایک عورت روتی ہوئی آئی اور کہنے لگی کہ ابھی ایک سیاہ فام ننگا لڑکا میرا دہی کا جما ہوا کونڈا اٹھا کر آپ کے گھر لایا ہے چنانچہ آپ نے اس عورت کو کچھ دے کر واپس کر دیا۔

کہتے ہیں کہ شاہ محمد کے قبضہ میں جن تھے اور یہ واقعہ اسی کی ایک کڑی ہے اس کے بعد اکثر لوگ آپ کی عقیدت اور محبت سے برگشتہ ہو گئے، شیخ محمد عاشق جو سنبھل کے رہنے والے تھے وہ آپ کے مرید اور خلیفہ تھے، یہ بڑے صاحبِ حال اور صاحبِ ذوق بلند ہمت بزرگ تھے اور سخت مجاہدہ اور ریاضت کیا کرتے تھے، شیخ حسن سرمست جو ہر کانو میں رہتے تھے یہ بھی آپ ہی کے مرید تھے۔

مولٰنا سمار الدینؒ

۸۴۹ھ ـــــــــــ ۹۰۱ھ

آپ ظاہری اور معنوی علوم کے ماہر تھے، متقی اور پرہیز گار تھے، دنیا کی قطعاً خواہش نہ رکھتے تھے، صرف ضروریات کی حد تک دنیا کی چیزوں کو استعمال کرتے تھے، آپ مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاریؒ کے پوتے شیخ کبیرؒ کے مرید تھے، کہتے ہیں کہ میر سید شریف جُرجانی کے تلمیذ مولانا سنار الدین نے آپ سے علوم کی تحصیل کی تھی ملتان کی خانہ جنگیوں اور خلفشاریوں کیوجہ سے ملتان سے سکونت ترک کر کے کچھ عرصہ رنتھور اور بیانہ وغیرہ میں رہے اور اس کے بعد دہلی میں سکونت پذیر ہو گئے چونکہ عمر بہت زیادہ ہو چکی تھی اس لئے آخری عمر میں آنکھوں کی بینائی ختم ہو گئی تھی لیکن اللہ نے اپنے فضل و کرم سے بغیر کسی علاج کے دوبارہ بینائی عطا کر دی تھی۔

منقول ہے کہ آپ اپنے گھر کے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی تمام مخلوق پر سب سے زیادہ مہربانی یہ ہے کہ مخلوق کو سمار الدین کی آنکھوں میں راہ دیدی ہے، آپ نے شیخ فخر الدین کی مشہور کتاب لمعات کا حاشیہ لکھا ہے۔ جو اس کے معانی کی تشریح و توضیح کے لئے بہت کافی ہے آپ کا ایک اور رسالہ بنام مفتاح الاسرار بھی ہے جس کی اکثر عبارتیں پوری کی پوری شیخ عزیز نسفی کے رسالوں سے نقل کی گئی ہیں، آپ نے ۱۷ جمادی الاول سنہ ۹۰۱ھ میں وفات پائی، آپ کا مقبرہ دہلی میں شمسی حوض پر ہے جہاں آپ کی اولاد کی قبریں لائنوں اور صفوں میں موجود ہیں۔

منقول ہے کہ آپ نے شیخ عزیز نسفی کے مکتوبات میں سے ایک مکتوب کو مفتاح الاسرار میں اس طرح نقل کیا ہے کہ انسان کے انتہائی معنی میں اہل شریعت اہلِ حکمت اور اہلِ وحدت کا اختلاف ہے، اہل شریعت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم بنانے سے کئی ہزار برس پہلے روح کو پیدا کیا اور ہر ایک کے لئے ایک مقام

مقرر کر دیا جہاں وہ روح لوٹ کر واپس آئے گی اور رہے گی جیسا کہ ارشاد ہے مامنا الا لہ مقام معلوم یعنی روح جب اپنے مقام ایمان سے جدا ہوتی ہے تو پھر لوٹ کر آسمان اول پر آتی ہے اور روح جبکہ مقام عبادت سے جُدائی اختیار کرتی ہے تو وہ دوسرے آسمان کی طرف لوٹتی ہے، اور روح اگر مقام زہد و تقوی سے جدا ہوتی ہے تو تیسرے آسمان پر آجاتی ہے اور جو روح مقام معرفت سے جدا ہوتی ہے تو وہ چوتھے آسمان پر رونق افروز ہو جاتی ہے، اور جو روح ولایت کے مقام سے الگ ہوتی ہے تو وہ پانچویں آسمان کیطرف چلی جاتی ہے، اور جو روح مقام نبوت سے ہٹ جاتی ہے تو وہ چھٹے آسمان پر جلوہ فگن ہوتی ہے اور جو روح مقام رسالت سے الگ ہوتی ہے وہ ساتویں آسمان کیطرف گھوم جاتی ہے اور جو روح مقام اولوالعزمی سے جدا ہوتی ہے تو وہ مقام کرسی کیجانب چلی جاتی ہے اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح کہ جس نے مقام ختم نبوت سے جُدائی اختیار کی ہے وہ عرش کی طرف پرواز کر گئی ہے اور روح جس مقام سے اُتری ہے وہیں چڑھ جاتی ہے اور اپنا دائرہ پورا کر لیتی ہے اور یہ کیفیت نو بار واقع ہوتی ہے، لیکن جو شخص ایمان کے مقام تک رسائی نہیں کر پاتا اُس کی روح کی پرواز کسی صورت میں بھی آسمان کی طرف نہیں ہوتی کیونکہ یہ مقامات و درجات نہ کسبی ہیں نہ خلقی اور اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق میں کوئی تبدل و تغیر نہیں کرتا، صحیح اور حق راستہ یہ ہے کہ اگر ان مراتب میں سے کوئی مرتبہ اور درجہ بھی کسبی ہوتا تو ممکن تھا کہ کوئی نہ کوئی آج تک اپنے کسب سے اپنے سے اونچے مرتبے تک پہنچ جاتا اور اسی طرح کوئی نہ کوئی مسلمان اپنے کسب و عمل کے ذریعہ مقام نبوت تک بھی رسائی حاصل کر لیتا، حالانکہ کوئی مسلمان آج تک مقام نبوت و رسالت تک نہیں پہنچ سکا۔

اس گروہ کے نزدیک سلوک سے مراد یہ ہے کہ مرنے سے پہلے اپنے مقام بازگشت کا معائنہ کر لیا جائے اور علم یقینی کے بجائے علم مشاہدی حاصل کرے۔ اور انبیاء کی معراج دو قسم کی ہے، ایک معراج روحانی بلا جسد اور دوسری معراج جسمانی

مع الروح ، اور اولیائے کرام کو صرف ایک ہی قسم کی معراج ہوتی ہے اور وہ معراج روحانی ہے ۔

اہلِ حکمت کہتے ہیں کہ اجسام سے پہلے چونکہ ارواح موجود نہ تھیں اسلئے ان کو اپنا مقام بھی معلوم نہیں اسی لئے دنیا میں آکر وہ اپنا مقام پیدا کرتی ہیں اجسام سے پہلے بالفعل روح کا موجود ہونا محال اور ناممکنات میں سے ہے کیونکہ روح اگر بالفعل موجود مانی جائے تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ، ایک تو یہ کہ ان میں باہمی طور پر فرق ہوگا ، دوم ان میں باہمی فرق مراتب نہیں ہوگا ، اگر ان میں کوئی فرق نہیں تو تمام ملکر ایک ہی ہوگی اور یہ ناممکن ہے اور اگر ان میں باہمی افتراق تسلیم کر لیا جائے تو وہ چیزیں جن میں مغائرت ہوتی وہ ایک دوسری کی عین نہیں ہوا کرتیں ، اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ روح مرکب ہے حالانکہ تمام کے نزدیک یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ روح مرکب نہیں پس ثابت ہوا کہ ہر ایک کی روح اس کے جسم کے ساتھ موجود ہے اور جسم سے الگ ہو جانے کے بعد روح باقی رہتی ہے اگر جسم کمال حاصل کر چکا ہے تو روح کی پرواز عالم علوی کی جانب ہوگی مع عقل و نفس کے اور عقل و نفس ہمیشہ پاک ہوتے ہیں اور کسب و علم نور کے اقتباس میں مصروف رہتے ہیں اور طہارت حاصل کرتے رہتے ہیں سو جس شخص کو عقل و نفس پاکیزہ میسر ہو جائے تو وہ اگر اپنے جسم سے جدائی اختیار کرے تو اس کی عقل اور پاکیزہ نفس اس کو عالم علوی کی طرف کھینچ لے ، حالانکہ ایسا بھی کوئی واقعہ آجتک ظہور میں نہیں آیا ۔

شفاعت کے معنیٰ یہ ہیں کہ جس آدمی کے اندر جیسی نسبت ہوگی تو اسکی پرواز بھی اسی نسبت کے مقام کی طرف ہوگی یعنی کسی نے اگر اپنے اندر قمر کی نسبت پیدا کرلی تو وہ اس سے فیضیاب ہو سکتا ہے اور جب اس طہارت تامہ کے ہوتے ہوئے اس کی روح اس سے جدا ہوتی ہے تو اسکا نفس اس کو قمر تک پہنچا دیتا ہے اور اگر کسی نے اس حال میں مفارقت نہ کی اور حالانکہ اس نے علم و طہارت میں کمال

حاصل کر لیا تھا یعنی اس کو فلک الافلاک سے نسبت ہوگئی تھی تو وہ فلک الافلاک سے فیوض حاصل کرتا ہے جب اس حالت میں مفارقت کرتا ہے تو اسکا نفس فلک الافلاک کی طرف لوٹ آتا ہے جب آپ نے اول و آخر کو سمجھ لیا تو باقی کو اسی پر قیاس کر لے۔

کہتے ہیں کہ جو کوئی ریاضات اور مجاہدات اقتباس انوار و علوم کے ذریعہ اپنے نفس کو فلک الافلاک تک پہنچا دیتا ہے تو اس کی روح کی پرواز فلک الافلاک کی طرف ہوگی اور جو شخص ریاضت و مجاہدہ، اقتباس انوار و علوم نہ کرے تو وہ فلک قمر کے نیچے جہاں دوزخ ہے پڑا رہے گا اور عالم علوی جہاں جنت ہے اس کی طرف ہرگز ہرگز رسائی حاصل نہیں کر سکے گا اور جو کوئی مقام انسانیت تک علم پاکیزگی کو پہنچائے اور اس عالم صغیر سے عالم کبیر میں چلا جائے تو وہ شخص اللہ کا خلیفہ کہلوانے کا مستحق ہے وہی اکبر اعظم اور جام جہاں نما ہے، اس عالم میں پہنچکر یہ پاکیزہ عبادت گزار کبھی عقل و ادراک کے ذریعہ اور کبھی شعور اور لاشعور ادراک کے ذریعہ اللہ سے باتیں کرتا اور اللہ کی باتیں سنتا ہے، اس مقام تک پہنچنے والے کی روح جب جدا ہوتی ہے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ اللہ کی رحمت کے زیر سایہ مسرور و شاداں رہتا ہے اور اللہ کا مقرب کہلاتا ہے اسی کو بہشت کہتے ہیں اور یہ بہشت ایسے ہی کامل بزرگوں کے لئے ہے۔

اہلِ وحدت کہتے ہیں کہ ترقی و عروج میں آدمی کی کوئی حد مقرر نہیں اگر کوئی مستعد آدمی پوری محنت سے ایک ہزار سال تک بھی ریاضت و مجاہدے کرتا رہے تو ہر آنے والے دن میں وہ ایک نئی اور عجیب کیفیت محسوس کرے گا جو گذشتہ دن اس کو معلوم نہ تھی اس لئے کہ اللہ کے علم و قدرت کی کوئی انتہا نہیں، اہل وحدت کے نزدیک انسان سے بڑھ کر اور کوئی چیز اشرف و باعظمت نہیں، اسی لئے انسان کی بازگشت میدان حشر میں آدمی ہی کے وجود میں ہوگی۔

شیخ عبداللہ بیابانیؒ

۸۰۲ھ ــــــــــــــ ۹۰۵ھ

آپ مولٰنا سمار الدین کے فرزند دلبند اور اپنے زمانے کے بڑے متقی بزرگ تھے۔ تمام عمر تجرّد میں بسر کی، اگرچہ آپ نے جوانی میں شادی کی تھی لیکن جب دیکھا کہ اس سے خدا کی عبادت میں فرق آتا ہے تو ہنسی خوشی بیوی سے الگ ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ آپ گفتگو کرتے وقت متکلم کا صیغہ استعمال نہ کرتے بلکہ اپنے لئے غائب کا صیغہ استعمال کرتے، مثلاً میں آؤں گا یا میں جاؤں گا کے بجائے وہ آئیگا وہ جائیگا کہتے تھے، ایک عرصہ تک دہلی میں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ میں عبادت کرتے رہے، کہتے ہیں کہ آپ ہر نماز میں کپڑے دھوتے اور غسل کیا کرتے تھے، کہتے ہیں اُسوقت کے بادشاہ نے سادات میں سے کچھ لوگوں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈالدیا تھا جب آپ کو اسکا علم ہوا تو آپ بنفسِ نفیس بادشاہ کے پاس گئے اور کہا کہ یہ لوگ سیّد ہیں انھیں رہا کر دیا جائے، بادشاہ نے آپکی بات پر عمل کرنے سے انکار کر دیا، تو آپ نے بادشاہ سے فرمایا کہ جس علاقہ میں تیری بادشاہت ہے وہاں رہنا حرام ہے اس کے بعد دہلی سے مندو چلے گئے، مندو کے بادشاہ نے آپکو بہت سے تحائف پیش کئے مگر آپ نے ان کو قبول کرنے سے انکار فرما دیا اور کہا کہ ہمیں ان اشیاء کی احتیاج نہیں، البتہ اتنا کر دو کہ فلاں علاقہ کے افسر کو کہدو کہ وہ ہمیں فلاں جنگل میں رہنے کی اجازت دیدے اور ہم پر ظلم وستم نہ کرے، آپ نے مندو کے کئی قصبات میں فرداً فرداً قیام کیا، آپ کا مزار بھی مندو ہی کے ایک گاؤں میں ہے۔

سیّد کبیر الدین حسنؒ

۷۱۵ھ ــــــــــــــ ۸۹۶ھ

آپ بڑے سیاح تھے آخر کار اُچہ میں سکونت اختیار کی، کہتے ہیں کہ آپ کی

ایکنو۸۱ اسی برس کی عمر تھی، آپ سے کرامات اور خوارق عادات بھی رونما ہوا کرتی تھیں آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ آپ نے بہت سے کفار کو مسلمان کیا، جس کو اسلام کی دعوت دیتے اسمیں انکار کرنے کی طاقت نہ رہتی اور وہ بے اختیار اسلام قبول کرلیتا، کافر جوق درجوق آکر آپکے ہاتھ پر اسلام قبول کرتے، یہی تصرف آپ کی اولاد میں بھی تھا لیکن آپ کی بعض اولاد فریبِ نفس دنیاداری اور بدعتوں وغیرہ میں مبتلا ہوگئی اور اس نے اس آبائی تصرف کے ذریعہ عجیب بدعات کھڑی کریں اور اپنے ان افعال شنیعہ کیوجہ سے بدنام ہوگئے، سید کبیر الدین نے ۸۹۶ھ میں انتقال کیا، آپ کا مزار اُچہ شریف میں ہے۔

شیخ حسام الدین متقی مُلتانیؒ

۸۷۸ھ ——————— ۹۶۱ھ

آپ بڑے عالم، زاہد، متقی تھے، خدا کے ارشاد فاتقوا اللہ ما استطعتم کے پیش نظر فاتقوا اللہ حق تقاتہٖ کے بلند مرتبہ پر پہنچے ہوئے تھے، خراجی زمین میں کاشت کرتے، اور اسکا خراج ادا کیا کرتے تھے اور آخر کار ان زمینوں پر ایک حادثہ کی وجہ سے ایسا واقعہ پیش آیا کہ زمینیں مختلط ہوگئیں اور ان کا خراجی ہونا مشتبہ ہوگیا تو اس شبہ کی وجہ سے آپ نے اس زمین کی پیداوار کو کھانا ترک کردیا اور جب شدید بھوک لگتی تو قوت لایموت کے اندازہ سے معمولی سی غذا کھالیا کرتے تھے، اور اسی سختی اور تنگی کے زمانے میں آپ کی وفات ہوگئی، تقویٰ زہد اور اسلامی شعار ہونے میں آپ اللہ کی نشانی تھے اور ان بزرگوں میں تھے جن کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔

الآ انّ اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون ○ الذین اٰمنوا وکانوا یتقون ○	اولیاء اللہ نہ خوفزدہ ہونگے اور نہ ہی غمگین ہونگے اور یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لانے کے بعد خدا سے ڈرتے ہیں۔

شیخ علی متقی نے بھی آپ سے اوائل عمر میں اسلامی علوم حاصل کئے اور پاکبازی کا درس لیا۔

منقول ہے کہ شیخ علی متقی فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ نے فرمایا کہ اب طبیعت کچھ خراب سی ہے اسکا کیا سبب ہے؟ آپ کا یہ اصول تھا کہ جب باطن میں کچھ تکدر محسوس کرتے تو اپنی غذا کے متعلق تحقیق و تفتیش کرتے کہ شاید غذا میں کوئی فرق ہو، چنانچہ آپ غذا کی تحقیق کے لئے باورچی خانے گئے اور باورچی سے دریافت کیا کہ آج کھانا کس طرح اور کہاں پکایا گیا تھا؟ باورچی نے تمام باتیں تبلانے کے بعد کہا کہ آج میں نے پڑوسی کے ہاں سے بغیر اجازت آگ لے لی تھی چنانچہ آپ اس پڑوسی کے گئے جہاں سے آگ آئی تھی اور اُس سے معافی مانگی اور کچھ دیکر خوش کر دیا۔

نیز شیخ علی متقی فرماتے ہیں کہ آپ کی مجلس سے جاتے وقت ایک آدمی نادانستہ طور پر اپنے سامان میں آپ کا جوتا بھی لے گیا جب اسے معلوم ہوا تو وہ آپ کا جوتا واپس لایا تو آپ نے کہا کہ یہ میرا نہیں ہے مگر اس آدمی نے کہا کہ یہ آپ ہی کا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر آپ مجھے دینا چاہتے ہیں تو اس کی قیمت مجھ سے لے کر جوتا مجھے دیدو مگر وہ اس بات کو مانتا نہ تھا، بالآخر آپ نے اصرار کر کے جوتے کی قیمت اس کو دیدی اور جوتا رکھ لیا اس کے بعد فرمایا کہ میں نے اپنی تمام مملوکہ اشیاء سے حقِ ملکیت ختم کر رکھا ہے تاکہ اگر کوئی شخص میری چیز استعمال کرے تو وہ اس کے لئے ناجائز نہ ہو۔

کہتے ہیں کہ آپ شیخ بہاؤالدین ملتانی کے مقبرے کے سائے کے نیچے کبھی کھڑے نہ ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ بیت المال کی رقم سے بنایا گیا ہے اور مسلمانوں کا حق اس پر خرچ ہوا ہے اب میرے لئے جائز نہیں کہ میں اس کے سایہ کے نیچے کھڑا ہوں (سبحان اللہ! ایسے ہوتے ہیں اللہ والے، کتنی دقیق نظر تھی اور اتباعِ شریعت کی بھی حد کر دی)

آپ کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام شیخ بایزید تھا، جو نہایت متقی اور

مشائخ صفت بزرگ تھے۔

منقول ہے کہ آپ اگر کسی کو مسجد میں گاتے ہوئے دیکھتے تو منع فرما دیتے، آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بڑے پابند تھے اور دوسروں کو بھی اس پر پابندی سے عمل کرنے کا حکم دیا کرتے تھے اور آپ کے صاحبزادے شیخ بایزید کی تو یہ کیفیت تھی کہ مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر روتے رہتے تھے، ایک دفعہ شیخ بایزید کو کسی نے ایک روپیہ تحفتہً دیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ کیا چیز ہے اور اسکا کیا کیا جائے گا اس دن کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ روپیہ ایک نقدی سکہ ہے جو لوگوں کے لین دین بیع شراء وغیرہ کاروبار میں کام آتا ہے۔

شاہ عبداللہ قریشیؒ

۱۴۲۰ء ——— ۱۴۹۹ء

آپ شیخ بہاؤالدین زکریا کی اولاد میں سے تھے جس زمانے میں آپکے آباء واجداد ملتان سے دہلی آئے تو سلطان بہلول نے اپنی دختر نیک اختر کی آپ سے شادی کردی آپ ایک مجذوب بزرگ تھے، ظاہری شان و شوکت کے بھی مالک تھے سلوک کے ابتدائی دور میں آپ نے بے انتہا ریاضت اور انسانی طاقت سے وراء الوریٰ مجاہدے کئے تھے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں سلوک کے ابتدائی مراحل میں روزانہ کم ازکم ایکہزار رکعت پڑھا کرتا تھا اور تین قرآن ختم کرتا تھا اور ایک ساعت خدا کی یاد اور اس کے ذکر سے جو فوائد حاصل ہوتے وہ تمام عبادتوں سے زیادہ ہوتے تھے۔

شیخ حاجی عبدالوہاب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ایک رات میں اپنے شیخ عبداللہ یوسف کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اپنے علوم الٰہی سے بھی مجھے بہرہ یاب فرمایا کرتے تھے اس لئے اس رات جب مجھے مشاہدے کی کیفیت کے آخری مراحل تک پہنچا دیا تو فرمایا کہ یہ علم باتوں کے ذریعہ سینہ میں داخل نہیں کیا جا سکتا البتہ اس کے حاصل کرنے اور سکھانے میں مکمل رشد و ہدایت دخیل ہے کیونکہ دل ایک

برتن کے مثل ہے جس میں مختلف حالات جمع ہیں اور دنیا میں کوئی بھی دل ایسا نہیں جو احوال کے اعتبار سے ایک دوسرے سے الگ اور متفرق نہ ہو، اسی لئے دو مختلف الحال دل ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اس لئے کہ ہر دل میں دوسرے دل کے علاوہ ایک خاص قسم کی لذت ہے۔

منقول ہے کہ آپ ایک دن اپنے دو منزلہ مکان کی چھت پر کھڑے تھے جو اب بھی آپکے مقبرے کے برابر موجود ہے اچانک آپ پر وجد کی حالت طاری ہو گئی اور اسی حالت میں مکان کی چھت سے گر گئے لیکن اس کے باوجود کہ مکان دو منزلہ تھا آپ کے کوئی چوٹ وغیرہ نہ لگی۔

کہتے ہیں کہ آپ نے ایک مرتبہ جذبۂ وحال کی کیفیت میں ایک بکری کو اٹھا کر زمین پر دے مارا جس سے وہ مرگئی، لوگوں نے آپ سے کہا کہ غریب بکری کو آپ نے خواہ مخواہ ماردیا، اس کے بعد آپ نے اس مردہ بکری کی پشت پر لات مار کر فرمایا کہ کھڑی ہو جا اور کسی کو بدنام نہ کر، قدرتِ خداوندی سے وہ مردہ بکری زندہ ہوگئی ایک دن آپ نے وجد کی حالت میں اپنے خادموں سے فرمایا کہ گھر کے اندر جتنا اثاثہ اور سامان واسباب ہے اس کو نکال کر باہر پھینکدو اور گھر کو آگ لگادو، اسوقت آپ کے چھوٹے بیٹے احمد شاہ آپ کے پاس موجود تھے انھوں نے عرض کیا کہ اباجی سامان نکالنے میں لوگوں کو تکلیف ہوگی بہتر یہ ہوگا کہ سامان مکان کے اندر ہی رہے اور اس کو آگ لگادی جائے تاکہ تمام چیزیں ایکدم جل جائیں اور قصہ تمام ہو جائے، آپ کو اپنے فرزند کی یہ بات پسند آئی۔

آپ کا مزار پرانی دلی میں مشہور ہے لوگ اس کی زیارت کر کے برکت حاصل کرتے ہیں، آپ نے ۲۲ صفر کو انتقال فرمایا۔

شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری رح

آپ سید جلال الدین بخاری بزرگ کی اولاد میں سے تھے جو مخدوم جہانیاں کے دادا تھے، سید جلال الدین بخاری

۸۱۸ھ ——— ۹۳۲ھ

کے دو بیٹے تھے ایک کا نام سید محمود تھا جن کے سید جلال الدین مخدوم جہانیاں بیٹے تھے اور دوسرے بیٹے کا نام سید احمد بزرگ تھا انہی کی اولاد میں سے شیخ عبد الوہاب تھے جو بہت بزرگ اور علم و عمل، حال و محبت میں کامل تھے، سلوک کے ابتدائی زمانے میں آپ اپنے شیخ استاد اور خسر مولوی صدر الدین بخاری کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ انھوں نے فرمایا اس وقت دنیا میں دو نعمتیں ہیں جو تمام نعمتوں سے افضل و اعلیٰ ہیں لیکن لوگ ان کی قدر و منزلت نہیں جانتے اور انکے حصول سے بھی غافل ہیں۔

نعمت اول تو یہ ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود مدینہ منورہ میں بہ صفتِ حیات موجود ہے اور لوگ اس سعادت سے فائدہ نہیں اٹھاتے، دوسری نعمت قرآن کریم ہے جو اللہ کا کلام ہے اور خدا تعالیٰ اس کے ذریعہ بغیر کسی واسطہ کے اپنی مخلوق سے کلام کرتے ہیں لیکن لوگ اس نعمت سے بھی غافل ہیں، شیخ کی اتنی بات سننے کے بعد آپ مجلس سے اُٹھے اور مدینہ جانے کی اجازت مانگی (اور اجازت ملنے کے بعد) خشکی کے راستے فوراً مدینہ کی جانب روانہ ہوگئے، مدینہ منورہ پہنچ کر رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضری دینے کے بعد فوراً اپنے وطن مالوف ملتان آگئے لیکن اسوقت ملتان کی حالت بہت خراب تھی اس لئے سلطان لودھی کے زمانے میں دہلی تشریف لے آئے، سلطان سکندر لودھی آپ کا بہت معتقد تھا اور آپکی بے انتہا عزت و خاطر و مدارات کرتا تھا۔

آپ کو عبداللہ شاہ قریشی سے اتنی محبت تھی کہ دیکھنے والے یہ سمجھتے تھے کہ گویا آپ فنافی الشیخ ہیں، مولانا روم کو جتنی محبت و عقیدت شاہ شمس تبریز سے تھی اتنی ہی آپ کو اپنے شیخ سے تھی۔ آپ نے دوسری بار دہلی سے سفر کر کے حرمین شریفین کی زیارت کی تھی اور پھر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے دہلی واپس تشریف لے آئے آپ نے ۹۳۲ھ میں انتقال فرمایا جس کا عدد "شیخ حاجی" سے نکلتا ہے، آپ کا مزار دہلی میں شاہ عبداللہ قریشی کے مقبرہ کے قریب ہے

آپ نے قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی لکھی ہے جس میں اکثر بلکہ تمام قرآن کی تفسیر نبی علیہ السلام کی نعت و توصیف سے کی ہے اور اس میں بہت سے دقائق عشق اور

اسرار محبت کو جمع کیا ہے، غالباً آپ نے یہ تفسیر جذبۂ حال اور غلبہ استغراق کے وقت کی ہوگی، اسی وجہ سے بعض الفاظ ظاہریہ کی تعبیر کی رعایت نہیں کرسکے، اس کتاب میں سے چند منتخب کردہ باتیں بیان کردیتا ہوں تاکہ اس عجوبہ کتاب کی حقیقت سب پر واضح ہوجائے سورۂ مریم کہیٰعص کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اے خدا کے حبیب ! جان لیجئے کہ حروف مقطعات خدا کے خزانوں میں سے ہیں جو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کئے گئے ہیں اور اُنھیں کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو ان کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کے ابتدائی لفظ میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے، دوم یہ کہ کاف سے کن اور "ہا دیا" سے ہیا کی طرف اشارہ ہو جو ندا کے لئے آتا ہے اور ع سے عین العبد (حقیقی بندے) کی طرف اور وہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ہوسکتی ہے اور "ص" سے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت کی طرف اشارہ ہو، اس تاویل پر اس کے معنی یہ ہونگے کہ اے بندے ہوجا ایسی صورت جو اللہ کے جمال سے مزین ہو اور لوگ اس سے استفادہ کریں، اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ خطاب کیا تھا جبکہ آپ ماں کے بطن میں تھے اور حضرت زکریا علیہ السلام نے آپ کی شفاعت حاصل کرنے کے لئے اذ نادیٰ ربہ ندا ءً خفیاً کی صورت میں دعا کی تھی اس لئے کہ تمام انبیاءؑ نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی درخواست کی ہے جیساکہ ایک دوسری جگہ ہے، "یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ و اتیناہ الحکم صبیاً وحنانا من لدنا وزکوۃ" اور قوت کے معنی رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوجانا اور والسلام علیہ یوم ولد و یوم یموت ویوم یبعث حیاً کا مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو جس دن کہ آپ کی ولادت ہوتی تھی اور جس دن کہ تمام لوگ مرجائینگے اور جس دن بعثت عامہ ہوگی اور یہ تفسیر لذیذ ہے مٹھائی، دودھ اور مصری وغیرہ سے بھی، (اسی طرح) واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اھلھا مکاناً شرقیاً پر لکھتے ہیں یاد کیجئے اے مریم کے زوج جنت میں، یعنی اے احمد اے محمد اپنی اس

خوبرو اور خوبصورت بیوی کو یاد کیجئے جو آپ کی زوجہ ہے جن کا ذکر تیری کتاب قرآن میں آیا ہے فاتخذت من دونھم حجاباً فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشراً سویا کا ممکن ہے کہ مطلب یہ ہو کہ روح سے نبی علیہ السلام کی روح مراد ہو اور ممکن ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے اس لئے کہا ہو کہ نبی علیہ السلام کو مکمل بشر کی شکل بنا کر مریم علیہا السلام کو دنیا میں دکھایا جائے تاکہ وہ آپ کو جب بہشت میں دیکھے تو پہچان لے کہ یہ تو وہی شکل و صورت ہے جو مجھے دنیا میں دکھادی گئی تھی اور وناديناه من جانب الطور الايمن وقربناه نجيا، اس ندا سے خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے اوصاف بنائے تھے اس لئے کہ نجی (نجیا) اسی کو کہتے ہیں جو نبی علیہ السلام کے فضائل و مناقب کو بیان کرے اور لا یسمعون فیھا لغواً ولا سلاما۔ الآیۃ، ممکن ہے کہ ان کا سلام رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر ہو اور نبی علیہ السلام کا سلام ان پر اور ولھم رزقھم فیھا بکرۃ وعشیا۔ الآیۃ، ممکن ہے کہ ان کا رزق نبی علیہ السلام کی صحبت ہو اس لئے کہ یہ تمام رزقوں سے افضل و بہتر ہے اور تلك الجنة التی نورث من عبادنا من کان تقیا۔ الآیۃ، ممکن ہے کہ تقیاً سے مراد نبی علیہ السلام ہوں اور نورث سے مراد نبی علیہ السلام ہوں کہ ہم نے ان کو جنت کا وارث بنا دیا اب ان کو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں جنت میں آنے دیں اور جس کو چاہیں روکدیں وہ دنیا اور آخرت کے بادشاہ ہیں انہی کے لئے دنیا، جنت اور مشاہدات ہیں ۔ اور وان منکم الا واردھا کان علی ربك حتما مقضیا۔ الآیۃ، اس کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں ۔

(۱) کہ تم کو جہنم سے گزرنا ہوگا اور اسی پر تمام مفسرین کا اجماع ہے ۔

(۲) یہ کہ ورود سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو جہنم کے اردگرد جمع کیا جائے گا۔

(۳) ان کو آگ کے ایک حصہ میں حاضر کیا جائے گا، یہ صورت تمام صورتوں سے اچھی ہے اس لئے کہ اللہ کا یہ قول وان منکم الا واردھا اپنی عمومیت کی بنا پر نبی علیہ السلام کو بھی شامل ہے اور نبی علیہ السلام کی شان تو یہ ہے کہ اگر آپ دوزخ میں بھی تشریف لے جائیں تو وہ باغ ہو جائے اور آپ کا دوزخ میں داخل ہونا اہل نار کے لئے تو نعمت

عظمت ہے کیونکہ جب ابراہیم علیہ السلام آگ میں داخل ہوئے تو آگ آپ کے نور کی برکت سے گلزار بن گئی تو جب نبی علیہ السلام آگ میں داخل ہوں تو جنت کیسے گلزار نہ بنے، خدا کی قسم. خدا کی قسم، خدا کی قسم اگر نبی علیہ السلام کی ایک نظر بھی جہنم پر پڑ جائے تو وہ اس آیت کا مصداق بنجائے، جنّٰت تجری من تحتہا الانھار اور پھر اس سے اہل نار اسی طرح نعمتیں حاصل کریں جس طرح اہلِ جنت، جنت سے کرتے ہیں لیکن یہ خوب یاد رکھو کہ آگ اور آگ میں جلنے والے سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے محجوب اور محروم کردیئے گئے ہیں اور ان کو آپ کا ہرگز دیدار نہ ہوسکے گا اس لئے اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب کے متعلق تصریح کردی ہے فضرب بینہم بسور لہ باب الآیۃ

(۴) وان منکم الا واردھا میں ایک یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ نبی علیہ السلام کے دیدار کے تمام مشتاقین کو ایک جگہ جمع کردیا جائے گا اور جب وہ آپکے دیدار سے مشرف ہوجائیں گے تو اس کے بعد اُن کو اگر اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے چند روز کیلئے سزا دی جائے گی تو پھر آپکی نظرِ شفقت سے اللہ تعالےٰ ان کو عذاب سے نکال دیں گے لیکن ہمیں اللہ سے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ عاشق و معشوق میں جدائی نہیں ڈالے گا، اور والباقیات الصالحات خیرٌ عند ربّك ثوابًا وخیرٌ مردًا. الآیۃ، کہ باقیات صالحات سے وہ نظریں مراد ہیں جو نبی علیہ السلام کے چہرے پر محبت سے ڈالی جائیں،

سورۂ طٰہٰ میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے الا تذکرۃً لمن یخشیٰ الآیۃ، اس کلام میں نبی علیہ السلام کے القاب کو بیان کیا گیا لیکن لقب کے اندر محبوب کی ذات مضمر ہوتی ہیں اس لئے فرمایا ما انزلنا الیك القرآن لتشقیٰ کہ ہم نے آپ پر قرآن اسلئے نازل نہیں کیا کہ آپ تعب میں پڑ جائیں، پھر فرمایا الا تذکرۃ لمن یخشیٰ، آپ کو اللہ نے ایسی خشیت عطا فرمائی تھی کہ جہان والوں میں سے کسی کو بھی ایسی نہیں دی، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی نے اپنے محبوب کو طلب کیا اور جب وہ آگیا تو اس سے ایسا سخت اور زور سے معانقہ کیا کہ محبوب کو اس سے سخت تکلیف ہوئی اور معانقہ کرنیوالا اپنے محبوب سے کہتا ہے کہ اے محبوب! میں نے آپ کو اس لئے طلب نہیں کیا تھا کہ آپکو

تکلیف دوں اور حالانکہ اس سے اتنی قوت سے معانقہ کرچکا ہے کہ محبوب بیچارہ اس سے سخت تکلیف و تعب اٹھا چکا ہے لیکن محبوب اگرچہ ظاہری تکلیف کیوجہ سے مغموم و پریشان ہوگا لیکن باطن میں وہ بڑا خوش اور مسرور ہوگا، اسی لئے خشیت نبی علیہ السلام کو بہت محبوب تھی گویا کہ آپ کو اس سے کوئی تعب ہی نہیں اور فلمّا اتاھا نودی یا موسٰی انّی انا ربّك فاخلع نعليك الآیۃ، جب موسٰی علیہ السلام آئے تو وہ کلام سلاطین سے خطاب کیے گئے اور ان کو اسی طرح ادب کرنے کا حکم دیا گیا جس طرح بادشاہوں سے ملنے والوں کو دیا جاتا ہے انا ربك میں تو خدا نے سلطنت کا اظہار کیا اور فاخلع میں ادب سے آنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن جب نبی علیہ السلام دیدار الٰہی کے لئے تشریف لے گئے تو ان الفاظ سے یاد کیے گئے السّلام علیك ایھا النّبیّ ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ تو کلیم اور کریم میں شاہانہ گفتگو تھی اور حبیب و محبوب کے درمیان دوستانہ کلام تھا علاوہ ازیں کلیم خود طالب تھے اور حبیب مطلوب تھے، آپ کے لئے براق کو بھیجا گیا اور آپ کو کسی ماسبق وعدہ کے بغیر نیند سے بیدار کیا گیا۔

سورۂ انبیاء کی آیت لو اردنا ان نتّخذ ولدًا لاتّخذناہ من لدنّا ان کنّا فاعلین کے اندر بہت اسرار ہیں جن کو اللہ اور رسول کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور ممکن ہے لاتخذناہ من لدنا سے نبی علیہ السلام کی ذات مراد ہو، یعنی اللہ تعالےٰ نے نصاریٰ کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا گمان ہے کہ عیسیٰ میرے بیٹے ہیں اگر میرے لئے بیٹا ہونا ممکن ہوتا تو اس کے حقدار تو نبی علیہ السلام تھے اس لئے کہ میں نے ان کے نور کو تمام کائنات کی تخلیق سے پہلے بنا دیا تھا اور وہ بشر ہیں مگر ان کی مثل اور کوئی بشر نہیں اور عیسٰی علیہ السلام اس کے حقدار نہیں کیونکہ وہ تو خود نبی علیہ السلام کے اتباع کرنے والوں میں سے ہیں لیکن اللہ کی ذات اس چیز سے منزہ ہے جس کو ظالم لوگ کہتے ہیں، اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی،

سورۂ حج میں ہے یا ایھا الّذین اٰمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربّکم

فافعلوا الخیر، بھلائی اور خیر تمام تر نبی علیہ السلام کی قولاً، فعلاً، عملاً متابعت کرنے پر منحصر ہے اور متابعت قولی وفعلی تو ممکن ہے کہ کسی اہل اللہ کی متابعت کے بغیر بھی حاصل ہوسکے لیکن متابعت حالیہ تو کسی شیخ کامل کی صحبت اختیار کرنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے اس لئے کہ شیخ نے بھی تو کسی کی صحبت حاصل کی تھی جس سے اسکے اندر بقدر طاقت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے احوال میں سے ایک حال پایا جاتا ہے کیونکہ یہ احوال ہی ارواح کی ہدایت ہیں اور یہ ہدایت صحبت اور الفت ہی کے ذریعہ حاصل کیجا سکتی ہے، پھر اس بات کو خوب ذہن نشین کرلیا جائے کہ یہ وراثت بغیر الفت کے نہیں ملتی، اسی لئے کہتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی کسی کامل شیخ کیخدمت میں بہت مدت تک رہے لیکن شیخ اور مرید کے مابین الفت نہ ہو تو شیخ کے احوال مرید میں ہرگز سرایت نہ کریں گے اور اس کے مقابلے میں اگر ایک آدمی کسی شیخ کی خدمت میں ایک ساعت ہی بیٹھ گیا لیکن شیخ اور مرید کے درمیان الفت اور محبت للّٰہ اس طرح واقع ہوئی کہ دونوں ایک دوسرے پر فریفتہ ہو گئے تو اس وقت شیخ کے باطنی احوال مرید کے باطن پر سرعت کے ساتھ اثر انداز ہونگے اور بطور وراثت اس کی طرف منتقل ہوجائیں گے، اس صحبت سے اس کی عمر میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے اور جب تک شیخ کی محبت بڑھتی رہے گی اسی قدر اس مرید کے اندر خدا اور اس کے رسول کی محبت کا بھی اضافہ ہوتا رہے گا، محبت اکیلی ہے لیکن اس کے پیدا کرنے میں حکمت یہ تھی کہ یہ ایک کے باطن سے دوسرے کے باطن میں سرایت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسے نفس کے ساتھ پیدا کیا جو متألفہ رحیمہ کریمہ ہونے کے علاوہ موصوف ہے اللہ کے جملہ اخلاق کے ساتھ، اور اللہ کے اخلاق میں سے ایک خلق ہے شوق چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ سے حکایت کے طور پر بیان کرتے ہیں کہ خبردار طویل ہوگیا شوق نیک لوگوں کا میری ملاقات کے لئے اور مجھے بھی بہت شوق ہے ان سے لقاء کا، چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم متخلق تھے اس خلق سے بحد کمال تک اسی لئے وہ اپنے مشتاقین کیطرف بھی مشتاق رہا کرتے تھے اور نبی علیہ السلام کا شوق بہت زیادہ تھا مشتاقین کے شوق کی بہ نسبت، اس لئے کہ ہر ایک کا شوق بقدر مرتبے کے

ہوتا ہے، نبی علیہ السلام کی شان بھی رفیع اس لئے اشتیاق الی المشتاقین بہت زیادہ تھا اور یہ طریقہ تاقیام قیامت اللہ کے فضل وکرم سے جاری اور ساری رہے گا، لیکن یہ ضرور خیال رکھیں کہ اس کے ماخذ یہ ہیں۔ صحبت، اُلفت، خرقہ خلافت صحبت سے ملتا ہے اور صحبت جب مفید ہوگی کہ الفت ہو اور الفت ہوگی تو نعمت ملے گی اور نعمت سے لذت حاصل ہوگی اور لذت سے وصال ہوگا، اور اس کے ثمرات وانواع میں ایسی غیر منتہی زیادتی ہوتی رہے گی جو تقریر وتحریر میں نہیں لائی جاسکتی۔

یہ تفسیر ربیع الثانی ۹۱۵ھ میں شروع کی گئی تھی اور ۱۷ شوال ۹۱۵ھ یعنی چھ ماہ کچھ دن میں مکمل کردی گئی۔

شاہ جلال شیرازیؒ

۸۵۸ھ ـــــــــــ ۹۴۴ھ

آپ شیخ محمد نور بخش کے مریدوں میں سے تھے جنھوں نے گلشن راز کی شرح لکھی ہے آپ حجاز سے بلاد ہند میں سلطان سکندر کے دور حکومت میں دہلی تشریف لائے آپ بڑے صاحب نظر بزرگ تھے، مولانا روم کی مثنوی آپکی حرز جان تھی، آپ کا قد درمیانی اور چہرہ نورانی تھا، جس دن دہلی تشریف لائے تھے اس دن کے بعد کبھی بھی آپکے مطبخ کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی، روٹی اور فیرنی ہر وقت مہمانوں کے لئے تیار رکھتے تھے، ہر آنیوالے مہمان کو علاوہ اور کھانوں کے نان اور فیرنی بھی کھلائی جاتی تھی، آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حرم شریف میں ایک مرتبہ ایک درویش سے ایسی بات سنی تھی جو شریعت کے بالکل خلاف تھی، میں نے چاہا کہ اس کو اس جملہ کی سزا دوں، جب اس نے کچھ محسوس کیا تو پہاڑوں کیجانب بھاگنے لگا، میں بھی اس کے پیچھے چلا لیکن وہ ہاتھ نہ آیا البتہ جب وہ بھاگ رہا تھا تو ایک بار اُس نے میری طرف مڑکر دیکھا اور یہ شعر پڑھا ؎

دست ناپیدا گریباں می کشد من پئے دست وگریباں می روم

(ایک نامعلوم ہاتھ میرا گریبان کھینچ رہا ہے اور میں اس ہاتھ اور گریبان کے پیچھے بھاگ رہا ہوں)

اس شعر کو سننے کے بعد میں بیہوش اور بیخود ہو کر گر پڑا، دہلی کے ساداتِ بخارا سے بھی آپکے تعلقات اس طرح ہو گئے تھے کہ آپ نے اپنی دختر نیک اختر کی شادی شیخ مدثر ابن شیخ عبدالوہاب سے کر دی تھی، آپ کی وفات سنہ ۹۴۲ھ میں ہوئی، آپ کا مزار پرانی دلّی میں حاجی عبدالوہاب کے مقبرہ کے برابر ہے، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شاہ احمد شرعی رح

۷۹۲ھ ——————— ۹۲۸ھ

آپ ترکی النسل اور بلند پایہ عالم ہونے کے ساتھ کامل درویش بھی تھے، بہت ضعیف تھے، چندیری میں قیام پذیر تھے، دیوانِ کشاف جس میں اہلِ سنت والجماعۃ پر از اول تا آخر لعن وطعن ہے اس کے جواب میں آپ نے اشعار کہے ہیں جس کے چند شعر درج ذیل ہیں

وجماعۃ سمّوا ھواھم سنۃ　　وجماعۃ حُمُرٍ لعمری مؤلفۃ

ترجمہ (یہ جماعت ایسی ہے جس نے اپنی خواہشات کو سنت سمجھ رکھا ہے، مجھے میری عمر کی قسم یہ جماعت گدھوں کی ہے جو ایک دوسرے سے الفت کرتی ہے)

قد شبھوہ بخلقہ فتخوفوا،　　شنع الوریٰ فتستروا بالبلکفۃ

ترجمہ (یہ لوگ مخلوقِ خدا پر عیب لگانے سے خوف نہیں کرتے، دریدہ دہنی میں بڑی جرأت سے کام لیتے ہیں۔)

عجبًا لقومٍ ظالمین تلقبوا،　　بالعدل ما فیھم لعمری معرفۃ

ترجمہ (تعجب ہے اس ظالم قوم پر جس نے اپنے کو عادل سے ملقب کر لیا ہے حالانکہ اس کے اندر کوئی معرفت نہیں۔

قد جاءھم من حیث لا یدرونہ　　تعطیل ذات اللہ مع نفی الصفۃ

ترجمہ (یہ لوگ بالکل فرقہ لاادری کی طرح ہیں جو ذاتِ الٰہی سے اس کی صفات علیحدہ کر کے ذاتِ پروردگار کو معطل بنانے پر تُل گئے ہیں)

آپ نے سنہ ۹۲۸ھ میں وفات پائی، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بلادِ ہند کے اندر جو لوگ

کہتے ہیں کہ ہم ترکی ہیں وہ دراصل آپ کی اولاد میں سے ہیں۔ شیخ عبد الغنی سنبتی جو دہلی کے پُرانے لوگوں میں سے ہیں وہ آپ کے شاگرد ہیں، آپ کی کچھ تصانیف اور قلمی نسخے ان کے پاس موجود ہیں۔ شیخ عبد الغنی صاحب اکثر و بیشتر اپنے استاد شاہ احمد شرعی کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں، یہ فرماتے ہیں کہ جب میں پڑھا کرتا تھا اُس وقت شاہ احمد شرعی کی عمر چھیانوے ۹۶ برس کی تھی، اس عمر میں آپ ایک دن تیر اندازی اور نشانہ بازی کر رہے تھے اور میں بھی آپکے ہمراہ تھا، آپ نے ایک تیر مارا جو عین نشانہ پر لگا، اس کے بعد مجھ سے فرمایا کہ اگر آپ کہیں تو دوسرا تیر اس تیر کی پوری نوک پر لگا دوں، اس کے بعد آپ نے دو تین تیر اس طرح مارے کہ ہر تیر پہلے تیر کی نوک پر کھڑا ہو جاتا اس کے بعد فرمایا کہ اس طرح تیر ضائع ہو رہے ہیں اور یہ اسراف ہے ورنہ وہاں سے یہاں تک اسی طرح تیروں کی لائن لگا دیتا۔

کہتے ہیں کہ علم و عمل میں آپ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک عظیم تر نشانی تھے اپنے عمل کے ذریعہ بادشاہِ وقت کو جمعہ کے دن کھینچ لیا کرتے اور اس سے مخلوقِ خدا کے کام کراتے اور لوگوں کی مشکلات کو دور کراتے، بادشاہ کو اپنے عمل سے اس طرح کھینچتے تھے کہ تسبیح کا ایک دانہ پھراتے تو بادشاہ جنبش میں آجاتا اور دوسرا دانہ پھیرنے سے وہ آپ کے پاس آنے کا ارادہ کرتا اور تیسرا پھیرنے کے بعد وہ سوار ہو جاتا اسی ہر دانے پر اس کی کیفیت کو بتلاتے رہتے، یہاں تک کہ جتنے دانے اس عمل کے لئے مقرر کر رکھے تھے ان دانوں کے ختم ہو جانے کے بعد بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جایا کرتا تھا۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ وضو کے لئے اپنے کمرے سے باہر گئے کہ اتنے میں ایک شریر لڑکا آپکے کمرے میں داخل ہوا، اُس نے کبھی آپ کو تسبیح کے دانے گھماتے ہوئے دیکھ لیا تھا چنانچہ اُس نے آپکی تسبیح اٹھائی اور جس طرح آپ اس تسبیح کے دانے گھماتے تھے یہ بھی گھمانے لگا، نتیجہ یہ نکلا کہ بادشاہِ وقت فوراً چلا آیا، آپ اُس وقت غسل خانہ میں تھے بادشاہ کے اچانک خلافِ وقت پہنچنے پر بڑے حیران ہوئے پھر تحقیق پر معلوم ہوا کہ آپ کی طرح اس شریر لڑکے نے تسبیح کے دانے گھمائے جس کے اثرات سے با

حاضر ہو گیا۔

شیخ سلیمان رح

وفات ——————— ۹۴۴ھ

ابن عفان مندوی دہلوی کے فرزند ارجمند تھے، مریدوں کی اصلاح ہدایت وغیرہ کرتے اور خود بھی ذکر و اشغال میں مصروف رہتے، سیر و سیاحت کر کے متعدد نعمتیں حاصل کیں۔ کہتے ہیں کہ نقلِ ارواح جو تصرفات نفس ناطقہ انسانی کے مرتبوں میں سے ایک مرتبہ ہے آپ کو حاصل تھا، جس کے ذریعہ گزرے ہوئے بہت سے حالات کی خبر دیا کرتے تھے، کہتے ہیں کہ آپ نے رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے مع التجوید قرآن کریم پڑھا تھا اور شیخ عبدالقدوس نے ان سے بالتجوید قرآن پڑھا اور ایک مدت تک ان کی خانقاہ میں رہے، آپ کی وفات ۱۴ محرم الحرام ۹۴۴ھ میں ہوئی، آپ کا مقبرہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مقبرے کے عقب میں ہے۔

شیخ عبدالقدوس رح

۸۵۲ھ ——————— ۹۴۵ھ

آپ شیخ محمد بن شیخ عارف بن شیخ احمد عبدالحق کے مرید تھے، آپ عالم با عمل، صاحب ذوق و حال اور وجد و سماع کے رسیا تھے، آپنے اگرچہ ظاہری بیعت شیخ عارف سے کی تھی لیکن دل سے شیخ احمد عبدالحق کے معتقد اور عاشق تھے اور انہی کی روحانیت سے مستفید ہوتے تھے، آپ کی ایک کتاب بنام "انوار العیون" ہے جس کے اندر سات فن بیان کئے ہیں، فنِ اول میں شیخ احمد عبدالحق کے مناقب لکھنے کے ساتھ ساتھ ان سے اپنی غایت درجہ کی عقیدت کا اظہار بھی کیا ہے اور ان کے تذکرہ پر کئی صفحات لکھے ہیں آپ نے ۹۴۵ھ میں جان جانِ آفریں کے سپرد کی، آپ کے مرید اور خلفا بڑی کثرت سے تھے۔

آپ کے ایک مرید شیخ بھورد تھے جو ابتداءً رنگریزی کا پیشہ کرتے تھے، پہلے وہ ہندو تھے پھر آپکے دستِ فیض رس پر مسلمان ہو کر اپنا پیشہ چھوڑ دیا اور یادِ الٰہی

میں مصروف ہو کر بلند پایہ کے بزرگ بن گئے، ان کی ۹۸۲ھ میں وفات ہوئی
شیخ عبدالقدوس کے ایک مرید شیخ عمر دینی بھی تھے وہ اگرچہ آپ کے خلیفہ تھے لیکن ان کا قلبی رجحان زیادہ تر شیخ عبدالرزاق کی طرف تھا۔
منقول ہے کہ شیخ عبدالرزاق ایک دن شیخ عبدالقدوس سے ملنے کی غرض سے آپ کے پاس آئے اسوقت آپ پر ایک خاص قسم کی حالت طاری تھی، جب ہوش میں آئے تو اپنے تمام مریدوں کو شیخ عبدالرزاق سے ملایا اور شیخ عمر دینی کا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ آپ کا مرید اور آپ کی نظر شفقت کا متمنی ہے اس کے بعد شیخ عمر دینی اُٹھے اور شیخ عبدالرزاق کی غایت درجہ تعظیم و تکریم کی۔
آپ کے ایک خلیفہ شیخ عبدالغفور اعظم پوری بھی تھے جو بڑے صاحب کرامات بزرگ تھے انھوں نے ایک بار نبی علیہ السلام کی خواب میں زیارت کی تو نبی علیہ السلام نے ان کو اس درود شریف کے پڑھنے کا حکم دیا، اللّٰھمّ صل علی محمّدٍ و اٰلہٖ و اصحابہٖ بعدد اسمائک الحسنےٰ
آپ کے کئی لڑکے تھے جو سب کے سب عالم باعمل اور اپنے اپنے وقت کے شیخ تھے، ان میں سے ایک شیخ رکن الدین بھی تھے جو بڑے ولی اللہ اور برگزیدہ دربارِ الٰہی تھے جن کا مسلک فقر و محبت تھا اور تمام عمر اپنے والد محترم کے نقشِ قدم پر چلتے رہے
شیخ عبدالقدوسؒ کے صاحبزادہ شیخ عبدالنبیؒ تھے جو اسلامی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جوانی میں زیارتِ حرمین سے مشرف ہوئے، مکہ مکرمہ پہنچ کر بعض فقہاء کرام سے تھوڑا سا علمِ حدیث حاصل کر کے اپنے وطن واپس آئے اور پھر زہد و عشق میں مشہور ہوئے اپنے والد اور چچا صاحبان سے مسئلہ توحید و سماع میں گفتگو کی، آپ کے والد صاحب نے قوالی کے جواز میں ایک کتاب لکھی، آپ نے عدم اباحت قوالی میں ایک رسالہ سپرد قلم فرمایا، اس سے اگرچہ آپ کو کافی تکلیف اُٹھانی پڑی لیکن یہی رسالہ آپکی شہرت کا سبب بنا، بادشاہِ وقت اس زمانے میں ایک ایسے وزیر اعظم کا طلبگار تھا جو عالم اور دیانتدار ہو چنانچہ بعض اسباب و ذرائع سے آپ ۹۷۱ھ میں کرسئ وزارت پر جلوہ افروز ہوئے

ایامِ وزارت میں آپکی مہر میں یہ الفاظ منقوش تھے لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۔ آپ نے دورانِ وزارت میں اپنی محنت کی بدولت زیادہ منصب و عزت حاصل کی، آپ نے وزیرِ اعظم ہوتے ہی ظلم و تشدد کو ختم کیا، اور اچھی طرح سے مال وجاہ حاصل کیا، بادشاہِ وقت کو آپ سے بڑی عقیدت تھی جس کیوجہ سے دوسرے لوگ بادشاہ کی نگاہ میں حقیر نظر آنے لگے اور دوسرے شرفا، کے ساتھ آپکے مقابلے میں ان کے منصب سے کم معاملہ ہونے لگا، غرضکہ جو کوئی آپ کی طبیعت کے مطابق نہ ہوتا وہ بادشاہ کے یہاں حصولِ منصب سے محروم رہتا، کچھ عرصہ کے بعد سنہ ۹۸۶ھ میں بعض اسباب کی بناپر مزاج شاہی میں کچھ فرق آگیا اور آپ عہدۂ وزارت سے معزول ہوگئے، آپ کو اور مولانا عبداللہ سلطان پوری کو جو کہ افغانوں کے دور سے اب تک معزز و مکرم تسلیم کئے گئے تھے جن کا لقب مخدوم الملک تھا اور جو صحیح الرائے، عقلمند اور تجربہ کار مشہور تھے مکہ مکرمہ کیطرف سفر کرنے کا حکم دیدیا گیا اس لئے کہ یہ دونوں باہم دیگر مخالف تھے لیکن اس کے باوجود ان دونوں حضرات کے درمیان راستہ بھر نیز مکہ مکرمہ میں بھی اتفاق کی کوئی صورت پیدا نہ ہوسکی۔ آخر کار پریشان ہوکر دونوں حضرات مکہ مکرمہ سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔

مخدوم الملک نے گجرات کے علاقہ میں پہنچ کر سنہ ۹۹۱ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور شیخ عبدالنبی لوٹ کر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے، عرصہ دراز تک جیل میں محبوس رہے اس سے پہلے بادشاہ کی نظر میں آپ جتنے معزز و مکرم تھے اب اتنا ہی ذلیل و خوار اور غیر معتبر ہوئے، وہیں جیل خانہ میں سنہ ۹۹۲ھ میں انتقال فرمایا۔

شیخ عبدالقدوس نے اپنے رسالہ قدسیہ میں بھوک کے بیان میں لکھا ہے اللہ تعالیٰ نے تم سے کہا ہے کہ بھوک کی دو قسمیں ہیں، سفلی اور علوی، سفلی بھوک تمام حیوانات میں ہے، حیوانی روح جب اس دنیا میں جانوروں کے اندر آکر انکے جسم کو واضح کرتی ہے یعنی جب حکمِ الٰہی کے سبب تمام جانور چلنے پھرنے لگتے ہیں، ان میں حرارت بھی پیدا ہوجاتی ہے تو وہ غذا کے محتاج نظر آتے ہیں اور ان کو بھوک پیاس کی ضرورت ہوتی

ہے، اور یہ اپنی بھوک پیاس کے ادنیٰ درجہ (سفلی) کیوجہ سے ترقی نہیں کر سکتے غرضکہ تمام حیوانات اپنے گوناگوں اختلافاتِ جسمانی کے باوجود سفلی بھوک سے متصف ہیں۔

علوی بھوک تمام عام انسانوں میں موجود ہے، انسان جب سمندر محض ہوتا ہے اور عالمِ غیب سے عالمِ محبوبیت میں ترقی کر کے عالم جنبش سے عالم بےحسی میں متوجہ ہوتا ہے اسوقت حق کی حقانیت ظاہر ہوتی ہے اور میدان حضرتِ الٰہی میں تجلی افروزی کی جانب لپکتا ہے جس کا مطلب اللہ کی احدیت ہے جس کے بیشمار انوار داسرار، جمال وجلال، کریمی ورحیمی، ستاری وجباری، قدوسی وقہاری وذاتی دخلاقی، رحمانیت دربوبیت ہزار در ہزار موج در موج لہریں لیتی ہے۔

نورالٰہی کا رنگ، اضافت روح ولایت اور نبوت ورسالت یہ سب اللہ ہی کے اسماء ہیں جو کہ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ کے مختلف مناظر ظاہر کرتے ہیں اور یہیں سے عالمِ احدیت کی ابتدا ہوتی ہے، یہ روحِ انسانی کا مقام ہے اسی کا نام عالمِ جبروت ہے جوکہ مقامِ قرب اور عالمِ معیت کہلاتا ہے یہ اگرچہ مقامِ تجلی ہے لیکن اس مقام ہمسایگی کی سطوتوں سے مکمل فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا تو لازماً پھر مقامِ تجلی میں واپس ہو کر عالمِ عقول بنجاتا ہے، عالمِ ملکوت جو ہے وہ روحِ انسانی کا مقام ہے، یہاں ظہورِ نفس کی معرفت ظاہر ہوتی ہے اور مقام تقدس و میدان تسبیح وتہلیل سے قریب تر ہوجاتا ہے اور یہی وہ مقام قید وبند ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ، اسی وجہ سے عشق کا مظہر پوری طرح فائدہ حاصل نہیں کر سکتا اور کمالِ معرفت کا فائدہ جو بروج کے عروج کا انتہائی مقام ہے حاصل نہیں کرتا اور آخر کار مقامِ تجلی میں واپس ہو کر عالمِ اجسام میں ظہور پذیر ہوجاتا ہے اور ابتدا و انتہا میں مظہر انسانیت بنجاتا ہے اور عروجی شان کے مدنظر وَاِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی کے بحرِ محض اور وجود صرف کیجانب قدم اُٹھاتا ہے اور جب جوش سوزش عشق مقام فَاَحْبَبْتُ میں بحرِ صفات کا رازبن کر اپنے وجود میں جلوہ گری کرتا ہے تو وہ کم مایہ ہو کر اپنے معلومات کو علم کے حوالہ کر دیتا ہے اور علم اپنے معلومات کے ساتھ بحرِ صفات بن کر

مجاز کو حقیقت، حقیقت کو مجاز، وحدت کو کثرت اور کثرت کو وحدت، غائب کو حاضر اور حاضر کو غائب، صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح، برائی کو اچھائی اور اچھائی کو برائی کر کے میدان وجود میں آتا ہے اور پھر اسوقت الرّحمٰن علی العرش استویٰ کا پرچم بلند کرتا ہے، اس کے بعد ایک فریق جنت میں اور دوسرا جہنم میں جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ کا نعرہ بلند ہوتا ہے اور دنیا میں ایک شور و فغاں برپا ہوتا ہے جس سے عشاق کانپ جاتے ہیں اور ہر ایک بحب طاقت منظر نوعیت الٓمٓ ذٰلک الکتاب لاریب فیہ بن جاتا ہے اور اپنے محبوب و مطلوب کے دامن کو تھام لیتا ہے اور یہی وہ بھوک ہے جو انسانی معدہ میں فطری طور پر موجود ہے اور یہ آتشِ دوزخ سے زیادہ تیز و گرم ہے جو کہ کثیف بھوک کو لطیف اور مقید کو مطلق اور انسانیت کو رحمانیت بناتی ہے، اس بھوک کے ذریعہ سے انسان اللہ تک پہنچتا ہے یہ صرف بنی نوع انسان کی خصوصیت ہے دوسرے حیوانات اس سے محروم ہیں کیونکہ وہ سراسر سفلی ہی سفلی ہیں، فرشتے اور روحیں اگرچہ علوی ہیں لیکن بھوک کی آگ سے محروم ہیں اسی لئے وہ اپنے مقام سے ذرّہ برابر بھی ترقی نہیں کر سکتے کیونکہ اپنے مقام سے ہلنا آگ کا کام ہے یا پھر درد و محبت اور عشق کا خاصہ ہے

اب اچھی طرح سُن لو کہ بھوک کے تین۳ درجے ہیں، ایک کو آتشِ گرسنگی کہتے ہیں جس کی خوراک کھانا و پانی ہے، دوسرے کو آتشِ درد محبت و عشق کہتے ہیں جس کی غذا خونِ جگر اور خس و خاشاک ہیں، تیسرے کو آتشِ محبوب و معشوق کہتے ہیں جس کی غذا حسن و جمال اور اوصاف کمال ہے جیساکہ ارشاد ہے ان اللہ جمیلٌ و یحبّ الجمال

عاشقِ حسنِ خود است آں بے نظیر — حسنِ خود را خود تماشا می کند

وہ بے مثال و بے نظیر اللہ خود ہی اپنے حسن کا عاشق ہے اور اپنے حُسن کا خود ہی تماشا کرتا ہے۔

شیخ امجد دہلوی

۱۴۲۵ء ——— ۱۴۹۹ء

آپ سلطان بہلول کے زمانہ میں خواجہ قطب الدین الحق کے ملازم اور صحبت یافتہ تھے نیز آپ سے روحانی

استفادہ کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی ضروری کام کے لئے اپنے وطن سے روانہ ہوئے راستے میں دریا پڑا جب اس کی گہرائی میں پہنچے تو ہلاکت کے قریب ہوگئے، اسی لمحہ دریا میں سے ایک آدمی نمودار ہوا جس نے آپکو ڈوبنے سے بچالیا، وہاں سے گھر واپس ہوئے، پھر کبھی باہر قدم نہیں نکالا اور بلا واسطہ خواجہ قطب الدین سے استفادہ کی نسبت قائم کرلی اور دوسرے لوگوں کو مرید کرنے لگے، آپ کا مقبرہ حوض شمسی پر ہے، اللہ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

شیخ ادھن دہلویؒ

۸۶۱ھ ـــــــ ۹۳۴ھ

مصنف کتاب (شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ) کے نانا تھے، آپ کا اصلی نام زین العابدین تھا، اور عرف شیخ ادھنؒ تھا، بڑے دانشمند اور عابد و زاہد تھے، بجد خشوع وخضوع، خاکساری واداب وتہذیب اور وقار ودبدبہ کے بزرگ تھے، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کوئی شخص ایسا نہ دیکھا جس کا ظاہر وباطن یکساں ہو، البتہ شیخ ادھنؒ جس آداب سے باہر رہتے وہی طریقے گھر میں بھی برتتے تھے، ہمیشہ ذکرِ الٰہی سے رطب اللسان رہتے تھے چہرۂ مبارک نہایت خوبصورت تھا، علم وتقویٰ کے انوار پیشانی پر چمکتے تھے، اکثر و بیشتر روزے سے رہتے تھے اور کھانے میں بہت احتیاط کرتے تھے، سلطان لودھی نے آپکو اپنا نگراں مقرر کرنا چاہا لیکن آپ نے انکار فرمادیا، آپ مولانا سماع الدین کے مرید تھے اور میاں عبداللہ طلبنیؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا، آپ کی وفات ۹۳۴ھ میں ہوئی، حوض شمسی کے مغرب میں آپ کا مقبرہ ہے، اللہ آپ سب پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ یوسف قتالؒ

۸۵۵ھ ـــــــ ۹۲۳ھ

آپ نے بجد ریاض اور مجاہدے کیے اور کمال حاصل کیا، آپ قاضی جلال الدین لاہوری کے مرید اور انہی کے داماد تھے۔ مشہور ہے کہ سلطان محمد تغلقؒ کے بنائے ہوئے پل پر ریاضت کرتے اور مشغول عبادت رہا کرتے تھے اسی زمانے میں ایک آدمی جس کا نام بھی جلال الدین تھا آپ سے حصولِ فیض کا خواہشمند تھا ہمیشہ

منتظرِ حکم رہتا تھا، جو کچھ آپ ارشاد فرماتے تھے اس پر عمل کرتا تھا یہانتک کہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ گیا، آپ نے ۹۳۳ھ میں وفات پائی اور ہفت پل کی عمارت میں آپ کا مقبرہ ہے۔

مولانا شعیبؒ

۸۴۹ —————— ۹۳۶ھ

آپ عالم باعمل تھے، سیرت وصورت کے لحاظ سے فرشتہ خصلت تھے اور وعظ و نصیحت میں بے مثال تھے، جب وعظ کہتے اور قرآن شریف کی تلاوت کرتے تو کسی کو طاقت نہ تھی کہ وہاں سے چلا جائے اگرچہ اسکے سر پر بوجھ ہی کیوں نہ ہو وہ برابر کھڑے ہو کر آپکی تلاوت اور وعظ کو سنتا رہتا، دوران وعظ میں خوشخبری اور عذاب کے مختلف مقامات پر آپ کی حالت خود بخود غیر ہو جاتی، شہر کے بلند پایہ علماء اور مشائخ آپکے وعظ میں شریک ہوتے تھے شہر کے اکثر و بیشتر باشندے آپکے شاگرد تھے۔

آپ کے والد مولانا منہاج اپنے بچپن میں لاہور سے حصولِ علم کی غرض سے دہلی آئے اور زمانہ طالب علمی میں بیحد تکالیف برداشت کرتے رہے، بعد از فراغت سلطان بہلول کے زمانہ میں مفتی شہر مقرر ہوئے اور یہیں دہلی میں سکونت پذیر ہو گئے

حکایت ہے کہ مولانا منہاج بعض اوقات دکانوں سے آٹا اور گھی مانگ لاتے اور اسی کا چراغ بنا کر مطالعہ کرتے اور صبح کو اسی کی روٹی پکا کر کھا لیا کرتے اور اسی پر اکتفا فرماتے عرصہ دراز تک یہی معمول رہا یہانتک کہ علم حاصل کر لیا۔

اور ہمارے شیخ (عبدالحق محدث دہلویؒ) کے خاندان کی مولانا منہاج سے قریبی رشتہ داری ہے۔

حکایت ہے کہ جس درویش سے شیخ یوسف قتال کو نعمتیں حاصل ہوئی تھیں اس سے پہلے اس نے مولانا شعیب کے پاس آکر کہا کہ میں تم کو ایک کام بتاتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ اپنا کام یعنی درس و تدریس چھوڑ دو، مولانا شعیب نے فرمایا کہ میں

ایک محنتی آدمی ہوں میں نے بڑی کوششوں اور کاوشوں سے علم حاصل کیا ہے اور آخرت کی نجات بھی اسی راہ میں ہے اسکا چھوڑ دینا میری طاقت سے باہر ہے البتہ اور جو کچھ آپ ارشاد فرمائیں گے اس پر عمل کروں گا اور پھر جب آپکے ارشاد کے موافق شغل دکام مجھ پر غالب آجائے گا تو یہ تعلیم دینا خود بخود چھوٹ جائے گا۔ اس کے بعد وہ درویش وہاں سے رخصت ہوکر شیخ یوسف قتال کے پاس گیا اور شیخ یوسف "قتال" سے جو کچھ فرمایا انھوں نے عمل کیا، مولانا شعیب نے ۹۳۶ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار ملک زین الدین کی خانقاہ کے قریب شمالی جانب واقع ہے اور ملک زین الدین در اصل سلطان سکندر لودھی کے زمانے کے ایک صالح اور سخی بزرگ تھے۔

ملک زین الدین اور وزیر الدینؒ

یہ دونوں بھائی شریف خصلت اور صالح تھے ان کے باپ دادا بطور وراثت بادشاہان دہلی کے ملازم تھے انکے اخلاق کریمہ اور اوصاف حمیدہ لکھنے کے لئے دفاتر درکار ہیں، سلطان سکندر کے چچازاد بھائی خان جہاں کے وکیل تھے، ایک زمانہ میں جبکہ سلطان سکندر کو اپنے چچازاد بھائی سے کچھ کدورت سی پیدا ہوئی اس نے زمانہ سازی اور برادرانہ تعلق کی بنا پر ظاہر نہیں فرمایا، بارہ ہزار سوار فوج اور حکومت دگورنری وغیرہ انہی کے تفویض میں رہنے دی البتہ ان کے وکیل ملک زین الدین کو خود خفیہ طور سے کہا اور اپنے ہاتھ سے ایک حکمنامہ لکھا کہ خان جہاں کے مال و دولت پر قبضہ کر کے جس طرح چاہو خرچ کرو لیکن خان جہاں کو بالکل خبر نہ ہو اور یہ بھی حکم لکھ بھیجا کہ وکیل زین الدین سے حساب لیا گیا ہے کسی کو ان سے تعرض کا حق نہیں ہے جو کچھ اس سعادت مند کے اختیار میں تھا صدقات دمیراث وغیرہ سب کو نیک مقاصد میں صرف کیا کرتے تھے

اکثر و بیشتر علماء وصلحاء آپ کو دوست رکھتے تھے اور آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، وزیر الدین آپکے چھوٹے بھائی نے حکومت کی کوئی ملازمت نہیں کی بلکہ اپنے

بڑے بھائی کی کفالت میں رہے اور ساری عمر تجرد کی حالت میں بسر کی، اکثر و بیشتر زیارتِ قبور کے لئے جاتے تھے

ملک زین الدین نے دہلی اور اس کے اطراف کے مقبروں اور زیارت گاہوں کی نگرانی اپنے ہاتھ میں لی اور تمام عالموں، صوفیوں اور صالح لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک برقرار رکھ کر ان کو ہمیشہ خوش رکھا۔

سلطان سکندر کا دَور خیر و فلاح کا دَور تھا آپ کو علماء اور صلحاء اور شریف لوگوں سے لگاؤ تھا یہی وجہ ہے کہ اس دَور میں دُور دراز کے علماء و صلحاء عرب و عجم سے آکر یہاں سکونت پذیر ہو گئے۔ جتنے بزرگوں کا یہاں ذکر آتا ہے اکثر و بیشتر اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، سلطان سکندر کی تعریفیں حد تقریر و تحریر سے خارج ہے آپ کی فراست بلکہ کرامت سے متعلق واقعات نقل کئے گئے ہیں۔

شعر

گر این جملہ را سعدی املا کند   مگر دفترے دیگر انشا کند

اگر سعدیؒ یہ سب کچھ لکھتے تو ایک بڑا دفتر ہو جاتا۔

سلطان سکندر ۸۹۴ھ میں تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوئے اور ۹۲۳ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے اور (۳۹) سال حکومت کی۔

نقل ہے کہ شیخ زین الدین ہمیشہ کھڑے ہو کر قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے انھوں نے ایک رحل بنائی تھی جس کی اونچائی اُن کے سینے تک تھی اس پر قرآن کریم رکھ کر تلاوت کیا کرتے تھے، ساتھ ہی چھت میں ایک رسّی لٹکا کر اس کا پھندا اپنے گلے میں ڈال لیا کرتے تھے تاکہ اگر نیند آئے تو رسّی ان کا گلہ دبائے اور اس سے وہ سونے نہ پائیں۔

ملک زین الدین وکیل کے تمام ملازم و نوکر آدھی رات کے بعد تہجد کے لئے اُٹھتے تھے اس وقت سے لیکر نماز چاشت تک اس کے محل میں کوئی شخص اشارہ کے سوا کوئی بات زبان سے نہیں کہتا تھا اس لئے کہ تمام لوگ ذکر و اذکار میں مشغول ہوتے تھے۔

کہتے ہیں کہ جمعرات کے دن رات کے وقت چانولوں پر تین تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح پر ایصالِ ثواب کیا کرتے تھے وہ چانول تقریباً کئی من ہوتے تھے جن کی دن کے وقت جمعہ کے روز قبولی پکتی اور غریبوں کو تقسیم کی جاتی تھی۔

یکم ربیع الاول سے بارہ ربیع الاول تک روزانہ ایک ہزار روپے بغرض ایصالِ ثواب بارگاہ نبوت اس طرح خرچ کیا جاتا کہ روزانہ ایک ہزار روپے اس پر اضافہ کرتے رہتے، یعنی یکم کو ایک ہزار، دوسری تاریخ دو ہزار، تیسری تاریخ تین ہزار، اور بارہویں ربیع الاول کو بارہ ہزار روپے خرچ کرتے تھے، یہ اُن دنوں کا واقعہ ہے جبکہ ارزانی کا زمانہ تھا۔

حکایت ہے کہ ملک زین الدین اور وزیر الدین دونوں بھائی ہر بدھ کے دن غسل کرکے ختم قرآن شریف کرایا کرتے تھے اور اللہ سے اپنی شہادت کی دعا مانگتے تھے، چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی، شیخ زین الدین کو انکے نافرمان غلام نے بوقت سحر دودھ میں زہر ملاکر پلا دیا اور شیخ وزیر الدین سلطان ابراہیم کے ساتھ جنگ میں شہید ہوئے، حوض شمسی کے مغربی جانب آپ کا مزار ہے، آپ کی خانقاہ، چبوترہ اور مزار کا محل وقوع پُر اثر اور بے نظیر ہے، آپ کا مزار حوض شمسی کی دوسری عمارتوں سے زیادہ مشہور ممتاز اور پُر رونق ہے، اس وقت بھی آپکے مقبرہ سے آثارِ رحمت ظاہر ہیں، اللہ آپ پر اور سب پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

شیخ جمالی رح

۸۴۵ھ —— ۹۴۲ھ

آپ مولانا سماء الدین کے مُرید اور یکتائے زمانہ جامع اخلاق تھے آپ کا اصلی نام جلال خاں ہے شروع میں جلالی تخلص رکھا تھا لیکن بعد میں اپنے مرشد کے حکم سے جمالی تخلص رکھا، بچپن ہی میں والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تھا لیکن اپنی قابلیت اور محنت کی بدولت کمال حاصل کرکے شاعر ہو گئے۔ شاعری کے اقسام منجملہ مثنوی، غزل اور قصیدہ کہتے تھے، آپ کے اشعار سے اہل سخن واقف ہیں، آپ مثنوی اور غزل کی بہ نسبت قصیدہ زیادہ اچھا کہا کرتے تھے

خوب سیر و سیاحت کی اور حرمین شریفین کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے، مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ اور جلال الدین دوّانی سے بھی آپ نے ملاقات کی ہے آپ ظاہری اور باطنی طور پر عظمت رکھتے تھے، جلسوں میں شرکت فرماتے تھے اور اپنے عزائم میں بڑے دلیر اور پکے تھے مجلس میں بڑے بڑے لوگوں کو آپکے سامنے گفتگو کی مجال نہ ہوتی، آپ کی زندگی کا ابتدائی دَور سلطان سکندر بن بہلول کے زمانے سے ہے، سلطان بابر کے نزدیک بھی آپ معزز تھے، آپ نے اس کے لئے بھی ایک قصیدہ لکھا ہے جسکا ایک شعر یہ ہے۔

شعر

شاہ دشمن کش ظہیر الدین محمد بابر آنکہ　　　کشورِ بنگالہ را ز الغار کابل بشکند

اسی طرح ہمایوں بادشاہ کی شان میں بھی قصائد لکھے ہیں، آپ کو اپنے مرشد سے بیحد عقیدت تھی، رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح میں آپ کا یہ شعر مشہور ہے بعض بزرگوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے خواب میں اس شعر کی قبولیت کی بشارت بھی پائی ہے

شعر

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتوِ صفات　　　تو عین ذات می نگری در تبسمی

قطب صاحب میں آپ نے اپنی زندگی میں اپنا مقبرہ بنایا تھا جہاں زندگی میں رہا کرتے تھے اور وہیں مدفون ہیں۔ آپ نے ۱۰ ذی القعدہ ۹۴۲ھ میں وفات پائی، یہ وہ سال ہے جبکہ آپ ہمایوں بادشاہ کے ہمراہ گجرات تشریف لے گئے تھے اور وہیں آپ کی روح پرواز ہوئی تھی۔

شیخ جمالی کے دو بیٹے تھے، ایک شیخ عبدالحی جن کا تخلص حیاتی تھا، مکارمِ اخلاق کا مجموعہ اور بڑے خوبیوں کے بزرگ تھے، اپنے زمانہ میں جامع فضائل اور مرجع شرفار تھے، شیخ جمال ان سے بڑی محبت کرتے اور دل سے چاہتے تھے۔

فی البدیہہ شعر کہتے اور بکثرت کہتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ اگر شعر گوئی کی قوت کو وہ فکر صحیح اور زمانہ شناسی میں صرف کرتے تو بہت کچھ انوکھی باتیں اُن سے ظاہر ہوتیں، سادہ زندگی بسر کرتے اور عجیب و غریب واقعات سناتے تھے، ہمیشہ دوستوں

کی دلجوئی میں لگے رہتے، چونکہ ہر ایک جماعت کے رازدار تھے اسی لئے مزید شہرت کے مالک ہوئے، عزت اور بزرگی کے باوجود ہر ایک سے بلا تکلف تھے، معمولی سی آمدنی میں بڑے ہی خوش اور مگن رہا کرتے تھے، کسی کو آپ کی کلفت و محنت ذرہ برابر معلوم نہ ہوتی تھی روزانہ سیر و سیاحت اور شوق و ذوق میں رہتے تھے۔ افغانوں کے زمانہ حکومت میں جو کوئی طالب علم، شاعر یا قلندر وغیرہ افغانستان کی سمت سے دہلی آتا تو آپ کے گھر میں قیام کرتا تھا۔ حُسنِ سلوک اور خدمت خلق آپ کی عادت تھی جو آپ کو والد کے ترکہ سے ملی تھی۔ خوب دولت پائی اور تھوڑے ہی دنوں میں اپنے دوستوں پر خرچ کر دی۔ اور جوانی ہی میں جاں بحق ہوئے پیدائش سنہ ۹۲۳ھ میں ہوئی اور وفات سنہ ۹۵۹ھ میں ہوئی ہے آپ کی قبر آپ کے والد کے مقبرے کے چبوترے کے باہر ہے۔

سید شاہ میرک جو کہ سید شریف جُرجانی کے فرزند تھے عالی نسب سید ہونے کے ساتھ تمام فنون اور نوادرات میں بے مثل تھے انھوں نے بھی شیخ عبدالحی حیاتی کی تاریخ وفات یوں کہی ہے۔

تاریخ وفات

نادر العصر شیخ عبدالحی — کہ بوصفش مرا زبان نہ بود
وقت نزعش بسر رسیدم من — گفتم اے چوں تو در زمانہ بود
سال تاریخ خویش خود فرما — کہ جزاو درد ایں زباں نہ بود
گفت تاریخ من بود نامم — بندہ وقتے کہ درمیاں نہ بود

اس میں شیخ عبدالحی کے لفظ میں سے لفظ بندہ کا استخراج کیا ہے۔

شیخ جمالی کے بڑے بیٹے شیخ گدائی تھے، بزرگی اور مرتبہ میں اپنے والد کے دوش بدوش تھے، اول و آخر میں ہمیشہ بزرگی و شوکت کے حصول کے دلدادہ رہے، دولت و عزت دنیاوی کے باوجود بڑے برگزیدہ و بزرگ تھے۔

ابتدائی جوانی میں آپ نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ کے مقرب اور اسکے مصاحبوں کے زمرہ میں ملازم تھے، اس کے بعد جب شیر شاہ حملہ کر کے تخت شاہی پر قابض ہوگیا تو آپ چونکہ ہمایوں بادشاہ سے تعلق رکھتے تھے اس لئے اس شہر کو چھوڑ کر گجرات روانہ

ہوئے، دہاں سے مع بال بچوں کے ساتھ زیارت حرمین شریفین کا قصد کیا، بعہد شہنشاہ وقت جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے دور میں وطن واپس ہوئے خان خاناں محمد بیرم خاں سے چونکہ آپکے تعلقات تھے اس لئے پھر حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے، اس کے بعد بعض خفیہ حالات اور عشق الٰہی کی وجہ سے تارک الدنیا ہوکر خان خاناں کے مشورہ سے حرمین شریفین روانہ ہوئے، یہ سنہ ۹۶۸ھ کا واقعہ ہے ابھی آپ راستہ ہی میں تھے کہ بعض دشمنوں نے حملہ کرکے آپ کو سخت تکلیف پہنچائی، جہاں سے لوٹ کر کوہ جیسلمیر میں قیام پذیر ہوگئے لیکن کچھ عرصہ بعد دہلی واپس آگئے، اور حکومت کی جانب سے جو پنشن آپ کو ملتی تھی اسی پر قناعت کرتے رہے، اور یہیں دہلی میں مقیم رہے اگرچہ اسوقت آپ بوڑھے تھے لیکن زندگی کے باقی دن ماہرو نازنینوں کے ساتھ باغوں میں بسر کیے اور پھر جب سنہ ۹۷۶ھ میں موت کا پیام آیا توسب کچھ چھوڑ کر عالم جاودانی کی جانب کوچ کیا۔

سیّد حسین پائے مناریؒ

۸۶۰ھ ——————— ۹۴۲ھ

آپ بڑے جہاندیدہ اور صاحبِ صحبت درویش تھے، بڑے جسیم تھے، سلطان سکندر کے زمانے میں مشہد مقدس طوس سے آکر دہلی میں سکونت پذیر ہوگئے، سلطان کی صحبت خوشگوار نہ آئی اس لئے قلعہ دہلی میں پائے منار کی مسجد میں گوشہ گیر ہوگئے، سلطان کی بعض رئیس زادیاں آپ کی معتقد ہوگئی تھیں اس لئے ضروری اسباب معیشت کا انتظام ہوگیا اس کے علاوہ اندرون قلعہ کی کچھ زمین پر خود کاشت کرتے تھے اور اس کی آمدنی فقراء پر خرچ کرتے تھے، آپکے اور شیخ جمالی کے درمیان کچھ ناخوشگواری تھی، شیخ جمالی آپ سے مزاح کرتے اور آپ کی طرف ناشائستہ باتیں منسوب کرتے تھے، ایک دن آپ نے غصہ میں اپنا عضو مخصوص کاٹ کر شیخ جمالی کے پاس بھیجدیا، بعض لوگ اس واقعہ کی تردید بھی کرتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ کو استسقاء کی بیماری تھی، چنانچہ بمشورہ اطباء آپ نے

آپریشن کرایا اور لوگوں میں یہ بات اس طرح مشہور ہوگئی

کہتے ہیں کہ آپ کی ایذا رسانی کے مدِّنظر شیخ جمالی نے بطور ظرافت یہ شعر کہا ہے۔

شعر

آلتِ خویش را چو بریدی ! علت پس چگونہ خواہد رفت

باقی حقیقتِ حال سے اللہ ہی زیادہ واقف ہے آپ نے ۹۴۲ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، آپ کا مزار دہلی میں منار شمسی کے پائیں میں ہے اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے

شیخ یوسف چریاکوٹی رح

۸۷۱ھ ——— ۹۵۱ھ

مشربِ شطاریہ کے درویش تھے آپکا حلقۂ ذکر عجیب وغریب تھا، دورانِ ذکر عشقیہ اشعار پڑھتے تھے اور وجد میں آتے تھے بڑی شان کے بزرگ تھے، دو واسطوں کے ذریعہ شیخ عبداللہ شطار تک آپ کا سلسلہ ہے، آپ کے والد بزرگوار نے شیخ شطار سے فیض حاصل کیا تھا، اس وقت بھی آپ کی اولاد علاقہ دوآبہ کے درمیان بعض مواضعات میں موجود ہے، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ خانو گوالیری رح

۸۴۹ھ ——— ۹۴۱ھ

آپ اپنے وقت کے مشہور مشائخ میں سے تھے، خواجہ حسین ناگوری کے مرید تھے اور شیخ اسمٰعیل ابن شیخ حسین سرمست سے خرقہ حاصل کیا، حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی محبتِ روحانی میں غرق تھے، بڑھاپے اور کمزوریٔ اعضاء کے سبب لوگوں کی تعظیم کے لیے کھڑے نہ ہوتے تھے، ایک مرتبہ آپکے والد صاحب آپکے پاس گئے ہوئے تھے تو والد صاحب نے دریافت کیا کہ آپ کسی کی تعظیم کے لئے کھڑے نہیں ہوتے اسکا کیا سبب ہے تو آپ نے جواب دیا کہ میں بوڑھا اور کمزور ہوگیا ہوں اس لئے ہر آنے جانے والے کی تعظیم کے لیے نہیں کھڑا ہو سکتا، بعض کے لئے قیام کرنا اور بعض کے لئے نہ کرنا فقیروں کے شایانِ شان نہیں ہے اس لئے میں معذور ہوں۔

شیخ نظام نارنولی آپ کے مریدوں میں سے تھے انھوں نے بھی اپنے پیر و مرشد کے اتباع میں بغرض تعظیم کھڑا ہونا ترک کر دیا تھا، اس کے باوجود مقبول عام و خاص اور شہرت کے مالک تھے

شیخ نظام کے بھائی شیخ اسمٰعیل بھی آپ ہی کے مرید و خلیفہ تھے بڑے جوانمرد تھے ان کے بھی اکثر مرید ہیں۔ شیخ اسمٰعیل کے مریدوں میں سے خواجگی وہ بزرگ تھے جن کو شیخ اسمٰعیل نے پختہ درویش بنایا تھا جو بعد میں بیانہ کی ایک مسجد میں گوشہ گیر ہو گئے تھے۔

شیخ منور جن کا مزار آگرہ میں ہے وہ بھی شیخ خانو کے مرید تھے، شیخ خانو ہمیشہ جذب کی حالت میں رہتے تھے ۹۴۱ھ میں آپ نے انتقال فرمایا۔

شیخ علاؤ الدین رح

۸۷۲ھ ——— ۹۴۸ھ

آپ شیخ نور الدین اجودھنی کے فرزند ہیں جو شیخ فرید الدین گنج شکر کی اولاد میں سے تھے، آپ یکتائے زمانہ، فرشتہ صفت اور ذی اخلاق بزرگ تھے، فطری طور پر آپ مہذب اور مؤدب پیدا ہوئے تھے، درویشوں کے اخلاق و کمالات آپ کی طبیعت میں داخل ہو گئے تھے، بردباری و کرم سخاوت و درگذر کرنے کی صفات آپ میں بدرجۂ اتم موجود تھیں، تن پروری اور نفس پرستی سے پرہیز کرتے تھے، اپنے زمانہ میں فرید ثانی کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کو خواجہ قطب الدینؒ کی روحانیت سے خاص رابطہ اور تعلق تھا۔

حکایت ہے کہ ایک دن ایک درویش نے آکر کہا کہ میرے پاس تریاق ہے آپ نے جواب میں فرمایا کہ میرے پاس بھی ہے، بعد میں فرمایا اچھا امتحان کریں، چنانچہ ایک چڑیا کو پکڑ کر اسکے حلق میں ایک قطرہ زہر ٹپکایا گیا اسکے بعد شیخ علاؤ الدین نے لنگرخانے میں سے کیک کا ٹکڑا پانی میں بھگویا اور وہ پانی اس چڑیا کے حلق کے ڈالا گیا اسی وقت وہ چڑیا زندہ ہو گئی، آپ ۸۷۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۴۸ھ میں انتقال فرمایا، آپکا مزار پرانی دہلی کی سرائے میں ہے جہاں آپ کے خاندان کے اکثر بزرگ سکونت پذیر ہیں

سیّد سلطان بھڑائچیؒ

۸۵۹ھ ———————— ۹۴۹ھ

والد بزرگوار فرماتے تھے کہ سید سلطان بھڑائچی اہلِ دل، خاکسار اور صاحبِ ہمت درویش تھے، شیخ علاؤالدین کے مرید تھے مگر تلقین و ارشاد کا تعلق مشرب شطاریہ سے رکھتے تھے، لباس میں صرف سترِ عورت پر اکتفا کرتے اور عام طور پر ننگے سر رہا کرتے کبھی درویشوں کے ساتھ رہتے اور کبھی عالمِ تنہائی میں رہتے، دنیوی رسوم سے آزاد رہا کرتے تھے، ذکر بالجہر زیادہ کرتے تھے، دورانِ ذکر میں آپ اپنے قلب پر اس زور سے ضرب لگاتے تھے کہ جس طرح صنوبر کی لکڑی چیرتے وقت کٹر کٹر کی آوازیں نکلتی ہیں اسی طرح آپکے دل سے آوازیں نکلتی تھیں۔

میرے والد صاحب نے فرمایا کہ میں پہلے طلب حق کے سلسلہ میں سلطان بھڑائچی کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اسوقت کتابت میں مشغول تھے میں بیٹھے بیٹھے سر نیچا کئے چپکے چپکے ذکر کرنے لگا، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر میری طرف غصہ سے دیکھنے لگے اور بعد میں تبسم فرمایا اور مجھے اپنے سینہ سے لگایا اور مہربانی فرمائی، لیکن مجھے حقیقت دریافت کرنے کی جرأت نہ ہوئی، پھر جب میں وہاں سے چلا گیا تو آپ نے خود مجلس میں ذکر کیا کہ آج میرے پاس ایک نوجوان آیا جو قلب سے ذکر کر رہا تھا مجھے غیرت آئی چاہا کہ اس کے دل پر ایک طمانچہ ماردوں لیکن میرے پیر و مرشد حاضر ہوئے، فرمایا کہ رحم کا مقام ہے۔

حکایت ہے کہ آپ کو ایک ہندو عورت سے محبت ہو گئی تھی جو آپکی توجہ کی بدولت مسلمان ہو گئی تھی، اس کے قبیلہ کے لوگوں نے محمد زماں کے یہاں جو ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ کے رشتہ دار تھے، مقدمہ داخل کر دیا، محمد زماں نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ اس عورت کو گھر سے نکالدو ورنہ تم پر حملہ کروں گا، آپ نے تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ یہ مسلمان ہو گئی ہے اسکا کافروں کے سپرد کرنا ناجائز ہے، اگر آپ

لڑائی کا شوق ہے تو جلدی آجایئے، دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا معاملہ فرماتے ہیں، آپ کے اس جواب سے محمد زماں مرعوب ہو گیا اور اپنی حرکت پر شرمندہ ہوا

آپ کے مریدوں اور خلفاء میں سے شیخ ابن انبروہ بھی ہیں جو بوڑھے بابرکت اور مجذوب شکل تھے اللہ سب پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

سیّد علاؤالدین ؒ

۹۰۲ھ —————— ۹۸۷ھ

آپ عالی نسب سید اور صاحبِ ذوق وحال بزرگ تھے، فنِ موسیقی میں بھی ماہر تھے، شاعری بھی کرتے تھے، یہ غزل ان کے فرمو میں سے ہے۔

غزل

ندانم آں گلِ خنداں چہ رنگ و بو دارد — کہ مرغ ہر چمنے گفتگوئے او دارد

ترجمہ (نہ معلوم اس گلِ خنداں کی کیسی رنگ و بو ہے کہ ہر باغیچہ کا مرغ اس کی گفتگو میں مصروف ہے)

بجستجوئے نیابد کسے مراد دلی! — کسے مراد بیابد کہ جستجو دارد

ترجمہ (محض جستجو سے کوئی اپنے دل کا مقصد حاصل نہیں کر سکتا مگر وہ جو اس تلاش میں ہوں)

نشاط بادہ پرستاں بمنتہیٰ برسید — ہنوز ساقی ما بادہ در سبو دارد

ترجمہ (سرمستانِ شراب اپنے عروج پر پہنچ گئے حالانکہ ابتک ساقی کے پاس سبو میں شراب موجود ہے)

حدیثِ عشق تو تنہا نہ من ہمی گویم — کہ ہر کہ ہست ازیں گونہ گفتگو دارد

ترجمہ (آپکے عشق کی باتیں صرف میں نہیں کرتا بلکہ ہر شخص اس گفتگو میں حصہ لے رہا ہے)

متاعِ دل بکف دلبرے بدہ تو علاء — کہ ایں متاع گرانمایہ رانکو دارد

ترجمہ (سامانِ دل کو کسی محبوب کے حوالہ کر دینا اے علاء، چونکہ وہ اس قیمتی سامان کو خوب پسند کرتا ہے۔

سیّد علی رحمۃ اللہ علیہ

۸۲۷ھ ——————— ۹۰۵ھ

ارباب کمال اور صاحبان سکر و وجد و حال سے آپ کے گہرے تعلقات تھے ہمیشہ حال اور سرگرمی کی حالت میں رہتے اور مجذوبانہ باتیں کرتے تھے، ہمیشہ کسی خاص لباس میں نہ رہتے بلکہ کبھی تو مشائخین کا لباس پہنتے اور کبھی سپاہیانہ ڈریس زیب تن کرتے، دراصل سوانہ کے سادات میں سے تھے، طلبِ حق کے لئے سوانہ سے چلکر جونپور آئے جہاں درویشوں کی خدمت کی اور پھر شیخ بہاؤالدین جونپوری کے مرید ہوگئے مخصوص مقبولیت اور مخصوص حالت نصیب ہوگئی، رزق کے دروازے آپ پر کھل گئے۔ آپ کی چار بیویاں تھیں، اور اکثر لوگوں کو وظیفے دیا کرتے تھے، اپنی آمدنی میں سے نصف اپنی بیویوں کو دیتے، اور باقی نصف کو غریبوں محتاجوں پر خرچ کر دیا کرتے، آپ کی آمدنی مسلسل جاری رہی کبھی بند نہیں ہوئی۔ کہتے ہیں کہ آپ نے چالیس برس تک کسی خادم سے کام کرنے کو نہیں کہا، ایک رات آپ سو گئے تھے کہ یکایک آنکھ کھلی پیاس کا غلبہ تھا، جو آدمی ہمیشہ آپکے لئے پانی رکھا کرتا تھا وہ اتفاق سے اس رات رکھنا بھول گیا، آپ نے کئی بار پیاس کی شدت سے پانی تلاش کیا لیکن نہیں ملا، ایک مرتبہ جب پیاس نے ہیجان کر دیا تو آپ نے کسی نوکر سے پانی طلب کرنے کے بجائے اور اس عہد شکنی کے مدنظر جو آپ نے اللہ سے کیا تھا یہ کہا کہ اے موت آجا، تیرے آنے کا یہی وقت ہے، اس کے بعد پھر حالتِ اضطراب میں پانی تلاش کرنے لگے اس مرتبہ جب ہاتھ آگے بڑھایا تو پانی کا ایک بھرا ہوا پیالہ ہاتھ میں آیا اسکو پی کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

میرے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں سید علی رح کی صحبت سے مشرف ہو چکا ہوں اور آپکی باتیں سُن چکا ہوں، ان کی گفتگو میں ذوق و عرفان کا اثر تھا اور ان کی باتوں سے ان کے دل کی گرمیٔ محبت ٹپکتی تھی

سید علی رح فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اب تک دنیا دار کے گھر میں قدم نہیں رکھا ہے

ہر ایک کو اُس کے گھر سے اپنے گھر بُلایا ہے اور اپنے کسی نوکر کو بھی اپنے کسی کام کے لئے نہیں بھیجا، فرماتے تھے کہ بعض آدمی ایسے ہیں جو خود تو کسی کے گھر نہیں جاتے لیکن خادم کو بھیجدیتے ہیں یا رقعہ بھیجدیتے ہیں یہ بھی مناسب نہیں ہے چونکہ اس میں اپنی احتیاج کو ظاہر کرنا ہے

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ اے علی تم اپنے دروازے پر نقارہ کیوں بجواتے ہو؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم! نقارہ آپ ہی کی آمد کی اطلاع دہی کے لئے ہے، ورنہ میں کون ہوں، حضور نے ارشاد فرمایا کہ اے علی تم خلق خدا کے لئے دعا کرو کیونکہ تمہاری دعا فوراً قبول ہوتی ہے، آپ فرماتے تھے کہ میں فقرا کا خادم ہوں لیکن عصر اور مغرب کے درمیان مجھے معذور سمجھیں اور مجھے میری حالت پر رہنے دیا کریں

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ بھی عجیب قسم کے ہیں جو قوالوں سے کہتے ہیں کہ فلانی چیز اور فلانی غزل پڑھو کیونکہ ہمکو یہ پسند ہے، اور میری کیفیت یہ ہے کہ جو کچھ قوال سناتا ہے مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے اور اسی پر وجد آتا ہے۔ آپ نے ۹۰۵ھ میں وفات پائی اور آپ کا مزار جونپور میں ہے۔

شیخ ادھن جونپوری ؒ

۸۵۶ھ ——— ۹۶۷ھ

آپ شیخ بہاؤالدین ؒ کے فرزند ہیں، آپ اپنے وقت کے مشائخ و بزرگ تھے، بڑی عمر والے بابرکت اور عظمتِ ظاہری کے مالک تھے، آپ کی عمر سو برس سے زیادہ تھی لیکن ذوق و شوق تازہ تھا، ضعف کا یہ عالم تھا کہ جب تک دو آدمی پکڑ کر کھڑا نہ کرتے آپ کھڑے نہ ہوسکتے تھے لیکن جب قوالی سنتے تو دس آدمی بھی آپ کو نہ سنبھال سکتے۔

حکایت ہے کہ شیخ بہاؤالدین اپنے پیرو مرشد شیخ محمد عیسیٰ کی خدمت کیا کرتے تھے تو اس زمانہ میں شیخ بہاؤالدین فجر کی نماز تکبیر اولیٰ کے ساتھ پڑھتے تھے

اگرچہ آپکے متعلقین میں سے کوئی انتقال کرجاتا تب بھی تکبیر اولیٰ ان سے فوت نہ ہوتی تھی۔ایک دن شیخ بہاؤالدین کا لڑکا انتقال کرگیا تو چونکہ دوسرے لوگ اسوقت موجود نہ تھے یہ خود اس کی تجہیز وتکفین کے سامان میں مشغول ہوگئے اس وجہ سے تکبیر اولیٰ میں شرکت کے بجائے نماز میں تشہد پڑھتے وقت آکر شریک ہوئے، شیخ عیسیٰ نے نماز پڑھنے کے بعد شیخ بہاؤالدین کیطرف کرکے کہا انشاء اللہ اس کے بعد نہیں مرے گا، چنانچہ بعد میں شیخ ادھن پیدا ہوئے اور پیرو مرشد کی دعا کی برکت سے انھوں نے اور ان کی اولاد نے لمبی عمریں پائیں، شیخ ادھن نے ۹۶۷ھ میں وفات پائی، جونپور میں آپ کا مزار ہے

میاں قاضی خاںؒ ظفر آبادی

۸۶۹ھ ——————————— ۹۷۰ھ

آپ شیخ حسنؒ کے مرید اور خلیفہ تھے، راہِ طریقت کے صادقین میں سے تھے اصحاب کرامت و استقامت اور اہل حرمت وتقویٰ تھے، زمانہ کے لحاظ سے اگرچہ آپ متاخرین میں سے تھے لیکن صفائی معاملہ کے پیش نظر متقدمین میں شمار ہوتے تھے۔

حکایت ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے تیس سال جان کھپائی اور ریاضت کیا تب کہیں نفس کی مکاریوں کا تھوڑا سا علم حاصل ہوا اور یہ معلوم ہوسکا کہ نفس کس طرح ڈاکے ڈالتا ہے اور اس کے مورچے کون کون سے ہیں۔

حکایت ہے کہ شہنشاہ نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ نے آپ سے نذرانہ قبول کرنے کی بارہا درخواست کی لیکن آپ نے انکار فرما دیا، ایک مرتبہ بادشاہ نے وہ تمام مہریں جو شاہی فرمان پر لگی ہوتی ہیں ایک سادہ کاغذ پر لگاکر آپکے پاس روانہ کیا تاکہ آپ اسمیں جتنے مواضع اور جتنی مقدار رقم کی چاہیں لکھ لیں، لیکن آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں اور بغیر ضرورت مسلمان کا حق دبا لینا جائز نہیں ہے، نیز میں نے اپنے شیخ سے یہ عہد کیا ہے ؎

از خدا خواہم دز غیر نخواہم بخدا! نہ نیم بندۂ غیرے نہ خدائے دگر است

اس پر انھوں نے کہا کہ آپ اسے اپنے بیٹوں کو دیدیجئے کیونکہ ان کو ضرورت ہوگی، تو جواب دیا مجھے ان پر حکم چلانے کا کیا حق وہ چاہیں یں یا نہ یں، آخر کار جب یہ فرمان آپکے بڑے صاحبزادے شیخ عبداللہ کو دیا گیا تو انھوں نے بھی اس کو قبول نہیں کیا اور جواباً کہا بیٹا وہ ہے جو باپ کے نقشِ قدم پر گامزن رہے جب پدر بزرگوار نے اس کو قبول نہیں کیا تو مجھے بھی لازماً ہی کرنا چاہیئے۔

میرے والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ ہم چند آدمی جونپور سے دہلی کی طرف روانہ ہوئے جب ظفر آباد کے قریب پہنچے تو میاں قاضی خاں سے ملاقات کو غنیمت سمجھ کر انکی خانقاہ میں گئے اور شیخ وقت کے برآمد ہونے کے منتظر تھے کہ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا اور شیخ وقت اپنے دوسرے رفقار و صوفیوں کے ساتھ خلوت سے نکل کر باہر آئے پھر نماز پڑھنے کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور دریافت فرمایا آپ لوگ کہاں سے آرہے ہیں اور کہاں کا ارادہ ہے اور کیا کام کرتے ہیں اور آپکے اسم گرامی کیا ہیں؟ ہم میں سے ہر ایک نے مختصر جواب دیا، اس کے بعد دستر خوان بچھا اور درویشی کھانا کھلا کر ہم سب کو رخصت کیا۔

میرے والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ میں جونہی آپکے مکان سے نکلا تو مجھ پر ایک ایسی رقت طاری ہوئی کہ میں اس کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا، آپ نے ۱۵۔ صفر ۹۰۷ھ میں انتقال فرمایا اور آپ کا مزار ظفر آباد (دہلی) میں ہے۔

شیخ محمد مودود لاری رح

آپ ماہر علم توحید، رند مشرب تنہا پسند اور اہلِ تفرید تھے، بڑے بڑے لوگوں سے مقابلے کر چکے تھے، مشرب عالی اور ہمت بلند کے مالک تھے، ۸۵۷ھ ——— ۹۴۲ھ ۹۰۰ھ میں آگرہ آئے، شیخ امان سے بڑے اچھے تعلقات ہو گئے جنھوں نے آپ سے علم توحید حاصل کیا اور فصوص الحکم کو آپ سے پڑھا، جب رات ہو جاتی تو آپ نشۂ ذوق وحال میں سرگرم ہو کر شیخ امان سے کہتے دیوانہ! کتاب بند کرو اور ہماری باتیں سنو، پھر اسکے بعد حقائق و اسرار کے واقعات بیان کرتے۔

کہتے ہیں کہ آپ کو بعض نفع رساں علوم کیمیا وغیرہ معلوم تھے، اکثر اوقات آپ شیخ

امان سے فرماتے کہ میں میوہ دار درخت ہوں، مجھے ہلاؤ اور پھل چن لو لیکن شیخ امان ہمیشہ یہی جواب دیتے کہ آپ کی علم توحید کی گفتگو میرے لئے ہزار کیمیا سے زیادہ اچھی اور سود مند ہے۔ شیخ امان کی بابت آپ فرمایا کرتے تھے ہمیں ایک جوہر قابل ملا لیکن افسوس یک چشمی ہے، عام گفتگو میں بھی آپ شیخ امان کو کانا ہی کہہ کے مخاطب کیا کرتے تھے، عرصہ تک آگرہ میں مقیم رہے اس کے بعد شیخ امان کی محبت کی وجہ سے پانی پت جا کر ٹھہر گئے، شیخ امان نے آپ کی ضروریات کا معقول انتظام کر دیا، غرضکہ آپ نے پانی پت میں انتقال کیا، آپ کی اور شیخ امان کی قبر برابر برابر ہی ہے، اللہ آپ سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

شیخ محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ

۸۳۹ھ ——— ۹۴۴ھ

شیخ حسن طاہر کے بڑے صاحبزادے اور اپنے زمانہ کے بڑے عارف تھے، حال صحیح اور مشرب عالی رکھتے تھے، کہتے ہیں کہ جب آپ خلوت سے باہر آتے تو سب لوگ آپ کو دیکھ کر تعجب سے اللہ اکبر کہتے تھے، علم و حال اور مظاہر صوریہ سے متصف تھے، والد کے مسلک کے لحاظ سے چشتی تھے لیکن سلسلۂ قادریہ سے زیادہ نسبت رکھتے تھے، سالہا سال حرم مدینہ میں رہ کر رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مجاوری کی، یمن کے علاقے میں جو مشائخ قادریہ موجود تھے ان سے بیعت کر کے اجازتِ بیعت لی، حاجی شیخ عبدالوہاب جب دوسری مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت کے لئے گئے تو شیخ محمد حسنؒ کو اپنے ساتھ وطن واپس لائے۔ جونپور میں آپ کی ولادت ہوئی آگرہ میں سکونت پذیر رہے اور دہلی میں ۹۴۴ھ میں انتقال فرمایا، جے منڈل میں اپنے والد کے برابر ہی آپ کا مزار ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ نماز عصر کے بعد رات کا اس طرح انتظار کرتے تھے جیسے کوئی اپنے محبوب کا انتظار کرتا ہے، رات ہوتے ہی کمرے میں پہنچ جاتے، دروازہ اندر سے بند کر کے چراغ جلاتے اور ذکر الٰہی میں مصروف ہو جاتے، اور بعض اوقات اگر دل چاہتا تو تصوف سے متعلق تصنیف و تالیف کرتے اور جب وہ کتاب پوری ہو جاتی تو اسے

نذرِ آتش کر دیا کرتے یا قینچی سے کاٹ کر اُس کے پُرزے پُرزے کر دیتے، آپکے بعض رسائل بھی ہیں اور مکتوبات بھی ایک جا جمع کئے گئے ہیں کبھی کبھی اشعار بھی کہتے، آپکے بعض مرید آپ کو شاہ خیالی بھی کہتے تھے آپ کے مرید بکثرت تھے۔

ہمارے منجھلے چچا شیخ فضل اللہ عرف شیخ منجھو نے بھی آپ سے بیعت کی تھی جو آپ کے آخری مرید تھے۔

شیخ منجھو بڑے صاحبِ برکت و نعمت اور اوراد و وظائف میں مشغول اپنے پیر کی محبت میں مست رہا کرتے تھے اپنے زمانہ کے ایک مقبول اور صاحبِ ذوق وحال بزرگ تھے اور برکتیں و نعمتیں ظاہر کیا کرتے تھے۔

شیخ محمد حسنؒ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں خوب سمجھ لو کہ ایک دنیا ایسی ہے جس کا صرف محسوسات کے ذریعہ معلوم ہونا ممکن ہے۔ قل ھو الذی انشأکم وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ ترجمہ:- (فرما دیجئے پروردگار عالم ہی وہ خالق ہے جس نے تم کو بنایا اور تم کو کان، آنکھ اور دل عنایت کیا)

دوسری ایک دنیا وہ ہے جس کو صرف عقل و شعور ہی پہچانتا ہے، عقل وہ نور ہے جسے اللہ تعالیٰ قلبِ مومن کے سپرد کرتا ہے تاکہ حق و باطل میں امتیاز کر سکے

اس کے ماسوا ایک اور دنیا ہے جسے علم کی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ترجمہ:- (اگر تم صاحبِ علم نہیں ہو تو اہلِ ذکر سے پوچھ لو)

اور ایک دنیا وہ ہے جسے صرف عشق کے ذریعہ معلوم کیا جا سکتا ہے اللہ نے اپنے بندوں پر شانِ قہاریت رکھتے ہوئے ان کی حفاظت کے لئے محافظ مقرر کر دیے ہیں۔

اے عزیز! طورِ حس، طورِ عقل، طورِ علم سے بلند اور آگے ایک اور طور ہے جس کو طورِ عشق کہتے ہیں، اس طورِ عشق میں وہ وہ چیزیں دکھائی دیتی ہیں جو کسی اور طور میں نہیں ہوتیں۔ عرف من ذاق۔ اطال شوق الابرار الی لقائی فانا الیھم لاشد شوقاً ترجمہ:- (جس نے چکھا اُس نے معلوم کیا۔ ابرار کو جب مجھ سے ملنے کا شوق بڑھ جاتا ہے تو میں بھی ان سے ملنے کا مشتاق رہتا ہوں)

اے جوانمرد! مشتاق کے معنی صورت ہیں اور صورت کے معنی مشتاق ہیں، مولیٰ بندہ کا مشتاق ہے اور بندہ مولیٰ کا مشتاق ہے۔

اشعار

بانگ می آید کہ اے طالب بیا　　جود محتاجِ گدایاں چوں گدا
جود می جوید گدایانِ ضعاف　　ہمچو خوباں کائینہ جویند صاف

ذاتِ عاشق صفت اور صفت عاشقِ ذات بن گئی اور حرکتِ عاشق سکون بن گئی اور سکون عاشق حرکت بن گیا، افعال آثار سے اور آثار افعال سے جدا نہیں ہوتے ہیں اور انکسار خاکساری سے اور خاکساری انکسار سے الگ نہیں ہوتے ہیں، آثار و افعال مظاہر ذات و صفات ہیں، صفات و کمالات کا تحقق بغیر ذات باری کے ممتنع اور محال ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوائے کوئی اور چیز وجود نہیں رکھتی بجز صفات کی اور کوئی چیز مشہود نہیں ہے۔ وحدت، مقتضائے ذات ہے اور کثرت مقتضائے صفات۔

اشعار

ایں جملہ صفت کہ کردی اثبات　　می داں ہمہ بے تصرف ذات
او را بہمہ صفات میخواں!　　لیکن صفتش ہمہ یکے داں

یقین کر لو کہ اللہ تعالیٰ حقیقتاً ذات اور صفات کے اعتبار سے واحد ہے لیکن نسبتوں، اضافتوں، حالات و اعتبارات کے لحاظ سے کثرت پذیر محسوس ہوتا ہے۔ جو باطن سے بے نمودی کے ساتھ ظہور پذیر ہوئی وہ ذاتِ الٰہی ہے جس کی صفاتِ ظاہری نمود بے بود ہیں اور یہی افعالِ الٰہی و آثار خداوندی ہیں۔

اشعار

بودے کہ نمود نیست اورا　　ذات است و صفت بدان و دریاب
وانرا کہ نمود است بے بود　　فعل و اثرے ببیں و بشتاب

اگرچہ عقل و فہم کے مدِ نظر صفات غیر ذات ہوتی ہیں لیکن باعتبار تحقیق و حصول عین ذات ہیں۔

اشعار

بود است و نمود است و دگر چیزے نیست — حق است ہمہ بود و جہاں جملہ نمود
شوق است بوحدت و ز کثرت ہمہ فرق — کثرت ز نمود آمد و وحدت ہمہ بود

ہر مظہر اپنے ظاہر کا غیر ہے، ظاہر شے صورت شے ہے اور شیخ اپنی ذات و حقیقت کے لحاظ سے خود مظہر ظاہر نہیں ہے۔

شعر

نہ بینی صورتت در آب و مرآت — کہ آں دیگر بود تو دیگر ستی

لیکن مظاہر الہٰی جو ایک دوسرے کے ظاہر و مظہر ہیں آپس میں ایک ہیں، البتہ ان میں جو فرق نظر آتا ہے وہ اطلاق تجرد، یقین و تقید کا فرق ہے جیسے حقیقت انسانی جو اطلاق و تجرد کے لحاظ سے ظاہر ہے اور باعتبار تعین و تقید کے مظہر ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ حقیقت اپنے افراد کا عین ہے چونکہ سب کے سب اسکے مظہر ہیں۔

اشعار

آں نور پاک ظاہر و شخص تو مظہر است — باشد میان ظاہر و مظہر دوئی محال
فرقے بجز تقید و اطلاق یافتن! — نتواں میان ظاہر و مظہر بہ ہیچ حال

بعض عارفین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر ہے باعتبار تقید و تعین جو کہ مقتضی اسماء و صفات ہے اور علی الاطلاق باطن میں ہے اور اسکا تجرد ایسا ہے جس کی ہویت ذات مقتضی ہے اور اسکا انکشاف و انجلاء ہواس کے تقید و تعین کے اثرات ہیں وہ اپنے تجرد کے لحاظ سے پردۂ اخفا میں ہے وہ اول و آخر اپنے مرتبہ کے لحاظ سے ہے جس کو زمانہ و جگہ سے لگاؤ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ جس نے سب کو پیدا کیا ہے وہ عین کون و مکان ہے۔ انسان نام ہے تمثیلِ خداوندی کا جو تمام موجودات سے بالا و برتر ہے، تمام کائنات انسانی اسکی شکل میں ظہور پذیر ہیں، انسانی کی دنیا بہت بڑی ہے انسان عالمِ صغیر ہے، انسان کی وحدت وحدتِ خداوندی کے لئے دلیل ہے کائنات کا ذرہ ذرہ وحدتِ حقیقی ہو یا کثرتِ نسبی، سب کے سب انسان میں دیکھ سکتے ہیں

کوئی بھی نورِ محض یا ظلمت خالص دکھائی نہیں دیتی ہے اور جو دکھائی دیتی ہے وہ مخلوط ہے نور و ظلمت سے جس کو ہم ضیا و روشنی کہتے ہیں، ہر نیستی کا ظہور ہستی سے مربوط ہے جس کو دنیا کہتے ہیں۔ اور جس ظہور کو اللہ تعالیٰ نے نزول کے ذریعہ اعیان کے ساتھ نسبت دی ہے وہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں جو کامل نورانی ہونے کے ساتھ اپنے اخلاق ووسعت میں ہر مرتبۂ افعال و اسمار صفاتی کے جلوہ گر ہیں اور جبکہ تمام ممکنات بلحاظ ذات معدوم ہیں تو ان کا علم و شعور و ادراک بھی معدوم ہے۔

شعر

چہ نسبت خاک را با عالم پاک — کہ ادراک است عجز از درک ادراک

افسوس کہ سمجھ میں نہیں آتا کیا کرے اور کہاں سر مارے کہ حق کا پہنچانیوالا بغیر حق کے اور کوئی نہیں ہے لا یعرف اللہ غیر اللہ غرضکہ اہل سلوک کی روش یہ ہے کہ درویش ایسے مقام میں پہنچ جائے کہ ساری اشیاء کو پرتو نورِ خالق کی تجلی میں فنا کردے اور اپنے آپ کو فقیر حقیقی ثابت کرے جو فنا فی اللہ کا ایک خاص مرتبہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا ہستی ہمیشہ وجود اور ہونے کیطرف مائل رہتی ہے اور نیستی و عدم اپنے محو ہوجانے کی جانب لپکتا ہے۔

شعر

ظہر النور ذو المنن باشد — بطل الزور جان و تن باشد

شاہ عبدالرزاق جھنجھانہ

۸۴۲ھ — ۹۴۹ھ

آپ شیخ محمد حسن کے مرید و خلیفہ تھے اور سلسلۂ قادریہ کے مشائخ میں سے تھے۔ صاحب حال و کمال تھے، آپ کی بہت سی کرامتیں اور خوارق عادات مشہور ہیں ابتدار جوانی میں آپ نے علم دین حاصل کیا بعد میں آپ پر عشق و محبت کا مشرب غالب آیا، اور یہ بعد ریاض و مجاہدہ کے بعد مرتبہ مشاہدہ پر پہنچ گئے۔

کہتے ہیں کہ آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ سے بےحد نسبت تھی اور آپ بلا واسطہ کے استفادہ حاصل کرتے تھے اور یہ کتنی بڑی بات ہے کہ بغیر واسطہ کے حضرت سے مستفیض ہوں، ہمیشہ مصائب و شدائد میں ثابت قدم رہتے تھے۔

حکایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک سید کسی نواب کے ہاتھوں قید کیا گیا آپ نے جب اس کو قید خانہ میں دیکھا تو بغیر کسی شناسائی کے اس کی ضمانت کرلی اور بعد میں اس سید سے کہا کہ اب تم اس شہر سے کہیں دور چلے جاؤ میں تمہارے بدلے جیل میں بند ہوں گا چنانچہ اس سلسلہ میں آپ پر بےحد مصائب آئے سب کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور کسی پر اپنا حال ظاہر نہیں فرمایا۔ غالباً آپکے اور شیخ امان پانی پتی کے درمیان توحید الٰہی، اطلاقِ وجودی اور عینیت و غیریت کے مسائل پر گفتگو ہوئی تھی۔ شیخ امان پانی پتی اور انکے دوسرے ساتھی مشائخین نے مسئلہ اطلاقِ حق کو ایک دوسری صورت سے پیش کیا تھا، چنانچہ شیخ امان کا اس بارے میں ایک رسالہ موسومہ اثبات احدیت بھی ہے، جس کو مخالف لوگ ورائیہ کہتے ہیں جس میں سے انشاء اللہ تعالیٰ کچھ ذکر کروں گا۔

شاہ عبدالرزاق کے مرید و خلیفہ بکثرت تھے جن میں سے سید علی لودھیانہ میں اب بھی موجود ہیں جو بہت بوڑھے ہو گئے ہیں ذکرِ الٰہی کرتے ہیں صاحبِ ذوق بزرگ ہیں، شاہ عبدالرزاق کی وفات ۹۴۹ھ میں ہوئی، انھوں نے اللہ تعالیٰ کی عینیت اور رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی درائیت میں شیخ امان اور شیخ محمد حسن صاحبان سے گفتگو کے بعد اپنے ایک دوست کو خط لکھا ہے وہ نقل کیا جاتا ہے۔

اگرچہ جو حقائق و اسرار اسمیں مذکور ہیں ان کا اظہار کرنا میں مناسب نہیں سمجھتا ہوں لیکن چونکہ انھوں نے ذکر کیا ہے اس لئے لامحالہ ذکر کرنا پڑتا ہے نیز چونکہ یہ خط مشابہت رکھتا ہے کتاب نفحات الانس سے جو کہ جامع مکتوبات ہے شیخ عبدالرزاق کا شیخ اور شیخ علاؤ الدین کے، اس لئے کہ شیخ عبدالرزاق کے مجموعۂ خطوط کو شیخ امان نے بعد مقابلہ مجموعہ خطوط میں شامل کیا ہے۔ خط یہ ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ شیخ المشائخ شیخ حسین دام حسنہٗ و عرفانہٗ۔ نفقیر

عبدالرزاق عرض رساں ہے ، اے بھائی ! اللہ آپکو معرفت اور محبت نصیب کرے سنئے
معرفت کی دو قسمیں ہیں ، استدلالی اور وجدانی

معرفت استدلالی یہ کہ جس نے اللہ کے حُسن کی چمک اور یقین کو آسمان و زمین کی اور ان دونوں کی درمیانی اشیاء کی تخلیق میں دیکھا تو اس کو وہ تمام علامات مل گئیں جو اللہ کے صانع و حکیم ہونے کی دلیل ہیں اور یہ تمام تخلیق و صنعت اللہ تعالےٰ کے عرفان کے اثرات دیلی ہیں اگر یہ معرفت ضروری ہو تو پھر کسی مسلمان کو اس سے بیخبر رہنے کی جسارت ہو ہی نہیں سکتی حالانکہ ایمان کی تکمیل اللہ و رسول اکرم پر ایمان کے ساتھ ہوتی ہے اور اس طرح معرفتِ عامہ ہر مسلمان کو حاصل ہو جاتی ہے جس میں معرفتِ حقیقی شامل نہیں ہے۔

شعر

چو آیا تست روشن گشت از ذات بگردد ذاتِ او روشن ز آیات

جو لوگ دلیل سے خدا کی معرفت حاصل کرتے ہیں وہ ذات خداوندی ورا عالم سمجھتے ہیں اور دلائل کی روشنی میں ایمان بالغیب لاتے ہیں

شعر

زہے ناداں کہ او خورشید تاباں بنورِ شمع جوید در بیاباں !

اور معرفت حقیقتِ وجدانی یہ ہے کہ عارف اپنے لباسِ وجود سے کٹ کر ریاضت و مجاہدہ دوام ذکر، قلب و زبان کے ذریعہ اپنے شیخ کے اعتماد کے ساتھ مسلک فنا پر گامزن ہو جائے تاکہ اللہ اس کو اپنے احسانات سے سرفراز کر کے اس کو اپنے اسماء سکھا دے اس طرح حق حق کی معرفت کر لیتا ہے جیسا کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عرفت ربی بربی یعنی میں نے اللہ کو اللہ کے ذریعہ پہچانا۔

شعر

رویت حق بحق شہود بود خاصہ حضرتِ وجود بود !

اس معرفتِ وجدانی کا حاصل یہ ہے کہ تمام موجودات ممکن بنورِ حق ہیں یعنی

اس کی تجلّی سے پیدا اور روشن ہو گئی ہیں، اور اللہ کے تجلی کے واسطہ سے تمام اشیار موجود ہیں، حقیقتاً سوا ذات خداوندی کے کوئی موجود نہیں اور جتنے بھی موجودات ہیں وہ ذات باری کیوجہ سے ہیں، یہ بات غلط ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ ورار عالم ہیں اور عالم درار حق سبحانہٗ وتعالےٰ ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و بالا ہے۔ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں ہر قسم کی لغزش وخلل اور تفسیر بالرائی سے، بلکہ یہ اللہ کا فضل وعطا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ یا ایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا باللہ یعنی اے وہ لوگو جو غیب پر ایمان لاچکے ہو اب اللہ کی ملاقات سے کسی شک میں نہ رہو اور ہر متعین چیز میں بے تعین اللہ کا مشاہدہ کرو کیونکہ اللہ تعالےٰ مشہود ہے اور ہر مقید و متعین میں اپنے اسمار وصفات کے ساتھ موجود ہے اور اللہ تعالیٰ بظاہر مقید نہیں ہے بلکہ تمام چیزوں سے علیحدہ مطلق موجود ہے۔

شعر

ہمہ عالم جمال حضرت اوست　　　او جمیل و جمال دارد دوست

اے بھائی! اللہ تمہاری عمر دراز کرے اور معرفت کے ساتھ تم کو زندہ رکھے، اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے اور جب کہ اسکا وجود واجب ہے تو اور دوسری چیزوں کا عدم ضروری ہے اور کوئی یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ غیر اور سوا ہے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ وہ اس سے بھی منزہ و پاک ہے، نیز اس کیجانب حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اشارۃً فرمایا ہے لا تسبوا الدھر فان اللہ ھو الدھر یعنی زمانہ کو بُرا نہ کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے۔

یعنی وجود زمانہ دراصل وجود پروردگار ہے، اور یہ بات نہیں ہے کہ زمانہ سے اللہ تعالیٰ علیحدہ ہو، اللہ تعالیٰ بہت ہی بلند و بالا ہے، اگر جناب والا نہیں سمجھے تو اس سے زیادہ واضح طور پر سنئے یا ایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا باللہ کا مطلب یہ ہے کہ اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو یعنی تم نے اپنی ہستی وذات کو اللہ کیجانب منسوب کر کے یقین کرلیا ہے کہ ہم موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حقیقت مستطاب سے تم خطاب کر رہے ہو

اور وہ جواب دے رہا ہے کہ تم اس ملک وہاب تک رسائی حاصل کرو، اور اے مسلمانو یعنی اپنی ذات پر یقین کرنے والو، اس چیز پر ایمان لاؤ کہ تمہارا وجود بغیر کسی ضرورت کے اللہ کا وجود ہے اور یہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ، اور جبکہ اول و آخر اور ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ ہی ہے تو یہ امر خود ثابت ہو جاتا ہے کہ اے انسان تو اپنی ذات کے اعتبار سے موجود نہیں ہے بلکہ تو اللہ کی ذات کیوجہ سے موجود ہے اور جب اس طرح تم نے اپنی ذات کا عرفان حاصل کر لیا تو تم نے اللہ کی معرفت حاصل کر لی۔ ورنہ نعوذ باللہ اللہ کی ذات ایک جزوی حقیقت ہوگی جو عالم کے سوا ہوگا اور اللہ اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے، ممکن ہے کہ ابھی آپ نے اچھی طرح نہ سمجھا ہو اس لئے وضاحت سے تحریر کرتا ہوں کہ یا ایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا کا مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو جبکہ تم تمام اشیا پر ایمان لائے اور تم نے یقین کر لیا کہ تمام اشیاء اپنا مستقل اور الگ وجود رکھتی ہیں اور حقیقت مطلقہ سے دور ہیں تو منجانب اللہ رحمت کا حکم نازل ہوا کہ اشیاء پر نہیں بلکہ اب اللہ پر ایمان لاؤ کیونکہ اعیان معلومہ ہمیشہ معدوم ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وجود کے ساتھ موجود رہتے ہیں اور یہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مقصد ہے اللّٰھمّ ارنا الاشیاء کما ھی یعنی اے اللہ ہم کو اشیاء کی حقیقت سے آگاہ کر دے

شعر

در نظر عین غیر آب نماند   محو شد قطرہ و حباب نماند

اعیان اس لحاظ سے کہ ممکن ہیں معدوم ہیں اور اعیان وجود ظاہری میں ممکنات کے آثار ہیں، اعیان میں وجود عین حق ہے، اضافت وجود اعیان کی طرف نسبتی اعتباری کے ذریعہ سے ہے، افعال و تاثرات تابع ہیں وجود کے اور اعیان معدوم ہیں اور معدوم نہ فاعل بن سکتا ہے نہ مؤثر، بلکہ حقیقت میں موجود اللہ ہے جو واحد ہے اور باعتبار تقید و تعین بصورتِ عبد موجود ہوتا ہے، یہ بھی ایک شان ذاتی ہے ذات کی شانوں میں سے، اللہ تعالیٰ معبود ہے باعتبار اطلاق، اور اللہ تعالےٰ جو معبود ہے

حقیقت عبد سے علیحدہ ہے، حقیقت عبد دراصل خود ذاتِ الٰہی ہے اور اس کی ذات باعتبار کثرت و تعدد کے خلق و عالم ہے، پس عالم قبل ظہور عین حق تھا اور ظہور کے بعد حق عین عالم بن گیا۔

اشعار

برشکلِ بتاں رہزنِ عشاق حق است | لابلکہ عیاں درہمہ آفاق حق است
چیزے نبود زروئے تقیید جہاں | واللہ کہ ہماں ز وجہِ اطلاق حق است

اس اعتبار سے کوئی موجود نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور یہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ حجاب وحدانی ہے غیر نہیں ہے اس لئے واصل کے لئے جائز ہے انا الحق اور سبحانی ما اعظم شانی یعنی میں حق ہوں اور میری شان عظیم ہے، واصل اس طرح وصل کرجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنی صفات سے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنی ذات سے وصل کرتا ہے اس لئے کہ اللہ کی ذات کے سوا کوئی ذات نہیں ہے اور اللہ کے وجود کے سوا کوئی وجود نہیں ہے جیسا کہ پہلے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لا تسبوا الدھر سے واضح کیا جا چکا ہے۔

اگر اس طرح بھی آپ کی سمجھ میں یہ مسئلہ نہ آیا ہو تو سنئے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا یہ ارشاد بیان فرمایا ہے۔ یا عبدی مرضتُ فلم تعدنی وسألتك فلم تعطنی ترجمہ:۔ (اے میرے بندے میں بیمار ہوا تونے میری عیادت نہیں کی اور میں نے سوال کیا تونے بخشش نہیں کی)

اس ارشاد سے واضح طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ مریض کا وجود بعین وجود اللہ کا ہے اور سائل کا وجود اللہ کا وجود ہے، اور جب یہ ثابت ہے کہ سائل کا وجود اللہ کا وجود ہے تو لامحالہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام کائنات جواہر و اعراض کا وجود اللہ کا وجود ہے اور جب ایک ذرہ کا ستر معلوم ہو تو سارے موجودات کا راز ظاہر ہوتا ہے، موجودات پوشیدہ ہوں یا ظاہر

اگر اس طرح بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آیا تو سنئے اور زیادہ وضاحت سے بیان

کرتا ہوں اور وجدان کو کتاب کیطرف مبذول کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتا ہے الحمدُ للہ، جس کی بابت تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ الحمد میں الف لام استغراق و کُل کے لئے ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ صحائف کائنات میں ثنا و حمد کی جتنی چیزیں ہیں ان سب کی ثنا و ثنا مد ذات واحد ہے، الحمد للہ سے اشارۃً معلوم ہوا کہ اللہ کی ذات کے سوا کوئی ذات موجود نہیں ہے اور ممکن بھی نہیں ہے کہ ذات باری کے بغیر کوئی ذات موجود ہو، غرضکہ اگر کوئی ذات درار، ذات حق موجود ہو تو اس صورت میں وہ صفاتِ حق سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ جو بھی ذات ذاتِ مطلق سے علیحدہ ہو وہ حرکت و سکون فنار و بقار ابتدا و انتہا سے خالی نہیں ہوتی اور ان کی ذات صفات الٰہی ہے اور پہلے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جملہ صفاف صرف اللہ کے لئے ہیں پس یہ ثابت ہوا کہ نہیں ہے کوئی ذات بغیر ذات الٰہی کے، اس سے اور زیادہ وضاحت سے عرض کرتا ہوں قال اللہ تعالیٰ یاایّھا الّذین اٰمنوا اٰمِنوا باللہ یعنی جو لوگ اللہ پہ بدیں طور ایمان لائے ہیں کہ اللہ تعالےٰ خالق ہے اور تمہارے پہلے سے موجود ہے اپنی تمام صفات کمالیہ سے موصوف ہے لیکن تمہارا غیر نہیں ہے چونکہ نقص و زوال سے پاک ہے بلکہ یہ موصوف تم خود ہو، پس اس طرح ایمان لاؤ کہ تم صفاتِ کمالیہ سے موصوف ہو لیکن اس حیثیت سے کہ تم نہیں ہو جب اس طرح ایمان لاؤ گے تو مومن ہو جاؤ گے جیسا کہ اللہ نے خود کہا ہے واللہ المؤمنُ، کسی دیوانہ دیگانہ نے کیا خوب کہا ہے۔

اشعار

بیروں ز حدود کائنات است دلم — بیروں ز احاطۂ جہان است دلم
فارغ ز تقابل صفات است دلم — مرآت تجلیات ذات است دلم

شیخ عبدالرزاق نے اپنے ایک دوسرے رسالہ میں لکھا ہے کہ قریب ترین راہِ الٰہی ذکرِ حق ہے جس کی بہترین صورت یہ ہے کہ تصورِ شیخ کرے اور جس کو اللہ تعالےٰ تصورِ شیخ نصیب کرے، اس سے زیادہ بہتر اور کوئی کام نہیں ہے

مرید اگر کوئی اور ریاضت نہ کرتا ہو لیکن صرف گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر تصورِ شیخ کرے تو یہی اس کو اللہ تک پہنچا دیتا ہے، مبتدی کے لئے تصور شیخ ضروری ہے اس لئے

کہ عالمِ الٰہی نہ وہ عالمِ معنی ہے جس کو دیکھنا ممکن نہیں ہے البتہ صاحبِ کمال کی صورت زیرِ نظر رکھنا ضروری ہے کیونکہ انسان کامل کی ذات دراصل اللہ کی ذات ہے اور اسکے کمالات کا مظہر ہے،

شعر

مظہرِ تام غیرِ انسان نیست — کہ ہمہ کون را مسخر کرد
انبیاء و اولیاء را حق بداں — سرِّ مخفی کردہ ام با تو بیاں

مجھ عبدالرزاق کو میرے پیر و مرشد نے اپنے تصور کو جا پایہ ہو کر ہمیشہ پیش نظر رکھنے کا حکم دیا چنانچہ میں تصورِ شیخ میں ایسا مشغول ہوا کہ ذکر کرنا بالکل چھوڑ دیا، البتہ نماز فرض اور سنتِ موکدہ ادا کرتا رہا۔

غرضکہ جو کوئی اپنے شیخ کے تصور میں مشغول ہو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے گرچہ کوئی ریاضت نہ کرے، کیونکہ جو صاحبِ حق اپنے شیخ کی اطاعت کرتے ہوئے ان کے رُخِ روشن کی نورانیت کو اپنے آئینۂ قلب میں درخشاں کریگا تو وہ شیخ کی صفائی باطن کیوجہ سے ان کو خود اپنے اندر پائے گا اور جو فیض و برکات شیخ کو حاصل ہیں وہ اس مرید کو بھی حاصل ہو جائیں گی جیساکہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ کے بارہ میں فرمایا ماصبّ اللہ فی شیئًا الا وقد صببتہٗ فی صدر ابن ابی قحافۃ ترجمہ: جو کچھ اللہ نے میرے دل میں ڈالا ہے وہ میں نے صدیق اکبرؓ کے دل میں ڈالدیا ہے۔

حضرت پیر و مرشد کا تصور مجھ پر اتنا غالب آیا کہ لوگ تو چاند کو دیکھتے تھے اور میں اپنے پیر و مرشد کو دیکھتا تھا اور آخر میں تصورِ شیخ کا اتنا غلبہ ہوا کہ فقیر کو ہر چیز میں شیخ نظر آتا تھا، دیوار و در شجر و حجر جس چیز کو دیکھتا تو صرف پیر و مرشد کا جمال ہی دکھائی دیتا۔

اشعار

در ہر چہ نظر کردم غیر از تو نمی بینم! — غیر از تو کسے باشد حقا کہ محال است ایں
در ہر چہ نظر کنم بتحقیق! — جز نور رُخ تو نیست منظور

شیخ امانؒ پانی پتی

۸۷۶ھ ——————— ۹۹۷ھ

آپ کا نام عبدالملکؒ اور امان اللہ لقب تھا لیکن عام طور پر لوگ امان کے لقب سے زیادہ یاد کرتے تھے، آپ ایک صوفی اور توحید پرست عالم تھے اور شیخ ابن عربیؒ کے متبعین میں سے تھے، جماعت صوفیا میں بلند مرتبہ رکھتے تھے، مسئلہ توحید کی تقریر میں ماہر تھے توحید کی باتیں صاف صاف بیان کرتے اور کہتے تھے کہ آج اگر عدل و انصاف موجود ہوتا تو میں توحید کو بر سر منبر اس طرح وضاحت سے بیان کرتا کہ اس میں کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہتی، نیز فرمایا کرتے تھے کہ ابتداءً مجھے صرف دو دلیلیں یاد تھیں لیکن اب اللہ کے فضل سے سولہ دلیلیں یاد ہیں، شیخ امانؒ نے علم تصوف و توحید میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں اُن میں سے ایک کتاب "اثبات الاحدیت" ہے جس میں اللہ کے حاکم علی الاطلاق ہونے اور کائنات کے حقائق کو علم الیقین کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے کہ گویا آنکھوں دیکھا ہو اور علم کے مطابق کامل ذوق کو کلمات محققین و اہل توحید کے موافق تحریر کیا ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس اللہ سرہٗ کی کتاب لوائح کی کافی مبسوط تفصیلی شرح لکھی ہے جس کے اول میں نہایت جامع اور مفید ایک مقدمہ لکھا ہے۔

تہذیبِ اخلاق و عادات میں بلند مقام رکھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ درویشی میرے نزدیک دو چیزوں میں ہے، ایک خوش اخلاقی اور دوسری محبت اہلِ بیت، اور محبت کا کامل درجہ یہ ہے کہ محبوب کے متعلقین سے بھی محبت کی جائے، اللہ سے کمال محبت کی نشانی یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے عشق کی علامت یہ ہے کہ آپکے اہلِ بیت سے محبت ہو۔

حکایت ہے کہ اگر آپ کے پڑھتے پڑھاتے آپکی گلی سے سید زادے کھیلتے کودتے نکلتے تو آپ ہاتھ سے کتاب رکھ کر سیدھے کھڑے ہو جاتے اور جب تک سید زادے موجود رہتے آپ بیٹھتے نہ تھے۔

تصوف میں مشرب بالمتبہ رکھتے تھے، آپ کی مجلس وصحبت میں دنیا کی باتیں کسی کی غیبت اور بیہودہ گفتگو نہیں ہوتی تھی، اکثر اوقات اشاعت علوم اور ذکرِ حق میں بسر کرتے تھے اور تصوف کی کتابوں سے مانوس تھے ان کے پڑھانے میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے اور فرماتے تھے اے اللہ ہمکو صوفیا کے اقوال وافعال سے بہرہ ور کر، نیز فرمایا کرتے تھے کہ علم تصوف کا قول عین حال ہے اور کہتے کہ ہر ایک کو کسی خاص چیز کی رغبت ہوتی ہے اور مجھے کتب تصوف کی رغبت ہے۔ اگر کوئی طلبگارِ حق آپکے پاس آتا تو اُس سے فرماتے کچھ پڑھو کیونکہ ہمارا طریقہ یہی ہے اسی وجہ سے لوگوں کا ہجوم آپکے پاس نہیں ہوتا تھا آپ کی کوئی علیحدہ خانقاہ نہیں تھی، طالبوں کو عشق صورت سے منع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اسمیں مبتلا ہونے سے مبتدی کا کام رک جاتا ہے، اپنی آسائش اور خواب وخور کے لئے کوئی چیز اپنے پاس نہ رکھتے تھے، زمین پر لیٹتے تھے اور غذا تھوڑی کھاتے تھے اور ہر حالت میں فقیروں کو سلوک کی تعلیم دیتے تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک درویش حاضر ہوا اور کہا کہ آسمان سے میرے لئے ہزار گائے آئیں جنھیں ابھی ابھی چند مغل ہانک لے گئے ہیں بس آپ کھڑے ہوجائیے اور ان سے میری گائے دلوائیے، حاضرین نے یہ بات سُن کر مذاق اُڑایا لیکن آپ نے ان کو منع کیا اور فرمایا ہر درویش سے محبت کرنا چاہئیے بعد میں آپ نے اس درویش کے لئے کھانا منگوایا وہ کھاپی کر سوگیا اسکا پہلا جذبہ ختم ہوگیا، جب وہ درویش وہاں سے رخصت ہوگیا تو آپ نے اپنے دوستوں سے فرمایا کہ مجذوبوں کو بہت سی چیزیں دکھائی دیتی ہیں جن کا کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جاسکتا، عالمِ شہود میں سب کچھ موجود ہے۔ کیا تعجب ہے کہ اس نے یہ واقعہ بھی دیکھا ہو۔

کہتے ہیں کہ بعض اوقات آپکی فرض نمازیں بھی قضا ہوجاتی تھیں کیونکہ آپ اکثر ذکر میں مشغول ومنہمک رہتے تھے اور چونکہ علم وحال صداقت وکمال انکی خاص صفات تھیں اس لئے انکی طرف کوئی بُرا خیال نہیں کیا جاسکتا، ساری رات بیدار رہتے اور اسی بیداری میں کئی دفعہ اُٹھ کر وضو کرتے پھر وجد کی حالت میں نعرے

لگاتے، باقی حقیقت حال اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

حکایت ہے کہ ایک بار شیخ امان کو اس حالت میں دیکھا گیا کہ وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے اور سورہ فاتحہ میں اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ پوری طرح نہ پڑھ سکتے بلکہ اس کو بار بار دہراتے یہاں تک کہ بیہوش ہو کر گر پڑتے، نماز پڑھتے وقت آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور قیام کی طاقت نہ رہتی، واللہ اعلم بحقیقت الحال۔

آپ شیخ محمد حسنؒ کے مرید اور شیخ مودود لاری کے شاگرد تھے اکثر سلسلوں سے تعلق رکھتے تھے اور مسلک قادریہ میں دو واسطوں سے نعمت اللہ شاہ ولی تک پہنچتے ہیں، تمام مسلکوں میں سے مسلک قادریہ آپ پر غالب تھا۔

حکایت ہے کہ شیخ امان اپنے دوستوں سے ملنے دہلی آیا کرتے تھے آخری مرتبہ جب دہلی سے جانے لگے تو اپنے دوستوں سے کہا کہ اس مرتبہ لمبا سفر کرنا ہے اس پر آپکے مخصوص دوست شیخ زکریا اجودھنی نے کہا کہ ہم بھی آپکے ساتھ سفر میں رہیں گے آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر ظاہری سفر ہوتا تو آپ ساتھ ہوتے لیکن یہ دوسرا سفر ہے اس لئے ہیں آپ کو اللہ کی حفاظت میں دیکر جا رہا ہوں پھر بعد میں گھر جا کر آپ نے ہر چیز کو دیکھا اور اُن سے رخصت ہوئے، قرآن شریف کو کھول کر دیکھا اور فرمایا اے کتاب کریم میں نے تجھ سے استفادہ کر کے بےحد فائدے اٹھائے، اسی طرح کمرہ اور کمرے کی ہر چیز کو وداع کہا اسی حالت میں آپ کو بخار چڑھ گیا تو آپ نے فرمایا بہت سا پانی گرم کرو اور نئے لوٹے لے آؤ تاکہ عمر بھر کے وسوسے دور ہو جائیں۔

گیارہ ربیع الثانی کو غوث الثقلین کا عرس کیا اور کہا کہ غوث پاک سے پہلے قدم اٹھانا درست نہیں چنانچہ اس دن عرس کے لئے جو کھانا پکوایا تھا تقسیم کر دیا۔ بارہ ربیع الثانی کو آپ پر سکرات موت کا غلبہ ہوا تو آپ نے اسی حالت میں کہا مشائخین طریقت کھڑے ہیں اور فتویٰ توحید طلب کر رہے ہیں چنانچہ کلمات توحید آپ کی زبان پر جاری تھے۔ بارہ ربیع الثانی ۹۹۷ھ کو آپ نے انتقال فرمایا۔

آپ کے شاگرد و معتقد بکثرت ہیں جن میں سے شیخ تاج الدین بن زکریا اجو

بھی آپکے شاگرد تھے جو کہ حسنِ خلق اور معرفت کتب توحید و تصوف میں آپ کے برابر تھے، اور دوسرے شیخ رکن الدین صاحبِ ذوق تھے، گفتگوئے توحید اور وجدانیات میں ممتاز تھے، پہلے آپ ہی استفادہ کرتے رہے اور بعد میں شیخ سلیم سیکری کے پاس پہنچے، نیز شیخ حسین چشتی جو کہ خطاطی جودت طبع، شعر گوئی، ذوق وحال میں امتیازی شان رکھتے تھے ان کا یہ شعر اب تک زندہ جاوید ہے۔

شعر

چنیں کہ بر پر طاؤس قیس را میلے است — مگر درز اثرے پائے ناقہ لیلیٰ است

اور ایک شیخ مولانا حسین نقشی ہیں جو کہ خطاطی میں ماہر اور مہر بنانیمیں بے نظیر تھے، آپ بڑے بابرکت، سخی، بیدار دل، خوش وقت، خوش خلق، دلی خصلت پاکیزہ دل اور اپنے دوستوں کی بڑی خاطر و مدارات کیا کرتے تھے، آپ شیخ بہلول کے مرید تھے لیکن شیخ امان کی خدمت اور محبت وصحبت کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے تھے۔

شیخ سیف الدینؒ

مجھ مصنف کتاب اخبار الاخیار کے والد ماجد تھے، آپ اپنے پیر و مرشد شیخ امان سے نہایت درجہ محبت و اعتقاد رکھتے تھے، اکثر اوقات اُن کے ذکر سے رطب اللسان رہتے تھے اور فرماتے کہ ہمارے پیر و مرشد کسی حالت میں بھی وجد و حال گریۂ وزاری اور جوش سے خالی نہیں رہتے تھے، آپ کے تمام دوست احباب آپ سے اس طرح ملتے تھے جس طرح شاگرد اپنے استاد سے ملتے ہیں بخلاف اسکے والد بزرگوار کو آپ سے محبت کے ساتھ ارادت بھی تھی، والد بزرگوار فرماتے تھے کہ میری عمر سات برس کی تھی اُس وقت سے مجھ کو درویشوں کا درد طلب اور شوقِ بندگی ہے، فرماتے تھے کہ میں بہت سے درویشوں کے پاس پہنچا لیکن شیخ امان کے یہاں مقصد پورا ہوا اور پیر و مرشد کے ذریعہ سے جو قلبی لگاؤ حاصل ہوا وہ کسی

اور سے میسر نہیں ہوا اس وجہ سے پیرو مرشد نے والد بزرگوار کو اپنی عنایات کے
ساتھ مخصوص کر کے خرقہ خلافت پہنا دیا اور پہلے اپنے ہاتھ سے ایک خط لکھا جسمیں
مسودہ خلافت اور مختلف اقوام کے علوم بھی تحریر کئے اور یہ سب کچھ میرے حوالہ کر دیا
نیز والد نے شغل قلب جس کو سجدۂ قلب کہتے ہیں آپ سے حاصل کیا اور کتب تصوف
سے بعض مقامات جو ضروری تھے راہِ تصوف کے لئے شیخ سے پڑھا، میرے والد
ماجد نے پہلے کسی سہروردی بزرگ سے بیعت کی تھی لیکن جب شیخ امان کی خدمت میں حاضر
ہوئے تو آپ کی محبت غالب آگئی تو والد ماجد نے عرض کیا کہ میں پہلے بیعت کر چکا ہوں لیکن
آپ کی محبت غالب ہے اب بتائیے کیا کیا جائے، شیخ امان نے جواب میں فرمایا کہ کوئی
پرواہ نہیں ہے اس لئے کہ ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنے محبوب سے تعلق رکھے
اور اس دنیا میں محبت والفت کا اعتبار صحیح ہے اس کے بعد آپنے فرمایا کہ اچھا اپنے
حالات وتصورات سے کچھ بیان فرمایئے، میں نے جواب میں عرض کیا کہ میرا کوئی حال
نہیں ہے اس لئے میرے تصورات وحالات کیا ہونگے۔

شیخ نے فرمایا کہ میں نے اس لئے پوچھا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آپکی طبیعت کا
میلان کس طرف ہے، میں نے جواب میں عرض کیا کہ مجھے اکثر اوقات ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ زمین سے عرش تک تمام عالم میرے احاطہ میں ہے اور میں سب پر محیط ہوں،
شیخ نے فرمایا کہ تمہارے اندر تخم توحید موجود ہے، اس کے بعد شیخ نے میری تربیت
کی اور تلقین فرمائی، ایک رات آپ نے مجھے اپنی خاص خلوت گاہ میں طلب فرمایا
اور کہا کہ ایک راستہ وہ ہے جس سے دو قدم میں اللہ تک رسائی ہو جاتی ہے اور ایک
راستہ وہ ہے جس سے ایک ہی قدم میں اللہ تک پہنچ جاتے ہیں جس کی حقیقت یہ ہے
کہ وجود ہو یا عدم۔ رہا عدم جو دراصل کوئی چیز ہی نہیں ہے، اس لئے صرف وجود ہی رہ
جاتا ہے اور وجود ہی حق ہے اور اسی راستہ سے ایک قدم میں اللہ تک رسائی ہو جاتی
ہے اور اسی کو سجود قلب کہتے ہیں، اس کے بعد فرمایا کہ پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، آگ
میں کودنا یہ سب چیزیں تو باآسانی حاصل ہو جاتی ہیں لیکن سجود قلب مشکل سے حاصل

حاصل ہوتا ہے۔

کتاب کے خاتمہ پر انشاء اللہ تعالیٰ والد ماجد کے حالات و کلمات تحریر کئے جائینگے اب شیخ امانؒ کے رسالہ اثبات احدیت کی کچھ عبارت نقل کرتا ہوں، انھوں نے رسالہ کی ابتدا میں لکھا ہے کہ محققین عرفاء، دُور نگاہ رکھنے والے، وحدت وجود کے قائلین، اور فائزان سعادت و معرفت وشہود کا ارشاد ہے کہ ہمکو کشف وجدان کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالےٰ حقیقت وجود کا عین ہے اور تمام موجودات کے ساتھ ظاھر و مشہود ہے، بعض صوفیوں نے وحدتِ الٰہی کو نئے زاویۂ نگاہ سے سمجھا اور انوکھے انداز میں بیان کیا ہے۔

صوفیائے کرام کی دو قسمیں ہیں جن کے نظریات کے نتائج علیحدہ علیحدہ سپرد قلم ہیں تاکہ حق و باطل اور ناقص و کامل میں فرق ہو سکے، جان لو کہ جناب مولانا جلال الدین رومی نے اپنی رباعیات کی شرح میں لکھا ہے کہ بعض قاصروں نے جب محققین سے یہ سنا کہ اللہ تعالےٰ عین ذات وجود ہے تو یہ مطلب سمجھے کہ اللہ تعالےٰ تمام موجودات کے درمیان جامعیت مشترکہ رکھتا ہے، اور جب انھوں نے علمائے عقلیہ سے یہ سنا کہ اللہ تعالیٰ کلی طور پر موجود نہیں ہے بلکہ ضمن افراد میں موجود ہے تو اس سے یہ معنی اخذ کئے کہ اللہ تعالے موجود نہیں ہے مگر ضمن افراد ممکنات میں اس کا وجود ممکنات کے وجود پر موقوف ہے۔ اس کی صفات کا انحصار ممکنات کی صفات میں ہے یعنی جس طرح ممکنات کا علم ہے اس طرح علم باری تعالیٰ ہے اور یہی حال قدرۃ و دیگر صفات کا ہے جس طرح انسان گفتگو کرتا ہے اسی طرح خدا گفتگو کرتا ہے، غرضکہ یہ لوگ جہالت اور گمراہی میں ہیں اس کے بعد کہتے ہیں کہ مجھے اس قسم کے لوگوں سے ملاقات کا اتفاق ہوا ہے جب انھوں نے یہ کہا کہ وجود باری تعالےٰ منحصر ہے ضمن وجود کائنات میں، اور اللہ کا علم و کلام منحصر ہے ممکنات کے علم و کلام میں تو میں نے ہمیشہ یہی جواب دیا ہے کہ آپ کے اس قول سے لازم آتا ہے کہ بعض ممکنات حق کو معلوم ہو جائے اور بعض معلوم نہ ہوں جیسے بارش کے قطرات اور ریگستان کے ریت کے ذرّوں کی تعداد کسی انسان کو معلوم

نہیں ہے اور تمہارے دعویٰ کے پیش نظر لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے جاہل ہے اور نیز اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ ممکنات خود بخود پیدا ہوگئے ہیں بغیر موجد کے اس لئے کہ ممکنات کے لئے موجد سوائے حقیقت وجود کے اور کوئی چیز نہیں بن سکتی ہے اور حقیقت وجود کو انھوں نے امر مشترک تسلیم کیا اور جو بُرا نتیجہ اس سے نکلتا ہے یہ لوگ اس سے بے خبر ہے۔

بعض اس طرح کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تنہا موجود تھا اس کے ساتھ کوئی چیز موجود نہ تھی لیکن صرف اس کی تجلی کیوجہ سے جیتی جاگتی پیدا ہوگیں اور اللہ ان تمام چیزوں میں حلول کئے ہوئے ہے اور ممکنات کے وبروز کے علاوہ اللہ تعالےٰ کا کوئی مستقل وجود نہیں ہے بلکہ وجود باری تعالیٰ وجود ممکنات میں مخفی ہے، یہ گروہ اس اعتبار سے کہ وجود باری تعالےٰ کو قدیم اور ظہور وبروز سے قبل مستقل مانتا ہے پہلی جماعت سے بہتر ہے، لیکن ظہور وبروز کے بعد دونوں کے خیالات ایک طرح کے ہیں بغیر کسی کمی بیشی کے، یہاں پر بہت سی مباحث ہیں، قبل اس کے ان عقائد کو دلائل عقلیہ ونقلیہ سے غلط ثابت کیا جائے ان کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

ان لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ اللہ تعالےٰ متعین نہیں ہے ورنہ ذات باری کا مشخص ہونا لازم آتا ہے، یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ہر موجود جو کسی وجود سے موجود ہوتا ہے چاہے اسکا وجود حقیقی ہو یا اعتباری، عینی ہو یا علمی، لفظی ہو یا خطابی بغیر تعین کے نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ موجود کے لئے تمیز وامتیاز ضروری ہے اور تمیز وامتیاز مستلزم ہے تعین کو، پس ثابت ہوا کہ ہر موجود کے لئے تعین ضروری ہے خواہ تعینات مطلقہ اس طرح پر کہ اسکا تعین شرکت تعینات عام سے مانع نہ ہو، جیسا کہ حقیقت مطلقہ کہ سارے حقائق عالم کا اصل ہے اور سب پر صادق آتا ہے، اگرچہ فی نفسہ تعین ہے خواہ اخص تعینات کے ساتھ ہو، یعنی اسکا تعین شرکت غیر سے مانع ہو جیسے تعین زید و عمر، ان کا تعین سوائے ان کے اور کسی چیز پر صادق نہیں آتا ہے۔ چاہے

من وجہ واخص من وجہ کے ساتھ ہو مانند حقائق کلیہ متوسطہ کے کہ وہ حقیقت سے زائد ہوں یا عین حقیقت ہو، راز اس میں یہ ہے کہ ہر موجود جسمی ترکیب ہے اس کا تعین و امتیاز حقیقت سے زائد ہے جیسا کہ مثال کے طور پر اگر موجود قائم بذاتہ ہو تو اسکو جوہر کہتے ہیں اور اگر قائم بذاتہ نہ ہو تو اس کو عرض کہتے ہیں، بلاشک اسکا تعین و امتیاز ان کی حقیقت مشترکہ سے زائد ہے اور وہ موجود جسمی ترکیب نہیں ہے بلکہ واحد بوحدہ حقیقی ہے اسکا تعین عین حقیقت ہے اگر ایسا نہ ہو تو وہ واحد نہیں رہے گا جبکہ وہ واحد ہے پس لامحالہ غیر ذات موجود بنفسہ قائم بذاتہ متعین بنفسہ نہیں ہوتا ہے لیکن وہ ذات جس کو وجود مل جائے اسے اپنی ذات سے تمیز و امتیاز مل جاتا ہے اور وہ قائم بنفسہ و متعین بذاتہ ہوتا ہے یعنی اسکا وجود عین ذات ہے اور ذات خود بخود متعین ہے اس قسم کا وجود سوائے وجود مطلق اور ذات باری تعالےٰ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا ہے، وجود حق تعالےٰ عین ذات باری تعالیٰ ہے اسی طرح تعین بھی عین ذات ہے، اس مقام میں تعین اپنے نفس میں وہی فائدہ دیگا جو تعین خارجی خارج کے اندر فائدہ دیتا ہے

محققین علیہم الرحمۃ فرماتے ہیں، یہ ظاہر ہے کہ موجودات متعینہ کا سلسلہ غیر متعین تک پہنچتا ہے، چونکہ ہر متعین مسبوق ہے بلا تعین کے ساتھ اور ہر متعین چاہتا ہے کہ پہلے کوئی غیر متعین ہو اس لئے کہ تعین کے لئے ایک مبداء و محل کی ضرورت ہے جسکو وہ عارض ہو لامحالہ کوئی غیر متعین ہو گی اور اس غیر متعین کے لئے ضروری ہے قبل عروض تعینات و تقیدات خود بخود موجود ہو تا کہ تعینات کو عارض ہوں اس لئے کہ یہ قانون ہے کہ ثبوت فرع ہے وجود مثبت لہٗ کا، اور اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ ماہیات قطع از تعینات و تمیزات سے موجود نہیں ہے تا کہ ان کو کوئی چیز عارض ہو سکے بلکہ ماہیت نام ہے اعراض و تعینات کے لئے چنانچہ اس کو ہم دلائل سے واضح کرتے ہیں کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں جب حقائق موجودات کو تحلیل کیا جاتا ہے تو بجز اعراض کے اور کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی ہے، مثال کے طور پر جب کہا جاتا ہے کہ انسان حیوان ناطق ہے، ناطق و حیوان جسم نامی ہیں جو متحرک بالارادہ ہیں اور جسم ایک ایسا جوہر ہے

جو ابعاد ثلاثہ کو قبول کرتا ہے اور جوہر موجود فے الموضوع ہے اور جوہر کے لئے تحقق وحصول ثابت ہے، اس وقت اسمیں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ قبیل اعراض میں سے ہے بخلاف اس ذات مبہم کے جو ان میں موجود ہے جیسا ناطق میں مبہم ہے ذات من لہ نطق اور نامی میں ذات من لہ نمو ہے یہ اپنے وجود پر قائم ہے، اگر ایسا نہ ہو تو اعراض اس کے ثابت نہیں ہوتے ہیں حالانکہ یہ سارے کے لئے معروض ہے، لا محالہ یہی ذات مبہم غیر متعین ومطلق اور عین وجود محض اور ذات بحت ہے جو اپنی ذات پر قائم ہے اور اعراض کے لئے مفہوم ہے اور ہر تعین کے ساتھ اس کا علیحدہ ایک نام واحکام وآثار ہے۔

صوفیہ کے نزدیک ذات مبہم موجود خارجی ہے اور مطلق حقیقی ہے اسمیں کسی قسم کا تعین وتعدد وتکثر ممکن نہیں ہے ورنہ مسبوق بلا تعین لازم آتا ہے غرضکہ وجود مطلق نہ کلی ہے نہ جزئی، نہ عام ہے نہ خاص نہ واحد ہے نہ کثیر، نہ مطلق ہے نہ مقید بلکہ سارے قیودات سے مطلق ہے حتی کہ قید اطلاق سے بھی، اگر مقید کیا گیا قید اطلاق کے ساتھ تو اسمیں ضروری ہے کہ وصف سلبی مراد لیجائے یعنی لا بتقید بشئی، اطلاق سے مراد ضد تقید نہ ہو بلکہ مطلق ہو کثرت و وحدت سے اور جمع بین الاطلاق وتقید سے، اس صورت میں نسبت ثبوتیہ اور سلبیہ برابر ہونگی، اس کو کشف صریح اور ذوق صحیح سے تسلیم کیا جاتا ہے باقی عقل جمع بین اضداد کا منکر ہے اس موجود حقیقی میں سارے اضداد مجتمع ہیں اور ایک دوسرے کے عین ہیں اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ محکوم علیہ نہیں بن سکتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ نسبتوں کا اس کی حقیقت میں کوئی دخل نہیں ہے اگرچہ خارج میں انکے ذریعہ سے موجود ہوتا ہے جیسا کہ اہل ظاہر نے کہا ہے ماہیات کے متعلق کہ نہ وہ کلی ہیں نہ جزئی اسکا معنی یہ ہیں کہ نسبت کلی وجزئی کو ماہیت میں کوئی دخل نہیں ہے بلکہ یہ نسبت زائد ہے اگر اسکے ساتھ کلی کو اعتبار کیا جائے تو کلی ہو جائیں گی اور اگر جزئی کو اعتبار کیا جائے تو جزئی ہوگی، اور اگر کسی بھی نسبت کو اعتبار نہ کیا جائے تو موجود جامع بین اضداد ہوگا اس صورت میں نہ وہ اول ہے نہ آخر نہ ظاہر ہے نہ باطن، اول بھی ہے آخر بھی، ظاہر بھی ہے باطن بھی، اول اس جہت سے کہ آخر ہے اور آخر اس جہت سے کہ اول ہے اور ظاہر اس حیثیت سے کہ باطن ہے اور باطن اس وجہ سے ہے کہ ظاہر ہے یہی حال دیگر اضداد

کا ہے۔

سوال - یہ بات مشہور ہے کہ جو چیز خارج میں موجود ہوتی ہے وہ متعین ہوتی ہے اور جو چیز متعین ہوئی وہ مطلق نہیں ہوسکتی اس قاعدہ کے ماتحت ذات باری تعالےٰ خارج کس طرح مطلق ہوسکتی ہے ؟

جواب :- مطلق کے وہ معنی مراد نہیں ہیں جو فلسفی کہتے ہیں بلکہ مطلق سے مراد یہ ہے کہ وہ اس قسم کا تعین ہے جو دوسرے تمام تعینات کے منافی نہیں ہے بلکہ جامع ہے سارے تعینات کو جو اسے لاحق ہوتے ہیں مراتب تنزلات میں اور اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ مطلق فے نفسہٖ متعین نہ ہو ایسے تعین کے ساتھ جو کلیہ و اطلاق سے خارج ہو بلکہ وہ اپنی ذات و حقیقت کے اعتبار سے خارج میں متعین ہے اور دیگر تعینات کے اعتبار سے مطلق ہے متعین اور مطلق دونوں ہے اور اس کے تعین و اطلاق میں کوئی منافات نہیں ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ کلی طبعی بعض عقلاء کے نزدیک خارج میں موجود ہے اس کے باوجود وہ کلی ہے اور اس کا وجود خارجی کلی ہونے کے لئے منافی نہیں ہے اگرچہ بعض حضرات کے نزدیک وجود خارجی اور کلی ایک دوسرے کے منافی ہیں اس وجہ سے وہ کلی طبعی کو موجود نہیں مانتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وجود مطلق کا تعین مثل تعینات متعینہ نہیں ہے اس لئے کہ تعینات متعینہ کسی اور تعین کے مقابلے میں آتے ہیں اور اس کے ساتھ جمع نہیں ہوتے ہیں، بخلاف تعین وجود مطلق کے کہ اس میں تغایر و تقابل نہیں ہے بلکہ عین ہے تعین علوی و سفلی و صوری و معنوی کا، اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ وجود خارجی اطلاق کیلئے منافی نہیں ہے بلکہ وہی موجود متعینہ خارجیہ مطلق ہے اطلاق حقیقی کے ساتھ، جیسے کہ بہت سے کمالات میں تجلی کر کے اپنے آپ کو صور متعینہ اور موجودات متکثرہ میں نمودار کیا، اس کے ساتھ قبل البروز والی حالت میں جو احدیت تھی وہ بھی باقی ہے، گویا اسمیں تعدد صوری ہے، و احدیت معنوی، اس طرح پر کہ اگرچہ ذات باری تعالےٰ اس حیثیت سے کہ وہ عین ذات ہے آنکھوں سے نظر نہیں آتا ہے لیکن بصیرتِ فہم سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودات کی نسبت ذات باری تعالےٰ سے باعتبار تمایز و تغایر اس طرح ہے کہ جب موجودات

کو نہ میں سے دو صورۃ ہونگی تو اللہ تیسرا ہے اور جب موجودات تین صورۃ ہونگی تو باریتعالیٰ
چوتھا ہے جیساکہ قرآن شریف میں مذکور ہے، مایکون من نجویٰ ثلاثۃ الا ہو رابعہم ولا خمسۃ
الا ہو سادسہم ولا ادنیٰ من ذالک ولا اکثر الا ہو معہم - ترجمہ:- (تین آدمی سرگوشی نہیں کرتے
ہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چوتھا ہے اور سرگوشی نہیں کرتے پانچ آدمی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ انکا چھٹا
ہے نہ اس سے کم نہ زیادہ مگر یہ کہ خداوند تعالےٰ انکے ساتھ ہے۔

اگر باری تعالیٰ عالم کا غیر نہ ہو تو یہ آیت صحیح نہ ہوگی حالانکہ آیت صحیح ہے تو لا محالہ باریتعالیٰ
عالم کا غیر ہے اور اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ غیریت بجسب حقیقت ممکن نہیں، لا محالہ بجسب تعین
وتقید ہوگا، اس صورۃ میں ضروری ہے کہ ذات سبحانہ کے لئے ایک تعین، اور افراد عالم کیلئے
مستقل تعینات ہوں اور وحدت معنوی اس طرح پر ہے کہ موجودات روحانی وجسمانی کا عین
ذاتِ خداوندی ہے یہی حال ا ہوتہ کا ہے وہ عین ہے غیر نہیں ہے اگر حق سبحانہ وتعالیٰ کو احدیت
ذاتیہ د ہویہ عینہ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو تمام عالم اسمیں پوشیدہ ہے اور وہ عالم کا عین
اور اگر حالتِ ظہور کا لحاظ کیا جائے تو خود باری تعالیٰ اُن کی صورتوں میں جلوہ نما ہے د
صورتوں میں غیرت کا سوال پیدا نہیں ہوتا ہے بجز اسکے کہ تقید و تعین کا لحاظ کیا جائے
غرضکہ غیریت باعتبار صورت ہے اور عینیت بلحاظ حقیقت ہے جیساکہ قرآن شریف میں ہے و
من وّراۤئھم محیط، کشف صریح اور ذوقِ سلیم سے دو حیثیت کو تسلیم کیا گیا اور ان کے
علیحدہ علیحدہ احکام و آثار ثابت کیا گیا۔

محققین کاملین اور عارفین مدققین کی معرفت یہ ہے کہ کثرت بالکل ختم ہو جائے بلکہ حقیقت
یہ ہے کہ کثرت حقیقی و تغایر نفس الامری کو تسلیم نہ کیا جائے اور تغایر صوری و غیریت اعتباری کو
جائے تاکہ وحدت وکثرت اپنے اپنے مقامات میں برقرار رہ سکے اور ہر ایک کے لئے احکام
کا ثبوت ہو، یہ لوگ نہ ثبوت عالم کے قائل ہیں جس طرح کہ اہل ظاہر قائل ہیں اور نہ عدم عالم کے
ہیں جیساکہ اہلِ باطن مانتے ہیں، بلکہ ثبوت ونفی دونوں کے قائل ہیں نہ کہ عالم کو غیر حق بجز
اور نہ حق سبحانہ کو وراء عالم تسلیم کرتے ہیں جیساکہ حکماء متکلمین نے کیا تھا، نہ عالم کو عین ذا
حق تعالےٰ کہتے ہیں، نہ حق سبحانہ کو عین عالم تبلاتے ہیں جس طرح کہ اہلِ توحید نے تسلیم کیا

بلکہ یہ گروہ عالم کو عین ذات و غیر ذات تسلیم کرتا ہے، غرضکہ یہ لوگ وحدت حقیقی احدیت معنوی کے اعتبار سے عینیت کے قائل ہیں اور بلحاظ تعدد صوری و غیریت اعتباری غیریت ماننے والے ہیں، ان کی عینیت غیریت کی منافی نہیں ہے اور غیریت عینیت کی منافی نہیں ہے، حق سبحانہ و تعالےٰ من وجہ درار عالم ہے اور من وجہ درار عالم نہیں ہے نیز عالم بھی من وجہ درار حق سبحانہٗ ہے اور من وجہ عین باری تعالےٰ ہے۔

اس تحقیق کے پیش نظر تم جو چاہو کہو اپنے متعلق، میں خدا ہوں اور خدا میں ہوں اس لئے کہ حقیقت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے اگرچہ اعتباری فرق ہے یہی ہے جمع بین حقیقت العینۃ اور بین غیریۃ الصوریۃ، تم اگر چاہو کہو کہ میں عین ذات باری تعالیٰ ہوں اس لئے کہ میرا کوئی وجود نہیں ہے یہ سب ذات خداوندی ہے کیونکہ وجود مطلق کے سوا اور کوئی وجود نہیں ہے اس صورت میں میرا وجود کس طرح ہو سکتا ہے اور ذات باری تعالیٰ بھی میں ہوں اس لئے کہ اطلاق معدوم ہے اور مظہر میں بجز تقید کے اور کچھ نہیں ہے لھو اللہ تعالیٰ میرا عین کس طرح بن سکتا ہے، اور میرا وجود بھی اللہ کا عین نہیں ہے اگرچہ موجود ہے وہاں پر، چونکہ وہاں اطلاق ہے اور میرا وجود اطلاق سے خالی ہے اور اللہ اختصاص سے پاک ہے اللہ تعالیٰ میرا عین نہیں ہے اگرچہ مجھ میں موجود ہے، چونکہ باری تعالیٰ تقید سے پاک ہے، نہیں میں ہوں ثبوت تقید کیوجہ سے، اور تو تو ہے ثبوت اطلاق کیوجہ سے، میں تو ہوں باعتبار اتحاد مظہر ظاہر کے ساتھ باطن کے لحاظ سے، اور اللہ میرا وجود ہے باعتبار اتحاد ظاہر مظہر کے ساتھ بلحاظ ظہور، حق سبحانہ کے لئے کمال ہے درار ان کمال کے اور وہ کمال ذات ہے بشر کی طاقت نہیں کمال باری کا ادراک کر سکے اور اللہ تعالےٰ اول ہے ابد ہے کسی مقام پر رکتا نہیں ہر اسلئے کہ وہ کمال اسمی و ظہور وصفی ہے اگرچہ بجز غیریت کے متحقق نہیں ہوتا ہے لیکن تقید سے بھی پاک ہے اور اسکا انحصار جہت دون جہت نہیں ہے بلکہ ساری جہات پر محیط ہے، غرضکہ اگرچہ اس کمال میں تعدد و تکثر ہے لیکن اجمال ذات بھی مضمر ہے، لامحالہ اللہ تعالےٰ انحصار سے پاک ہے اس لئے کہ انحصار منافی کمال ہے۔

اشعار

من با تو چنانم اے نگار ختنی   کاندر غلطم کہ من توام یا تو منی

نے من منم و نے تو توئی نے تو منی   من ہم منم و ہم تو توئی ہم تو منی

شیخ امان پانی پتی نے اس رسالہ میں بہت کچھ لکھا ہے کہاں تک نقل کیا جائے میں نے جتنا نقل کیا وہ مسلک سمجھنے کے لئے بہت کافی ہے باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

سیّد جلال الدین قریشیؒ

۹۲۲ھ ——————— ۹۴۸ھ

ہم نے آپ کی بابت ایسے عجیب و غریب حالات سُنے ہیں جو تقریر و تحریر سے خارج ہیں صاحب حال درویش و مجذوب تھے، اکثر و بیشتر ننگے سر اور ننگے پاؤں رہتے، جنگلوں میں گھومتے تھے، صرف بمقدار ستر عورت کپڑا پہنتے تھے، علوم عقلی و نقلی و درسی میں آپ کو دستگاہ تھی، جب علمی گفتگو کرتے تو تفصیل سے خوب بیان کرتے، جواں سال تھے کسی آدمی یا کسی چیز سے کوئی تعلق نہ رکھتے، باوجود غلبۂ حال کے احکام شرعی کے پابند تھے، آپ کی نظر میں کسی دنیادار کی کوئی عزت نہ تھی، آپ جس شہر یا گاؤں میں جاتے تو وہاں کے لوگ آپکے معتقد ہوتے اور آپ سے بیعت کرنا چاہتے لیکن آپ کسی کو مرید نہ کرتے اور کہتے کہ میرا صرف ایک مرید ہے جسکا نام ہشام ہے اور وہ جنگلوں میں گشت کر رہا ہے۔

کہتے ہیں کہ آپ کو عالم نسبت سے فیض تھا جس کیوجہ سے آپ عربی فارسی اور ہندی میں گفتگو کرتے اور بات میں بات نکالتے تھے اور خوب بیان کرتے تھے جب گفتگو کرتے کرتے جوش میں آتے تو جنگل کی طرف چل دیتے۔

ملا نور محمد نارنولی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مسجد میں محتسبین کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی نماز فجر کا وقت تھا کہ سید جلال الدین قریشی مسجد میں آئے اور صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ کر نماز کی نیت باندھلی، لوگوں کو آپ کی یہ حرکت ناگوار معلوم ہوگئی، باوجودیکہ نماز کا وقت تنگ تھا انھوں نے لمبی قرات پڑھی اور نماز بھی ننگے سر ادا کی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگ ان امور کو بہانہ بناکر آپ سے لڑنے لگے، آپ نے فقہ کی اتنی روایات بیان کیں کہ تمام

لوگ حیران رہ گئے، آخر میں یہ حدیث پڑھی من ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی ومن ذکرنی فی ملاءٍ ذکرتہٗ فی ملاءٍ خیرٌ منہ ترجمہ :۔ (جس نے مجھے تنہائی میں یاد کیا میں بھی اس کو تنہائی میں یاد کرتا ہوں، جس نے مجھے جماعت میں یاد کیا تو میں بھی اس کو ایک جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہے) پھر اس حدیث شریف پر خوب تقریر کی، دوران گفتگو جب جوش زیادہ ہوگیا تو اُٹھ کر جنگل کیطرف چلدیئے کہتے ہیں کہ آپ کے ملفوظات کو ایک معتقد نے جمع کر کے کتابی شکل میں آپکے سامنے پیش کیا تو آپ نے اس نے وہ کتاب ملفوظات خود اپنے ہاتھ میں لے کر اسکو ایک کنویں میں ڈال دیا۔

آپ محبت میں انتہا درجہ کو پہنچ گئے تھے اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

شعر

حاصل عشقت سہ سخن وبیش نیست سوختم و سوختم و سوختم!

اور کبھی یہ مصرعہ پڑھتے تھے مصرعہ

خام بُدم پختہ شدم سوختم

قلندری مشرب رکھتے تھے عبادات میں صرف سنت مؤکدہ و فرض پر اکتفا کرتے تھے، فصوص الحکم اور تصوف کی دیگر کتابیں بخوبی یاد تھیں، پانچ سال تک بلا واسطہ آپ نے کتاب علم حقیقت پڑھی ہے، اس پانچ سال کی مدت میں آپ نے کسی آدمی کا چہرہ نہیں دیکھا تھا، درختوں کے پتے کھاکر زندگی بسر کرتے تھے رجال غیب آپکے اُستاد تھے آپ کے مجذوب بننے کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کسی آدمی زادے پر عاشق ہو گئے، اور اس کے عشق میں آپ پر جذب کی کیفیت طاری ہوگئی اور آپ مجذوب ہوگئے پھر اجمیر شریف کی جانب روانہ ہوگئے، صحرائے اجمیر میں ایک روحانی صفت شخصیت کو دیکھا جو بے انتہا خوبصورت تھا چنانچہ آپ اس کے پیچھے لگ گئے کسی آدمی نے آپ سے پوچھا کہ وہ خوبصورت شخص کیا خواجہ خضر تھے؟ جواب دیا خضر نہیں تھے، خضرؑ کے دیدار کی علامت یہ ہے کہ ان کی ملاقات سے پہلے قدرے بارش ہوتی ہے

اور وہاں اسوقت بارش نہیں ہوئی بلکہ یہ رجال غیب میں سے تھا جو سات سو پچاس علوم سے واقف تھا۔

سید جلال الدین قریشی فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے پیر حضرت یوسف کی طرح خوبصورت اور حضرت داؤد کے مانند خوش الحان تھے جب میں ان کا مرید ہوا تو انھوں نے فرمایا جاؤ کسی کی خدمت کرو چنانچہ جب میں باہر نکلا تو ایک آدمی نے مجھ سے کہا نوکری کرو گے میں نے جواب میں کہا کروں گا، آخر کار میں اس کے پاس ملازم ہو گیا اور بہت مال و دولت جمع کیا اور پھر پیر کے کہنے سے تمام مال اللہ کے نام پر خرچ کر دیا اسی طرح تین مرتبہ دولت جمع کی اور تینوں مرتبہ پیر و مرشد کے حکم پر لٹا دی اس کے بعد اس جنگل میں جس کی کسی آدم زاد کو خبر نہیں ہے ایک کمرہ تھا اور کمرہ میں ایک چشمہ تھا، میرے پیر و مرشد کمرے میں رہا کرتے تھے اور میں کمرے سے باہر کھڑا رہتا صرف نماز کے وقت ملاقات ہوتی تھی پانچ سال تک یہی کیفیت رہی اس عرصہ میں کسی اور آدمی کی صورت بھی نہیں دیکھی ہے اور میرے پیر و مرشد نے مجھے تین سو سے زائد علوم پڑھائے اور اس کے بعد فرمایا کہ اس سے زیادہ تم میں طاقت نہیں ہے۔

ایک دن وہ رجال غیب جس سے صحرائے اجمیر میں آپ کی ملاقات ہوئی تھی وہ آپ کے سامنے سے گزرا، آپ اس کے پیچھے بھاگے اور بے انتہا دوڑ دھوپ کے بعد بھی اس سے دوبارہ نہ مل سکے، اکثر و بیشتر گریہ و زاری کرتے نعرے لگاتے اور اپنے پیر و مرشد کی یاد میں یہ اشعار پڑھتے۔

اشعار

دریغا مونسِ تنہائی ما | دریغا سرمۂ بینائی ما
دریغا دولتے رفت از سرِ ما | ہمائے بر پرید از کشورِ ما

کبھی یہ شعر پڑھتے تھے

شعر

من مست مئے عشقم ہشیار نخواہد شد | از رندی و قلاشی بیزار نخواہم شد

حکایت ہے کہ ایک دن آپکے سامنے کیمیا کا ذکر کیا گیا تو آپ نے تھوکا اور کہا تف ہے علم کیمیا پر، آپ کا تھوک تانبے کے برتن میں گرا جس کے گرتے ہی وہ برتن سونے کا بن گیا اور اس کے علاوہ آپکے اور بھی خوارق عادات سننے میں آئے ہیں۔

تھوڑے دنوں تک دہلی میں قیام پذیر رہے اس کے بعد بیانہ آگرہ اور انکے گرد و نواح میں بھی اقامت گزیں رہے، آپ نے ۲۵ سال کی عمر میں ۹۴۸ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار علاقہ مندو کے ایک موضع میں ہے، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

میر سیّد ابراہیمؒ

۸۶۵ھ ــــــــ ۹۵۳ھ

آپ معین عبدالقادر الحسنی الایرجی کے فرزند تھے، آپ ایک بابرکت بزرگ اور کامل فلسفی تھے، آپ علوم عقلی و نقلی رسمی و حقیقی کے فارغ التحصیل تھے ہر علم کی بے انتہا کتابیں مطالعہ کی تھیں اور ان کی تصحیح بھی کی تھی آپ نے مشکل کتابوں کے مشکل مسائل کو اس طرح حل کر دیا تھا کہ معمولی سی قابلیت کا شخص بھی آپکے حل مشکلات کو پڑھ کر استاد کی مدد کے بغیر بخوبی سمجھ جاتا تھا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ آپکے زمانے میں اسوقت دہلی میں کوئی شخص علم و دانش میں آپ کے برابر نہ تھا۔

آپ کے انتقال کے بعد آپکے کتب خانہ سے اتنی زیادہ کتابیں برآمد ہوئیں جو ضبطِ تحریر سے خارج ہیں اور ان میں سے اکثر آپکے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں اور واقعہ یہ ہے کہ آپ کے جس ہمعصر نے آپ سے استفادہ نہیں کیا اور آپ کی علمی قابلیت کا اقرار نہیں کیا وہ بڑا ہی بے انصاف ہے۔

میر سید ابراہیم کا دستور تھا کہ لوگوں کی جہالت، ناانصافی اور ناقدری کیوجہ سے گوشہ نشین ہو کر مطالعہ کتب اور ان کی تصحیح میں مشغول ہو جاتے تھے، بہت کم لوگوں کو آپ نے پڑھایا اور عام طور پر لوگ آپ سے استفادہ نہ کر سکے، آپ اپنی کتاب بغرض

مطالعہ صرف اس کو دیتے جس کو مخلص سمجھتے، اللہ ہی جانے اسمیں کیا حکمت تھی۔

شیخ عبدالعزیز اور دوسرے صوفیاء نے آپ سے علوم تصوف حاصل کیے اس کے علاوہ دیگر مشائخ اور بزرگ حضرات بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، آپ نے جس طرح دوسرے علوم و فنون پڑھے تھے اسی طرح درویشوں کی بابرکت صحبت، سلسلے مشائخ اور انکے خانوادوں کی نسبت اوراد و اذکار وظائف و اشغال، دعوات طریق تربیت و ارشاد کے کارنامے بھی حاصل کیے تھے، سلسلۂ قادریہ کی طرف آپ کو زیادہ نسبت تھی اور شیخ بہاؤالدین قادری شطاری کے آپ مرید تھے۔

کہتے ہیں کہ شیخ بہاؤالدین قادری شطاری نے آپ کیخاطر رسالہ شطاریہ تصنیف کیا ہے کہتے ہیں کہ آپ شیخ نظام الدین کے بلا واسطہ مرید تھے اور انہی سے خرقہ حاصل کیا تھا۔ آپ محفل سماع میں شریک نہیں ہوتے تھے، سنا گیا ہے کہ شیخ رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس کہتے ہیں کہ میں ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا آج حضرت خواجہ قطب الدینؒ کا عرس ہے اگر آپ مجلس میں شرکت فرمائیں تو مناسب ہوگا، آپ نے جواب میں فرمایا تم چلے جاؤ اور قبر کی زیارت کرو، بعد میں ان کی روحانیت کی طرف متوجہ ہو جایئے اور دیکھئے کہ حضرت خواجہ قطب الدینؒ کیا فرماتے ہیں چنانچہ میں رکن الدین حضرت خواجہ قطب الدین کی قبر پر بیٹھ کر اُن کی روحانیت کی طرف متوجہ ہوا، مجلس سماع گرم تھی قوال اور صوفی سب جوش و خروش میں تھے کہ اسوقت خواجہ قطب الدینؒ نے مجھ رکن الدین سے فرمایا کہ ان بدبختوں نے ہمارا دماغ کھالیا ہے اور ذہن کو پریشان کر رکھا ہے۔

چنانچہ قطب صاحب کا یہ حکم سن کر میں سید ابراہیم کے پاس آیا تو انھوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا اب بھی آپ مجھ کو شرکت مجلس سماع سے معذور رکھیں گے یا نہیں؟ میں رکن الدین نے جواباً کہا وہی درست ہے جو آپ فرماتے ہیں اور آپ ہی حق پر ہیں باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

تقریباً ۹۲۰ھ میں بزمانہ سلطنت سلطان سکندر آپ دہلی آئے اور ۹۵۳ھ میں بزمانہ حکومت اسلام شاہ آپ نے وفات پائی آپ کا مزار سلطان المشائخ

حضرت نظام الدین اولیاء کے اندر اس خانقاہ میں ہے جو حضرت امیر خسرو رح کے پائیں میں واقع ہے، اللہ ان سب لوگوں کی مغفرت کرے اور ان پر رحمتیں نازل کرے

سیّد رفیع الدین صفوی رح

۸۸۱ھ ــــــــــــ ۹۵۴ھ

آپ حسب و نسب میں صاحب فضیلت بزرگ تھے، آپ کے آبا و اجداد سب کے سب عالم، صالح اور متقی تھے، تفسیر معینی کے مصنف میر معین الدین آپ کے اجداد میں سے تھے جو سالہا سال تک مدینہ منورہ کے مجاور رہے ہیں اور اب تک آپ کی اولاد میں سے بعض مکہ معظمہ میں قیام پذیر ہیں، یہ تفسیر معینی جامع پاکیزہ اور مفید تفسیر ہے، اس کے علاوہ چند رسائل جو جزئی مسائل کے تحقیق میں ہیں سپرد قلم کئے ہیں شیخ صفی الدین کی طرف نسبت کرنے والے اپنے کو ساداتِ صفویہ بتلاتے ہیں یہ بھی آپکے اجداد میں سے ہیں، غالباً شیخ الحدیث قدوۃ المحققین مولانا جلال الدین محمد دوّانی جن کو سادات اسلامیہ کہتے ہیں یہ بھی آپکے اجداد میں سے تھے اور یہ وہ بزرگ ہیں جنکو روضہ سرور عالمؐ سے ان کےسلام علیک کا جواب ملا کرتا تھا، غرضکہ میر سید رفیع الدین صفوی بڑے دانشمند محدث تھے، جود و سخاوت اخلاق اور مہربانیوں کے مجسمہ تھے آپ معقولات میں مولانا جلال الدین کے شاگرد ہیں جو آپکے آبا و اجداد کی بزرگی کے پیش نظر شیراز میں آپکے گھر آکر آپکو پڑھاتے تھے، آپ کو علمِ حدیث میں شیخ شمس الدین محمد ابن عبد الرحمٰن محقق علمِ حدیث اور قدوۂ متاخرین سے شرفِ تلمذ حاصل ہے، کہتے ہیں کہ شیخ سخاوی نے میر سید رفیع الدین رح کی آمد سے قبل تقریباً پچاس کتابوں سے روایت کرنے کی اجازت دی تھی جس کے بعد میر سید رفیع الدین نے بالمشافہہ حدیث پڑھی اور عرصہ دراز تک شاگرد رہے۔

آپ کا اصلی وطن شیراز تھا اور پیدائش بھی شیراز میں ہوئی ہے اس کے بعد اپنے والدین کے ساتھ حرمین شریفین میں سکونت پذیر ہو گئے پھر سلطان سکندر کے

کے زمانے میں گجرات سے دہلی روانہ ہوئے اور سلطان سکندر کو آپ سے بیحد عقیدت تھی اگرچہ آپ کو مال و دولت بہت ملتا تھا لیکن سب کو اللہ کے راستہ میں لٹادیتے تھے آخر میں سلطان سکندر کی اجازت سے آگرہ میں مقیم ہوگئے، اب آپ کی نسل میں سے کوئی بھی زندہ نہیں ہے جس کو آپ سے معمولی سی بھی رشتہ داری ہو، آپ کی نسل بالکل ختم ہوگئی ہے ایک فرد بھی زندہ نہ رہا اناللہ وانا الیہ راجعون آپ نے ۹۵۴ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار آگرہ میں آپکے اسی گھر میں ہے جہاں آپ مقیم تھے اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ بہاؤالدین مفتی آگرہؒ

۶۴۱ھ ـــــــ ۷۶۷ھ

آپ نہایت درجہ کے بزرگ، عالم، عامل معمر متبرک اور دیندار تھے سخاوت اور مسلمانوں کی امداد و اعانت خوب کرتے تھے شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کی اولاد میں سے تھے، اسّٹھ ھ میں آپ نے انتقال فرمایا، آپکے صاحبزادہ شیخ جنید بھی نیک لوگوں میں سے تھے۔

شیخ حاجی حمیدؒ

۸۶۵ھ ـــــــ ۹۶۷ھ

آپ شاہ قاذنؒ کے مرید تھے جن کے پیر و مرشد شیخ عبداللہ شطاری تھے آپ نے خوب سیاحت کی، اپنے ساتھ صراحی کے برابر ایک لوٹا رکھتے تھے، ہاتھ میں عصا رکندھے پر جانماز ڈال کر پھرتے تھے اور جسمانی اعتبار سے بہت کمزور تھے، شیخ محمد جن کا لقب غوث تھا اپنے بھائیوں کے ساتھ ملکر آپ سے بیعت ہوئے، کہتے ہیں کہ جب شیخ محمد آپ سے بیعت ہونے کے لئے آئے تو آپ اٹھ کر ان سے بغلگیر ہوئے اور فرمایا غوث! آجاؤ حاضرین نے دریافت کیا کہ بغیر کسی کمال کے آپ نے ان کو غوث کیوں کہا، آپ نے جواب میں فرمایا اسمیں کیا حرج ہے، باپ اپنے بیٹے کا نام شاہ عالم رکھتا ہے۔ آپ اگرچہ حقیقت میں شاہ قاذنؒ کے خلیفہ تھے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ لوگوں کا میری

طرف رجحان ہے اور اس سے مرشد کے صاحبزادہ شیخ ابوالفتح کو تکلیف ہوتی ہے تو آپ شیخ ابوالفتح کے پاس پہنچ گئے اور ان سے مرید ہو کر خلافت حاصل کی

شیخ محمد اپنے شجرۂ ارادت میں شیخ ابوالفتح کا نام نہیں لکھتے تھے جس سے شیخ ابوالفتح کو سخت تکلیف ہوتی تھی، ان شیخ محمد غوث نے برسوں تک کالنجر کے قلعہ میں ریاضت و مجاہدہ اور عبادت الہی کی اور کمال حاصل کیا نیز عزت و دولتِ دنیاوی کے بھی مالک ہوئے۔

نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ بھی شیخ حاجی حمید کا معتقد ہو گیا تھا، آپ نے ۹۶۷ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار گوالیار میں ہے

آپ کی کتاب معراج نامہ بہت مشہور ہے جس میں علمائے گجرات کے انکار کے قصے درج ہیں اور حقیقت حال اللہ ہی زیادہ جانتا ہے

شیخ محمد غوث کے بھائی شیخ بہلول سے بھی ہمایوں بادشاہ کو بڑی عقیدت تھی اس لئے یہ بھی اعلیٰ مراتب و عزت وجاہ کے مالک ہو گئے تھے، اور جو آخر میں میرزا ہندال کے ہاتھوں شہید ہوئے جس کی قبر قلعہ بیانہ کے دروازہ پر ہے۔

میر سید عبدالوہابؒ

۸۵۷ھ ———— ۹۶۵ھ

آپ سید عبدالحمید سالوری کے فرزند تھے، آپ کے والد بزرگوار عمر رسیدہ اور بابرکت بزرگ تھے۔

نقل ہے کہ آپ اپنے بچپن میں والد بزرگوار کے ساتھ ایک حوض پر نہانے گئے، اچانک حوض میں سے ایک آدمی نمودار ہوا اور آپ کو پکڑ حوض میں لے گیا اور آپ کو غائب کر دیا، بہت تلاش کی گئی لیکن آپ نہ ملے، ایک مدت کے بعد آپ اسی حوض میں سے اس طرح نکلے کہ صاحبِ فیض اور بڑے عالم تھے۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ آپکے والد ماجد فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ پڑھا رہے تھے

اثنار درس میں ایک مشکل مسئلہ پیش آیا جس کو حل کرنا مشکل ہوگیا، سید عبدالوہاب اپنے ہم عمر لڑکوں میں کھیل رہے تھے انھوں نے دور سے اپنے والد سید عبدالحمید کے دل میں ان مشکلات کے حل بیان کر دیئے۔

سید عبدالوہاب جب بڑے ہوئے تو درس تدریس اور مطالعہ میں مشغول ہوگئے ایک دن آپ کتب خانہ میں تنہا بیٹھے مطالعہ کر رہے تھے اور آپکے ارد گرد بہت سی کتابیں رکھی ہوئی تھیں کہ اتنے میں ایک آدمی نے رجال غیب کی شکل میں آکر کہا یہ تنہائی و مطالعہ کتب کیسا؟ اس سے آپ پر ایک کیفیت طاری ہوئی جس کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر کتب خانہ سے نکل کھڑے ہوئے اور عبادت و اطاعت الٰہی میں مشغول ہوگئے، ۹۶۵ھ میں آپ کی وفات ہوئی ہے اور آپ کا مقبرہ سالورہ شہر میں ہے۔

میر سیّد عبدالاوّل رح

۸۳۲ھ ——————— ۹۶۸ھ

آپ علاء الحسنی کے فرزند ارجمند تھے اور میر سید محمد گیسو دراز رح جن کا مزار گلبرگہ شریف (علاقہ دکن) میں ہے ان کی اولاد میں سے کسی کے مرید تھے، اس کے علاوہ تمام علوم عقلی و نقلی رسمی و تحقیقی میں کامل اور بڑے دانشمند تھے، اکثر علوم میں خود بھی کتابیں تصنیف کی ہیں، صحیح بخاری کی شرح فیض الباری بھی آپ ہی نے لکھی ہے، سراجی جو علم فرائض کی کتاب ہے اس کو منظوم کر کے اس پر شرح لکھی ہے، تحقیق نفس و معرفت پر فارسی میں نہایت تحقیق سے ایک کتاب تالیف کی ہے، سفر السعادت کا انتخاب کر کے سیرت پر کچھ کتابیں تصنیف کی ہیں، نیز اکثر کتابوں پر آپکے شرح و حواشی و تعلیقات موجود ہیں، بہت عمر رسیدہ ہوگئے تھے، آخر میں آپ پر انکساری و عاجزی اور تصوف کا حال غالب ہوگیا تھا اور درسی علوم بہت کچھ بھول گئے تھے، آپکے کتب خانہ میں ہر قسم کی کتابیں موجود تھیں، آپکے والد ماجد علاقہ جونپور قصبہ زیدپور کے رہنے والے تھے، وہاں سے چل کر دکن کے علاقہ میں سکونت پذیر ہوگئے جہاں آپ کی ولادت ہوئی اور وہیں تعلیم

حاصل کرکے کامل ہوگئے، اس کے بعد گجرات گئے جہاں سے زیارت حرمین شریفین کے لئے روانہ ہوگئے اور وہاں سے وطن واپس ہوئے، اس کے بعد مخلوقِ خدا پر مہربان، درویشوں کی محبت میں سرشار، علماء وفضلاء کے سرپرست خانخاناں محمد بیرم خاں شہید کے حکم پر دہلی گئے جس کے بعد تقریباً دو سال تک دہلی میں زندہ رہے ۹۶۸ھ میں وفات پائی، اور قلعہ دہلی کے اندر کشک نزور کے نزدیک قبرستان میں مدفون ہوئے،

آپ کے رسالہ تحقیق نفس و معرفت کا کچھ یہ ہے۔

فصل۔ سمجھ لو کہ نفس مشترک لفظی ہے، کبھی اس کو نفس ہی کہتے ہیں اور کبھی ذات و حقیقتِ الٰہی کہتے ہیں جس کی مثال یہ ہے تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ترجمہ:۔ (میرے نفس میں جو ہے اُسے میں جانتا ہوں اور تمہارے نفس میں جو ہے اس سے میں ناواقف ہوں) کبھی اس نفس کو روح علوی سے تعبیر کرتے ہیں جس کا دوسرا نام نفس ناطقہ ہے کبھی اس کو بخار لطیف سے یاد کرتے ہیں۔ یہ وہ حرارت ہے جو تہِ دل سے نکل کر رگوں کے ذریعہ سے تمام جسم میں سرایت کرتی ہے، دو آدمی جو قد و قامت اور لاغری و فربہی میں بالکل برابر ہوں ان میں سے ہر ایک کا ایک ظاہری حصّہ ہے جس کو جسم کہتے اور دوسرا باطنی حصّہ ہے جس کو نفس کہتے ہیں، بدن کی مثال اس کپڑے کی ہے جو جسم پر ہوتا ہے، اور نفس وہ بخار عمودی ہے جو تمام اجزاء لباس میں موجود ہوتا ہے اور لباس کی صورت اختیار کرتا ہے، جان لو کہ آدمی ایک بخاری حیوان ہے جس کی وجہ سے وہ متحرک و حساس ہے اور بھوک پیاس حرص و ہوا صفات نفسانی یہ سب انسان کے اندر موجود ہیں، عرفِ تصوف میں اسی کو نفس کہتے ہیں۔

فصل۔ آیت قرآن کی تفسیر سے متعلق ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَر کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے انسان کو دوبارہ پیدا کیا ارسال روح کے ساتھ جبکہ خالص بناتی تھا، دونوں روحیں اسی موجود نہ تھیں اور حدیث شریف ثُمَّ اَرْسَلَ اللّٰهُ مَلَكًا بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ کا بھی یہی مطلب ہے، سمجھ لینا چاہئے کہ اول تغیرات حیوانی اور ابتدائی تعلق انسانی ہمیشہ ساتھ ساتھ ظاہر ہوتی ہیں، وجود انسانی بغیر وجود حیوانی کے ممکن نہیں ہے اور اسی

طرح وجود حیوانی بغیر وجود انسانی ناممکن ہے اس لئے کہ ایک سو بیس دن کے بعد مضغۂ انسانی میں روح ڈالی جاتی ہے تب اسی وقت جنین اپنے مادر کے شکم میں حرکت کرنے لگتا ہے اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ ان دونوں کے درمیان لازم وملزوم کی نسبت موجود ہے

فصل۔ روح انسانی جو کہ صاف اور لطیف ہے جسم انسانی سے جو کثیف اور ظلماتی ہے کوئی مناسبت نہیں رکھتی ہے اسلئے روح انسانی نے پہلے روحِ حیوانی سے جو کہ فی الجملہ پاکیزہ اور لطیف ہے اپنا تعلق قائم کر لیا اور اسی کی وجہ سے بدن کثیف سے مناسبت ہوگئی پہلے پہل تو روح انسانی اپنے مقام سے فراق کے سبب بہت پریشانی ہوگئی تھی لیکن بعد میں روح حیوانی سے مانوس ہوگئی اور اپنے مقام کو بھول گئی، بعض روحیں اپنے نفس کی تابع ہو کر تنزل اور پستی کیطرف مائل ہوتی ہیں اور بعض روحیں اپنے نفس کو سواری بنا کر ترقی اور کسب کمال کے لئے وسیلہ بناتی ہیں،

اس لئے محققین مذہب کا قول ہے کہ ارواح مجرد ہیں۔ اعضاء وآلات وغیرہ نہیں رکھتی ہیں جب تک جسم کے ساتھ مرکب نہ ہوں تو ترقی انکے لئے غیر ممکن ہے۔

فصل۔ روحِ علوی عرصہ دراز تک مؤثرِ تام اور مبدع کمال الٰہی کے سایہ میں رہی اور روح سفلی اللہ کے جلال وجمال سے دُور تھی، چونکہ ان دونوں میں مرد و عورت کی قوتیں موجود تھیں جن کے جوڑ دئے جانے پر ان کی اولاد کا نام قلب و دل رکھا گیا اسی لئے روح جس میں دو چیزیں، ایک نسبت پدری اور دوسری مادری ہے ہمیشہ انقلاب پذیر رہتی ہے، نیز یہ بھی یقین کر لو کہ جو چیز محسوسات کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے وہ نفس ہے اور معقولات کے ذریعہ جو چیز معلوم ہوتی ہے وہ روح ہے اور محسوس و معقول کے مرکب کا نام قلب ہے، اور جو چیزیں کہ حس و عقل کے ذریعہ معلوم نہ ہوں وہ ذات وصفات الٰہی ہیں، خدا تعالےٰ نے اپنی مہربانیوں سے ایک خاص رحمت کو دل سے متعلق کر دیا ہے جس کو سر اور بھید کہتے ہیں اور اس سے زیادہ قوی بھید بھی ہے جو دل سے متعلق ہے جس کو سرِ خفی کہتے ہیں۔ اور ذات الٰہی کا کشف اسی چشم سرِ خفی کے سبب سے ہوتا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے وفی الخفی انا ترجمہ:۔ (سرِ خفی میں ہم ہیں)

احتمال ہے کہ یہ لطائف ہر انسان میں روح علوی کے ساتھ موجود ہوں لیکن نفس کے تاریک پردے اور بُری صفات کی وجہ سے مستور ہیں، تزکیہ نفس و تصفیہ قلب کی بدولت جلوہ گر ہوتے ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ تجلی روح کے بعد مجدداً اثر انداز ہوں۔ اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے جبکہ روح کے کئی مدارج بیان کئے گئے ہیں

نیز واقعہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تمام ارواح کے ابوالارواح، معدن انوار اور منشاء موجودات ہیں اسوجہ سے تمام ارواح بمنزلہ جسم کے ہیں اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جان ہیں، آپ کو تمام ارواح سے وہی تعلق ہے جو جان کو جسم سے ہوتا ہے۔ نیز آقائے کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کو روح علوی، تمام موجودات اور اُن کے باہمی تعلقات پر کامل قبضہ و تصرف اور اختیار و اقتدار حاصل ہے، ارباب کشف و شہود نے جو بیان کیا ہے کہ روح انسانی کے اوپر ایک روح قدسی بھی ہے اسکا یہی مطلب ہے کہ وہ آقائے کائنات کی روح پُرفتوح ہے۔

فصل۔ روح انسانی و حیوانی اور قلب یہ تینوں چیزیں ہر ایک جسم میں جزو حقیقی کی طرح موجود ہیں اس کے باوجود ایک جسم دوسرے سے علیحدہ نظر آتا ہے مگر اس میں پوشیدہ و ظاہر حکمتِ الٰہی یہ ہے کہ ہر روح ایک خاص روح اور فرشتگی کی حیثیت کے ساتھ وحدت و جزئیت کی صفات سے متصف ہو کر اجسامِ نفوس اور ارواح انسانی سے متعلق رہتی ہے اور ہر ایک میں تصرف کرتی ہے، ایک روح کا بہت سے اجسام کے ساتھ تعلق رکھنے کے بیان کو باآسانی بیان کیا جا سکتا ہے جیسے جسم اور تمام اعضاء اجزاء انسانی کے ساتھ نفس متعلق اور کارفرما رہتا ہے، اس کی مثال یہ فرض کرو کہ ایک نفس جو بہت طاقتور ہے اور وہ جسم کے اندر تصرف کرتے ہوئے گھر کے تمام در و دیوار پر حکمرانی و قبضہ رکھتا ہے وہ اس طرح کہ مشرقی دیوار کو مغرب کی طرف کر دیتا ہے اور مغربی دیوار کو مشرق میں لا کھڑا کرتا ہے، اسی طرح ایک وہ نفس ہے جو اپنی طاقت کے بھروسہ پر تمام شہر پر تصرف کرتا ہے یعنی پورا شہر اس کے اعضاء کی طرح ہو جاتا ہے اس طرح ایک نفس تمام اقلیموں پر بادشاہت کرتا ہے اور ایک نفس وہ ہے

جو تمام روئے زمین پر متصرف اور قابض ہے، اور ایک نفس وہ ہے جو تمام عناصر پر، اور ایک نفس تمام عناصر افلاک پر متصرف ہوتا ہے جیسے حضرت جبرئیل کی روح کہ جنکا جسم افلاک و عناصر کا مجموعہ ہے اور ساتوں آسمانوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے اور ان کا صدر مقام مستقر سدرۃ المنتہیٰ ہے جو ساتویں آسمان کے اوپر ہے، نیز ثابت ہوتا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کو انکے بھائیوں نے کنویں میں ڈالا تو فوراً ہی جبرئیلؑ کو حکم ہوا کہ ادرک عبدی ترجمہ: (میرے بندے کو لو) یوسف علیہ السلام ابھی کنویں کی تہ تک نہ پہنچے تھے کہ حضرت جبرئیلؑ نے ان کو ہاتھوں ہاتھ اُٹھالیا اور آسانی کے ساتھ کنویں میں اُتار دیا اس واقعہ کے پیش نظر جبرئیلؑ کی بابت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ سات ہزار سال کی مسافت ایک لمحہ میں طے کر کے کنویں میں پہنچے بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ ساتوں آسمان اور انکے متعلقہ عناصر سب جبرئیلؑ کے اعضاء ہیں اور دنیا میں وہ اسی طرح تصرف کرنے کی مثال یہ ہے کہ ان کے گلے کے ہار کا ایک موتی گر کر ابھی ان کے سینہ تک نہیں پہنچا تھا کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا، یہی حال عزرائیلؑ کی روح کا ہے کہ عالم بھر کی روحیں انکے اعضاء و اجزاء ہیں جب وہ روح قبض کرتے ہیں تو گویا وہ اپنے جسم میں تصرف کرتے ہیں، اس نظریہ کے ثبوت سے انبیاء کرام کے معجزات اور اولیاء عظام کے کرامات کا ثبوت ملتا ہے، نبی اور ولی کا نفس جیسا اپنے جسم میں تصرف کرتا ہے اسی طرح خارج میں بھی تصرف کرتا ہے جبکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح تمام عالم کی جان ہے اس لئے آپ سارے عالم میں تصرف کر سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ چاند ایک اشارہ سے دو ٹکڑے ہوگیا، گویا کہ ناخن کے میل کو ناخن سے جدا کیا۔

فصل ۔ جبکہ ساری ارواح و لطائف کا سلسلہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح پر ختم ہوتا ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک تمام ارواح کی جان ہے۔ اب صرف ذات پروردگار باقی رہ گئی ہے جس کی حالت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ جو ہر قسم کی مثال سے پاک اور منزہ ہے وہ رسالتمآب کی جان و روح ہے

اشعار

حق جان جہان است جہاں جملہ بدن افلاک و لطائف چہ قوائے ایں تن
افلاک و عناصر و موالید اعضاً توحید ہمین است دگر حیلہٗ و فن

فصل۔ سمجھنا چاہیئے کہ اللہ کی ہستی کو تمام عالم کی ذات سے برابر کی نسبت حاصل ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ اسکا آئینہ اور اسکے کمال کا مظہر جمال ہے اس وجہ سے ندا و خطاب کے وقت دل کیطرف متوجہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دل روح حیوانی کا معدن ہے اور دیگر لطائف روح حیوانی سے متعلق ہیں لہذا قلب کیطرف متوجہ ہونے سے جمیع لطائف کیطرف متوجہ ہونا لازم آتا ہے، غرضکہ توجہ قلبی ہی فتح باب مقدمۂ کشف لطائف اور مقصد حاصل کرنے کا سبب ہے اور اسی طرح درجہ بدرجہ انوار و صفات ذات الٰہی کا مکاشفہ ہوتا ہے اسی لئے تو کہتے ہیں کہ قلب صنوبری میں جو روزن ہے اسکے سبب علوم غیبی کا کشف اور مراتب جبروت ولاہوت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

شعر

لشکرِ حسنت نہ گنجد در زمین و آسماں من دریں فکرم کہ اندر سینہ چوں جا کردہ

فصل۔ یہاں قلب میں بات اُترنی چاہیئے کہ شاہی مقام تین ہیں۔

اول وہ عالیشان اور وسیع عمارت جہاں تمام فوج حاضر رہتی اور وزراء، ارکان حکومت اور عمال اپنے اپنے مقام پر بیٹھے حکومت کے کام تقرر و معزولی، منع و عطا اور محاسبہ اعمال وغیرہ انجام دیتے ہیں۔

دوسرا مقام وہ ہے جو بادشاہ اپنے مخصوص لوگوں کے ساتھ رہتا ہے، عام آدمیوں اور فوجیوں کو آنے کی اجازت نہیں ہوتی ہے، درباری لوگ اپنی خدمات کے حقوق کے لئے باادب کھڑے رہتے ہیں اور مختلف قسم کے انعامات و نوازش شاہی سے خوش ہوتے اور قرب شاہی کی حلاوت سے مسرور ہوتے ہیں۔

تیسرا مقام وہ مختصر عمارت ہے جو خاص حرم حریم غیرت اور مقام عصمت و خلوت ہے جہاں بادشاہ خلوت پذیر ہوتا ہے، یہاں خاص و عام میں سے کسی کو بھی آنے

کی بالکل اجازت نہیں ہے -

ظاہر پر باطن کو قیاس کرتے ہوئے شہنشاہ عالم رب متعال کے بھی تین مقام ہیں
پہلا مقام عرش عظیم ہے جو محل فیض خاص وعام دیوان خانہ، رزق مومن و کافر، وحوش وطیور مادۂ وجود بقائے کُل حیوانات ونباتات - اور تمام لطائف وبسیط ومفرد و مرکبات کا مخزن ومعدن ہے اور یہ واقعہ ہے کہ عرش تمام دنیا کے اُوپر ہے جہاں سے جملہ مخلوق کی مطلب برآری ہوتی ہے اسی لئے تمام آدمی باطنی طور پر بھی اوپر ہی کیجانب متوجہ ہوتے اور سوال ودعا کے وقت اپنا سر آسمان کیجانب کرتے ہیں۔

دوسرا مقام کعبہ شریف ہے جہاں سوائے مؤمنین مخلصین کے اور کوئی حاضر نہیں ہوسکتا ہے اور مومنین کو مختلف قسم کے انعامات سے نوازا جاتا اور انکے اگلے پچھلے جرائم کو معاف کرکے اللہ کے قرب سے نوازا جاتا ہے اور کفار کو یہاں آنیکی طاقت نہیں ہے -

تیسرا مقام بندۂ مومن کا دل ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المؤمن
ترجمہ:۔ (میرا مقام زمین وآسمان نہیں بلکہ میرے مومن بندے کا دل میرا مقام ہے)
اور انہی تین مقامات کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اشارۃً بیان کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ لبسم اللہ میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو اپنی عزت اور وحدت کو قلب مومن کے عرش پر تجلی کرتا ہے الرحمٰن کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ عرش عظیم پر اپنی رحمت کاملہ کے ساتھ تجلی فرمارہا ہے الرّحیمُ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کعبہ شریف کے عرش پر اپنی خصوصی رحمتوں کو خصوصی مسلمانوں کے لئے مخصوص کرنے کی خاطر تجلی ریز ہے۔

ذکر سہ رکنی جو عام طور پر مشہور ہے کہ قبلہ رو بیٹھ کر تین مرتبہ اللہ اللہ اللہ اوپر سامنے اور دل پر ضرب لگا کر کہتے ہیں اس سے بھی متذکرہ بالا تینوں عرش مراد ہیں باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

شیخ علی بن حسام الدینؒ

۸۸۰ھ ــــــــــــ ۹۷۵ھ

آپ کے والد ماجد کا نام عبدالملک ابن قاضی خاں المتقی القادری الشاذلی المدنی چشتی رہ ہے، آپکے آباؤ اجداد جونپور سے آکر برہان پور میں مقیم ہوگئے، آپ کی ولادت باسعادت برہان پور ہی میں ہوئی ہے، آپکے والد نے آپکو آٹھ سال کی عمر میں شاہ باجن چشتی کے پاس لیجاکر مرید کرادیا جو اس زمانہ میں برہان پور میں مقیم تھے اور اس واقعہ کے چند دن بعد آپکے والد نے وفات پائی، والد بزرگوار کے انتقال کے بعد آپ بلحاظ طبیعتِ انسانی کچھ عرصہ لذاتِ حسیہ میں مشغول رہے اور نوجوانی کے زمانے ہی میں بمقام مندو ایک بادشاہ کی ملازمت کی اور دنیاوی دولت جمع کی، اسی اثناء میں اللہ کی عنایت اور ہدایت کے جذبے نے اپنی طرف مائل کیا چنانچہ دنیادی مال وزر اور اس کی بے ثباتی دیکھ کر شیخ عبدالحکیم ابن شاہ باجن کی خدمت میں پہنچے جن سے مشائخ چشت کی خلافت کا خرقہ حاصل کیا اور چونکہ آپ کی فطرت میں تقویٰ و پرہیز گاری کا غلبہ تھا اس لئے ملتان پہنچ کر شیخ حسام الدین متقی کیخدمت کرنے لگے اور انکی صحبت بابرکت کی بدولت سلوک و طریقت تقویٰ و پرہیز گاری کی نعمتوں سے مالامال ہوئے نیز انہی کی صحبت میں رہتے ہوئے دو سال کی مدت میں تفسیر بیضاوی اور عین العلم کا مطالعہ کیا اور تقویٰ و توکل کو اپنا سفر خرچ بناکر حرمین شریفین کی طرف روانہ ہوئے مکہ معظمہ پہنچ کر شیخ الحدیث شیخ ابوالحسن بکری جو کہ اپنے وقت کے مانے ہوئے ولی اللہ تھے کی خدمت میں رہ کر حاضری کا شرف حاصل کیا اور انہی کے شاگرد ہوئے۔

اور یہ وہ بزرگ ہیں جن سے مشائخ زماں استفادہ کرتے تھے، نیز آپ نے دوسرے مشائخ کی خدمات بھی کیں چنانچہ شیخ محمد بن محمد بن محمد سخاوی کی خدمت میں رہ کر سلسلہ عالیہ قادریہ کا خرقہ حاصل کیا اور قطب زماں شیخ نورالدین ابوالحسن علی الحسن شاذلی سے سلسلہ شاذلیہ کا اور شیخ ابومدین شعیب مغربی سے سلسلہ مدنیہ کا خرقہ حاصل کیا پھر وہیں

مکہ مکرمہ میں مقیم ہو گئے اور تمام دنیا کو اپنے انوار اطاعت و مجاہدات اور علمی و عملی فیوضات سے مستفیض کیا، نیز علم تصوف و حدیث میں آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ آپ کی خدمات تصنیف و تالیف دیکھ کر عقل حیران ہوتی ہے اور یقین کہتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توفیق و برکت ہے جو وہ اس بلند درجہ پر غیب استقامت کے ساتھ متمکن ہوئے۔

آپ نے شیخ جلال الدین سیوطی کی کتاب جمع الجوامع کی احادیث کو حروف تہجی کے تحت جمع کر کے تمام اقوال و افعال حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو مسائل فقہیہ کے طریقہ پر باب وار لکھا ہے، ان کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کتنا کام کیا ہے اور کس خوبی سے انجام دیا ہے، نیز آپ نے ان کتب میں سے احادیثِ مکرر کو چھانٹ کر اسکا انتخاب علیحدہ مرتب کیا۔

کہتے ہیں کہ شیخ ابوالحسن بکری فرماتے تھے کہ علامہ جلال الدین سیوطی نے عالم پر احسان کیا ہے، آپ نے دیگر کتابیں بھی تصنیف کی ہیں جو سالکانِ طریقت اور طالبانِ آخرت کے لئے سرمایۂ وقت اور مددگار حال ہیں، آپ کی بڑی اور چھوٹی فارسی اور عربی کی کل کتابیں سو سے زائد ہیں، آپکی پہلی مصنفہ کتاب تبیین الطرق ہے جس کی تالیف کے وقت آپ کو غیب سے الہام ہوتا تھا، آپ کی ایک کتاب حکم کبیر ہے جو بیحد مفید اور علمِ تصوف کا خلاصہ ہے، آپ اپنے ساتھیوں سے کہا کرتے تھے کہ اس کتاب کی عظمت کا یہ حال ہے کہ تصوف کا جو مشکل مسئلہ چاہو اسکا جواب اس کتاب میں دیکھ لو اور تصوف کا جو مسئلہ لوگ دریافت کریں اسکا جواب اسمیں دیکھ کر دیدو۔

آپ اپنی زندگی کے آخری ایام تک کتب احادیث کی تصحیح میں مشغول رہتے تھے حتیٰ کہ باقتضاء بشریت ہل جل نہیں سکتے تھے لیکن تاہم اپنا کام نہیں چھوڑتے تھے کہتے ہیں کہ آپ استنباط دقائق اور فہم معانی میں ایسے ماہر تھے کہ اسوقت مکہ معظمہ کے بڑے بڑے علماء کے لئے بجز اس کے کہ آپ کی تعریف و تحسین کریں کوئی راستہ نہیں تھا۔

شیخ ابن حجر جو اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم اور فقیہہ تھے وہ پہلے شیخ علی کے استاد بھی تھے لیکن اگر ان کو کسی حدیث کے معنی میں اشکال ہوتا تو آپ سے کسی شخص کے ذریعہ سے دریافت کیا کرتے تھے کہ اس حدیث کو جمع الجوامع کے کس باب میں آپ نے مدون کیا ہے پھر بذریعہ قیاس اس حدیث کا مفہوم معلوم کر لیتے تھے

شیخ ابن حجر نے اپنے کو بہت مرتبہ شیخ علی کا شاگرد حقیقی کہا ہے اور آخر میں آپکے مرید ہو گئے یہانتک کہ آپ سے خرقہ حاصل کر لیا، غرضنکہ مکہ معظمہ کے دیگر تمام مشائخ کرام اور علما بھی آپکے کمالات اور ولایت کے معترف تھے اور آپکی تکریم و تعظیم میں متفق تھے، چنانچہ آج تک وہاں کے خاص و عام لوگ آپ کو اس طرح یاد کرتے ہیں جس طرح دیگر مشائخ سلف کو یاد کرتے ہیں۔

علمائے ظاہر کو تالیف و تصنیف کتب اور نشر و اشاعت علوم کی جو توفیق و برکت حاصل ہوتی ہے اس کے قطع نظر شیخ علی کے ریاض مجاہدے، کرامتیں خوش اخلاقی عمدہ اوصاف، مزین افعال عمدہ حالات، آداب ظاہری و باطنی، تقویٰ پرہیزگاری وغیرہ جو کچھ بیان کی جاتی ہے وہ آپکے کمالات باطنی اور حالات حقیقی کی اول دلیل ہے شیخ علی نے اپنے انتقال کے دن شیوخ کی صحبت کے حالات اپنے ایک خط میں تحریر کئے تھے جو یہ ہیں:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمدٍ وآلہ واصحابہ اجمعین بعد حمد و صلوٰۃ کے یہ فقیر خدا علی بن حسام الدین عرف متقی اس دن جبکہ دنیا سے رخصت ہو کر آخرت کی طرف جا رہا ہے عرض گزار ہے کہ میرے والد بزرگوار نے مجھے بچپن کے زمانے میں شیخ باجن کا مرید بنایا، شیخ باجن قوالیاں سنتے اور وجد و حال میں رہتے تھے میں نے اپنے پیر و مرشد کو اختیار کیا بمقابلے اس قول کے کہ "جب بچہ بالغ ہو جاتا ہے تو اس کو اختیار ہے کہ اپنے سابق پیر کو برقرار رکھے یا نہ رکھے، چنانچہ پیر و مرشد اور والد ماجد کی وفات کے بعد شیخ عبدالحکیم بن شیخ باجن قدس اللہ سرہٗ سے خرقہ چشت حاصل کر کے بعد میں

ایک ایسے مرشد کی تلاش میں رہا جو مجھے حق کا راستہ دکھائے جس کا کہ میں طلبگار ہوں چنانچہ ملتان پہنچ کر شیخ حسام الدین متقی کیخدمت میں حاضری دی، پھر بعد میں حرمین شریفین پہنچ کر شیخ ابوالحسن بکری کی خدمت میں حاضری دیکران کی صحبت سے سرفراز ہوا اور شیخ محمد سخاوی سے سلسلہ قادریہ، شاذلیہ، مدینیہ کے خرقے حاصل کیے، نیز سنا گیا ہے کہ آپ نے بوقت وفات ایک رقعہ کسی مخلص کو دیا، کہ اس کو بعد میں پڑھنا، چنانچہ آپکے انتقال کے بعد جب اس خط کو پڑھا گیا تو اسمیں یہ مضمون تھا، بھائیو! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے، میرے پاس امانتِ الٰہی تھی، میں نے وہ اہل اور قابل لوگوں کے حوالہ کر دی ہے سمجھا جس نے سمجھا۔ فقط والسلام

شیخ علی کے شاگرد خاص اور خلیفہ اور آپکے کمالات و آثار کے سب سے بڑی نشانی عارف باللہ شیخ کامل عبدالوہاب بن ولی اللہ المحب حنفی متقی قادری جو مرکز دائرہ استقامت، قطب فلک ولایت اور مشائخین و فقراء کے نزدیک متفقہ طور پر یمن سے شام تک علاقہ کے زبردست ولی ہیں، اللہ ان کے علوم سے ہم سب کو مستفید کرے جن کا تذکرہ شیخ علی کے حالات کے بعد ہی قلمبند کیا گیا ہے غرضکہ ان کی زبانی شیخ علی کے حالات لکھے جا رہے ہیں۔

شیخ عبدالوہاب کا بیان ہے کہ شیخ علی جب ملتان میں شیخ حسام الدین کے پاس رہتے تھے اس وقت بھی خلوت گزیں تھے، شیخ حسام الدین کی یہ حالت تھی کہ اپنے سر پر کتابیں اُٹھاتے ہوئے آپکے کمرے کے دروازہ پر آکر اس طرح اجازت لیتے تھے، حسام الدین حاضر ہے، کیا فرمان ہے، ایک دو دفعہ کہنے کے بعد شیخ علی اگر اپنے کمرے کا دروازہ کھولدیتے تھے تو شیخ حسام الدین اسوقت تک تفسیر بیضاوی پڑھتے پڑھاتے جب تک شیخ علی کے پاس وقت کی گنجائش ہوتی، اور اگر شیخ علی اپنے کمرے کا دروازہ نہ کھولتے تو شیخ حسام الدین واپس چلے جاتے تھے، اس کے بعد شیخ علی نے ملتان کے آس پاس ان مقامات کا سفر کرنا شروع کیا جن میں نیک لوگ سکونت پذیر تھے اور جہاں آپ باسانی عبادت کر سکتے تھے وہاں چند روز ٹھہرتے تھے۔

آپ حالتِ سفر میں دو تھیلے اپنے پاس رکھتے تھے، ایک میں کھانے پینے کا سامان ہوتا جیسے چاول، آٹا، دال، گھی، تیل، نمک وغیرہ کھانے پکانے کے برتن اور جنگل سے اپنے ہاتھوں کاٹی ہوئی لکڑیاں بقدر ضرورت رکھا کرتے تھے، دو دن کے سامان کو چار دن تک استعمال کرتے، کبھی مسجد میں نہ ٹھہرتے بلکہ کرایہ کے مکان میں ٹھہرا کرتے تھے چقماق جلا کر آگ سلگاتے تھے اور ایک لوٹا جس میں ایک مشک پانی آتا تھا جو کھانے پکانے وضو اور بشرط ضرورت غسل کے لئے کافی ہوتا اپنی پیٹھ پر لادے رکھتے تھے آپ کا قاعدہ تھا کہ پاک پانی سے پہلے برتن دھوتے پھر خود ہی کھانا پکاتے تھے آپ نے کسی آدمی سے اپنی کوئی خدمت نہیں لی، آپ نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کریں گے نیز اپنے کام میں کسی دوسرے کی مدد نہیں لیں گے، اگر مجبوراً آپ کو شدید ضرورت کام لینے کی پڑجاتی تو کام کرنے والے کے ہاتھ میں پہلے رقم رکھتے اور بعد کو اُس سے کام لیتے، غرضکہ ایک تھیلے میں خور و نوش کا سامان اور دوسرے میں چند کتابیں رکھتے جو راستہ میں ضروری ہوتی تھیں، غرضکہ اس صفائی خوش اسلوبی اور سامان کے ساتھ سیر و سیاحت کیا کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص آپکے ساتھ رہنے یا آپ کی خدمت کرنے کی خواہش کرتا تو آپ اس کی یہ بات قبول نہ کرتے۔

شیخ علی گجرات اس زمانے میں گئے جبکہ وہاں سلطان بہادر کی حکومت تھی وہ آپ کے اوصاف و کمال سنکر آپ کا معتقد ہوگیا اس نے آپ کو گراں قدر انعامات اور کچھ جاگیر دینا چاہی لیکن آپ نے سلطان کی پیش کش قبول نہیں کی، اس زمانے آپ کی کیفیت یہ تھی کہ آپ جدھر جاتے لوگ آپ کے پیچھے آتے اور پروانہ کی طرح اکٹھا ہوجاتے آپ اپنے کمرے کا دروازہ بند رکھتے اور کسی کو اپنے ساتھ نہ بٹھاتے، عالم متقی اور صالح قاضی عبداللہ سندھی جبکہ وہ بغرض روانگی حج اپنے اہل و عیال اور دوسرے اکثر لوگوں کے ساتھ تھوڑے دن کے لئے گجرات میں ٹھیرے ہوئے تھے نیز شیخ علی سے انکو بھی محبت والفت اور سچا اعتقاد ہوگیا تھا انھوں نے شیخ علی سے عرض کیا کہ اگر ایک مرتبہ سلطان بہادر کی التماس قبول فرمائیں تو اچھا ہو اگر مرضی نہ ہو تو اس سے گفتگو

نہ فرمائیے گا ہم لوگ اسوقت حاضر رہیں گے اور اس کو اپنی باتوں میں لگائے رکھیں گے اس طرح اس کی آرزو پوری ہو جائے گی اس پر آپ نے جواب دیا کہ بادشاہ کے لباس اور وضع قطع سے غیر اسلامی چیزیں جھلکتی ہیں یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں اسے دیکھنے کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کروں، جس پر ان لوگوں نے عرض کیا ہم خادم حسب موقع جو مناسب سمجھیں گے کہیں گے اور کرینگے لیکن بادشاہ کی خواہش یہ ہے کہ ایک مرتبہ خدمت عالی میں حاضری دیں، غرضنکہ سلطان نے حاضری دی اور شیخ کے معتقدین نے اسے نصیحتیں کیں، اس ملاقات کے دوسرے دن سلطان نے ایک کروڑ روپیہ گجراتی بطور تحفہ شیخ کیخدمت میں روانہ کیے جو آپ نے سب کے سب قاضی عبداللہ کو دیتے ہوئے فرمایا کہ چونکہ بادشاہ کی ملاقات کے تم ذریعہ تھے اس لئے یہ ساری رقم تمہاری ہے، اس کے بعد فرمایا کہ طالبوں اور مریدوں کی تربیت و ارشاد ہمارے پیرو مرشد اس طرح کیا کرتے کہ اس کی ظاہری حالت کو برقرار رکھتے ہوئے خود ان کے باطن کی تربیت میں لگ جاتے اور اپنی توجہ اور ہمت کے ذریعہ ان طالب علموں اور مریدوں کو راہِ سلوک پر گامزن کیا کرتے تھے اور یہ تمام تعلیم و تربیت اس طرح کیا کرتے کہ مریدوں اور طالبوں کو آپکے عمل کے مطلق اطلاع نہ ہونے پاتی۔

اس خادم (شیخ عبدالوہاب) کی خود یہ حالت ہے کہ ایک عرصہ کے بعد پیرو مرشد شیخ علی کی بدیہی حسنِ تعلیم کا مجھے علم ہوا کہ اس ذرہ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ میں نے جب آپ کی خدمت میں حاضری دی تھی تو دو سال تک مجھے بالکل یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کس شخص کیجانب متوجہ ہیں اور کس کو کس ذکر وظیفہ اور مجاہدہ وغیرہ کی تعلیم و تلقین فرما رہے ہیں، ہاں البتہ اکثر اوقات ہم لوگوں کو اپنی تالیفات و تصنیفات کی کتابت اور مقابلہ وصحت کا حکم دیا کرتے تھے آپ کا کمال یہ تھا کہ ہر کام کرنے والے کو محسوس ہوتا کہ آپ خود اس کے پاس ہیں اور اس سے کام کرا رہے ہیں غرضنکہ دو سال بعد مجھے معلوم ہوا کہ میں جہاں تھا اس سے بہت بلند ہو کر اس مقام پر پہنچ گیا ہوں جس کا درجہ خواب و خیال میں بھی محسوس نہیں ہو سکتا تھا۔

پیر و مرشد شیخ علی فرمایا کرتے تھے کہ طالب علموں کی تربیت میں مشائخ کرام دو طریقے استعمال کرتے تھے، ایک یہ کہ مرید میں جو خرابیاں ہیں پہلے ان کو انہی کے ذریعہ سے دُور کراتے تھے بعد میں خود تصرف کرتے یہ طریقہ مریدوں کیلئے زیادہ مشکل ہے۔ مشائخ کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مرید کو اُس کی حالت پر چھوڑ کر خود اسکی اصلاح میں مشغول ہوجائے اور آہستہ آہستہ اسمیں نورانیت پیدا کرنے کی کوشش کرے جو اس کو مطلوب تک پہنچاتی ہے اور یہ طریقہ مرید پر زیادہ آسان ہے۔

پیر و مرشد شیخ علی اکثر اوقات اشاعت و افادیت علوم اور طالبان علم کی امداد میں مصروف رہتے، کتابوں اور سامان کتابت کی فراہمی میں پوری کوشش کرتے، روشنائی خود بناتے اور ہم لکھنے والوں کو یہی سیاہی استعمال کراتے، عربستان کے علاقہ میں جو کتابیں مفید و کمیاب تھیں اُن کی نقلیں کرا کے ان شہروں میں روانہ کرتے جہاں وہ کتابیں نہ تھیں اور جن کی وہاں کے باشندوں کو سخت ضرورت تھی۔

پیر و مرشد کی مجلس میں اگر دوسرے لوگ مباحثہ وغیرہ کرتے تو آپ اس بحث میں حصہ لینے کے بجائے خاموش رہا کرتے البتہ خاص مسائل کے تصفیہ میں بقدر ضرورت کچھ ارشاد فرما دیتے، آپ کی مجلس میں اگر کوئی شخص ایسی بات کرتا جسکی نفی و اثبات کی کوئی دلیل نہ ہوتی تو آپ سنتے رہتے اور کچھ نہ کہتے، آپ کتب تصوف کے حقائق و اسرار کو اس طرح حل کرتے جیسا کہ دوسرے مشائخ کا طریقہ تھا، کھانا اتنا تناول فرماتے کہ جس سے زندہ رہ کر عبادت کر سکیں۔

پیر و مرشد کا دستور تھا کہ آپ اپنے لئے جو شوربا پکواتے اس میں سے تھوڑا سا چکھ لیتے باقی سب کا سب اپنے دسترخوان والوں کو دیدیا کرتے

پیر و مرشد کے ایک نوکر کا نام کمال تھا جو بڑا بد اخلاق اور بے ڈھنگا تھا، وہ ہمیشہ بکواس کیا کرتا اور جو چاہتا کرتا، اس کے باوجود آپ اس کو عزیز رکھتے اور اسکی بداخلاقی کو برداشت کرتے رہتے تھے، ایک دن وہ آپ کے لئے شوربا پکا کر لایا اسمیں بے انتہا نمک تھا، آپ نے حسب معمول وہ شوربا چکھا اور یہ کہنے کے بجائے کہ تم نے ایسا

خراب اور اتنا نمک کیوں بھر دیا ہے، اس سے صرف اتنا کہا یا کمال! ادھر آؤ، پھر اسکو اپنے پاس بٹھا کر شوربے کا ایک چمچہ بھر کر دیا اور فرمایا یہ لو یہ کھاؤ اور دیکھو کیسا پکا ہے؟ کمال نے وہ شوربا چکھ کر جو نمک کے زیادہ ہونے سے کڑوا ہوگیا تھا منہ بناتے ہوئے سخت لہجہ میں کہا، ہاں! کچھ نمکین ہوگیا ہے لیکن بڑے مزے کا ہے، اسمیں کوئی خرابی نہیں، آپ کھائیے، جس پر آپ نے فرمایا بہت خوب، پھر آپ نے پانی منگوا کر اس میں ڈالا اور وہی تھوڑا سا نوش فرمایا۔ پیر و مرشد کے بڑھاپے کے زمانے میں اس فقیر نے ایک مرتبہ عرض کیا پیر و مرشد! آپ اس ضعیفی میں کتنے نفل پڑھتے ہیں؟

جواب دیا جوانی میں تو بہت زیادہ نفل پڑھا کرتا تھا اب دن کے وقت ذکر خفی و شغل الٰہی کے ساتھ تصنیف کتب میں مشغول رہتا ہوں اور رات کو جبکہ بڑھاپے کی وجہ سے زیادتی پیشاب کی شکایت ہوگئی ہے دس بارہ مرتبہ پیشاب کرنے اٹھتا ہوں اور ہر مرتبہ وضو کر کے حسب توفیق دو دو چار چار نفل ادا کرتا ہوں آپ فرماتے تھے کہ میں اپنی جوانی میں کتابت کی اُجرت پر زندگی بسر کرتا تھا اسمیں سے بیوہ عورتوں کی مدد کیا کرتا اور باقی اپنی ضروریات پر خرچ کرتا تھا، اور کہیں سے جو کچھ رقم آجاتی وہ اللہ کو قرض دے دیتا، کیونکہ اللہ کو قرض دینے سے بڑی وسعت، اور خوش حالی پیدا ہوتی ہے، اور جب کوئی ایسی رقم آپکے پاس آتی جسکے حلال ہونے کا آپکو پکا یقین ہوتا تو اسمیں سے تھوڑی سی خود بھی خرچ کرلیا کرتے آخر زمانے میں بزرگوں کے عرس میں کھانا کھلانے کے بجائے غریبوں اور محتاجوں کو زرِ نقد دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجلس طعام اور لوگوں کا اجتماع تکلیف و پریشانی سے خالی نہیں ہے۔

ایک مرتبہ پیر و مرشد کے علاقہ کے کسی وزیر نے آپکو دعوت دی اور عرض کیا پیر و مرشد غریب خانہ پر تشریف لاکر خادم کو سر بلند و بابرکت فرمائیں تو پیر و مرشد نے جواب دیا، اپنے درِ دولت پر آنے سے مجھے معذور رکھئے، فقیر یہیں سے دعا کرتا ہے اللہ تعالےٰ آپ کو برکتیں عنایت کرے لیکن جب اس وزیر نے بہت اصرار کیا تو فرمایا احقر تین شرطوں کے ساتھ حاضر ہو سکتا ہے۔

پہلی شرط یہ کہ جہاں چاہوں گا بیٹھوں گا، آپ کو یہ حق نہیں ہو گا کہ مجھے اوپر نیچے بٹھانے کی کوشش کریں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ یہ کھائیے اور یہ کھائیے پر اصرار نہ کیجئے گا میں جو چاہونگا کھاؤں گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ جب چاہوں گا آپ کی مجلس سے اُٹھ کھڑا ہونگا آپ اصرار نہ کریں گے کہ چند لمحے اور ٹھہریئے، غرضکہ اس وزیر نے آپ کی تینوں شرطیں منظور کیں، تو آپ نے فرمایا انشاء اللہ کل آئیں گے چنانچہ دوسرے دن روٹی کے چند ٹکڑے اس تھیلی میں ڈالے جو ہمیشہ اپنی گردن میں لٹکائے رکھتے تھے اور تن تنہا اس وزیر کے محل میں گئے اور دروازے کے قریب بیٹھ گئے حالانکہ وزیر نے شاہانہ طریقہ پر فرش فروش بچھائے تھے اور شاہی نشست کی طرح انتظام کیا تھا، وزیر نے کہا پیرو مرشد آپ یہاں نہ بیٹھئے اوپر تشریف رکھئے، پیرو مرشد نے جواب دیا کہ شرط یہ ہوئی ہے کہ جہاں جی چاہے گا بیٹھیں گے، چنانچہ وزیر شرط یاد کر کے خاموش ہو گیا، اُس کے بعد طرح طرح کے کھانے چُنے گئے اور عرض کیا گیا پیرو مرشد! بسم اللہ فرمایئے تو آپ اپنی تھیلی میں سے چند ٹکڑے نکال کر کھانے لگے، وزیر نے بہت خوشامد کی مگر آپ نے اس کے دسترخوان کی کوئی چیز نہ چکھی اور فرمایا شرط یہ تھی کہ جو کچھ اچھا معلوم ہو گا وہ ہم کھائیں گے، اس کے بعد آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور خدا حافظ کہتے ہوئے فرمایا شرط یہی تھی کہ جب چاہیں گے واپس لوٹیں گے چنانچہ السلام علیکم کہکر اُسکے محل سے چلے آئے۔

شیخ عبدالوہاب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبکہ پیرو مرشد مکہ معظمہ میں سکونت پذیر تھے دو باپ بیٹے مغرب سے مکہ مکرمہ میں وارد ہوئے جو نہایت درجہ کے عبادت گزار تھے، بیٹا دس یا پندرہ دن کے بعد اور باپ چار یا پانچ دن کے بعد کھانا کھایا کرتے تھے، پیرو مرشد ان دونوں کی تعریف سنکر ان سے ملنے کے لئے تیار ہوئے لیکن کمزوری کی وجہ سے پیدل نہ چل سکتے تھے چنانچہ آپکے کہنے پر ایک تندرست اور قوی ہیکل آدمی

آپ کو اپنے کندھوں پر سوار کر کے ان دونوں مغربی بزرگوں کے پاس لے گیا، پیر و مرشد کتاب حکم کبیر اور اس خادم کو اپنے ساتھ لیتے گئے، جب ان دونوں مغربی بزرگوں کو معلوم ہوا کہ شہر کے مشہور اور معزز آدمی ملاقات کرنے آرہے ہیں جن کی وجہ سے ہماری شہرت ہو جائے گی اور ہماری عبادت میں خلل پیدا ہوگا تو ان دونوں نے ہماری آمد پر بے التفاتی کا سلوک کیا چنانچہ پیر و مرشد نے مجھ خادم (عبدالوہاب) سے کہا دیکھو یہ دونوں کتنی بے رُخی سے پیش آرہے ہیں اور اپنے سر کا بوجھ سمجھ کر ہم کو اپنے پاس سے نکالنا چاہتے ہیں اس کے بعد پیر و مرشد نے ان دونوں بزرگوں کیجانب متوجہ ہو کر فرمایا، ہم نے مشائخین کے چند اقوال جمع کیے ہیں وہ سنئے، چنانچہ پیر و مرشد میری جانب متوجہ ہوئے، میں نے چند اقوال سُنائے تھے کہ ان دونوں مغربی بزرگوں میں گرمی کے آثار پیدا ہوئے اور ان پر ذوق و وجد کی حالت طاری ہو گئی اس کے بعد ہمیشہ کے لئے یہ بزرگ شیخ کیخدمت میں رہے، آخر کار دونوں نے پیر و مرشد سے بیعت کی، اللہ ان پر اور تمام صالحین پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

پیر و مرشد متوکل تھے جن کو حصول رزق کے اسباب بغیر کسی واسطہ کے حاصل ہوتے تھے، اکثر مقصد براری کے پیش نظر دیکھا گیا کہ پانی کنوئیں کی تہ میں ہے اور پیاسے ہرن اس کیجانب حسرت سے دیکھ رہے ہیں کہ یکایک وہ تہ نشین پانی چڑھ کر کنوئیں کے مُن پر سے بہنے لگا جسے ہرن وغیرہ خوب اچھی طرح پی کر لوٹ گئے اور وہ بہتا ہوا پانی ہم لوگوں نے بھی پیا ہے۔

شیخ عبدالوہاب کہتے ہیں کہ پیر و مرشد ارشاد فرماتے تھے کہ حلال مال کبھی برباد نہیں اور اگر گم ہو جائے تو پھر ملجاتا ہے، اپنا ایک واقعہ مثال کے طور پر ذکر کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ سمندر میں کشتی پر سوار تھے کہ اچانک ایک سخت طوفان آیا جس کی وجہ سے ہماری کشتی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، ہم میں سے کئی اشخاص ایک ایک تختہ کے سہارے ساحل پر پہنچے، ہمارے ساتھ جو کتابیں تھیں بالکل بھیگ گئی تھیں اور چونکہ ہم پیدل سفر کرنے والے تھے اس لئے ہم نے ان کتابوں

کو وہیں سرزمین عرب میں دفن کرکے اُن پر ایک علامت رکھدی اور ہم لوگ مکہ مکرمہ کیطرف روانہ ہوئے، راستہ میں ہمکو سخت پیاس لگی جیساکہ مشہور ہے کہ سرزمین عرب میں پانی کا قحط ہے اب وہ منظر ہمارے سامنے آگیا، ساتھیوں نے کہاکہ اب دعا کا وقت ہے میں نے کہا میں دعا کرتا ہوں آپ لوگ آمین کہیں چنانچہ دعا کی برکت سے اتنی بارش ہوئی کہ ہم لوگ خوب سیراب ہوئے اور اپنے اپنے مشکیزے بھر لئے، چند دنوں کے بعد مکہ معظمہ پہنچ گئے، خانہ کعبہ کا طواف وعمرہ کیا، اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی، اسی اثناء میں چند دیہاتی عربوں نے ہمارے پاس آکر کہا "ہمارے پاس چند کتابیں ہیں اگر آپ چاہیں تو مول لے سکتے ہیں چنانچہ ہمنے دیکھاکہ وہ ہماری ہی کتابیں تھیں جو ہم دفن کرکے آئے تھے، غرضکہ ہم نے منہ مانگے دام دیکر وہ کتابیں خریدلیں، بھیگ کر سوکھنے کی وجہ سے ان کتابوں کے اوراق باہم چپک گئے تھے ہم نے ان کو پھر بھگو کر ایک ایک ورق اس طرح الگ کیا کہ امنیں کا کوئی حرف تک ضائع نہیں ہوا اور پھر وہ سب قابل استفادہ ہوگئیں

شیخ حاجی نظر بدخشانی جو اپنے زمانے کے کامل بزرگ تھے جنھوں نے ماوراءالنہر شام اور مصر کے علماء سے تحصیل علوم کے بعد وہاں کے مشائخین سے ریاضت ومجاہدہ کی تلقین حاصل کی تھی اور حج کے بعد مکہ معظمہ میں بڑے بڑے کام کرنے کے بعد ایک بڑی بزرگ شخصیت کے مالک تھے ظاہر وباطن میں نفس کی تکمیل کرچکے تھے اہل اللہ کہلاتے تھے مجھ فقیر عبدالوہاب کی بھی اُن سے ملاقات ہوئی اور میرے خیال میں وہ ولی اللہ تھے یہ بھی میرے پیرو مرشد شیخ علی کی محبت واعتقاد میں غرق اکثر وبیشتر آپ کے پاس خاص طور سے آیا کرتے تھے

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ پیرو مرشد کا ایک خصوصی آدمی میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آج شیخ جوان نظر آرہے ہیں اور عجیب وغریب کیفیت طاری ہے، آپکو بلارہے ہیں تعمیل حکم کے پیش نظر احقر حاضر خدمت ہوا، دیکھاکہ شیخ اپنی قدیم ہیئت میں ہیں لیکن سکر وبیخودی کے کچھ آثار موجود ہیں مجھے دیکھ کر فرمایا، مرحبا خوش رہو، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ آج ہم پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی، کچھ چیزیں خلاف عادت ظاہر

ہے ہیں تاکہ حاضرین کو زیادہ یقین ہو جائے اور تم کو بھی اس حالت کا مشاہدہ کرانا تھا، اس کے بعد ارشاد فرمایا، عبدالوہاب! تمہارا شمار اہلِ یقین میں سے ہے تم کو کسی خرق عادت کام دکھانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد اسی حالت میں واپس لوٹ آیا۔

نقل ہے کہ سلطان محمود گجراتی اکثر و بیشتر حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری دیا کرتا تھا لیکن چونکہ غیر مسنون لباس پہنا کرتا تھا اس لئے پیرو مرشد شیخ علی اس کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھتے اور اس کی جانب متوجہ نہ ہوتے، ایک دن جبکہ وہ صالحین جیسا لباس زیب تن کر کے آیا تو آپ نے اس کی جانب رضامندی سے دیکھا جس پر سلطان محمود گجراتی نے التماس کی کہ آج پیرو مرشد غریب خانہ پر رونق افزا ہوں تاکہ ہم سب لوگ آپ کی روش کے مطابق عمل پیرا ہو سکیں۔

کہتے ہیں کہ سلطان محمود گجراتی کو پانی کے سلسلہ میں بہت وسوسہ آتا تھا اور کسی طرح بھی یہ کیفیت رذیلہ اس کے دل سے نہ نکلتی تھی چنانچہ حضرت شیخ نے ایک طشت منگوا کر اسمیں تین مرتبہ اپنی ٹوپی دھوئی اور ہر دفعہ پانی پھینک دیا، چوتھی مرتبہ اس طشت میں پانی بھر کر فرمایا کہ بابا محمود! یہ پانی بلحاظ شریعت اسلامی بالکل پاک و صاف ہے اس میں کسی قسم کا شک و شبہ کرنا وسوسہ ہے اور وسوسہ شیطانی کام ہے اب یہ پانی پی لو اور کوئی وسوسہ و شک دل میں نہ لاؤ، چنانچہ پیرو مرشد کے حکم پر سلطان محمود گجراتی نے وہ پانی پی لیا جس کے پیتے ہی سلطان کے دل سے وسوسہ اور شک بالکل دُور ہو گیا اور پھر کبھی اس مرض میں مبتلا نہیں ہوا۔

شیخ عبدالوہاب متقی نے شیخ علی کے مختصر حالات پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام اتحاف التقی فی فضل شیخ علی متقی رکھا ہے، اس کتاب میں لکھا ہے کہ آقائی پیرو مرشد شیخ علیؒ نے ۹۷۵ھ میں وفات پائی، اس سے ایک سال پہلے یعنی ۹۷۴ھ میں مکہ معظمہ میں آپ کے انتقال کی خبر پھیلی تو مکہ معظمہ کے تمام بڑے بڑے عالم فاضل، پرہیزگار و شیوخ جوق در جوق آپ کے مکان پر آئے لیکن یہاں آکر دیکھا تو آپ بڑے خوش

خرم اور تندرست ہیں بڑے حیران ہوئے، حضرت شیخ نے تبسم فرماتے ہوئے سب سے تکرار توبہ کا حکم فرمایا اور شفاعت کرنے کا وعدہ فرمایا، اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے جیسے ایک شخص پر موت طاری ہوئی اور بعد الموت کے حالات دیکھ کر اس نے دربار الٰہی میں عرض کیا مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیجئے چنانچہ اللہ نے اس کو دنیا میں لوٹا دیا، اب امید ہے کہ وہ کبھی موت کے خوف سے غفلت نہیں کریگا جس طرح یہ فقیر اپنی موت سے غافل نہیں ہے، حضرت شیخ مرض موت میں ارشاد فرماتے تھے کہ میں قطب ہوں اور سکرات موت کی شدتیں مقام قطبیت کے لئے ضروری ہیں اور یہ رفع درجات کا ایک ذریعہ ہیں، تم مجھ پر سکرات کے شدائد دیکھکر اپنے اعتقاد میں کمی نہ کرنا، اس کے بعد اس فقیر سے فرمایا کہ میرے دفن کرنے کے بعد میری روح ایک مقام پر پہنچ جائے گی اور میری صورت مفقود ہو جائے گی لیکن مایوس نہ ہونا اور میری صورت کا تصور پیش نظر رکھنا اور میری قبر کے پاس دعا وذکر اور تلاوت قرآن کریم جاری رکھنا تاکہ ایک خاص نسبت وہاں سے حاصل کر سکو اس کے بعد تم جہاں جی چاہے چلے جانا اور خوش وخرم رہنا۔

شیخ کی وفات سے دو ماہ قبل جناتوں کے دو گروہ آپکے پاس آمد ورفت کرنے لگے، ایک گروہ بطریق اعتقاد ومحبت، ارادت والفت آپ کی خدمت میں حاضری دیتا اور دینی فوائد حاصل کرتا، نیز تجدید توجہ، اخوت اور رشد وہدایت حاصل کرتا، اور آپ کی پابوسی کرتا، اور دوسرا گروہ اُن جناتوں کا تھا جو آپ سے بغض وعداوت رکھتے اور آپ کا انکار کرتے تھے اور کبھی عیسائیوں فاسقوں اور بدکار لوگوں کی صورتوں میں آتے اور گفتگو نہیں کرتے بلکہ پیر ومرشد انکے نام خط لکھ کر ان کو دیدیا کرتے تھے، ان خطوط میں سے دو خط مجھ فقیر (عبد الوہاب) کے پاس موجود ہیں۔

پہلا خط بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حمد وثنا کے بعد منجانب کمترین خلق خدا علی بن حسام الدین متقی بنام بزرگ جن ـــ سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی، تم عرصہ سے ہمارے پاس آرہے ہو لیکن کچھ گفتگو نہیں کرتے تاکہ معلوم ہوجائے کہ تمہارا مقصد کیا ہے، میرے ساتھیوں میں سے ایک شخص عبد الوہاب ہے، اگر چاہو

تو اس کے پاس جا کر اپنا مطلب بیان کرو تاکہ ہم تمہاری امداد کر سکیں، اے اللہ ہم پر حق واضح کر اور حق کی پیروی کی قوت دے اور باطل کو باطل کی صورت میں دکھا اور اس سے محفوظ ہونے کی قوت عطا فرما، یہ خط تمہاری جماعت کے اراکین کے نام ہے۔

دوسرا خط تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے انسانوں اور جناتوں کو صرف اپنی عبادت یعنی اپنے عرفان کے لئے پیدا کیا ہے، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے، اس بات کو سمجھ لو کہ اللہ تعالٰے نے تم کو اپنے عرفان کے لئے پیدا فرمایا ہے اور تمام علماء و عقلاء اور عارفوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معرفت الٰہی صرف علم و عقل اور حکمت کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتی ہے، جو کوئی خدا تعالٰے کے بندوں سے سلسلۂ گفتگو بند کر لیتا ہے یا عقل کے ذریعہ نیکی و بدی، شرارت و نفع کا علم نہیں رکھتا تو اس کو اللہ کے عرفان کی دولت نہیں ملتی اس لئے لوگوں سے میل جول میں اپنی گفتگو کے ذریعہ بھی اللہ کی معرفت کے طریقے حاصل کرو اور ہادی و رہنما شخصیتوں کی فہرست میں اپنے نام درج کراؤ، مجھ پر اللہ کا جو حق تھا وہ میں نے تم تک پہنچا دیا اور میں اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو گیا، میری اس نصیحت پر جس کا جی چاہے عمل کرے، واضح رہے کہ شیخ علیؒ پر وفات سے پہلے ایک جذبہ طاری ہو گیا تھا ان کے تمام حرکات و سکنات میں ایک انقلاب رونما تھا، انھوں نے اپنی وفات سے تقریباً تین چار ماہ قبل ماہ صفر ۹۷۵ھ کی ایک رات مجھ فقیر سے فرمایا کہ فلانے شاعر کا شعر پڑھو میں نے اپنی فراست کے ذریعہ یہ شعر پڑھا۔

شعر

ہرگز نیاید در نظر نقشے ز رویت خوبتر ‌‌ شمسے ندانم یا قمر حورے ندانم یا پری

یہ شعر سنتے ہی اُن کی کچھ عجیب حالت ہو گئی اور آواز بلند فرمایا پڑھتے جاؤ، پڑھتے جاؤ، چنانچہ خادم نے یہ شعر کئی مرتبہ دہرایا، اس اثناء میں انھوں نے بہت سی پر لطف محبت آمیز باتیں کہیں اور شور انگیز نعرے لگاتے رہے اسی حالت میں ان کا ملازم آیا اور کہا کھانا حاضر ہے، آپ کا دستور تھا کہ آپ کے کھانے کو اتنا باریک کوٹا پیسا جاتا کہ اس کے سب ذرّے ایک ذات ہو جاتے اور یہ پہچاننا مشکل ہو جاتا

کہ اس غذامیں کون کون سی چیزیں موجود ہیں، چنانچہ آپ نے ملازم سے کہا اسکو پیس کر اتنا باریک کردو کہ اس کی تمام چیزیں ایک ذات ہوجائیں اور اسمیں دوئی نہ رہے، جیساکہ اس دوہرے میں ہے۔

دوہرا

سُن سہیلی پرم کی مامتا یوں مل رہیئے جوں دودھ نباتا

غرضکہ آپ پر ساری رات عجیب حالت طاری تھی، ہم بھی آپ کے ساتھ ساری رات جاگتے رہے اور آپ رات بھر محبت انگیز کلمات کہتے رہے جو کچھ بھی ذکر کیا گیا ہے مذکورہ رسالہ سے نقل کیا گیا ہے۔

نیز مجھ فقیر حقیر (شیخ عبدالحق محدث دہلوی) سے شیخ علیؒ کے یہی مرید شیخ عبدالوہاب کہتے تھے کہ اسی زمانۂ قبل از مرگ میں پیرو مرشد شیخ علیؒ ذکر جہر کثرت سے کرتے تھے اور شیخ کی حالت جسمانی یہ تھی کہ نشست و برخاست اور ہلنے جلنے کی سکت نہ رکھتے تھے، ذکر کے وقت حضرت شیخ کی حالت یہ ہوجاتی کہ گویا کسی چیز کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کبھی اسکو بھگاتے بھی تھے، اسی حالت میں فرمایا کہ معلا میں قبر بنوالینا چاہئے تاکہ رخصت ہونے سے پہلے منزل مقرر ہوجائے، اس کے بعد فرمایا بس اللہ ہی جانتا ہے کہ کب تک زندہ رہیں گے اور کب دنیا سے رخصت ہونگے، یہ قبرستان عام مسلمانوں کا ہے مرنے سے پہلے لوگوں پر جگہ تنگ مناسب نہیں ہے، انتقال کے بعد لوگ جہاں چاہیں دفن کردیں، نیز شیخ ان دنوں مقام قطبیت کے خاص لباس میں آراستہ تھے، وفات سے قبل حضرت شیخ نے فرمایا تھا کہ جب تک میری انگشت شہادت متحرک رہے اُس وقت تک یقین رکھنا کہ میں زندہ ہوں اور جس وقت میری انگشت شہادت حرکت نہ کرے بلکہ بے حس و حرکت ہوجائے تو سمجھ لینا کہ میری موت واقع ہوچکی ہے، چنانچہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آپکے انتقال کے بعد جبکہ آپکے جسم میں کسی قسم کی گرمی تک باقی نہ رہی تھی، آپ کی انگشت شہادت برابر حرکت کررہی تھی۔

پیرو مرشد شیخ علیؒ نے صبح سویرے ۲۔جمادی الثانی ۹۷۵ھ میں اس طرح

وصال کیا کہ آپ کا سر مبارک مجھ فقیر (عبدالوہاب) کے زانو پر تھا اور آپ کے لبوں پر ذکر الٰہی جاری تھا۔

آپ کی تاریخ وفات قضٰی نحبہٗ ہے بعض لوگوں نے شیخ مکہ اور متابعت نبی بھی نکالی ہے، آپ ۸۸۵ھ میں پیدا ہوئے تھے، پیر و مرشد شیخ علی کی ایک کرامت یہ ہے، کہ آپ کی وفات کے بارہ چودہ سال بعد آپکے بھتیجے کے ایک بیٹے سیدی احمد کا انتقال ہوا چنانچہ مکہ معظمہ کے رسم و رواج کے مطابق لوگوں نے کہا کہ سیدی احمد کو کسی ولی اور مشہور بزرگ کی قبر میں پہلے اس طرح رکھا جائے جس طرح امام عبداللہ یافعی کو حضرت فضیل بن عیاضؒ کی قبر میں رکھا گیا تھا چنانچہ انؒ کی میت کو شیخ علیؒ کی قبر میں رکھنے کی تجویز منظور کی گئی، جب شیخ علی کی قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ آپ کا جسم آپکے کفن میں جُوں کا تُوں اپنی اصلی خشک حالت میں موجود ہے حالانکہ مکہ معظمہ کی زمین کی یہ حالت ہے کہ تین چار ماہ کی قلیل مدت میں میت بالکل مٹی ہوجاتی ہے اور اس کے جسم کا کوئی اثر نظر نہیں آتا ہے۔

میں مصنف کتاب اپنے قیام مکہ کے زمانے میں ہمیشہ شیخ عبدالوہاب سے ملتا رہتا تھا اور ان کے ساتھ شیخ علیؒ کے مزار پر جایا کرتا تھا، ایک روز میں تنہا شیخ علیؒ کے مزار پر گیا اور اپنی حالت ان سے بیان کرکے بشارت کا طلبگار ہوا، چنانچہ ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ حضرت شیخ مقام حنفی میں ایک تخت پر بیٹھے ہیں، اور میں ان کے سامنے کھڑا ہوا کہہ رہا ہوں کہ میں آپ کے خلیفہ شیخ عبدالوہاب سے ملتا جلتا ہوں آپ براہِ کرم اُن سے سفارش کردیجئے کہ وہ میری جانب متوجہ ہوکر مجھ پر زیادہ سے زیادہ مہربانیاں کریں (اور یہی جملے میں نے آپکے مزار پر کہے تھے) چنانچہ شیخ علی رح نے فرمایا، انشاء اللہ آپ کا مطلب پورا ہوجائے گا، آپ مطمئن رہیں، والسلام

ممالک مغربیہ کے مشہور شیخ شیخ احمد بر رزق کی کتاب اصول طریقت کی شیخ علی نے تشریح کی ہے اور ان کے پورے متن کو اپنی کتاب میں لکھا ہے چنانچہ اس عبارت کا ترجمہ درج ذیل ہے:-

شیخ احمد برزق رح نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ ہمارے اصول طریقت پانچ ہیں، پوشیدہ و علانیہ اللہ کا خوف و تقویٰ، تمام اقوال و افعال میں سنتِ نبویؐ کی پیروی ذلت و اقبال مندی دونوں حالتوں میں مخلوقِ الٰہی سے علیحدہ رہنا، کثرت و قلت اور افلاس و دولتمندی کے زمانے میں راضی برضاء الٰہی رہنا، علانیہ اور خفیہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں رجوع رہنا، اس کی تشریح یہ ہے کہ رجوع و استقامت کی بدولت تقویٰ حاصل ہوتا ہے، خوش اخلاقی اور تحفظ کی وجہ سے سُنتِ نبوی کی پیروی نصیب ہوتی ہے۔ توکل و صبر کی بدولت خلوت نصیب ہوتی ہے، قناعت اور اپنا سب کچھ اللہ کے سپرد کر دینے کے بعد راضی برضاء الٰہی کی دولت ہاتھ آتی ہے، تکالیف میں اللہ کے حضور التجائیں اور خوشیوں میں اللہ کے شکر وحمد کی وجہ سے رجوع الی اللہ ہونا حاصل ہوتا ہے اور یہ سب پانچ اصول ہیں، یعنی بلند ہمتی، حرمات الٰہی کی حفاظت، حسنِ خدمت، پکا ارادہ اور نعمتوں کی عظمت، کیونکہ بلند ہمتی کیوجہ سے مرتبے بلند ہوتے ہیں اور جو احکام الٰہی کی حرمت کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اسکی عزت میں اضافہ کرتا ہے اور جو کوئی حسن خدمت سے کام لیتا ہے تو اس کی کرامتیں زیادہ ہوتی ہیں اور جو پکا ارادہ رکھتا ہے تو اس کی ہدایت و رہنمائی عام ہو جاتی ہے اور جو خدا تعالےٰ کی نعمتوں کی عظمت کرتا ہے تو لوگ اس کو اپنی آنکھوں پر بٹھاتے اور اس کے احسانات کے گن گاتے ہیں، اور لطف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مزید نعمتوں سے مالا مال کرتا ہے،

معاملات کے بھی پانچ اصول ہیں:۔ احکام الٰہی پر عمل کرنے کے لئے علم حاصل کرنا، بصیرت حاصل کرنے کے لئے مشائخ کی خدمت میں رہنا، حفاظت کیلئے تاویلیں چھوڑ دینا، حضوری کی خاطر پابندی سے وظائف پڑھنا، اپنے نفس کو ہر معاملہ میں ذلیل و کمتر کرنا تاکہ خواہشات نفسانی سے آزاد ہو کر سلامتی حاصل ہو جائے جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، وان تعدل کلّ عدل لا یؤخذ منھا

اور ارشاد ہے وما ابرّیٔ نفسی انّ النفس لامّارۃ بالسوءِ الّا ما رحم ربّی

نفس کی بیماریوں کا جن چیزوں سے علاج کیا جاتا ہے اس کے بھی پانچ اصول ہیں کم کھانا، مصیبتوں کے وقت اللہ سے التجا کرنا، فتنہ و فساد کے مواقع اور شرارت کے مقام سے دُور ہٹ جانا، خلوت و جلوت میں ہمیشہ استغفار اور درود وسلام پڑھتے رہنا، اُس شخص کو ساتھی بنانا جو احکامِ الٰہی پر خود گامزن ہو اور دوسروں کو بھی آگاہ کرتا ہو۔

شیخ ابوالحسن شاذلیؒ کا بیان ہے کہ میرے حبیبؒ کی وصیت ہے کہ جہاں ثواب کی امید ہے وہاں جاؤ، جہاں گناہ نہ ہوسکنے کا یقین ہو وہاں بیٹھو، اس کے ساتھ رہو جو اطاعت الٰہی کی تلقین کرتا رہتا ہو، اپنے نفس کی اسوقت تعریف کرو جب کہ یقین زیادہ ہو، حسب ضرورت تھوڑا سا کہو۔

اس کے ماسوا شیخ ابوالحسن شاذلیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے۔

جو کوئی تمہیں دنیاداری کی طرف متوجہ کرے تو وہ فریبی ہے، جو تمہیں اچھے کام کرنے کو کہے وہ متقی ہے اور جس نے تم کو خداتعالیٰ کی راہ بتائی تو گویا اس نے تم کو یقیناً نصیحت کی تقوی کو اپنا وطن بناؤ کہ پھر نفس کا ہرج مرج، عیوب، گناہ اور عام چیزوں کا خوف تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

اور میں کہتا ہوں کہ عام چیزوں کا خوف، گناہوں پر اصرار اور عیوب پر خوش ہونا یہ تینوں چیزیں بلاؤں، مصیبتوں اور مشکلات آنے کی جڑیں ہیں، نیز اس زمانہ کے فقیر ان پانچ چیزوں میں گرفتار ہیں (۱) علم پر اپنی جہالت کو مقدم رکھتے ہیں (۲) اپنی بکواس پر غرور و ناز کرتے ہیں (۳) احکامِ شریعتہ کی تعمیل نہ کرنے پر دلیر ہیں (۴) اپنی روش پر مغرور ہیں (۵) بغیر شرائط کے آمدنی و فتوح کی جلدی کرتے ہیں اس لئے وہ ان پانچ باتوں میں گرفتار ہیں۔ (۱) بدعت کو سنت پر ترجیح دینا (۲) حق کو چھوڑ کر باطل پر عمل کرنا (۳) ہر چیز میں خواہشات پر عمل کرنا (۴) حقائق کے مقابلے میں ناکارہ چیزوں کی طلب (۵) قول و فعل میں تضاد کا پیدا ہونا۔ اسی سبب سے انکو عبادت میں وسوسہ آتا ہے، نصرت الٰہی سے دُور ہوجاتے ہیں، ہر وقت گانے سنتے ہیں، لہٰذا

دنیا کے اجتماع کو پسند کرتے ہیں حتیٰ کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی مجلس گرم رکھتے ہیں اور اپنے استدلال میں اہل تصوف کے اقوال وافعال کو پیش کرتے ہیں لیکن اگر حقیقت پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ انکے جواز کے لئے کچھ اور اسباب ہیں، مثال کے طور پر سماع اس وقت جائز ہے جبکہ سالک مغلوب الحال یا کامل ہو یا یہ کہ سماع سے شرح صدر پیدا ہو لیکن اسمیں شرط یہ ہے کہ اپنے موقع اور محل پر ہو

وسوسہ کا سبب سنت سے ناواقفیت ہے یا وہ ایک خیال ہے جو عقل میں موجود رہتا ہے، اللہ تعالےٰ سے دُور بھاگنا، لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا خصوصاً عالم بدعمل اور جاہل صوفی کے لئے کمسنوں کی صحبت میں رہنا یہ وہ چیزیں ہیں جو دنیا وآخرت میں باعثِ شرم وعار ہیں۔

سیدی ابو مدینؒ کا بیان ہے جو تمہارے طریقے کے مخالف ہو اس کے ساتھ نہ رہو، اگرچہ وہ سات سالہ بچہ ہی ہو کیونکہ ایسا بچہ کسی ایک حالت پر قائم نہیں رہتا اس کو جو کچھ سکھایا جاتا ہے وہ یا تو اس کو یاد نہیں کرتا یا پھر وہ اسے بھول جاتا ہے، طولف زادوں اور گانا بجانے والوں سے ہمیشہ بالکل الگ رہو اور یاد رکھو کہ جو کوئی خود کو اللہ والا کہلائے اور اس کی حالت یہ ہو کہ احکام الٰہی کی نافرمانی کرتا ہو، تصنّع کرتا ہو حریص ولالچی ہو، بندوں میں پھوٹ ڈالتا ہو اور امور شریعت کو پوری طرح بجا نہ لاتا ہو تو ایسا شخص جھوٹا، بیاٹیا، بہروپیا ہے

شیخ کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مرید میں پانچ چیزیں پیدا کرے، علم صحیح، ذوق صریح، بلند ہمتی، ہر حالت میں خوش رہنا اور بصیرت نافذہ۔ اس کے برعکس جس شخص میں حسب ذیل پانچ چیزیں ہوں گی تو وہ ہرگز شیخ نہیں بن سکتا، جہالت، مسلمانوں کی بے حرمتی، لغو اور بیہودہ کاموں میں مشغول ہونا، خواہشات کی پیروی، بداخلاقی،

مرید کو اپنے بھائیوں اور اپنے شیخ کے ساتھ حسب ذیل پانچ امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، تعمیل احکام بموجب اسلام، ممنوعات اسلامیہ سے پرہیز

کرنا، اگرچہ اسمیں ہلاکت ہو، حاضر اور غائب، زندگی و موت کی حالت میں عزت
کرنا، ادائیگی حقوق کی فکر کرنا، اور ہر معاملہ میں نصیحت پر عمل کرنا، اللہ کا شکر ہے
کہ اصول مکمل طور پر لکھے گئے ہیں، انھیں دن میں ایک دو مرتبہ ضرور پڑھ لیا کرو،
اور ایسا ہی عمل کیا کرو تاکہ یہ تمہارے دل پر منقش ہو جائیں، اللہ کی یاد کرتے رہو
اللہ ہم کو اور تم کو اپنی خوشنودی کے مواقع فراہم کرے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

نیز سیدی ابو مدینؒ کا بیان ہے کہ طریقت کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے، غیر غلط
باتوں کو چھوڑ کر اللہ کی حفاظت میں آکر متقی بن جاؤ، سنتِ نبوی کی اس طرح
تعمیل کرو کہ صحیح احادیث ہی پر کار فرما ہو، مخلوق سے اس طرح الگ رہو کہ کوئی تم پر
تہمت نہ لگا سکے، نیز کوئی تم کو محسن کا لقب بھی نہ دے مگر ان معاملات کی حد تک
جن کے کرنے کا اللہ اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے وہ ضرور کرو
ہر حالت میں صبر و شکر کرتے ہوئے اسلامی کام کرتے رہو، اللہ کیجانب رجوع رہو
جس طرح رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ تم اپنی موجودہ حالت و کیفیت
کے ساتھ اس طرح متقی بنو کہ برائیوں سے دور رہ کر اچھائیاں کرو، مخلوق الٰہی سے
خوش اخلاق رہو اور ایثار کو کام میں لاتے رہو، حاکم کے اسلامی حکم کی تعمیل کرو، نماز
پڑھو، قربانی کرو، روزے رکھو اور افطار کرو، سفر میں نماز قصر پڑھو تو خدا تعالیٰ
تم پر کشادگی کرے گا اور دین و دنیا میں تم کو فلاح و بہبود ہوگی، صلوٰۃ التسبیح پڑھو
مباحات پر عمل کرو، جماعت کے ساتھ ذکر کرو، نہ اس حیثیت سے کہ افضل ہے
بلکہ اس لئے کہ اس صورت میں نفس کے لئے سہولت ہے، مُردوں اور زندہ لوگوں
کی زیارت کیا کرو لیکن اس کو واجب اور سنت مت سمجھو، مومن آدمی سے برکت
طلب کرو بشرطیکہ وہ سنت کے خلاف کوئی کام نہ کرتا ہو، اسکا اقتدا کرو جس کا عمل
درست ہو، اصل بھلائی یہ ہے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرو اور اپنی حاجت برآری
کے لئے اسی کے دربار میں گڑگڑاؤ، مجھ فقیر کے نزدیک ہر حاجت کے لئے یہی کنجی ہے
اور سارے مقاصد پورے ہوتے ہیں، لوگوں کے فتنہ و فساد سے حفاظت ہوتی ہے

طریقت کے بنیادی اصول بحمد اللہ نہایت وضاحت کے ساتھ ختم ہوئے، درود و سلام ہو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے آل و اصحاب پر۔

سیّدی شیخ عبدالوہاب المتقی القادری الشاذلیؒ

۹۰۲ھ ——— ۱۰۰۱ھ

آپ مندو میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد شیخ ولی اللہ مندو کے اکابرین میں سے تھے، حادثات و انقلابِ زمانہ کی بدولت مندو سے روانہ ہوکر برہان پور آئے اور یہیں سکونت پذیر ہوئے، برہان پور آکر ماضی کی طرح عزت دار و سربلند ہوئے اور پھر تھوڑے ہی دنوں بعد انتقال کیا اسی زمانہ میں آپ کی والدہ نے آپ کو کمسنی میں چھوڑ کر سفر آخرت اختیار کیا، بچپن ہی کے زمانہ سے اللہ کی توفیق نے آپکی رفاقت کی ہے آپ نے اسی زمانے سے طلب حق کے لئے فقر و تجرید، سفر و سیاحت عالم اختیار کیا، آپ نے زیادہ تر نواح گجرات، اطراف واکناف علاقہ دکن، سیلون، لنکا اور سراندیپ میں سیاحت کی، آپ کا یہ دستور تھا کہ تین دن سے زیادہ کہیں نہ ٹھہرا کرتے، البتہ تحصیل علم اور مشائخین و صالحین سے استفادہ کے لئے بقدر ضرورت قیام کیا کرتے تھے۔

بیس۲۰ سال کی عمر کے لگ بھگ جبکہ آپ کی شادی بھی نہ ہوئی تھی مکہ معظمہ پہنچے۔ شیخ علی متقیؒ کی چونکہ آپکے والد سے شناسائی تھی اس لئے وہ آپ کی مکہ معظمہ میں آمد کی خبر سنکر آپ سے آپ کی قیام گاہ پر ملنے آئے اور بڑی مہربانیاں کرتے ہوئے اپنے ساتھ قیام کرنے کی استدعا کی، پھر جب انھوں نے آپ کی خوشخط تحریر دیکھی تو کہا آپ ضرور بالضرور میرے غریب خانہ پر تشریف لائیں اور ہماری چیزوں کی کتابت کر دیں اس پر آپ نے اپنے استغنائے ذاتی اور بے نیازی کو کام میں لاتے ہوئے شیخ علی متقی کی دعوت قیام منظور نہ کی اور کہا دیکھتے ہیں انشاء اللہ نصیب میں کیا ہے؟ لیکن آخرکار شیخ کا فضل و کمال اور استقامت حال دیکھ کر اُن کے پاس قیام کرلیا، نیز آپکو اپنے والد کی یہ نصیحت بھی یاد تھی کہ اگر تمہیں راہِ حق کے سلوک کی توفیق ہو تو شیخ علی متقی اور

ان جیسے بزرگوں کی صحبت ضرور اختیار کرنا، فلاں فلاں لوگوں کے ساتھ رہنے کی کوشش کرنا، ان بزرگوں کے ساتھ ایک ایسے کا نام بھی لیا تھا جو دعوت اسمائے الٰہی اور بادشاہوں کے مسخر کرنے میں مشہور تھا، کہ اس شخص سے ہمیشہ پرہیز کرنا، آپ خط نستعلیق بہترین لکھتے تھے، لیکن شیخ علی نے اس وجہ سے کہ قرآن شریف کو خط نسخ میں لکھا جاتا ہے اور یہی صلحاء کی عادت رہی ہے، آپ کو خط نسخ کی مشق کرنے کی طرف اشارہ کیا، چونکہ آپ کو کتابت میں پہلے سے مہارت حاصل تھی اور آپکے ہاتھ میں لکھنے کی قوت تھی اس لئے تھوڑی سی مدت میں خط نسخ خوب لکھنے لگے، بعد میں شیخ کی تالیفات کی کتابت اور تصحیح و ترتیب میں مصروف ہوئے، آپ نے شیخ کی بے حساب کتابیں لکھی ہیں آپ تیز لکھنے میں اتنے ماہر تھے کہ ایک مرتبہ بارہ ہزار اشعار کو بارہ راتوں میں کتابت کر دی، ایک رات میں ایک ہزار اشعار لکھتے تھے اور دن میں حسب معمول دوسری کتابوں کی تصحیح و ترتیب میں مصروف رہتے تھے، شیخ کی اکثر کتابوں کی تصحیح و ترتیب آپکے ہاتھ سے ہوئی ہے، جن دنوں مکہ معظمہ میں قحط سالی ہوئی اور شیخ علی بھی دوسروں کی طرح فاقے کرنے لگے تو آپ ایک دوسرے آدمی کے پاس جاکر کتابت کرتے اور اس کی اُجرت پر آپ کی اور شیخ کی گزر بسر ہوتی تھی، چونکہ ان دنوں بیگن بہت سستے تھے اس لئے انھیں خرید کر انمیں تھوڑا سا نمک ڈالکر اچار کے طور پر رکھ دیتے اور یہی روزانہ اپنے شیخ کے ساتھ تناول فرماتے تھے غرضکہ آپ اپنے پیر و مرشد کی اطاعت اور رضامندی میں اتنے منہمک تھے کہ آپکو فنافی الشیخ کہا جائے تو بجا ہے جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ شیخ کی ظاہری و باطنی مہربانیوں کے لئے مخصوص ہو گئے اور انوار و اسرار و کمالات سے بہرہ ور ہوئے، اپنے پیر کے کمالات کا صرف مجمعہ ہی نہیں بلکہ پیر کی ذات بن گئے، شیخ علی فرمایا کرتے تھے میں نے راہِ خدا میں ایک بھائی پایا جو عبد الوہاب ہے، شیخ عبد الوہاب کا بیان ہے کہ پیر و مرشد نے مرید کرتے وقت مجھ سے اقرار لیا کہ مالداری پر فقر کو مقدم رکھنا اور اس اعتقاد پر جمے رہنا چنانچہ اب تک میرا یہی عقیدہ ہے غرضکہ شیخ کے ہاتھ پر میں نے ماہ جمادی الاول سنہ ۹۶۳ھ

میں بیعت کی اور اُن کی خدمت میں ان کی وفات ۲۔ جمادی الاول ۹۷۵ھ تک رہا
میں اُنکے ساتھ تقریباً بارہ برس رہا اسوقت پیرو مرشد کی عمر تقریباً (۹۴) سال ہوگی
آپ نے اپنے قیام مکہ معظمہ کے زمانے میں (۴۴) حج کئے اور چوالیسویں حج کے بعد آپ
دوسرے سال حج کے لئے مکہ معظمہ سے گجرات آئے، کشتی کے ذریعہ آپ کی آمد میں پندرہ
یا سولہ دن اور مکہ کی واپسی کے لئے چالیس دن صرف ہوئے، اس سال بھی آپ نے
مکہ واپس ہوکر حج ادا کیا، آپ کی آمد و رفت کا یہ قلیل عرصہ جو کشتی کے ذریعہ طے ہوا آپ
کی کرامت تھی۔

شیخ عبدالوہاب اس زمانے میں علم و عمل، حال و اتباع، استقامت و تربیت
مریدوں کے سلوک اور طالب علموں کی افادیت، امداد اور غریبوں فقیروں پر مہربانی
و شفقت، مخلوق الٰہی کو نصیحت و برکت عطائے نورانیت اور تمام نیک کاموں کی
تلقین کرنے میں اپنے پیرو مرشد کے حقیقی وارث، اولیں خلیفہ اور صاحب اسرار ہیں
اہالیان حرمین، مشائخین یمن و مصر و شام نے آپ سے ملاقات کی ہیں اور یہ سب
آپ کی ولایت اور علو شان کے قائل ہیں اور ان کا متفقہ بیان ہے کہ شیخ عبدالوہاب
دراصل قطب وقت امام ابوالحسن شاذلی کے شاگرد شیخ ابوالعباس مرسی کے قدم بہ قدم
گامزن ہیں۔

بعض مشائخین یمن نے اہالیان حرمین کے نام شیخ عبدالوہاب کی تعریف میں لکھا ہے
اے اہالیانِ حرمین! تم میں ایک شمع منجانب اللہ روشن ہے اس سے روشنی حاصل کرو
اہل یمن کے صاحب حال عارف و محقق، شیدائی توحید شیخ سید حاتم ایک مرتبہ
شیخ عبدالوہاب سے ملنے کے شوق میں مکہ معظمہ آئے لیکن شیخ عبدالوہاب نے اپنے مکان
پر ملنے کی ان کو اجازت نہ دے کر کہلا بھیجا دلوں کی ملاقات ہی زیادہ وقعت رکھتی
ہے جسمانی طور پر ملنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے چنانچہ سید حاتم یہ جواب پاکر بخوشی
یمن واپس ہوگئے۔

جس سال مکہ معظمہ سے میں ہندوستان جانے والا تھا بعض یمنیوں نے آکر کہا

کہ سید حاتم اس موسم میں شیخ عبدالوہاب سے ملنے کا ارادہ رکھتے ہیں اسی زمانے میں ایک دن تنہا بیٹھا ہوا حزب البحر کی نقل کر رہا تھا کہ مکہ مکرمہ کے مشہور اور ممتاز بزرگ شیخ علاؤالدین میرے گھر پر حاضر ہوئے اور پوچھنے لگے یہ کیا لکھ رہے ہو ؟ میں نے جواب میں کہا حزب البحر نقل کر رہا ہوں تاکہ کشتی میں اسے پڑھ سکوں، پھر انھوں نے فرمایا کسی سے اجازت لی ہے ؟ میں نے کہا شیخ عبدالوہاب متقی سے اجازت لینے کا ارادہ ہے اس پر انھوں نے دریافت کیا کہ کیا تم شیخ عبدالوہاب کو جانتے ہو؟ میں نے کہا تقریباً دو سال سے آپکی خدمت کر رہا ہوں تو انھوں نے فرمایا مبارک ہو تمھارے حج مقبول ہوئے اور اعمال پسندیدہ ہوئے، میں نے کہا کس وجہ سے آپ تعریف کرتے ہیں ؟ جواب دیا اس لیئے کہ میرے یمن کے سفر میں وہاں کے مشائخین و فقراء نے متفقہ طور پر کہا کہ شیخ عبدالوہاب مکہ مکرمہ میں اپنے وقت کے قطب ہیں۔

شیخ عبدالوہاب کتب حقائق و توحید مثلاً فصوص الحکم وغیرہ کے بارے میں توقف کرتے تھے نہ تو اس قسم کی کتابیں پڑھتے پڑھاتے اور نہ ان کی ممانعت کرتے اور دوسرے فقہاء کی طرح کسی کو برا بھلا نہیں کہتے تھے، آپ فرماتے تھے کہ ظاہری و باطنی طور پر اہلِ سنت والجماعت کی طرح پہلے اپنا عقیدہ مضبوط کر د پھر جو کتابیں مطالعہ کرنا چاہتے ہو کر لو، ان کتابوں کے مشکل مقامات پر فکر مت کرو، اور اپنے دل میں کوئی خلجان پیدا نہ کرو، ان کتابوں کو دیکھ کر اپنا اعتقاد بنانا مناسب نہیں ہے، ہر شخص کی بات کو ٹھنڈے دل سے سن لو اور اچھی طرح سمجھ لو، جو بات حق نظر آئے اسے اپنی گرہ میں باندھ لو اور باقی کو چھوڑ دو، اگر سمجھ میں نہ آئے تو اس سے قطع نظر کر کے چھوڑ دو، اور اپنے عقیدہ میں خلل مت ڈالو۔

ایک مرتبہ آپکے سامنے ایک کتاب جس کا نام انسان کامل تھا ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا اس کتاب کو شیخ عبدالکریم جیلی نے جو عدن میں سکونت پذیر تھے اور یمن کے مشائخین میں سے تھے تصنیف کی ہے، اور یہ کتاب ابن عربی کی کتابوں کی طرز پر ہے، پھر شیخ عبدالکریم کی تعریف کرنے لگے، فرمایا انھوں نے قرآن شریف کی ایک تفسیر لکھی ہے

جس کی حالت یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تشریح کی (۱۹۱) جلدیں ہیں، بسم اللہ کے ہر حرف پر ایک بہت بڑی جلد تصنیف کی ہے جس میں سے دو تین جلدیں میری نظر سے بھی گزری ہیں اور اسمیں بڑے بڑے علوم کو عالمانہ طور پر لکھا ہے لیکن درحقیقت زہر کو شکر میں لپیٹ کر پیش کیا ہے، اگر اس کتاب کے مطالعہ سے پرہیز کیا جائے تو بہتر ہے ورنہ اس سے یقیناً مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

آپ فرماتے تھے کہ تصوف کے لئے یہ کوئی شرط نہیں ہے کہ پہلے توحید وجودی کے اعتقاد کو رکھا جائے جیسا کہ فصوص الحکم وغیرہ میں مذکور ہے، بلکہ تصوف کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہمیشہ ریاضت پر عمل کیا جائے اور اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہو، اس کے بعد میں ذوق و حال پیدا ہو کر باطن میں ایک ادراک نمودار ہو جائے، آپ نے فرمایا اگر ایک شخص کلمہ پڑھتا ہے اور نماز روزہ وغیرہ ادا کرتا ہے اس سے اگر حال و ذوق، اور ادراک کی چیزیں ظاہر ہوں تو اس کو معذور رکھ کر اس پر لعن و طعن نہ کرے اور اسے ملحدین کی طرف منسوب نہ کرے، برخلاف اس کے جو مسلمان نہ ہو اور ارکان اسلام ادا نہ کرتا ہو وہ اگر توحید وجودی اور اپنے ادراک و ذوق وحال کو بیان کرے تو وہ پکا ملحد اور بے دین ہے، ایسے شخص کی باتوں کا فوراً انکار کردو، قوالی کی بابت آپکی یہ حالت تھی کہ کسی مرید کو قوالی سننے کی اجازت نہ دیتے تھے، ایک مرتبہ میں نے کہا کہ ہمارے ملک میں قوالی سننا ایک عام چیز بن گئی ہے اگر کوئی شخص قوالی سننے سے احتراز کرے تو سب لوگ اس کے مخالف اور اس کو برا سمجھتے ہیں اور مشائخین کے حوالہ سے اس پر الزام لگاتے ہیں ایسے موقع پر بتایئے کیا عمل کرنا چاہیئے؟ جواب دیا، اگر کبھی اپنے ہم مشرب لوگوں کے ساتھ کوئی غزل قوالی مقررہ شرائط کے ساتھ سنی جائے تو حرج نہیں ہے، اس پر میں نے پھر کہا کہ ہندوستان کا قاعدہ یہ ہے کہ مجلسِ قوالی میں ہر قسم کے لوگ اہل و نااہل، صالح و منافق اکٹھے ہوتے ہیں اور چیخیں چنیں کرتے ہیں جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا، اس مجلسِ قوالی کی بابت کیا ارشاد ہے؟ جواب دیا ایسی مجلس قوالی بالکل جائز نہیں، طالبِ حق کے لئے اس سے پرہیز واجب ہے اور جب

کبھی ایسا مسئلہ در پیش ہو تو اسمیں کبھی چشم پوشی نہ کرنا

شیخ عبدالوہاب اپنے پیر و مرشد کے زمانہ میں اور اُن کے بعد بھی ایک عرصہ تک مجرد رہے البتہ جب پچاس سال کی عمر کو پہنچے تو شادی کی اور شادی سے پہلے کتابت یا نذرانہ کے طور پر جو پیسے ملتے تھے وہ سب فقیروں کو تقسیم کر دیا کرتے تھے اور شادی کے بعد اہل و عیال کے حقوق کو مقدم رکھتے تھے تاہم فقیروں کی امداد اور غمخواری کو بھی ملحوظ رکھتے تھے، خصوصاً ہندوستانی فقیروں کے پشت و پناہ تھے انکے لباس، کھانے پینے کا بندوبست کرتے، جو لوگ مدینہ منورہ زیارتِ رسولؐ کی غرض سے آتے انکے اسباب سفر میں پوری امداد فرماتے، میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس زمانہ میں آپ سے زیادہ کوئی شخص علوم شرعیہ کا ماہر موجود نہیں ہے، اگر یہ کہا جائے کہ لغت قاموس آپ کو پوری یاد تھی تو مبالغہ نہ ہوگا، اسی طرح فقہ حدیث اور فلسفہ کی کتابیں بیشتر زبانی یاد تھیں، عربی ادب میں بھی ماہر تھے، برسوں تک حرم شریف میں ان کتابوں کو پڑھاتے رہے، اب بڑھاپے کی وجہ سے بینائی کمزور ہو گئی اس لئے گوشہ نشین ہیں جو کتابیں نادر و کمیاب اور زیادہ مفید ہیں ان کو منگوا کر ان کی تصحیح کرتے ہیں اور اصل مسئلہ تلاش کر کے ایسے انداز میں لکھ دیتے ہیں کہ جس سے طالب کی کامل تشفی ہو جاتی ہے اور اپنی زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔

آپ فرماتے تھے کہ علم غذا کی طرح ہے جس کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے اور اس کا نفع عام ہے، ذکر دوا کی طرح ہے جس کے ذریعہ علاج کیا جاتا ہے، طالب کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے کاموں سے فرصت نکال کر خلوت میں فراغت دل اور حضور قلب کرے خاصکر رمضان کے آخری عشرے اور بقرعید کے پہلے عشرہ خصوصیت کے ساتھ ذکر و شغل و عبادت کرے اور باقی دنوں میں تحصیل علم میں لگ جائے، لوگوں نے عرض کیا کہ مشائخ تو یہ کہتے آئے ہیں کہ ہمیشہ اور ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہے اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا جو شخص اچھے کام میں مشغول ہے وہ گویا ذکر الٰہی کر رہا ہے، نماز ادا کرنا، تلاوت قرآن پاک، علوم شرعیہ کا پڑھانا اور جتنے بھی اچھے کام

ہیں یہ سب ذکر میں داخل ہیں، یہ ہمیشہ کے لئے ہوتے ہیں، جو لوگ پڑھنا پڑھانا اور تمام کاموں کو چھوڑ کر ذکر میں مصروف رہتے ہیں یہ خطرناک بیماری ہے، ہاں جب بیماری سخت ہو تو اس وقت خلوت میں زیادہ سے زیادہ پورے انہماک سے ذکر الٰہی کیا جائے، نیز سلف کا یہی قاعدہ رہا ہے کہ تمام اچھے کام جیسے تہذیب اخلاق، اشاعتِ علوم، اور خدمتِ خلق وغیرہ میں ہمیشہ لگے رہتے تھے۔

آپ نے فرمایا علم کوئی ایسی چیز نہیں جسے چھوڑ دیا جائے بلکہ یہ وہ نعمت ہے جس کے لئے سچی نیت سے کوشش کیجائے۔

ایک دن کسی فقیر نے آپ سے سوال کیا، نماز پڑھنا بہتر ہے یا ذکر کرنا، آپ نے فرمایا، نماز پڑھنا بہت بڑا کام ہے لیکن بکثرت ذکرِ الٰہی سے اتصال و اتحاد کی وہ دولت ہاتھ آتی ہے جو آخر کار فنائے وحدت کی صورت اختیار کر لیتی ہے، اس پر لوگوں نے پوچھا کہ فنائے وحدت کے کیا معنی ہیں؟ ارشاد فرمایا وہ ایک لذت ہے جس کا چکھنے سے تعلق ہے اور تمام طلبگاروں کا حقیقی مقصد صرف اسی لذت کا حاصل کرنا ہے جس نے ایک مرتبہ بھی اپنی عمر میں یہ لذت چکھ لی اس کو پھر تا عمر اس لذت کا ذوق باقی رہتا ہے

کچھ لوگوں نے پوچھا کہ درویش جس طرح دعوتِ حق دیتے ہیں یہ وصولِ حق کا طریقہ ہے یا نہیں؟ جواب دیا ممکن ہے یہ طریقہ ہو لیکن یہ دعوت دینے والے بڑے بد اخلاق اور کج فہم ہوتے ہیں، یہ لوگوں کی ایذا رسانی کو برداشت نہیں کرتے، اور جو آدمی بُرا ہوتا ہے وہ جلد اپنے عمل کا بدلہ پاتا ہے، دعوتِ حق دینے والوں کو چاہیئے کہ وہ خوش اخلاق اور اذیتیں برداشت کرنے والا ہوں، اور ہمارے پیر و مرشد جو دعوتِ حق دیتے تھے وہ خوش اخلاق تھے، نیز لوگوں کی ایذا رسانی برداشت کیا کرتے تھے، مجھے دعائے سیفی پڑھنے کی اجازت ملی ہے جس کی سند بہت بڑی ہے چونکہ پیر و مرشد کو دعائے سیفی کی اجازت نہ تھی اس لئے جب انھوں نے مجھے علومِ شریعت و طریقت کی اجازت دی تو دعائے سیفی پڑھنے کی مجھ سے اجازت لی، اس کے بعد دعائے سیفی پڑھنے کی مجھ کو اجازت دیدی تاکہ میں ان کی جانب سے مجاز مطلق اور پورا خلیفہ ہو جاؤں۔

پیر و مرشد فرمایا کرتے تھے کہ درویش جو ذکر اور حلقہ وغیرہ کرتے ہیں اگرچہ اسکی سند سنت نبوی سے نہیں ملتی تاہم مشائخ کا یہ عمل مستحسن ہے، ہر وہ کام جس کی بنیاد ذکر الٰہی پر ہو وہ مؤثر ہوتا ہے اصلی ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے اور باقی اذکار اسی سے لفظی، معنوی، صوری طور پر مستنبط ہیں، آپ فرماتے تھے کہ ذکر میں الفاظ کو پوری طرح اور صحیح طور پر ادا کرنا چاہیئے، ذکر لا الٰہ الا اللہ میں حرف لا کو اور الا اللہ میں الا کو کھینچ کر پڑھنا چاہیئے، اور حرف ہا کو بخوبی واضح طور پر ادا کیا جائے، غلبۂ شوق اور استیلائے ذکر میں پھر الفاظ ذکر جس طرح ادا ہوں درست ہے لیکن پورے الفاظ کی ادائیگی کا خیال و انتظام رکھا جائے۔ مشائخین کو ذکر ارہ وغیرہ کرتے ہوئے ان کے مریدوں نے دیکھا اور خود اسی طرح ذکر ارہ کرنے لگے۔ اگرچہ بعض نے اس کی سند بھی حاصل کی ہے۔

ذکر خفی کی بابت فرمایا، جو ذکر آہستہ کیا جائے اس طرح پر کہ برابر والا آدمی نہ سن سکے اس کو ذکر خفی کہتے ہیں، عرض کیا گیا کہ بعض لوگ ذکر خفی کی اس طرح تعریف کرتے ہیں کہ اہیں زبان کو دخل نہ ہو بلکہ قلب کو بھی خبر نہ ہو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا، یہ الگ بات ہے، ذکر خفی کا ادنی مقام یہ ہے کہ ذاکر خود سن لے جیسے غیر جہری نماز۔

اگر دل میں خدا کو یاد کیا جائے تو بہت اچھا ہے لیکن اس پر ذکر کا اطلاق نہیں ہوتا ہے آپ اپنے حالات اور اسرار سے کسی نا محرم کو محروم نہیں کرتے تھے، جلسۂ عام میں بقدر ضرورت اکتفا کرتے تھے، مجھے چونکہ آپ سے نور استقامت اور استماع فضائل حاصل ہو چکا تھا اس لئے عرض کیا کہ کبھی کبھی اپنے حالات و اخبار سے مستفید فرماتے رہیں چنانچہ آپ کبھی کبھی عجیب و غریب حالات بیان فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ میں نے آپ سے دریافت کیا کہ مشائخ و فقراء اہل یمن و حرمین کہتے ہیں کہ آپ شیخ ابوالعباس مرسی کے قدم بہ قدم گامزن ہیں، اس واقعہ کی کیا حقیقت ہے؟ اس پر مسکراتے ہوئے فرمایا، خدا جانے وہ کیوں کہتے ہیں اور کس وجہ سے کہتے ہیں، اسکے بعد شیخ ابوالعباس مرسی کے مناقب و فضائل بیان کرنے لگے اور فرمایا کہ آپ شیخ ابوالحسن شاذلی کے مرید تھے، شیخ ابن عطاء اللہ آپکے شاگرد تھے انھوں نے آپ کی

سوانح حیات پر ایک کتاب لکھی ہے جسکا نام "لطائف المنن فی مناقب شیخ ابو العباس وابی الحسن" ہے۔

شیخ ابو العباس مرسی ایک بڑے بزرگ آدمی تھے، بادشاہ وقت کو ان سے بدگمانی سی پیدا ہوگئی تھی، اس نے ان کے تقویٰ و پرہیز گاری کا امتحان لینے کی غرض سے ان کو دعوت دی اور دو طرح کے کھانے پکوائے، ایک تو وہ تھے جو عام طور پر کھائے جاتے ہیں جیسے بکری اور مرغ وغیرہ اور دوسری کچھ حرام چیزیں جیسے کتا اور بلی وغیرہ کے گوشت وغیرہ اور حکم دیا کہ مرغ وغیرہ حاکموں اور فوجیوں وغیرہ کی جانب جو ایک صف میں بیٹھیں گے ان کی جانب بڑھائے جائیں، اور کتا بلی وغیرہ کے گوشت فقیروں اور درویشوں کی طرف رکھے جائیں اور اس کی کسی کو خبر نہ ہونے پائے، رکابیوں میں ایک خاص قسم کی شناخت رکھی تاکہ کھانا ایک دوسرے سے ملنے نہ پائے، شیخ کے دل میں مجلس میں داخل ہونے کے بعد منجانب اللہ یہ بات معلوم ہوئی تو آپ اپنی جگہ سے اُٹھے اور آستین چڑھا کر کہنے لگے آج میں مخلوق خدا کی خدمت کروں گا، یہ کہہ کر وہ کھانے جو امراء و حکام کے آگے رکھے گئے تھے فقیروں کیجانب کھسکا دیئے اور درویشوں کے آگے جو کھانے رکھے گئے تھے وہ سب امراء و حکام کے آگے رکھ کر فرمایا، الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات ترجمہ (خراب چیزیں خراب لوگوں کے لئے اور عمدہ چیزیں اچھے لوگوں کے لئے ہیں) یہ دیکھ کر بادشاہ نے اپنی بدگمانی اور بداعتقادی سے توبہ کی اور فوراً ہی شیخ کے قدموں پر گر پڑا، اتنی حکایت بیان کرنے کے بعد شیخ عبد الوہابؒ نے سکوت فرمایا اور مجھ کو باقی قصہ سننے کا انتظار تھا، چنانچہ سال بھر بعد میرے پوچھے بغیر ایک دن فرمایا کہ گذشتہ سال ہم نے ایک قصہ بیان کیا تھا وہ تمہیں یاد ہوگا جو ادھورا رہ گیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ مولانا محمد طاہر یمنی کا ایک ملازم جو اُن کے پاس سے شیخ ابو العباس مرسی کی زندگی میں مکہ معظمہ آیا تھا، اور چونکہ مولانا محمد طاہر یمنی کے شیخ ابو العباس مرسی سے مراسم و تعلقات تھے اس لئے وہ شیخ کی مہمان سرائے میں ٹھیر گیا، اسی درمیان میں وہ بیمار پڑ گیا، میں (عبد الوہاب) کبھی کبھی اس کی

عیادت کو جاتا تھا، ایک رات میں نے سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا جو ارشاد فرما رہے ہیں کہ اے عبدالوہاب! جاؤ اور اس بیمار کی خبر لو اور ثابت قدم رکھو، چنانچہ میں بیدار ہوا اور اس بیمار کے پاس پہنچا، دیکھا کہ اسکا آخری وقت ہے میں اس کے سرہانے بیٹھ گیا اور قرآن پاک اور دوسری دعائیں پڑھنے میں مشغول ہوگیا، اتنے میں اس بیمار نے یہ آیت تلاوت کی یثبّت اللہ الذین بالقول الثّابت، پھر جاں بحق ہوگیا، اُس کی اس آیت کی تلاوت سے میں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو کہ اس کو ثابت قدم رکھو بالکل ثابت پایا، پھر دوسرے دن اسکی قبر پر جاکر فاتحہ پڑھی، میں اس کی قبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ میری آنکھ لگ گئی اور اس حالت میں مَیں نے دیکھا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے اور مجھے دیکھ کر میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تمہاری تثبیت اور ثابت قدم رکھنے کی برکت سے خداتعالےٰ نے مجھے نزع کے وقت شیطان کے وسوسے سے نجات دی اور شیخ ابوالعباس مرسیؒ کے محل کے پاس جنت میں مجھے جگہ دی ہے، میں نے یہ خواب اپنے شیخ سے بیان کیا، وہ اور ہم سب لوگ خوب روئے، اس کے بعد شیخ عبدالوہاب نے فرمایا کہ یہ قصہ ابھی ادھورا ہے اس کا باقی حصہ یہ ہے کہ میں نے جس بیمار کو خواب میں دیکھا تھا اُس نے مجھ سے کہا آیئے ذرا ہمارے گھر کی سیر کیجئے، چنانچہ اس کے گھر کے بیرونی دروازے پر پہنچے پھر اسمیں سے گزر کر اندرونی دروازوں میں سے ہوتے ہوئے اس کے گھر میں گئے، دیکھا کہ اسکا یہ گھر ایک بہت بڑا محل ہے جو ہر قسم کے سازو سامان اور جواہرات سے آراستہ ہے اسمیں قیمتی جواہرات اور موتیوں کی پچہ کاری ہے۔ دروازے اور دریچہ سب قیمتی جواہرات کے ہیں، اور حقیقت میں اسکا یہ محل ایسا تھا جیسا کہ جنت کے اور مکانوں کا حال ہے، پھر تھوڑی دیر بعد میں اس سے رخصت ہوکر باہر آیا، وہ شخص بھی مجھے رخصت کرنے باہر آیا اور وہیں مجھ سے ایک اور آدمی ملا جس کے چہرہ سے کرامت و ولایت کے آثار نمودار تھے، اس نے بڑھ کر السلام علیکم کے بعد اپنے گھر چلنے کی آرزو کی، جس پر میں (عبدالوہاب) نے کہا، ہماری آپکی کوئی شناسائی

نہیں ہے میں آپ کے گھر کیسے چل سکتا ہوں جس پر اُس نئے شخص نے کہا یہ ضرور ہے کہ ہم میں آپ میں بظاہر کوئی شناسائی نہیں ہے لیکن اتحاد اور یگانگت کی ایک خاص نسبت ہے غرضکہ اسکے مجبور کرنے پر میں اس کے ساتھ اسکے گھر گیا دیکھا تو اسکا محل بہت زیادہ عمدہ اور جواہر و یاقوت کا بنا ہوا ہے اور پہلے والے شخص سے بھی زیادہ آراستہ و پیراستہ ہے، میں نے ان کا نام دریافت کیا تو جواب دیا، میرا نام ابو العباس مرسی ہے، انھوں نے اپنی نشستگاہ پر مجھے بٹھایا اور کہا آپ یہاں بیٹھیے، آپ ہمارے جانشین ہیں، غرضکہ ایک عرصہ بعد وہاں سے باہر نکل کر دیکھا کہ وہیں پیر و مرشد شیخ علی متقیؒ کا بھی محل ہے میں نے ان سے ملاقات کی، وہ جہاں بیٹھے تھے اس کے پاس نہریں جاری تھیں، ایک نہر کیجانب اشارہ کر کے فرمایا یہ جامع کبیر ہے، پھر ایک دوسری نہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ جامع صغیر ہے، پھر دوسری نہروں کیطرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ میری فلاں کتاب ہے اور یہ میری فلاں کتاب ہے۔

یہ میرا خواب تھا اور شیخ ابو العباس مرسی کے متعلق میں یہی جانتا ہوں ممکن ہے کہ شیخ ابو العباسؒ مرسی نے اس واقعہ کی فقرائے یمن اور اہالیان حرمین شریفین کو اطلاع دی ہو ورنہ میں نے آج تک کسی فرد سے بیان نہیں کیا، یہ خواب تیس۳۰ سال بعد صرف تم سے کہہ رہا ہوں اور وہ بھی اس وجہ سے کہ اس خواب کے بیان کی ضرورت پیش آگئی تھی، حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے بارے میں فرمایا کہ ایک مرتبہ میں بچپن کے زمانے میں اپنے والد محترم کے ہمراہ علاقہ مندو کے حادثات اور انقلاب میں کہیں گم ہو گیا اور ہم مارے مارے اس جنگل میں جا پہنچے جہاں کھانے پینے کی کوئی چیز نہ تھی، میں بھوک کی وجہ سے رونے لگا تو والد صاحب نے کہا، تھوڑی دیر صبر کرو کھانا تیار ہے، لیکن ان باتوں سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا، جب رات ہوئی تو شیر و بھیڑیا وغیرہ کے خوف سے ہم نے درخت پر رات گزاری، صبح کو اٹھ کر دیکھا تو اس درخت کے نیچے میٹھے پانی کا چشمہ پایا، ہم کو دیکھ کر وہیں ایک نورانی بوڑھے نے اپنی بغل سے دو گرم روٹیاں نکال کر ہمکو دیں، اس درخت کے قریب ہی ہم کو ایک گاؤں کی آبادی کے اثرات

بھی معلوم ہوئے چنانچہ وہ روٹی کھاکر اور چشمہ کا میٹھا پانی پی کر ہم آبادی کیجانب روانہ ہوئے، گاؤں میں پہنچکر ہم بہت مسرور ہوئے، پھر اس آدمی اور چشمہ کے دوبارہ دیکھنے کے شوق میں ہم گاؤں سے جب اس درخت کے پاس پہنچے تو وہاں نہ وہ چشمہ تھا اور نہ وہ بوڑھا، ہم حیران و پریشان ہوئے اور آخر کار معلوم ہوا کہ وہ بوڑھا شخص دراصل خواجہ خضر تھے جو ہماری امداد کے لئے وہاں ظاہر ہوئے تھے،

ایک مرتبہ استدراج کے متعلق ارشاد فرمایا کہ فاسق اور بدعتی بھی ایک قوت و تصرف حاصل کر لیتے ہیں جس کے ذریعہ عوام الناس کو اپنا معتقد بناتے ہیں اور انکا دل اپنی طرف مائل کرتے ہیں، چنانچہ میرے ساتھ بھی اس قسم کا قصہ پیش آیا ہے، ایک مرتبہ میں (عبدالوہاب) علاقہ ملا بار میں اسوقت پہنچا جبکہ عبدالعزیز شافعی وہاں کے قاضی شہر تھے، ان کا دستور تھا کہ وہ مسافروں، درویشوں اور گدڑی پوشوں سے رازداری کی گفتگو کے خواہاں تھے مجھ کو درویشی لباس میں دیکھ کر وہ میرے قریب آ بیٹھے دوران گفتگو میں نے پوچھا کیا آپکے شہر میں کوئی صالح فقیر ہے جس کے ساتھ نشست و برخاست کیجائے تو انھوں نے کہا، ایک اہلِ باطن ہے شہر والے اس کے معتقد ہیں لیکن وہ بعض ممنوعاتِ الٰہی کو ظاہر اًکرتا ہے اس لئے ہمیں پسند نہیں ہے، چنانچہ میں دوسرے دن قاضی صاحب کے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچا، دیکھا کہ ایک بلند جگہ وہ بیٹھا ہوا ہے اور دو تین آدمی اس کے ساتھ ہیں اور مَردوں عورتوں کا جمگھٹا ہے، مجھے دیکھ کر اس نے خوشی سے مرحبا کہا، تھوڑی دیر بعد شراب کے جام آئے اور دَور چلنے لگا، مجھے بھی پینے کا اشارہ کیا، میں نے کہا یہ حرام ہے، اُس نے بے انتہا اصرار کیا، لیکن جب میں نے نہ پی تو اُس نے کہا اگر نہیں پیتے تو دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا کرتا ہوں، غرضنکہ میں اُس کے پاس سے رنجیدہ خاطر لَوٹا، اپنے دوستوں سے ملکر بھی میں نے یہ واقعہ بیان نہیں کیا، کھانا تیار تھا لیکن وہ بھی اچھا معلوم نہ دیا، پھر اسی حالت میں سو گیا، خواب میں دیکھا کہ ایک پُر بہار باغ ہے جسمیں ہر طرح کے میوے لگے ہوئے ہیں، وہاں دن والا شخص اپنے ہاتھ میں جام شراب لئے آیا اور کہا یہ پی لو، میں تمہیں باغ میں لے آیا ہوں لیکن دن کی طرح میں نے اس

وقت بھی جام شراب پینے سے انکار کیا، پھر تھوڑی دیر بعد آنکھ کھل گئی اور میں نے جاگتے ہی لاحول پڑھی، اس کے بعد میں پھر سو گیا اور دوسری مرتبہ بھی یہی خواب دیکھا چنانچہ بیدار ہو کر رسالتمآبؐ کی بارگاہ میں مَیں نے التجا کی اور مدد چاہی، اب کی تیسری مرتبہ سوتے ہیں دیکھا کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم دست مبارک میں عصا لئے رونق افروز ہیں اور میں آپ کے روبرو کھڑا ہوں کہ اتنے میں وہی بدعتی شخص پھر آیا، جناب سرور عالمؐ نے اپنا عصا اس کیجا تب پھینکا اور وہ کتے کی صورت بن کر بارگاہ رسالتمآبؐ سے بھاگ کھڑا ہوا، اس کے بعد آقائی د مولائی سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا، وہ بھاگ گیا اب دوبارہ اس شہر میں آئے گا، چنانچہ خواب سے بیدار ہو کر میں نے وضو کیا اور دو رکعت نماز شکرانہ ادا کر کے اس کے مکان پر پہنچا دیکھا کہ وہاں کوئی پرندہ تک نہیں ہے اور وہ میرے پہنچنے سے پہلے فرار ہو چکا تھا، لوگوں نے دریافت پر کہا کہ تھوڑی دیر پہلے یہ پیر اپنا گھر خالی کر کے اپنا سامان لیکر ایک دو ہو چکا ہے۔

ایک مرتبہ عبادت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا سلوک و جذب کی راہ میں عارف باللہ اپنی نظروں سے عین حقیقت وغیرہ دیکھتے ہیں، سوال کیا گیا کہ کیا بغیر جذب و سلوک کے بھی اللہ تک رسائی ہوتی ہے جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے؟ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا ہمیں بھی ابتدائی زمانے میں ایک واقعہ پیش آیا تھا اس پر غور کر کے بتاؤ کہ یہ کس قسم میں ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ہم احمد نگر (دکن) کے ایک باغ میں بیٹھے ہوئے تھے ہمارے ساتھ اور بھی فقیر تھے کھانا پکانے کی تیاری کر رہے تھے کہ دُور سے ایک آدمی آتا دکھائی دیا، میں نے دل میں کہا اگر یہ شخص ہمارے پاس آئے تو اس کو بھی ہم کھانا کھلائیں گے چنانچہ وہ شخص ہمارے پاس آیا میں نے اس سے کہا ذرا بیٹھئے گا کھانا تیار ہو رہا ہے ایک لقمہ کھا لیجئے، میرا اتنا کہنا تھا کہ وہ اس طرح بھاگا جیسے جنگل کا جانور چوکڑیاں بھرتا ہوا دوڑتا ہے، اسکے آنے اور جانے کی ادا میرے دل میں گھر کر گئی چنانچہ میں بھی اس کے پیچھے دوڑا لیکن وہ باغ میں لاپتہ ہو گیا، بہت تلاش کیا لیکن دکھائی نہ دیا آخر میں مایوس ہو کر واپس ہو رہا

تھا کہ ایک درخت میں سے جس کی شاخیں زمین پر آکر اس درخت کے تنہ کو چھپائے ہوئے تھیں اسمیں سے مجھے آواز دیکر کہا کیا دیکھ رہے ہو کسے ڈھونڈ رہے ہو، میں نے کہا میں تم ہی کو تلاش کر رہا ہوں تب اُس نے مجھے بلا کر اس جھاڑی کے اندر بٹھایا اور کہا کہو اللہ اللہ چنانچہ میں نے یہ اسم اعظم چھ سات مرتبہ کہا ہوگا کہ غیب سے ایک نور دکھائی دیا اور میں خود رفتہ ہوگیا مجھے اپنی سدھ بدھ نہ رہی عقل و شعور جاتے رہے اور مرنے کی سی حالت ہوگئی، اس کے بعد اس مرد حق نے میری گردن اور کان سہلائے تھوڑی دیر کے بعد میرے ہوش ٹھکانے ہوئے لیکن وہاں کی خصوصی حالت سے میں ایسا متاثر ہوا تھا کہ عرصہ تک اپنی اصلی حالت میں نہ آسکا تھا اور بہت دنوں تک میں اپنی ذات میں اس دن کے انوار و برکات کے اثرات محسوس کرتا رہا۔

ایک دن جنگم جوگی کی ریاضت و تصرف کا تذکرہ آپکے سامنے ہوا تو فرمایا ایام سیاحت میں ہماری بھی ملاقات ایک جوگی سے ہوئی جو بڑی بڑی ریاضتیں کرتا تھا اور عام عادات انسانی کے خلاف مظاہرے کیا کرتا تھا اور مجھ سے کہتا تھا کہ میرے پاس سونے کا ایک قلعہ ہے تم (عبدالوہاب صاحب) اگر میرے ساتھ ریاضت کرو تو میں تم کو اس طلائی قلعہ کے اندر لیجاؤں گا شہر کے مرد و زن اس کے پاس جمع رہتے، ہر قسم کے تحفہ و تحائف سامان اکل و شرب اور زر نقد لاتے لیکن وہ سب کا سب فوراً ہی تقسیم کر دیتا اور خود اسمیں سے کوئی چیز اپنے پاس نہ رکھتا، میں نے اس کو مذہب اسلام کی کچھ باتیں سُنائیں تو اُس نے بڑے شوق سے سُنیں، چونکہ اُسنے طلائی قلعہ دیکھنے کا کئی بار مجھ سے تذکرہ کیا تھا اس لئے میں نے خاص طور پر اس پر توجہ ڈالی، وہ ایسا ہی مضمحل و پریشان رہا کیونکہ جوگی گری کے کاموں میں میری توجہ کے بعد مشغول ہو جاتا تھا لیکن آخر کار وہ اسلام لایا اور توبہ کر کے میرا مرید ہوا، ایک مرتبہ درویشوں کی ریاضت ترکِ سوال اور غذا سے غیر متعلق رہنے کے سلسلے میں اپنا واقعہ بیان کیا کہ ایک زمانہ میں ہماری غذا کی یہ حالت تھی کہ ہمارا ایک دوست قصائی کے پاس سے ناکارہ ہڈیاں اور گیہوں کے تنکے جو کھیتوں میں پڑے رہتے ہیں لاتا اور انھیں دھو کر دیگچہ میں

اُبالتا اور ہم دونوں اس شوربے کا ایک ایک پیالہ پی لیا کرتے، لوگوں کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ طرح طرح کے کھانے لانے لگے تو ہم وہاں سے روانہ ہوگئے پھر ہم نے دستور بنالیا کہ تین دن سے زیادہ کہیں قیام نہیں کرتے تھے۔

شیخ عبدالوہاب کے ایک دوست مجھ عبدالحق سے کہتے تھے ایک مرتبہ قحط کے زمانہ میں شیخ عبدالوہاب اپنے ایک دوست کے ساتھ ایک مسجد میں تھے، ایک کونہ میں یہ اور دوسرے کونہ میں وہ عبادتِ الٰہی کر رہے تھے، دونوں نے طے کرلیا تھا کہ ہم آپس میں گفتگو نہ کریں گے، نیز کسی سے کھانا نہ مانگیں گے، بیس دن تک یہی حالت رہی کہ ان دونوں نے باہم کوئی بات نہیں کی، اور کسی نے کھانا بھی نہیں کھایا اکیسویں دن ایک حلوہ فروش نے ان دونوں کے درمیان کھانا رکھا اور چلا گیا، ان دونوں نے اسمیں سے کچھ نہ کھایا، پھر دوسری مرتبہ بھی یہی ہوا یہانتک کہ تیسری بار اس حلوائی نے اپنے ہاتھ سے لقمے بنا کر دونوں کو کھلائے، یہ اس زمانہ کا قصہ ہے جبکہ شیخ عبدالوہاب مکہ معظمہ نہیں آئے تھے اور آپکی عمر تقریباً پندرہ سولہ سال کی ہوگی، آپ اپنی عمر کے بیسویں سال مکہ معظمہ آئے اور شیخ علی متقی کی صحبت میں رہنے لگے۔

ایک مرتبہ اس فقیر عبدالحق ؒ نے دریافت کیا کہ باوجود اس ریاضت، حال و مکاشفہ اور تصرفات جو آپ میں بدرجۂ کمال موجود تھے مشائخ کی صحبت میں رہ کر اور کیا چیز حاصل کی؟

جواب میں فرمایا جو کچھ مجھے ملا ہے وہ مشائخ کی صحبت بابرکت کا فیض ہے پھر تھوڑی دیر بعد کہا میرا مذہب اور میری اسلامی شریعت کی بقا، وقیام کا انحصار بھی ان بزرگوں کی برکات پر ہے، ابتدائی زمانہ میں ایسے مختلف حالات پیش آئے کہ میں کہتا خدا ہی جانتا ہے میرا کیا حشر ہوگا اور کس جنگل میں حیران و پریشان پھرونگا لیکن بزرگوں کے طفیل اور ان کی صحبت کیوجہ سے میرا طریقہ دین و اسلام مستحکم و مضبوط ہوا اور اصلی کام یہی ہے کہ آخرت کے کام درست ہوجائیں۔

ایک مرتبہ رسالتمآبؐ کی محبت اور پیروی کی گفتگو ہوئی تو فرمایا ایک مرتبہ

میں نے دیکھا کہ میں سبز گنبد کے اوپر گیا، گنبد شق ہوا اور میں اس دراز میں سے مزار مبارک پر پہنچا اور پھر اسمیں سے نکلکر متلاشی ہوا اور اسی قوت کے اثر سے مشرق و مغرب کی ہر چیز سے بلند و بالا ہو گیا ہوں، میں نے یہ خواب پیر و مرشد شیخ علی متقی کے زمانے میں دیکھا تھا جب اُن سے اپنا یہ خواب بیان کیا تو انھوں نے یہ تعبیر دی کہ تم پیروی سرور کائنات میں کامل اور آقائی دو عالمؐ کی محبت میں مستغرق اور بصفت باقی باللہ ہو گے

ایک مرتبہ عمرۂ جعرانہ کا تذکرہ ہوا تو شیخ عبدالوہاب نے کہا مکہ معظمہ سے تقریباً سات میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں جعرانہ ہے جہاں جنگ حنین کی غنیمتیں تقسیم کرنے کے لئے سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا، اے عبدالحق! جب تمہارا گزر ادھر سے ہو تو وہاں ضرور عمرہ کرنا، اسی کے قریب وہ پہاڑ ہے جہاں سرور عالمؐ نے قیام فرمایا تھا، اس جگہ کو ہرگز نہ بھولنا، آپ نے اس مقام کی پوری پوری نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا اگر تمہاری قسمت میں ہے تو وہاں سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا جمال جہاں آرا لازماً حاصل ہو گا، میں وہاں پہنچا تو سو گیا اور خواب میں تھا جتنی دیر میں آنکھ کھلتی اور بند ہوتی ہے اتنی دیر میں میں نے سرور عالمؐ کا جمال جہاں آرا دیکھا، دو منٹ یا اس سے بھی کم مدت میں تقریباً میں نے آقائی و مولائی رحمۃ للعالمینؐ کو سو مرتبہ سے زیادہ دیکھا اور شیخ عبدالوہاب المتقی القادری الشاذلی رحمہ کا دستور تھا کہ اس مقام کا عمرہ کرنے کے لئے ہمیشہ روزہ دار اور پیدل جایا کرتے تھے۔

شیخ عزیز اللہ متوکلؒ

۸۱۹ ——— ۹۱۲ھ

آپ شیخ علی متقی کے پیر شیخ باجن کے مرشد تھے، فقر و توکل میں اونچا مقام رکھتے تھے جب رات ہوتی تو ضرورت سے زیادہ جو چیز گھر میں ہوتی وہ سب پڑوسیوں پر تقسیم کرتے یہانتک کہ وضو کا پانی بھی صرف اتنا ہی رہنے دیتے جو نماز تہجد کے وقت طہارت کے لئے ضروری ہوتا، مالداروں کو اپنی مجلس میں جگہ نہ دیتے تھے۔

ایک دن کسی رئیس نے آپ کے کسی صاحبزادے سے یہ خواہش کی کہ شیخ کی زیارت

کرنے کا شوق ہے انھوں نے کہا شوق سے آئیے لیکن شرط یہ ہے کہ جوتوں کے پاس دوسرے فقیروں کے ساتھ آپ بیٹھیں، چنانچہ بعد نماز مغرب جب وہ رئیس آپ کے مکان پر پہنچا، تو دیکھا گھر میں اندھیرا پڑا ہے اس دن آپکے پاس اتنا نہ تھا کہ چراغ کا تیل منگواتے، چنانچہ اس رئیس نے آپ کے صاحبزادے سے کہا، میں تیل کے کپّے بھجواتا ہوں خرچ کیجئے اور جب ختم ہوجائے مطلع فرمائیے گا اور بھیجدوں گا، دوسرے دن شیخ نے دیکھا کہ گھر میں خوب چراغ روشن ہیں، پوچھا یہ کہاں سے آئے، پھر سارا ماجرا سُن کر آپ کو غصہ آیا اور اس رئیس کو کہلوایا کہ آپ آئندہ تیل نہ بھیجیں، اور جتنا تیل گھر میں تھا وہ سب کا سب فقیروں محتاجوں کو بانٹ دیا، آپ کا قیام برہان پور میں تھا آپ کی اکثر اولاد نے احمد آباد کو بھی وطن بنالیا تھا۔

مخدوم جیو قادریؒ

۸۳۹ھ ——— ۱۰۰۰ھ

آپ حیدرآباد دکن کے ضلع بیدر میں رہا کرتے تھے بہت ہی ضعیف دُبلے پتلے، عبادت گزار بابرکت عالی ہمت اور عظیم الشان بزرگ تھے، مالداروں کیجانب بالکل متوجہ نہ ہوتے اور عام طور سے لوگوں سے بے نیاز تھے، حضرت شیخ عبدالوہاب متقیؒ فرماتے تھے، اگرچہ مخدوم جیو قادری میں کمزوری کی وجہ سے کھڑے ہونے کی طاقت نہ تھی لیکن رات کو بڑی دیر تک کھڑے ہوکر نفل پڑھا کرتے تھے، شیخ عبدالوہاب یہ بھی کہتے تھے کہ مخدوم جی قادری ہم سے زیادہ عالم، اسلامی احکام کی تعمیل کرنے والے متقی و پرہیز گار تھے ہم اور وہ ایک عرصہ تک ساتھ رہے، ممکن تھا کہ میں ان کا مرید ہوجاتا لیکن میری قسمت میں تو شیخ علی متقی سے بیعت ہونا تھا، مخدوم جیو قادری نے ۱۰۰۰ھ کے وسط میں وفات پائی، باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

میاں غیاثؒ

۸۹۵ھ ——— ۹۹۸ھ

علاقہ گجرات کے مشہور شہر بھڑوچ میں رہا کرتے تھے اللہ کے خاص بندوں میں سے تھے خیر الناس من ینفع الناس ترجمہ:- (بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے) آپ پر صادق تھا،

کہتے ہیں کہ عوام الناس کی ضرورت کی ہر چیز مثلاً روپیہ پیسہ کپڑے غذائیں دوائیں کتابیں، اسباب وسامان اور آلات وغیرہ سب اپنے گھر میں جمع کر کے رکھتے تھے آپکا بہترین کارنامہ یہ تھا کہ جس کو جس چیز کی ضرورت ہوتی دیدیا کرتے تھے، اس کے ساتھ آپ زبردست عالم، عامل، متقی اور شریعت کے پیرو تھے۔

سیدی شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ بحالت خواب میں نے ایک مرتبہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! اس زمانے میں سب سے اچھا کون شخص ہے تو جواب مرحمت فرمایا، میاں غیاث پھر تمہارے شیخ علی متقی اور پھر محمد طاہر اس زمانہ کے بہترین آدمی ہیں اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمتیں نازل کرے۔

میاں محمد طاہرؒ

۸۹۹ھ ——— ۹۷۹ھ

آپ علاقہ گجرات کے شہر پٹن میں سکونت پذیر تھے اللہ نے آپ کو علم وفضل کی نعمتوں سے نوازا تھا، زیارت حرمین سے مشرف ہو گئے تھے اور وہاں کے علماء و مشائخ سے علم حدیث کی تکمیل کی، شیخ علی متقی کی صحبت میں رہ کر ان کے مرید ہوئے، صاحب کرامت و برکت ہو کر وطن واپس آئے اور آپکی قوم میں جو بدعتیں رائج تھیں وہ ختم کر کے اہل سنت اور بدعتیوں کا فرق اپنی قوم کو سمجھایا، علم حدیث میں بہت سی مفید کتابیں تالیف کی ہیں، ان میں سے آپکی ایک کتاب مجمع البحار بڑی مشہور ہے جسمیں احادیث کی شرح لکھی ہے، آپ کی ایک دوسری کتاب کا نام مغنی ہے جسمیں اسماء الرجال کی صحت کی ہے اور راویانِ حدیث کا مختصر و مفید حال لکھا ہے، اپنی کتابوں کے دیباچوں میں شیخ علی متقی کی بے انتہا تعریف کی ہے، آپ کا دستور تھا کہ اپنے پیرو مرشد کی وصیت کے مطابق اپنے ہاتھ سے روشنائی بنا کر طالب علموں کو مفت دیا کرتے تھے پڑھاتے وقت بھی زبان سے پڑھاتے اور ہاتھ سے سیاہی گھوٹا کرتے اور کہتے ہاتھوں کو بھی کام میں لگا رہنا چاہیئے، آپ نے علاقہ گجرات کے بدعتیوں کی بدعتیں چھڑانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی لیکن اسی جماعت کے افراد نے آپکو ۹۸۰ھ میں شہید کیا، اللہ تعالیٰ آپکی کوششیں قبول کرے اور مسلمانوں کے لئے اچھے کام کرنے کے عوض میں اچھے بدلے عنایت کرے۔

شیخ عبداللہ و شیخ رحمت اللہؒ

سندھی مدنی یہ دو عزیز مدینہ طیبہ کے فقیہوں اور صوفیاء میں سے تھے جو وہاں سے ہندوستان آئے اور علم حدیث پڑھاتے تھے یہاں کے طالب علم وغیرہ ان دونوں کو شیخین کہتے تھے۔

خواجہ عبدالشہید عبید اللٰہی فرماتے تھے کہ یہ دونوں شیخین حقیقت میں حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمر فاروقؓ شیخین کی یاد دلاتے ہیں، یہ دونوں علم و عمل اور تقویٰ کا مجسمہ تھے، ان جیسے اشخاص مدینہ منورہ سے آج تک نہیں آئے، یہ دونوں شیخ علی متقی کے خصوصی دوست اور خلیفہ تھے۔

سلطان روم کی جانب سے جو حاکم مکہ معظمہ میں آتا وہ شیخ علی متقی کی خدمت میں ضرور حاضری دیتا اور آپ کا معتقد ہو جاتا، شیخ علی متقی کی خدمت میں جو کچھ بھی از قسم جنس و مال آتا وہ سب اپنے دوستوں خادموں اور فقیروں کو تقسیم کر دیتے، اور اسمیں سے کوئی چیز ان دونوں شیخین اور شیخ عبدالوہاب کو اس لئے نہ دیتے کہ شاید یہ مال کسب حلال کا نہ ہو۔

شیخ رحمت اللہ کے والد ماجد قاضی عبداللہ بعض حوادثات زمانہ کی وجہ سے سندھ سے ہجرت کر کے اپنے تمام اہل و عیال کے ساتھ زیارت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم اور ان مقامات متبرکہ میں رہنے کی غرض سے روانہ ہوئے، دوران سفر کچھ دنوں احمد آباد میں قیام کر کے شیخ علی متقی کی صحبت سے سرفراز ہوئے پھر متبرک مقامات کی زیارت کرتے ہوئے مدینہ میں مقیم ہو گئے مدینہ منورہ پہنچنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد انتقال کر گئے اور یہ شیخ عبداللہ دراصل قاضی عبداللہ کے یار غار اور ساتھی تھے ان کی نشو و نما بھی مدینہ منورہ میں ہوئی تھی انھوں نے عرصہ تک وہاں تعلیم دی تھی، اور عبادت بھی کی تھی، بعض حوادثات کی وجہ سے یہ شیخ عبداللہ وہاں سے ۹۷۰ھ کے

قریب ہندوستان آئے اور تھوڑے دنوں اپنے آبائی وطن احمد آباد میں مقیم رہے اور عین بیماری کی حالت میں جبکہ قوت حس و حرکت تقریباً مفقود ہو چکی تھی یہ دونوں بزرگ احمد آباد سے مقامات متبرکہ کی طرف روانہ ہوئے اور مکہ معظمہ پہنچنے کے یہ دونوں بزرگ دنیا سے رخصت ہوئے، اللہ تعالیٰ ان پر اور تمام صالح بندوں پر اپنی رحمتیں فرمائے

شیخ حسین رحمۃ اللہ

۹۱۴ھ ـــــــ ۱۰۰۵ھ

آپ شیخ عبدالوہاب کے دوستوں میں سے تھے آپکو راہ تصوف میں ایک خاص رفتار حاصل تھی اور بے قیدی، بے تکلفی اور ہمت فرمائی میں ایک خاص طریقہ رکھتے تھے، شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ یہ شیخ حسین ہمارے رشتہ داروں میں سے تھے اور یہ عجیب حالت اور بلند ہمت کے مالک تھے، معمولی چیزیں خریدتے وقت ان کے پاس جو کچھ ہوتا وہ سب بیچنے والے کو دیدیتے خواہ وہ منظفری ہوتا یا روپیہ اور کبھی نہ سودا چکاتے اور نہ اس کی قیمت کا حساب کرتے۔

شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم دریائے نربدا کو عبور کرنا چاہتے تھے، لیکن دریائے نربدا کے کنارے پر بہت سے لوگ اس لئے جمع تھے کہ نربدا کے بیچ میں ایک شیر اپنی کچھار میں بیٹھ گیا تھا جس کے باعث لوگ دریا میں آنے جانے سے مجبور ہو گئے تھے، یہ دیکھ کر شیخ حسین اپنے ایک ہاتھ میں چاقو لے کر اور دوسرے ہاتھ پر ایک چادر لپیٹ کر کچھار کے اندر گھس گئے اور شیر کو وہاں ٹکڑے ٹکڑے کر کے لوٹ آئے اور لوگوں کے آنے جانے کا راستہ کھول دیا۔

ایک مرتبہ ایک آدمی اونچی جگہ نماز پڑھانے کے لئے کھڑا ہوا، نیت نماز میں اسے وسوسہ آنے لگا اور اس نے نیت کے الفاظ اتنی بار دہرائے کہ مقتدی کچھ پریشان سے ہو گئے جس پر ان شیخ حسین نے اس زور سے اُس امام کے سینہ پر ہاتھ مارا کہ وہ برابر کے پانی میں گر پڑا اور پھر اس کے دل میں کوئی وسوسہ باقی نہیں رہا۔

ایک مرتبہ شیخ حسین سے ایک طالب علم احیاء العلوم پڑھ رہا تھا جس کی زبان میں سخت لکنت تھی، عبادت پڑھتے وقت وہ عاجز اور مضطرب ہوتا تھا شیخ عبدالوہا

کہتے ہیں کہ دل میں آیا کہ اس طالب علم کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جائے جو شیخ حسینؒ نے اس امام کے دلی وسواس دور کرنے کے لئے کیا تھا لیکن میں اس وجہ سے خاموش رہا کہ شاید اس کی ہمت رفتہ رفتہ شیخ حسین کے اثرات قبول کرلے گی۔

شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم شیخ حسین کے ہمراہ میاں غوث سے ملنے گئے، میاں غوث پانی پاک رکھنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے، پانی کے برتن نہایت ہی صاف رکھتے تھے ایسی احتیاط کرتے ہم نے اور کسی کو نہیں دیکھا، میاں غوث کو غصہ بہت آتا تھا، شیخ حسین نے اس کے مٹکے سے ایک آبخورے میں پانی لیکر پیا اور وہ آبخورہ زمین پر رکھدیا یہ دیکھ کر میاں غوث کو سخت غصہ آیا اور بلند آواز سے کہا، ہائے ہائے تم نے آبخورہ نجس کر دیا، ان کا اتنا کہنا ہی تھا کہ شیخ حسین نے آبخورہ زمین پر دے مارا اور کہا اگر آبخورہ ناپاک ہوگیا ہے تو اسکا توڑ دینا ہی اچھا ہے یہ سن کر میاں غوث مسکراتے ہوئے شیخ حسین کی طرف بڑھے اور ان کو گلے لگا لیا اس پر حاضرین میں سے کسی کو یہ خیال آیا کہ شیخ حسین نے آبخورہ توڑ کر اسراف کیا ہے یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے اس شبہہ کو دور کرنے کے لئے شیخ حسین نے فرمایا امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ جو مٹی کا برتن ناپاک ہو جائے اسکا پاک کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے اس کے توڑ دینے کے سوائے اور کوئی علاج نہیں ہے۔

شیخ عبدالعزیز بن حسن طاہرؒ

۸۹۸ھ ——— ۹۷۵ھ

میاں قاضی خاں کے خلیفہ اور متاخرین مشائخ چشتیہ کے مشہور بزرگ تھے، علوم شریعت و طریقت کے عالم تھے، بچپن سے عبادت و ریاضت اتنی کی کہ مشائخ کے مرتبہ پر پہنچ گئے، بچپن میں جو وظیفہ اور اوقات مقرر کئے تھے وہ آخر عمر تک باقی رکھے۔ مشائخ کی پیروی اور ان کے قواعد اور آداب کی حفاظت میں یکتائے زمانہ تھے، تواضع بردباری، صبر استقامت رضا و تسلیم الٰہی، مخلوق پر شفقت اور فقیروں کی رعایت

کرنے میں اپنی مثال آپ تھے، اپنے زمانے میں مشائخ چشت کی یادگار تھے دہلی میں آپ کی وجہ سے سلسلہ ارشاد و مشیخت قائم تھا، قوالی سنتے تھے، کہتے ہیں کہ رحلت کے وقت بھی ذوق وحالت کی کیفیت تھی، آپ نے یہ آیت پڑھ کر انتقال فرمایا فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شئ والیہ ترجعون ترجمہ:۔ (پروردگار عالم کے دست قدرت ہی میں تمام چیزوں کی ملکیت ہے اور اسی کے پاس سب کو جانا ہے)

مَن مصنّف کے والد بزرگوار شیخ سیف الدین فرماتے تھے کہ ہم نے شیخ عبدالعزیزؒ کو جوانی کے عالم میں دیکھا تو ہم رونے لگے کیونکہ ان کے چہرے بشرے سے شوق الٰہی اور غربت ٹپکتی تھی، شیخ عبدالعزیز ۸۹۸ھ میں بمقام جونپور پیدا ہوئے، ڈیڑھ سال کے تھے کہ اپنے والد کے ساتھ دہلی آئے اور ۶ جمادی الاخریٰ ۹۷۵ھ کو انتقال کیا، آپ کا مزار آپ کی خانقاہ کے صحن میں ہے، میں نے اُن کی تاریخِ وفات یہ کہی ہے۔

قطعہ تاریخ وفات

شیخ کامل عارف دوراں خود عبدالعزیز — آنکہ می داد اہل دل راؐ مجلسش یاد از بہشت

ہرچہ از اوصاف اہل اللہ در عالم بود — حق تعالےٰ از ازل فطرت بذاتِ او سرشت

یادگار اہل چشت او بود در دوران خود — گشت ازاں تاریخ فوتش یادگار اہلِ بہشت ۹۷۵ھ

شیخ عبدالعزیز کے ایک محترم بیٹے شیخ قطب عالم ہیں، جو عالم فاضل خوش اخلاق خوش سیرت ہیں، صدق و استقامت میں اپنے والد کے سجادہ نشین تھے اکثر و بیشتر اطاعت وعبادت میں مشغول رہتے تھے،

شیخ عبدالعزیز کے سب سے بڑے خلیفہ شیخ جائیلدہ ہیں جو تمام خلفاء اور مریدین میں خصوصیت عزت اور رازداری کے مالک ہیں، بعض لوگ انھیں شیخ کا جانشین کہتے ہیں، شیخ کے دوسرے خلیفہ شیخ عبدالغنی بدایونی ہیں جو عالم، عامل صاحب حال و ریاضت و گوشہ نشینی کے باوجود تمام آدابِ سلوک سے متصف ہیں اور دہلی کے بیچوں بیچ فیروز شاہی عمارت کی مسجد میں بیٹھے اللہ کی عبادت کر رہے ہیں

ان کے طور طریقہ اور حالات سے استقامت اور قوت کے آثار نمایاں ہیں۔

شیخ جنید حصاری رح

۸۳۹ھ ——— ۹۰۱ھ

آپ شیخ فرید الدین گنج شکر رح کی اولاد میں سے تھے اور بوڑھے ہوگئے تھے، ظاہری عظمت و برکت و بزرگی کے مجسمہ تھے آپ فن کتابت میں ماہر تھے، زود نویسی کی یہ حالت تھی کہ تین دن میں پورا قرآن پاک مع اعراب کتابت کیا کرتے تھے اور یہ آپ کی کرامت تھی، اس کے علاوہ اور بھی خرق عادات آپ سے ظاہر ہوئی ہیں۔

آپ نے بعض رسائل میں دنیا کی نادر اور عجیب چیزیں سپرد قلم کی ہیں جو کہ سمجھ سے باہر ہیں، خدا ہی جانے آپ کا مقصد کیا ہے اور ان کی کیا تاویل کیجا سکتی ہے کہتے کہ آپ کی اولاد میں سے کچھ لوگوں نے آپ کی تصنیفات کی ان انوکھی و نادر چیزوں کے حالات وغیرہ اس لئے کتاب میں سے مٹا دیئے ہیں کہ یہ باتیں لوگوں کی سمجھ سے بہت دور ہیں باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے آپ کی وفات ۹۰۱ھ میں ہوئی ہے، آپ کا مزار شہر حصار میں ہے۔

میاں نجم الدین مندوی رح

۸۷۹ھ ——— ۱۰۱۰ھ

شاہ جیو رح کے مرید تھے آپ نے اکیسو تینس[۱۳] سال کی عمر پائی، آپکے والد بزرگوار سلطان غیاث الدین مندوی کے وزیر تھے، آپ عالم و عارف باللہ صاحب حال، دنیا داری سے علیحدہ تھے اور ستر چھپانے کی حد تک لباس پہنتے تھے، آپ کی عمر سات برس کی تھی کہ آپکے پیر و مرشد نے آپ پر توجہ کرکے اپنی جانب کھینچ لیا۔

کہتے ہیں کہ آپ نے احمد آباد میں ایک مُردے کو زندہ کیا تھا اور اس واقعہ کے بعد آپ وہاں سے ایسے غائب ہوئے کہ پھر کسی نے آپ کو وہاں نہ دیکھا، چنانچہ احمد آباد سے روانہ ہو کر دہلی آئے، زیادہ تر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کے مزار پر حاضر رہتے تھے، خواجہ صاحب کی روحانیت سے اجازت لیکر اجمیر گئے

کچھ عرصہ بعد وہیں اجمیر میں انتقال کر گئے۔

کہتے ہیں کہ خواجہ معین الدین اجمیریؒ نے اپنی اولاد میں سے کسی سے اس کے خواب میں کہا کہ شاہ نجم الدین کا زمانۂ وفات قریب آگیا ہے ان کو میرے کمرے کے سامنے دفن کرنا چنانچہ میاں نجم الدین کا مزار خواجہ کے گنبد کے پائیں میں ہے۔

شیخ برہان کالپیؒ

۹۱۰ھ ــــــ ۱۰۰۰ھ

عبادت الٰہی میں مصروف اور بہت ہی ریاضت کرتے تھے، کہتے ہیں کہ ان کو تصرف اور جلی کشف حاصل تھا، لوگوں میں آپ کے دوہرے بڑے مشہور ہیں جس سے درد حال ٹپکتا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ مہدوی عقائد رکھتے تھے۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے، آپ نے ۱۰۰۰ھ کے آخری ایام میں وفات پائی۔

شیخ سلیم بن بہاؤالدین

۸۹۷ھ ــــــ ۹۷۹ھ

شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی اولاد میں سے تھے، ۸۹۷ھ میں پیدا ہوئے جوانی کے زمانے میں سپاہیوں جیسا لباس پہنتے تھے اور بے انتہا ریاضت و مجاہدہ کرتے تھے اسی زمانہ میں شادی کرنے سے پہلے موسم سرما میں سفر کا خیال آپ کے دل میں آیا، چنانچہ ۹۳۱ھ میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے، عرب و عجم کے شہروں میں سیر و سیاحت کی، اور وہاں کے مشائخ اور باکمال لوگوں کی صحبتوں سے فیض حاصل کیا اور بڑے بڑے اُمور سرانجام دئے، پھر عرصہ دراز کے بعد سیکری کیطرف روانہ ہوئے جہاں آپکے والد اور بھائی دہلی سے آکر بعض نوابوں کے ملازم ہو گئے تھے اور سیکری میں مقیم ہو گئے تھے، غرضکہ آپ سیکری کے ایک پہاڑی غار میں گوشہ نشین ہوئے اور عبادت الٰہی کرنے لگے، نیز آخری ایام حیات تک طے کے روزے رکھے۔ اور ان چیزوں سے افطار کرتے تھے جن کی خاصیت سرد ہے جیسے پرانا سرکہ اور ٹھنڈی ترکاریاں وغیرہ، روزانہ ٹھنڈے پانی سے غسل کرتے اور سخت جاڑوں میں بھی ایک باریک کرتہ پہنتے تھے۔

سیکری آنے کے بعد شادی کی اور بال بچوں والے ہوئے، زمانہ کی ترقی کے

ساتھ آپکے حالات و کوائف میں بھی تبدیلی ہوئی اور آپ نے بھی عمارتیں، باغ اور کنویں وغیرہ بنوائے اس کے بعد مسندِ مشیخت پر رونق افروز ہوگئے، اہل حرمین شریفین کی طرح آپ اول وقت نماز ادا کرتے اور وہ چیزیں جو عوام میں رواج پذیر ہیں اور اسلام میں ناجائز نہیں وہ بھی کرنے لگے، طلب گاروں اور مریدوں کو ریاضت و مجاہدہ کی تلقین اور رہنمائی کرتے تھے، آپ کی نشست گاہ بالکل امیروں اور حاکموں کی طرح تھی، کسی کو نصیحت اور کسی کو تنبیہ کرتے، آپ کے خدام اور معتقدین اکثر و بیشتر آپ کی کرامت تصرف، کشف کے عجیب و غریب قصے بیان کرتے ہیں، ہیموں ملعون کی ایذا رسانی کے سبب سے آپ دوسری مرتبہ سنہ ۹۶۲ھ میں حرمین شریفین گئے اور سیر و سیاحت کے بعد سنہ ۹۷۶ھ میں واپس ہوئے بادشاہِ وقت سلطان جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کو آپ سے رابطہ اعتقاد و یگانگت بے انتہا پختہ ہوگیا تھا، چونکہ اس کی ولادت نہ تھی اس لئے وہ شیخ سلیم کیطرف خاص طور پر متوجہ ہوا اور اولاد ہونے کی خواہش کی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کی برکت سے بادشاہ کو اولاد دیدی اور ان شاہزادوں کی تربیت شیخ کے گھر میں ہوتی تھی، اکبر بادشاہ کو آپکے خاندان سے ظاہری باطنی طور پر اتنی محبت و الفت پیدا ہوگئی تھی کہ درمیانی حجابات اُٹھ گئے اور تمام متبعین مرد عورت اور بچے بوڑھے سبھی شاہی عنایتوں سے سرفراز ہوئے، آپ نے بحالت اعتکاف ۲۹۔ رمضان سنہ ۹۷۹ھ کو اس دنیا سے کوچ کیا، اپنے انتقال سے پہلے ایک روضہ بنانے کی بنیاد ڈالی تھی اسی کے اندر مدفون ہوئے، آپ کی وفات کے بعد اس روضہ کی حاکم وقت نے تعمیر مکمل کی، آپ کے روضہ اور مسجد کی عمارت ایسی اچھی ہے کہ اس جیسی روئے زمین پر شاید ہی کہیں ہو، اس مسجد کی تعمیر کی تاریخ ثانی مسجد الحرام اور روضہ کی خانقاہ اکبر ہے۔

شیخ نظام الدین انبیٹھوی رح

۹۰۹ھ ——————— ۹۸۱ھ

آپ شیخ معروف جونپوری کے مرید تھے جن کے پیر و مرشد مولانا اللہ داد تھے جنھوں نے کافیہ اور ہدایہ کی شرح

لکھی ہے۔

آپ صاحب حال مجذوب۔ وسالک تھے، شکر و جذب کی حالت آپ پر غالب تھی ابتدائے سلوک میں بڑی بڑی ریاضتیں کی تھیں، آپ صاحب باطن تھے اور کشف ظاہر میں اونچا مقام رکھتے تھے جو شخص آپکے پاس گیا اس نے آپ کی کرامتیں اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں، خود قوالی نہیں سنتے تھے اور اپنے مریدوں کو بھی قوالی سے معنوی وظاہری پرہیز کرنے کا حکم دیا کرتے اور کہتے اگر باز کی آنکھوں پر پٹی نہ باندھیں اور اسکو شکار کرنے کی ترکیب نہ سکھائیں تو وہ جنگلی چڑیوں کا شکار کرنے لگے اور اس کو جب ٹریننگ دیدیتے ہیں تو وہ کلنگ کا شکار کرتا ہے۔

قوالی کی بابت ارشاد فرماتے تھے کہ مفت اختلاف میں کیوں پڑتے ہو، اگر تقلید کرتے ہو تو سلف اور بزرگوں کی تقلید کیا کرو، اور جب آپ پر حالت طاری ہوتی تو آپکے جسم میں آگ لگ جاتی اور بعض اوقات خون کے گھونٹ پی کر خاموش رہتے، اور خوب تکلیفیں برداشت کرتے اکثر و بیشتر سلوک کے فضائل بیان کرتے تھے لیکن کبھی کبھی اپنے ہمرازوں کے ساتھ توحید کے حقائق بھی بیان کرتے تھے۔

کہتے ہیں کہ آپ کا یہ دستور تھا کہ صبح صادق ہوتے ہی مسجد میں تشریف لاکر نماز پڑھتے تھے، حسب معمول ایک دن آپ خلوت سے مسجد آئے اور باہر کے صحن میں کھڑے ہوکر فرمایا ہم یہیں نماز پڑھیں گے، ہوسکتا ہے پہلی والی جگہ پر کوئی موذی چیز ہو چنانچہ جب لوگوں نے تحقیق کی تو دیکھا کہ آپ کی بچھی ہوئی جانماز کے ایک کونہ میں سانپ لپٹا ہوا ہے سنہ ۹۸۱ھ میں آپ نے انتقال کیا۔

شیخ جلال قنوجی قریشی رحمۃ اللہ

۸۶۱ھ ——— ۹۸۸ھ

آپ لُلّاؔ کے نام سے مشہور تھے، صاحب حال و ذوق و وجد تھے، اسمائے الٰہی پڑھنے کے ذریعہ آپ کو دست غیب حاصل تھا، آپ اکثر و بیشتر گریہ وزاری کرتے

ہوئے فریاد کرتے اور نعرے لگاتے، آپ پر جب جذبہ وحال زیادہ طاری ہوتا تو آپ کی ظاہری وضع بدلجاتی اور آپ گدھے پر سوار ہو کر شہر کی گلیوں میں چکر لگاتے تھے، آپ بہت بوڑھے اور عمر رسیدہ ہوگئے تھے، آپ نے ۹۸۸ھ میں وفات پائی۔

شیخ جلال الدین تھانیسری کابلی رحمۃ اللہ

۸۹۴ھ ——— ۹۸۹ھ

آپ شیخ عبدالقدوس ؒ کے مریدوں میں اور اُن کے خلیفہ تھے۔ اپنے وقت کے مشہور عالم، عامل صاحب استقامت شیخ کامل تھے، ابتدائی عمر سے زندگی کے آخری ایام تک اطاعت، عبادت، درس، وعظ گوئی، ذکر سماع اور ذوق وحال میں مشغول رہے، اللہ تعالےٰ نے عمر دراز دی تھی، آداب و نوافل کی حفاظت اور اوراد و اوقات کی رعایت میں زندگی کے آخری وقت تک ثابت قدم رہے۔

حکایت ہے اپنے بیٹے کے انتقال کے غم میں ایک مدت تک آپ نے قوالی نہیں سُنی اور جب لڑکے کے انتقال کا غم محبت الٰہی میں تبدیل ہوگیا تو پھر قوالی سننے لگے۔ آپ کے پیرو مرشد شیخ عبدالقدوس نے آپکو اکثر خطوط لکھے ہیں اور آپ نے بھی اپنے پیرو مرشد کے طرز پر خطوط تحریر کئے ہیں۔ آپنے پچانوے برس کی عمر میں وفات پائی

شیخ اسحٰق رحمۃ اللہ

۸۵۱ھ ——— ۹۸۹ھ

آپ بہت ہی عمر رسیدہ تھے، ملتان سے دہلی آکر سکونت پذیر ہوگئے تھے، آپ نے بے انتہا سیاحت وسفر کیا اور خوب ریاضت کی، اکثر و بیشتر خاموش رہتے اور بہت ہی کم گفتگو کرتے تھے میں نے بھی آپ کی خدمت میں حاضری دی اور آپ کے طریقہ توجہ وعنایات کو خود دیکھا ہے۔

کہتے ہیں کہ شیخ اسحٰق ؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس انتظار میں ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے کوئی بیٹا عنایت کرے، چنانچہ بڑھاپے میں اللہ نے ان کو ایک لڑکا دیا، جس کی پیدائش کے بعد خود انتقال کر گئے، آپ کے انتقال کا واقعہ یہ ہے کہ جمعہ

کے دن آپ نے اپنی بیوی سے کہا گھر میں کچھ ہو تو لے آؤ تاکہ خیرات کردوں، انھوں نے جواب دیا تمہارے گھر میں کب کوئی چیز ہوئی ہے جو آج ہوگی، اس پر آپ نے کہا جتنی بھی ہو لے آؤ چنانچہ دو تین سیر غلہ اور ایک پھٹی ہوئی چادر فقیروں کو تقسیم کی، اس کے بعد کہا سماع کا شوق ہے قوالوں کو بلاؤ، بیوی نے کہا تمہارے پاس ہے کیا جو قوالوں کو دوگے، آپ نے کہا ٹوپی اور یہ چادر جو اوڑھے ہوئے ہوں، پھر اس کے بعد اپنے ہمسایہ کے گھر گئے جہاں قوالی ہو رہی تھی، آپ نے قوالی سنی اور خوب گریۂ وزاری کی، جب آپ بے اختیار ہو گئے تو آپکو گھر لایا گیا، پھر تھوڑی دیر سو گئے پھر اٹھ کر کہا آج جمعہ ہے میں نے غسل نہیں کیا ہے، حجام کو بلایا گیا حجامت بنوائی، نہا دھو کر اپنے دوستوں سے ملاقات کی اور ان کو الوداع کہا، اس کے بعد کہا میں نے آج حسب معمول قرآن پاک کی تلاوت نہیں کی ہے چنانچہ قرآن پاک کی تلاوت کر کے سو گئے اور جان جان آفریں کے حوالہ کی، یہ واقعہ سنہ ۹۸۹ھ کا ہے۔

شیخ عبد الغفور مانو رح

۸۲۸ھ ——— ۹۸۹ھ

جنات کو بلانے کے علم و عمل میں کامل تھے اور اپنے نفس پر پورا قابو رکھتے تھے، ہندوستان و خراسان کی خوب سیر و سیاحت کی، آپ اپنے نانا شیخ شمس الدین کے مرید تھے، ایک مرتبہ جنات اٹھا کر اپنے ملک میں لے گئے جہاں عرصہ تک آپ رہے ادھر آپکے گھر والوں کو یہ خیال ہوا کہ آپ کہیں سیر و سیاحت کرنے گئے ہیں، آپ جناتوں کی وضع قطع، رہن سہن اور ان کی زمین وغیرہ کو تفصیل سے بیان کرتے تھے اور ان کی زبان بھی بخوبی جانتے تھے، جناتوں کے شہر میں رہنے سہنے کی وجہ سے آپ کی شکل وصورت میں بھی کافی تبدیلی ہو گئی تھی، کوئی نیا شخص دیکھکر کبھی یہ نہیں کہتا کہ آپ ہماری زمین کے باشندے ہیں، آپ بہت زیادہ بوڑھے ہو گئے تھے اور سنہ ۹۸۹ھ میں انتقال کیا،

آپ کو عبد الغفور مانو کہنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ مانو آپ کی محبوبہ کا نام ہے اور وہ کوئی جناتنی تھی یا آدم زاد، آپ کو اس سے اتنی محبت تھی کہ اگر کوئی شخص

مانو کا لفظ ٹھیکری پر لکھ کر آگ میں ڈال دیتا تو آپ بے تحاشا آگ میں کود جاتے اور اگر کنویں میں وہ ٹھیکری پھینک دیتا تو آپ اس کنویں میں کود کر پانی کی تہ میں سے اس ٹھیکری کو نکال لاتے تھے۔

شیخ عبدالغفور مانو ہمارے خاندانی عزیز تھے، ایک شخص میرے والد بزرگوار کو آپ کے پاس دعا کرانے کی سفارش کے لئے بھی لے گیا، چونکہ شیخ عبدالغفور ہمارے رشتہ دار تھے اس لئے ہمارے ہاں کی اکثر بیبیاں کہا کرتی تھیں کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ کوئی شخص باہر سے ہمارے گھر میں آیا اُس نے غلہ وغیرہ اُٹھایا اور نوکروں کی طرح کام کاج کیا اور پھر وہ آنے والا گھر ہی میں غائب ہو جاتا تھا، کبھی یہ شیخ عبدالغفور مانو اپنے پیر و مرشد شیخ شمس الدین کے پاس اپنی پوری جماعت لئے اس طرح آتے کہ کسی کو پتہ نہ چلتا کہ یہ کون لوگ ہیں، اللہ آپ سب پر اپنی رحمتیں کرے۔

مولانا درویش محمد واعظ رحمۃ اللہ علیہ

۸۹۱ھ ———————— ۹۹۷ھ

بڑی ریاضت کرنے والے عبادت گذار، سالک و عارف اور صورت و سیرت کے لحاظ سے بھی درویش تھے، پوری عمر سلوک کی راہ، ریاضت میں گزاری، صاحبِ ذوق وشوق اور خوشگوار صحبت رہے، بانسری کی آواز پر درد و شورش کا اظہار کرتے اور اتنا روتے تھے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا، اصلی وطن ماوراء النہر تھا برسوں حرمین شریفین میں فقر و ریاضت مجاہدہ و عبادت کی زندگی بسر کی افغانوں کے عہد حکومت میں تقریباً ۹۵۵ھ میں آپ ہندوستان آئے اور یہاں کے اکثر و بیشتر مشائخین کی صحبت میں رہے پھر دہلی میں فقیروں کی طرح زندگی گزاری اور ۹۹۷ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار دہلی میں شیخ برہان الدین بلخی کے چبوترے کے پاس ہے، اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

مولانا بحثی رحمۃ اللہ

آپ کا نام محمد اور تخلص بحثی تھا، ابتدا میں بڑے آزاد تھے لیکن آخر عمر میں توفیق الٰہی کی بدولت راہ فقر د

ریاضت کی نعمت نصیب ہوئی، تیئیس سال تک مسلسل روزے رکھے اور ریاضت کرتے رہے۔ دہلی میں نظام الدین اولیاء کے قریب رئیس وقت مرزا محمد عزیز نے آپ کے لئے ایک خانقاہ بنوائی تھی آپ اسی میں مشغول عبادت رہا کرتے تھے اور وہیں دفن ہوئے،

آپ دہلی کی ویرانی گلیوں میں گشت کرتے تھے اور کشفِ قبور سے متعلق بہت سی چیزیں آپ سے منقول ہیں، بوقت وفات آپ باخبر اور بیدار دل تھے، اپنے وقت کے جواں سال عالم وفاضل، ادیب و مہذب، مقبول عام وخاص، درویشوں کے معتقد مولانا حسن کشمیری نے آپ کی تاریخ وفات یوں کہی ہے۔

قطعہ تاریخ

فات فی السبت شیخنا بجتی — کہ نبودش نظیر بے شک وریب
سال تاریخ آں ملک سیرت — فاتِ بجتی ۹۰۱ھ ندا رسید زغیب

بعض مجذوبوں کے حالات بلا لحاظ تقدیم وتاخیر

شاہ ابوالغیب بخاری رحمۃ اللہ علیہ

آپ حاجی عبدالوہاب کے فرزند تھے، مستی اور جذبہ وحال میں رہتے تھے، زمانہ طالب علمی میں دوسرے طالب علموں سے درس میں سبقت لیجانے کی خواہش کرتے اور کہتے آپ ہمیشہ پڑھتے رہیں گے اور مجھے اپنی فرصتِ وقت پر بھروسہ نہیں، خدا ہی جانے کیا حالت ہو، غرضکہ جلد از جلد آپ نے تمام مروجہ کتابوں پر عبور حاصل کر لیا۔

اس کے بعد آپ پر ایسا جذبہ طاری ہوا کہ سب کاموں سے ہاتھ اُٹھا لیا۔

حکایت ہے کہ دن بھر آپ کے گھر میں روٹیاں پکتی تھیں اور انگیٹھی گرم رہتی تھی، آپ نے ایک مرتبہ اپنے دونوں پاؤں اسمیں رکھدیئے اور بہت دیر تک اسمیں کھڑے رہے لیکن آپکے پاؤں پر گرمی کا کوئی اثر تک نہیں ہوا۔

حکایت ہے کہ ایک دن اپنے پیر کے پاس گئے اور کہا قسمت میں ہے نوکل پھر آدٗں گا، وہاں سے گھر لوٹ کر والدہ سے دریافت کیا کہ اماں جان! آپ جانتی ہیں کہ میں سید ہوں، والدہ نے کہا تم سید تمہارے باپ دادا سید، اس پر آپ نے کہا کہ میں نے باپ دادا کو کب پوچھا یہ بتاؤ کہ میں سید ہوں یا نہیں، اس کے بعد خادم کو بُلا کر کہا کہ تم اپنے آقا پر کس طرح روؤ گے، رو کر دکھاؤ چنانچہ اسی روز یا دوسرے روز دنیا سے رخصت ہوئے، باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

میاں معروفؒ

مشہور مجذوب تھے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کے قریب شیخ برہان الدین بلخی کے مقبرہ کے پاس والے پُرانے گنبد میں رہا کرتے تھے مستی اور حالت جذبے کے باوجود علم تکسیر میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک خاص نشانی تھی، جب شیر شاہ نے دہلی کے قلعہ کو ویران کیا تو آپ اس کو سنتے ہی ایسے غائب ہوئے کہ پھر آپ کا نشان تک نہیں ملا۔

شیخ علاؤالدین مجذوبؒ

وفات ــــــ ۹۴۷ھ

آپ کو شیخ علاول بلاول بھی کہتے ہیں، کشف حالات اور دلوں کی باتیں ظاہر کرنے میں اللہ کی نشانی تھے، جو کوئی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اُس نے ضرور کوئی نہ کوئی آپ کی کرامت دیکھی ابتدائے جوانی میں طالب علم تھے عرصہ تک سامانہ میں رہے طالب علمی کے زمانے میں دہلی میں بھی پڑھا، اس کے بعد جب جذبہ و حال طاری ہوا تو آگرہ چلے گئے، عرصہ تک مجرد رہے، آپ کی کرامتوں کو دیکھ کر لوگوں نے آپ کی خدمت کے لئے نوکر چاکر اور کنیزیں خرید کر دیں، آپ نے بلحاظ فطرت انسانی بعض کے ساتھ شادیاں بھی کیں جن سے کئی اولادیں ہوئیں۔

میرے چچا رزق اللہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اپنے چند لڑکوں کے غائب ہونے سے سخت پریشان تھا، میں ان کی خیریت طلبی کے لئے صدقہ دیتا یا قرآن کریم

پڑھنا یا کسی اسم الٰہی کا ورد کرنا چاہتا تھا، اسی پریشانی اور تردد میں شیخ علاؤالدین مجذوب کے پاس گیا تاکہ وہ جو کچھ بتائیں ویسا کروں چنانچہ مجھے دیکھتے ہی انھوں نے کہا، قرآن کریم سب سے زیادہ بہتر ہے، نیز چچا صاحب فرماتے تھے کہ ایک دن میں نے شیخ علاؤالدین سے کہا کہ مجھے کوئی شغل بتایئے جسے کرتا رہوں، جواب دیا کہ تمہارے لئے تختۂ عشق کافی ہے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں، نیز میرے والد بزرگوار فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میرا ایک دوست مجھ سے بچھڑ گیا مجھے اس سے ملنے کا بہت ہی شوق تھا اور وہ دہلی میں تھا، چنانچہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ میں اور میرا دوست دونوں علاول بلاول کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں، میں اپنے دوست کا ہاتھ پکڑ کر شیخ کے قریب آیا اور کہا اس جوان کے ہاتھ چومئے، شیخ نے جواب دیا تم خود چومو تم اس کے عاشق ہو اللہ قبول کریگا، دوسرے دن صبح سویرے میں شیخ کے پاس پہنچا دیکھا کہ وہ دروازے پر کھڑے ہوئے ہیں، دور سے مجھے دیکھ کر چیخے اور کہا جاؤ جلدی جاؤ وہ تمہارے مشتاق ہیں خیر دین خیر دین، چنانچہ میں فوراً ہی دہلی کے ارادے سے روانہ ہوا، میرے ساتھ کوئی خدمتگار وغیرہ نہ تھا جس کے لئے توقف کرتا چنانچہ فرح سرائے میں ٹھیرا، ایک شخص میرے پاس آیا میرے پوچھنے پر اُس نے کہا میرا نام خیر دین ہے میں دہلی جانا چاہتا ہوں اور آپ کی خدمت میں رہونگا، دوسری منزل پر پہنچنے کے بعد ایک دوسرا شخص میرے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ میں دہلی چلوں گا اور میرا نام خیر دین ہے، شیخ علاؤالدین مجذوب نے خیر دین خیر دین دو مرتبہ جو کہا تھا اسکا راز اب معلوم ہوا کہ یہ دونوں خیر دین ہمارے ساتھ رہیں گے ہم جب دہلی پہنچے تو ہمارے اس دوست نے اشتیاق ملاقات کا اظہار کیا اور ہم دونوں ملکر بہت خوش ہوئے آپکی تاریخ وفات علاؤالدین مجذوب ۹۴۷ ہے۔

مسعود نخاسی قدس سرہٗ

بدایوں میں ایک مشہور دیوانے تھے، شیخ نظام الدین رح کا بیان ہے کہ خواجہ زین الدین ساکن مدرسہ معزی نے ایک مرتبہ آپ سے کہا ہمیں کوئی فائدہ والی بات بتایئے، چنانچہ

مسعود نخاسی نے کہا، شراب منگاؤ، خواجہ نے اپنے غلام کے ذریعہ شراب منگوا کر آپکے سامنے رکھدی، آپ نے فرمایا دریا کے کنارے چلکر بیٹھیں گے، دونوں دریا کے کنارے جاکر بیٹھ گئے، مسعود نخاسی نے خواجہ سے کہا اُٹھ کر شراب پلاؤ، خواجہ نے جام بھر کر دیئے، دیوانے نے پیئے اور جب مست ہو گیا تو کہا، میں کپڑے اُتار کر پانی میں جاؤنگا چنانچہ دریا میں گیا اور وہاں سے نہا دھو کر نکلا اور کہا خواجہ یہ پانچ عادتیں اپنالو،

(۱) ہر ایک کے لئے اپنا دروازہ کھلا رکھو

(۲) خندہ پیشانی، کشادہ روئی اور خوش رہنے کا مظاہرہ کرنا

(۳) تھوڑا بہت جو کچھ میسر ہو اسمیں دریغ نہ کرنا اور دے دینا

(۴) اپنا بوجھ کسی پر نہ ڈالنا

(۵) لوگوں کے بوجھ کو اُٹھانا

شیخ حسن مجذوب رح

قصبہ ریری کے باشندے تھے لیکن اکثر و بیشتر دہلی میں سیر کیا کرتے تھے اور سلطان سکندر لودھی پر عاشق تھے کہتے ہیں کہ سلطان نے کئی مرتبہ آپکو جیل خانہ میں قید کیا مگر دوسرے ہی دن آپ دہلی کے بازاروں میں گشت کرتے دکھائی دیتے۔

ایک دن سلطان اپنے شاہی محل میں بیٹھا ہوا تھا کہ آپ وہاں اچانک آموجود ہوئے اس پر سلطان نے کہا بغیر اجازت کے یہاں کیوں آئے، جواب دیا میں تمپر عاشق ہوں تمہیں دیکھنے آیا ہوں، سلطان کے پاس انگیٹھی رکھی ہوئی تھی اُس نے آپ کی گردن پکڑ کر اسمیں رکھدی کافی دیر تک اسی حالت میں رہے پھر جو سر اُٹھایا تو تمام لوگوں نے دیکھا کہ آپکے چہرے اور گردن وغیرہ پر آگ کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

شیخ حسن بودلہ قدس سرہٗ

وفات ۹۶۴ھ

دہلی کے ایک قدیم رئیس کے فرزند تھے بچپن ہی سے مجذوب تھے دنیا کے طور طریقوں سے بے پروا تھے، عجیب وغریب حالت تھی، اکثر اوقات بالکل برہنہ رہتے اور آپکے عضو مخصوص میں انتشار پیدا نہیں ہوتا تھا،

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مٹی کا ایک غلہ دیوار میں چپکا ہوا ہے ، روپیہ پیسہ اور کپڑے اور جو کچھ آپکو ملتا وہ سب کا سب حاضرین اور قوالوں کو دیدیا کرتے تھے اس حالت کے باوجود آپ کی ظاہری صورت یہ تھی کہ مجلسوں میں جاتے ، ہر ایک کیجانب التفات کرتے اور بڑی دلچسپ گفتگو کرتے ، بعض علماء نے خواب میں دیکھا کہ شیخ حسن بودلہ دربار رسالت میں حاضر ہیں اور وضو کرا رہے ہیں ، بعض صاحبوں نے بیان کیا کہ ہم نے شیخ حسن بودلہ کو مکہ معظمہ میں دیکھا حالانکہ وہ دہلی میں موجود تھے ، آپ نے تقریباً سنہ ۹۶۴ھ میں وفات پائی ، آپ کا مزار دہلی بازار میں خواص خاں کے مقبرے کے پاس ہے یہ خواص خاں شیر شاہ سوری کے دوست تھے اور اپنے وقت کے صالح اور سخی لوگوں میں تھے ، بے انتہا صفات کے مالک تھے ، شاہ سلیم نے سنہ ۹۵۸ھ میں آپکو شہید کیا۔

شیخ عبداللہ ابدال دہلویؒ

آپ مشہور صاحب حال مجذوب بزرگ تھے ، بازاروں میں رقص کرتے ہوئے چلتے اور ہندی دوہرے اپنے حال کے مطابق پڑھا کرتے تھے آپ کے ساتھ لوگ دف اور ستار بجاتے ہوئے چلتے تھے۔

حکایت ہے کہ شیخ عبداللہ ابدال سخت بیمار ہوئے ، گھر والوں نے آپکی بغل میں ہاتھ ڈال کر اٹھایا اور آپکو گھر کی دہلیز پر بٹھا کر اندر آئے پھر تھوڑی دیر میں باہر جا کر دیکھا تو آپ غائب تھے ،

میرے چچا فرمایا کرتے تھے کہ میں گجرات گیا تو وہاں کے لوگوں سے شیخ عبداللہ ابدال کے ہندی کے بہت سے دوہرے سُنے ، اس پر میں نے کہا کہ وہ یہاں کس وقت آئے وہ تو دہلی میں تھے ، لوگوں نے جواباً کہا کہ وہ تو اکثر اوقات گجرات میں رہتے تھے وہ دہلی گئے کب ؟

شیخ عبداللہ ابدال ہمارے عزیز تھے اور ہمارے دادا صاحب کے بھانجے ہوتے تھے ، اپنے جذبہ مستی کے باوجود جب میرے دادا صاحب کو دیکھتے تو ان کیجانب متوجہ ہو کر کہتے کہ آپ تو ہمارے قریبی عزیز ہیں ، اس کے برخلاف اگر دوسرے بھائیوں

کو جو کہ مشرب محبت سے اجنبی تھے دیکھتے تو ان کیجانب بالکل متوجہ نہ ہوتے، اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

میاں مونگیر قدس سرہٗ

لاہور کے باشندے تھے، اپنے وقت کے مجذوب نفس گیر اور جذبۂ کامل کے مالک تھے، حاجی محمدؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں لاہور گیا اور میرے دوست شیخ حسن بودلہ اپنی محبت کے سبب میرے ساتھ تھے ایک مجلس میں ہم لوگ بیٹھے تھے کہ وہاں اچانک میاں مونگیر آپہنچے اور شیخ حسن بودلہ کو دیکھ کر کہا، تم یہاں کہاں سے آگئے؟ تمہیں لاہور سے کیا واسطہ؟ ان کے یہ کہتے ہی شیخ حسن بودلہ گریۂ وزاری کرنے لگے اور اتنا زیادہ رونا ہوا ان کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا تھا چنانچہ انھوں نے فوراً ہی وہاں سے بھاگ کر دہلی آکر دم لیا۔

بابا کپور مجذوب قدس سرہٗ

وفات ۹۷۸ھ

اصل میں کالپی کے باشندے تھے، ابتدا ہی میں سلوک کے راستہ دیکھ چکے تھے اور راتوں کو کمزور لوگوں کے گھروں میں جاکر اُن کے مٹکے بھرتے تھے، آخر کار ایک شخص کے ذریعہ سے آپکو جذب کی حالت نصیب ہوئی اور گوالیار میں رہنے لگے، فتوح کے دروازے آپ پر کھل گئے اور دنیاوالوں کے دل آپ کیطرف مائل ہو گئے۔

حکایت ہے کہ آپ اکثر و بیشتر استغراق کیحالت میں رہا کرتے تھے، ضروریاتِ انسانی کے وقت استغراق میں تھوڑا سا افاقہ ہوجاتا تھا، آپ کا دستور تھا کہ کئی کئی دن بعد تھوڑے سے دانے بطور غذا کھایا کرتے اور ستر چھپانے کی حد تک لباس پہنتے تھے، بعض وقت ذرا سا بھی کپڑا جسم پر نہ رکھتے، عمدہ اور قیمتی لباس جب آپ کو دیا جاتا تو وہ غریبوں کو تقسیم کر دیتے، مالداروں سے بہت ہی کم ملاقات کرتے دل کی دنیا سے آپ کا خاص تعلق تھا، آپ کی بہت سی کرامتیں دیکھی گئیں، تصوف میں شاہ مدار کے سلسلہ میں داخل ہوئے، آپ نے بہت سے اسرار بیان کئے ہیں

بعض فاضلوں نے آپ کی تاریخ "کیمور مجذوب" نکالی ہے۔

باین مجذوب رحؒ

اجمیر میں خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار پر پڑے رہتے تھے، اصل میں مالوہ کے باشندے تھے لیکن اجمیر میں آپکو جذب کی دولت نصیب ہوئی تھی۔

حکایت ہے کہ شیخ میاں حمزہ فرماتے تھے کہ میں توبہ کرنے کے ابتدائی زمانے میں جب خواجہ معین الدین کی زیارت کرنے کے لئے گیا تو باین مجذوب نے اپنے پاس بیٹھنے والے لوگوں سے کہا میاں آرہے ہیں! لوگ یہ سنتے ہی چاروں طرف دیکھنے لگے کہ کیا ہونے والا ہے، چنانچہ دُور سے مجھے دیکھ کر کہا وہ دیکھو، میاں آرہے ہیں، جب میں ان کے پاس پہنچا تو فرمایا میرے اور قریب آجاؤ، جب میں اُن کے بالکل قریب پہنچ گیا تو میری کمر میں بندھی ہوئی کٹار کو دیکھ کر کہا، یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ ہتھیار ہے اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اس کے بعد میرے پاس تھوڑی سی رقم تھی وہ نکال لی، تو فرمایا یہ کیا ہے؟ میں نے جواب دیا یہ زادراہ ہے اور یہ بھی سنت ہے، میرے پاس دو کنگھے تھے، میرے دونوں کنگھے نکال کر وہ کنگھا جو سر میں کیا تھا اس کو تو اپنے ہاتھ میں لے کر دھوپ کی جانب جھکایا اور جو کنگھا میں اپنی داڑھی میں کیا کرتا تھا وہ میرے ہاتھ میں دیدیا، چنانچہ ان کے اس اشارے کنایہ پر میں نے فوراً سر منڈوا ڈالا، اتنے میں شیخ احمد مجد کو اطلاع ہوئی، کہ قاضی کریم الدین کالڑ کا اپنا شہر چھوڑ کر یہاں آیا ہوا ہے تو وہ آئے اور مجھے اپنے گھر مہمان بنا کر لے گئے، اس دعوت میں باین مجذوب بھی شریک ہوئے، انھوں نے تمام دعوتیوں کو اپنے ہاتھ سے ایک ایک نوالہ دیا، جسے سب نے تبرک سمجھا، اس کے بعد انھوں نے اپنے سامنے کی پلیٹ اُٹھا کر مجھے دی اور کہا سبکو ایک ایک نوالہ اور میاں کو ساری پلیٹ، اس مجلسِ دعوت کے بعد سے لوگ مجھے "میاں" کہنے لگے اور اسی دن سے مجھ پر کامیابی کے دروازے کشادہ ہوگئے۔

حکایت ہے کہ سلطان بہادر شہزادہ اپنے والد شاہ گجرات سے خفا ہو کر اجمیر

آیا تو پہلے خواجہ چشت کے مزار پر حاضر ہوا، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ اجمیر میں کافروں کی حکومت تھی اور خواجہ کے مزار کو لوگوں نے مندر بنا رکھا تھا اور اسمیں بُت بھی رکھ لئے تھے، مزار خواجہ پر شہزادہ سلطان بہادر نے منت مانی کہ "اگر اللہ مجھ کو بادشاہ بنا دے تو میں ان کافروں سے اچھی طرح بدلہ لوں گا" میاں باین بھی وہاں موجود تھے، تو انھوں نے اپنی دایہ سے جسکا نام شاداں تھا کہا، "شاداں! شاداں! اونچا تخت بچھاؤ کیونکہ دریائے مُرغ آ پہنچا ہے" میاں باین کی اس بات کو شہزادہ سلطان بہادر نیک فال سمجھ کر اُلٹے پاؤں واپس ہوا، اور پھر بادشاہ بننے کے بعد اُس نے اپنی منت کے موافق اجمیر کے کافروں سے انتقام لیا۔

الہ دین مجذوبؒ

دفات ۹۴۶ھ

نارنول کے باشندے تھے اور صاحب نفس مشہور تھے اکثر اوقات نارنول کے بازاروں میں گھومتے پھرتے تھے، آپ کا مزار بھی نارنول ہی میں ہے، آپ جس جگہ بیٹھ جاتے وہاں سے کئی کئی دن تک نہ اُٹھتے، تنہائی میں خود سے باتیں کیا کرتے کبھی گریہ وزاری کرتے، کبھی ہنستے کبھی اپنے آپ سے لڑتے جھگڑتے، کبھی دو تارہ بجا کر فارسی چٹکلے کہتے، پُرانے چیتھڑے پہنتے اور ہاتھ پاؤں میں لوہے کی زنجیریں ڈالے رکھتے، گفتگو میں آپ کا تکیۂ کلام یہ تھا، خدایا آؤ، خدایا جاؤ، خدایا بیٹھو اور جس سے گفتگو کرتے یہ تکیہ کلام ضرور استعمال کرتے۔

مُلّا محمد نارنولی کہا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میری والدہ نے مجھ سے کہا ملا محمد! تم بچپن میں اتنے سخت بیمار ہوئے تھے کہ تمہارے بچنے کی کوئی اُمید نہ تھی چنانچہ ہمارے محلہ سے الہ دین مجذوب گزرا اور اُس نے ایک ٹھیکری ایک آدمی کو دے کر ہمارا پتہ بتایا کہ یہ ان کو دے دینا، چنانچہ وہ آدمی ہمارے پاس ان کی دی ہوئی ٹھیکری لایا اور میں نے اس ٹھیکری کا تعویذ بنا کر تمہارے بازو پر باندھ دیا اور اللہ تعالےٰ نے تم کو تندرست کر دیا، اس کے بعد تمہارے والد الہ دین کو گھر لائے تاکہ اس کو کچھ کھلائیں، الہ دین نے آکر کہا، خدایا کوئی چیز گرم خدایا کوئی چیز ٹھنڈی خدایا کوئی چیز کھٹی خدایا کوئی

چیز میٹھی، چنانچہ تمہارے والد نے فوراً ہی چاول پکوائے اور شکر دہی خدمت میں پیش کی، الہ دین وہ کھا کر چلا گیا۔

کہتے ہیں کہ بازار میں کیچڑ ہو گئی تھی، الہ دین جس کسی کے پاؤں میں کیچڑ لگی دیکھتے تو اسکا پاؤں صاف کر کے خود اپنے پاؤں میں کیچڑ مل لیتے۔

ملا محمد یہ بھی کہتے تھے کہ ایک روز میں کچھ پیسے نذرانہ کے طور پر لیکر الہ دین کو تلاش کرنے لگا، سب جگہ ڈھونڈا کہیں نہ ملے، اتفاقاً شہر کے باہر دیکھا کہ گھوڑے پر ایک آدمی چیتھڑوں میں لپٹا ہوا پڑا ہے، میں نے سمجھا کہ شاید کوئی مُردہ ہے لیکن قریب آکر دیکھا تو وہ چیتھڑے ہلنے لگے تب میں سمجھا کہ کوئی زندہ ہے، پھر اس کے بعد ان چیتھڑوں میں سے اس آدمی نے سر نکال کر کہا خدایا دیدہ جولائے ہو، میں جو کچھ لایا تھا ساری رقم ان کو دیدی۔ الہ دین مجذوب نے وہ رقم لے کر کہا، خدایا یہاں گھورا ہے واپس ہو جاؤ۔

الہ دین مجذوب نے پندرھویں شعبان ۹۴۶ھ کو صبح صادق کے وقت وفات پائی، آپ کی تاریخ وفات مجذوب صادق ہے۔
۹۴۶

شاہ منصورؒ

مندو کے کشف ظاہر اور مکمل تصرف رکھنے والے مجذوب تھے۔

حکایت ہے کہ محمد ہمایوں بادشاہ نے جب گجرات کا رُخ کرنا چاہا تو فال لینے شاہ منصور کے پاس بھیجا، جب شاہی آدمی شاہ منصور کے پاس آیا تو آپ نے اس کے ترکش سے ایک تیر نکال کر اس کے پر توڑے اور پھر وہ تیر واپس ترکش میں رکھ دیا، چنانچہ اُس نے واپس ہو کر بادشاہ سے ماجرا بیان کیا، جس پر بادشاہ نے کہا یہ اس چیز کی علامت ہے کہ ہم کو گجرات پر فتح نہ ہوگی۔ اور ہماری فوج پریشان ہو جائے گی نیز اسمیں اس چیز کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ہماری فوج اگرچہ پریشان اور تتر بتر ہو جائے گی لیکن ہماری ذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور ہم سلامتی سے اپنے مقام پر واپس آجائیں گے۔

حضرت شیخ عبدالوہاب بیان فرماتے تھے کہ برہان پور کے صاحب ولایت

شاہ بھکاری کے وضو کا پانی شاہ منصور نے پی لیا تھا تب سے ان کی یہ حالت ہوگئی، میں نے ابتدائے جب راہ سلوک میں قدم رکھا تو فال اور نصیحتیں لینے کے لئے شاہ منصور کے پاس گیا، میں ان کے پاس جاکر بیٹھا ہی تھا کہ انھوں نے پوچھا بھاکری پکا سکتے ہو؟ بھاکری عرف عام میں باجرہ کی روٹی کو کہتے ہیں جو عام طور پر فقیر اپنے ہاتھ سے پکاکر کھاتے ہیں اس کے بعد انھوں نے خود کہا کہ بھاکری پکانا مشکل ہے، محنت مشقت کر کے باجرہ لانا، اُسے چھڑنا پیسنا، خمیر کرنا پھر لکڑیاں جمع کرنا چولھا جلانا مشکل ہے یہ نہیں ہوسکتا، اور اگر ممکن ہوا بھی تو سر چہرہ اور بال جل جاتے ہیں، بھاکری پکانا مشکل ہے غرضکہ یہ الفاظ انھوں نے اپنی ہندی شکستہ زبان میں بار بار کہے، ان کے بار بار کے کہنے پر میں دل میں کہتا تھا کہ انشاء اللہ پکاؤں گا پھر تھوڑی دیر بعد انھوں نے سر اٹھاکر کہا پکا سکتے ہو تو پکاؤ۔ اور اس لفظ کو بھی انھوں نے تقریباً پچاس ساٹھ مرتبہ دہرایا، ان کے اس لفظ کے کہنے پر ہر مرتبہ میری ہمت فقر و تجرید میں تازگی پیدا ہوتی تھی غرضکہ میں ان کے پاس سے واپس ہوا اور اپنے کام میں مشغول ہوگیا۔

شیخ یوسف رح لاہور کے ایک مجذوب تھے، بلند قامت، موٹے تازے باہیبت اور صاحب عظمت پابند اوقات تھے، سر پر بڑا صافہ باندھتے اور سر منڈاتے تھے، صاحب کشف اور کشادہ باطن تھے۔

شیخ کہا کرتے تھے کہ ایک دن میں نے شیخ یوسف کو دیکھا جو لاہور کے نخاس میں کھڑے اونچی باتیں اور عجیب اسرار و رموز بیان کر رہے ہیں، میری بہت سی پوشیدہ باتیں بیان کیں جنھیں سوائے اللہ تعالےٰ کے دوسرا نہیں جانتا دوسرے دن پھر میں نے ان کے پاس جانے کا ارادہ کیا تاکہ اپنے سفر کے لئے نیک فال لے لوں، تلاش کرنے پر اپنی جگہ نہ ملے چنانچہ میں لوٹ آیا اور میں اپنا پورا ماجرا اپنے ساتھیوں سے بیان ہی کر رہا تھا کہ اچانک وہ وہاں آگئے اور میری طرف رُخ کر کے کہا ہرگز سفر نہ کرنا، مبارک نہیں ہے، وہاں کے آدمیوں نے کہا

بارہ سال کے بعد آج یہاں شیخ یوسف رح آئے ہیں، اس سے پہلے وہ کبھی اس جگہ سے نہیں گزرے، اللہ کی آپ پر رحمتیں ہوں۔

سوبھن مجذوب رح

صاحب حال و تصرف ایک مستانہ تھے، قوم کے کوری تھے اور مسلمان ہونے کے بعد مجذوب ہوگئے تھے۔

شیخ علاؤالدین اجودھنی کی خدمت میں رہے اور عرصہ تک قطب صاحب میں عبادت کرتے رہے، کبھی عرصہ دراز تک فاقہ کشی کرتے تھے اور کبھی ستوں کھاکر پوری مشک پانی پی لیتے، کبھی دیکھا گیا کہ چونے کی بھٹی میں پڑے ہوئے چونا کھا رہے ہیں لوگوں نے کہا، آپ یہ کیا کھا رہے ہیں یہ کھانا نہیں ہے تو جواب دیا کیا کروں اس بدقسمت کو کھانے کی بے انتہا حرص ہے اور خاک کے سوائے کسی چیز سے سیر نہیں ہوتا، اللہ آپ پر رحمت کرے۔

چند صالح خواتین

بی بی سارہ رح

شیخ نظام الدین ابوالمؤید کی والدہ تھیں اور متقدمین میں بڑی بزرگ بی بی تھیں۔

حکایت ہے کہ ایک مرتبہ خشک سالی ہوئی، سب لوگوں نے دعا کی مگر بارش نہیں ہوئی، شیخ نظام الدین ابوالمؤید نے اپنی والدہ کے دامن کا تاگہ اپنے ہاتھ میں لیکر کہا، اے اللہ یہ اس بزرگ خاتون کے دامن کا تاگہ ہے جس پر کبھی کسی نامحرم کی نظر نہیں پڑی، اس کے طفیل میں پانی برسادے، شیخ نے یہ جملہ کہا ہی تھا کہ پانی برسنا شروع ہوا، بی بی سارہ کا مزار پرانی عیدگاہ کے کنارہ پر ہے جس کے سرہانے کی جانب خواجہ قطب الدین کا مزار ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے

بی بی فاطمہ سام رح

اپنے زمانہ کی صالحہ، عابدہ اور صبر و شکر کرنے والی بی بی تھیں، بی بی فاطمہ کا تذکرہ شیخ نظام الدین اولیا اور آپکے خلفاء کے ملفوظات میں بکثرت موجود ہے،

کہتے ہیں کہ شیخ نظام الدین اکثر بی بی فاطمہ کے مقبرہ میں مشغول عبادت رہتے

رہتے تھے۔

شیخ فریدالدین گنج شکرؒ فرمایا کرتے تھے کہ بی بی فاطمہ سامؒ ایک مرد تھے جن کو اللہ نے عورتوں کی شکل میں بھیجا تھا۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرمایا کرتے تھے کہ شیر جب اپنے کچھار سے نکلتا ہے تو کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ نر ہے یا مادہ، انسانوں کو ان سے خوفزدہ ہونا ضروری ہے خواہ وہ نر ہو یا مادہ، پھر اس کے بعد بی بی فاطمہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا وہ نہایت بوڑھی اور صالحہ بی بی تھیں، میں نے خود اُن کو دیکھا ہے، بڑی پیاری بی بی تھیں، شیخ فریدالدین گنج شکر اور شیخ نجیب الدین متوکل اور بی بی فاطمہ، منہ بولے بھائی بہن تھے، ہر چیز کے متعلق حسب حال شعر کہا کرتی تھیں، مجھے ان کے یہ دو مصرعہ یاد ہیں۔

شعر

ہم عشق طلب کنی وہم جاں خواہی   ہر دو طلبی و لے میسر نشود!

شیخ نظام الدین فرماتے تھے میں نے بی بی سام کی زبانی خود سُنا ہے وہ کہا کرتی تھیں جو کوئی اللہ کے راستہ میں تھوڑی سی روٹی اور پانی کا گلاس کسی کو دیتا ہے تو اللہ اُس پر دین و دنیا کی ایسی نعمتیں نچھاور کرتا ہے جو لاکھوں روزے نماز سے بھی نہیں مل سکتیں، میر سید گیسو درازؒ نے اپنی ملفوظات میں لکھا ہے کہ شیخ نصیرالدین محمود کی مجلس میں ایک مرتبہ بی بی فاطمہ سام کی تعریف پر بات چل پڑی جس پر شیخ نصیرالدین نے کہا کہ بی بی فاطمہ سام اپنی وفات کے بعد ایک شخص کے خواب میں آئیں اور کہا کہ ایک دن میں دربار خداوندی میں تیزی کے ساتھ جا رہی تھی کہ مجھ سے آسمانی فرشتے نے آواز دیکر کہا، کون ہو، ٹھہر جاؤ، کتنی بیباکی سے جا رہی ہو، اور میں نے بھی قسم کھائی کہ جب تک اللہ تعالےٰ خود نہ بلائے گا میں بھی یہیں بیٹھی رہوں گی، کچھ دیر بعد ام المؤمنین بی بی خدیجہؓ اور بی بی فاطمہؓ دونوں تشریف لائیں، میں ان کے قدموں پر گر پڑی، ان دونوں نے فرمایا، اے فاطمہ سام! آج کیا بات ہے جو اللہ نے ہم کو تمہارے بلانے کے لئے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں

آپ کی لونڈی ہوں اور اس سے زیادہ میری عزت اور کیا ہوگی کہ آپ مجھے بلانے تشریف لائی ہیں، بات صرف اتنی ہے کہ میں نے قسم کھائی تھی۔ اس کے بعد فرمان الٰہی ہوا، کہ فاطمہ سام سچ کہتی ہے، تم دونوں بیچ میں سے ہٹو، اور اے فاطمہ سام میرے پاس آؤ، کہو کیا چاہتی ہو؟ میں خود آیا ہوں، جس پر میں فاطمہ سام نے عرض کیا اے اللہ! تیرے دربار میں ایسے بے ادب بھی ہیں جو تیرے پاس آنیوالوں کو پہچانتے تک نہیں یہ قصہ بیان کر کے خواب دیکھنے والے نے بلند آواز سے آہ کی اور اپنی قبر میں بیٹھ گیا۔

میر سید محمد گیسو دراز رح فرمارہے ہیں کہ خدمتگار کا گمان یہ ہے کہ حضرت چراغ دہلوی نے اپنی جانب کنایۃً اشارہ کیا ہے اور رسم قدیم کے موافق لفظ غائب (وہ) لکھا ہے

خیر المجالس میں مذکور ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء نے مولانا حسام الدین سے فرمایا اے حسام الدین! آج ہم نے ایک ابدال دیکھا، انھوں نے کہا حضور کہاں دیکھا؟ فرمایا آج میں بی بی فاطمہ سام کی زیارت پر گیا جو حوض والے قبرستان میں ہے، وہاں میں نے ایک آدمی دیکھا جو لکڑیوں کی ٹوکری سر پر رکھے حوض کے کنارے پر آیا، اُس نے لکڑیوں کا ڈھیر لگا دیا، پھر اس طرح وضو کیا کہ مجھے بے انتہا تعجب ہوا، غرض کہ اُس نے وضو کے بعد دو رکعت نماز بڑے سکون سے ادا کیں، مجھے اس کی پُر ذوق نماز پڑھنے پر بھی حیرت ہوئی، اس کے بعد اُس نے تین مرتبہ حوض میں ٹوکرا دھویا، پھر درود شریف پڑھ پڑھ کر ایک ایک کر کے سب لکڑیوں کو دھویا، اس کے بعد اس نے وہ دُھلی ہوئی ٹوکری پھر حوض میں تین مرتبہ ڈبو کر نکالی اور کنارہ پر رکھدی تاکہ اس کا پانی ٹپک جائے، یہ تمام ماجرا دیکھ کر میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنی پگڑی میں سے ایک اشرفی نکال کر ان کو دی لیکن انھوں نے قبول نہیں کی اور کہا مجھے معذور رکھئے، اس پر میں نے کہا آپ دو آنے کیخاطر اتنی تکالیف اور محنت کر رہے ہیں اللہ نے آپ کو ایک اشرفی بھجوائی ہے یہ کیوں نہیں لیتے؟ اس پر اُس نے کہا بیٹھو تو بتاؤں، چنانچہ ہم دونوں بیٹھ گئے اور اس نے کہنا شروع کیا، میرے والد بھی یہی کام کرتے تھے،

میرے بچپن ہی مین ان کا انتقال ہوگیا، اسوقت مجھے دین کے اتنے ہی احکام بتائے گئے تھے کہ میں پنجوقتہ نماز کے قابل ہوگیا تھا، پھر والدہ نے اپنے انتقال کے وقت مجھے اپنے پاس بلاکر کہا، میری گرہ میں ایک چیز رکھی ہے اسے نکالو، میں نے والدہ کی کمر سے وہ گرہ نکال کر اُن کو دی تو انھوں نے وہ گرہ کھول کر اسمیں سے کچھ روپے نکالکر مجھے دیتے ہوئے کہا یہ میرے دفن کفن وغیرہ کے لئے ہیں، پھر اس گرہ میں کی باقی رقم بیس روپے تھی، یہ بھی مجھے دیتے ہوئے کہا تمہارے والد کی تمام عمر کی کمائی یہی ہے یہ لو، اور باغ جاکر اس میں سے لکڑیاں اور سبزی خرید کر فروخت کرنا اور اسی پر گزر بسر کرنا اور اس کے سوائے کسی دوسرے طریقے سے کوئی چیز نہ لینا اور اسے اپنے استعمال میں لانا، جب اُس لکڑی والے شخص نے قصہ پورا سُنادیا تو میں سمجھ گیا کہ یہ ابدال ہے اور ابدال کسی سے کوئی چیز بطور نذر یا تحفہ وغیرہ قبول نہیں کرتے ہیں صرف مزدوری کرکے کھاتے ہیں۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ بی بی فاطمہ سامؒ کا مزار قصبہ اندرپت کے علاقہ میں ہے اور مرجع خاص وعام ہے، لیکن میں مؤلف اخبار الاخیار کہتا ہوں کہ بی بی فاطمہ سام کی قبر اب تک دہلی میں نخاس دروازہ کے اندر ایک کھنڈر میں ہے جس سے عام طور پر لوگ ناواقف ہیں الا ماشاء اللہ۔ بعض لوگ ان کو بی بی شام اور بعض بی بی صائمہ کہتے ہیں یہ دونوں غلط ہیں بلکہ ان کا اصلی نام بی بی فاطمہ سام ہے، اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

والدہ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ

بہت ہی بزرگ اور بڑی مستجاب الدعوات تھیں۔ حکایت ہے کہ شیخ فرید الدین رہ نے جب اجودھن میں سکونت اختیار کرلی تو شیخ نجیب الدین متوکل سے کہا جاؤ ہماری والدہ محترمہ کو دہلی سے لے آؤ شیخ نجیب الدین روانہ دہلی ہوگئے چنانچہ شیخ گنج شکر کی والدہ کو لارہے تھے کہ راستہ میں پیاس لگی، آپ ان کو کسی

درخت کے سایہ میں بٹھا کر خود پانی کی جستجو میں نکلے، واپس جب آئے تو دیکھا والدہ موجود نہیں ہیں، پریشان ہو گئے اور تمام واقعہ شیخ فرید الدین سے جا کر بیان کر دیا، شیخ فرید الدین نے ایصالِ ثواب کے لئے کھانا پکوانے کا حکم دیدیا، کچھ عرصہ بعد شیخ نجیب الدین کا اس راستہ سے گزر ہوا، جب اُس درخت کے پاس آئے تو خیال آیا کہ شاید والدہ کا کچھ پتہ ملے لیکن اُس درخت کے نیچے اُن کو کچھ ہڈیاں ملیں جو آدمی کی معلوم ہوتی تھیں انھوں نے ان ہڈیوں کو اُٹھا کر اپنے تھیلہ میں ڈال لیا اور دل میں کہا والدہ ماجدہ کو شاید کسی شیر نے مار ڈالا، غرضکہ وہ ہڈیوں کا تھیلہ لئے شیخ کے پاس آئے اور پھر پورا ماجرا بیان کیا، اس پر شیخ گنج شکرؒ نے فرمایا، لاؤ تھیلہ لاؤ، جب وہ تھیلا کھولکر جھٹکا گیا تو اسمیں سے ہڈی کا چُورا تک نہ نکلا۔

بی بی زلیخاؒ

شیخ نظام الدین اولیاء کی والدہ ماجدہ تھیں، شیخ فرمایا کرتے تھے کہ میری والدہ کو اللہ سے خاص تعلق تھا، جب ان کو کوئی ضرورت در پیش ہوتی تو وہ پہلے ہی اس کام کے متعلق خواب دیکھ لیا کرتی تھیں اور اس کام کو انجام دینے میں انھیں اختیار حاصل ہو جاتا تھا، میری خود یہ حالت ہے کہ جب کوئی ضرورت پڑتی ہے تو میں والدہ ماجدہ کے مزار پر جا کر عرض کرتا ہوں اور میرا وہ کام تقریباً ایک ہفتہ کے اندر ہی ہو جاتا ہے اور ایسا بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ اس کے پورا ہونے میں ایک مہینہ لگے، میری والدہ ماجدہ کو ان کی زندگی میں جب کوئی ضرورت ہوتی تو وہ پانچسو مرتبہ درود شریف پڑھ کر اپنا دامن پھیلا کر دعا مانگتی تھیں اور جو چاہتی تھیں ملجاتا تھا، میری والدہ ماجدہ اتنی مقبول بارگاہ تھیں کہ جب ہمارے گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو فرماتیں آج ہم اللہ کے مہمان ہیں، ان کی اس بات سے مجھے ایک خاص ذوق حاصل ہوا ہی تھا کہ اچانک کوئی آدمی ایک اشرفی کا غلہ ہمارے گھر ڈال گیا اور اتنے دنوں تک چلا کہ میں اس کے ختم نہ ہونے سے تنگ آگیا اور اس ذوق کا منتظر رہا کہ والدہ ماجدہ فرمائیں آج ہم اللہ کے مہمان ہیں، اُن کی اس بات سے مجھے وہ ذوق سکون و چین ملا جسے بیان نہیں کر سکتا۔

حکایت ہے کہ سلطان قطب الدین بن سلطان علاؤ الدین خلجی نے شیخ نظام الدین اولیاء سے جھگڑنا چاہا اور جھگڑنے کا ابتدائی سبب یہ ہوا کہ اُس نے قلعہ سیپری میں ایک جامع مسجد بنائی اور تمام مشائخین کو حکم دیا کہ وہ جمعہ کی نماز اس جامع مسجد میں پڑھیں شیخ نظام الدین اولیاء کو بھی وہاں آنے کی دعوت دی لیکن آپ نے جانے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے قریب کی مسجد اس کی زیادہ مستحق ہے کہ اسمیں نماز پڑھی جائے اس لئے میں یہیں جمعہ پڑھوں گا غرضکہ آپ مسجد سیپری جمعہ پڑھنے نہیں گئے دوسری وجہ مخالفت کی یہ ہوئی کہ بادشاہ کا یہ حکم تھا کہ ہر ماہ کی چاندرات کو تمام مشائخین، علماء، رئیس اور معززین شہر نئے چاند کی مبارکباد پیش کرنے بادشاہ کے حضور حاضر ہوتے لیکن شیخ نظام الدین خود نہ جاتے بلکہ اپنی طرف سے اپنے ملازم خاص اقبال کو روانہ کر دیا کرتے تھے، حاسد لوگوں نے یہ بات بھی بادشاہ سے لگاکر اُس کو اپکی دشمنی پر اور اُبھارا چنانچہ بادشاہ نے غرور میں آکر کہا کہ جو کوئی آئندہ مہینہ کی پہلی تاریخ کو نہیں آئے گا ہم اس کو سخت سزا دیں گے، شیخ کو جب یہ معلوم ہوا تو بغیر کچھ کہے ہوئے سیدھے اپنی والدہ کی قبر پر گئے اور دعا کرتے ہوئے کہا کہ اس بادشاہ نے مجھے سزا دینے کا عزم کیا ہے اگر وہ اپنے ارادہ میں کامیاب ہوگیا تو پھر آپکی زیارت کے لئے کبھی نہ آسکوں گا، یہ باتیں اپنی والدہ سے نازوادا کے ساتھ کر کے اپنے گھر میں آکر بیٹھ گئے، آئندہ مہینہ کی پہلی تاریخ کو اللہ کے حکم سے بادشاہ پر یہ مصیبت آئی کہ خسرو خاں پروان نے جو کہ مقربین دربار میں سے تھا بادشاہ کو قتل کر کے اس کی لاش محل سے باہر پھینکدی جیسا کہ مشہور ہے۔

حکایت ہے کہ نظام الدین اولیا فرمایا کرتے تھے کہ جمادی الثانی کی پہلی تاریخ کو میری والدہ دنیا سے رخصت ہوئی ہیں، میرا دستور تھا کہ ہر مہینہ کی پہلی تاریخ کو والدہ کے قدموں پر گر تا تھا چنانچہ ایک مرتبہ نوچندی کے دن چاند دیکھ کر میں نے والدہ ماجدہ کی قدمبوسی کی تو فرمایا آئندہ مہینہ میں کس کے قدموں پر سر رکھو گے ؟ میں سمجھ گیا کہ اب نہ رہیں گی، میری حالت غیر ہوگئی اور میں رونے لگا، اور روتے ہوئے کہا

اماں جان ! مجھ غریب بے چارہ کو کس کے سپرد کیجیئے گا ؟ فرمایا کل صبح بتائیں گے پھر فرمایا ، آج رات شیخ نجیب الدین متوکل کے گھر آرام کرو چنانچہ میں انکے حکم کے مطابق رات کو شیخ کے گھر میں چلا گیا ، شب کے اخیر حصہ میں جبکہ صبح ہونے والی تھی خادم نے آکر کہا کہ بی بی تمھیں بُلا رہی ہیں جب میں حاضر ہوا تو فرمایا کل تم نے ایک بات پوچھی تھی جسے بتانے کا میں نے وعدہ کیا تھا ، اب کہتی ہوں پھر میرا سیدھا ہاتھ پکڑ کر کہا اے اللہ ! اسے تیرے حوالہ کیا ۔ بس اتنا کہا اور جاں بحق ہوگئیں آپ کا روضہ مبارک شیخ نجیب الدین متوکل کے مقبرے کے پاس ہے اسی مقام پر اپنی زندگی میں رہا کرتی تھیں ، بی بی نور جہاں پر عام طور پر خواتین بکثرت جاتی ہیں اگر درحقیقت یہ بی بی نور کا مزار ہے تو اس کے عقب ہی والدہ مرحومہ کا مزار واقع ہے اللہ آپ سب پر اپنی رحمتیں نازل کرے ۔

بی بی اولیاءؒ اپنے زمانہ کی نیک عورتوں میں سے تھیں ، کہتے ہیں کہ چلّہ کھینچنے کے لئے آپ چالیس دن تک حجرے میں رہتیں ، اور ان کے دروازے بند کر لیا کرتیں تھیں اور اپنے ساتھ چالیس لونگیں بھی لیجایا کرتی تھیں اور جب چلّہ سے باہر نکلتیں تو لوگ دیکھتے کہ آپ نے صرف چند لونگیں کھائی ہیں اور باقی ویسی ہی بچی ہوئی موجود ہیں ۔

کہتے ہیں کہ سلطان محمد تغلق بادشاہ آپ کا پکا معتقد تھا ، باقی حال اللہ ہی جانتا ہے ، آپ کا مزار دہلی میں قلعہ علائی کے باہر واقع ہے ، آپ کی بکثرت اولاد ہے جن میں سے ہر ایک عورت کا نام اولیاء ہی ہے ۔

نیز آپ کی اولاد میں سے ایک شخص شیخ احمد نہایت پختہ کار تھے جو اکثر و بیشتر مشائخین کے صحبت یافتہ تھے ، اللہ آپ دونوں اور سب پر اپنی رحمتیں نازل کرے آمین

تکملہ

یعنی حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے خاندانی حالات

ہمارے جدِ امجد آغا محمد ترک بخاری سلطان الدین خلجی کے زمانے میں بخارا سے دہلی تشریف لائے چونکہ یہ اپنے قبیلہ کے سردار تھے اس لئے بہت سے ترک جو آپ کے مرید اور رشتہ دار تھے وہ بھی آپکے ہمراہ بخارا سے دہلی آگئے، بادشاہ کی نظرِ عنایت اور انکی مخلصانہ تربیت کے باعث عزت وشوکت کے بلند ترین منصب پر فائز ہوئے۔

سلطان علاؤالدین خلجی گجرات فتح کرنے کے ارادہ سے نکلا اور اپنے ساتھ چند امیروں اور آپکو بھی ہمراہ لیا، اور فتح کرنے کے بعد آپ کو وہاں رہنے کا حکم دیا، آخر کار ایک دن آپکی کسی امیر سے رنجش پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے آپ وہاں سے چلکر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور پہلے سے زیادہ عزت وعظمت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔

جب سلطان علاؤالدین خلجی کی حکومت ختم ہوئی تو ہمارے جدِ امجد اپنے فرزندوں کے ساتھ جوکہ فضیلت ذاتی اور کسبی کے مالک تھے سلطان قطب الدین اور سلطان محمد تغلق کے زمانے میں بھی لوگوں میں ممتاز نظر آتے تھے۔ اور اس آیت کے مصداق بنے ہوئے تھے المال والبنون زینت الحیٰوۃ الدنیا ترجمہ:۔ (مال وفرزند دنیاوی زندگی کی زینت ہیں)، اللہ نے آپ کو (۱۰۱)، نرینہ اولاد دی، ان کے علاوہ آپ کی زندگی میں آپکے پوتے وغیرہ بھی تھے لیکن کچھ عرصہ کے بعد ہی آپکے تمام بیٹے بحکم الٰہی انتقال کر گئے صرف ایک بڑا لڑکا ملک معزالدین زندہ رہا، اس حادثہ کی وجہ سے آپکی آسائش وفراغت سب کی سب رنج وغم سے بدل گئی آپنے حکومت کے بلند ترین منصب وعزت کو چھوڑ کر سیاہ لباس پہنا اور شیخ صلاح الدین سہروردی کی خانقاہ میں بغرض اعتکاف بیٹھ گئے، ایک عرصہ بعد آپ کو غیبی اشارہ ہوا کہ اہل وعیال کیطرف رجوع کیا جائے، نیز یہ کہ موجودہ فرزند ملک معزالدین کی بکثرت اولاد ہوگی اور تا قیام قیامت وہ باقی رہے گی، اللہ تعالیٰ نے ملک معزالدین کو انکے سو بھائیوں کی فضیلت، استعداد اور نعمتوں سے مالامال کیا اور بے انتہا صلاحیتوں سے نوازا اور اپنے بیٹے ملک موسیٰ کو اپنی دولت وغیرہ حوالہ

کر کے ۸۳۹ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے عیدگاہ شمسی کے عقب میں آپ کا مزار ہے۔

ملک موسیٰ بھی مملکت کے بڑے عہدہ دار اور رئیس وقت تھے ماوراالنہر گئے اور وہاں سے صاحب قران امیر تیمور گورگاں کے معز زعہدیدار کے طور پر دہلی تشریف لائے اور اپنے آباؤاجداد کا سلسلہ تازہ کیا اور دہلی میں سکونت اختیار کی پھر ان کی اولاد میں سے کوئی بھی باہر نہیں گیا۔

ملک موسیٰ کے کئی لڑکے تھے جن میں ایک کا نام شیخ فیروز تھا جو میرے والد کے حقیقی دادا تھے۔ یہ شیخ فیروز تمام فضائل ظاہری و باطنی سے موصوف تھے اور دینی وکسبی نعمتوں سے مالامال تھے فن جنگ میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے، جنگی ترکیبوں میں اپنی قوتِ طبع اور سلیقہ کے لئے بے نظیر تھے علم شاعری، دلیری، سخاوت، ظرافت، لطافت، عشق ومحبت اور دیگر صفات حمیدہ میں یکتائے روزگار تھے۔ نیز دولت وحشمت، عزت وعظمت میں شہرۂ آفاق تھے، ہمارے گھر میں شیریں کلامی، ذوق وظرافت آپ ہی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، آپ سلطان بہلول کے دورِ خلافت کے ابتدائی زمانہ میں بقیدِ حیات تھے، آپ نے سلطان حسین شرقی کی آمد اور سلطان بہلول سے جنگ کا قصہ نظم کیا ہے جو ہمارے پاس تھا لیکن اس وقت موجود نہیں ہے البتہ اس کے دو شعر یاد ہیں جو سلطان بہلول کو حسین شرقی نے مخاطب کر کے کہے ہیں۔

اشعار

ایا قابض شہر دہلی شنو — حیاتت چو خواہی ازیں جا برو
منم قابض ملک ما راست ملک — خداداد ما را خدا راست ملک

شیخ فیروز ۸۶۰ھ میں بہرائچ گئے تھے جہاں جنگ میں شہادت پائی اور وہیں دفن ہوئے، جنگ میں جاتے وقت آپ کی اہلیہ محترمہ نے کہا کہ اُمید سے ہوں آپ نے جواب دیا انشاء اللہ بیٹا پیدا ہوگا اور اس سے بکثرت اولاد ہوگی، پیٹ کے فرزند اور تم دونوں کو اللہ کے سپرد کیا، جنگ میں نہ معلوم کیا صورت پیش آئے، غرضکہ اللہ نے ان کو بیٹا دیا جس کا نام سعد اللہ تھا اور وہ میرے حقیقی دادا تھے یہ بھی اپنے والد محترم کی طرح فضیلت، لطافت، ظرافت خوش طبعی، عشق ومحبت وغیرہ میں ہمہ صفت موصوف تھے، بچپن ہی میں آپ کے چہرے و بُشرہ سے رشد وہدایت اور بزرگی کے آثار نمایاں تھے، علم کی دولت حاصل کرنے کے بعد

مصباح العاشقین شیخ محمد منگنؒ کے مرید ہوئے جو اپنے زمانہ کے کاملین میں سے تھے جنکا ذکر اس کتاب میں گزر چکا ہے غرضکہ ان کی خدمت میں رہ کر خوب ریاضت کی اور پیرو مرشد کی مہربانیوں کی وجہ سے اُن کے خلیفہ بنے اس کے بعد انھوں نے اپنے بڑے فرزند شیخ رزق اللہ کو بھی شیخ محمد منگن سے بیعت کرائی۔

میرے والد بزرگوار شیخ سیف الدینؒ فرماتے تھے کہ ہمارے والد ماجد شیخ سعداللہ ہر وقت ذوق وشوق، ریاضت ومجاہدہ اور فقر وطلب میں فنا تھے، راتوں کو جاگتے اور گریہ وزاری کرتے تھے اور عاشقانہ اشعار پڑھتے تھے ان میں سے امیر خسرو کے یہ شعر مجھے یاد رہ گئے ہیں جو اخیری راتوں میں پڑھا کرتے تھے۔

اشعار

ہمہ شب رود رہی راکہ مرا صبا نشستہ ہمہ کس بخواب راحت من مبتلا نشستہ
غرض ورای امکاں چہ خیال فاسد است ایں ہوس جمال سلطاں بدل گدا نشستہ

میرے چچا فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے والد بزرگوار سے دریافت کیا ابا جان! کبیر شاعر جو لئے سے پڑھا کرتا تھا یہ مسلمان تھا یا کافر؟ فرمایا موحّد تھا۔ اس پر میں نے کہا کیا غیر کافر مسلمان اور کافر بھی موحد ہوتا ہے؟ جواب دیا، ابھی یہ سمجھنا مشکل ہے انشاء اللہ آئندہ سمجھ جاؤ گے، غرضکہ دادا صاحب شیخ سعد اللہؒ نے بروز جمعہ ۲۲۔ ربیع الاول ۹۲۸ھ کو وفات پائی اور اسوقت میرے والد صاحب شیخ سیف الدینؒ کی عمر ۸ سال کی تھی والد ماجد فرماتے تھے کہ جب ہمارے والد بزرگوار کا وقت قریب آیا تو مجھے نماز تہجد کے وقت کوٹھے پر لے گئے نماز تہجد پڑھ کر مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور کہا، اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے اپنے دوسرے لڑکوں کی تربیت کی اور انکے حقوق ادا کئے لیکن اس کو یتیم، بیکس چھوڑے جا رہا ہوں ابھی اس کے حقوق ادا کرنا میرے ذمہ تھے اس لئے اس کو تیرے حوالہ کر رہا ہوں، تو ہی اسکا محافظ ہے یہ دعا کر کے فوراً ہی کوٹھے سے اُتر آئے۔

غرضکہ دادا صاحب کے وصال کے بعد میرے والد بزرگوار شیخ سیف الدینؒ میں اپنی ذاتی استعداد اور والد صاحب کی دعا کی برکت سے آثار ترقی نمودار ہونے لگے، آپ

نے اپنے بھائیوں کی موجودگی میں اپنی والدہ کی خوب خدمت کی، خرچ کی تنگی اور دیگر موانع کے باوجود تعلیم حاصل کرنے لگے، شاعری، فضیلت، قبولیت، ذوق وشوق، محبت والفت خوش طبعی، بے تعلقی، خوش کلامی، حضورِ قلب، ذکرِ الٰہی، لطائف وظرائف، باریک بینی اور دُور رسی میں یکتائے زمانہ اور ملک کی یادگار ثابت ہوئے۔

شہر والے کہتے تھے کہ دلّی ان بھائیوں کی وجہ سے دہلی ہے، مقام عقل وتمیز کو پہنچنے کے بعد والد صاحب نے درویشانہ طریقہ اختیار نہیں کیا، نیز درویشوں کی خدمت کا انھیں خیال تک نہ ہوا، باوجودیکہ اپنے ہم عصر رئیسوں اور مالداروں سے اپنی کفافِ معیشت کے حصول میں ملتے جلتے رہتے تھے لیکن ان میں سے کسی کو بھی آپ کے فقر وغنا کا علم نہ ہو سکا، شہر کے صرف گنے چنے لوگ ہی میرے چچا صاحبان اور والد بزرگوار کے حالات درویشانہ سے واقف تھے، باقی شہر بھر کے تمام لوگ ان کے علم وفضل، سخن فہمی، سخن شناسی، سخن گوئی، خوش مزاجی کی تعریف کرتے اور اسی اعتبار سے اُن سے واقف تھے، ہاں جو ان کی خلوت کے ساتھی تھے وہ ان کے فقر وغنا سے واقف تھے اور باوجود تمام ظاہری اور باطنی وسیلوں کے دنیا کی شوکت وحشمت کی طرف رُخ نہیں کرتے تھے بلکہ تمام ہمت اور پوری نیت کے ساتھ صرف قلب اور باطن کی جانب متوجہ رہتے تھے، قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہمیں دنیا کی طلب، مال ودولت کی زیادتی مالداری اور سرمایہ داری کا شوق نہیں ہے کیونکہ ہمارا دلی رجحان صرف محبت الٰہی اور فقر کی طرف ہے، جب نفس کی گفتگو ہوتی ہے تو ادھر دل لگا جاتا ہے، نیز فرماتے تھے کہ مجھے ان لوگوں پر حیرت آتی ہے جو اپنا اعتبار بڑھانے کے لئے لوگوں کے کام کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ لوگوں سے کیا واسطہ، صرف خدا سے وابستہ رہنا چاہئے، فرماتے تھے کہ مجھے سات سال کی عمر سے جس میں ادراک، شعور اور عقل کی ابتداء ہوتی ہے، دردِ محبت، طلب الٰہی اور معرفت کا شوق دامنگیر تھا اور اسی ذکر وفکر میں عمر بسر ہوئی ہے، نیز فرماتے تھے کہ مجاہدہ اور ریاضت کے زمانے میں مَیں نے وہ حالات دیکھے ہیں جن کا اظہار نہ کرنا ہی اسرار اور رازداری ہے اور یہی چیز فقیروں کے لئے ضروری ہے

فرماتے تھے کہ دنیا کی لذت کی مثال بالکل لذت احتلام کی طرح ہے جو ایک لمحہ بعد

زائل ہو کر اپنی کثافت و کدورت باقی رکھتی ہے، نیز فرماتے تھے ابتدائی زمانہ میں نسبت یادداشت برقرار رکھنے کی کوشش کیا کرتا تھا اور اب یہ حالت ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی غافل ہونا چاہوں تو یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے، علاوہ ازیں ابتدائی زمانہ میں مجھے اس راہ میں ایسی مشکلات درپیش ہوئیں کہ جان نکلنا باقی رہ گیا تھا اور اتنی وحشت ہوتی تھی کہ اپنی جان دیدی جائے، میں نے اکثر ارادہ کیا کہ کسی کنوئیں میں کود پڑوں اور اس کشمکش سے نجات پاؤں لیکن پروردگار نے اپنی مہربانی سے مجھ پر معرفت کے دروازے کھول دیئے اور اس حقیر نالائق کو گرانمایہ نعمتوں سے سرفراز فرمایا، آپ فرماتے تھے کہ سالکان تصوف جو نوافل ومستحبات ادا کرتے ہیں میں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی ہے مگر اللہ نے مجھے عاجزی حسرت، ندامت اور نیستی کی نعمت سے سرفراز کیا تھا کاش یہ سب بارگاہ الٰہی میں قبول ہوجائے اور یہ جملے آپ نے اس مجلس میں کہے جبکہ مشرب قلندریہ کا آپکے سامنے تذکرہ ہوا اور آپ سے کہا گیا تھا کہ آپ نے زیادہ سے زیادہ نوافل ومستحبات ادا نہیں کئے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ فرائض کی تکمیل کرتے، دوسرے لوگوں کے رسوم وعادات ناجائز کو ناکارہ فرماتے اور قلب کو اللہ کیجانب مائل کرتے تھے۔ فرماتے تھے میں بذاتہ کچھ نہیں ہوں اور جو کچھ ہوں وہ اسی راہ معرفت کے مشرب کے سبب سے ہوں۔

آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ سے نسبت وارادت تھی اور دوسرے سلسلوں کے ذریعہ بھی اجازت ونسبت حاصل تھی، مشغولی باطن کیوجہ سے آخری عمر میں سلسلہ نقشبندیہ پر قائم ہوگئے تھے اور زیادہ سے زیادہ آپ پر مشرب توحید غالب تھا۔

فرماتے تھے جب میں بڑے بڑے علماء اور فضلاء کو طلب عزت وجاہ اور کثرت اموال میں لوگوں سے لڑتے ہوئے دیکھتا ہوں تو خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ بہت زیادہ پڑھ کر بہت بڑا آدمی نہ بنا،

اکثر اوقات احقر سے فرماتے تھے کہ علمی بحثوں میں کسی سے تکرار نہ کرنا اور نہ کسی بھی شخص کو مشقت میں ڈالنا، اور اگر فریق مخالف حقیقت پر ہو تو اس کی بات بلا چون وچرا مان لینا، اور جب تم حقیقت وصداقت پر ہو تو اپنے فریق مخالف کو دو تین مرتبہ سمجھانا تاکہ وہ

صداقت قبول کرلے ورنہ آخر میں اس سے کہو کہ ہمیں یہی بات معلوم ہے جو ہم تم سے کہہ رہے ہیں اور ممکن ہے کہ جو تم کہہ رہے ہو وہ بھی امر واقعہ ہو لیکن اصل نزاعی مسئلہ صداقت و بطلان کا باقی رہ جانا ہے اور اگر یہ گفتگو تمہارے کسی استاد یا پیر سے ہو تو ان سے اپنی محبت اور خوش اعتقادی کو برقرار رکھو اور کسی صورت میں بھی ان سے جنگ نہ کرو، ان سے تعصب نہ کرو کیونکہ محبت کرنے والوں کا کام ہی یہ ہے کہ وہ محبت سے کام لیں، یاد رہے کہ اساتذہ و مشائخ کی محبت ہی سود مند ہے اور لڑائی جو کی جاتی ہے وہ اپنے نفس کے لئے ہوتی ہے دوستوں سے کوئی نہیں لڑتا۔

آپ فرماتے تھے کہ سالکانِ طریقت کو چاہیئے کہ مشائخ کے اقوال پر اعتماد کرے اور کامل طور پر انکے احکام پر کاربند رہے اگرچہ اس مسئلہ میں اختلاف رکھتا ہو لیکن اسکی بابت کوئی شک و شبہ نہ کرتے ہوئے پیر و مرشد کے حکم پر آمنّا و صدّقنا کہے، نیز یہ وہ راستہ ہے کہ اسمیں شروع ہی سے پیر و مرشد کے کہے کو بے چون وچرا ماننا رہے۔ ورنہ آگے چلکر اس کے لئے نقصان کا سبب ہوتا ہے، پہلے تو پیر و مرشد کی پیروی و اعتقاد میں مشغول رہے اور پھر رفتہ رفتہ ان کی صحبت اور اپنے ذوق و شوق فطرت سلیمہ کے مطابق تحقیق و یقین کے مرتبہ پر فائز ہو جائے

فرماتے تھے کہ ابتداءً مجھے بھی مسئلہ توحید میں ایک قسم کا تردد تھا، میں اپنے دل میں کہتا تھا کیا اتنے علماء کرام اور مشائخ عظام جو توحید کا اعتقاد رکھتے ہیں یہ سب گمراہی پر ہیں۔ ان بزرگوں کے سامنے میری کیا ہستی ہے، اب حالت یہ ہو گئی ہے کہ لاکھوں حیلے بہانے کروں تب بھی راہ توحید کے بارے میں مجھے کوئی شبہ نہیں ہوتا

فرماتے تھے میں جب کسی کی جانب نظر کرتا ہوں تو پہلے اسمیں ایک اجمالی بسیط نور کی کیفیت دکھائی دیتی ہے اس کے بعد تفصیلی حالات و کوائف اس شخص کی صورت و شخصیت ظاہر کرتے ہیں۔

آپ کی علالت کے آخری زمانے میں آپکے ایک دوست تیمارداری کے لئے آئے، ب نے اُن سے فرمایا دوست! جانتے ہو مشاہدہ کی کیا حالت ہے واقعہ یہ ہے کہ اللہ مظاہر کونیہ میں اس طرح دیکھتے ہیں جیسے آئینہ میں صورت اس طرح دیکھی جائے کہ آئینہ

درمیان میں نہ رہے اور صورت پیش نظر رہے ، فقیروں کی اس دنیا میں دید کی یہی صورت ہے اور آخرت میں انکے دیکھنے کا ایک دوسرا ہی طور ہے۔

طریقت کے کئی راستے ہیں اور صاحبانِ ہمت نے متفرق راہیں اختیار کرلی ہیں لیکن اصلیت یہ ہے کہ معیت حق کو اس طرح پیش نظر رکھا جائے کہ کسی وقت کسی معاملہ اور کسی چیز میں غیر حق نہ دکھائی دے اور فوراً ہی اس دیدار الٰہی سے خیال منتشر نہ ہوجائے ہاتھ سے دنیا کے کام کرتے رہو اور دل کو یار کیطرف لگائے رکھو۔

شعر

دائم ہمہ جا با ہمہ کس در ہمہ کار　　می دار نہفتہ چشم دل جانب یار

ترجمہ :- (ہر جگہ ، ہر شخص کے ساتھ اور ہر کام میں اپنے دل کی آنکھوں کو یار کیطرف لگاؤ)

اللہ کی معرفت کو اس طرح سمجھنا چاہیئے کہ اس نے ہمکو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے ، اس طرز پر عمل کرنے کا اُس نے حکم دیا ہے کہ اس کی رویت کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دے اور دنیا دی طور پر مطلق اللہ کی پاکیزگی ، رویت اور اعتبار دنیا والوں کی آنکھوں میں محفوظ ہے فرماتے تھے جب تک حقیقت کے معنی مثالی طور پر معلوم نہیں ہوتے اسوقت تک شک شبہ آتا ہی نہیں ہے فرماتے تھے کہ یہ دولت مجھ کو شیخ امان اللہ رح سے حاصل ہوئی

فرماتے تھے کہ میں کتنی ہی کوشش کروں کہ معنی توحید کے سوائے کسی اور صورت ظاہر ہو لیکن اسکا امکان ہی نظر نہیں آتا ، وحدت سے کثرت میں آنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے لیکن فطرت سلیم بتاتی ہے کہ یہ صورت بھی فطری طور پر صاحبان فطرت سلیمہ کو میّسر ہوتی ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذوق صحیح اور فہم سلیم عنایت کردیتا ہے۔

فرماتے تھے کہ حضور و توجہ اور ذکر و اذکار کی حالت بھی غفلت کے منافی اور برعکس ہے حضور و توجہ کی صحیح نسبت حاصل ہوجانے کی علامت یہ ہے کہ خورد و نوش ، غضب و نزاع کے وقت بھی ہر ایک شخص سے ہوشیار رہے اور توجہ و حضوری قلب کو کسی قیمت پر ہاتھ سے جانے نہ دے۔

فرماتے تھے جب چاہو میرا امتحان لے لو کہ میں اس نسبت سے واقف ہوں یا نہیں ،

ایک مرتبہ دو فقیر باہم ایک دوسرے کے حضور قلبی کا امتحان لینا چاہتے تھے چنانچہ وہ دونوں ایک دن ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور میں وہاں پہنچا تو انمیں سے ایک نے کہا اس آنے والے کو پہچانتے ہو؟ دوسرے نے کہا ہاں وہی ہے جسے تم جانتے ہو انکے اس سوال و جواب سے مجھے معلوم ہوا کہ آگاہی و حضور قلبی کی گفتگو تھی چنانچہ میں نے اپنے دل میں کہا، میں اپنے بارےمیں ان دونوں کے حضوری قلب کا امتحان لونگا، میں ابھی اس خیال میں تھا کہ ایک نہایت شاندار بارعب بزرگ اچانک اس مجلس میں آگئے ان دونوں میں کسی ایک نے دوسرے سے کہا، ان بزرگ کو جانتے ہو یہ کون ہیں؟ دوسرے نے جواباً کہا بخدا میں ان سے واقف نہیں، اس پر پہلے والے نے کہا یہ بھی وہی شخص ہیں جنھیں تم جانتے ہو اور مقام غفلت میں ہوشیار رہنا نہایت دشوار و مشکل ہے۔

فرماتے تھے خور و نوش بھی ایک قسم کی غفلت ہے اور شخص ہشیار کا مشاہدہ ہے کہ وہ غذا کی لذت، اس کی آمد لذت کی وجہ اور غذا دینے والے کی لذت سے بھی واقف ہوتا ہے۔

فرماتے تھے کتابت و تحریر کی حالت بھی عجیب مشاہدہ دکھاتی ہے پردۂ غیب سے مختلف حروف اپنی متفرق صورتیں خارج سے وجود میں لاتے اور وحدت علم و ارادۂ قلبی کی عجیب و غریب مثالی صورتیں وحدت سے کثرت میں ظاہر کرتے ہیں اور اپنے تمثالی و عملی وجود سے احکام و آثار و ماہیت کے ذریعہ علمی صورتیں جلوہ گر کرتے ہیں۔

فرماتے تھے مطابق مقصود تمثالی کی ایک مثال حضرت جبریل کا دحیہ کلبی کی صورت میں نمودار ہوتا ہے، یہاں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ جبریل اپنی برتری، قدرت، ارادہ کاملہ کے باوجود احکام کی تعمیل کے پیش نظر بصورت افادی جلوہ گری کرتے تھے اور دحیہ کلبی کے مانند جسم و لباس اختیار کر کے بارگاہ رسالتؐ میں حاضری دیا کرتے تھے اور اسی کے ساتھ وہ اپنی ذات میں بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل اور حلول کے موجود رہا کرتے تھے بحکم الٰہی جبریل چاہیں تو ایک ہی وقت میں ہزاروں صورتوں میں ظاہر اور نمودار ہو سکتے ہیں بغیر تشبیہ، اسی طرح اللہ تعالیٰ مظاہر صوری و معنوی میں جلوہ گر ہے اور حقیقت بھی یہی ہے

کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کو اپنے حلقہ میں لئے ہوئے ہیں۔

فرماتے تھے ہمارے شیخ امان اللہؒ اس جملہ کو بار بار کہتے تھے، اللہ تعالےٰ اپنی وحدت واطلاق کے باوجود ہر ایک ذرہ میں موجود اور کارفرما ہے، نیز والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ نور کی تقسیم کرنا اور اسکے ٹکڑے ٹکڑے کرنا محال ہے، اگر ایک چراغ سے ہزاروں چراغ روشن کریں تو پہلے والے چراغ کی روشنی میں کوئی کمی نہیں آئے گی، اسی طرح وجود باری تعالیٰ ہے تمام کا مصدر ہونے کے باوجود اپنی حالت تجرد واطلاق پر قائم و برقرار ہے۔

فرماتے تھے روحیں کیا چیز ہیں؟ سنو! یہ اللہ کی مہربانیوں اور اس واجب الوجود کے تعیّنات کے حصے ہیں جو مختلف ماہیتوں میں تقسیم ہوئے ہیں اور یہ تقسیم اس قسم کی نہیں ہے جسے عقل وشعور اپنے دوسرے مقتضیات پر محمول کرے، اس عبارت کو آپ نے پھر ایک اور مثال سے اچھی طرح واضح کردیا، فرمایا، تم نے دیکھا ہوگا کہ بچے ایک ہانڈی میں بہت سے سوراخ کرکے اسمیں جلتا ہوا چراغ رکھتے ہیں جس کی روشنی اس ہانڈی کے سوراخوں میں سے نکلتی رہتی ہے اور وہ چراغ اپنی اصلی روشنی برقرار رکھتا ہے جس کی روشنی میں کسی قسم کا تجزیہ تقسیم اور حصے نہیں ہوتے۔ بلاتشبیہ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کا وجود اپنے اطلاق حقیقی پر باقی قائم و برقرار ہے اور کائناتی ماہیتوں کے روزنوں اور دریچوں سے تاباں و درخشاں ہے

فرماتے تھے علماء و مشائخ کا بیان ہے کہ عالم اس سے ہے اور اس پر ہے بلکہ تمام اشیاء اس سے ہیں، زیادہ اچھا کہنا یہ ہے کہ عالم اللہ سے ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ دل کا کام ہے اسکو زبان سے کوئی تعلق نہیں ہے زبان سے صرف وہی کہنا چاہیئے جو شریعت کے بالکل موافق ہو اور اگر بنظر غور دیکھا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ عالم اس سے ہے اور یہ سب اس سے ہیں ایک معنی میں ہیں،

فرماتے تھے اللہ کے سوا کون چیز ہوسکتی ہے اور کیسے ہوسکتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَیْئًا۔ جو چیز عدم سے وجود میں آئی وہ اللہ تعالےٰ کی وجہ سے آئی، اللہ تعالےٰ جیسا تھا ویسا ہی اب بھی ہے یعنی وہ پہلے بھی اللہ تھا اور اب بھی اللہ ہی ہے۔ اور اس کے ساتھ کوئی چیز اس کی شریک نہیں ہے۔

شعر

کجا غیر و کو غیر و کو نقش غیر　　سوی اللہ واللہ ما فی الوجود

ترجمہ:- (کہاں ہے غیر اللہ اور کہاں ہے نقش غیر اللہ، بجز اللہ تعالیٰ کہ وجود میں موجود ہی) فرماتے تھے لوگ ہمارے سامنے اللہ کی بابت کچھ ہی کہیں ہم تو اس سے توحید کے معنی ہی سمجھتے ہیں، عالم کا مخلوق ہونا یا اللہ کا مظہر ہونا ان دونوں جملوں کا مطلب ہمارے نزدیک بالکل ایک ہے۔ اپنی جوانی میں اس قسم کی باتیں کرنے سے ذوق حاصل ہوتا ہے لیکن اب جو کوئی اس طرح کی باتیں کرے تو اس کے منہ پر طمانچہ مارنے کو جی چاہتا ہے تاکہ پھر وہ اللہ کی توحید مطلقیت و موجودگی کے بارے میں کوئی غیر غلط بات نہ کہے۔

فرماتے تھے کہ ان باتوں کے اظہار میں کیا فائدہ ہے بجز شریعت کی بیحرمتی اور اپنا ضرر ہاں اس آدمی کے ساتھ اظہار کرنے میں کوئی خرابی نہیں ہے جو کہ ہمراز اور ہمدم ہو۔

میرے والد بزرگوار اپنی فطرت کے لحاظ سے عشق و محبت کا مشرب رکھتے تھے انھوں نے فرمایا ہے۔

مصرعہ

کہ ایں لذت بشیر آمد درون باجاں بروں آید

اور ان کی خود بذاتہ یہی کیفیت و حالت تھی، وہ فرماتے تھے کہ میں اپنی پانچ چھ سال کی عمر میں مکتب جایا کرتا جہاں ایک لڑکا میرا ہی ہم عمر تھا، مجھے اس سے بیحد عشق تھا لیکن کیفیت یہ تھی کہ میں اس وقت عشق کی حقیقت سے بالکل بے خبر تھا، میری عمر کا ایک لمحہ بھی عشق بازی کے بغیر نہیں گزرا ہے، اب بھی آتش عشق سے میرا دل کباب ہے، بڑھاپے میں چونکہ عشق بازی باعث رسوائی ہے اس لئے اپنے کو دور رکھتا ہوں۔

والد ماجد فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم قلعہ تغلق آباد کے اوپر بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک ایسے آدمی پر نظر پڑی جس سے ہمکو لگاؤ تھا، اس کو دیکھتے ہی ہم زمین پر گر گئے، اس وقت تو قلعہ پر سے زمین پر گرنے کی چوٹ محسوس نہیں ہوئی لیکن اب بڑھاپے کی وجہ سے ان چوٹوں کا درد محسوس ہو رہا ہے، میرے والد بزرگوار اور چچا صاحب دونوں جب خلوت میں ہوتے تو ذوق و حال ان پر طاری رہتا، یہ درد آمیز باتیں اور دل آویز

واقعات بیان کرتے لیکن اسوقت کسی شخص میں بھی ذوق وحال نظر نہیں آتا ان بزرگوں کی مجلس شروع سے اخیر تک عشق ومحبت سے بھرپور رہا کرتی تھی۔

چچا صاحب شیخ رزق اللہ کی مثال اُس چنگاری کی طرح تھی جو راکھ میں چھپی ہوتی ہے اور ذراسی تلاش پر وہ انگارہ بن جاتی ہے۔

والد ماجد اس پانی کی طرح تھے جو ٹپک کر ایک جگہ جمع ہو گیا ہے، ذرا سا ہاتھ لگنے پر بہنے لگے، آپ بہت ہی نرم دل اور سریع التاثیر تھے، جب بھی درد ومحبت کی کوئی گفتگو ان کے سامنے کی جاتی تو وہ متأثر ہو کر گریہ وزاری کرنے لگتے تھے، میں نے خیام کی یہ رباعی جب ان کے سامنے پڑھی تو ان پر جذب کی کیفیت طاری ہوگئی اور گریہ وزاری کرنے لگے۔ حالانکہ میں اس رباعی کو روزانہ بارہ مرتبہ پڑھتا ہوں۔

رباعی

ایں کوزہ چو من عاشق زارے بودہ است	در بند سر زلف نگارے بودہ است
ایں دست کہ درگردن اوی بینی	دستے است کہ درگردن یارے بودہ است

والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ مجلس سماع میں حال وجذبہ صرف ایک لمحہ کے لئے پیدا ہوتا ہے اور اسوقت عقل وشعور بالکل مفقود ہوتا ہے، اس کی مثال بالکل اس بجلی کی چمک کی طرح ہے جو ایک لمحہ رہ کر ختم ہوتی ہے، غرضیکہ ایک لمحہ کے اثرات سے جو حال، جذبہ، گریہ وتجلی لطیف پیدا ہوتا ہے وہ ایک دو منٹ یا دس گیارہ منٹ تک رہتا ہے اس سے زیادہ اس کی تاثیری قوت اور کیا ہو سکتی ہے؟

فرماتے تھے کہ فقہاء کا یہ کہنا کہ سماع نفاق پیدا کرتا ہے، میری سمجھ سے باہر رہا، نفاق ومنافقت کو گانا سننے سے کیا تعلق؟ سماع کے وقت تو خود اپنی ہی خبر نہیں رہتی، اس حالت میں نفاق کی آمیزش کیسے ہوتی ہے؟ اور یہ حال خاص بندگان الٰہی کا ہے کہ وہ اس کی یاد میں محو ہو جاتے ہیں باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

میرے والد بزرگوار اور چچا صاحب قبلہ کی یہ حالت تھی کہ یہ دونوں جب کسی کیجانب توجہ کرتے یا اس کی تربیت فرماتے اور طلبگار میں ذرا سی بھی قابلیت ہوتی تو وہ متأثر ہو کر

اثرات، تربیت اور توجہ قبول کرتے ہوئے لیاقت مآب ہو جاتا، مجھ فقیر کو یقین ہے کہ انھوں نے اپنی محبت والفت کی خاص نظروں اور عنایت فرمائیوں سے جو انسانی طبیعت کا خاصہ ہے مجھے مخصوص فرمایا ہے، مجھے یاد ہے کہ والد بزرگوار کے سامنے میں ایک دن ایک علمی مسئلہ پر گفتگو کر رہا تھا، وہ میری جانب متوجہ تھے، چنانچہ اُنھوں نے دونوں ہاتھ میرے منہ پر ملتے ہوئے مجھے دعا دی اور فرمایا مجھے تمہارے چہرے پر ایک تجلی اور نور جگمگاتا ہوا دکھائی دیا جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، اللہ جانتا ہے کہ وہ کیا کیفیت تھی۔

فرماتے تھے کہ مجھے درویشوں کی صحبت سے یہ حال نصیب ہوا ہے کہ ہر آدمی کی حالت کو بتا سکتا ہوں، میں نے آپکی اس صفت کا بار بار مشاہدہ کیا کہ جس آدمی کے متعلق کوئی بات کہہ دی تو اگرچہ اس وقت اسمیں موجود نہ تھی لیکن بعد میں ضرور اسمیں نمودار ہوتی تھی، مبالغہ کر کے فرماتے تھے اگر اندھیری رات میں بھی کسی کو ہاتھ لگاکر دیکھوں تو اس کی حقیقت حال بیان کر دوں گا۔

فرماتے تھے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو کسی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن وہ کسی کو کوئی تکلیف بھی نہیں پہنچاتے۔

فرماتے تھے کچھ لوگ ایسے ہیں جو تصنع، تکلف، منافقت اور دکھاوا کرتے ہیں اور خود کو ایسا ظاہر کرتے ہیں گویا ان کو مخلوق سے کسی قسم کی کوئی طلب نہیں ہے اور حقیقتاً ہونا بھی یہی چاہیئے کہ تصنع و تکلف برطرف کر کے تمام مخلوق سے صداقت والفت کا برتاؤ کیا جائے، انسان کا ظاہر و باطن یکساں ہونا چاہیئے اور اصل معاملہ تو اللہ تعالےٰ کے ساتھ راستی و راستبازی کا ہے جو ہمیشہ ٹھیک رہنا چاہیئے۔

والد بزرگوار نے بہت سی غزلیں، رباعیاں، نظمیں اور قصیدے لکھے لیکن وہ صفحہ قرطاس پر لکھنے نہ پائے تھے کہ انتقال فرما گئے، شہر کا ایک مشہور بدمعاش آپکے کلام کے صندوقچے اس خیال سے چرا لے گیا کہ ان میں زر نقد ہوگا لیکن محرومی کے سبب تمام مسودات کو راز فاش ہو جانے کے خوف سے نذرِ آتش کر دیا۔

والد ماجد فرماتے تھے کہ میں جوانی کے عالم میں بعض موقع پر اشعار کہا کرتا تھا اور

اس سے میرا دل خوش ہوتا تھا لیکن شعر گوئی سے مجھ کو مناسبت نہ تھی، یہ ایک دو رسالہ اس فن میں جو نظر آتے ہیں اس کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن میں شیخ امان کی خدمت میں حاضر تھا کہ انھوں نے فرمایا معلوم نہیں یہ لوگ جو ہمارے پاس آتے جاتے ہیں کچھ سمجھتے بھی ہیں یا نہیں، ان کو چاہیئے کہ کوئی بات پوچھنے میں شرم محسوس نہ کریں، جس پر میں (عبدالحق) نے عرض کیا کہ فقیر کی یہ مجال نہیں جو آپکے سامنے کچھ کہہ سکے البتہ اگر اجازت ہو تو کچھ لکھ کر خدمت میں پیش کروں، چنانچہ لکھنے کی اجازت مل گئی۔

والد مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ مجھ میں وہ قوت فصاحت و بلاغت نہیں ہے کہ سخن آرائی کا دعوٰی کرسکوں، اس وقت جو کچھ ذہن میں موجود ہے انھیں سپرد قلم کرتا ہوں، والد ماجد کے تحریر کردہ علوم میں سے ایک رسالہ مسمی بہ کاشفات ہے جسمیں انھوں نے لکھا ہے کہ حقیقت مطلقہ کا بلا کم وکیف ادراک تین طرح ہوتا، ایک یہ کہ مرتبۂ جمعیت میں بلحاظ شمول واحاطہ اسکا بلا کم کیف اس طرح ادراک ہو کہ وہ تمام اشیاء میں جاری وساری نظر آئے اور یہ وہ حالت ہے جو عین مرتبہ کم وکیف میں نمودار ہوتی ہے، دوسرا یہ کہ حقیقت مطلقہ کو بلا کم وکیف بلحاظ مماثلت و واسطہ سرور عالم اس طرح ادراک کرے کہ سیرت نبویؐ میں وہ دکھائی دے، اور اس لحاظ سے ہر اُس انسان کو جو اپنے ترکیب عنصری کو تحلیل کردے، حقیقت مطلقہ کا ہر چیز کے ذریعہ بخوبی ادراک ہوتا ہے، اگر انسان کے تمام حواس ظاہری و باطنی جنھیں انسان کے اعضائے رئیسہ کہتے ہیں اگر بفرض محال محو و فنا ہو جائیں تب بھی اس کے وجود وجسم کے لحاظ سے اس کو انسان ہی کہتے ہیں اور یہ دوسری بات ہے کہ صاحب عقل وشعور ہی کو انسانیت نواز انسان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور دراصل جبکہ انسان اپنی خواہشات وغیرہ کو بتصور محویت فنا کر دیتا ہے تو بلا کم وکیف حقیقت مطلقہ کا ادراک ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ نے اپنی توحید کو یوں بیان فرمایا ہے ان اللہ خلق اٰدم علی صورتہ اور اپنی جامعیت کو علم اٰدم الاسماء کلھا کے ذریعہ ظاہر کیا ہے، اس کے علاوہ آپ کی ایک مثنوی سلسلۃ الوصال ہے جسمیں تقریباً پانچ سو اشعار ہیں جس کے متعلق

فرماتے تھے کہ غلبہ شوق کی وجہ سے یہ پوری مثنوی ایک دن میں لکھی اور پھر اس پر نظر ثانی نہیں کی، اگر اسمیں کوئی غلطی پائی جائے تو پڑھنے والے اصلاح کرلیں چنانچہ پیر و مرشد شیخ امان اللہؒ کی مدح میں لکھا ہے۔

اشعار

هرچه ز من در سخن آمد یقین — هست هم از صحبت آں مرد دیں
ورنہ چہ حدے است کہ رازِ دروں — از دہن چوں منی آید بروں!
من کیم و کیستم و چیستم! — از دمِ عیسیٰ نفسے زیستم
اوست دریں راہ مرا رہنما — خاک درش چشم مرا توتیا
هست دل او بحق آویختہ — آب صفت در ہمہ آمیختہ
دستِ من و دامن او بالیقیں — مقصد و مقصود من آں شاہ دیں

عشق زخش ہمدم و ہمساز من
در غمش مونس و ہمراز من

غزل

سازی نمودہ در ہمہ اعیاں چناں عیاں — کز غایت ظہور نہاں است درنہاں
از نام و از نشاں کہ تواند نشاں دهد — گویا ہزار نام و نشاں ست بے نشان
پیش از ظہور بود وَما کان شیٔ معہ — بعد از ظہور ہست علی ما علیہ کاں!
کون و مکاں بہ پرتو حسن جمال اوست — دیں طرفہ تر نگر کہ نہ کون ست و نے مکاں
نزدیکِ عارفان محقق محقق است — کو عین عالم است ز لیکن ورائے آں
گہ روئے پوش ہمچو عروسان جلوہ گر — گہ با ہزار شور و شغب جا بہا دراں
سیفی بخویش نسبت ہستی گماں تست — اے وائے بر کسے کہ بماند دریں گماں

ایک اور غزل

ہمائے سدرہ نشینی و مرغ بالائی — ز بہرِ دانہ فتادی بدام رسوائی!
شراب شوق بکام تو کے رسد از حرص — پری بگرد شکر چو ذباب حلوائی

زد شمنی است کہ نفس تو بہر پارۂ ناں | یساخت است ترا ہر درائے ہرجائی
مدام در چمن از دست ساقی مہوش | چہ خام مشربی ار بادہ را نہ پیمائی
لباس بوریا گر پوشی از ریا ندہد | ہزار مرتبہ بہتر ز صوف دارائی
برو بمیکدہ سیفی و بنگر از سرہوش | کہ عارفان خدایند زیر یکتائی

فرماتے تھے کہ سیفی بخاری بہت بلند پایہ شاعر ہیں میں ان کی برابری نہیں کرتا اور میں خود سیفی تخلص رکھنا پسند بھی نہیں کرتا ہوں، چونکہ میرا نام سیف الدین ہے اس لئے بعض دوستوں کے اصرار پر مجبوراً سیفی تخلص رکھا ہے۔

غرضنکہ پدر بزرگوار اپنے بڑھاپے کے زمانے میں جبکہ محویت دفنا کا اُن پر غلبہ تھا کھانے پینے پہننے، راحت و آرام، صحبت اور شعر و شاعری وغیرہ سے بالکل علیحدہ ہوگئے تھے، اگر انکے علاج معالجہ کی کوشش کیجاتی تو فرماتے میں نے آج تک کون سا اچھا کام کیا ہے جو آئندہ کے لئے صحت و تندرستی کی خواہش کروں، میرا وجود و عدم دونوں برابر ہیں، آپ پر خوف الٰہی اتنا غالب ہوگیا تھا کہ کبھی بھی خشیت الٰہی سے فارغ نہ بیٹھتے، اور فرماتے میں اپنی ذات میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھتا جس پر ناز کرسکوں اور اس کو دربار الٰہی میں پیش کروں اس کے بعد خوب گریہ وزاری کرتے اگر کوئی شخص آپ کی تسلی کے لئے کہتا کہ خدا کے خوف سے ایک آنسو بھی دوسری عبادتوں سے افضل ہے اور آپ کے تو اسقدر آنسو نکل چکے ہیں اب نہ روئیے، تو فرماتے کہ حیرانی ہے، میری نگاہ جب اللہ تعالٰے کی کبریائی اور استغنا پر پڑتی ہے تو اپنی تمام عبادتیں اور اطاعتیں برباد نظر آتی ہیں خدا ہی جانتا ہے کہ انجام کیسا ہوگا اسی وجہ سے ہر وقت رونے کو جی چاہتا ہے۔

آخر زمانے میں یہ حالت ہوگئی کہ جب میں گھر پر بوقت تلاوت قرآن پاک اُن آیات کو بالکل آہستہ پڑھتا جنمیں عذاب کا تذکرہ ہے اور اگر کبھی ذرا سی رمق اُن کے کان میں آیات عذاب کی پڑجاتی تو وہ بے انتہا روتے اور جاں بلب ہوجاتے البتہ رحمت و کرم الٰہی کی آیات بوقت تلاوت ذرا بلند آواز سے پڑھتا جس کے سننے

سے آپ میں فرحت وتازگی پیدا ہوتی، بیماری کے زمانے میں ایک رات یہ حالت رہی کہ تین گھنٹہ تک وہ بے شدھ رہے پھر رات کے اخیری حصہ میں جب ان کو ذرا ہوش آیا تو میں نے پورے شوق اور خوش الحانی سے قرآن کریم کی تلاوت شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچا اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰئِکَۃُ اَنْ لَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَبْشِرُوا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ترجمہ (جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ ہی ہمارا مربّی، تربیت کرنے والا اور پالنے والا ہے پھر اپنے اس قول پر ثابت قدم رہتے ہیں تو فرشتے ان لوگوں کے پاس آکر کہتے ہیں تم کسی قسم کا خوف و ملال نہ کرو تم کو جنت کی خوشخبری دیجاتی ہے جسکا اللہ نے تم سے وعدہ کیا ہے)

مجھ سے یہ آیت سنکر بڑی خوشی ہوتی اور بار بار اس جملہ کو دہراتے رہے کہ بیٹے! رحمت ہو اور سو بار رحمت ہو، اللہ تعالٰے تمہارے ذوق وشوق اور عمر میں زیادتی کرے تم اپنے نیک اعمال کا بدلہ پاؤگے۔

چنانچہ آج تک مجھ فقیر عبدالحق کو والد محترم کی یہ دعائیں یاد ہیں اور اُمید ہے کہ ان کی یہ دعا میرے لئے سرمایۂ دارین ثابت ہوگی۔ والد بزرگوار نے انتقال سے تھوڑی دیر پہلے فرمایا وہ اشعار اور دعائیں جو عفو ومغفرت کے لئے مناسب حال ہوں ایک کاغذ پر لکھ کر میرے کفن کے ساتھ رکھ دینا اور یہ رباعی بھی۔

رُباعی

دارم دل کہ غمیں بیا مرز و مپرس ۔۔۔ صد واقعہ درکمیں بیا مرز و مپرس
شرمندہ شوم اگر بپرسی عملم! ۔۔۔ اے اکرم الاکرمیں بیا مرز و مپرس

اور یہ دو شعر بھی

قدمت علی الکریم بغیر زاد ۔۔۔ من الحسنات والقلب السلیم
فحمل الزاد اقبح کل شیٔ ۔۔۔ اذا کان القدوم علی الکریم

اس کے بعد فرمایا منکر نکیر کے جواب میں لکھو! اللہ میرا رب ہے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرے نبی ہیں اور شیخ عبدالقادر جیلانی رح میرے شیخ ہیں۔

ایک دن فرمایا ہمکو دنیا سے کوئی تعلق باقی رہا ہے اس کے تیسرے دن عصر کی نماز کے وقت حالت غیر ہوگئی، میں (عبدالحق) اسوقت مسجد میں تھا مجھے وہاں سے بُلوایا، میں نے آکر دیکھا تو اسوقت آپ میں ایک عجیب قسم کا ذوق وشوق اور تازگی کے آثار تھے جسے تحریر نہیں کرسکتا، چنانچہ فرمایا بابا! اب ہم کو کسی قسم کا رنج وغم نہیں ہے اب تم عبادت الٰہی میں مصروف ہوکر دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ جلدی ہم کو اپنے یہاں بُلالے، میری زندگی بھر کا مقصود ہاتھ آگیا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہاتھ سے نکل جائے میں (سیف الدین) ہمیشہ یہ دعا کرتا رہتا ہوں کہ اے اللہ تو مجھے اپنی یاد میں مصروف رکھ اور اس دنیا سے شوق وذوق کے ساتھ لیجا، اللہ کا فضل وکرم ہے اسوقت جمال بامراد نمودار ہے اگر اس حالت میں اللہ تعالیٰ اپنے یہاں بلالے تو ان کا بہت بڑا فضل وکرم ہے، اس حالت میں اپکے جو دوست واحباب عیادت کے لئے آتے تھے تو آپ ان سے فرماتے تھے کہ دعا کرو اللہ تعالےٰ جلدی خاتمہ بخیر کردے، اگر کوئی کہتا کہ اللہ تعالیٰ آپکو شفاء اور تندرستی دے تو اُس سے ناراض ہوکر کہتے خدا کے لئے یہ نہ کہو بلکہ دعا کرو اللہ جلد مجھے اپنے پاس بُلالے، کبھی فرماتے اگر کوئی آدمی دُو تین دن سرائے میں رہے تو عاجز وتنگ ہوجاتا ہے اور میں نے ستر سال اس سرائے دنیا میں بسر کئے ہیں تباؤ میں غمگین اور ملول کیوں نہ ہوں؟

آپ نے کھانا بالکل ترک کردیا تھا، فرماتے تھے دل ہی نہیں چاہتا کھاؤں کیسے اور کھانے سے کوئی فائدہ بھی نہیں ہے، نیز اس خوف سے بھی نہیں کھاتا کہ اس سے مزید بقائے حیات کا سبب ہوجاتا ہے، یہاں جو گھڑی گزر رہی ہے وہ مصیبت معلوم ہورہی ہے، میرا دل تو صرف اللہ کی طرف لگایا ہوا ہے، ایک شخص حالت علالت میں گلاب کا پھول آپکے پاس لایا، آپ نے اسے سونگھ کر درود شریف پڑھا اور فرمایا گلاب کی خوشبو اور درود شریف دونوں بارگاہِ نبوتؐ میں پیش ہوتے ہیں، اور گلاب کا جسم یہاں تم لوگوں کے سامنے موجود رہتا ہے اس کے بعد حوض سلطان اور اس کے اطراف واکناف کے مقامات اور اپنے اوقاتِ عبادت یاد کرکر کے خوش

ہوئے اور فرمایا انشاء اللہ عنقریب ہم پھر ان مقامات کی دل کھول کر بآزادی سیر کریں گے آپ پر سکرات کا عالم طاری تھا کسی نے پوچھا کیا دیکھ رہے ہیں ؟ فرمایا باغ ، نہریں اور سادات بخارا موجود ہیں انھیں دیکھ رہا ہوں ۔

زمانۂ علالت میں ایک دن فرمایا حضرت غوث الثقلین کا فرمان آیا ہے ، پڑھو کیا لکھا ہے ، میں فقیر (عبد الحق) نے عرض کیا کیسا فرمان کون لایا ہے ؟ فرمایا ایک صالح و سعادت مند لایا ہے ، ذرا ٹھیک ٹھیک پڑھو کیا لکھا ہے ؟ ایک دن میں فقیر (عبد الحق) نے آپ کی علالت کے زمانے میں عرض کیا انسان کی عاجزی کیا کوئی عجیب و غریب بات ہے ؟ فرمایا حقیقت عاجزی یہ ہے کہ ضرورت و حاجت جو ماہیت امکانی کے لئے لازمی ہے اس کو وجدان کے ذریعہ معلوم کریں اور ساتھ ہی اس ذوق معنی کا ادراک بھی ہو اس حالت کو عاجزی کہتے ہیں اور یہی انوکھی چیز ہے ۔

ایک دن فرمایا بیٹے ! خوش الحان حافظ تمہارے دوست ہیں اُنھیں بلواؤ ، کچھ قرآن شریف سُنیں گے ، اس کے بعد فوراً ہی فرمایا رہنے بھی دو ، تم خود ہی دن رات ہمارے پاس بیٹھے قرآن شریف پڑھتے ہو بس یہی بہت کافی ہے ، اب کسی بات کی خواہش نہیں یہ عبودیت کا وقت ہے اللہ جب چاہیں گے کسی کو بھیج کر بلالیں گے ۔

اسی دن انتقال سے پہلے میں نے سنت طریقہ پر آپ کو تلقین کی اور عرض کیا درویش اس وقت پاس انفاس میں مشغول رہتے ہیں تو آپ نے آنکھیں کھول کر آہستہ سے کہا ہاں "پاس انفاس" اس وقت کارآمد ہوتا ہے کیونکہ تمام اعضائے جسمانی بیکار ہوگئے ہیں اور سانس لینے کی بھی قوت نہیں ہے اس کے بعد آپ نے بلند آواز سے کئی مرتبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ؐ فرمایا اور خاموش ہو کر دل میں اللہ کی یاد کرنے لگے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دل میں سے کلمہ طیبہ کی آواز آتی ہے اور اس کے چند لمحہ بعد آپ ۲۷۔ شعبان ۹۹۰ھ کو رحمتِ حق سے پیوست ہوگئے بعض لوگوں نے آپ کی تاریخ وفات ولی تحت انقلاب بھی نکالی ہے ۔ اللہ تعالےٰ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے ۔

خاتمہ کتاب

بندہ کاتب الحروف عبدالحق محدث دہلوی کے ابتدائی حالات میں

پیدائش مؤلف محرم ۹۵۸ھ ــ وفات مؤلف رہ ۱۰۵۲ھ

والد ماجد اپنی پیری اور کمزوری کے زمانے میں میری طرف اکثر متوجہ رہتے تھے جوانی ختم ہوجانے اور دوستوں کے انتقال کیوجہ سے وہ ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے اُس زمانے میں میری عمر تقریباً چار سال کی تھی، اسوقت میں آپ کی خدمت اور دلدہی کیا کرتا تھا، آپ ہمہ وقت مجھ پر شفقت و عنایت فرمایا کرتے، انہی دنوں جبکہ میں بچہ تھا، صوفیوں کے اقوال سناتے اور شفقت و عنایت فرمایا کرتے اور میری باطنی تربیت کرتے اور میں بھی فطری طور پر ان باتوں کے سننے کا متوالا تھا۔ وہ باتیں کرتے کرتے خاموش ہوکر بالکل از خود رفتہ ہوجاتے۔

جس زمانے میں میری عمر ڈھائی سال کی ہوگی اس وقت کی اکثر باتیں اب تک مجھے یاد ہیں اور یہ وہ باتیں ہیں جو دانشمندوں کی آگاہی کے لئے بے انتہا ضروری اور مفید ہیں غرضنکہ جس زمانے میں پدر بزرگوار کی مہربانیوں کے ظہور کا وقت آیا تو میں تحصیل علوم میں مشغول ہوگیا اور شب و روز ذکر و تذکرہ اور بحث و تکرار میں بسر کرنے لگا اکثر اوقات وہ بذات خود مجھ سے علمی مباحث سنتے اور خوش ہوکر خاص طور سے علم توحید کے مسائل اس طرح سمجھاتے گویا علم شہود اور آنکھوں دیکھی باتیں کر رہے ہیں، جب مقدمات علمی کے لحاظ سے علم شہود و حقیقت کے سمجھنے میں مجھے کچھ شبہ ہوجاتا تو فرماتے اسی قسم کے شکوک و شبہات ان مسائل میں اکثر و بیشتر پیدا ہوتے رہتے ہیں اور انشاءاللہ یہ تمام شبہے آئندہ دُور ہوکر تم خود بہ جمال یقینی ان کا مشاہدہ کرلوگے تاہم جہانتک بھی ہوسکے کوشش کرتے رہو اور ہمیشہ اسی خیال میں رہو کہ مسائل بخوبی ازبر ہوجائیں اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

لنگ و لوک و خفتہ شکل و بے ادب　　سوئے اومی خیز و اورا می طلب

میں نے بغیر حروف تہجی پڑھے پہلے دو تین سیارے قرآن کریم کے اس طرح پڑھے
کہ والد ماجد مجھے ایک ایک سبق لکھ کر دیتے اور میں پڑھتا جاتا ، اس کے بعد انکی تربیت
و شفقت کا یہ اثر ہوا کہ روزانہ جتنا قرآن کریم پڑھتا وہ اُن کو سنا دیا کرتا ، چنانچہ
اس طرح دو تین مہینہ کے اندر میں نے پورا قرآن کریم پڑھ لیا اور جس طرح معلم صاحبان
مدرسہ میں اپنے شاگردوں کو رٹاتے ہیں مَیں نے رَٹا نہیں ، والد ماجد نے مجھے فایا قاف
تک تختی لکھائی تھی اس کے بعد شاید ایک مہینہ میں مجھے لکھنے پر قدرت حاصل ہوگئی
اور میں انشار لکھنے لگا ، اللہ تعالےٰ نے والد ماجد میں یہ اثر وخاصیت رکھی تھی کہ کوئی
شخص چاہے کتنا ہی غبی ہوان کی توجہ اور تربیت سے اُس غبی شخص ہیں صلاحیتیں ظاہر
ہوجاتی تھیں اور مجھے جو کچھ ملا وہ صرف والد بزرگوار کی توجہ مہربانی کا اثر ہے ، اور
اُنھوں نے اپنے پورے حقوق پدری میری تربیت و تعلیم پر صرف فرمائے ، بوستاں
و گلستان دیوان خواجہ حافظ اور نظم کی مروّجہ کتابیں خود پڑھائیں ، بچپن سے لیکر
قرآن کریم ختم کرنے تک اور اسکے بعد میزان منشعب سے لیکر کافیہ کی بھی خود ہی تعلیم
دی ، پڑھانے کے زمانے میں اکثر وبیشتر فرمایا کرتے ، انشار اللہ تم جلد عالم بنجاؤ گے ،
اور اس تصوّر سے مجھے بڑی مسرت ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تم کو درجۂ کمال عطا کرے گا
اور میں تمہارے دائرہ درس و افادیت پر اپنے بڑھاپے میں تکیہ کروں گا ، کبھی چند
کتابوں کے نام لیکر فرماتے بس یہ کتابیں پڑھ لو ، عالم ہو جاؤ گے ، فرماتے ہر علم کی تھوڑی
تھوڑی کتابیں پڑھو جو تمہارے لئے کافی ہیں اور اس کے بعد انشار اللہ برکت و
سعادت کے دروازے کُھل جائیں گے ، اور تم تمام علوم بلا تکلف حاصل کر لو گے ،
والد ماجد کے ان پاکیزہ جملوں نے وہ اثر کیا کہ کتب متداولہ و مروجہ میں نے جلدی جلدی
پڑھیں اور کم مدّت میں زیادہ سے زیادہ علوم حاصل کئے ، علوم کی وسعت سے معلوم
ہوتا ہے کہ سالہا سال اور بہت عرصہ تک تعلیم کے حصول میں زندگی بسر ہوئی ہے ۔
علوم نحو میں کافیہ ، لُب الالباب اور ارشاد وغیرہ کے بعض اوقات ایک
نشست میں سولہ سولہ صفحے پڑھ جاتا اور شوق کا یہ حال تھا کہ جب کوئی کتاب حاشیہ

والی کتاب ملجاتی تو اُسے اُستاذ سے نہ پڑھتا بلکہ اکثر اوقات اُسے خود ہی پڑھ کر سمجھ لیتا، ہاں اگر کوئی مشکل باب ہوتا تو اسے لازماً استاد کے روبرو پڑھ کر سمجھتا تھا، البتہ اتنا یاد ہے کہ کتاب کی اصل عبارت اس کے حاشیہ کے ذریعہ بخوبی سمجھ لیا کرتا تھا میرے ہاتھ جو کتاب پڑتی، میں اس کے اول و آخر کا لحاظ کئے بغیر اُسے کھول کر آخر تک پڑھ لیا کرتا، مطالعہ کو مقدم اور ضروری سمجھتا کیونکہ علم کا حصول میرا نصب العین تھا، بارہ تیرہ سال کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد نسفی پڑھی اور پندرہ سولہ برس کی عمر میں مختصر معانی اور مطول ختم کی اور لوگوں کے خیال سے بیس[۲] برس کی عمر میں فلسفہ ادب اور فقہ و حدیث وغیرہ پڑھ چکا تھا، اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کے بعد ایک سال کچھ دنوں میں قرآن کریم بھی حفظ کیا اور کلام اللہ کی حفاظت میں آیا اور وہ نعمت پائی جس کے ایک حرف کا شکریہ بھی سو سال میں ادا نہیں کر سکتا، غرضیکہ تمام کتب مروجہ پر میں نے عبور حاصل کیا، پھر ادب، فلسفہ، علم کلام وغیرہ میں مہارت اور پڑھاپے کی مشق کے لئے ماوراء النہر گیا، اور وہاں تحصیل علوم میں اتنا مشغول رہا کہ تعلیم و مطالعہ کتب سے شب و روز میں دو تین گھنٹہ کی فرصت ملتی تھی، جب اساتذہ کرام کے روبرو اثنائے سبق میں انوکھی بحث کرتا یا مفید بات کہتا تو وہ فرماتے، اے عزیز! ہم تم سے استفادہ کرتے ہیں اور تمہارے شکر گزار ہیں، خدا جانے وہ کیا شوق تھا اور وہ کیسی طلب تھی، اگر اتنا ذوق و شوق طلب الٰہی اور باطن کی صفائی کے لئے ہوتا تو نہ معلوم کس مقام پر پہنچتا۔

ایک مرتبہ جبکہ میں کافیہ وغیرہ پڑھا کرتا تھا کہ ہمارے ساتھی طالب علم آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے حصولِ علم کے بعد کیا کروگے؟ بعض نے ظاہری طور پر کہدیا کہ ہمارا مقصد معرفتِ الٰہی ہے، بعض نے اپنی سادگی سے کہا، ہمارا مقصد حصولِ دنیا ہے، پھر مجھ سے پوچھا، بتاؤ تم کیا کروگے؟ میں نے کہا مجھے بالکل نہیں معلوم کہ تحصیل علم کے بعد معرفت الٰہی میں مشغول رہوں گا یا دنیا طلبی میں، البتہ فی الحال اتنا معلوم ہے کہ پہلے زمانے کے عقلمندوں اور عالموں نے کیا کہا ہے اور کشف

حقیقت و معلومات مسائل میں کون کون سے موتی پرو دئے ہیں، اس کے بعد جو حالت پیش ہوگی دیکھا جائے گا کہ عیش و عشرت دنیاوی کی طرف متوجہ ہوں گا یا محبت الٰہی اور طلبِ آخرت کے راستہ پر گامزن ہونگا۔

بچپن ہی سے مجھے معلوم نہیں کہ کھیل کود کیا ہوتا ہے اور خواب و راحت مصاحبت و دوستی اور سیر و تفریح کیا چیز ہے۔

شعر

شب خواب چہ و سکون کدام است — خود خواب بعاشقاں حرام است

شوقِ علم و عمل میں کبھی وقت پر کھانا نہ کھایا اور بر وقت آبائی محل میں نہ سویا موسم سرما کی سخت ٹھنڈی ہواؤں اور موسم گرما کی تپتی ہوئی تیز دھوپ میں گھر سے روزانہ دو مرتبہ مدرسہ جاتا تھا، دوپہر کو گھر آکر ایک دو نوالے بقائے حیات کی خاطر کھالیتا، عرصہ دراز تک قبل از وقت مدرسہ جاکر ایک دو پارے چراغ کی روشنی میں تلاوت کرتا، اس پر طرّہ یہ کہ گھر پر جتنا وقت ملتا اسمیں کوئی لمحہ بیکار نہ بیٹھتا بلکہ مطالعہ کتب، بحث و تکرار میں لگا رہتا۔ رات دن پڑھتا نیز رات کے کسی حصہ میں خوشخطی بھی لکھتا۔

میرے والدینؒ ہمیشہ فرماتے کہ کسی وقت تو محلہ کے بچّوں کے ساتھ کھیل کود کر دل خوش کرلیا کرو اور رات کو آرام سے سویا کرو لیکن میں عرض کرتا کہ کھیل کود سے جب دل خوش کرنا ٹھیرا تو میں اس سے خوش ہوتا ہوں کہ لکھتا پڑھتا رہوں۔

عام طور پر لوگ اپنے بچّوں کو اسکول جانے اور پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں اسکے برعکس مجھے کھیل کیجانب متوجہ کیا جاتا تھا

پڑھتے پڑھتے جب رات کے بارہ بج جاتے تو والد ماجد فرماتے، بابا کیا کررہے ہو تو میں فوراً ہی لیٹ جاتا تاکہ جھوٹ نہ ہوجائے اور پھر عرض کرتا جی میں سو رہا ہوں فرمائیے ارشاد کیا حکم ہے؟ اس کے بعد پھر پڑھنے لگتا۔ اکثر ایسا ہوا کہ چراغ کی لو سے میرے صافے اور سر کے بالوں میں آگ لگ گئی۔ اور مجھے اس وقت پتہ

چلا جب حرارت میرے دماغ پر پہنچی۔

اشعار

چہ دودہائے چراغ کہ در دماغ نہ رفت — کدام بادۂ محنت کہ در ایاغ نہ رفت
کدام خواب و چہ آسائش و کجا آرام — چہ خار خار کہ در بسترِ فراغ نہ رفت
بحیرتم ز دلِ خود کہ عمر رفت و لے — ز کنجِ غمکدہ ہرگز بصحنِ باغ نہ رفت

تحصیلِ علم کے شوق اور محنت کے باوجود نماز، وظیفے، شب بیداری، مناجات وغیرہ میں فطری طور پر بچپن ہی سے اتنا مشغول تھا کہ لوگ حیرت کرتے تھے۔ اب بھی اللہ کے فضل و کرم سے شب خیزی کا شوق ہے اور مجھے اس راہ سے کافی نعمتیں ملی ہیں اور اس وقت پہلے سے بھی زیادہ محنت و ریاضت اور تعلیم و افادہ میں مشغول ہوں، تعلیم و افادہ نہیں کہنا چاہیئے بلکہ تعلم و استفادہ کہنا اچھا ہے، گوشۂ تنہائی میں پڑا ہوں دنیا کے نیک و بد سے مجھے کوئی واسطہ نہیں ہے نیز لوگوں کی دوستی و دشمنی سے میرا دل خالی ہے اور نحوی جملوں زید و عمر کے قصوں سے علیحدہ ہوں،

رُباعی

صد شکر کہ باہیچ کسم کارے نیست — وز من بدل ہیچکس آزارے نیست
گر بر دلِ دشمناں من بارے نیست — بر خاطر دوستانِ من بارے نیست

پروردگارِ عالم نے جس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا میرے بس میں نہیں اُس نے مجھ غریب کو اپنے ذوق و شوق کی اس حالت سے مخصوص اور مالا مال کیا ہے کہ میرا دل اور میرا تمام وقت صرف اس کے حضور میں مشغول رہتا ہے اور لوگوں کے میل جول وغیرہ سے الگ ہوں، میں اپنے خیال میں مگن ہوں اگرچہ وہ رازہائے سربستہ کا سرا ہی ہو یا مالیخولیا لیکن یہ مقطعہ میرے حالات کا آئینہ دار ہے۔

حقی کجا و صحبت کس کز خیال دوست — دارم بخود چو مردم دیوانہ عالمے

بحکم والد ماجد کہ "ملائے خشک و ناہموار نہ بننا" میں بچپن ہی سے ہمیشہ

عشق و محبت کا دم بھرتا ہوں اور غم خواری و دردمندی کی راہ چلتا ہوں

شعر

بیدرد نہ ایم ہرگز از عشق دائم دل دردناک داریم

اُمید ہے کہ صاحبِ قدم کی بدولت میرا دل کارفرمائی کرے اور اصل کام یہ ہے کہ نفس کو بیکار کر دیا جائے میں بیکار نہ رہوں۔ اور میں اپنا جی اس طرح خوش کروں کہ کام کے آغاز یا اس کے دَوران میں جن چیزوں کے ذریعہ قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور دل کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں وہ تمام دقتیں میرے سامنے آئیں۔ اور پھر پردہ غیب سے میری دستگیری ہو اور کارخانہ نفس و شیطان پر اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ غلبہ پاکر مجھے گوشہ نشین بنا دے اور دوسروں سے میں اپنی روزی طلب کرنے کے بجائے صرف اللہ ہی سے ہر چیز کا طلبگار ہو جاؤں ایک عرصہ تک عقل کی معارضت اور وہم کی مزاحمت سے مجھے توحید کی حقیقت سمجھ میں نہ آئی جو کہ طالبان حقیقت کے لئے اولین شرط ہے آخر کار جب مخلوق کے مشوروں سے مقصد براری نہ ہوئی تو مجبوراً اللہ ہی سے طلب خیر کی، اور اس طلب میں عقل کی گتھیاں سلجھائیں تاکہ دیوانگی کا ساتھ نہ چھوٹے۔

شعر

زیں خرد بیگانہ می باید شدن دست در دیوانگی باید زدن

غرضکہ راحت و آرام کے حصول اور خطرات و وسواس کے زوال کے بعد جسکا نتیجہ مایوسی ہوا کرتا ہے میں تمام اُمور سے ہاتھ دھو کر اور لوگوں سے آنکھیں بند کر کے در دل پر اس انتظار میں بیٹھ گیا کہ اب کیا ہوتا ہے اور کونسی راہ کھلتی ہے چنانچہ جس نے دربارِ الٰہی میں توبہ کی وہ مایوس نہ رہا اور جس نے اللہ کے حضور التجا کی وہ کامیاب ہوا" کے احکام کے پیش نظر اچانک بیکسوں کے چارہ گر اور آوارہ لوگوں کے رہنما نے مجھے اپنی طرف بُلایا اور خانماں برباد کی گردن میں زنجیر شوق ڈال کر اپنی گھر کی جانب کھینچ لیا اور مجھ گم کردہ راہ کو منزل مقصود تک پہنچا دیا

یعنی اپنے حبیب پاکؐ کے دربار فیض آثار میں پہنچا دیا اور ان کی نوازشات سے سرفراز ہوا

شعر

حاشا وان یحرم الراجی مکانہٗ ‫ ‫ او یرجع الجار منہ غیر محترم

مجھ فقیر حقیر کو حضرت خبیر و بشیر و نذیرؐ کے انعامات و اکرامات سے جو کچھ بشارت ملی ہے وہ بیان سے باہر ہے اور یقین ہے کہ یہ آثار و انوار نیک لوگوں کیلئے انشاء اللہ ضامن و کفیل ہونگے۔

اگرچہ میں اپنی کمزوریوں کی وجہ سے اس قابل نہیں ہوں کہ اپنا مطلب حاصل کرسکوں لیکن امید قوی ہے اور پائے یقین مضبوط ہے کہ کشتیِ نوح میں بیٹھا ہوا ہوں اور انشاء اللہ ساحل نجات پر پہنچ جاؤں گا اور وہاں پہنچکر جمالِ الٰہی سے مسرور ہوں گا اور جو کوئی دنیا کی کشتی میں بیٹھ کر سرکشیاں اور غرور کرے تو وہ اسکا بھی یقین کرلے کہ آتش دوزخ کے طوفان سے اس کو ہرگز ہرگز نجات نہیں مل سکے گی۔

میرا مرکز اعتماد ان صاحب قدم پر ہے جو مالک رقاب اولیاء ہیں اور کوئی رہرو ایسا نہیں جو اُن کی خدمت میں اپنے سر کے بل نہ جائے اور انکے قدموں پر اپنا سر نہ رکھے اور یہ سب کچھ تو دان ہی کی سرفرازی ہے، اُن کی صفت یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وہ قدم بہ قدم گامزن رہے بلکہ سرور عالم ہی کی طرح قدم بہ قدم چلتے رہے اور سعادت اسی کو ملی جس نے آپکے قدموں پر سر رکھ دیا اور بہر نوع آپکے احکام کی تعمیل کی، رسول اکرمؐ و حضرت علیؓ کی وراثت سے تمام بزرگوں کو جو کچھ ملا وہ صرف خلف صادق کے حصہ میں آیا اور یہ کتنی بڑی دولت ہے، اگرچہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے وارث بکثرت تھے لیکن جو کچھ خلف صادق کو ملا وہ کسی اور کو نہ مل سکا۔ دولت و مال میں تمام ورثاء کو برابر مقررہ حصہ ملتا ہے لیکن وراثت حال و کیف میں ایک کو دوسرے کے برابر حصہ نہیں ملا کرتا، کیونکہ حال و کیف اور مراتب وہ دولت ہے جس کے مستحق ہی کو یہ دولت دی جاتی ہے، اگر دوسرے لوگ قطب ہیں تو یہ خلف صادق قطب الاقطاب ہیں، اگر دوسرے سلطان ہیں تو یہ خلفِ

صادق شہنشاہِ سلاطین ہیں اور آپکا اسمِ گرامی حضرت شیخ سید سلطان محی الدین عبدالقادر گیلانیؒ ہے جنھوں نے دین اسلام کو دوبارہ زندہ کیا اور طریقہ کفار کو یکسر ختم کر دیا، اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی فرمایا ہے الشیخ یحیی ویمیت۔

شیخ کے مقام کا اس سے بھی اندازہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ جو حی وقیوم ہے اس نے ہمکو اسلام عنایت فرمایا اور غوث الثقلین نے اس کو دوبارہ زندہ کیا، غوث الثقلین کے معنی ہی یہ ہیں کہ جنات اور انسان سب اس کی پناہ میں آتے ہیں، چنانچہ میں بیکس و محتاج بھی ان ہی کی پناہ کا طلبگار اور ان ہی کا درباری غلام ہوں، مجھ پر انکی عنایت و کرم ہے اور ان کی مہربانیوں کے بغیر کوئی فریاد رس نہیں ہے۔

مناجات

غوثِ اعظم دلیل راہ یقیں | کُن یقیں رہبر اکابر دیں
شیخ دارین و ہادیٔ ثقلین | زبدۂ آل سیدی کونین!
بادشاہِ ممالکِ قربت | راہ نورد مسالکِ قربت
اوست درجملہ اولیا ممتاز | جو پیمبر در انبیا ممتاز
اولیا بندہا کش از دل وجاں | قدم او بگردنِ ایشاں
وصف تعریف او زمن نکوست | خود کراماتِ او معرف اوست
من کہ پر ذرۂ نوال ویم | عاجز از مدحت کمال ویم
ہمہ دم غرق بحرِ احسانم | اے فدائے درش دل وجانم
در دو عالم بادست امیدم | ہست بادے امید جاویدم

امید ہے کہ اگر کبھی راہ سے بھٹک جاؤں تو وہ رہبری کریں اور اگر ٹھوکر کھاؤں تو وہ مجھے سنبھال لیں، کیونکہ انھوں نے اپنے دوستوں کو بشارت دی ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے میرے لئے ایک رجسٹر بنا دیا ہے جسمیں قیامت تک ہونے والے مریدوں کا نام لکھا ہوا ہے، نیز حکم الہٰی ہو چکا ہے کہ میں نے ان سب کی بخشش کر دی ہے اور ان کے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں، کاش میرا نام بھی آپکے مریدوں کے رجسٹر میں ہو

ایسی صورت میں مجھے کیا غم ہے کیونکہ میری حسب مرضی کام پورا ہوگیا ہے، میں نامراد بھی حضرت غوث الثقلین کا مرید بن گیا ہوں، قبول کرنا یا انکار کر دینا یہ اُن کے ہاتھ میں ہے میں انکے خواہشمندوں میں ہوں اور ان کا چاہنا یہ انکے اختیار میں ہے، حقیقی طور پر مرید ہونا یہ مجھ مجازی آدمی سے کیسے ہو سکتا تھا، کسی بے نمازی کے درود شریف پڑھتے رہنے سے ہمیشہ فائدے نہیں ملا کرتے ہیں، چونکہ میں نے خود کو ان کیجانب منسوب کرلیا ہے، اور انہی کی بارگاہ میں پناہ کا طلبگار ہوں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ جبکہ ازل سے یہ سعادت میری قسمت میں تھی تو لازماً ابد تک میرے ساتھ ہی رہے گی اور میری حالت یہ ہے کہ جس زمانے میں مجھے عقل وشعور نہ تھا اس زمانے سے میں اپنے لوح دل پر آپ کا اسم گرامی لکھتا ہوں۔

شعر

ما بعشقِ تو نہ امروز گرفتار شدیم　　　که گرفتاریٔ ما با تو ز روز ازل است

ان کا جذبۂ محبت خود ہی مجھے کھینچ رہا ہے جس کی مجھ میں سکت نہیں اور انکا کرشمۂ عنایت خود ہی مجھے مخاطب کر رہا ہے جبکہ مجھے عقل وشعور تک نہیں ہے۔

شعر

ہنوز از دم ہستی اثر نبود مرا　　　کہ جذب عشق تو از خویش می ربود مرا

یہ آپ ہی کا فیض باطن ہے جس نے میرے ظاہر و باطن کو محفوظ رکھا ہے، اور ازل سے آخر تک بچائے رکھا ہے، والد ماجد بھی آپ ہی کے در کی خاک تھے، اور اسی نسبت کے زیر اثر تربیت دیتے اور تقویت پہنچاتے تھے، وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اس بادشاہ عالم کی جناب بغیر کسی وسیلہ کے پڑھنا چاہا لیکن وسیلہ کے بغیر کوششیں رائگاں ہوئیں مجھے اکثر وبیشتر بشارت ہوئی کہ وابتغوا الیہ الوسیلہ اور اس فضیلت کے حاصل کرنے کے لئے جس وسیلہ و نسبت کی ضرورت ہے وہ سلسلۂ ارادت ہے، میں نے بہت کوشش کی تھی کہ کسی سے باطنی طور پر اسلامی نسبت قائم کروں اور قرابتِ جسمانی کو رشتہ روحانی سے منسلک کروں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنی پوری زندگی اس کے قدموں میں گزاروں، چنانچہ آخر کار میری

سچی نیت نے کام کیا اور میرا درخت مراد بارآور ہوا اور جس طرح یرزقہ من حیث لا یحتسب - اللہ تعالےٰ بغیر شان وگمان کے رزق پہنچا دیتا ہے بالکل اس طرح اللہ نے میرے پاس اس علیلے نفس کو بھیجا جس کی ہر سانس میں آسمانِ معرفت کے دستر خوان بچھتے اور عیش ونشاط کے جمگھٹے ہوتے، وہ موسیٰ مقام تھے جن کا جمال آتشی شجر وحدت کا طلوع تھا اور طور حقیقی کی درخشانی اُن کا نور تھا وہ باقی رہنے والے دوست، جس کے رخسار زیبا میں باغوں کی بہار اور باغ ملتِ اسلامیہ کے پھول کھلے ہوئے تھے، وہ مصطفےٰ جمال جن کا چہرہ نمکدان خوان انا املحُ تھا اور ان کی زبان قرآن کی بہترین فصاحت واضح کرتی تھی، وہ مرتضیٰ کمال تھے جن کا دل دروازۂ شہر علم اور انکے ضمیر پر دروازہ اسرار وکشف کھلے ہوئے تھے وہ حسن صورت جو خلق عظیم کی وراثت کے مرتبہ اور مسلمانوں پر مہربانی کے مرتبہ پر فائز تھے، وہ حسین سیرت تھے جو آیت تطہیر اور مؤدت قربیٰ کے مصداق تھے ان کا اسم گرامی زین العابدین وامام الصادقین سید تقی نقی علوی، علی المھدی حضرت کلیم اللہ تھا جو محبوب حبیب خدا تھے۔

رُباعیؔ

احمد خوئے کہ عالمے بندۂ اوست | یوسف روئے کہ ماہ شرمندۂ اوست
عیسیٰ نفسے کہ جان و دل زندۂ اوست | موسیٰؑ کہ لقائے دوست خواہندۂ اوست

قرآن کریم میں جو صفت آئی ہے وہ آپ پر صادق آتی ہے اور آپ کی حالت کے عین مطابق ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو موسیٰؑ کا دل دیا گیا ہے مگر آپ دراصل رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ ہیں۔

رُباعیؔ

اے دیدہ بیا بقائے منظور بہ بیں | آں جبہہ وآں جمال وآں نور بہ بیں
در وادیٔ ایمن محبت بگذر! | ہم موسیٰ وہم درخت وہم طور بہ بیں

آپ حمیدہ صفات جانشین حامد ووارث مقام محمود ہیں اور ایسے حامد و حمد کرنے والے ہیں کہ آپ کی تعریف وتوصیف میں زبان سے بے اختیار ناقابل

شمار تعریف نکلتی ہے، غرضکہ یہ آفتاب دولت دنیا و دیں جب طلوع ہوا تو میں نے یقین کرلیا کہ یہ میرے ہی مقدر میں ہے اور جونہی ان کے جمال جہاں نما سے آنکھیں روشن ہوئیں تو دل میں کچھ اور ہی نور دوسرور جلوہ گر ہوا، پہلی ہی ملاقات میں دل ہاتھوں سے جاتا رہا اور میں انکے قدموں پر گر پڑا۔

شعر

مُدتے بود کہ مشتاق لقایت بودم　　لاجرم روئے تُرا دیدم واز جا رفتم

کچھ عرصہ کے بعد میں نے اپنی کیفیت عرض کرنے کی جسارت کی لیکن میرے عرض کرنے سے پہلے ہی اُنھوں نے اپنے صفائے باطن کے ذریعہ میرے حالات معلوم کرلئے تھے اور میرا مطلب ومقصود سمجھ گئے تھے لیکن میری صداقت کی بھوک پیاس کی تفتیش وتحقیق کی خاطر پھر میرے حالات دریافت فرماتے ہوئے کہا، اے پیاسے سنو! ہم تم سب ایک ہی نہر کے پیاسے ہیں اور ایک ہی دریا کی نہریں ہیں، مجھے یقین ہے کہ تم سمندر کے طلبگار بن کر میرے پاس آئے ہو اور میری حالت یہ ہے کہ میں بھی دوسروں کی طرح خود کو دریا کی ایک نہر کہتا ہوں، تم جس نہر کو زیادہ شیریں اور اسکے پانی کو زیادہ صاف شفاف سمجھو اس کی طلب میں کوشش کرنا اور اگر یہ نہیں چاہتے کہ اپنے اختیار کو کام میں لاؤ اور صرف امتحان مدِنظر ہو تو پھر خود کو سمندر کے حوالہ کردو اور اس کی توجہ کے منتظر رہو تاکہ وہ تمہیں جس راہ سے چاہے بُلائے اور جہاں چاہے پہنچادے، اس جملہ کو سُن کر میں نے ایک چیخ لگائی اور عرض کیا کہ میں حیران و پریشان ساحل حیرت پر پڑا ہوا ہوں سمندر کو مجھ سے کیا واسطہ ہے جو میری آواز سُنے، اور اس کو کیا پڑا ہے جو میری چیخ دپکار پر کان دھرے، میں نے خود کو آپکے حوالہ کردیا ہے، اب آپ جہاں چاہیں پہنچادیجئے، ارشاد فرمایا، مایوس نہ ہو تم کو سمندر سے خاص واسطہ وتعلق ہے، اور بفرض محال اگر کوئی شناسائی نہ ہو تب بھی وہ دریائے رحمت تمام پر محیط ہے چاہے کوئی چھوٹا ہو یا بڑا۔ ناقص ہو یا کامل، یاد رکھو! وہ ضرورت کے وقت فریاد رسی کرتا ہے اور تنگی کے زمانے میں دستگیری کرتا ہے۔

غرضنکہ میں آپکے اشاروں پر تیزی سے گامزن ہوگیا اور پہلی ہی رات میں میرا مطلب حاصل ہوا، چنانچہ بے اختیار ہو کر بغیر کسی توقف کے میں نے ان کی بیعت کر لی اور ان کی خدمت کرنے لگا، یہ ۶۔ شوال ۹۸۵ھ کا واقعہ ہے اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، علاوہ ازیں ایک اور سعادت اور عظیم ترین نعمت حاصل ہوئی جسکو ظاہر کئے بغیر صبر نہیں کرسکتا، اگرچہ وہ رازہائے سربستہ ہیں جن کو چھپایا ہی جاتا ہے

مصرعہ

لیکن از شوقِ حکایت بزباں می آید

سنئے! جب سعادت ازلی نے مجھے یہ نعمت ابدی سرفراز فرمائی تو میں ہمیشہ اسی اشتیاق میں رہا کہ میرے مقصود کی مجھے بشارت مل جائے تاکہ تسلی و اطمینان کے ساتھ راہِ سلوک میں تیزی سے آگے قدم بڑھاؤں، اور اگر طلب فرقت کی سوزش ہے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کتنی بڑی آرزو ہے اور مقصد کتنا عظیم الشان ہے

شعر

همیں کہ نام توام بر زباں رود نہ بس است　　من و وصال تو هیهات بس عجیب ہوس است

ہمیشہ اسی خیال میں رات دن کاٹ رہا تھا کبھی راتوں کو اس لئے بیدار رہتا کہ بارقہ جمال نظر آئے اور دن کو یہی جستجو رہتی کہ خواب و خیال ہی میں اس کے وصال کی نشانی مل جائے۔

قطعہ

اگر تو وعدہ وصلم دہی بہ بیداری　　حرام باد سر خود اگر بخواب آرم
دگر بخواب نمائی جمال خود یکدم　　بروز حشر نخواہم کہ سر ز خواب آرم

اور یہ حالت اس وقت تک رہی جبکہ عقل کا پردہ اور طلب کی خواہش درمیان سے اٹھ گئی اور اللہ کے فضل و کرم نے اپنا کام کر دکھایا، مجھ غریب کو براہ راست اپنی چوکھٹ پر پہنچا دیا اور ان بیداریوں کے نتیجہ میں وہ خواب دیکھا جو ہزار بیداریوں سے بہتر و برتر ہے

شعر

بخیالے ز تو راضی و بخوابے خوشنود　　حاصل از وصل تو خوابی و خیالے دارم

یہ اس واقعہ کا اجمالی ذکر ہے جس کو زبان قلم سے ادا ہی نہیں کیا جا سکتا۔

شعر

حفا بیان شوق بپایاں نمی رسد کوتاہ ساز قصۂ درد دراز را

اب مجھ فقیر کی درگاہ رب العزت میں ایک مناجات ہے اور ایک حاجت ہے جسے میں اس کی بارگاہ میں پیش کر رہا ہوں جس میں سے چند جملے ان اوراق میں لکھ رہا ہوں تاکہ جب چاہوں انھیں پڑھ کر اپنا دل خوش کر لوں، اور اگر کسی دوسرے شخص کی بھی میری ہی جیسی حالت ہو تو وہ بھی اس سے اپنا وقت خوش کر سکے اور عین ممکن ہے کہ وہ میرے لئے بھی دعا کرے جو حصول مقصد کا سبب بن سکے، اور اللہ تعالے قریب و مجیب ہے۔

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

اے اللہ تو میرے ساتھ وہی سلوک کر جو ایک کریم و محسن آقا اپنے کمزور مجرم نوکر کے ساتھ کیا کرتا ہے اور وہ سلوک نہ کر جو ایک منصف و با اقتدار حاکم اپنے مفسد و عیار و بدکار ڈاکوؤں کے ساتھ کرتا ہے۔

اے پروردگار! اگر تو ہم کمزوروں کے ساتھ انصاف کریگا تو ہم تیرے حضور اپنی عاجزی اور پیمانۂ صبر کو پیش کرینگے اگرچہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی، لیکن کیا کریں سوائے عاجزی کے ہمارے پاس اور کیا ہے، اے اللہ تو نے اپنے بندوں کو پیدا ہی اس طرح کیا ہے کہ اپنا ہی نفع چاہتے ہیں، مخلوق میں یہ خصلت تو نے ہی بخشی ہے جس کے استعداد قابلیت اور ماہیت بیان کرنے کی ہم میں سکت نہیں ہے، اے اللہ! ہم نے قرآن کریم میں پڑھا ہے اور تیرے حبیب پاک نے ہمیں بتایا ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے فنا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، اے اللہ! تو نے اپنا یہ فرمان ہمارے دل نشین کر دیا ہے "مجھ سے مانگو میں قبول کرونگا" اے

اللہ! تیری صفت حیّ وکریم ہے، تو اپنی تخلیق میں تبدیلی نہیں کرتا اور جو کچھ ہونے والا ہے اسے تیرا قلم لکھ کر خشک ہوگیا، تیرے افعال کی بابت کسی میں تجھ سے وجہ معلوم کرنے کی کوئی قوت نہیں ہے اور تیری بارگاہ میں کوئی بات بدلی نہیں جاتی، تو بڑا ہی رحیم وکریم ہے، اگر تو نے انسان میں فاعل ہونے کی قدرت رکھی ہے اور اسے شرط اولین قرار دیا ہے تو اس بیمار کا قیامت تک علاج نہیں ہوسکتا، اے پروردگار تیرے ہی لئے یہ امر سزاوار ہے کہ تیرے دربار میں کوئی دردمند نہ رہے گا، اے اللہ! تو ہم پر رحم کر، کرم کر۔

اے اللہ! ہم کو اطمینان قلب نصیب فرما کیونکہ اس کے سوا کوئی اور چیز مفید نہیں اور وہ کشادگی اور فارغ البالی دے جس کے ذریعہ دنیا اور آخرت کے تمام مقصود پورے ہوجائیں، استغفر اللہ! مجھے ان باتوں سے کیا مطلب میں تو نہایت کمزور فقیر بھیک منگا ہوں، مجھے یقین کی قوت عنایت کر اور وہ سرمایہ دے کہ پھر مخلوق کی حاجت نہ رہے اور ایسی بخشش کر کہ میرا ظاہر و باطن آباد ہوجائے

اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرے دل میں کتنی اُمیدیں اور آرزوئیں ہیں اور ساتھ ہی مجھے اپنی کمزوری اور بے بسی کا یقین بھی ہے، میں اپنا کوئی نصب العین مقرر نہیں کرسکتا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ میرے مقصد کے خلاف ہی میں فائدہ ہو لیکن آخرت کے درجات جو مقرر ہیں اُن کا آرزومند ہوں، کبھی دل میں خیال آتا ہے کہ یہ خواہش بھی طریقۂ بندگی سے دُور ہے، بندہ کو کوئی آرزو نہ کرنا چاہیئے لیکن یہ بہت بڑی بات ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بندہ سراسر عاجز، آرزومند ہے اے اللہ! مجھے یقین ہے کہ تمام دنیاوی خواہشوں کے درمیان موت حائل ہے جو بالکل ہیچ ہے اسی لئے میں تجھ سے رضامندی کا طلبگار ہوں، تیرے راستے میں ثابت قدمی حق پرستی، قوت یقین اور شک و شبہ کو زائل کرنے کے لئے عقل و شعور کا خواہشمند ہوں، مرنے کی محبت دے تاکہ دنیا سے کُوچ کرنا دشوار معلوم نہ ہو، فقیروں کی محبت عنایت کر تاکہ موت سے الفت ہوسکے۔

اے اللہ! اسباب وسامان جمع کرنے کی قوت نہیں اور بغیر کسی سامان کے کوئی کام نہیں ہوتا، مجھ غریب کے کام بغیر سبب کے پورے کر اور اگر بغیر سبب کے نہیں کرنا چاہتا تو اسباب آسان کر دے۔

یا مفتح الابواب اور یا مسبب الاسباب، ہمارے لئے سامان فراہم کر دے جن کے حاصل کرنے کی ہم میں سکت نہیں ہے، اے اللہ تو جانتا ہے کہ میرے کاموں کی بنیاد کی تکمیل کی امید نظر نہیں آتی، صرف تیرے ہی دربار سے اُمیدوار ہوں کہ تو اپنے خاص لوگوں کے وسیلہ سے بغیر کسی انسانی کوشش کے پورا کر دے اے اللہ! اگر مخلوق کے متوقعہ خیالات پورے نہ ہوں تو اپنی بے صبری اور بے طاقتی سے ہلاک ہو جائیں گے، اے اللہ! وہ حالات پیدا کر جو دل کی گرہ کھول دیں، دل باغ باغ ہو جائے اور دلوں کو فراغت نصیب ہو، اے سب سے زیادہ رحم وکرم کرنے والے جنّات اور انسانوں کی دستگیری کرنے والے، اور اے بہترین مددگار اللہ تعالیٰ! تو ہی مدد کر، اے اللہ ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے لیکن اس سے پہلے بشارت دیدے تاکہ دل خوش ہو جائے اور تکلیفیں دُور ہو کر یقین کی دولت مل جائے، اے اللہ! تمام دنیاوی کام ہمارے لئے آسان کر دے اور انکے وجود وعدم کو یکساں کر دے اے اللہ! تو دنیا کو میرا مقصود اعلیٰ نہ بنا، دنیا میں گرفتار نہ رکھ، دنیاوی علم وتعلیم میں ہمکو مقید نہ کر، ان لوگوں کو ہم پر مسلط نہ کر جو کہ ہم پر رحم نہیں کرتے ہیں اے اللہ! میں نے تجھی پر بھروسہ کیا ہے اور تیرے ہی دربار میں عاجزانہ دُعا کر رہا ہوں۔

اے اللہ توکل کے معنی سمجھ میں جب آتے ہیں کہ تیرے کمال معرفت اور شہود کا علم ہو، معرفت وشہود ایک مقام ہے کہ جس کی ہم ناقص اور ناکارہ طلب نہیں کر سکتے مجھ جیسا اندھا بے دست وپا تنہا اس جنگل میں پڑا ہوا ہے جسے مصیبتیں گھیرے ہوئے ہیں، اے اللہ میں اندھا بے اختیار اور مجبور تیرے دربار میں فریاد کر رہا ہوں، اب تو ہی دستگیری کر اور فریاد رس بن جا۔ اگر بفرضِ محال دستگیری نہیں کیجا سکتی

تو میں اندھا، استغاثہ وگریہ وزاری کے سوائے کیسے صبر کر سکتا ہوں

اے اللہ! بندہ اگر تجھ سے دُور ہے تو کیا؟ تو خود تو پاس ہے، ہماری فریاد رسی فرما۔

اے اللہ! تو جانتا ہے کہ اسباب و سامان فراہم ہوتے سے پہلے میرے دل میں کیسی کیسی اُمیدیں تھیں لیکن اب سامان پر نظر پڑتی ہے تو پُرانے خیالات میں کوتاہی نظر آتی ہے اور قدم ہمت سست ہو جاتا ہے۔

اے پروردگار! ہماری پُرانی اُمیدیں نئے سرے سے نئی کر دے اور بجھے ہوئے دل میں تازگی دیدے، جو چیز دینے کے قابل نہیں اس کی خواہش ہمارے دل سے دُور کر دے اور جو چیز دینے کے قابل ہے اس کے لئے ہمت دے تاکہ کوشش کریں اور یقین عنایت کر تاکہ وقت سے پہلے جلدی نہ کریں۔

اے اللہ! جوانی میں جہالت اور فطرت کی وجہ سے ہر طرح دنیا سمیٹنے کی فکر تھی اب آخرت کا غم ہے۔ دنیا اور آخرت کا غم یکجا ہو گیا ہے، دنیا اس طرح عنایت کر جس سے دین میں کوئی خلل اور خرابی پیدا نہ ہو سکے اور دل سے آخرت کا غم نہ نکلے اور آخرت کا غم اس طرح عنایت فرما کہ آخرت کے غم کے سوائے کوئی اور غم نہ ہو اور میں اپنے سینہ کو اپنے ناخنوں سے نہ چھیلوں۔

اے اللہ! میرے کاموں میں ترقی دے اور تنزّل و ذلّت ہم سے دُور کر دے

اے اللہ تیری رضامندی درکار ہے جس طرح چاہے اپنی خوشنودی سے ہمیں مالامال کر دے، اگر کبھی ہم اپنی جلد بازی اور طبیعت کے میلان کی وجہ سے کوئی ایسی چیز طلب کریں جو ظاہر میں مفید اور باطن میں مضر ہو تو ہماری مدد کر اور جسے تو پسند کرتا ہے اس کی توفیق دے اور جسے تو ناپسند کرتا ہے اُس سے دُور رکھ، اے اللہ تجھ پر ہر کام آسان ہے، آسان کیا معنی بلکہ ہر قسم کی نعمت جس کا تصوّر کیا جا سکتا ہے وہ تو نے اپنے بندوں کو عنایت کی ہے، دنیاوی عزت، شان و شوکت، عظمت و رفعت، مذہب و ملت، علم و ہدایت، حق و معرفت اور قرب و کرامت سب ہی تو نے اپنے بندوں کو دئیے ہیں، میں کس چیز سے مایوس ہوں اور کیوں مایوس ہوں البتہ

مشیت تیرے ہاتھ میں ہے جس کو جتنا چاہتا ہے دیتا ہے خواہش دراصل تیری ہی خواہش ہے، مجھے یقین ہے کہ تیری خواہش کے بغیر کسی انسان میں کوئی خواہش پیدا ہی نہیں ہوتی اور کوئی فائدہ بھی نہیں دیتی اس پر بھی انسان بے چارہ مجبور ہے۔ وہ اپنی خواہشات پر صبر نہیں کرسکتا اور آرزو بھرا دل تیرے حضور پیش کرتا ہے۔

اے اللہ! میں تیرے قرآن کریم اور تیرے محبوب کی سنت کے وسیلہ سے دعا کررہا ہوں تو میری دعا قبول فرما۔

اے اللہ! میں جب دعا کی قبولیت کی شرطوں کو دیکھتا ہوں تو مایوس ہوجاتا ہوں اور دعا کرنے میں سستی کرتا ہوں لیکن اگر تیرا یہی آخری فیصلہ ہے کہ بغیر شرائط دُعا کے تو کوئی دعا قبول نہیں کرتا، تو مجھے شرائط دعا کی جلد از جلد توفیق عنایت کر اور پھر میری دعائیں قبول فرمائے اور میرے جرائم پر نظر کئے بغیر گوہرِ مقصود سے میرا دامن بھردے۔

اے اللہ! جب تک تو میرے مطلوب کی بشارت دلیل اور یقین سے عنایت نہیں کریگا اسوقت تک تیرا یہ کمترین بندہ تیرے دربار میں اسی طرح چیخ و پکار اور گریہ و زاری کرتا رہے گا کیونکہ رونے بغیر دل کو قرار ہی نہیں آتا، اور اگر میری دعائیں تیری بارگاہ میں قبول نہ ہوئیں تو پھر افسوس ہی افسوس اور مایوسی ہی مایوسی ہوگی۔

اے اللہ! تو مجیب الدعوات ہے ہماری دعائیں قبول کر اور تو ہی کریم و رحیم ہے اس لئے اپنے ذلیل بندے کی عاجزی قبول فرمالے۔

اے اللہ! نفس و شیطان کے خوف سے میرے اوقات کو تشویش سے بچا جب نفس و شیطان غلبہ کرے تو اسوقت قرآن کریم تلاوت کرنیکی توفیق دے تاکہ تلاوت کلام پاک کے ذریعہ تمام رنج و غم دُور ہوکر قلبی راحت میسر ہوتی رہے۔

اے اللہ! اپنے کلام سے الفت و محبت عنایت کرتا کہ اسمیں مستغرق رہوں اور تیرے ذکر کے علاوہ ہر چیز سے دست بردار ہوجاؤں

اے اللہ! میرے غم کی کیفیت و حقیقت تیرے سوا کوئی نہیں جانتا، میں جس سے

اپنی مشکلات بیان کرتا ہوں وہ حقیقت حال پر غور کئے بغیر وہ بات کہتا ہے، جو میرے لئے کارآمد نہیں اور میرے درد کا علاج نہیں، نیز اکثر لوگ میری تکالیف سن کر کچھ دوسری غرض سمجھتے ہیں۔

اے اللہ! تو میری حقیقی حالت، میری غرض، میرے مقصد، میرے مطلب اور میری نیت سے بخوبی واقف ہے، میں اپنی سچی نیت کا تو دعویٰ نہیں کرتا کیونکہ تجھ سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے، اس پر بھی میں اپنی سچی نیت اور اچھے اعمال کا تجھ رحیم و کریم سے سوال کر رہا ہوں۔

اے اللہ! میرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جسے آپکے دربار میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں، میرے تمام اعمال میں فساد نیت موجود رہتی ہے، البتہ مجھ حقیر فقیر کا ایک عمل صرف تیری ذات پاک کی عنایت کیوجہ سے بہت شاندار ہے اور وہ یہ ہے کہ مجلس میلاد کے موقع پر میں کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہوں اور نہایت ہی عاجزی و انکساری محبت و خلوص کے ساتھ تیرے حبیب پاک صلے اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتا رہا ہوں۔

اے اللہ! وہ کونسا مقام ہے جہاں میلاد مبارک سے زیادہ تیری خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے؟ اس لئے اے ارحم الراحمین مجھے پکا یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی بیکار نہ جائیگا بلکہ یقیناً تیری بارگاہ میں قبول ہوگا اور جو کوئی درود و سلام پڑھے اور اس کے ذریعہ دعا کرے وہ کبھی مسترد نہیں ہو سکتی۔

اے اللہ! میرے شوق طلب کو اور زیادہ کر اور صداقت کی پیاس زیادہ بڑھا تو نے جو نعمتیں دی ہیں انھیں نہ چھین اور رزق دیا ہے وہ واپس نہ لے تو نے جو بشارت دی ہے اُسے پُر اثر بنا، کیونکہ تو ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! میری خواہش ہے کہ ہر لمحہ ایک نئے طرز سے تیرے دربار میں سوالی بن کر حاضری دوں اور جو کچھ دل میں ہے وہ زبان پر لاؤں، تو نے میرے دل میں اپنا جو درد رکھ دیا ہے اُسے مجھ سے زیادہ تو ہی خوب جانتا ہے اور انجام کار جو چیز میرے دل میں نہیں سماتی اس سے بھی تو ہی

اچھی طرح واقف ہے۔

اے اللہ! میں اپنی گریہ وزاری سے تجھ پر کوئی حکم نہیں چلاتا بلکہ جو کچھ عرض کر رہا ہوں وہ سب عاجزی، خاکساری، بے بسی اور مجبوری ہے کیونکہ انسان کو کمزور فطرت عطا کی گئی ہے۔

اے اللہ! نیک لوگ چلے گئے اور جوانمرد رخصت ہوگئے، اب وہ زمانہ آیا ہے، جسمیں نیک بن کر رہنا دشوار ہوگیا ہے بلکہ نیکی کا تصور بھی محال ہے لیکن اگر تو قوت دیدے اور تائید فرمادے تو ہر مشکل کام آسان ہے،، اے اللہ! جو تھوڑے سے نیک لوگ باقی ہیں ان کی حفاظت فرما تاکہ وہ نیکی پھیلاتے رہیں، ان کی نیکی سے نیکی کی مزید شاخیں اور پھل پیدا کر، ہماری اُمیدوں کو شاخ در شاخ اور ہمارے دلوں کو اس طرح باغ باغ بنادے جیسا تو نے شجرۂ طیبہ کی جڑ مضبوط کر کے اس کی شاخیں آسمانوں میں پھیلا دی ہیں جن کے پھل تیرے احکام کے بموجب نیک لوگ کھا رہے ہیں۔

آخر میں دعا ہے اے اللہ! تمام تعریف تیرے ہی لئے ہے تو تمام جہانوں کا رب ہے میں نے اپنا کام تیرے سپرد کر دیا ہے اور تو اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

شعر

سپردم بتو مایۂ خویش را　　　تو دانی حساب کم و بیش را

اور درود و سلام ہو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر آپ کے آل و اصحاب پر اور سب نیک لوگوں پر، آمین ثم آمین

اب میں اپنے نعتیہ قصیدہ پر یہ کلام ختم کرنا چاہتا ہوں تاکہ انجام بخیر ہو، یہ قصیدہ اگرچہ ہندوستان میں لکھا گیا ہے لیکن مدینہ طیبہ کی زیارت کی سعادت حاصل کرنے پر سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں پڑھا گیا اور شرفِ قبولیت حاصل کر کے میرے مقاصد کے حصول کا سبب بنا، اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا لاکھ شکر ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

قصیدۂ نعتیہ

بیا اے دل دمے از ہستیِ خود ترکِ دعویٰ کن — میفگن چشم بر صورت نظر در عین معنی کن
نگندی چوں نظر در عین معنی بعد ازاں اے دل — چو عنقا از سرِ عزت بقاف فقر ماویٰ کن
ز چاک سینہ ہر دم صد نوائے درد دل بشنو — بدیں قانون الفت ترک بزم اہلِ دنیا کن
چو زیں دار فنا قصد سفر سوئے دگر داری — چرا غافل نشینی اے دل اسبابش مہیا کن
بصد خون جگر در زیر راں کش توسن نفست — بدیں ساں راہ راحل گیر و قصد راہ عقبیٰ کن
پس آنگہ بر سر کوئے فنا نہ پائے استغنا — وجود خویش را گم در شہود نور مولےٰ کن
اگر خواہی تماشائے جمال شاہد معنی — نخست ایں چشم صورت بیں ز میل عشق اعمیٰ کن
بشاگردی در آ در مکتب جاں پس بلوح دل — بتعلیم دبیر عشق حرف شوق املا کن
مبند اے خفتہ دل چشم تماشا سر فرو مفگن — بعین عبرت آخر سیر صنع حق تعالیٰ کن
چہ حاجت کز پئے خلوت روی در کنج تنہائی — بیادِ دوست خود را از خیال غیر تنہا کن
بیا در انجمن خلوت گزیں واز رہ دیگر — بچشم دل جمال دوست را ہر دم تماشا کن
بسرش غیر را محرم مگرداں بلکہ در خلوت — چناں پوشیدہ کن ذکرش کہ از دل نیز اخفا کن
چو نفی ما سوی کردی چہ دل کو جاں ہمہ ہیچند — دلیلت کل شئ ہالک الا وجہہ را کن
چو فرق واضح آمد درمیان مہلک و ہالک — ہلاک و نیستی را حکم بر ہر چیز حالا کن
کش از پرکار الا خط عدم بر صفحۂ عالم — بساں دائرہ آنرا محیط جملہ اشیا کن
پس انگہ نقطہ ذاتست کامد مرکز ہستی — بروں زیں دائرہ آں نقطہ را ثابت بالا کن
بروں از روئے صورت وزرہ معنی درون آتش — میان نقطہ و آں دائرہ غیریت افنا کن
ہماں نقطہ تحرک کرد و آمد دائرہ پیدا — مثال از بہر ایں از نقطہ جوالہ پیدا کن
چو بینی نور مطلق خویشتن را درمیاں ناری — ہو الحق از انا الحق بعد ازیں مختار اولیٰ کن
مسمی واحد و اسمائے او از حد و عد بیروں — بہر اسمے شہود نور ذات آں مسمیٰ کن
در اسمائے حقیقی شد مسمی عین ہر اسمے — عجب مشکل حدیثے است ایں بگوش ہوش اصغا کن

معمائیست مشکل در حساب عاقلاں وحدت / بتحصیل کمال نفس حل ایں معما کن
کمال نفس وہم تہذیب اخلاقت بدست آید / اگر ایں را ہوس داری بنائے شرع برپا کن
حقیقت از شریعت نیست بیش عارفاں بیروں / مثال آں بکشتی ساز و شبہ آں بدریا کن
بریں کشتی نشیں تا بگذری زیں بحر بے پایاں / نہ چوں فرعون، خود را غرق بحر کفر اغوا کن
زباں مکشا بنا فرمودۂ شارع سخن ایں است / پئے اسمائے توفیقی زبان عجز گویا کن!
دہاں را قفل خاموشی نہ و سربستہ دار آں در / کلید امرش آوردن در سربستہ را وا کن!
دگر خواہی زباں بکشائی و در راہ سخن پوئی / ثنائے بادشاہ یثرب و سلطان بطحا کن
سریر آرائے ملک آفرینش احمد مرسل / کہ پیش از وے نشد در ملک ہستی کار فرما کن
بشد تا بر سر منشور عالم خاتم حکمش / ز دیوان ازل آمد بر آں منشور طغرا کن
بیان قربت او قاب قوسین است او ادنیٰ / بمقدار علو قدر او ایں نیز ادنیٰ کن!
قیاس رتبہ و مقدار فضل از انبیا تا وے / ز قطرہ تا بدریا ز ذرہ تا بہ بیضا کن
حبیب اللہ بود او انبیا را داں محب اللہ / قیاس کار از اسری بعید و جار موسیٰ کن
بخود میرفت موسیٰ لیکن او را حق بخود بردش / ز رفتن تا بہ بردن فہم فرق آشکارا کن
چو خود بردند او را در حق او قد رأی گفتند / بموسیٰ لن ترانی فہم تفصیلش ازیں جا کن
خطاب باعتاب ان تولیتم اگر خواندی / بایں والی و والا قدر ملک دیں تولا کن
اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری / بدرگاہش بیا و ہرچہ می خواہی تمنا کن
بیا اے دل قدم نہ بر سر کوئے وفا وانگہ / ز راہ صدق جاں را خاک راہ آں کف پا کن
سر و تن را براہ جلوہ آں سرو بالا کش / دل و جاں را فدائے حسن آں رخسار زیبا کن
ثنائش گو ولے چوں نیست ایفائش ز تو ممکن / بایں یک بیت مدحش را علی الاجمال ایفا کن
مخواں او را خدا از بہر امر شرع و حفظ دیں / دگر ہر وصف کش میخواہی اندر مدحش املا کن
چو از انشار تفصیل صفاتش عاجزی ابدال / بیا و عرض و حال خویش بر خدامش انشا کن
خرابم در غم ہجر جمالت یا رسول اللہ / جمال خود نما رحمے بجان زار رشیدا کن
اسیران تو جاں دادند در ہجر لب لعلت / دہاں بکشا و از راہ کرم احیائی موتی کن

جہاں تاریک شد از ظلمت ظلم سیہ کاراں
بیاد عالمے را روشن از نور تجلا کن

زیاں کاراں بہ بازار ہوا سودائے زرداند
شکست و رونق و گرمی ایں بازار وسوا کن

ہمہ بے ہمتان دہر بجل آئین خو کردند
بلطف امعان مبین و از کرم احیائے محیا کن

ز ظلم ظالماں شور است و غوغا ہر طرف آخر
بعدل و رافت خود بر طرف ایں شور و غوغا کن

بسنگ سیم و زر جاہل گرانبار است از عالم
بمیزانِ عدالت قدر ہر یک را ہویدا کن

بصدیق رضؓ صداقت پیشہ فرما تا قدم آرد
طریقِ صدق و آئین وفا را باز پیدا کن

عمر رضؓ را باز بنشاں بر سریر معدلت آئیں
بدیں آئیں میان خلق رسم عدل احیا کن

ہمہ کس راست از عجب و تجبر دعوٰی اندر سر
ز سر فرست عثمان رضؓ را و قطع امر شورا کن

بدفع حیلۂ ایں روبہاں بفرست شیر حق
بفرما کش کہ قلع باغیاں و قمع اعدا کن

بزور بازوئے خیبر کشا بنیاد جہل افگن
رواج رونق بازار علم و کار تقوٰی کن

دگر نائی تو بابایاں راں بظلم آباد ایں دنیا
بدفع ظالماں حکم نیابت را بہ عیسٰی کن

بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما
بلطف خود سر و ساماں جمع بے سر و پا کن

محب آل و اصحاب توام کار من حیراں
بلطف خویش ہم امروز ہم در روز فردا کن

بیا حقی مدہ تصدیع خدام جنابش را
کہ احوال تو معلوم است اظہارش مکن یا کن

بقسمت باش راضی دم مزن الا بشکر حق
سکونت ورز و تسکین دل خود از قسمنا کن

تمت بالخیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب اخبار الاخیار مکمل ہوئی لیکن حقیقتاً اس وقت پایۂ تکمیل کو پہنچے گی جبکہ زبدۃ المقربین، قطب الاقطاب، فضیلت مآب، مظہر تجلیات الٰہی، مصدر برکات نامتناہی امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ کے کچھ حالات تحریر کئے جائیں، مجھ مصنف کو آخری عمر میں آپ سے نسبت حاصل ہوئی اس لئے آپ مقدم ترین کاملین و سابق ترین واصلین الی اللہ کا تذکرہ اس کتاب کے آخر میں ہی زیادہ مناسب ہے اور اگر حقیقت پر نظر کیجائے تو اول و آخر سب ایک ہی چیز ہے، میرا آپ سے رجوع ہونا ثقہ حضرات کی زبانی بھی مشہور بات ہے جیساکہ کتاب کے آخر میں انشاء اللہ بیان ہوگا۔

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ

آپ کا سلسلہ نسب (۲۸) واسطوں کے ذریعہ حضرت فاروق اعظمؓ سے ملتا ہے،

پیدائش ۹۷۱ — وفات — ۱۰۳۴ھ

۹۷۱ھ میں آپ پیدا ہوئے، بہت قلیل عرصہ میں علوم عقلی و نقلی سے فراغت حاصل کی اور اپنے والد بزرگوار سے سلسلہ چشتیہ قادریہ سہروردیہ اور کبرویہ کی اجازت حاصل کی، پھر حجاز تشریف لے گئے جہاں سے واپسی پر دہلی آئے اور یہاں حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ سے بیعت کی اور عرصہ تک انکی صحبت میں رہے لیکن صرف ڈیڑھ ماہ اور چند دنوں کی خدمت کے بعد سلسلہ نقشبندیہ کی مکمل تعلیم و اجازت لی، چنانچہ خواجہ صاحب نے اپنے ایک دوست کو لکھا ہے کہ سرہند میں ایک بہت بڑے عالم و عامل ہیں جن کا نام شیخ احمد ہے انھوں نے چند روز میرے پاس نشست و برخاست کی جس میں میں نے انکے عجیب عجیب حالات دیکھے ہیں اور ان کے اوقات و اعمال صالحہ کے پیش نظر یقین ہے کہ وہ عنقریب ایسا روشن آفتاب ہو کر چمکیں گے کہ جس سے ساری دنیا جگمگا جائے گی۔

نیز خواجہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ شیخ احمد ایسے آفتاب ہیں جنکے سایہ میں ہم جیسے ہزاروں تارے چھپے ہوئے ہیں۔

غرضنکہ خواجہ محمد باقیؒ نے آپ کے مناقب و فضائل بکثرت تحریر فرمائے ہیں جنمیں سے چند پر اکتفا کرتا ہوں۔

فرماتے ہیں کہ دہلی آنے کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں آپ کی عالمگیر شہرت ہوگئی اور آپکے آستانہ پر صاحبان علم و کمال کا مجمع رہنے لگا۔ مشائخ زمانہ آپکے معتقد اور اکابرین وقت آپ سے عاجزانہ طور پر ملتے تھے، آپ کی وجہ سے تانبا سونا بنا اور ذرے آفتاب کہلائے، آپ کی بابرکت ذات اللہ تعالےٰ کی نشانی اور اس کی خاص نعمت تھی، علماء کرام اور صوفیائے عظام کے درمیان ایک ہزار سال سے جو نزاع و تکرار تھی وہ آپ نے صاف کرائی اور احادیث کے موافق ان دونوں کو ملادیا، جیساکہ مشہور کتاب حضرات القدس میں ہے کہ علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب جمع الجوامع میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "میری اُمت میں ایک ایسا شخص ہوگا جسے لوگ صلۃ کہیں گے اور اس کی سفارش سے اتنے اتنے اشخاص جنت میں جائیں گے۔" اور یہ اشارہ آپ ہی کیطرف ہے کیونکہ آپ ہی نے علماء و صوفیہ کا باہمی تنازعہ ختم کرایا اور آپ ہی نے مسئلہ وحدت الوجود کی جانب دونوں کو ایک راہ پر لگایا چنانچہ اس تحریر کے بعد آپ نے خود تحریر کیا ہے، اللہ تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے بحرین کے درمیان مجھے صلہ بنایا ہے۔

آپ لوگوں کے اندرونی اور قلبی حالات سے واقفیت رکھتے، پوشیدہ باتیں بتاتے اس عالم تکوینی میں تصرف دکھاتے، غرضنکہ آپکے خوارق عادات جو کتابوں میں تحریر ہیں وہ سات سو سے زیادہ ہیں اور ان تحریر شدہ کے ماسوا اور بھی بہت کرامتیں ہیں، چونکہ حکم ہے اگر سب نہیں پا سکتے تو سب کو ترک بھی نہ کرو، اس لئے چند خوارق حوالۂ قلم کئے جاتے ہیں۔

۱۔ کہتے ہیں کہ آپ سفر میں تھے اور ہوا سخت گرم تھی دوستوں کے اصرار پر آپ نے بارش کی دعا کی تو فوراً ہی صاف آسمان پر بادل آیا اور بارش ہوگئی۔

۲۔ ایک آدمی نے عرض کیا میں اس سال پھر حج کرنے جارہا ہوں، آپنے جواباً

نہا، میدان عرفات میں تم مجھے دکھائی نہیں دیتے، اگرچہ تم کئی بار حج کے ارادہ سے گئے لیکن حج کرنا تم کو نصیب نہ ہوا۔

۳۔ آپ کے ایک مرید جان محمد کا بیان ہے کہ ایک شام حضرت شیخ رح نے میرے ہاتھ میں ایک جوز دیا اور فرمایا حافظ باغ میں چند درویش مقیم ہیں، انہیں ایک شخص چیچک رو ہے جاؤ اور اس کو جوز دیکر اپنے ساتھ لیتے آؤ، غرضکہ آپکے بتائے ہوئے پتہ پر میں پہنچا دیکھا کہ چند قلندر جمع ہیں اور انکے قریب ہی ایک چیچک رو فقیر بیٹھا ہے اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا، حضرت شیخ نے تمکو میرے پاس بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! اور پھر جوز دیتے ہوئے حضرت شیخ کا پیغام پہنچایا، اس پر اس فقیر نے کہا، ہمکو بلایا ہے اور خود نہیں آئے، غرضکہ وہ فقیر میرے ساتھ حضرت شیخ کے پاس آیا، حضرت شیخ نے مجھ جان محمد سے قہوہ منگوایا، میں قہوہ لایا تو آپ نے فرمایا، پہلے ان درویش کو دو، میں نے جو اس درویش کیجانب دیکھا تو وہاں خود آپ کو بیٹھا پایا اور انھوں نے فرمایا کہ پہلے حضرت شیخ کو دو، غرضکہ میں نے جدھر رُخ کیا حضرت شیخ ہی کو جلوہ گستر پایا۔

ان درویش نے مجھ جان محمد کی بابت حضرت شیخ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا، یہ جان محمد فلاں قلندر کے فرزند ہیں، اس پر اس درویش نے کہا وہ تو ہمارے دوست تھے، اب یہ جان محمد کس سلسلہ میں بیعت ہے، حضرت شیخ نے فرمایا سلسلہ قادریہ میں، جس پر اس درویش نے کہا میں سفارش کرتا ہوں کہ انکو حضرت غوث الاعظم رح تک پہنچا دو، چنانچہ حضرت شیخ نے اُٹھ کر قطب تارے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا، جان محمد! تم قطب تارہ پہچانتے ہو، خوب غور کر کے بتاؤ یہی ہے یا دوسرا ہے، چنانچہ میں نے دیکھا کہ قطب تارہ میں سے ایک شخص کالا لبادہ اوڑھے تیز رفتاری کے ساتھ حضرت شیخ کے پاس آیا، پھر حضرت شیخ نے مجھ جان محمد سے فرمایا تو حضرت غوث اعظم رض کی خدمت میں حاضری دو، اس کے بعد حضرت غوث اعظم رض پھر قطب تارہ کی جانب متوجہ ہوئے اور غائب ہو گئے، اس واقعہ کے بعد مسجد میں اس درویش نے مجھ سے کہا، حضرت غوث اعظم رض سے تم نے ملاقات کی؟ میں نے کہا جی ہاں

حضرت شیخ کے الہامات و مبشرات بھی بکثرت ہیں، اُن میں سے ایک یہ ہے۔
اللہ نے فرمایا ہے میں نے تمہیں اور اس شخص کو جس نے تمہیں بالواسطہ یا بغیر واسطہ قیامت تک وسیلہ بنایا بخشدیا ہے،

الحاصل جو کوئی حضرت شیخ کے تفصیلی حالات، کشف الہامات اور مبشرات وغیرہ دیکھنا چاہے وہ آپ کی تصنیفات حضرات القدس، برکات احمدیہ، معارف جدیدہ اور حقائق نادرہ وغیرہ کا مطالعہ کرے جو آپکے نورانی قلم سے لکھی گئی ہیں آپ وہ آفتاب تھے جن سے منکروں کی آنکھیں چوندھیاتی ہیں اور حاسدوں کے دل اندھے ہو جاتے ہیں، یہ معارف وحقائق اور ہدایات وارشاد جو سُنے اور دیکھے جا رہے ہیں یہ اُس ذات والاصفات کے ہیں جو علی علی کہتے تھے، آپ مجدد ہیں، سو سال کے بعد کے مجدد نہیں بلکہ حضرت علی کے ہزار سال کے بعد والے مجدد ہیں، اور یہ فرق کوئی معمولی فرق نہیں بلکہ بہت بڑا فرق ہے کاش تم لوگ اس سے واقفیت حاصل کرلو۔

آپ کے حسن اخلاق، عمدہ سیرت کی بابت مختصراً عرض ہے کہ صبر تحمل رضا و تسلیم اور ہر شخص کی تعظیم، مخلوق الٰہی پر شفقت، ان کے ساتھ صلہ رحمی، حاجتمندوں کی امداد، السلام علیکم کرنے میں سبقت، آہستہ و نرم گفتگو آپ کی سیرت و خصلت تھی، آپکا مسلک قرآن کریم و حدیث شریف تھا، اور آپ کی یہ ایک فضیلت دوسری تمام فضیلتوں سے سبقت لے گئی ہے۔

مختصر یہ کہ آپ اپنا کارخانہ ارشاد طلاب اپنے بیٹوں کے حوالہ کرکے خلوت نشین ہو گئے تھے اور خلوت سے جلوت میں بہت کم آیا کرتے، وفات سے بہت پہلے سے اشارۃً اپنی وفات کو کہا کرتے تھے، ایک دن صاف فرمایا مجھے بتایا گیا ہے کہ چودہ پندرہ دنیں ۱۲-محرم ۱۰۳۴ھ سے پہلے انتقال کرونگا، چنانچہ آپ نے منگل کے دن صبح کے وقت جبکہ ذرا سا سورج نکلا تھا سرورعالم کی عمر شریف کی مانند (۶۳) سال کی عمر میں اس دنیا سے بہشت جاوداں کیجانب کوچ کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، آپکے انتقال، غسل اور اس کے بعد کے واقعات میں جو عجیب وغریب چیزیں دیکھنے میں آئیں وہ کتاب

مقامات میں ناظرین ملاحظہ کر سکتے ہیں (میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے حضرت خواجہ باقی باللہ کے مرید و خلیفہ شیخ حسام الدینؒ کو ایک خط لکھا ہے) اس خط کے اظہار کا پہلے تذکرہ کیا گیا ہے چنانچہ اس وعدہ کو اب آخر میں پورا کیا ہے۔

مجھ فقیر عبدالحق کو حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نے جو صفائی باطن عنایت فرمائی ہے وہ بے حد و شمار ہے۔ حضرت شیخ نے ہمارے درمیان کوئی پردہ بشریت و حجاب باقی نہیں رکھا، آپ نے طریقت، انصاف اور عقلی تمیز جو بزرگوں کا خاصہ ہے۔ اس دنیا کے اندھیرے باطن میں بطریقۂ ذوق، وجدان و غلبہ کے پوری طرح جاگزیں کر دیا جس کے اظہار سے زبان عاجز ہے، تمام تعریفیں اور پاکیزگی صرف خدا تعالےٰ ہی کے لئے ہے جو دلوں کو بدلتا اور حالات درست کرتا ہے۔ بعض لوگ شاید اس کو دُور کی بات سمجھیں لیکن میں نہیں جانتا کہ اب میری کیا حالت ہے اور کیا طریقہ ہے۔

لاکھوں درود و سلام ہوں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر، آپ کے آل و اصحاب پر اور تمام صالحین پر، اے ارحم الراحمین تو ہم سب پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ آمین۔

بعض دوستوں نے اس کتاب کی یہ تاریخ نکالی ہے

طیب اللہ حقی انفاسک — زادک اللہ قوۃً و غنی

نام و تاریخ ایں کتابِ عزیز — گر کُنی ذکر اولیا احسن

۹۹۹ھ